

قصص الانبياء

قرآن و احادیث صحیحہ کی روشنی میں



ماخوذ از البیان والہدایہ

تالیف / امام ابو الفداء ابن کثیر الدمشقی رحمہ اللہ

دار السلام



لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةً لِّأُولِي الْأَلْبَابِ

”یقیناً ان کے بیان میں عقل والوں کے لیے عبرت ہے۔“

قِصَصُ الْأَنْبِيَاءِ

قرآن احادیث صحیحی روشنی میں

ماخوذ از البدایہ والنہایہ

تالیف

امام ابو الفداء ابن کثیر الدمشقی

اعداد
شعبہ تصنیف و تالیف
دائرہ اسلام لاہور

ترجمہ
مولانا عطاء اللہ شاہ چغتاء
پروفیسر یونیورسٹی



دائرہ اسلام

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اسلامی
تبلیغی ادارہ
پتہ: دارالعلوم لاہور
فون: 3733111 تا 3733114



- طوفان کی آمد اور نجات پانے والوں کو شکر ادا کرنے کا حکم..... 90
 حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد اور ان کی اپنے بیٹوں کو وصیت..... 96
 نتائج و فوائد..... عبرتیں و حکمتیں..... 99

حضرت ہود علیہ السلام

- نام و نسب اور بعثت..... 107
 حضرت ہود علیہ السلام کی دعوت اور قوم کا رویہ..... 112
 حضرت ہود علیہ السلام کا بتوں سے اعلان براءت..... 117
 حضرت ہود علیہ السلام کی فریاد اور نوعیت عذاب..... 119
 نتائج و فوائد..... عبرتیں و حکمتیں..... 129

حضرت صالح علیہ السلام

- حضرت صالح علیہ السلام کا نام و نسب اور قوم شہود کا علاقہ..... 133
 حضرت صالح علیہ السلام کی بعثت و دعوت اور سرداران قوم کا رویہ..... 135
 قوم شہود کی طرف سے معجزے کا مطالبہ اور اس کی بے حرشتی..... 138
 قوم شہود پر نزول عذاب اور صالح علیہ السلام کا اظہار افسوس..... 144

حضرت ابراہیم علیہ السلام

- نام و نسب، بعثت اور والد کو دعوت تو حید..... 149
 حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نظام کائنات میں غور و تدبیر..... 155
 بت پرستوں سے مناظرہ اور دعوت غور و فکر کے لیے شاعرانہ تدبیر..... 157
 قوم کا تشن اور ابراہیم علیہ السلام کی بت شکنی..... 162
 حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ کے الاؤ میں..... 165
 حضرت ابراہیم علیہ السلام کا غمزدہ سے مناظرہ..... 168
 حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملک شام کی طرف ہجرت، مصر میں داخلہ اور ارض مقدس میں قیام..... 171
 حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت..... 175
 حضرت ہاجرہ علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کے میں..... 178

فہرست مضامین

- عرض ناشر..... 15
 ابتدائیہ..... 19

حضرت آدم علیہ السلام

- تحقیق آدم علیہ السلام کا اعلان اور اللہ تعالیٰ کا فرشتوں سے مکالمہ..... 21
 تحقیق آدم و حواء علیہ السلام اور فرشتوں کا سجدہ..... 25
 ابلیس کا تکبر اور اس کا انجام بد..... 31
 آدم اور حواء علیہ السلام دخول جنت سے خروج تک..... 34
 اولاد آدم علیہ السلام اور قصہ ہانبل و قاتیل..... 43
 آدم علیہ السلام کی وفات اور بیٹے شیت علیہ السلام کو وصیت..... 53
 نتائج و فوائد..... عبرتیں و حکمتیں..... 56

حضرت اور لیس علیہ السلام

- نام و نسب، جائے پیدائش اور قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ..... 64
 دوران معراج نبی ﷺ اور اور لیس علیہ السلام کی ملاقات..... 66
 قلم کے موجد..... 66

حضرت نوح علیہ السلام

- نام و نسب، پیدائش اور قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ..... 68
 دنیا میں بت پرستی کا آغاز..... 79
 نوح علیہ السلام کی قوم کو دعوت تو حید..... 81
 جب قوم نے خود عذاب مانگا..... 86
 طوفان نوح کے اسباب اور کشتی بنانے کا حکم..... 87

حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہ السلام

- حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے فرزند ارجمند 269
حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد اور ان کی باہمی عداوت اور سبب 270
حضرت یعقوب علیہ السلام کی حراں آمد اور شادی 271
حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کے نام 275

حضرت یوسف علیہ السلام

- احسن القصص 278
حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب 280
برادران یوسف کا قصہ 282
یوسف علیہ السلام سرزمین مصر میں 286
یوسف علیہ السلام عزیز مصر کے گھر میں 288
عزیز مصر کی بیوی کا شہر میں چہ چا اور زمان مصر کی ضیافت 292
حضرت یوسف علیہ السلام قید خانے میں 295
بادشاہ کا خواب اور اس کی تعبیر 299
حضرت یوسف علیہ السلام بے تصور جاہت ہوتے ہیں 301
حضرت یوسف علیہ السلام منصب حکومت پر 303
برادران یوسف علیہ السلام مصر میں 304
بنیامین کی حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات 306
حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب اور انعامات ربانی پر اظہار شکر 319
حضرت یعقوب علیہ السلام کی بیٹوں کو وصیت اور حضرت یعقوب اور یوسف علیہ السلام کی وفات 322
نتائج و فوائد عبرتیں و حکمتیں 325

حضرت ایوب علیہ السلام

- نسب نامہ اور قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ 334
حضرت ایوب علیہ السلام کی آزمائش اور صبر کی انتہا 336

- حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عظیم قربانی 180
حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت 184
بیت اللہ کی تعمیر اور اہل مکہ کے لیے دعائے ابراہیم علیہ السلام 189
قرآن وحدیث کی روشنی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام و مرتبہ 195
حضرت ظیل اللہ علیہ السلام کی عمر اور وفات 206
نتائج و فوائد عبرتیں و حکمتیں 209

حضرت لوط علیہ السلام

- نام و نسب، جائے نبوت اور قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ 217
حضرت لوط علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ 224
حضرت لوط علیہ السلام کے مہمان اور قوم کا کردار 225
عذاب کا نزول 231
اہل خرد کے لیے مقام عبرت 234
نتائج و فوائد عبرتیں و حکمتیں 238

حضرت شعیب علیہ السلام

- حضرت شعیب علیہ السلام کی بعثت ودعوت اور قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ 242
خطیب الانبیاء کی قوم ”مدین“ 246
حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کو نصیحت اور قوم کا اعلان بغاوت 248
عذاب کی آمد اور قوم کی ہلاکت پر نبی علیہ السلام کا اظہار افسوس 254
نتائج و فوائد عبرتیں و حکمتیں 260
آل ابراہیم کے انبیاء علیہم السلام 263

حضرت اسماعیل علیہ السلام

- سیرت حضرت اسماعیل علیہ السلام 264
حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی اور اولاد 267

- 336..... اپنے رب سے صحت کی دعا
341..... تباہ و فوائد..... عبرتیں و حکمتیں

حضرت ذوالکفل علیہ السلام

- 344..... قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ

عمومی تباہی سے دوچار ہونے والی اقوام

- 348..... اصحاب ارس
351..... قوم ہمس
352..... قوم کا رسولوں سے مکالمہ

حضرت یونس علیہ السلام

- 356..... قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ
358..... حضرت یونس علیہ السلام وطن چھوڑتے ہیں
359..... یونس علیہ السلام پھنسی کے پیٹ میں
361..... اور پھنسی نے یونس علیہ السلام کو اگل دیا
362..... نبی ﷺ کی فرمودہ عظیم دعا
363..... حضرت یونس علیہ السلام کے فضائل و مناقب
365..... تباہ و فوائد..... عبرتیں و حکمتیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام

- 367..... نام و نسب اور قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ
369..... حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور فرعون کا خواب
370..... حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور آپ کی حفاظت
372..... حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے محل میں
373..... حضرت موسیٰ علیہ السلام کو والدہ کی طرف لوٹانے کی الٹی تدبیر
375..... حضرت موسیٰ علیہ السلام پر انعامات ربانی

- 376..... حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ایک قبیلے کی اتفاقی ہلاکت
379..... حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین شریف لے جاتے ہیں
381..... حضرت موسیٰ علیہ السلام کو محفوظ مقام میسر آ گیا
383..... حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر
386..... حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت اور معجزات
391..... موسیٰ علیہ السلام فرعون کے دربار میں
397..... فرعون پر اتمام حجت
399..... فرعون کا جادو گروں کے ذریعے مقابلے کا چیلنج
413..... قوم فرعون کے ایک مؤمن کا اعلان حق
419..... محل تعمیر کرنے کا فرعونی مذاق
420..... مرد مؤمن نے بھلائی کا راستہ دکھایا
424..... پے در پے نذاب اور قوم فرعون کی وعدہ شکنگیاں
429..... فرعون اور اس کی فوجوں کی تباہی و بربادی
430..... حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرعون اور اس کی قوم کو بد دعا
432..... فرعون بنی اسرائیل کے تعاقب میں
434..... موسیٰ بنی اسرائیل اور فرعون بنی اسرائیل کی غرقابی
436..... فرعون کی آخری لمحے ایمان لانے کی ناکام کوشش
439..... فرعون کی ہلاکت کے بعد بنی اسرائیل کے حالات
444..... بنی اسرائیل میدان تیسہ میں
445..... بنی اسرائیل پر انعامات ربانی کی بارش
448..... حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دیدار الہی کی خواہش
453..... چھترے کی پوجا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سخت سرزنش
458..... سامری کا چھترہ انداز تشکر دیا گیا
463..... گائے ذبح کرنے کا واقعہ

- 531..... قوم کی نافرمانی پر عذاب الہی
- 534..... حضرت یوشع علیہ السلام کی وفات

حضرت خضر علیہ السلام

- 535..... وجہ تسمیہ اور دلایل نبوت

حضرت الیاس علیہ السلام

- 542..... نام و نسب اور قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ
- 545..... حضرت حزقیل علیہ السلام

حضرت یسع علیہ السلام

- 548..... نام و نسب اور قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ

حضرت شمویل علیہ السلام

- 550..... نام و نسب اور بعثت
- 552..... بنی اسرائیل کی خواہش جہاد اور ان کی آزمائش

حضرت داود علیہ السلام

- 557..... نام و نسب اور حلیہ مبارک
- 558..... حضرت داود علیہ السلام پر انعامات ربانی
- 560..... معاملہ منی اور قوت فیصلہ
- 562..... حضرت داود علیہ السلام کی عمر اور وفات
- 565..... نتائج و فوائد..... عبرتیں و حکمتیں

حضرت سلیمان علیہ السلام

- 572..... نام و نسب اور حضرت داود علیہ السلام کے جانشین
- 574..... ہمدرد اور ملکہ بلقیس کا واقعہ
- 581..... حضرت سلیمان علیہ السلام کا اللہ کے ہاں مقام و مرتبہ اور بیت المقدس کی تعمیر
- 582..... سلیمان علیہ السلام کے شاہکار فیصلے

- 466..... موسیٰ و خضر علیہ السلام کے سفر میں پڑا سرا و واقعات
- 472..... دولت کے پجاری قارون کا واقعہ
- 478..... حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان و عظمت قرآن وحدیث کی روشنی میں
- 485..... حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حلیہ مبارک اور ان کا حج کعبہ
- 486..... حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات
- 489..... نتائج و فوائد..... عبرتیں و حکمتیں
- 498..... حضرت شعیا بن امیصیا علیہ السلام
- 500..... حضرت ارمیا بن حلقیا علیہ السلام
- 504..... حضرت دانیال علیہ السلام

حضرت عزیر علیہ السلام

- 508..... نام و نسب اور آپ کا تذکرہ
- 511..... حضرت عزیر علیہ السلام کا زمانہ نبوت

حضرت زکریا اور یحییٰ علیہ السلام

- 512..... نام و نسب اور قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ
- 515..... آل یعقوب کے وارث
- 517..... یحییٰ علیہ السلام کی مجرمانہ ولادت
- 518..... یحییٰ علیہ السلام کو کتاب اور حکمت ودانائی عطا کی
- 520..... مسجد اقصیٰ میں قوم کو دعوت توحید
- 522..... حضرت یحییٰ علیہ السلام کا زہد و تقویٰ

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام

- 525..... نام و نسب اور قرآن وحدیث میں آپ کا تذکرہ
- 525..... حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی نبوت
- 528..... بلعام بن باعورا کا واقعہ

- 584 ہوا اور جنات پر سلیمان علیہ السلام کی حکمرانی
- 586 ان شاء اللہ نہ کہنے کا نتیجہ
- 588 حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات
- 589 نتائج و فوائد عبرتیں و حکمتیں

حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام

- 595 قرآن مجید میں حضرت مریم علیہا السلام کا تذکرہ خیر
- 597 حضرت مریم علیہا السلام حضرت ذکر یا علیہ السلام کی کفالت میں
- 599 حضرت مریم علیہا السلام کی خواتین عالم پر سر فرازی
- 603 حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عجزانہ ولادت
- 611 عقیدہ تثلیث کی تردید
- 612 عیسیٰ علیہ السلام کا کلمہ اور اس کی طرف سے ایک روح تھے
- 613 اہلبیت الہی کے عقیدہ کی قرآنی تردید
- 615 عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے اپنی الوہیت کی تردید
- 619 چار الہامی کتب کا وقت نزول
- 620 حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات
- 623 حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت محمد ﷺ کی آمد کی بشارت دی
- 624 نزول مائدہ
- 626 حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چند فرمودات
- 627 رفع آسمانی یا صلیب پر موت؟
- 630 حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فضائل
- 634 عیسائیوں میں عقیدہ تثلیث کب رائج ہوا؟
- 636 نتائج و فوائد عبرتیں و حکمتیں

عربی زبان وغیرہ میں وسیع الاطلاع اور بے پایاں معلومات کے حامل تھے۔ وہ تاحیات مسنفوتی اور مسنددرس و تدریس پر متمکن رہے اورانی واقع اس کے اہل بھی تھے۔ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ 774 ہجری میں دمشق میں انتقال فرما گئے۔ انہوں نے تقریر، حدیث، سیرت اور تاریخ وغیرہ میں نہایت گراقتدار و معرکہ آرا کتب تحریر فرمائی ہیں مثلاً:

۱۔ تفسیر القرآن الکرم: یہ شہرہ آفاق کتاب ”تفسیر ابن کثیر“ کے نام سے معروف ہے جو تفسیر القرآن بالماثور کے اصول پر لکھی گئی ہے۔ دارالاسلام نے اس گرامر پر تفسیر کو انگریزی میں ترجمہ کر کے شائع کیا ہے اور اس کی ”تہذیب“ کر کے ”المصباح المنیر“ میں تہذیب تفسیر ابن کثیر“ کے نام سے شائع کرنے کی سعادت بھی حاصل کی ہے نیز اس عظیم الشان تفسیر کے اردو ترجمے کا کام آخری مراحل میں ہے جس کی اشاعت کا شرف عترت دارالاسلام کو حاصل ہوگا۔

۲۔ جامع المسانید: اس میں کتب ستمسند امام احمد بن حنبل، مسند البزار، مسند ابی یعلیٰ الموصلی اور طبرانی کی مجموعہ روایات کے علاوہ دیگر کتب کی ایک لاکھ سے زیادہ احادیث بیان کی گئی ہیں۔

۳۔ البدایہ و النہایہ: یہ ایک معرکہ آرا تاریخی تصنیف ہے جس میں امام صاحب نے قرآن کریم اور حدیث شریف میں مذکور انبیاء و رسول اور سابقہ اقوام و امم کے قصے اور واقعات ترتیب وار بیان کیے ہیں نیز سیرت النبی خلاف تراشیدہ اور اپنے عہد تک کی مکمل تاریخ بیان کر دی ہے۔ قصص الانبیاء، بھی اسی تصنیف لطیف سے ماخوذ ہے۔

۴۔ الاجتہاد فی طلب الجہاد: یہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین صلیبی جنگوں اور ان جہادی معرکوں کی مفصل داستان ہے جو سلطان نور الدین زنگی سلطان صلاح الدین ایوبی اور ان کے جانشینوں نے بیت المقدس، قسطنطنیہ اور شام و مصر کے ساحلی علاقوں کو یورپی عیسویوں کے ناپاک تسلط سے چھڑانے کے لیے سر کیے۔

امام موصوف کی تصانیف کی مجموعی تعداد 23 سے زائد ہے۔

ہماری درخواست پر فضیلۃ الشیخ مولانا اعطاء اللہ ساجد رحمۃ اللہ علیہ مدینہ بنیورسٹی نے قصص الانبیاء کو عربی سے اردو میں ڈھالا اور بہت خوب ترجمہ کیا۔ مولانا تاج محل رحمۃ اللہ علیہ فاضل مدینہ بنیورسٹی نے کتاب کی تخریج کی اور ابواب کے اختتام پر ”نتائج و فوائد عبرتیں و حکمتیں“ لکھ کر اس کی افادیت بہت بڑھا دی ہے۔

قصص الانبیاء (اردو) کی ترتیب و تصنیف حافظہ اصف اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے۔ پروف ریڈنگ کی ذمہ داری مولانا عثمان منیب رحمۃ اللہ علیہ اور فارانی صاحب نے نبھائی اور آراء فرزند کے بعض مختصر حواشی لکھے ہیں۔ محمد ندیم کامران جاوید اقبال اور عبدالجبار نے کتاب کی کمپوزنگ اور ڈیزائننگ کے فرائض احسن طور پر ادا کیے۔ اس طرح انبیاء کرام کے پاکیزہ حالات پر یہ گراقتدار تصنیف بہت بہتر شکل میں قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے، چنانچہ قارئین اللہ تعالیٰ کے انبیاء کرام رحمۃ اللہ علیہ کی بابرکت زندگیوں ان کے مجاہدوں اور ان کی تبلیغی کاوشوں کے حالات پر پڑھ کر عبرت و حکمت کے گراقتدار معنویوں سے اپنی

عزیز شہزاد

خالق کائنات نے آدم دہواہ رحمۃ اللہ علیہ کو آدم کو روئے زمین پر بسایا تو مردور ایام کے ساتھ ساتھ بنی نوع انسان میں گمراہیاں درآئیں جس کی وجہ خالص توحید چھوڑ کر انعام پرستی میں گھو گئے۔ ان کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بے پناہ انبیاء و رسول بھیجے جنہوں نے رشد و ہدایت کی راہیں روشن کیں و صداقت کا پرچار کیا اور گمراہ انسانوں کو رب تعالیٰ کے راستے پر چلانے میں اپنی زندگیاں کھپا دیں۔ ان نفوس کو قسیدہ نے انسانیت کو شرک و طغلات اور بت پرستی کے اندھڑوں سے نکال کر توحید خالص کی راہ دکھائی۔ وہ انسانوں کے لیے ہیر و مندر تھے اور ان کے خیر خواہ تھے۔ وہ ان کی روحانی و جسمانی آلائشیں دور کر کے انہیں پاکیزگی اور صدق و صفا والی زندگی بسر کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ وہ گمراہوں کو اللہ کے غیظ و غضب سے بچانا چاہتے تھے وہ باطل پرستوں کو اللہ اور صرف اللہ کی عبادت و اطاعت کا درس دیتے تھے۔ تبلیغ و اصلاح کے اس فریضے کی ادائیگی میں انہیں بے پناہ مشکلات و مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ اللہ اور اس کے دین کے باغیوں نے ان مقدس ہستیوں کے آگے مخالفتوں کے پہاڑ کھڑے کیے ان کا تسخیر اڑا یا ان کے درپے آزار ہوئے۔ کفر و شرک کے علمبرداروں نے اپنی جھوٹی خدائی قائم رکھنے کے لیے اللہ کے پیغمبروں کو ستانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور انہیں لعن کے آکر کار بننے ہوئے انبیاء پر طرح طرح کے مظالم ڈھانے میں کوئی مراعہ دوس نہ کی حتیٰ کہ کسی نبی کو جلتی آگ میں پھینک دیا گیا کسی کا سر قلم کیا گیا اور کسی کو آسے سے چیرا گیا لیکن آفرین ہے ان پاکیزہ نفوس پر کہ ان کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہ آئی اور وہ کجہر حق کی سر بلندی اور توحید خالص کی تبلیغ و اشاعت کے لیے ہر حال میں زندگی کے آخری سانسوں تک کوشاں رہے۔

قصص الانبیاء، اہل حق میں ان مقدس انسانوں کا ذکر جمیل اور ان کی پاکیزہ زندگیوں کا خوبصورت مرقع ہے۔ یہ کتاب مشہور مفسر قرآن اور محدث و مؤرخ امام ابوالعلاء عواد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر قرشی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تالیف البدایہ و النہایہ سے ماخوذ ہے۔ آپ امام حافظ ابن کثیر کے نام سے معروف ہیں۔ آپ 701 تا 704 ہجری میں بعری الشام میں پیدا ہوئے۔ شافعی مالک کی عمر میں والد ماجد کے مراد و مشق منتقل ہو گئے۔ حصول علم کے لیے انھوں نے مختلف مقامات کے سفر کیے اور ابن الکفاح، ابن عساکر، عقیف الدین الاددی، جمال الدین یوسف المری، تقی الدین احمد ابن تیمیہ، عیسیٰ الدین محمد الدینی اور عیسیٰ الدین اصطنہانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے مشائخ سے اکتساب فیض کیا۔ انھیں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ قربت اور مصاحبت کا خصوصی تعلق تھا جس نے ان کی زندگی پر گہرے نقوش مرتب کیے۔ انہوں نے قرنی مفتی رحمۃ اللہ علیہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھتے ہیں: ”انھوں نے علم اور مطالعہ حدیث کو اوزار بنادھنا چھوڑنا نہ رکھا۔۔۔۔۔ وہ فقہ تفسیر اور حدیث میں ممتاز مقام پر فائز ہوئے۔۔۔۔۔ حدیث تفسیر فقہ اور

جھولیوں بھر سکتے ہیں جن کی آب و تاب سے ان کی زندگی کے روز و شب مستحضر ہوں گے۔

۲ قصص الانبیاء (أردو) کی خصوصیات: ○ عربی کتاب کا اسلوب سادہ اور عنوانات کے بغیر تھا جسے آسان بنایا گیا ہے۔

○ جابجا عناوین قائم کیے گئے ہیں جن سے مطالعے میں بہت سہولت ہوگئی ہے۔

○ دو رنگوں میں خوبصورت طباعت جاذب نظر اور افادیت کی حامل ہے۔

○ کتاب مفید نکتوں سے مزین ہے جن میں انبیاء علیہ السلام کی جائے پیدائش، مقامات ہجرت، مسکن اور جائے وفات ظاہر کیے گئے ہیں۔ ان معلوماتی نکتوں سے کتاب کی افادیت دو چند ہوگئی ہے۔

○ تخریج و تحقیق کے ذریعے صحیح اور مرفوع احادیث پیش کی گئی ہیں اور ضعیف روایات نکال دی گئی ہیں۔

○ کتاب کا طرز بیان نہایت سادہ اور دلنشین ہے۔

○ ابواب کے آخر میں ”نتائج و فوائد اور عبرتیں و محنتیں“ کے عنوان سے جو مفید اضافے شامل کیے گئے ہیں ان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ہم اپنی عملی زندگی میں ان قرآنی قصص سے کس طرح استفادہ کر سکتے ہیں۔

○ کتاب میں بعض مقامات پر حسن ترتیب کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔

○ انبیاء کرام علیہ السلام کے قصص پر مشتمل متن قرآن مجید خوبصورت خطاطی میں کتاب کی زینت بنایا گیا ہے۔

ان خصوصیات کی بنا پر قصص الانبیاء کا یہ ایڈیشن باامانہ علمی تحقیقی اور جدید اسلوب کا حامل بن گیا ہے جسے قارئین یقیناً پسند فرمائیں گے۔

قصص الانبیاء (أردو) کی تیاری و طباعت کا کام عزم حافظ عبد العظیم اسد، مدیر دارالسلام لاہور کی نگرانی میں پایہ تکمیل کو پہنچا ہے، میں ان کا اور اس کتاب کی تیاری میں شریک دارالسلام کے جملہ کارکنان کا بہت ممنون ہوں، اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے!

قارئین سے درخواست ہے کہ وہ ہماری اس کاوش کو پسند فرمائیں تو ارجمند اراحمین سے ہمارے حق میں قبولیت و مغفرت کی دعا ضرور فرمائیں۔

خادم کتاب و سنت

عبد المالك مجاہد

مدیر: دارالسلام، الریاض لاہور۔

يَدَّيْهِ وَتَفْصِيلُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً يُقَوِّمُ يُؤْمِنُونَ ﴿١١١﴾

”ان کے بیان میں عقل والوں کے لیے یقیناً نصیحت اور ہدایت ہے۔ یہ قرآن جھوٹ بنائی ہوئی بات نہیں، بلکہ یہ تصدیق ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے کی ہیں، ہر چیز کو کھول کھول کر بیان کرنے والا اور ایمان دار لوگوں کے لیے ہدایت و رحمت ہے۔“ (یوسف: 111/12)

غور و فکر کی دعوت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قَدْ فَصَّلْنَا الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾

”(اے نبی! ان لوگوں کے سامنے) واقعات بیان کیجئے، تاکہ وہ غور و فکر کریں۔“ (الأعراف: 176/7)

اِبْتِلَاءِ

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت سے بہترین اور خوبصورت واقعات بیان فرمائے ہیں جن میں بے شمار حکمتیں اور عبرتیں پوشیدہ ہیں۔ ان واقعات کو بیان کرنے کی مقاصد ہیں جن میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ نبی کریم ﷺ کو گزشتہ اہم کے حالات سے آگاہ کرنا: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَذَا الْقُرْآنَ ۚ وَلَنْ نَكُنَّ مِنْ قَبْلِهِ لَمُفْلِحِينَ﴾

”ہم آپ کے سامنے بہترین بیان پیش کرتے ہیں، اس لیے کہ ہم نے آپ کی جانب یہ قرآن وحی کے ذریعے سے نازل کیا ہے اور اس سے پہلے آپ یقیناً بے خبر تھے۔“ (یوسف: 3/12)

۲۔ پہلے انبیاء اور اقوام کے قصص سے باخبر کرنا: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ﴾

”یقیناً ہم آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیج چکے ہیں، جن میں سے بعض کے واقعات ہم آپ کو بیان کر چکے ہیں اور ان میں سے بعض کے قصے تو ہم نے آپ کو بیان ہی نہیں کیے۔“ (المؤمن: 78/40)

اسباب کف کی بابت فرمایا:

﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُم بِالْحَقِّ﴾

”ہم ان کا صحیح واقعہ آپ کے سامنے بیان فرما رہے ہیں۔“ (الکہف: 13/18)

۳۔ نبی اکرم ﷺ کو تسلی اور تسکین پہنچانا: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكُلًّا نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نَشِئُ بِهِ ذِكْرًا لَكَ ۖ وَجَاءَكَ فِي هَذِهِ الْحَقُّ ۚ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرٌ لِمُؤْمِنِينَ﴾

”رسولوں کے سب احوال ہم آپ کے سامنے آپ کے دل کی تسکین کے لیے بیان فرما رہے ہیں۔ آپ کے پاس اس صورت میں حق پہنچ چکا، جو مومنوں کے لیے نصیحت اور وعظ ہے۔“ (ہود: 120/11)

۴۔ ہدایت و نصیحت کا اہتمام: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةً ۚ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ۚ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ

عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۚ فَتَنَّا أَدَمَ مِنْ زَوْجِهِ كَيْتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ الْتَوَّابُ الرَّحِيمُ ۚ فَلَمَّا أَهْوَا وَنَهَا جَنَّتَاهُ قَالَا يَأْتِيَنَّكُم مِّنْ هَاهُنَا قَوْمٌ فَتَنَّا عَنْ هَٰذَا قُلَّا خُوفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٣٩-٣٠/٢﴾

”اور (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں (اپنا) نائب بنانے والا ہوں۔ انہوں نے کہا: کیا تو اس میں ایسے شخص کو نائب بنانا چاہتا ہے جو خرابیاں کرے اور رشتہ خون کرتا پھرے اور ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہتے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اور اس نے آدم کو سب (چیزوں کے) نام سکھائے پھر ان کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ؟ انہوں نے کہا: تو پاک ہے جتنا ظلم تو نے ہمیں بخشا ہے اس کے سوا ہمیں کچھ معلوم نہیں ہے شک تو دانا (اور) حکمت والا ہے۔ (تب) اللہ نے (آدم کو) حکم دیا: آدم! تم ان کو ان (چیزوں) کے نام بتاؤ! جب انہوں نے ان کے نام بتائے تو (اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے) فرمایا: کیوں! میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی (سب) پوشیدہ باتیں جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو پوشیدہ کرتے ہو (سب) مجھ کو معلوم ہے۔ اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو تو وہ سب سجدے میں گر پڑے مگر شیطان نے انکار کیا اور غرور میں آکر کافر ہو گیا اور ہم نے کہا: اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو بے روک کھاؤ (پھو) لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا میں نے تمہیں تو ظالموں میں (داخل) ہو جاؤ گے۔ پھر شیطان نے دونوں کو باں سے پھلادیا اور جس (میش و نشاط) میں تھے، اس سے ان کو نکلوا دیا۔ جب ہم نے حکم دیا کہ (بہشت بریں سے) چلے جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لیے زمین میں ایک وقت تک کھانا اور معاش (مقرر کر دیا گیا) ہے پھر آدم (دیکھا) اپنے پروردگار سے کچھ کلمات کھکھے (اور معافی مانگی) تو اللہ نے ان کا قصور معاف کر دیا بیشک وہ معاف کرنے والا (اور) صاحب رحم ہے۔ ہم نے فرمایا کہ تم سب یہاں سے اتر جاؤ جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو (اس کی پیروی کرنا کہ) جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔ اور جنہوں نے (اس کو) قبول نہ کیا اور ہماری آجڑوں کو جھٹلایا وہ دوزخ میں جانے والے ہیں (اور) وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔“ (البقرہ: 30-39)

ہم نے ان آیات کی مفصل وضاحت ”تفسیر“ میں کر دی ہے یہاں ہم صرف ان آیات کا مختصر مفہوم بیان کرتے ہیں:

﴿إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾ ”میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں“، یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اولاد کی تخلیق کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ جس کی ہرسل پہلی نسل کی جگہ لے گی۔ جیسے کہ ایک اور مقام پر فرمایا ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِي يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ وَخَلِيفَتُ الْأَرْضِ﴾ ”اور وہی ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا۔“ اور فرمایا: ﴿وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ﴾ ”وہ تمہیں



تخلیق آدم علیہ السلام کا اعلان اور اللہ تعالیٰ کا فرشتوں سے مکالمہ

قرآن مجید میں بیان ہونے والے بہترین قصوں میں سے ایک قصہ بنی نوع انسان کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے پہلے نبی ہیں۔ آپ کا قصہ قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں متعدد پیرائے میں بیان ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ میں اس قصے کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۗ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۚ وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ إِن كُنْتُمْ صٰٓدِقِينَ ۖ قَالُوا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا بِهٰٓؤُلَآءِ إِنَّا نَرَىٰكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۚ قَالَ يٰٓأَدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَآئِهِمْ ۖ فَلَمَّا أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَآئِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَّكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ۚ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ۖ أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ ۖ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ۚ وَلَمَّا ئَتَىٰمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰٓذِهِ الْقَصْرَ ۖ فَتَكُونَا مِنَ الْغَالِبِينَ ۚ فَزَاوَاهُمَا الْقَيْصُ عَنْهَا فَاخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ ۖ وَقَدْ أَهْوَا وَبُغْضًا لِّبَعْضِ

سکھایا۔“ حضرت سعید بن جبیر، قتادہ اور دیگر علماء مجتہدین نے بھی یہی فرمایا ہے۔ حضرت ربیع بٹھنے نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے انہیں فرشتوں کے نام سکھائے۔“ حضرت عبدالرحمن بن زید بٹھنے نے فرمایا: ”ان کی اولاد کے نام سکھائے۔“^① زیادہ صحیح رائے یہ ہے کہ انہیں چھوٹی بڑی اشیاء اور ان کے افعال و حرکات کے نام سکھائے گئے۔ جیسے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے معلوم ہوتا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن مومن جمع ہو کر کہیں گے کہ اگر ہم کسی سے اللہ کے سامنے سفارش کریں (تو اس مشکل مرحلے سے نجات مل جائے) چنانچہ وہ آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کریں گے: آپ تمام انسانوں کے جدا جدا ہیں، آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا اور اپنے فرشتوں سے آپ کو کعبہ کر دیا اور آپ کو تمام اشیاء کے نام سکھائے، اپنے رب کے سامنے ہماری سفارش فرمائیے تاکہ ہمیں اس مرحلے سے نجات نصیب ہو۔“^②

اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿لَهُ عَرْشُهُ عَلَى الْمَلَكُوتِ ۚ قَالَ أَتَىٰ فِي الْغُبَاتِ بِالسَّامِعِ هَلْ لَّكَ مِنْ بَشَرٍ ۚ قَالَ بَشَرٌ مِّثْرُ الْبَشَرِ ۚ﴾ فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا: اگر تم سے جو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔“ کی تفسیر میں حضرت حسن بصری بٹھنے بیان کرتے ہیں: ”جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں نے کہا: ”اللہ تعالیٰ جو مخلوق بھی پیدا فرمائے گا، ہمارے پاس اس سے زیادہ ہوگا، علم چنانچہ ان کا امتحان لیا گیا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّ لَكُمْ لَعَلًّا صِدْقِينَ﴾“ اگر تم سے ہو۔“

اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا بِأَمَّا عِلْمُكَ إِنَّا أَكْثَرُ الْعِلْمِ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ﴾ ”فرشتوں نے کہا: اے اللہ! تیری ذات پاک ہے، ہمیں تو صرف اتنا علم ہے جو بتاتا تو نے نہیں سکھا کھا ہے۔ تو ہی پورے علم و حکمت والا ہے۔“ کا مطلب یہ ہے: ”اے اللہ! تو پاک ہے۔ کوئی بھی تجھ سے علم حاصل نہیں کر سکتا سوائے اس کے جو تو نے نہیں سکھایا،“ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

﴿وَلَا يَحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ﴾

”وہ اس کے علم میں سے کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتے مگر جو وہ (خود دینا) چاہے۔“ (البقرہ: 255)

اسی طرح درج ذیل فرمان الہی سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ظاہر اور پوشیدہ امور کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے:

﴿قَالَ يَادِيمُ إِنَّهُم بِسْمِائِهِمْ فَلَمَّا أَتَاهُمْ بِسْمِائِهِمْ قَالُوا أَقْبَلْ لَكُمْ إِلَٰهٌ غَيْبُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ﴾

① تفسیر ابن کثیر: 1/130، 131: تفسیر سورة البقرة آیت: 31-33

② صحيح البخاري، التفسير، باب قول الله تعالى ”وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا“ حديث: 4476 وصحيح مسلم، الإيمان، باب

آدمي أهل الجنة منزلة فيها“ حديث: 193

زمین میں غلیفہ بناتا ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کی تخلیق کی خبر دی، جس طرح کسی بھی عظیم کام کو وجود میں لانے سے پہلے خبر دی جاتی ہے۔ فرشتے آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بارے میں مزید معلومات اور اس کی حکمت جاننے کے خواہش مند تھے اس لیے انہوں نے عرض کی: ﴿أَتَجْعَلُ فِيهَا مَثَوْنًا فَقِيلَ لَهَا وَبَشَرٌ لِّكَ مَتَّى﴾ ”کیا تو اس میں ایسے شخص کو نائب بنانا چاہتا ہے جو خرابیاں کرے اور کشت و خون کرتا پھرے۔“

اس سوال کا مقصد نہ تو اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنا تھا نہ ہی آدم کے مقام و مرتبہ کا انکار مقصود تھا اور نہ انہیں انسانوں سے حسد تھا جیسے کہ بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے بلکہ اس سوال کا مقصد شخص اس کی حکمت معلوم کرنا اور مزید معلومات حاصل کرنا تھا۔ قتادہ بٹھنے نے فرمایا: ”فرشتوں کو معلوم تھا کہ یہ صورت حال پیش آنے والی ہے کیونکہ انہوں نے آدم علیہ السلام سے پہلے زمین میں آباد ہونے والی مخلوقات (مثلاً جنات) کے حالات دیکھے تھے۔“^①

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”جن آدم علیہ السلام سے تقریباً دو ہزار سال پہلے سے زمین پر آباد تھے۔ انہوں نے قتل و غارت کی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا افکار بھیج دیا، جنہوں نے ان (فسادی جنوں) کو سمندروں کے (دور دراز) جزیروں کی طرف دھکیل دیا۔“^②

اس تجربے کے پیش نظر انہوں نے کہا: ﴿وَمَنْ يَسْمَعْ بِحَدِيثِ بَحْرٍ لَكَ﴾ ”اور ہم تیری تسبیح، حمد اور پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔“ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ہمیشہ تیری عبادت کرتے ہیں۔ ہم میں سے کوئی بھی تیری نافرمانی نہیں کرتا۔ اگر انسانوں کی تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ وہ تیری عبادت کریں تو ہم موجود ہیں جو دن رات کسی کوتاہی یا آکسانت کے بغیر تیری عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ ”جو کچھ میں جانتا ہوں، تم نہیں جانتے۔“ یعنی مجھے ان کی تخلیق کی وہ حکمت معلوم ہے، جو تم نہیں جانتے۔ یعنی ان میں نبی، رسول، صدیق، شہداء اور نیک لوگ پیدا ہوں گے۔

﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا﴾ ”اور آدم کو تمام نام سکھا دیے۔“

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”اس سے مراد ان چیزوں کے نام ہیں، جن سے لوگ ان چیزوں کو پہچانتے ہیں اور ایک دوسرے کو پانی بات سمجھتے ہیں۔“ (یعنی وہ چھوٹی بڑی اشیاء جن سے روزمرہ زندگی میں واسطہ پڑتا ہے مثلاً: انسان، حیوان، زمین، میدان، سمندر، پہاڑ، اونٹ اور گدھا وغیرہ۔)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”اللہ نے انہیں ربانی اور بہنیا کا نام بھی سکھایا۔ ہر جانور، ہر پرنے اور ہر چیز کا نام

① تفسیر ابن کثیر: 1/129، تفسیر سورة البقرة آیت: 30

② المستدرک للحاکم، 2/261

”انسان تو جلد بازی کا بنا ہوا ہے۔“ (الانبیاء: 37/21) (یعنی جلد بازی اس کی فطرت میں شامل ہے۔) ①

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو جب تک چاہا، انہیں (بلاد روح جسم کی حالت میں) پڑا رہنے دیا۔ انہیں آپ کے ارد گرد پھرنے لگا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ یہ جسم کھوکھا ہے تو اسے معلوم ہو گیا کہ یہ ایسی مخلوق ہے جو اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے گی۔“ ②

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب آدم علیہ السلام میں روح ڈالی گئی اور روح سر تک پہنچی تو آپ کو چھینک آ گئی۔ آپ نے فرمایا: [الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ] ”مقام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں۔“ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: [يَزُحْكَكَ اللَّهُ] ”اللہ تجھ پر ہنس کرے گا۔“ ③

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کا قد ساٹھ ہاتھ تھا۔ پھر فرمایا: جا کر ان فرشتوں کی جماعت کو سلام کیے اور سننے کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ تیرا اور تیری اولاد کا یہی سلام (کا طریقہ) ہوگا۔ آدم علیہ السلام نے کہا: [السَّلَامُ عَلَيْكُمْ] فرشتوں نے کہا: [السَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللَّهِ] یعنی جواب میں [رَحْمَةُ اللَّهِ] کا اضافہ ہو گیا۔ جنت میں جو بھی داخل ہوگا، وہ آدم علیہ السلام کی صورت پر (یعنی ساٹھ ہاتھ قد کا) ہوگا۔ اس کے بعد اب تک مخلوق (کے قد کا ضخ) میں کمی ہوتی آئی ہے۔“ ④

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے وہ جمعہ کا دن ہے اس دن آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا اس دن انہیں جنت میں داخل کیا گیا اس دن انہیں اس سے نکالا گیا اور اسی دن قیامت قائم ہوگی۔“ ⑤

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آدم علیہ السلام جمعہ کے دن آخری گھڑی میں پیدا کیے گئے۔ ⑥

⑦ آدم علیہ السلام کی عزت و تکریم: اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ مبارک سے تخلیق فرما کر بلند مرتبہ عطا کیا پھر فرشتوں سے آپ کو تحفہ کروا کر اس شرف و منزلت کا اظہار فرمایا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَۙ اَبٰیۙ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَٰفِرِیْنَۙ﴾

① تفسیر طبری، تفسیر سورة الانبیاء: آیت: 37

② مسند أحمد: 152/3 و صحیح مسلم: البر والصلة، باب خلق الإنسان خلقاً لایعالم: حدیث: 2611 و المستدرک للحاکم: 542/2، حدیث: 3992

③ صحیح ابن حبان (الإحسان): 14/8، حدیث: 6132

④ صحیح البخاری، احادیث الانبیاء، باب خلق آدم و ذریئہ، حدیث: 3326 و صحیح مسلم، الحنة و نعیمة، باب یدخل الحنة اقوام اتفدہم مثل اتفدة الطیر، حدیث: 2841

⑤ صحیح مسلم، الجمعة، باب فضل یوم الجمعة، حدیث: 854

⑥ صحیح ابن حبان (الإحسان): 11/8، حدیث: 6128

”جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں تم سے انسان بنانے والا ہوں۔ جب اس کو درست کر لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے آگے جہدے میں گر پڑنا تو تمام فرشتوں نے عہدہ کیا مگر شیطان اُڑ بیٹھا اور کارفروں میں ہو گیا۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا اے ابلیس! جس شخص کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اس کے آگے عہدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے منع کیا؟ کیا تو غرور میں آ گیا یا اونچے درجے والوں میں تھا؟ بولا کہ میں اس سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے بنایا۔“ (ص: 76-71/38)

① تخلیق آدم علیہ السلام احادیث کی روشنی میں: حضرت ابو یوسف اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام زمین سے جمع کی گئی مٹی بھر خاک سے پیدا فرمایا۔ آدم علیہ السلام کی اولاد بھی (طرح طرح کی) مٹی کے مطابق پیدا ہوئی۔ ان میں سفید فام بھی ہیں، سرخ بھی اور سیاہ فام بھی اور ان کے درمیان رنگوں کے بھی (ای طرح) ٹھیک اور بد، نرم خور و سخت طبیعت اور درمیان طبیعت والے۔“ ②

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا تاکہ انہیں آپ علیہ السلام سے بڑائی کا دعویٰ نہ کرے۔ چنانچہ اس نے آپ کو انسانی صورت میں پیدا فرمایا۔ آپ جمعہ کے دن جس کی مقدار چالیس سال تک تھی، مٹی کے بنے ہوئے ایک جسم کی صورت میں پڑے رہے۔ فرشتے پاس سے گزرتے تھے تو اس جسم کو دیکھ کر ڈر جاتے تھے۔ انہیں سب سے زیادہ خوف زدہ تھا۔ وہ گزرتے وقت اسے ضرب لگاتا تو جسم سے اس طرح آواز آتی جس طرح مٹی کے بنے ہوئے برتن سے کوئی چیز نکلنے لگتا تو آواز آتی ہے۔ اس لیے جب وہ بہتا تھا: ﴿مِنْ صُلَالٍ مِّنْ لِّصْفَارٍ﴾ (الرحمن: 14/55) ”شیشی کی طرح بہنے والی مٹی سے۔“ تو کہتا: ”تجھے کسی خاص مقصد سے پیدا کیا گیا ہے۔ وہ اس خاک بدن میں منہ کی طرف سے داخل ہوا اور دوسری طرف سے نکل گیا اور اس نے فرشتوں سے کہا: ”اس سے مت ڈرو، تمہارا رب صمد ہے لیکن یہ تو کھوکھا ہے اگر مجھے اس پر قابو دیا گیا تو اسے ضرور تباہ کر دوں گا۔“

جب وہ وقت آیا جب اللہ تعالیٰ نے اس جسم میں روح ڈالنے کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں سے ارشاد فرمایا: ”جب میں اس میں روح ڈال دوں تو اسے عہدہ کرنا۔“ جب روح ڈال دی گئی تو وہ سر کی طرف سے داخل ہوئی۔ تیسری آدم علیہ السلام کو چھینک آ گئی۔ فرشتوں نے کہا: ”کیسے؟“ [الْحَمْدُ لِلَّهِ] ”سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔“ انہوں نے فرمایا: [الْحَمْدُ لِلَّهِ] اللہ نے فرمایا: [رُحِمَكَ رُحِمًا] ”تیرے رب نے تجھ پر رحمت فرمائی ہے۔“ جب روح آنکھوں میں داخل ہوئی تو آپ علیہ السلام کو جنت کے پھل نظر آئے۔ جب روح پیٹ میں داخل ہوئی تو آپ کو کھانے کی خواہش پیدا ہوئی۔ آپ جلدی سے جنت کے پھلوں کی طرف لپکے جب کہ روح آنکھی آپ کی ناگوں میں داخل نہیں ہوئی تھی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَجٍۭ﴾

کی۔ انہیں نے حسد کی وجہ سے آپ سے دشمنی رکھتے ہوئے آپ کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے وار سے نکال دیا اور دھکار دیا، اس پر لعنت ڈال کر مردود شیطان بنا کر زمین پر اتار دیا۔

حضرت حواء علیہ السلام کی پیدائش: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَنْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ۝﴾

”لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے تم کو آدم اور اس سے اس کا جوڑا بنایا۔ پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورت (پیدا کر کے روئے زمین پر) پھیلا دیے اور اللہ سے ڈرو جس کے نام کو تم اپنی حاجت براری کا ذریعہ بناتے ہو اور قطع رحمی (سے بچو)۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔“ (النساء: 1/4)

سورہ اعراف میں مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا ۚ﴾

”وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا اور اس سے اس کا ایک جوڑا بنایا تاکہ وہ اس سے راحت حاصل کرے۔“ (الأعراف: 189/7)

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ذکر کیا کہ حواء علیہ السلام کو آدم علیہ السلام کی بائیں طرف کی چھوٹی پسلی سے پیدا کیا گیا، جب کہ آپ علیہ السلام سورہ تہ سے اوپر پسلی کی جگہ کو گوشت سے پر کر دیا گیا۔^①

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”عورتوں سے حسن سلوک کی نصیحت قبول کرو کیونکہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں۔ اور سب سے بُری چیز پسلی وہ ہے جو سب سے اوپر والی ہے۔ اگر تو اس (پسلی) کو سیدھا کرنا چاہے گا تو اسے توڑ بیٹھے گا اور اگر اسے چھوڑ دے گا تو میری رہے گی اس لیے عورتوں سے حسن سلوک کی نصیحت قبول کرو۔ (یعنی میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ عورتوں سے نرمی اور حسن سلوک کا برتاؤ کرو۔)“^②

﴿إِسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ﴾ ”تو اور میری بیوی جنت میں رہو۔“ کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حواء علیہ السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کے جنت میں داخل ہونے سے پہلے تخلیق کیا جا چکا تھا۔ لیکن امام سدی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مسعود اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

”انہیں کو جنت سے نکال دیا گیا اور آدم علیہ السلام کو بائیں باؤ کر دیا گیا۔ آپ جنت میں اکیلے گھومتے پھرتے تھے۔ ان کا کوئی ساتھی نہ تھا جس سے انہیں تسکین حاصل ہوتی۔ ایک بار وہ سوئے۔ جب جاگے تو دیکھا کہ ان کے سر

① تفسیر الطبري: 328/1، حدیث: 595

② صحیح البخاری: احادیث الأنبياء: باب خلق آدم و ذریئہ: حدیث: 3331 و صحیح مسلم: الرضاع: باب الوصیۃ بالنساء

”اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو تو وہ سب سجدے میں گر پڑے مگر شیطان نے انکار کیا اور غرور میں آ کر کافریں کیا۔“ (البقرة: 34/2)

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آدم علیہ السلام کی بہت بڑی عزت افزائی کا بیان ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ سے پیدا کیا اور ان میں اپنی روح ڈالی۔ جیسے ارشاد ہے:

﴿فَإِذَا سَوَّيْنَاهُ وَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُوحِنَا فَقَعَا أَكْبَادُ الْجِنِّ ۚ﴾

”تو جب میں اسے پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے لیے سجدے میں گر پڑنا۔“

(الحجر: 15/29)

یہ چار انداز سے عزت افزائی ہے۔ اپنے دست مبارک سے پیدا کرنا، اپنی روح ڈالنا، فرشتوں کو حکم دینا کہ انہیں سجدہ کریں اور چیزوں کے ناموں کی تعلیم دینا۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملاء اعلیٰ میں ایک دوسرے سے ملاقات کی اور آپس میں بات چیت کی تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا: ”آپ آدم ہیں جنہیں اللہ نے اپنے ساتھ سے پیدا کیا اور آپس کے اندر اپنی روح ڈالی، آپ کو اپنے فرشتوں سے سجدہ کروایا اور آپ کو ہر چیز کے نام سکھائے۔“^①

قیامت کے دن میدانِ محشر میں موجود لوگ بھی آدم علیہ السلام سے بات کرتے ہوئے ان کی یہی صفات بیان کریں گے، جیسے کہ پہلے بیان ہوا اور آئندہ بھی بیان ہوگا۔

سجدہ کرنے والے فرشتوں کا بیان: آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم کن فرشتوں کے لیے تھا؟ اس بارے میں علماء کی دو آراء ہیں:

- ① اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ یہ حکم تمام فرشتوں کے لیے تھا۔ آیات کے الفاظ میں مجعوم پایا جاتا ہے، اس سے اس رائے کی تائید ہوتی ہے۔
- ② بعض علماء کا کہنا ہے کہ اس سے مراد صرف زمین کے فرشتے ہیں۔ لیکن آیات کے سیاق و سباق سے پہلے قول کی تائید ہوتی ہے۔ اور اس حدیث میں بھی عموم ہے: ﴿وَأَسْبَحَ لَكَ مَلَكُ جَنَّاتٍ﴾ ”اللہ نے آپ کو اپنے فرشتوں سے سجدہ کروایا۔“^② (واللہ اعلم)

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں، تو انہوں نے اللہ کے حکم کی تعمیل

① صحیح البخاری: احادیث الأنبياء: باب وفاة موسى و ذكره بعد: حدیث: 3409 و صحیح مسلم: القدر: باب حجاج آدم و موسى صلى الله عليهما و سلم: حدیث: 2652 و سنن أبي داود: السنن: باب في القدر: حدیث: 4702 واللفظ له و جامع الترمذي: حدیث: 2134

② صحیح البخاری: التفسیر: باب قول الله تعالى ﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا﴾: حدیث: 4476 و صحیح مسلم: الإيمان: باب أدنى أهل الجنة منزلة فيها: حدیث: 193

جذابت، بلکا پن، جلد بازی اور جانے کی خصوصیات ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کو یہ شرف بھی حاصل تھا کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا فرما کر ان میں اپنی روح پھوکی تھی۔ اسی لیے فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ انہیں سجدہ کریں۔ جیسے ارشاد ہے:

﴿وَلَوْ قَالَ رَبُّكَ اَلَمْ يَلْمِزْكَ اِنِّىْ خَلَقْتُكَ بَشَرًا مِّنْ صَلَٰصِلٍ مِّنْ حَيٍّ اَسْتَوِيْ ۚ فَاِذَا اسْوَدَّتْ وَ لَفَحَتْ رِيْحُوْهُمُ ذُوْجِيْ فَقَعُوْا لَهَا سَٰجِدِيْنَ ۚ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ اِلَّا اِبْلِيْسَ اَبٰى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السَّٰجِدِيْنَ ۚ قَالَ يٰٓاِبْلٰیْسُ مَا لَكَ اَنْ تَكُوْنَ مَعَ السَّٰجِدِيْنَ ۚ قَالَ لَمْ اَكُنْ لَّ اَسْجُدْ لِّمَنْ خَلَقْتَنِیْ مِنْ صَلَٰصِلٍ مِّنْ حَيٍّ اَسْتَوِيْ ۚ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَاَنْتَ كَرِيْمٌ ۚ وَاَنْتَ عَلٰیكَ الْعَنَةُ اِلٰی یَّوْمِ الدِّیْنِ ۚ﴾
 ”اور جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں تم کو کھانا سے مڑے ہوئے گارے سے ایک بشر بنانا والا ہوں۔ جب میں اس کو (صورت انسانیت میں) درست کرلوں اور اس میں اپنی (بے بہا چیز یعنی) روح پھونک دوں تو اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔ تو سب کے سب فرشتے سجدے میں گر پڑے مگر شیطان! تو اس نے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہونے سے انکار کر دیا۔ (اللہ نے) فرمایا کہ ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔ (اس نے) کہا: میں ایسا نہیں ہوں کہ انسان کو جسے تو نے کھانا سے مڑے ہوئے گارے سے بنایا ہے سجدہ کروں۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: ”یہاں سے نکل جا! تو مردود ہے اور تجھ پر قیامت کے دن تک لعنت (برے گی۔)“ (الحجر: 28-35)

ابلیس اس لیے لعنت کا مستحق ہوا کہ اس کے طرز عمل میں آدم علیہ السلام کی تنقیص و حقیر اور ان پر فخر و تعلیٰ کا اظہار ہے، حکم الہی کی مخالفت ہے جب کہ آدم علیہ السلام کا نام لے کر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ پھر اس نے جو عز پریش کیا، وہ بھی بیکار بلکہ ”عذر گناہ بدر از گناہ“ کا آئینہ دار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ بنی اسرائیل میں اس کا تذکرہ یوں فرمایا ہے:

﴿وَلَوْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْا اِلَّا اِبْلٰیْسَ قَالَ لَا اَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ۚ قَالَ اَنْ يَّكُنْ هٰذَا الَّذِیْ كُوْنَتْ عٰقِبُ لٰكِنِ اَنْتَ رِیْءٌ اِلٰی یَّوْمِ الْقِیٰمَةِ ۚ اَخَذْتَنِیْ ذُوْیْقَةً اِلَّا كَلٰیۤہِۥۤنَّ ۚ قَالَ اَذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَتْ مِنْهُمْ ۚ فَاَنْ جَہَنَّمَ جَزَاۤءُۨہُمْ جَزَاۤءُۨ قَوْلُوْہُمْ ۚ وَاَسْتَغْوٰرُۨہُمْ مِّنْ اَسْطَغٰتٍ مِنْہُمْ بِصَوْنِكَ وَاَجْلِبْ عَلٰیہُمْ بِخَبْرِكَ وَجَلِبْ وَاَشَارَ لَّہُمْ اِلَی الْاَعْمَالِ وَاَلَا ذٰلِہٖۤ اَعَدَّہُمْ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۚ اِنَّ عِبَادِیْۤیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْہُمْ سُلْطٰنٌ وَّلٰكِنِّیْ بِرَبِّكَ وَکَلِیۡلٌ ۚ﴾

”اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا۔ کہنے لگا: بھلا میں ایسے شخص کو سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے، (پھر ارزاہہ طر) کہنے لگا: دیکھ تو یہی وہ ہے جسے تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے۔ اگر تو مجھ کو قیامت کے دن تک کی مہلت دے تو میں تمہو سے سے شخصوں کے سوا اس کی (تمام)

کے پاس ایک خاتون بیٹھی ہیں۔ انہیں اللہ نے آپ کی پسلی سے پیدا فرمایا تھا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: تو کون ہے؟ انہوں نے کہا: عورت ہوں۔ فرمایا: تجھے کس لیے پیدا کیا گیا ہے؟ کہا: تاکہ آپ مجھ سے تسکین حاصل کریں۔ فرشتوں نے، جو آدم علیہ السلام کے علم کی وسعت معلوم کرنا چاہتے تھے، کہا: آدم! اس کا نام کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: ”حواء“ انہوں نے کہا: اس کا نام حواء کیوں ہے؟ فرمایا: کیونکہ وہ ایک زندہ وجود سے پیدا کی گئی ہے۔“^①

ابلیس کا تکبر اور اس کا انجام بد

اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو ابلیس نے تکبر میں آ کر سجدے سے انکار کیا اور پھر اپنے اس عمل بد کی انتہائی قبیح دلیل بھی پیش کی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اسے ہمیشہ کے لیے لعنتی قرار دے دیا۔
 ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَاۤہُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاۤہُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْا اِلَّا اِبْلٰیْسَ لَمْ یَّکُنْ مِّنَ السَّٰجِدِيْنَ ۚ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ قَالَ اَنَاْ خَيْرٌ مِّنْہٗ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِیْنٍ ۚ﴾

”اور ہم ہی نے تم کو (ابتدا میں مٹی سے) پیدا کیا پھر تمہاری شکل و صورت بنائی پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو۔ تو (سب نے) سجدہ کیا، سوا ابلیس کے، وہ سجدہ کرنے والوں میں (شامل) نہ ہوا۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: ”جب میں نے تجھ کو حکم دیا تو کس چیز نے تجھے سجدہ کرنے سے باز رکھا؟ اس نے کہا کہ میں اس سے افضل ہوں مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے بنایا ہے۔“ (الاعراف: 11-12)

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے: ”ابلیس نے قیاس کیا اور سب سے پہلے اسی نے قیاس کیا۔“^②
 امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ابلیس نے قیاس کیا اور سورج، چاند کی پوجا بھی قیاس ہی سے شروع ہوئی۔“^③

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنا اور آدم علیہ السلام کا موازنہ کرتے ہوئے، اپنے آپ پر نظر ڈالی تو اسے اپنی ذات آدم علیہ السلام سے افضل معلوم ہوئی اس لیے وہ انہیں سجدہ کرنے سے رک گیا۔ حالانکہ تمام فرشتوں کے ساتھ ساتھ اسے بھی سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ نص کے مقابلے میں قیاس کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا اور یہ قیاس تو ویسے بھی غلط ہے کیونکہ مٹی آگ سے بہتر اور زیادہ نفع بخش ہے۔ مٹی میں چٹختی، برادری، جمل اور بڑھنے پھولنے کی صفات پائی جاتی ہیں جب کہ آگ میں

① تفسیر الطبری: 328:1 حدیث: 595

② تفسیر ابن کثیر: 212:2 تفسیر سورة الاعراف: آیت: 12

کے لیے بیٹھوں کا پھر ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے (غرض ہر طرف سے) آؤں گا (اور ان کی راہ ماروں گا) اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔“ (الأعراف: 17, 167)

یعنی اے اللہ! چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے، اس لیے میں بھی انہیں گمراہ کرنے کے لیے ہر جگہ گھات لگا کر بیٹھوں گا اور (انہیں گمراہ کرنے کے لیے) ہر طرف سے آؤں گا۔ خوش نصیب وہی ہے جو اس کی مخالفت کرے اور سراسر بد نصیب وہ ہے جو اس کی بات مان لے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”شیطان انسان کے ہر راستے پر (گمراہ کرنے کے لیے) بیٹھا ہوا ہے۔“^①

المبیس کی جلا وطنی: جب المبیس نے حکم الٰہی کی تعمیل سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے تاقیامت لعنتی اور مردود قرار دے کر نکل جانے کا حکم دے دیا اور اس کا مقام وہ بھی مرتبہ جہنم کیا۔

اللہ تعالیٰ نے المبیس سے فرمایا: ﴿فَاقْهَظْ مِنْهَا﴾ (الأعراف: 137) ”اس (جنت) سے اتر جاؤ!“ اور ﴿اُخْرِجْ مِنْهَا﴾ (الأعراف: 187) ”اس سے نکل جا۔“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آسمان پر تھا، وہاں سے اسے نیچے اتر جانے کا حکم دیا گیا اور اس مقام و مرتبہ سے بھی محروم کر دیا گیا جو اسے عبادت کی وجہ سے اور اطاعت و عبادت میں فرشتوں سے مشابہ ہو جانے کی وجہ سے حاصل ہوا تھا۔ اس کے سبب، حسد اور نافرمانی کی وجہ سے اس سے یہ مرتبہ سلب کر کے اسے ذلت و لغت کے ساتھ زمین پر پھینک دیا گیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب آدم کا بیٹا سجدہ کی آیت تلاوت کرتا ہے، پھر سجدہ کرتا ہے تو شیطان ایک طرف ہو کر رونے لگتا ہے اور کہتا ہے: ہائے افسوس! ابن آدم کو سجدہ کرنے کا حکم ہوا تو اس نے سجدہ کر لیا، اس لیے اسے جنت ملی۔“ مجھے سجدہ کرنے کا حکم ملا تھا، میں نے نافرمانی کی تو مجھے جہنم ملی۔“^②

آدم اور حواء علیہما السلام دخول جنت سے خروج تک

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الْغَالِبِينَ ۝ قَوَّسُ الشَّيْطَانِ يُبْدِي لَهُمَا مَا ذَرَى عَنْهُمَا مِنْ سَوَابِهِمَا وَقَالَ مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَنْ تَكُونَا مَلَائِكَةً أَوْ تَكُونَا مِنَ الْغَالِبِينَ ۝ وَكَاسَمَهُمَا إِيَّيْ كَلِمًا

① مسند احمد: 483/3

② صحيح مسلم "الإيمان" باب بيان إطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة: حديث: 81 و مسند احمد: 443/2

اولاد کی جڑ کاٹنا رہوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (یہاں سے) چلا جا۔ جو شخص ان میں سے تیری پیروی کرے گا تو تم سب کی سزا جہنم ہے (اور وہ) پوری سزا (ہے) اور تو ان میں سے جس کو بہا سکتے اپنی آواز سے بہکا تا رہ اور ان پر اپنے سواروں اور پیادوں کو چڑھا کر لا تا رہ اور ان کے مال اور اولاد میں شریک ہوتا رہ اور ان سے وعدے کرتا رہ۔ اور شیطان اُن سے جو وعدے کرتا ہے سب دھوکا ہے۔ جو میرے (مخلص) بندے ہیں اُن پر تیرا کچھ زور نہیں۔ اور (اے پیغمبر!) تمہارا پروردگار کا سزا کافی ہے۔“ (بنی اسرائیل: 65-117)

المبیس کی انسان و جنی: اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو مبیس کی دشمنی پر مستبہ کیا اور اس کے انجام بد سے ڈرایا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَذِّنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ أَفَتَتَّخِذُ دُونَهُ وَذُرِّيَّتَهُ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِي﴾

”اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر المبیس (نے نہ کیا) وہ جنت میں سے تھا تو اپنے پروردگار کے حکم سے باہر ہو گیا۔ کیا تم اس کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو؟“

(الکہف: 50/18)

یعنی وہ جان بوجھ کر اللہ کی اطاعت سے نکل گیا اور اس نے تکبر کی بنا پر اللہ کے حکم کی تعمیل سے انکار کیا۔ یہ اس کی ناپاک نفرت تھی، جس نے اسے دھوکا دیا کیونکہ وہ آگ سے پیدا کیا گیا ہے۔

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”فرشتے نور سے پیدا کیے گئے ہیں، جن آگ کے شعلے سے پیدا کیے گئے اور آدم علیہ السلام چیز (جنی) سے پیدا کیے گئے، جو تمہیں بتا دی گئی ہے۔“^①

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”المبیس ایک لفظ بھی فرشتہ نہیں رہا۔“^②

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ”المبیس زمین کے ان فرشتوں میں سے تھا جنہیں جن کہا جاتا تھا اور علم و عبادت میں ان سب سے بڑھ کر تھا اور اس کا نام عزرا زیل تھا۔“^③

المبیس کا اعلان جنگ: سورہ اعراف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ قِمَا أَتَوْنِي لَا لَعْدَنِّي لَأَاقِدَنَّ لَكُمْ يَصْرَاطَكُمْ أَلَسْتُمْ بِذُنُوبٍ أَعْيَبْتُمْ عَنْ رَبِّكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَتُوبُونَ ۝ ثُمَّ لَا تَجِدُهُمْ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ ۝﴾

” (پھر) شیطان نے کہا کہ مجھے تو نے ملعون کیا ہی ہے۔ میں بھی تیرے سیدھے راستے پر ان (کو گمراہ کرنے)

① صحيح مسلم "الزهد" باب في أحاديث متفرقة: حديث: 2996

② تفسير ابن كثير: 93/3 تفسير سورة الكهف: آيت: 50

③ تفسير ابن كثير: 81/1 تفسير سورة البقرة: آيت: 34

یہ درخت کون سا تھا؟ اس کے بارے میں مفسرین کی مختلف آراء ہیں:

بعض علماء کے نزدیک وہ انجور کی بیل تھی۔ یہودی رائے میں وہ کندم تھی۔ وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اس کا دانہ مکھن سے نرم اور شہد سے زیادہ مٹھا تھا۔“ ابو مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”وہ کھجور کا درخت تھا۔“ مجاہد رضی اللہ عنہ کی رائے ہے کہ وہ انجیر کا درخت تھا۔ ابو العالیہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”یہ کوئی ایسا درخت تھا کہ اس کو کھانے سے تضاعے حاجت کی ضرورت پیش آتی تھی اور جنت کی زمین میں تضاعے حاجت مناسب نہیں۔“^①

یہ اختلاف معمولی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس درخت کا تعین نہیں فرمایا۔ اگر اس کے تعین میں کوئی حکمت ہوتی تو اللہ تعالیٰ متعین طور پر بیان فرمادیتا۔ لہذا اس میں رائے کے اجتہاد بہتر ہے۔

اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے کہ آدم علیہ السلام کو جس جنت میں ٹھہرایا گیا تھا، کیا وہ آسمان والی جنت ہے یا وہ زمین میں کوئی باغ تھا؟

اکثر علماء کی رائے ہے کہ یہ جنت آسمان میں ہے اور اس کا نام ”جنت الماویٰ“ یا ”جنت الخلد“ ہے۔ قرآن مجید کی آیات اور احادیث نبویہ کے الفاظ کا ظاہری مفہوم اس کی تائید کرتا ہے۔ جیسے ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ يَادَّبُ الْمَأْكُونُونَ أَتَتْكُمْ أَمْثَلُكُمْ أَنْتُمْ وَرُوحُكُمُ الْيَتَامَى﴾

”ہم نے کہا: اے آدم! تم اپنا دور تیری بیوی جنت میں رہو۔“ (البقرة: 35/2)

اس آیت میں ﴿الْيَتَامَى﴾ کا لفظ ”آدم کا“ عام کو معنی نہیں دیتا بلکہ مہذبہ یعنی غلطی سے پہلے سے معلوم چیز کی طرف اشارہ کے لیے ہے۔ اس صورت میں اس سے مراد وہی جنت ہو سکتی ہے جو بشریت نے بتائی ہے یعنی ”جنت الماویٰ“ جیسے آدم اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان بات چیت کے دوران میں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ”آپ نے اپنے آپ کو اور ہم سب کو جنت سے کیوں نکلوا دیا؟“^②

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ لوگوں کو جمع فرمائے گا۔ جب جنت مومنوں کے قریب لائی جائے گی تو وہ اٹھ کھڑے ہوں گے۔ وہ آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کریں گے: ابا جان! ہمارے لیے جنت (کا دروازہ) کھلو دیجیے۔ وہ فرمائیں گے: تمہیں جنت سے تمہارے والد کی غلطی ہی نے نکلوا دیا تھا۔“^③

اس حدیث میں بظاہر ایک قوی دلیل موجود ہے کہ وہ جنت الماویٰ ہی تھی، جس سے آدم علیہ السلام کو نکالا گیا۔ تاہم اس استدلال پر تنقید کی گنجائش موجود ہے۔

① تفسیر ابن کثیر: 83، 82، 1۔ تفسیر سورة البقرة: آیت: 35

② صحیح البخاری: التفسیر، باب قوله ﴿فَلَا يَخْرُجُ مِنْكُمْ﴾: 4738 و صحیح مسلم: القدر، باب حجاج آدم و موسیٰ صلی اللہ علیہما وسلم: 265

③ صحیح مسلم: ”الإيمان“ باب أدنى أهل الجنة منزلة فيها: 195

لَيْسَ النَّصِيبَيْنِ ۖ قَدْ لَهَمَا يَخْرُوجُ قَلْبًا ذَاقًا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهَا سَوَاتِئُهَا وَ طِفَافٌ يَخْضِبُ عَنْبَها مِنْ وَرَى الْجَنَّةِ ۖ وَ تَادِهَمَا رُيُوبُهَا ۚ أَلَمْ أَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكَ الشَّجَرَةِ ۖ وَ أَقُلْتُ لَكُمَا إِنَّ الْفَيْصَانَ لَكُمَا عَذَابٌ مُبِينٌ ۖ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا ۖ وَ إِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۖ قَالَ أَهْطَا بِعُصَمَاكُمْ لِبَعْضِ عَذَابٍ ۖ وَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ ۖ وَ مَتَاعٌ ۖ إِلَىٰ حِينٍ ۖ قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ ۖ وَ فِيهَا تَمُوتُونَ ۖ وَ مِنْهَا تُخْرَجُونَ ۖ﴾

”اور (ہم نے) آدم (سے کہا کہ) تم اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو اور جہاں سے چاہو (اور جو چاہو) نوش جان کرو مگر اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ گناہ گار ہو جاؤ گے۔ سو شیطان دونوں کو بہکانے لگا تا کہ ان کی ستری چھڑیں (شرم چھین) جو ان سے پوشیدہ تھیں کھول دے۔ اور کہنے لگا کہ تم کو تمہارے پروردگار نے اس درخت سے صرف اس لیے منع کیا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ جیتے نہ رہو اور ان سے قسم کھا کر کہا کہ میں تو تمہارا خیر خواہ ہوں۔ غرض (مرد دونے) دھوکا دے کر ان کو (محسیت کی طرف) کھینچ لیا۔ جب انہوں نے اس درخت (کے پھل) کو کھالیا تو ان کی ستری چھڑیں کھل گئیں اور وہ بہشت کے (درختوں کے) پتے (توڑ توڑ کر) اپنے اوپر پکڑنے (ستر چھپانے) لگے۔ جب ان کے پروردگار نے ان کو پکارا کہ کیا میں نے تم کو اس درخت (کے پاس جانے) سے منع نہیں کیا تھا اور جتنا نہیں دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے۔ دونوں عرض کرنے لگے کہ پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔ (اللہ نے) فرمایا: (تم سب بہشت سے) اتر جاؤ (اب سے) تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لیے ایک وقت (خاص) تک زمین پر ٹھکانا اور (زندگی کا) سامان (کر دیا گیا) ہے۔ (یعنی) فرمایا کہ اس میں تمہارا جینا ہوگا اور اسی میں مرنا اور اسی میں سے (قیامت کو زندہ کر کے) نکالے جاؤ گے۔“ (الأعراف: 19/7-25)

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ يَادَّبُ الْمَأْكُونُونَ أَتَتْكُمْ أَمْثَلُكُمْ أَنْتُمْ وَ رُوحُكُمُ الْيَتَامَى ۖ وَ لَا تَقْرَبُوا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونُوا مِنَ الْخَالِبِينَ ۖ﴾

”اور ہم نے کہا کہ اے آدم! تم اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو اور جہاں سے چاہو بے روک ٹوک کھاؤ (بیو) لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا۔ ورنہ تم خالوں میں (داخل) ہو جاؤ گے۔“ (البقرة: 35/2)

جنت میں جس درخت کے قریب جانے سے روکا گیا تھا اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا هَذِهِ الشَّجَرَةَ﴾

”اس درخت کے قریب نہ جانا۔“

إِنِّي لَكُمَا لَكِنَ النَّاصِحِينَ ۖ قَدْ لَهْمَا يَخْرُودُ ۚ” تم کو تمہارے پروردگار نے اس درخت سے صرف اس لیے منع کیا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ جیتے نہ رہو اور اس لیے قسم کھا کر کہا کہ میں تو تمہارا خیر خواہ ہوں۔ غرض (مردودے) دھوکا دے کر ان کو مصیبت کی طرف بھیجی لیا۔“ (الأعراف: 22-207) ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کی جنت میں ان کے ساتھ موجود تھا۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ عین ممکن ہے وہ جنت میں سے گزرتے ہوئے ان سے ملا ہو، اس کے لیے ضروری نہیں کہ وہ بھی جنت میں ٹھہرا ہوا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے جنت کے دروازے پر کھڑے ہو کر یا آسمان کے نیچے سے آدم و حوا علیہ السلام کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا ہو۔ (واللہ اعلم)

آدم و حوا علیہ السلام کے خلاف شیطان کی چال: شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام سے دشمنی کا عملی مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں جنت سے نکلوا دیا مہابت کمرے انہیں گمراہ کیا اور اپنے رب کی نافرمانی پر آمادہ کیا۔ جس کی سزا میں آدم علیہ السلام کو جنت اور اس کی نعمتوں سے محروم اور رکھوں کی جگہ زمین میں آباد ہونا پڑا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قَالَ لَهَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا﴾ ”شیطان نے انہیں اس سے بہکا دیا۔“ یعنی جنت سے ﴿فَاخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ﴾ ”پھر انہیں اس سے نکال دیا جس میں وہ تھے۔“ (البقرة: 36/2)

یعنی نعمت، راحت اور سرور سے نکال کر محنت، مشقت اور مصیبت والی دنیا میں پہنچا دیا۔ وہ اس طرح کہ اس نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا اور اس کے اچھا ہونے کا احساس دلایا۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قَوَّسَسَ لَهَا الشَّيْطَانُ يُمَيِّدُ لَهَا مَا دُرِيَ عَنْهَا مِنْ سَوَاءِهَا وَقَالَ مَا لَهَا لَكُمَا رَكِبًا عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ إِنَّ أَنْ تَكُونَا مَلَكَتَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ الْغَالِيَيْنِ﴾

”تو شیطان دونوں کو بہکانے لگا تاکہ ان کے سڑکی چڑیں جو ان سے پوشیدہ تھیں کھول دے اور کہنے لگا کہ تم کو تمہارے پروردگار نے اس درخت سے صرف اس لیے منع کیا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ جیتے نہ رہو۔“

(الأعراف: 207)

یعنی اس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سے صرف اس لیے منع کیا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ رہنے والے نہ بن جاؤ۔ یعنی اگر تم اسے کھا لو گے تو ایسے بن جاؤ گے اور انہیں یقین دلانے کے لیے قسمیں کھائیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَقَاَسَبَهَا إِنِّي لَكُمَا لَكِنَ النَّاصِحِينَ﴾ ”اس نے انہیں قسمیں کھا کر کہا: میں یقیناً تمہارا خیر خواہ ہوں۔“

(الأعراف: 217)

ایک اور آیت میں ارشاد ہے:

﴿قَوَّسَسَ لَهَا الشَّيْطَانُ قَالَ يَأْتِمُرُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَى شَجَرَةِ الْغُلْبِ وَمَلَكَ أَنْ يَكُونَ﴾

دوسرے علمائے کرام بھی فرماتے ہیں کہ جس جنت میں آدم علیہ السلام کو رکھا گیا تھا، وہ جَنَّةُ الْغُلْدِ [ہیش کی زندگی والی جنت] نہیں تھی۔ کیونکہ انہیں ایک درخت کا پھل کھانے سے باز رہنے کا مکلف کیا گیا تھا، وہ اس جنت میں سوئے بھی تھے اور اس سے نکال بھی دیئے گئے نیز اس جنت میں ان کے پاس اطمین آ یا۔ ان امور سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنت المادئی نہیں تھی۔ اس قول کی تائید میں موجودہ تورات کے بیان کو بھی پیش کیا جاتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ وہ جنت جس میں آدم و حوا علیہ السلام رہے اس کے بارے میں دو آراء ہیں:

۱۔ وہ جنت الغلد ہے۔

۲۔ وہ کوئی اور جنت تھی، جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تیار کی اور اس میں ان کی آزمائش ہوئی۔ وہ جنت الغلد نہیں اس لیے کہ جنت الغلد اور الامتحان نہیں، دارالجزاء ہے۔

دوسرے قول کے قائلین میں پھر اختلاف ہے:

۱۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ جنت آسمان میں تھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سے نیچے اتارا۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ زمین میں تھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آزمائش کے طور پر انہیں ایک خاص درخت سے منع فرمایا تھا، دوسرے درختوں کے پھلوں سے نہیں۔ اور یہ واقعہ اطمین کو مجہد کا حکم دینے کے بعد کا ہے۔ (واللہ اعلم)

دوسرے قول والوں کی طرف سے ایک سوال اٹھایا گیا ہے، جس کا جواب دینے کی ضرورت ہے۔ وہ کہتے ہیں:

”یقیناً بات ہے کہ جب اطمین نے آدم علیہ السلام کو مجہد کرنے سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے جنت سے نکل جانے کا حکم دے دیا اور یہ حکم ”فرمانِ حق“ کی حیثیت نہیں رکھتا تھا، جس کی تعمیل بھی ممکن ہوتی ہے اور عدم تعمیل بھی۔ بلکہ یہ ”تعمیلِ حکم“ تھا، جس کی عدم تعمیل اور اس سے سرپناہی ممکن نہیں۔ اس لیے فرمایا: ﴿أَخْرَجَ مِنْهَا مَذْءَ وَمَا مَقْدُ حُورًا﴾ ”نکل جا یہاں سے ذلیل و خوار ہو کر۔“ (الأعراف: 187)

اور فرمایا: ﴿قَالُوا لَهَا لَكُمَا رَكِبًا﴾ ”اس سے اترا جا، تجھے کوئی نہیں تمہیں کس میں رہ کر تکبر کرے۔“ (الأعراف: 137) اور فرمایا: ﴿فَاخْرَجَ مِنْهَا لَوْنًا جَمًّا﴾ ”سوساں سے نکل جا، کیونکہ تو مردود ہے۔“ (الزمر: 77/38) ان آیات میں ﴿مِنْهَا﴾ ”اس سے“ سے مراد جنت یا آسمان یا درجہ ہے۔ جو مطلب بھی لیا جائے، بہر حال وہ اس جگہ میں موجود نہیں رہ سکتا، جس سے نکال دیا گیا اور دور کر دیا گیا ہے۔ وہ نہ وہاں رہ سکتا ہے نہ اس کا وہاں سے گزر ہو سکتا ہے

وہ یہ بھی کہتے ہیں: قرآن مجید کی آیات کا ظاہر مفہوم یہ ہے کہ اطمین نے آدم علیہ السلام کے دل میں وسوسہ ڈالا اور انہیں مخاطب کر کے کہا: ﴿هَلْ أَدُلُّكَ عَلَى شَجَرَةِ الْغُلْبِ وَمَلَكَ أَنْ يَكُونَ﴾ ”بھلا تم کو (ایسا) درخت بتاؤں (جو)

ہیش کی زندگی کا (مردودے) اور ایسی بادشاہت کہ کبھی زائل نہ ہو۔“ (طہ: 120/20)

اور کہا: ﴿مَا لَهَا لَكُمَا رَكِبًا عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ إِنَّ أَنْ تَكُونَا مَلَكَتَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ الْغَالِيَيْنِ﴾ ”وَقَاَسَبَهَا

مخاطب ہیں۔

علمائے کرام کا اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے کہ آدم علیہ السلام جنت میں کتنا عرصہ رہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”آدم علیہ السلام کو جہنم کے دن پیدا کیا گیا اور اسی دن نہیں جنت میں داخل کیا گیا اور اسی دن نکالا گیا۔“^①

اگر مذکورہ بالا حدیث کا یہ مطلب لیا جائے کہ جس دن ان کو پیدا کیا گیا، اسی دن انہیں نکالا گیا اور یہ سمجھا جائے کہ جنت کے ایک دن سے مراد موجودہ دنوں جتنی مدت ہے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ دنیا کے دن جیسے ایک دن کا کچھ حصہ ٹھہرے۔ لیکن یہ رائے بالکل نظر ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان کی تخلیق اور دن ہوئی اور جنت سے کسی اور دن نکلے یا یہ کہا جائے کہ دن سے مراد چھ ہزار سال کی مدت ہے جیسے ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور ضحاک رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور ابن جریر جنت نے اسی کو ترجیح دی ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ جنت میں طویل عرصہ ٹھہرے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آدم علیہ السلام کو مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان ”دنتا“ نامی مقام پر اتارا گیا۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: آدم علیہ السلام کو ہند میں اتارا گیا، حواء علیہا السلام کو جدہ میں انیس کو لہرہ سے چند میل دور دستیان نامی جگہ میں اور سانپ کو اصفہان میں اتارا گیا۔ جبکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ”آدم علیہ السلام کو صفا پہاڑی اور حواء علیہا السلام کو مروہ پہاڑی پر اتارا گیا۔“

حضرت ابویوسف اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر اتارا تو آپ کو ہریز بنانا سکھایا اور جنت کے کچھ پھل عطا فرمائے۔ تمہارے یہ (زمینی) پھل، جنت کے پھلوں میں سے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ ان میں تبدیلی آتی ہے (خراب بھی ہو جاتی ہے) اور ان میں تبدیلی نہیں آتی۔“^②

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آدم علیہ السلام نے زمین پر سب سے پہلے جو کھانا کھا یا وہ یہ تھا کہ جبریل علیہ السلام ان کے پاس گندم کے سات دانے لائے۔ آدم علیہ السلام نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے فرمایا: یہ اسی درخت کا پھل ہے جس سے آپ کو منع کیا گیا تھا اور آپ نے کھا لیا تھا۔ انہوں نے فرمایا: میں اس کا کیا کروں؟ فرمایا: اسے زمین میں بو دیجیے۔ انہوں نے بوبہ لے۔ اب میں سے ہر ایک دانے کا وزن (موجودہ دور کے) ایک لاکھ دانوں سے زیادہ تھا۔ وہ آگ آئے۔ (وقت آنے پر) انہیں کانٹا، گاہا، بامس سے دانے الگ کیے گئے، پھر انہیں چیرا اور گوندھا، پھر اس (آٹے) کی روٹی پکائی، پھر کھائی۔ اس طرح انہیں بہت محنت اور مشقت کے بعد کھانا ملا۔ اس آیت مبارکہ میں اسی کی طرف اشارہ ہے:

﴿فَلَا يَخْرُجُكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقَى﴾

① صحیح مسلم ”الجمعة“ باب فضل يوم الجمعة: حدیث: 854

② مصنف عبدالرزاق والمستدرک للحاکم: 543/2 حدیث: 3996

آدم، یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے تو یہ کہیں تم دونوں کو بہشت سے نہ نکلوا دے پھر تم تکلیف میں پڑ جاؤ۔ یہاں تم کو یہ (آسائش) ہوگی کہ نہ جہنم کے رہو نہ جنت کے رہو۔ یہاں سے نہ نکلو اور نہ دھوپ کھاؤ۔ تو شیطان نے ان کے دل میں دوسرا ڈالا (اور) کہا کہ آدم! بھلا میں تم کو (ایسا) درخت بتاؤں (جو) ہمیشہ کی زندگی کا شجرہ دے اور (ایسی) پادشاہت کہ کبھی زمین نہ ہو۔ سو دونوں نے اس درخت کا پھل کھا لیا تو ان پر ان کی شرم گاہیں ظاہر ہو گئیں اور وہ اپنے (بدنوں) پر بہشت کے پتے چپکانے لگے اور آدم نے اپنے پروردگار کے حکم کے خلاف کیا تو (وہ اپنے مطلوب سے) بے راہ ہو گئے پھر ان کے پروردگار نے ان کو نوازا تو ان پر سہرائی سے توجہ فرمائی اور سیدھی راہ بتائی۔ فرمایا کہ تم دونوں یہاں سے اکٹھے نیچے اتر جاؤ۔ تم میں سے بعض بعض کے دشمن (ہوں گے) پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ تکلیف میں پڑے گا اور جو میری نصیحت سے منہ پھیرے گا اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی اور قیامت کو ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا کہ میرے پروردگار! تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا، میں تو یکساں تھا تھا! اللہ فرمائے گا کہ ایسا ہی چاہیے تھا۔ تیرے پاس ہماری آیتیں آئیں تو تو نے ان کو بھلا دیا، اسی طرح آج تجھے بھلا دیا جائے گا۔“ (ملہ: 115:20-126)

دوسرے مقام پر یوں فرمایا:

﴿اٰخِطُّوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوًّا وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَ مَتَاعٌ اِلٰی حِينٍ﴾

” (تم سب بہشت سے) اتر جاؤ (اب سے) تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لیے ایک وقت (خاص)

تک زمین پر ٹھکانا اور (زندگی کا) سامان (کروا دیا گیا) ہے۔“ (الأعراف: 24/7)

یہ ارشاد آدم، حواء علیہما السلام اور انیس کو مخاطب کر کے فرمایا گیا۔ ایک قول کے مطابق سانپ بھی اس میں شامل تھا۔ انہیں حکم دے دیا گیا کہ جنت سے نکل جائیں، جب کہ وہ ایک دوسرے کے دشمن اور مخالف رہیں گے۔

اس واقعہ میں سانپ کے ذکر کی تائید میں وہ حدیث پیش کی جاسکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب سے ان (سانپوں) سے ہماری جنگ شروع ہوئی ہے، ہم نے ان سے کبھی صلح نہیں کی۔ اور جس نے ذر کی وجہ سے کوئی سانپ چھوڑ دیا وہ ہم میں سے نہیں۔“^③

سورہ طہ میں انہی کی بابت فرمایا:

﴿اٰخِطُّوْا وَنَهَا جَعِبًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوًّا﴾

”تم دونوں یہاں سے اکٹھے نیچے اتر جاؤ! تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہوں گے۔“ (ملہ: 123:20)

”دونوں“ سے مراد آدم علیہ السلام اور انیس ہیں۔ حواء علیہا السلام کو سانپ کے تابع ہو کر اور سانپ شیطان کے تابع ہو کر اس حکم کے

③ سنن أبي داود ”الأدب“ باب في قتل الحيات: حدیث: 5248

کا ذریعہ بناتے ہو اور قطع رحمی (سے بچو۔) کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔“ (النساء: 1/4)

تیز فرمایا:

﴿وَاِذْ اَحَدُ رَبِّكَ مِنْ بَنِي اٰدَمَ مِنْ طُلُوْهِ رِيْهِمْ دُرِّيَّتُهُمْ وَاسْتَشْهَدَ هُمْ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى ؕ شَهِدْنَا ؕ﴾

”اور جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی ان کی بیٹیوں سے اُن کی اولاد نکالی تو اُن سے خود اُن کے مقابلے میں اقرار کر لیا (یعنی ان سے پوچھا کہ) کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ وہ کہنے لگے: کیوں نہیں ہم گواہ ہیں (کہ تو ہمارا پروردگار ہے۔)“ (الاعراف: 172/7)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما نے مذکورہ آیت کے متعلق پوچھا کیا تو انہوں نے فرمایا: میری موجودگی میں رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تھا تو آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا پھر ان کی پشت پر اپنا دایاں ہاتھ بچیر اور ان کی اولاد نکالی اور فرمایا: میں نے انہیں جنت کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ جنتیوں والے محل کریں گے۔ پھر ان کی پشت پر (دوبارہ) ہاتھ بچیر اور (مزید) اولاد دکھا ہر فرمائی اور ارشاد فرمایا: میں نے انہیں جہنم کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ جہنمیوں والے محل کریں گے۔“ ایک آدمی نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ! جب عمل کس لیے ہے؟ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو جنت کے لیے پیدا فرماتا ہے تو اسے جنتیوں والے محل کی توفیق دیتا ہے اور وہ شخص ان کی وجہ سے جنت میں داخل ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ جس کب بندے کو جہنم کے لیے پیدا کرتا ہے تو اسے جہنمیوں والے اعمال میں مشغول کر دیتا ہے اور وہ شخص ان کی وجہ سے جہنم میں داخل ہو جاتا ہے۔“

جب وہ علماء یہ رائے رکھتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کی اولاد سے وعدہ لیا گیا تھا، انہوں نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن ایک جہنمی سے کہا جائے گا کہ اگر تیرے پاس پوری دنیا کا مال و دولت ہو تو تیری توفیق کے طور پر وہ سب دے دے گا؟ وہ کہے گا: ”ہاں!“ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے تجھ سے اس سے آسان چیز کا مطالبہ کیا تھا۔ جب تو آدم علیہ السلام کی پشت میں تھا، اس وقت میں نے تجھ سے ایک وعدہ لیا تھا کہ تو میرے ساتھ شرک نہیں کرے گا لیکن تو نے پھر بھی شرک کرنے پر ہی اصرار کیا۔“

مذکورہ آیات کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے اس دن ان سب کو جمع کیا جو آدم علیہ السلام کی پشت سے قیامت تک پیدا ہونے والے تھے۔ اسے ان کو پیدا کر کے اور ان کی صورتیں بنا کر انہیں بولنے کی طاقت

① سنن ابی داؤد السنۃ باب فی القدر: حدیث 4703 و جامع الترمذی تفسیر القرآن باب و من سورة الاعراف: حدیث: 3075 و صحیح ابن حبان: 148

② صحیح البخاری: الرقاق باب صفة الجنة والنار: حدیث: 6557 و صحیح مسلم: صفات المنافقین باب طلب الکافر الفداء بملء الأرض ذہباً: حدیث: 2805 و مسند احمد: 129/3

”ایسا ہرگز نہیں ہوتا چاہیے کہ وہ (شیطان) تمہیں جنت سے نکلوا دے، پھر تمہیں سخت مشقت برداشت کرنی پڑے۔“ (طہ: 117/20)

⑤ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ: اللہ تعالیٰ نے جب انہیں جنت اور راحت و سکون والی جگہ سے نکال کر مشقت اور محنت والی زندگی مہیا کی تو انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ اللہ کی طرف متوجہ ہوئے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں فرمایا ہے:

﴿اَلَمْ نُنْخِمْكَ عَنْ ثَلَاثِ الْفَجْرِ وَ اَقْلَ ثَلَاثِ الْفَجْرِ اِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ اَعْدُوٌّ مُّبِينٌ ؕ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ؕ﴾

”کیا میں نے تم کو اس درخت (کے پاس جانے) سے منع نہیں کیا تھا اور جتنا نہیں دیا تھا کہ شیطان تمہارا حکم کھلا دشمن ہے۔ دونوں عرض کرنے لگے کہ پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔“ (الاعراف: 23/7)

آدم علیہ السلام نے یہ کلمات اللہ تعالیٰ سے بھیجے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں اس کی وضاحت ہے:

﴿فَتَقَبَّلَ اٰدَمُ مِنْ رَبِّهِمْ كَلِمَتًا ؕ﴾

”پھر آدم نے اپنے پروردگار سے کچھ کلمات سکھے۔“ (البقرة: 37/2)

ان الفاظ میں اپنی غلطی کا اعتراف ہے، اللہ کی طرف توجہ ہے، اس کے سامنے عجز و نیاز اور تذلّل کا اظہار ہے اور اس مشکل گھڑی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سختی کا اقرار ہے۔ آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے جس شخص کو یہ راز سمجھ میں آ گیا اس کی دنیا بھی سنور جائے گی اور آخرت بھی۔

اولاد آدم علیہ السلام اور قصہ ہاتھیل و قاتیل

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حوا علیہما السلام کو کثیر اولاد عطا فرمائی۔ سورہ نساء میں اس واقعے کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿يٰۤاٰدَمُ اَنْۢصُرْ اِلٰهَکَ مَاۤ اَنۢشَاَ لَکَ مِنْ نَفْسٍ وَّاجِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَکَ وَوَضَعَ مِنْهُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا ۖ وَّسَمَّٰهُمُ الْاَنۢدِیۡیَ سَمَآءُ لَیۡسَ اَدَمُ وَاِلٰہُکَ اِنۡ شِئۡتَ اِنۡ شِئۡتَ عَلَیۡکَ رَقِیۡبًا ؕ﴾

”لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جانا سے پیدا کیا اور اسی سے اُس کا جوڑا بنایا۔ پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورت (پیدا کر کے روئے زمین پر) پھیلادیا ہے اور اللہ سے ڈرو جس کے نام کو تم اپنی حاجت براری

① یہ روایت ہمیں نہیں ملی۔

”اور ہم نے ان میں سے اکثروں میں (عبد کا نباء) نہیں دیکھا اور میں اکثروں کو (دیکھا تو) فاسق ہی دیکھا۔“

(الاعراف: 102/7)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو آپ کی پشت پر ہاتھ پھیرا۔ تب قیامت تک پیدا ہونے والی ہر جان آپ کی پشت سے ظاہر ہوئی۔ اللہ نے ہر ایک کی آنکھوں کے درمیان نور کی ایک چمک رکھی۔ پھر انہیں آدم علیہ السلام کو دکھایا۔ دم علیہ السلام نے کہا: یا رب! یہ کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”یہ تیری اولاد ہے۔“ آپ کو ان میں ایک آدمی نظر آیا، جس کی پیشانی کی چمک آپ کو بہت اچھی لگی۔ فرمایا: یا رب! یہ کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”یہ تیری اولاد میں آخری زمانے کی قوموں میں سے ایک آدمی ہے، جس کا نام داود علیہ السلام ہوگا۔“ فرمایا: یا رب! تو نے اس کی عمر کتنی مقرر کی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”ساٹھ سال۔“ آدم علیہ السلام نے فرمایا: یا رب! میری عمر میں سے چالیس سال عطا فرما دے۔ جب آدم علیہ السلام کی عمر مکمل ہوئی تو موت کا فرشتہ آ گیا۔ انہوں نے فرمایا: کیا میری عمر میں سے چالیس سال باقی نہیں؟ اس نے کہا: کیا وہ آپ نے اپنے بیٹے داود علیہ السلام کو نہیں دے دیے؟ آپ علیہ السلام نے انکار کیا، تو آپ کی اولاد میں بھی انکار کی عادت رہی۔ آدم علیہ السلام بھول گئے، آپ کی اولاد بھی بھولنے والی ہوئی۔ آدم علیہ السلام سے غلطی ہوئی، آپ کی اولاد بھی غلطیاں کرنے والی ہوئی۔“

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم سے نعمان یعنی عرفات کے مقام پر عبد اللہ علیہ السلام کو پیدا کیا، ان کی پشت سے نکالا۔ انہیں اپنے سامنے چوبیسوں کی طرح نکھیر دیا۔ پھر ان سے براہ راست کلام کرتے ہوئے فرمایا: ”کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟“ انہوں نے کہا: یقیناً ہے، ہم گواہی دیتے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مبادا تم قیامت کے دن کہو: ہمیں تو اس کا علم ہی تھا۔ یہاں تک کہ: ہمارے باپ دادا نے شرک کیا تھا اور ہم تو انہی کی اولاد تھے (اس لیے ان کی راہ پر چل پڑے) کیا تو ہمیں جھوٹے لوگوں کے اعمال کی وجہ سے تباہ کر دے گا؟“

کیا آدم و نوا علیہ السلام کے ہاں جنت میں اولاد ہوئی تھی یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے:

● ایک قول یہ ہے کہ ان کی سب اولاد زمین ہی پر پیدا ہوئی۔

● دوسرے قول کے مطابق ان کے کچھ بچے جنت میں بھی پیدا ہوئے تھے، جن میں سے قاتل اور ان کی بہن بھی شامل

① ابن ابی حاتم: 1615/5، حدیث: 8537/1 ابن جریر الطبری: 154/6، حدیث: 11929/1 تفسیر ابن کثیر: 274/2، تفسیر سورة

الأعراف: آیت: 174/1 المستدرک للحاکم: 323/2

② جامع الترمذی: تفسیر القرآن: باب و من سورة الأعراف: حدیث: 3076

③ مسند أحمد: 272/1 المستدرک للحاکم: 544/2، حدیث: 4000 کنز العمال: 127/6، حدیث: 15124

دی۔ وہ بولے گئے تو ان سے عبد و بیان کیا اور انہیں خدان پر گواہ پھرایا۔ فرمایا: ”کیا میں تمہارا رب نہیں؟“ انہوں نے کہا: ”ضرور ہے۔“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”میں تم پر ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کو گواہ بناتا ہوں اور تم پر تمہارے باپ آدم کو گواہ بناتا ہوں، قیامت کے دن یہ نہ کہنا: ہمیں اس کا علم نہ تھا۔ یاد رکھو میرے سوا کوئی معبود نہیں اور میرے سوا کوئی مالک نہیں، میرے ساتھ شرک نہ کرنا۔ میں تمہارے پاس رسول بھیجوں گا جو تمہیں میرا عبد و بیان یاد دلا کر تمہیں (اس کی خلاف ورزی کی سزا) دے گا۔“ انہوں نے فرمایا: ”ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو ہمارا رب اور ہمارا معبود ہے، تیرے سوا ہمارا کوئی رب یا معبود نہیں۔“ چنانچہ اس دن انہوں نے قیل الاحکام کا قرا کر لیا۔

اللہ نے ان کے باپ آدم علیہ السلام کو بلند کیا، اس نے ان سب کو دیکھا، تو ان میں امیر، غریب، خوبصورت اور بدصورت افراتفرات آئے۔ انہوں نے عرض کی: ”یا رب! کاش! تو ان سب کو برابر کر دیتا۔“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”میں چاہتا ہوں کہ میرا شکر کیا جائے۔“

آدم علیہ السلام کو ان میں پیغمبر بھی نظر آئے جو روشن چہرہ کی طرح منور تھے۔ ان سے رسالت و نبوت کا ایک خاص وعدہ بھی لیا گیا۔ اسی دوسرے حقائق کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاِذْ اٰخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّۦنَ مِيثَاقَهُمْ ۚ وَ مِنْكَ وَ مِنْ نُوحٍ وَّ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَ عِيسٰى ابْنِ مَرْيَمَ ۚ وَ اخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيثَاقًا عَلِيْمًا ۝﴾

”اور جب ہم نے پیغمبروں سے عبد اللہ اور تم سے اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور مریم کے بیٹے عیسیٰ سے اور عبد بھی ان سے پکا لیا۔“ (الاحزاب: 7/33)

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَقَامَ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِیْنًا ۚ فَفَطَرَ الْاِنْسَانَ عَلَیْہِ اَسْمٰی ۚ لَیَخْبُرَ اللّٰهُ ۝﴾

”تو تم ایک طرف کے ہو کر دین (اللہ کے راستے) پر سیدھا منہ کیے چلے جاؤ (اور) اللہ کی فطرت کو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے (اختیار کیے ہو) اللہ کی بنائی ہوئی (فطرت) میں تغیر تبدیل نہیں ہو سکتا۔“

(الروم: 30/30)

اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿هٰذَا نَبِیُّۤکُم مِّنَ النَّبِیِّۤنَ الْأَوَّلِیْنَ ۝﴾

”(یہ) (محمد) بھی اگلے ڈرسانے والوں میں سے ایک ڈرسانے والا ہے۔“ (النجم: 53/56)

اور میری فرمایا:

﴿وَمَا وَجَدْنَا لِاٰلٰہِہُمْ مِنْ عٰہِدٍ ۚ وَاِنْ وَجَدْنَا لَآدْلَہُمْ فَلَیْسَ فِیْہِمْ ۝﴾

دے۔ اس نے انکار دیا تو آدم علیہ السلام نے دونوں کو قربانی کرنے کا حکم دیا۔ بائبل بحیرہ کبریاں پاتا تھا، اس نے ایک مونا تازہ جانور قربان کیا۔ قاتیل نے اپنی ہمتی میں سے مکی فصل کا ایک گٹھا قربانی کے طور پر پیش کیا۔ آسمان سے آگ اُتری، اس نے بائبل کی قربانی کو کھلایا لیکن قاتیل کی قربانی کو پھوڑ دیا۔ اسے غصہ آ گیا۔ اس نے کہا: ”میں ضرور تجھے قتل کر دوں گا تاکہ تو میری بہن سے شادی نہ کر سکے۔ بائبل نے کہا: اللہ تعالیٰ پر ہیزگاروں سے (قربانی) قبول فرماتا ہے۔“^①

ابو جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب وہ دونوں قربانی دے رہے تھے تو آدم علیہ السلام بھی موجود تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ بائبل کی قربانی قبول ہو گئی ہے، قاتیل کی نہیں ہوئی۔ جب قاتیل نے آدم علیہ السلام سے کہا: اس کی قربانی اس لیے قبول ہوئی ہے کہ آپ نے اس کے حق میں دعا کی تھی اور آپ نے میرے حق میں دعائیں کی۔ اس کے بعد اس نے تنہائی میں بائبل کو دھکی دی۔ ایک رات بائبل کو جانور چراتے ہوئے (واپس آنے میں) دیر ہو گئی۔ آدم علیہ السلام نے اس کے بھائی قاتیل کو بھیجا کہ معلوم کرے اُسے کیوں دیر ہوئی ہے۔ وہ گیا تو اسے بائبل مل گیا۔ اس نے کہا: تیری قربانی قبول ہو گئی ہے، میری نہیں ہوئی۔ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ اپنی تقویٰ سے (قربانی) قبول فرماتا ہے۔ اس پر قاتیل کو غصہ آ گیا۔ اس کے پاس لوہے کی کوئی چیز تھی۔ اس نے وہ مار کر بائبل کو قتل کر دیا۔^②

بعض علماء نے فرمایا: ”بائبل سورہا تھا، قاتیل نے ایک بڑا پتھر اس کے سر پر مار کر اس کا سر کچل دیا۔“ بعض علماء فرماتے ہیں: ”بلکہ اس نے زور سے اس کا گلا گھونٹا اور دردوں کی طرح اسے دانتوں سے کاٹا، جس سے وہ فوت ہو گیا۔“ (واللہ اعلم)^③

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب قاتیل نے بائبل کو قتل کی دھمکی دی تو بائبل نے کہا:

﴿لَکِنْ بَسَطْتُ إِلَيْكَ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِسَاطِطٍ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَنَّكَ إِنَّكَ أَتَاكَ مِنَ اللَّهِ خَافٌ إِلَيْنَا أَنَّا نُلْقِيَ الْأَقْطَابَ إِنَّ الْوَلَدَ كَانَ مِنَ الْغُرَابِ فَأَوَارَىٰ سُوءَ ذَاكَ فَأَصْبَحَ مِنَ الْغُلَامِ﴾

”اگر تو قتل کرنے کے لیے مجھ پر ہاتھ چلائے گا تو میں تجھ کو قتل کرنے کے لیے تجھ پر ہاتھ نہیں چلاؤں گا، مجھے تو اللہ رب العالمین سے ڈر لگتا ہے۔“ (المائدہ: 28/5)

اس سے اس کے اچھے اخلاق، خدا خوفی اور خشیت الہی کا اظہار ہوتا ہے۔ اور اس سے اس کا تقویٰ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بھائی نے جو زیادتی کرنے کا ارادہ کیا تھا، اس نے بدلے میں ویسی برائی کرنے سے پرہیز کیا۔

اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب وہ مسلمان تلواریں لے کر (لڑنے کے لیے) ایک دوسرے کے سامنے آتے ہیں (پھر جنگ کرتے ہیں) تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہوتے ہیں۔“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: ”اللہ کے رسول ﷺ، ایہ تو قاتل ہے (اس لیے سزا کا مستحق ہے) مقتول کا کیا معاملہ ہے (کہ اس کو مظلوم کو بھی سزا ملی)؟“ آپ ﷺ نے فرمایا:

① تفسیر ابن کثیر: 44/3/2۔ تفسیر سورة المائدة آیت: 27

② تفسیر ابن کثیر: 44/2۔ تفسیر سورة المائدة آیت: 27

③ تفسیر ابن کثیر: 47/2۔ تفسیر سورة المائدة آیت: 27

تھے۔ (واللہ اعلم)

تاریخ طبری میں ہے کہ ان کے ہاں ہر بار ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوتے تھے اور انہیں یہ حکم تھا کہ ہر لڑکے کی شادی، دوسرے لڑکے کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی سے کریں اور دوسرے کی شادی پہلے کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی سے کریں۔ یعنی اس لڑکی سے شادی کرنا جائز نہ تھا، جو لڑکے کے ساتھ پیدا ہوئی ہو۔

قاتیل اور بائبل کا واقعہ: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

﴿وَأَوَّلَ عَلَيْهِمُ نَبَا ابْنِ آدَمَ بِاتِّخَاذِهِ قُرْبَانًا فَفَتَنَهُ مِنْ أَحْبَبِهِمَا وَكَمْ يَنْتَقِبِلُ مِنَ الْإِخْوَةِ قَالَ لَهُ فَتَنُكَ قَالَ إِنَّمَا يَنْتَقِبِلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ۝ لَکِنْ بَسَطْتُ إِلَيْكَ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِسَاطِطٍ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَنَّكَ إِنَّكَ أَتَاكَ مِنَ اللَّهِ دَبُّ الْعِلْمِ ۝ إِنَّكَ أَرِيدُ أَنْ تُبَوِّعَ لِي أَخِي وَأَبِيكَ فَتَقُولُ مَنْ أَصْحَابُ الْفَارِ ۝ وَذَلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ۝ فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الْغَاسِقِينَ ۝ قَبَعَتِ اللَّهُ عَمَّا يُبَايِعَتْ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَ كَيْفَ يُوَارِثُ سُوءَ ذَاكَ فَأَصْبَحَ مِنَ الْغُلَامِ ۝ قَالَ يُؤْتِنَاكَ اللَّهُ ذُرِّيَّتًا ۝ وَالْغُرَابُ فَأَوَارَىٰ سُوءَ ذَاكَ فَأَصْبَحَ مِنَ الْغُلَامِ ۝﴾

”اور (اے محمد ﷺ!) ان کو آدم کے دو بیٹوں (بائبل اور قاتیل) کے حالات ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سنا دو کہ جب ان دونوں نے (اللہ کی جناب میں) کچھ نیازیں چڑھا دیں تو ایک کی نیاز تو قبول ہو گئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی (جب قاتیل، بائبل سے) کہنے لگا کہ میں تجھے قتل کرنے کا ارادہ کر رہا ہوں تو ایک کی نیاز تو قبول ہو گئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی فرمایا کرتا ہے۔ اور اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے مجھ پر ہاتھ چلائے گا تو میں تجھ کو قتل کرنے کے لیے تجھ پر ہاتھ نہیں چلاؤں گا“ مجھے تو اللہ رب العالمین سے ڈر لگتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تو میرے گناہ میں بھی ماخوذ ہو اور اپنے گناہ میں بھی، پھر (ذُرّۃ) اہل دوزخ میں ہو، اور ظالموں کی بیوی سزا ہے۔ مگر اس کے کس نے اس کو بھائی کی قتل کی کی ترفیہ دی تو اس نے اسے قتل کر دیا اور خسارہ اٹھانے والوں میں ہو گیا۔ اب اللہ نے ایک کو بھیجا جو زمین کو کریدنے لگا تاکہ اسے دکھائے کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا، پھر وہ پشیمان ہوا۔“ (المائدہ: 27-31)

یہاں پر ہم علماء سلف کے ارشادات کا خلاصہ بیان کریں گے:

متحدہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ آدم علیہ السلام ہر لڑکے کی شادی کسی دوسرے لڑکے کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی سے کرتے تھے۔ بائبل نے قاتیل کی بہن سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا۔ اور قاتیل کی بہن زیادہ خوش شکل تھی، چنانچہ قاتیل نے چاہا کہ اس کی شادی بائبل کی بجائے خود اس سے ہو جائے۔ آدم علیہ السلام نے اسے حکم دیا کہ بائبل کو اس سے نکاح کرنے

”آدم کے بیٹے (ہابیل) کی طرح بن جانا۔“^①

یہی حدیث حضرت عذّ بن قیس نے بیان رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مروی ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں: ”آدم علیہ السلام کے بہتر بیٹے کی طرح بن جانا۔“ سنن اربعہ میں یہ حدیث حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت سے موجود ہے۔^②

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو انسان بھی ظلماً قتل ہوتا ہے، اس کے (قتل کے) گناہ کا ایک حصہ آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے کو بھی ملتا ہے کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کا طریقہ شروع کیا۔“^③

قاتل کو سزا: حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”جس دن قاتل نے اپنے بھائی کو قتل کیا، اسی دن اس سے اسرا لگائی، چنانچہ اس کی پنڈلی اس کی ران سے چپک گئی۔ اس کو یہ سزا بھی دی گئی کہ سورج جس طرف ہوتا، قاتل کا چہرہ اسی طرف رہتا۔ اس طرح اسے دوسروں کے لیے عبرت بنا دیا گیا اور اسے جلدی سزا مل گئی کیونکہ اس نے گناہ کا ارتکاب کیا تھا، سرکشی کی تھی اور اپنے سنگے بھائی سے حسد کیا تھا۔“^④

ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ظلم اور قتل جی سے بدھ کر کوئی گناہ اس لائق نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کی سزا دینا میں بھی دے اور آخرت کا عذاب بھی اس کے سر تکب کے لیے محفوظ رکھے۔“^⑤

اہل کتاب کے پاس جو کتاب ہے اور جسے وہ قورات قرار دیتے ہیں اس میں لکھا ہے کہ اللہ عزوجل نے اس کی سزا مؤخر کر کے اسے سہلّت دی اور وہ عدن کے مشرق میں ”نوذ“ کے علاقے میں جایا۔ وہ اسے ”قین“ کہتے ہیں۔ اس کا ایک بیٹا ”خنوخ“ ہوا۔ اور ”خنوخ“ سے ”عندر“ عندرس اور ”حمادیل“ حمادیل سے ”متوشیل“ متوشیل اور متوشیل سے ”لائک“ پیدا ہوا۔ اس نے دو گورتوں سے شادی کی: ایک کا نام ”نعد“ اور دوسری کا نام ”صلا“ تھا۔ عدا کے ہاں ایک بیٹا ”اہل“ پیدا ہوا۔ سب سے پہلے اس نے نیچوں میں رہائش اختیار کی اور مال جمع کیا۔ اس کے ہاں ”نوبل“ بھی پیدا ہوا۔ اس نے سب سے پہلے یمن اور بائری بھائی۔

① صحیح مسلم: الفتن، باب نزول الفتن کما وقع القطر، حدیث: 2886 و سنن أبي داود: الفتن والملاح، باب النهي عن السعي في الفتن، حدیث: 4256/4257 و جامع الترمذي: الفتن، باب ما جاء إنه تكون فتنة..... الخ، حدیث: 2194 و مسند احمد: 185/1

② سنن أبي داود: الفتن والملاح، باب النهي عن السعي في الفتن، حدیث: 4259 و سنن ابن ماجه: الفتن، باب التثبت في الفتن، حدیث: 396/1

③ مسند احمد: 383/1 و صحيح البخاري: احاديث الانبياء، باب خلق آدم و ذرئته، حدیث: 3335 و صحيح مسلم: القسامه والمحاربي، باب بيان اثم في من سن القتل، حدیث: 1677

④ تفسير ابن كثير: 48/2 تفسير سورة المائدة: آیت: 33

⑤ جامع الترمذي: صفة القيامة، باب في عظم الوعيد على البغي وقطيعه الرحم، حدیث: 2511 و سنن ابن ماجه: الزهد، باب البغي، حدیث: 4211

”اس کی بھی شہید خواہش تھی کہ اپنے ساتھی کو قتل کر دے۔“^①
ہابیل نے مزید کہا:

﴿رَأَىٰ آدَمُ أَن مَّيْمَنَهُ بِيَاضٍ وَإِصْبَاحُكَ فَتَكُونُ مِنَ أَصْحَابِ النَّارِ ۖ وَذَٰلِكَ جَزَاؤُ الظَّالِمِينَ ۝﴾

”میں چاہتا ہوں کہ تو میرے گناہ میں بھی شامل ہو اور اپنے گناہ میں بھی۔ پھر (زمرہ) اہل دوزخ میں ہو اور ظالموں کی جہنم سزا ہے۔“

یعنی میں تجھ سے لڑائی نہیں کرنا چاہتا، حالانکہ میں تجھ سے زیادہ قوی اور مضبوط ہوں، باوجودیکہ تو نے ایک غلط کام کا پختہ ارادہ کر لیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تو نے پہلے جو گناہ کیے ہوئے ہیں ان کے ساتھ میرے قتل کا گناہ بھی میرے سر ہو۔ حضرت مجاہد، سدی، ابن جریر اور دیگر علماء رحمۃ اللہ علیہم نے اس کی یہی تفسیر کی ہے۔^②

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: ”قسم ہے اللہ کی! ان دونوں میں سے مقتول زیادہ طاقتور تھا۔ لیکن اس نے دوسرے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا تا گناہ کا مرکب نہ ہو جائے۔“^③

اس کا یہ مطلب نہیں کہ قتل کرنے سے مقتول کے سارے گناہ قاتل کے نامہ اعمال میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ جیسے کہ بعض لوگوں نے غلط فہمی سے یہ سمجھا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس قول یعنی مقتول کے سارے گناہ..... کے غلط ہونے پر اجماع ہے۔^④

لیکن قیامت کے دن بعض افراد کے ساتھ یہ صورت حال پیش آ سکتی ہے کہ قاتل کی ساری نیکیاں دے کر مقتول کا پورا حق ادا نہ ہوا اس لیے مقتول کے اس حق ادا نہ ہونے کی طرف منتقل ہو جائیں، جن سے حساب برابر ہو جائے۔ جیسے کہ دوسرے مظالم کے بارے میں صحیح احادیث میں مذکور ہے۔^⑤ اور قتل بہت بڑے مظالم میں شامل ہے۔ (واللہ اعلم)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی گئی، تو اس فتنہ کے ایام میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ”ایک فتنہ برپا ہوگا۔ اس کے دوران میں بیٹھے والا، کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا، کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔“ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ فرمائیے کہ اگر کوئی مجھے قتل کرنے کے لیے میرے گھر میں گھس گئے تو کیا کروں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

① صحيح البخاري: الفتن، باب إذا التقى المسلمان بسيغيهما، حدیث: 7083 و صحيح مسلم: الفتن، باب إذا تواخا المسلمان بسيغيهما، حدیث: 2888

② تفسير ابن كثير: 46/2 تفسير سورة المائدة: آیت: 27

③ تفسير ابن كثير: 45/44 تفسير سورة المائدة: آیت: 27

④ تفسير ابن كثير: 47/2 تفسير سورة المائدة: آیت: 27

⑤ صحيح البخاري: المظالم، باب من كانت له مظلمة..... الخ، حدیث: 2449

گئے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَكُمْ وَبَيْنَهُم مَوَدَّةٌ

وَبَيْنَهُمْ رَحْمَةٌ كَثِيرَةٌ ۚ إِنَّهَا آيَةٌ لَكُمْ

”لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا (یعنی ازل) اُس سے اُس کا جوڑا بنایا، مچھران دونوں سے کثرت سے مرد و عورت (پیدا کر کے روئے زمین پر) پھیلا دیے۔“ (النساء: 1/4)

مورخین فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام فوت ہوئے تک ان کی اولاد اولاد کی اولاد و غیرہ کی تعداد چار لاکھ افراد تک پہنچ چکی تھی۔ (واللہ اعلم)

صحیحین کی جس حدیث میں سفر معراج کا ذکر ہے، اس میں بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ پہلے آسمان میں آدم علیہ السلام سے ملے۔ تو انہوں نے فرمایا: ”نیک نبی اور نیک بیٹے کو خوش آمدید۔“ آدم علیہ السلام کے دائیں طرف بھی بہت سے افراد تھے اور بائیں طرف بھی بہت سے افراد تھے۔ آپ جب دائیں طرف دیکھتے تو (خوش ہو کر) ہنس پڑتے اور بائیں طرف نظر اٹھاتے تو رو پڑتے۔ (نبی علیہ السلام نے فرمایا:) میں نے کہا: ”جبریل! یہ کیا معاملہ ہے؟“ انہوں نے فرمایا: ”یہ آدم علیہ السلام ہیں اور یہ ان کی اولاد کی رحمتیں ہیں۔ جب وہ دائیں طرف جتنی روحوں کو دیکھتے ہیں تو مسکرا دیتے ہیں اور جب بائیں طرف جتنی روحوں کو دیکھتے ہیں تو رو پڑتے ہیں۔“^①

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں یوسف علیہ السلام کے پاس سے گزرا، تو میں نے دیکھا کہ انہیں آدھا حسن و جمال عطا ہوا ہے۔ اس کی وضاحت بعض علماء نے اس طرح کی ہے کہ انہیں آدم علیہ السلام سے آدھا حسن ملا تھا اور یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے دست مبارک سے تخلیق فرمایا اور ان میں روح ڈالی۔ اللہ تعالیٰ (اس اہتمام کے ساتھ) جسے پیدا کرے، وہ بہترین اور سب سے خوبصورت ہی ہو سکتا ہے۔

الہدایہ و التلہبہ میں امام ابن کثیر ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب جنت پیدا فرمائی تو فرشتوں نے کہا: ہمارے مالک! یہ ہمارے لیے خاص کر دے کیونکہ تو نے نبی آدم کے لیے دنیا پیدا کی ہے۔ وہ اس میں کھاتے پیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”میری عزت و جلال کی قسم! یہ نہیں ہو سکتا کہ جسے میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، اس کی نیک اولاد کو ان (فرشتوں) کے برابر کر دوں، جنہیں میں نے [مکُن] کہا اور وہ جو وہی آ گئے۔“^②

① صحیح البخاری، احادیث الانبیاء، باب ذکر إدريس علیہ السلام، الخ، حدیث: 3342 و صحیح مسلم، الإیمان، باب الإسراء برسول اللہ ﷺ، الخ، حدیث: 163

سوا کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا، اس کا نام ”توہلین“ تھا۔ سب سے پہلے اس نے تانا ہوا لوہے کی چیزیں بنائیں اور اس کے ہاں ایک بیٹی ہوئی جس کا نام ”نغنی“ تھا۔

اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ آدم علیہ السلام اپنی زوجہ حواء سے پاس گئے تو ان کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ حواء علیہا السلام نے اس کا نام ”شیث“ رکھا اور فرمایا: ”اللہ نے مجھے ”ہاتیل“ کا نعم البدل عطا فرمادیا ہے جسے ”ہاتیل“ نے قتل کر دیا تھا۔“ شیث کا ایک بیٹا ”انوش“ تھا۔

اہل کتاب کہتے ہیں: جب ”شیث“ کی ولادت ہوئی تو آدم علیہ السلام کی عمر ایک سو تیس سال تھی۔ آپ اس کے بعد آٹھ سو سال زندہ رہے۔ جب ”شیث“ کے ہاں ”انوش“ کی ولادت ہوئی تو ان کی عمر ایک سو پینسٹھ سال تھی۔ وہ اس کے بعد آٹھ سو سات سال زندہ رہے اور ان کے ہاں ”انوش“ کے علاوہ اور بیٹے اور بیٹیاں بھی ہوئیں۔

”انوش“ کی عمر نوے سال تھی، جب اس کا بیٹا ”قیقان“ پیدا ہوا۔ وہ اس کے بعد آٹھ سو پندرہ سال زندہ رہا اور اس کے ہاں بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ جب ”قیقان“ ستر سال کا تھا تو اس کا بیٹا ”ہیملتا“ پیدا ہوا۔ وہ اس کے بعد آٹھ سو چالیس سال زندہ رہا اور اس کے ہاں بیٹے اور بیٹیاں ہوئیں۔ جب ہمیلتیل کی عمر پینسٹھ سال کی ہوئی تو اس کے ہاں ”یرد“ پیدا ہوا۔ وہ اس کے بعد آٹھ سو سال زندہ رہا اور اس کے بیٹے اور بیٹیاں ہوئیں۔ جب یرد کی عمر ایک سو بائیس سال ہوئی تو ان کا بیٹا ”فوخ“ پیدا ہوا۔ وہ اس کے بعد آٹھ سو سال زندہ رہا اور اس کے بیٹے اور بیٹیاں ہوئیں۔ جب فوخ پینسٹھ سال کا ہوا تو اس کا بیٹا ”متوش“ پیدا ہوا۔ وہ اس کے بعد آٹھ سو سال زندہ رہا اور اس کے بیٹے اور بیٹیاں ہوئیں۔ جب متوش ایک سو ستی سال کا ہوا تو اس کے ہاں ”لاک“ پیدا ہوا۔ وہ اس کے بعد سات سو بیسی سال زندہ رہا اور اس کے بیٹے اور بیٹیاں ہوئیں۔ جب لاک ایک سو بیسی سال کا ہوا تو اس کے ہاں ”نوح علیہ السلام“ کی ولادت ہوئی۔ نوح علیہ السلام کی ولادت کے بعد لاک پانچ سو پچانوے سال مزید زندہ رہا اور اس کے بیٹے اور بیٹیاں ہوئیں۔ جب نوح علیہ السلام کی عمر پانچ سو سال ہوئی تو اُن کے بیٹے حام، سام اور یافث پیدا ہوئے۔ مذکورہ بالا تفصیلات بائبل کے بیانات کا خلاصہ ہے۔

ان معلومات کے بارے میں یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ آسمان سے نازل کر دہ وحی میں سے (بغیر تبدیلی کے) محفوظ ہیں۔ اکثر علمائے کرام نے ان پر تنقید کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب کے بعض علماء نے تفسیر کے طور پر یہ تفصیلات اصل کتاب میں اپنی طرف سے شامل کر دی ہیں۔ ان میں بہت سی غلطیاں بھی ہیں، جیسے کہ ہم آئندہ انہیں ان کے مقام پر ذکر کریں گے۔ (ان شاء اللہ)

امام ابن جریر تفسیر: نے اپنی تاریخ کی کتاب میں کسی کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ آدم علیہ السلام اور حواء علیہما السلام کے ہاں دودھ دو کرے چالیس پچھ پچھ ہوا۔ ایک قول کے مطابق ایک سو بیس جوڑے پیدا ہوئے۔ ہر بار ایک لڑکے اور ایک لڑکی کی ولادت ہوتی تھی۔ اس کے بعد انسانوں کی تعداد میں بہت زیادہ اضافہ ہوتا گیا اور وہ زمین میں بکھر گئے اور دور دور تک آباد ہو

گیا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام نے طوفان کے موقع پر ان کی اور حضرت حوا علیہا السلام کی میتوں کو ایک تابوت میں ڈال کر کشمی میں رکھ لیا تھا۔ پھر (طوفان ختم ہونے کے بعد) انہیں بیت المقدس میں دفن کروایا۔^①

آپ کی عمر کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی روایت سے مرفوع حدیث ہے کہ نوح محفوظ میں ان کی عمر ہزار سال لکھی ہوئی تھی۔^② اس کے مقابلے میں تورات کے اس بیان کو اختیار نہیں کیا جاسکتا کہ وہ نو سو تیس سال زندہ رہے۔ اہل کتاب کا یہ بیان ناقابل قبول ہے کیونکہ یہ اس صحیح بیان کے خلاف ہے جو موصوعہ نبی (علیہ السلام) سے ہم تک قابل اعتماد طریقے سے پہنچا ہے۔

دیئے ان کے قول اور حدیث میں مطابقت بھی پیدا کی جاسکتی ہے۔ تورات کا بیان، اگر غلطی اور تبدیلی سے محفوظ رہ گیا ہو تو اس کا مطلب ہوگا کہ آدم علیہ السلام جنت سے زمین پر آنے کے بعد نو سو تیس سال زندہ رہے۔ قمری حساب سے یہ مدت نو سو ستاون سال بنتی ہے۔ اس میں تینتالیس سال کی وہ مدت شامل کر لی جائے جو انہوں نے زمین پر آنے سے پہلے جنت میں گزار دی تھی تو کل مدت ہزار سال ہو جائے گی۔

حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے بیٹے شیث علیہ السلام نے ان کے کام (رشد و ہدایت اور تبلیغ) کی ذمہ داری اٹھائی۔ جب ان کی وفات کا وقت آیا، تو انہوں نے اپنے بیٹے ”اوش“ کے حق میں وصیت کی۔ چنانچہ انہوں نے یہ ذمہ داری اٹھائی۔ ان کے بعد ان کے بیٹے ”قین“ پھر ان کے بیٹے ”مہلاہیل“ نے یہ منصب سنبھالا۔ ان کے بارے میں اہل فارس کا کہنا ہے کہ وہ ہفت اقلیم کے بادشاہ تھے۔ سب سے پہلے انہوں نے درخت کاٹے، شہر بسائے اور بڑے بڑے قلعے تعمیر کیے۔ وہ کہتے ہیں کہ بابل اور سوس (ایران) کے شہر انہوں نے تعمیر کیے۔ انہوں نے اہلس کے لشکروں کو شکست دے کر زمین کے دور دراز علاقوں اور پہاڑوں کی گھاٹیوں میں منتشر کر دیا۔ انہوں نے بہت سے سرکش جن اور بھوت قتل کیے۔ ان کا ایک بہت بڑا تاج تھا۔ وہ لوگوں سے خطاب فرماتے تھے۔ ان کی حکومت چالیس سال قائم رہی۔

ان کی وفات پر ان کے بیٹے ”یو“ نے ان کا منصب سنبھالا۔ انہوں نے اپنی وفات کے وقت اپنے بیٹے ”فوخ“ کے حق میں وصیت کی۔ مشہور قول کے مطابق انہی کو ”اور لیس علیہ السلام“ کہا جاتا ہے۔



آدم علیہ السلام کی وفات اور بیٹے شیث علیہ السلام کو وصیت

”شیث“ کا مطلب ہے ”اللہ کا دیا ہوا تحفہ“۔ آدم علیہ السلام نے ان کا یہ نام اس لیے رکھا تھا کہ بائبل کے قتل ہو جانے کے بعد اللہ نے انہیں شیث عطا فرمایا۔

محمد بن اسحاق رحمہ اللہ نے فرمایا: جب آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے اپنے بیٹے ”شیث“ کے حق میں وصیت کی۔ انہیں رات اور دن کے اوقات اور ان اوقات میں ادا کی جانے والی عبادت کی تعلیم دی اور انہیں بتایا کہ ایک طوفان آنے والا ہے۔

کہتے ہیں کہ آج کل جتنے انسان موجود ہیں، ان کا نسب شیث علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ آدم علیہ السلام کے دوسرے بیٹوں کی اولاد ختم ہو چکی ہے۔ (واللہ اعلم)

جب آدم علیہ السلام فوت ہوئے اس دن جمعہ تھا۔ فرشتے اللہ کے پاس سے جنت کی خوشبو اور جنت کا کفن لے کر آئے اور ان کے بیٹے اور خلیفہ شیث علیہ السلام سے تعزیت کی۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: جب آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا، انہوں نے اپنے بیٹوں سے فرمایا: ”بیٹو! میرا جنت کے پھل کھانے کو بھیجا جاتا ہے۔“ وہ تلاش کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ انہیں سامنے سے فرشتے آتے ملے، جن کے پاس آدم علیہ السلام کا کفن اور خوشبو تھی اور ان کے پاس کھڑا، کیساں اور نوکریاں بھی تھیں۔ انہوں نے کہا: ”آدم تم کی بیٹی! تمہیں کس چیز کی تلاش ہے؟“ یا کہا: ”تم کیا چاہتے ہو اور کہاں جا رہے ہو؟“ انہوں نے کہا: ”ہمارے والد صاحب بیمار ہیں اور جنت کے میوے کی خواہش رکھتے ہیں۔“ فرشتوں نے کہا: ”واپس چلے جاؤ! تمہارے والد فوت ہوئے والے ہیں۔“ فرشتے جب آدم علیہ السلام کی روح قبض کرنے کے لیے آئے تو حوا علیہا السلام نے انہیں دیکھ کر پچھان لیا۔ وہ آدم علیہ السلام سے چٹ گئیں۔ آدم علیہ السلام نے فرمایا: ”مجھے سے الگ ہو جاؤ، (پہلے بھی) مجھے تمہارے ذریعے سے ہی مصیبت پہنچی تھی۔ مجھے میرے رب کے فرشتوں کے ساتھ رہنے دو۔“ فرشتوں نے ان کی روح قبض کی، غسل دیا، کفن پہنایا، خوشبو لگائی، آپ کی قبر کھودی اور لحد تیار کی۔ پھر انہوں نے آدم علیہ السلام کی نماز جنازہ ادا کی، پھر انہیں قبر میں رکھ کر اوپر سے مٹی ڈال دی۔ پھر انہوں نے کہا: ”آدم تم کی بیٹی! تمہارے لیے یہی طریقہ ہے۔“^①

حضرت آدم علیہ السلام کہاں دفن ہوئے؟ اس میں اختلاف ہے۔ مشہور ہے کہ انہیں ہندوستان (کے پاس سری لنکا) میں اس پہاڑ کے قریب دفن کیا گیا جہاں انہیں جنت سے اتارا گیا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں جبل امسی قبیس پر دفن کیا

نتائج و فوائد عبرت و حکمتیں

✶ انسان کی عزت و تکریم: انسان کو مختلف کیزے کوڑوں یا بندری ارقاقی شکل قرار دینے والے کم عقل مستشرقین، اسلام کے چاندیسے منور چہرے کو دھندلانے کی کوشش کرتے ہوئے کہتے ہیں: ”اسلام نے ابتدائی سے انسانی قدر و منزلت کا اعتراف نہیں کیا جبکہ قرآن انسانی اصل کو حقیر و ذلیل گردانتا ہے۔“

قرآن حکیم میں بیان کیے گئے حضرت آدم علیہ السلام کے قصے سے اس الزام کی زبردست تردید ہوتی ہے کیونکہ اسلام نے بنی آدم کو جو اعلیٰ و ارفع مقام دیا ہے وہ دوسرا کوئی بھی مذہب، دین یا فلسفہ اسے دینے سے قاصر ہے۔ قرآن مجید انسان کو اس کی اصل تخلیق مٹی اور نطفے کی طرف توجہ دلاتا ہے تاکہ وہ اپنی اصل کو یاد رکھے اور اپنی حدود سے تجاوز کر کے اپنے مالک و رازق کا نافرمان اور ناشکر نہ بنے۔ اس کی نعمتوں کا شکر گزار رہے اور غرور و تکبر میں مبتلا ہو کر کفر و سرکشی کا مرتکب نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے پہلے آدم علیہ السلام کو اپنے مبارک ہاتھوں سے تخلیق فرمایا، اپنی روح ان میں پھونکی، پھر انہیں تمام علوم و معارف عطا کر کے فرشتوں پر ان کی برتری کا اظہار فرمایا اور آخر میں فرشتوں سے انہیں سجدہ کروا کے ان کے فضل و شرف پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ قرآن مجید کے مندرجہ ذیل ارشادات پر غور کرنے والے کو انسانی عز و شرف بخوبی معلوم ہو جاتا ہے:

﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا﴾

”اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام نام سکھائے۔“ (البقرة: 31/2)

﴿فَإِذَا سَوَّيْنَاهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ الْسُّجُودَ﴾

”تو جب میں اسے پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے لیے سجدے میں گر پڑنا۔“

(الحجر: 29/15)

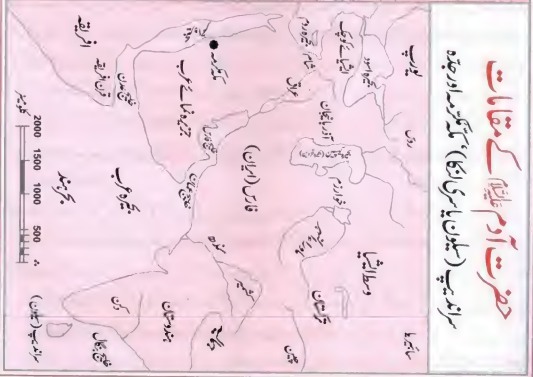
آدم علیہ السلام کی اولاد کی عزت و تکریم کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْوُجُوهِ وَالْحَرِّ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ النَّجْوَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا﴾

”یقیناً ہم نے تمام آدم کو بڑی عزت دی اور انہیں خشکی اور تری کی سواریاں دیں اور انہیں پاکیزہ روزیاں دیں اور

اپنی امت کی مخلوق پر انہیں فضیلت عطا فرمائی۔“ (نبی اسرائیل: 70/17)

اولاد آدم کے اس شرف میں تمام اولاد شامل ہے، جو خود وہ مسلمان ہو یا کافر، امیر ہو یا غریب، بھلی ہو یا گوری، ترقی یافتہ ہو



اللہ تعالیٰ ہم کو اس جرم سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

۲ انسان کی روحانی بلندی: قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِیْہِمْ رَءِیْسًا ۚ قَالُوْۤا سُبْحٰنَہٗ ۚ قَالَا سُبْحٰنَہٗ ۚ وَنَحْنُ فِیْہِمْ رَءِیْسٌ ۚ فَعٰوٰۤا لَہٗ سٰجِدٰتٌ ۙ﴾

”جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں مٹی سے انسان کو پیدا کرنے والا ہوں، سو جب میں اسے ٹھیک ٹھاک کر لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے سامنے سجدہ میں گر پڑنا۔“

(ص: 71/38: 72)

اس آیت کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ انسانی تخلیق دو چیزوں کا مرکب ہے۔ ایک مٹی اور دوسری روح۔ مٹی سے اس کے اعضا، گوشت اور خون کو بنایا گیا۔ دوسرے جہ کے سانس دان یہ کہتے ہیں کہ انسانی جسم انہیں اجزا پر مشتمل ہے جن پر زمین کی مٹی مشتمل ہے۔ اس مادے سے تخلیق کی وجہ سے انسان میں دو قسم کے میلانات پائے جاتے ہیں۔ کھانے، پینے، پسینے، بہتر طرز زندگی، مال و جاہ اور مٹی خواہشات کی تکمیل کا رجحان اور دوسری طرف فخر و غرور، تکبر، انتقام، قتل و ضرب اور ایذا رسانی کے منفی رجحانات بھی پائے جاتے ہیں۔

انسانی جسم میں روح اللہ تعالیٰ کا وہ راز ہے جو اسے اپنے پروردگار پر ایمان لانے، اس کی نعمتوں کا شکر بجالانے اور اس کی طرف رجوع کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور اسے پروردگار کے احکامات کو بجالانے اور اعلیٰ اخلاقیات جیسے عدل و احسان، سچائی، امانتداری، خیر خواہی، سخاوت و محبت و مودت اور اخوت کو اپنانے پر ابھارتا ہے۔ لہذا قرآنی منہج میں انسان مادی اور روحانی مجموعے کا نام ہے جو ایک طرف اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اعلیٰ اخلاقیات کو اپناتا ہے تو دوسری طرف حیوانی خواہشات اور جذبات کی طرف بھی میلان رکھتا ہے۔ قرآن کے اس نظریے سے ان یہودی خیالات و نظریات کی تردید ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ اخلاقی قوانین کا انسانی ذات سے کوئی تعلق نہیں یا کہتے ہیں کہ اخلاقیات کا تعلق انسان کی اقتصادی، اجتماعی اور مادی ترقی سے ہے اور انسانی فطرت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

۳ آدم علیہ السلام سے پہلے زمینی آبادکار: ماہرین ارضیات، کہہ ارض پر ملنے والی ہڈیوں، کھوپڑیوں اور مختلف ڈھانچوں پر تحقیقات کرنے کے بعد یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آدم علیہ السلام سے پہلے بھی زمین پر انسان آباد تھے نیز ان آبادیوں کی تاریخ لاکھوں سال پرانی ہے۔ آئیے اس بارے میں قرآن مجید کی رہنمائی ملاحظہ کرتے ہیں۔ قرآن مجید حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے کے انسان کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خٰلِفًا ۙ﴾

”اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔“ (البقرہ: 30/2)

یا ترقی پذیر، مگر ہو یا مومن۔ دوسرے یہ کہ خلیفہ، سمندروں پر انسانی حکمرانی، ہواؤں پر تسلط، پہاڑوں کے سینے چاک کر کے معدنیات کا حصول، صحرائوں کی سیال دولت پر قبضہ، سمندر کی تہوں میں ضروریات انسانی تک رسائی اور جدید تہذیب و تمدن کے شاہکار مومن نہ صرف عظمت انسانی، اس کی عزت و شرف اور دیگر مخلوقات پر اس کے غلبے اور سطوت کے گواہ ہیں بلکہ مندرجہ بالا فرامین الہی کی سچائی کے منہ بولے ثبوت بھی ہیں۔

۴ تکبر کا انجام: بد آدم علیہ السلام کے اس عبرت انگیز قصے سے حقیقت بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ غرور و تکبر کا سر ہمیشہ نیچا ہوتا ہے۔ اہلین کا ایک مقام تھا مگر جب وہ فرمان ربانی کے سامنے تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے اور تکبر و غرور کی مختلف جیلہ بازی کرتا ہے تو اسے قبیح جرم کی پاداش میں ہمیشہ ہمیش کے لیے لعین و مردود قرار پاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محرومی اور اس کے دائمی عذاب کا حقدار بن جاتا ہے۔ کیونکہ کبر و ہفت سے جو پروردگار عالم کے سوا کسی کو زیان نہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: عزت میرا بندہ ہے اور کبر یا میری چادر ہے۔ جو شخص ان دونوں سے کسی کو کھجھ سے چھینے گا میں اسے عذاب میں مبتلا کر دوں گا۔“ (صحیح مسلم، البر الوصلۃ: حدیث: 2629)

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے شیطان کے فخر و غرور کے اظہار پر اسے لعنتی قرار دیتے ہوئے اپنے مقدس دربار سے نکل جانے کا حکم دیا:

﴿اٰمَّا فَخْطٰجُ مِنْہَا فَاِنَّکَ رَجِیْمٌ ۙ وَاِنَّ عَلَیْکَ الْلَعْنَةَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ۙ﴾

”فرمایا یہاں سے نکل جا تو مردود ہے اور تجھ پر قیامت کے دن تک لعنت (برے گی۔“ (الحجر: 34/15)

تکبر کی حقیقت واضح کرتے ہوئے محسن انسانیت فرماتے ہیں: ”تکبر حق کو بھٹانے اور لوگوں کو حق پر دلیل سمجھنے کا نام ہے۔“

(صحیح مسلم، الایمان: حدیث: 91)

تکبر کا ناپائیدار شمع جرم ہے جس کا انجام جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔ رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں: ”کیا میں تمہیں جہنمیوں کے بارے میں نہ بتاؤں؟ ہر اکھڑ مزاج حرام خورد و نوش، غرور و تکبر کرنے والا جہنمی ہے۔“ (صحیح البخاری،

التفسیر: حدیث: 4918)

جبکہ تکبر کے برعکس مجر و انکسار پانے والا اللہ کے ہاں بلند مرتبہ کا حامل ہے۔

اللہ تعالیٰ تکبر سے بچانے اور تواضع اختیار کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین۔ تکبر کے مظاہر میں سے ایک چادر یا شلوار وغیرہ کو گھٹیت کر چلنا بھی ہے۔ یہ کتنا قبیح جرم ہے، اس کی نوعیت رسول مقبول ﷺ کے اس فرمان سے بآسانی معلوم کی جاسکتی ہے:

”اس اثنا میں کہ ایک شخص اپنا ازار (چادر) گھٹیتا ہو چلا جا رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دبلا دیا، اور وہ

تاقیامت زمین میں دھنستا چلا جائے گا۔“ (صحیح البخاری، اللباس: حدیث: 5790)

پھل کھایا تو جنت بریں کی تمام نعمتیں فوراً چھین لی گئیں۔ مکار دشمن اپنی چال میں کامیاب ہو گیا اور آدم علیہ السلام شرمندہ و نامد ہوئے۔ ان کی توبہ قبول ہوئی تاہم جنت سے نکال کر زمین پر بسا دیے گئے۔

❖ شیطانِ تعلیمات: آدم علیہ السلام کے مبارک قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان انسان کا ازل سے نکلا دشمن ہے جو اب تک رہے گا۔ انسان کو گمراہ کر کے جہنم رسید کر اس کا اولین مقصد ہے۔ آئیے دیکھتے ہیں کہ یہ کن جھگمگندوں اور چالوں سے انسان کو برباد کرتا ہے اور اس کی وہ کوئی مہلک تعلیمات ہیں جو دنیا اور آخرت میں انسان کی رسوائی کا باعث بنتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے شر اور فتنے سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

﴿يٰۤاٰدَمُ لَا يَفْتِنَنَّكَ الشَّيْطٰنُ ۚ كَمَا اَخْرَجَ اَبَوَيْكَ مِنَ الْجَنَّةِ ۚ

”اے اولاد آدم! شیطان تم کو کسی خرابی میں نہ ڈال دے جیسا کہ اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے باہر کر دیا۔“ (الأعراف: 27/7)

شیطان انسان کو ہر برے کام، بے حیائی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اکساتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿اِنَّ سَآۤءَ مَا يَشْعُرُ بِالشَّيْطٰنِ وَالْفِتْنَةِ ۚ وَ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلٰی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۚ

”وہ تمہیں صرف برائی، بے حیائی اور اللہ تعالیٰ پر ان باتوں کے کہنے کا حکم دیتا ہے جن کا تمہیں علم نہیں۔“ (البقرة: 169/2)

قتل و غارت، فسادات، نفرت و عداوت، بغض و حسد کا حکم دینا اور اتفاق و اتحاد کو ختم کر کے انتشار و افتراق پھیلانا شیطان کا محبوب مشغلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اسی خصلت سے خبردار کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَاِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزِعُ بَيْنَهُمْ ۚ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ بِلَاۤءِۤ اِنْسَآنٍ عَدُوًّا مُّخْتَبِئًا ۚ

”بلا شیطان آپس میں فساد ڈالتا ہے، یہ جگہ شیطان انسان کا نکلا دشمن ہے۔“ (بنی اسرائیل: 53/17)

وہ انسان کو صدقہ و خیرات، احسان، بھلائی، نیکی کی راہ میں فریج کرنے سے روکتا ہے کہ اس سے مال کم ہو جائے گا۔ اس طرح انسان کو بخل، ہوس، کجی اور ظلم و ستم کی تعلیم دیتا ہے کہ اس سے مال بڑھتا ہے:

﴿اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَحِبُّكَ الْفَقْرَ ۚ وَ يَآۤمُرُكَ بِالْفَحْشَآءِ ۚ

”شیطان تمہیں فقیری سے دھمکتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔“ (البقرة: 268/2)

وہ شراب، جوئے اور قہر پرستی سے لوگوں کے عقائد کا اعمال میں بگاڑ پیدا کرتا ہے، ان میں باہمی نفرت کو فروغ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت سے روک دیتا ہے:

﴿يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَاٰكُمُ الْغَفُوْرُ وَ اَلْوَصٰۤىٔ وَ اَلْاَزْلَمُ رَجَسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۚ كَاَيُّ حَبِيْثُوْۤهٖ

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۚ اِنَّكَ يٰۤاَيُّهَا الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوَفَّقَ بَيْنَكُمْ اَلْعَآدَاۃَ وَ الْبَغْضَآءَ فِي الْحَمِيْرِ وَ الْمُبِيْرِ وَ يَصْمُكُكُمْ

خلیفۃ اللہ کے بارے میں مفسرین کرام کی دو راہ ہیں۔ ایک رائے کے مطابق آدم علیہ السلام اپنے سے پہلے انسان کا خلیفہ ہیں۔ ان انسانوں نے زمین میں قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا اور فسادات کیے تو یہ لوگ بالآخر مرمت گئے۔ فرشتوں نے خلیفہ سے اسی حقوق کا جائزین سمجھا۔ لہذا انہوں نے یہ اندازہ لگا لیا کہ یہ خلیفہ بھی اپنے پیش رو کی طرح زمین میں قتل و غارت گری اور فساد کرے گا۔ اس لیے انہوں نے عرض کیا:

﴿اَتَجْعَلُ فِیْہَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْہَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ

”کیا میں شخص کو پیدا کرے گا جو زمین میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا۔“ (البقرة: 30/2)

جبکہ دوسری رائے میں انسان اللہ کا خلیفہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے اختیارات کو اس کے احکامات کے مطابق استعمال کرتا ہے تاکہ دنیا میں امن و سکون پیدا ہو۔ مذکورہ دلائل سے یہ واضح ہوا کہ جو بات سامعین ان آج ثابت کر رہے ہیں، قرآن مجید نے سو اچودہ سو سال قبل ہی وہ عقدہ چل کر دیا تھا۔ سبحان اللہ!!

❖ شیطان انسان کا باطنی دشمن: آدم علیہ السلام کے قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان، انسان کا ازل سے نکلا اور باطنی دشمن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عظمت و رفعت عطا فرمائی تو یہ حسد کی آگ میں جل اٹھا۔ پھر جب آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے مردود، لعنتی اور جہنمی قرار پایا تو اس نے تقابلی مہلت طلب کر لی تاکہ آدم علیہ السلام کی اولاد کو گمراہ کر کے جہنم رسید کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اسی دشمنی کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَلَا تَتَّبِعُوْا حُطُوٰی الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّہٗ لَکُمْ عَلَدًا مُّخْتَبِئًا ۚ

”اور شیطان راہ پر نہ چلو، وہ تمہارا نکلا دشمن ہے۔“ (البقرة: 168/2)

انسان اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی روح پھونکی ہے۔ یہ دونوں صفات انسان سے اعلیٰ اخلاق، عیسیٰ: عدل و انصاف، خیر خواہی، بھلائی، سخاوت، دیانت و محبت و ایثار اور نرم روئی کا مطالعہ کرتے ہیں جبکہ انسان کا ازل سے دشمن اسے برائی، بے حیائی، بخل، کجی، غرور، تکبر، جھوٹ، لالچ، ہوس، کینہ اور حسد جیسے برے اخلاق اپنانے کی ترغیب دیتا ہے۔ حق اور باطل، خیر اور شر، نیکی اور بدی کی اسی جنگ میں انسان کی آزمائش، امتلا اور امتحان ہے۔ اگر خیر کو اپناتا ہے تو جنت اس کا مقدر ہے۔ اور اگر شیطان کی مکر فریب کا شکار ہوتا ہے تو اس کا ٹھکانا شیطان کے ساتھ جہنم کی گہرائیاں ہوں گی۔ اعاذنا اللہ منها۔

❖ جنت الفردوس سے دیس نکالا: اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا، اپنی روح ان میں پھونکی، فرشتوں سے سجدہ کروا کے ان کی انضیلت و برتری کا اظہار فرمایا، پھر انہیں رہنے کے لیے جنت الفردوس کا رہائشی بنایا اور ساتھ ہی بطور آزمائش صرف ایک درخت سے منع کر کے ساری جنت کا مالک بنادیا۔ حسد کی آگ میں جلنے ہوئے شیطان کو یہ ساری بخششیں کانٹنے کی طرح چبھ رہی تھیں، لہذا اس نے آدم علیہ السلام کا خیر خواہ بن کر انہیں پرو دگار کے حکم سے گمراہ کر دیا۔ انہوں نے ممنوع

﴿وَاَنْتَا مَعَنَا الصَّٰلِحُونَ وَمِمَّا دُوْنَ ذٰلِكَ لَكَا طَرَاۤءٌ مِّمَّا قَدْ دَاۤءَاۥ﴾

”اور یہ کہ (بے شک) بعض تو ہم میں نیکوکار ہیں اور بعض اس کے برعکس بھی ہیں۔ ہم مختلف طریقوں سے بے ہوش تھے۔“ (الحن: 11/72)

نیز ارشاد فرمایا:

﴿وَاَنْتَا مَعَنَا السَّٰبِقُونَ وَمِمَّا السَّٰبِقُونَ فَهَٰذَا سَلَمٌ لَّكَ تَحْتَ وَرَشْدًا ۝۱۰ اَمَّا الْقَٰیضُونَ فَكَانُوْا

یَحْمِلُوْهُمْ حَمْلًا ۝۱۱﴾

”ہاں ہم بعض تو مسلمان ہیں اور بعض بے انصاف ہیں۔ پس جو فرمان بردار ہو گئے انہوں نے توراہ راست کا قصد کیا، اور جو ظالم ہیں وہ جہنم کا ایجنڈن بن گئے۔“ (الحن: 14/72، 15)

انسانیت کا پہلا قاتل: حدود و قیاس اور شیعہ عقائد ہے جس کے ذریعے سے آسمانوں میں اللہ تعالیٰ کی پہلی نافرمانی کی گئی۔ ابلیس نے حسد کرتے ہوئے آدم علیہ السلام کے مقام عز و شرف کو تسلیم کرنے سے انکار کیا اور حکم الہی کو پس پشت ڈالتے ہوئے آدم علیہ السلام کو جہنم کرنے سے انکار کر دیا جس کی جزا میں وہ اور اس کی پیروی کرنے والے مذہب الہی کے تحقق شہرہ۔ حسد ہی وہ جرم تھا جس کے ذریعے سے زمین میں اللہ تعالیٰ کی پہلی نافرمانی کی گئی یعنی بائبل کا قتل۔

بائبل آدم علیہ السلام کی اولاد میں ایک نیک فطرت، خیر اور بھلائی سے محبت کرنے والا، اللہ تعالیٰ کا مطیع اور اس کے احکامات بجالانے والا اور اس کی راہ میں عمدہ اور طیب مال خرچ کرنے والا فرد تھا۔ جبکہ دوسری طرف قاتیل تھا جو کبھی، بخیل، شیطانی راہ پر چلنے والا اور مال کی محبت میں گرفتار شخص تھا۔ دونوں نے اللہ کی رضا کے لیے قربانی کی۔ بائبل نے عمدہ مال قربان کیا جبکہ قاتیل نے انتہائی گھٹیا مال قربانی پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ پاکیزہ اور عمدہ مال قبول کرتا ہے لہذا بائبل کی قربانی قبول ہو گئی اور قاتیل کی مسترد۔

قاتیل کو بھائی کی یہ قدر و منزلت پسند نہ آئی اور اس نے حسد میں آکر بھائی کو قتل کر دیا۔ اس طرح کہ راض پر پہلا قاتل واقع ہوا جو حسد کا نتیجہ تھا اور قاتیل انسانیت کا پہلا قاتل بنا اور تا قیامت بے گناہ قتل ہونے والوں کے گناہ میں برابر کا شریک ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حسد سے ہمیشہ بچنا چاہیے کیونکہ بے سر ہشہ گناہ ہے۔!!!

توبہ قرب الہی کے حصول کا اہم ذریعہ: جب سے شیطان نے آدم علیہ السلام کی اولاد کے ساتھ جنگ کا اعلان کیا ہے، اس وقت سے نیکی اور ہدی، خیر اور شہر بھلائی اور برائی کے درمیان کشمکش جاری ہے۔ شیطان اپنے لاؤ فکر کے ساتھ رات و دن آدم کو گمراہ کرنے، انہیں اپنے رب کا نافرمان بنانے، برائی میں ملوث کرنے، نیکی سے دور اور ہدی میں مبتلا کرنے کے لیے سرگرم ہے۔ آدم علیہ السلام کے قصے سے بنی آدم کو ان مشکلات کا حل میسر آتا ہے، ان کے جانی دشمن کے کارگردار سے صحت یاب ہونے کا اصول سیکھ انہیں ملتا ہے۔ شیطان کی چند لمبے کی خوشی کے بعد اسے ذلیل و خوار کرنے کا

عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَ عَنِ الصَّلَاةِ ۖ فَهَٰذَا أَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ ۝۱۱﴾

”اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور قمار وغیرہ اور پانے کے تیرے سب گندی باتیں ہیں، شیطانی کام ہیں، ان سے بالکل الگ تھلگ رہو تا کہ تم غلامِ باپ ہو اور شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمہارے درمیان عداوت اور بغض واقع کرادے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے، سو اب بھی باز آ جاؤ۔“ (المائدہ: 91/5)

شیطان انسان کو لباس سے محروم کر کے بے شری اور بے حیائی کو فروغ دیتا ہے۔ آج دنیا میں شہوت پرستی کا جو لباس آیا ہوا ہے اور انسانیت جس شرمندگی سے دوچار ہے وہ شیطانی چال کے انتہائی کامیاب ہونے کا منہ بولنا ثبوت ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿يٰۤاٰدَمُ لَا يَفِيْقِنَكَ اَلْقِيْطُنُ كَمَا اَخْرَجَ اٰبَوٰنَكَ مِنَ الْجَنَّةِ يَتَوَلَّوْا عَنْهَا لِیَاسَآءَ لِبَاسَهُمَا لَیُرَیْہُمَا ۚ سَوَآءٌ لَّہُمَا اَلْبَسَ لَکُمَا هُوَ وَ قَبِلَہُمَا مِنْ حَبْثٍ لَا تَرَوْنٰہُمْ ۝۱۲﴾

”اے اولاد آدم! شیطان تم کو خرابی میں نہ ڈال دے جیسا کہ اس نے تمہارے باپ کو جنت سے باہر کر دیا“ ان کا لباس بھی ارتداد یا تاکہ وہ ان کو ان کی شرم گاہ میں دکھائے اور وہ اور اس کا لشکر تم کو ایسے طور پر دیکھتا ہے کہ تم انہیں نہیں دیکھتے ہو۔“ (الاعراف: 27/7)

ابلیس، ابوالصطنہ: ابلیس تمام شیطانوں کا باپ ہے۔ ابلیس جنوں میں سے تھا، اپنی سرکشی، تکبر اور حسد کی وجہ سے اس کی الگ پہچان بنی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اٰیٰتِیْٓسَ لَکَانَ مِنَ النِّجَنِ فَتَقَسَّ عَنْ اَمْرِ رَبِّہٖ ۝۱۳﴾

”سوائے ابلیس کے، یہ جنوں میں سے تھا اس نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی۔“ (الکہف: 50/18)

جن ذی عقل مخلوق ہیں۔ انسانوں کی طرح جن بھی شریعت کے پابند ہیں۔ چونکہ یہ آگ سے پیدا کیے گئے ہیں اور ان کے دایہ نہیں ہیں اس لیے ہم انہیں دیکھیں سکتے ہیں جبکہ وہ نہیں دیکھتے ہیں۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّہٗ یُرِیْکُمْ هُوَ وَ قَبِلَہُمَا مِنْ حَبْثٍ لَا تَرَوْنٰہُمْ ۝۱۴﴾

”وہ اور اس کا لشکر تم کو ایسے طور پر دیکھتے ہیں کہ تم ان کو نہیں دیکھتے ہو۔“ (الاعراف: 27/7)

جنوں کی تحقیق کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالْجَنَّۃُ حَقَّقْنٰہُ مِنْ قَبْلِہٖ مِنْ نَّوَاۤءِ السُّمُوْمِ ۝۱۵﴾

”اور اس سے پہلے جنت کو ہم نے لودالی آگ سے پیدا کیا۔“ (الحجر: 27/15)

جنوں میں بھی نیک و بد ہیں۔ نیک جن شریعت کے پابند اور نیک کاموں میں سبقت لے جائیں گے خوش کرتے ہیں جبکہ شریر شیطان کے چیلے ہیں اور دوسروں کو گمراہ کرنے میں مشغول رہتے ہیں۔ جیسا کہ جنوں کی زبانی ارشاد فرمائی ہے:

مضبوط ترین تھمیا نصیب ہوتا ہے۔ وہ علاج اور تھمیا رو ہی ہے جو ان کے والد محترم حضرت آدم علیہ السلام نے اختیار کیا تھا اور وہ ہے توبہ و استغفار۔

جس طرح آدم و حواء علیہم السلام شیطانی مکر کا شکار ہوئے، اسی طرح ان کی اولاد بھی شیطان کے فریب میں آ سکتی ہے۔ لہذا انہیں بھی اپنے اس مرض کا علاج اس طرح کرنا چاہیے جس طرح ان کے والدین نے کیا تھا۔ وہ روتے ہوئے اور گڑگڑاتے ہوئے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوئے:

﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝﴾

”اے ہمارے رب! ہم نے اپنا برا نقصان کیا، اور اگر تو ہماری مغفرت نہ کرے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو واقعی ہم

نقصان پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔“ (الأعراف: 23/7)

لہذا اے مسلم! اگر شیطان کا وار تھم پر کامیاب ہو جائے، تو اپنے رب کی نافرمانی کر بیٹھے اور انعام ربانی سے محروم ہو جائے تو تیرے لیے قرب الہی کے حصول، گناہوں کی بخشش، رب کی رضا اور انعامات کے حصول کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ تو اپنی زندگی میں کسی بھی وقت اس دروازے سے داخل ہو کر اپنی سیاہ کاریوں کو نیکیوں میں تبدیل کر سکتا ہے۔



حضرت ادریس علیہ السلام

نام و نسب جائے پیدائش اور قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ

حضرت ادریس علیہ السلام مصر کے شہر ”منفیس“، یعنی ”منف“ میں پیدا ہوئے۔ لوگ انہیں ”ہرمس الہامسہ“ کہتے تھے۔ یہ سریانی زبان کا ایک لفظ ہے۔ ہرمس کا معنی ہے ”تجربہ کار مضبوط رائے والا“۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ آپ باہل شہر میں پیدا ہوئے پھر ہجرت کر کے مصر پہنچے۔

علم انساب کے اکثر علماء کے مطابق حضرت ادریس علیہ السلام نبی ﷺ کے سلسلہ نسب میں شامل ہیں۔ آدم اور شیث علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے انہیں نبوت کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت ادریس علیہ السلام کا نام قرآن مجید میں دو مقام پر آیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِسْمَاعِيلَ وَإِدْرِيسَ وَذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِنَ الصَّابِرِينَ ۝ وَأَدْخَلْنَاهُمْ فِي صَحَابَاتٍ إِنَّهُمْ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝﴾

”اور (اے نبی!) اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل کا ذکر کیجیے۔ یہ سب صابر لوگ تھے۔ ہم نے انہیں اپنی رحمت میں داخل

فرمایا بلاشبہ یہ نیک لوگ تھے۔“ (الانبیاء: 86, 85/21)

دورانِ معراج نبی ﷺ اور ادریس علیہ السلام کی ملاقات

حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ الیاس اور ادریس علیہ السلام ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔^① اس کی تائید میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی معراج کی حدیث پیش کی جاتی ہے جس میں مذکور ہے کہ جب نبی ﷺ ان کے پاس سے گزرے تو انہوں نے آپ ﷺ کا استقبال کرتے ہوئے فرمایا تھا: ”نیک بھائی اور نیک نبی کو خوش آمدید۔“ جبکہ حضرت آدم اور ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا: ”نیک نبی اور نیک بیٹے خوش آمدید۔“^② اگر ادریس علیہ السلام آپ کے اجداد میں سے ہوتے تو وہ ان دونوں کی طرح آپ کو (بیٹا) کہتے۔

لیکن یہ استدلال ایسا نہیں، جس کا جواب نہ دیا جاسکے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ راوی کو الفاظ اچھی طرح یاد نہ رہے ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کس نفی کرتے ہوئے خود کو باپ کی بجائے بھائی کہا ہو۔ آدم علیہ السلام تو تمام انسانوں کے باپ ہیں اس لیے ان کا نبی ﷺ کو بیٹا کہنا ہی مناسب تھا اور ابراہیم علیہ السلام کے خلیل ہیں، جو اول العزم پیغمبروں میں نبی اکرم ﷺ کے بعد سب سے بلند مقام رکھتے ہیں۔ ان سب حضرات پر درود و سلام نازل ہو۔

قلم کے موجد

امام ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام ہی نے سب سے پہلے قلم سے لکھا۔ ان کی پیدائش کے وقت حضرت آدم علیہ السلام زندہ تھے اور آدم علیہ السلام کی وفات کے وقت ان کی عمر تین سو آٹھ سال تھی۔^③

اور دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے ان کی بابت یوں فرمایا:

﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِدْرِيسَ إِذْ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا ۖ وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝﴾

”اس مقدس کتاب (قرآن مجید) میں ادریس کا ذکر کیجیے۔ بلاشبہ وہ بھی نہایت سچے نبی تھے اور ہم نے ان کو اونچی جگہ اٹھالیا تھا۔“ (مریم: 57, 56/19)

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ادریس علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے انہیں نبی اور راست باز قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا﴾ ”اور ہم نے ان کو اونچی جگہ اٹھالیا تھا۔“ کی وضاحت صحیحین میں مذکور معراج کی احادیث سے ہوتی ہے جس میں بیان ہوا ہے کہ چوتھے آسمان پر ان سے رسول اللہ ﷺ کی ملاقات ہوئی تھی۔^④

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ہلال بن یساف سے بیان کیا ہے انہوں نے فرمایا: ”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے میری موجودگی میں کعب احبار سے فرمایا: ادریس علیہ السلام کے بارے میں اللہ کے اس فرمان: ﴿وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا﴾ کا کیا مطلب ہے؟ ”اور ہم نے ان کو اونچی جگہ اٹھالیا تھا۔“

کعب نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے ادریس علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی: ”میں آپ کے اعمال میں روزانہ تمام نبی آدم کے اعمال کے برابر اضافہ کروں گا۔“

اس سے ظاہر اُن کے زمانے کے تمام انسانوں کے اعمال کے برابر ثواب مراد ہے۔ ان کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ ان کی نیکیوں میں بہت اضافہ ہو جائے۔ ان کے پاس ان کا ایک دوست فرشتہ آیا۔ انہوں نے اس سے کہا: ”میرے بارے میں موت کے فرشتے سے بات کیجیے تاکہ مجھے زیادہ مہلت ملے اور“ میں زیادہ نیکیاں کر سکوں۔“ فرشتے نے انہیں اپنے پروں میں چھپایا اور انہیں لے کر آسمان پر چلا گیا۔ چوتھے آسمان پر اس ملک الموت اوپر سے آتے ہوئے ملے۔ اس نے ملک الموت سے اس معاملہ میں بات کی جو ادریس علیہ السلام نے کی تھی۔ ملک الموت نے فرمایا: ”ادریس علیہ السلام ہیں کہاں؟“ اس نے کہا: ”وہ میری پیٹھ پر ہیں۔“ ملک الموت نے کہا: ”تعب ہے! مجھے بھیج دیا گیا تھا اور حکم ہوا تھا: ”ادریس علیہ السلام کی روح چوتھے آسمان پر قبض کرو۔“ میں (دل میں) کہہ رہا تھا: ”وہ تو زمین پر ہیں، میں ان کی روح چوتھے آسمان پر کیسے قبض کروں؟“ چنانچہ انہوں نے وہاں ان کی روح قبض کی۔“ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اسی طرف اشارہ ہے: ﴿وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا﴾ ”ہم نے اسے ایک بلند مقام پر اُٹھایا۔“^⑤

① صحیح البخاری، الصلاة باب کیف فرضت الصلوة فی الإسراء، حدیث: 349 و صحیح مسلم، الإيمان باب الإسراء

② رسول اللہ ﷺ الخ، حدیث: 164

③ تفسیر الطبری: 121/9 تفسیر سورة مریم، آیت: 56

① صحیح البخاری، أحادیث الأنبياء باب ذكر إدریس علیہ السلام الخ، قبل حدیث: 3342

② صحیح البخاری، أحادیث الأنبياء باب ذكر إدریس علیہ السلام الخ، حدیث: 3342

③ البداية والنهاية: 92/1

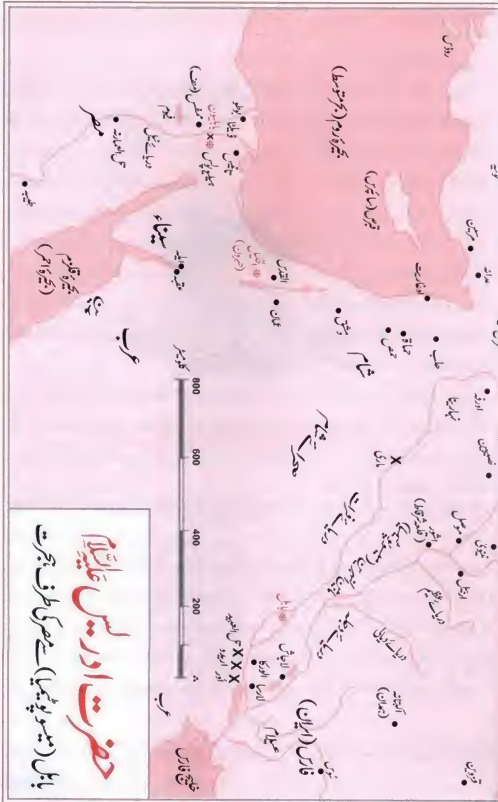


نام و نسب پیدائش اور قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ

آپ کا نسب نامہ اس طرح ہے: [نوح بن لامک بن متوشلح بن خنوخ (ادریس علیہ السلام) بن برد بن مہلایل بن قینن بن انوش بن شیت بن آدم علیہ السلام]

ابن جریر زہبی وغیرہ کے قول کے مطابق آپ کی ولادت حضرت آدم علیہ السلام کی وفات سے ایک سو چھتیس سال بعد ہوئی۔ اہل کتاب کی تاریخ کے مطابق نوح علیہ السلام کی ولادت اور آدم علیہ السلام کی وفات کے درمیان ایک سو چھیالیس سال کا فاصلہ ہے اور صحیح ابن حبان میں ہے کہ ان کے درمیان دس قرن (دس صدیوں یا دس نسلوں) کا فاصلہ ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ! کیا آدم علیہ السلام نبی تھے؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا: ”ہاں! آپ سے کلام کیا گیا۔“ اس نے کہا: آپ کے اور نوح علیہ السلام کے درمیان کتنا فاصلہ تھا؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا: ”دس قرن۔“^①

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: ”آدم اور نوح علیہ السلام کے درمیان دس قرن تھے اور وہ



وَكَاذِي نُوحٍ اِبْنَهُ وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ يُبَيِّنُ اِلَيْكَ مَعَنَا وَلَا تَكُنْ مَعَ الْكَافِرِيْنَ ۝ قَالَ سَاوِيْ اِلَى جَبَلٍ يَعْصِيْنِي مِنَ الْمَاءِ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِذَا مِنْ رَّجَعٍ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ۝ وَفِيْنَا يَارَاضُ اِبْنُكَ مَاءً يَكُ وَنَيْسَاءُ اَقْلَبِيْ وَغِيْضُ الْمَاءِ وَفِيْنَا الْاُخْرُ ۚ وَسَوَّيْتُ عَلَى الْجَوْوِيْ وَفِيْنَا بَعْدُ الْغَوْرُ الظَّالِمِيْنَ ۝ وَكََاذِي نُوحٍ اَلَيْكَ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ اِبْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ ۚ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ ۚ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحَكَمِيْنَ ۝ قَالَ يُنُوْحُ اِنَّكَ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّكَ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۚ وَلَا تَكُنْ مِّنْ مَّا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ اِنِّيْ اَعْطٰكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهِ عِلْمٌ ۚ وَاِذَا تَغَفَّرَ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْ اَكُنْ مِنْ الْخَاشِعِيْنَ ۝ فَبَلَ يَنُوْحُ اَهْلُوْهُ بِسَلَامٍ ۚ وَبَا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْكَ وَعَلَى اَمْرِهِ ۚ وَمَنْ مَّعَكَ ۚ وَامْرُسُوْهُمْ ثُمَّ يَسْأَلُهُمْ وَبَا عَذَابُ الْيَمِّ ۝ يَلِكُ مِنَ الْاَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَا اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتُ لَعَلَّهَا اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ ۚ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۚ قَاصِرَةٌ ۚ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ ﴿

”اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا (تو انہوں نے ان سے کہا) کہ میں تم کو کھول کھول کر ڈرسانے اور پیغام پہنچانے کے لیے آیا ہوں کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، مجھے تمہاری نسبت دردناک عذاب کے دن کا خوف ہے۔ تو ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے کہ ہم تم کو اپنے ہی جیسا ایک آدمی دیکھتے ہیں اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ تمہارے پیر و کار وہی لوگ ہوئے جو ہم میں ادنیٰ درجے کے اور موسیٰ قتل والے ہیں اور ہم تم میں اپنے اور کس طرح کی فضیلت نہیں دیکھتے بلکہ تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اسے قوم! دیکھو تو! اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل (دشمن) رکھتا ہوں اور اس نے مجھے اپنے ہاں سے رحمت بخشی ہو جس کی حقیقت تم سے پوشیدہ و رکھی گئی ہے تو کیا ہم اس کے لیے تمہیں مجبور کر سکتے ہیں اور تم ہو کہ اس سے ناخوش ہو رہے ہو۔ اور اسے قوم! میں اس (نہجیت) کے بدلے تم سے مال و زر کا خواہاں نہیں ہوں، میرا اصل تو اللہ کے ذمے ہے اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کو نکالنے والا بھی نہیں ہوں وہ تو اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نادانی کر رہے ہو۔ اور برادران ملت! اگر میں ان کو نکال دوں تو (عذاب) (الہی) سے (بچانے کے لیے) (کون میری مدد کر سکتا ہے؟ بھلا تم غور کیوں نہیں کرتے؟ اور میں تم سے یہ نہیں کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ ان لوگوں کی نسبت جن کو تم تجارت کی نظر سے دیکھتے ہو، یہ کہتا ہوں کہ اللہ ان کو بھلائی (یعنی اعمال کی جزائے نیک) نہیں دے گا جو ان کے دلوں میں ہے اسے اللہ خوب جانتا ہے اگر میں ایسا کہتا تو بے انصافوں میں ہوں۔ انہوں نے کہا کہ نوح! تم نے ہم سے جھگڑا تو کیا اور جھگڑا بھی بہت کیا، لیکن اگر کچھ ہو تو جس چیز سے نہیں ڈراتے ہو وہ ہم پر نا نازل کرو۔ نوح نے کہا

جانتے ہو کہ میں نے تم سے کچھ معاوضہ نہیں مانگا۔ میرا معاوضہ تو اللہ کے ذمے ہے اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں رہوں۔ لیکن ان لوگوں نے مجھ کی یہ تم سے ہم نے ان کو اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں سوار تھے، سب کو (طوفان سے) بچایا اور انہیں (زمین میں) خلیفہ بنادیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو بھلا دیا ان کو غرق کر دیا سو کچھ لوگ جو لوگ ڈرائے گئے تھے ان کا انجام کیا ہوا؟ (یونس: 73-71-70)

حضرت نوح علیہ السلام کی مدد و دعا کے انکار کرنے کے ساتھ ساتھ گمراہ قوم نے عجیب و غریب دلائل سے غاب آنے کی سعی حاصل کی۔ نوح علیہ السلام نے ان کے ان باطل استدلالات کا نہایت ثباتی جواب دیا۔ جیسا کہ سورہ ہود میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَقَدْ اَسَلْنَا نُوحًا اِلٰى قَوْمِهِ اِنَّ لِيْكُمْ نَذِيْرًا مُّبِيْنًا ۝ اَنْ لَا تَقْعُدُوْا اِلَى اللّٰهِ اِنِّيْ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ۝ فَقَالَ الْمَلٰٓئِكَةُ الَّذِيْنَ لَقَوْهُ مِنْ قَوْمِهِ مَا تَكُوْلُ اِلَّا بَشَرًا مِّمَّا تَكُوْلُ ۚ اَتَحْكُمُ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اٰرِثُوْنَ مَا بَادٰى الرَّاٰى ۚ وَمَا تَكُوْلُ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ ۙ بَلْ نَتَّبِعُ لَكُمُ الْيُسْرٰى ۝ قَالَ يَقُوْمُ اَرَبَيْتُمْ اِنْ كُنْتُمْ لَنْ تَبِيْعُوْهُ ۚ فَمِنْ رَّيْبٍ ۚ وَتَابِعِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِيْ ۚ فَعَبَّيْتُ عَلَيْكُمْ اَنْلُوْا مَكْبُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ۚ وَيَقُوْمُ لَا اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مَا لَكُمْ اِنْ اَجْرِيْ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَا اَنَا بِطَارِدٍ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّهُمْ مُّقْتَدِرُوْهُ ۚ وَلٰكِنِّيْ اَرْسَلْتُكُمْ قَوْمًا يَّبْجَلُوْنَ ۚ وَيَقُوْمُ مِّنْ يَّبْجُرِيْ ۚ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُمْ لَهُمْ ۚ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۚ وَلَا اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآٰئِنَ اللّٰهِ وَلَا اَعْلَمُ الْغَيْبِ وَلَا اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ وَلَا اَقُوْلُ لَكُمُ الَّذِيْنَ تَزَكَّرُوْا اَعُوْذُ بِكُمْ ۚ لَنْ يُؤْيِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ۚ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِىْ اَفْئِيْهِمْ ۚ اِنِّيْ اِذَا لَوِيْنَ الظَّالِمِيْنَ ۚ قَالُوْا يُنُوْحُ قَدْ جَدَلْتَنَا فَاَنْتَ تَدْعٰى اِلَيْنَا قٰئِمًا ۚ بِمَا تَعِدُنَا اِنْ كُنْتُ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۚ قَالَ اِنَّمَا يٰٓاَيُّكُمْ يٰٓو اللّٰهُ اِنْ شَاءَ ۚ وَمَا اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۚ وَلَا يَنْفَعُكُمْ ضُغْيٰى اِنْ اَرَدْتُ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُؤْيِيْ اَنْ يُغْوِيَكُمْ ۚ هُوَ رَكْبُكُمْ ۚ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۚ اَمْ يَقُوْلُوْنَ اَفَرَأٰى ۙ قُلْ اِنْ اَفْتَرَيْتُمْ عَلٰى اِجْرَافٍ اَوَا بِرَبِّىْ ۚ وَمَا اَشْجُرُمُوْنَ ۚ وَاُوْجِدُ اِلٰى نُوحٍ اَنْكَ لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ ۚ اِلَّا مَن قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَتَّبِعِنَّ مِمَّا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۚ وَاَصْنَعُ الْفُلَكَ بِاَعْيُنِنَا ۚ وَوَحْيُنَا ۚ وَلَا تَحَاطَبُنِيْ فِى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۚ وَيَصْنَعُ الْفُلَكَ وَكَلِمًا مَّرْ عَلَيْكَ مَلَا ۙ مِنْ قَوْمِهِ سَجَدُوْا اَمْنًا ۚ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنِّيْ اَفَا تَسْخَرُوْا مِنْكُمْ ۙ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ۚ فَمَنْ تَعْلَمُوْنَ مَن يَّبْيِيْغُ عَذَابَ يُخْرِيْوْهُ ۚ وَحٰثٍ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّبِيْنٌ ۚ سَقٰى ۚ اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا ۚ وَفَاَلْ تَقُوْلُوْا قُلْنَا اَحْمِلْ فِيْهَا مِنْ حَبْلٍ ۚ وَذَوْبِنِ اَتَيْنَ ۚ وَاهْلَكَ اِلَّا مَن سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ ۚ وَمَنْ اٰمَنَ ۚ وَمَا اَمْنٌ مَّعًا ۚ اِلَّا قَلِيْلٌ ۚ وَقَالَ اَرْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرِبَهَا ۚ وَفَرَسَهَا ۚ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۚ وَحٰثٍ تَجَرِيْ بِهِيَ فِى مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۚ

اور مجھ پر رحم نہیں کرے گا تو میں تباہ ہو جاؤں گا۔ حکم ہوا کہ نوح ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ (جو) تم پر اور تمہارے ساتھ کی جاتا ہے) اتنا ہی (نازل کی گئی ہیں) اتر آؤ۔ اور کچھ اور جہانیتیں ہوں گی جن کو ہم (دنیا کے فوائد سے) محظوظ کریں گے پھر اُن کو ہماری طرف سے وردِ ناک عذاب پہنچے گا۔ یہ (حالات) منجملہ غیب کی خبروں کے ہیں جو ہم آپ کی طرف کی کرتے رہتے ہیں اور اس سے پہلے نہ تم ہی ان کو جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم (ای ان سے واقف تھی)۔ موصبر کرو کہ انجام پر بہتر گاموں ہی کا (بھلا) ہے۔“ (ہود: 49-25:11)

اور سورہ انبیاء میں فرمایا:

﴿وَنُوحًا إِذْ دَاوَىٰ مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۚ وَنَصْرَهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ۝۲۱﴾
 ”اور نوح (کا قصہ بھی یاد کرو) جب (اس سے) جیشہ انہوں نے ہم کو پکارا تو ہم نے ان کی دعا قبول فرمائی اور انہیں اور ان کے ساتھیوں کو بڑی گھبراہٹ سے نجات دی اور جو لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے تھے، اُن پر نصرت بخشی۔ وہ بیشک برے لوگ تھے سو ہم نے اُن سب کو فریق کر دیا۔“ (الانبیاء: 77, 76:21)

والا اکل کے میدان میں شکست کھانے کے بعد نافرمان قوم نے آپ کو بھنوں اور پانہ نہ کہہ کر جھٹلایا تو نوح علیہ السلام نے دست و پا مارا کر دے۔ سورہ مومنوں میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يَتَقَوَّمُوا عِبَادَ اللَّهِ مَا لَكُمْ مِنْ آلِهَةٍ إِلَّا قُلُوبُكُمْ أَلَمْ تَتَّقُوا ۚ أَلَمْ تَكُنْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا هَذَا إِلَّا نَجْمٌ يُفْتَنُونَ بِهِ أَنْ يَنفَعَهُمْ عَلَيْهِمْ شَيْءٌ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۚ أَلَمْ تَكُنْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا هَذَا إِلَّا نَجْمٌ يُفْتَنُونَ بِهِ أَنْ يَنفَعَهُمْ عَلَيْهِمْ شَيْءٌ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۚ أَلَمْ تَكُنْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا هَذَا إِلَّا نَجْمٌ يُفْتَنُونَ بِهِ أَنْ يَنفَعَهُمْ عَلَيْهِمْ شَيْءٌ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۚ أَلَمْ تَكُنْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا هَذَا إِلَّا نَجْمٌ يُفْتَنُونَ بِهِ أَنْ يَنفَعَهُمْ عَلَيْهِمْ شَيْءٌ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۚ﴾
 ”اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے کہا کہ اے قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، کیا تم ڈرتے نہیں؟ تو اُن کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے: تو تم ہی جیسا آدمی ہے تم پر بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے اور اگر اللہ جانتا تو فرشتے اتار دیتا۔ ہم نے اپنے اگلے باپ دادا میں تو بات کبھی نہیں سنی تھی۔ اس آدمی کو تو دیوانگی (کا عارضہ) ہے لہذا اس کے بارے میں کچھ مدت انتظار کرو۔ نوح نے کہا:

کہ اس کو تو اللہ ہی چاہے گا تو نازل کرے گا اور تم (اس کو کسی طرح) ہر انہیں کہتے۔ اور اگر میں یہ چاہوں کہ تمہاری خیر خواہی کروں اور اللہ ہی چاہے کہ تمہیں گمراہ کرے تو میری خیر خواہی تم کو کچھ فائدہ نہیں دے سکتی، یہی تمہارا پروردگار ہے اور تمہیں اسی کی طرف لوٹ کر چاہنا ہے۔ کیا یہ کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) نے قرآن اپنے دل سے بنالیا ہے؟ آپ کہیں کہ اگر میں نے اس کو گھڑا ہے تو میرے گناہ کا وبال مجھ پر اور جو گناہ تم کرتے ہو اُس سے میں بری الذمہ ہوں۔ اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ تمہاری قوم میں جو لوگ ایمان لائے (لاچکے) ان کے سوا اور کوئی ایمان نہیں لائے گا تو جو کام یہ کر رہے ہیں ان کی وجہ سے غم نہ کھاؤ اور ایک کشتی ہمارے حکم سے ہمارے زور و بناؤ۔ اور جو لوگ ظالم ہیں اُن کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہنا کیونکہ ضرور غرق کر دیے جائیں گے۔ تو نوح نے کشتی بنائی شروع کر دی۔ اور جب ان کی قوم کے سرداران کے پاس سے گزرتے تو اُن سے تسخر کرتے۔ وہ (نوح) کہتے کہ اگر تم ہم سے تسخر کرتے ہو تو جس طرح تم ہم سے تسخر کرتے ہو اسی طرح (ایک وقت) ہم بھی تم سے تسخر کریں گے۔ سو تم کو جلد معلوم ہو جائے گا کہ کس پر عذاب آتا ہے جو اُسے رسوا کرے گا اور کس پر ہمیشہ کا عذاب نازل ہوتا ہے؟ یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آپ پہنچا اور غور جوش مارنے لگا تو ہم نے (نوح کو) حکم دیا کہ ہر قسم (کے جانداروں) میں سے جوڑا جوڑا (یعنی) دو (نیک اور ایک بادل) لے لو۔ اور جس شخص کی نسبت حکم ہو چکا ہے (کہ ہلاک ہو جائے گا) اُس کو چھوڑ کر اپنے گھر والوں کو اور جو ایمان لایا ہو اُس کو کشتی میں سوار کر لو اور ان کے ساتھ ایمان بہت ہی کم لوگ لائے تھے۔ (نوح نے) کہا کہ اللہ کا نام لے کر (کہ اسی کے ہاتھ میں) اس کا چلنا اور ٹھہرنا (ہے) اس میں سوار ہو جاؤ، بیشک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے۔ اور وہ اُن کو لے کر (طوفان کی) لہروں میں چلنے لگے (ابریں کھینچیں) گویا پھاڑ (تھے) اُس وقت نوح نے اپنے بیٹے کو کشتی سے الگ تھا پکارا کہ بیٹا، ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں میں شامل نہ ہو۔ اس نے کہا کہ عترتِ پیہڑ کی طرف جگہ چکڑوں کا جو کہ مجھے پانی سے پہچالے گا۔ نوح نے کہا کہ آج اللہ کے عذاب سے کوئی بچنا نہ والا نہیں (اور نہ کوئی بچ سکتا ہے) مگر جس پر اللہ رحم کرے۔ اور اسنے میں دونوں کے درمیان لہر آجائے ہوئی سو وہ ڈوب کر رہ گیا۔ اور حکم دیا گیا کہ اسے زمین پر اپنا پانی نکل جا اور اے آسمان تھم جا۔ تو پانی خشک ہو گیا اور کام تمام کر دیا گیا اور کشتی جو دی پر جا بھری اور کبھ دیا گیا کہ بے انصاف لوگوں پر لعنت نازل ہو۔ اور نوح نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہا کہ پروردگار! میرا بیٹا بھی میرے گھر والوں میں سے ہے (تو اُس کو بھی نجات دے) تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بہتر حاکم ہے۔ اللہ نے فرمایا کنوڑ دے تیرے گھر والوں میں سے نہیں ہے وہ تو ناشائستہ افعال (والا) ہے تو جس چیز کی تم حقیقت معلوم نہیں، اس کے بارے میں مجھ سے سوال ہی نہ کرو۔ اور میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ نادان نہ بنو۔ نوح نے کہا: پروردگار! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ ایسی چیز کا تجھ سے سوال کروں جس کی مجھے حقیقت معلوم نہیں اور اگر تو مجھے نہیں بخشنے گا

کر دیا۔ بے شک اس میں نشانی ہے اور ان میں اکثر ایمان لائے والے نہیں تھے اور تمہارا پروردگار تو غالب (اور) مہربان ہے۔“ (الشعراء: 122-125)

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی فریاد قبول کر کے مومنوں کی نجات اور منکروں کی تباہی کا سامان کر دیا۔ سورہ صافات میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ نَادَيْنَا نُوْحًا فَلْيَنْصَحْ الْمُسِيْبِيْنَ ۚ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ ۚ إِنَّكَ كَذَلِكَ تَجْزٰی الْمُحْسِنِيْنَ ۚ اِنَّكَ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ ثُمَّ اَعْرَفْنَا الْاٰخِرِيْنَ ۙ﴾

”اور ہم نوحؑ نے پکارا، سو (دیکھ لو کہ) ہم (دعا کو کیسے) اچھے قول کرنے والے ہیں۔ اور ہم نے اُن کو اور اُن کے گھر والوں کو بڑی مصیبت سے نجات دی اور ان کی اولاد کو ایسا کیا کہ وہی باقی رہ گئی اور پیچھے آنے والوں میں اُن کا ذکر (جلیل باقی) چھوڑ دیا۔ سلام ہے نوحؑ پر تمام دنیا والوں میں کیونکہ وہ لوگ ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے پھر ہم نے دوسروں کو ڈوبو دیا۔“ (الصافات: 82-75)

اور سورہ عنکبوت میں فرمایا:

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوحًا لِّقَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا فَكَانَ هُمْ اِلٰلَافًا وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۚ فَانْجَيْنَاهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَا اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۙ﴾

”اور ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو وہ ان میں پچاس برس کم ہزار برس رہے پھر ان کو طوفان (کے) عذاب نے آ کر پکڑا اور وہ ظالم تھے۔ پھر ہم نے نوحؑ کو اور کشتی والوں کو نجات دی اور کشتی کو اہل عالم کے لیے نشانی بنا دیا۔“ (العنکبوت: 15, 14, 29)

اور سورہ قمر میں فرمایا:

﴿كَذٰبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوْا عِبَادَنَا وَكَانُوْا صٰغُوْنَ ۙ وَادَّجُرُوْا ۚ فَدَعَا رَبُّكَ اٰتٰی مَّغٰوِبٌ ۙ فَانْتَحٰنَ اَبْوَابُ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِيْ ۙ وَفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْثًا فَاتَلَقٰی الْمَآءُ عَلٰی اُمِّهِمْ ۙ فَلَمْ يَكُنْ لَّهٗمْ وَحْلَةٌ عَلٰی ذٰلِكَ اِلَّا وَاْجٌ ۙ وَذٰمِرٌ ۙ تَجَرَّوْا بِأَعْيُنِنَا جَزَآءٌ لِّمَن كَانَ لُغْوٌ ۙ وَلَقَدْ فَعَلْنَا هٰذَا اٰيَةً مِّنْ مُّذٰكِرٍ ۙ كَلَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنَذِرٌ ۙ وَلَقَدْ يَسْرَتْنَا الْقُرْآنَ لِلَّذِيْ هُوَ قَهْلٌ مِّنْ مُّذٰكِرٍ ۙ﴾

”اُن سے پہلے نوحؑ کی قوم نے بھی تکذیب کی تھی تو انہوں نے ہمارے بندے کو جھٹلایا اور کہا کہ دیوانہ ہے اور انہیں ادا کیا جیسا تو انہوں نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ (باری تعالیٰ) میں (ان کے مقابلے میں) کمزور ہوں تو

پروردگار انہوں نے مجھے جھٹلایا ہے تو میری مدد کر۔ پھر ہم نے اُن کی طرف وحی بھیجی کہ ہمارے سامنے اور ہمارے حکم سے کشتی بناؤ پھر جب ہمارا حکم آ پینے اور تنہو (پانی سے بھر کر) جوش مارنے لگے تو سب (قسم کے حیوانات) میں سے جوڑا جوڑا (یعنی نر اور مادہ) دودھ شیشی میں بٹھا دو اور اپنے گھر والوں کو بھی سوائے اُن کے جن کی نسبت اُن میں سے (ہلک ہونے کا) حکم پہلے صادر ہو چکا ہے۔ اور ظالموں کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہنا وہ ضرور ڈوب دیے جائیں گے۔ اور جب تم اور تمہارے ساتھی شیشی میں بیٹھ جاؤ تو (اللہ کا شکر ادا کرنا اور) کہنا کہ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، جس نے ہم کو ظالم لوگوں سے نجات بخشی اور (یعنی) دعا کرنا کہ اسے پروردگار! ہم کو مبارک جگہ اتارنا اور تو سب سے بھرتا رہنے والا ہے۔ بے شک اس (قسم) میں نشانیاں ہیں اور میں تو آواز ہائش کرتی تھی۔“

(المؤمنون: 23-30)

جابلہ اور قدر ناشائستہ قوم نے مشتاقانہ نصیحت کے مقابلے میں سنگین جھمکیاں دیں تو نبی مکرم نے اپنے رب سے فریاد کر دی۔ سورہ شعراء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كَذٰبَتْ قَوْمُ نُوْحٍ الْمُرْسَلِيْنَ ۚ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۙ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوْا ۚ وَمَا اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۙ اِنَّ اَجْرِيْ رِیْ ۙ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوْا ۚ قَالُوْا اَنْتَ اَنْتَ لَكَ وَاَسْبَغَ الْاَزْوَاجُ ۙ قَالَ وَمَا عَلٰی بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۙ اِنَّ جَسَدَهُمْ رِیْ ۙ عَلٰی رِیْ ۙ كَوْشَعْرُوْنَ ۚ وَمَا اَنَا بِطَارِدٍ الْمُؤْمِنِيْنَ ۙ اِنَّا اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّهِیْنٌ ۚ قَالُوْا لَیْنُ لَّوْ تَشْتَوِیْ نَبُوْحٌ لِّتَلُوْنَ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ۚ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَوْنٌ لِّذٰلِکَ ۙ فَافْتَحْ بَیْنَیْ وَبَیْنَهُمْ فِتْنًا وَنَجِّنِیْ وَمَنْ فَعِلَی مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ فَانْجَيْنَاهُ وَمَنْ فَعَلَ فِی الْفُلِ الْبَشْعُوْنَ ۚ ثُمَّ اَعْرَفْنَا بِعَدُوِّ الْبٰقِيْنَ ۚ اِنِّیْ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً وَمَا كَانَ اَلْکُفْرُ مُؤْمِنِيْنَ ۚ وَاِنَّ رَبَّکَ لَھُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۙ﴾

”قوم نوحؑ نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جب اُن سے اُن کے بھائی نوحؑ نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں؟ میں تو تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔ سو اللہ سے ڈرو اور میرے کہنے پر چلو۔ وہ بولے کہ کیا تم کو مان لیں اور تمہارے تابعدار تو ربیل لوگ ہیں۔ نوحؑ نے کہا: مجھے کیا معلوم کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ اُن کا حساب (اعمال) میرے پروردگار کے ذمے ہے کاش! تم سمجھو اور میں مومنوں کو نکال دینے والا نہیں ہوں! میں تو صرف کھول کھول کر نصیحت کرنے والا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ نوحؑ! اگر تم باز نہ آؤ گے تو سنگسار کر دے جاؤ گے۔ نوحؑ نے کہا کہ پروردگار! میری قوم نے تو مجھے جھٹلایا! سو تو میرے اور ان کے درمیان ایک کھلا فیصلہ کر دے اور مجھے اور جو میرے ساتھ ہیں اُن کو بچالے۔ پس ہم نے اُن کو اور جو اُن کے ساتھ کشتی میں سوار تھے اُن کو بچالیا۔ پھر اُس کے بعد باقی لوگوں کو غرق

پوچھا ہوا تھی۔ انہوں نے وڈ کے بارے میں فرمایا: ”وہ ایک نیک آدمی تھا، جو قوم میں ہر دل عزیز تھا، جب وہ فوت ہو گیا تو لوگ بابل میں اس کی قبر پر بیٹھ گئے اور بہت زیادہ غمگین ہوئے۔ جب ابلیس نے ان کا غم دیکھا تو انسانی صورت میں ان کے پاس آکر کہنے لگا: ”میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ان صاحب کی وفات پر بہت دل گرفتہ ہو۔ تو کیا میں تمہیں اُس جیسی ایک صورت نہ بنا دوں، جو اس کی جگہ رکھی جائے اور وہ اس کی یادگار بن جائے؟“ انہوں نے کہا: ”ہاں! بنا دو۔“ اس نے وڈ کا ایک بُت بنادیا۔ انہوں نے اسے چوپال میں رکھ لیا اور اسے یاد کرنے اور اس کی باتیں کرنے لگے۔ جب ابلیس نے دیکھا کہ لوگ وڈ کو بہت یاد کرتے ہیں تو کہا: ”کیا میں تم میں سے ہر شخص کے گھر میں اس طرح کا ایک مجسمہ نہ بنا دوں، جس کو دیکھ کر وہ اسے یاد کرے؟“ انہوں نے کہا: ”ہاں! بنا دو۔“ اس نے ہر شخص کے گھر میں ایک بُت بنادیا۔ وہ اس کو دیکھ کر اس (اللہ کے ولی وڈ) کو یاد کرتے تھے۔ جب ان کے بیٹے بڑے ہوئے تو انہوں نے اپنے بزرگوں کو ان (بُتوں) کو اہمیت دیتے دیکھا (تو وہ بھی اسی طرح اہمیت دیتے رہے) حتیٰ کہ اگلی نسلوں کے لوگ اس بات سے بے خبر ہو گئے کہ ان کے بزرگ انہیں کیوں یاد کرتے تھے۔ البتہ انہوں نے آہستہ آہستہ ان کی عبادت شروع کر دی۔ چنانچہ سب سے پہلے جس مخلوق کی عبادت کی گئی، وہ وڈ بزرگ کا بُت تھا۔“^①

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر بُت کو پوجنے والی ایک الگ جماعت تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب طویل زمانہ گزر گیا تو انہوں نے تصویروں کی جگہ مجسم بُت بنالے تاکہ زیادہ دیر تک قائم رہ سکیں۔ (یعنی پہلے تصویریں بنائی گئی تھیں، بعد میں تصویروں کے مٹ جانے کے خوف سے مجسمے بنائے گئے۔) بعد میں ان کی عبادت ہونے لگی۔ ان کے ہاں ان کی عبادت کے بہت سے طریقے تھے جن کا ذکر ہم نے تفسیر میں متعلقہ مقامات پر کیا ہے۔

حضرت ام سلمہ اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہما نے جبرائیل علیہ السلام کو یاد کیا تھا، اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ نے کیا۔ اس کا نام ”ماریہ“ تھا۔ انہوں نے اس کی خوبصورتی کا ذکر کیا اور اس میں جو تصویریں تھیں ان کا ذکر کیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی فوت ہو جاتا تھا تو اس کی قبر پر مسجد (عبادت گاہ) تعمیر کرتے تھے اور اس میں یہ تصویریں بناتے تھے۔ اللہ کے ہاں یہ لوگ مخلوقات میں بدترین ہیں۔“^②

① تفسیر ابن ابی حاتم: 3376:10

② صحیح البخاری ’الصلاة‘ باب هل تبش قبر مشركي الحاحلية.....: حدیث: 427 ’صحیح مسلم‘: المساجد‘ باب النہی عن بناء المساجد علی القبور.....: حدیث: 528

دنیائیں بت پرستی کا آئنا

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان کس قرن تھے، جو سب اسلام پر قائم تھے۔ اور یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ قرن سے مراد فیصل یا صدی ہے۔

ان نیک لوگوں کے بعد ایسے واقعات پیش آئے جن کے نتیجے میں لوگ بت پرستی میں مبتلا ہو گئے۔ اس تبدیلی کا سبب اس روایت سے واضح ہوتا ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے آیت مبارکہ کی تفسیر میں ذکر فرمائی ہے:

﴿وَقَالُوا لَا تَنْدَرُ الْهَيْكَلَكُمْ وَلَا تَنْدَرُ وَدًّا وَلَا سِوَاةَ وَلَا يَفُوتُ وَيَعْبُودُونَ سِوَا﴾

”اور کہنے لگے کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور وڈ اور سواع اور یعقوب اور نسر کو بھی کبھی ترک نہ کرنا۔“

(نوح: 23/71)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”یہ نوح علیہ السلام کی قوم کے بعض نیک آدمیوں کے نام ہیں۔ جب وہ فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کی قوم کے دل میں یہ بات ڈالی کہ جہاں وہ حضرات بیٹھا کرتے تھے، وہاں بت بنا کر رکھ دو، اور ان کے وہی نام رکھ دو جو ان بزرگوں کے تھے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس وقت بتوں کی پوجا نہیں ہوئی۔ جب وہ لوگ فوت ہو گئے اور علمت گیا بت ان کی پوجا ہونے لگی۔“ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”نوح علیہ السلام کی قوم کے یہی بت بعد میں عرب میں پوجے گئے۔“^①

امام ابن جریر رحمہ اللہ نے ان تفسیر میں محمد بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا: ”یہ حضرات آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان کے زمانہ کے اولیائے کرام تھے۔ ان کے کچھ پیروکار بھی تھے جو ان کے طریقے پر چلتے تھے۔ جب وہ فوت ہو گئے تو ان کے (عقیدت مند) پیروکاروں نے کہا: اگر ہم ان کی تصویریں بنالیں، تو ان کی یاد کی وجہ سے ہمیں عبادت کا شوق زیادہ ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے ان کی تصویریں بنائیں۔ جب یہ (تصویریں بنانے والے افراد) فوت ہو گئے اور ان کی جگہ دوسرے لوگ آ گئے تو ابلیس نے ان کے دلوں میں دوسرے ڈالا کہ تمہارے باپ دادا ان اولیائے کرام کی عبادت کیا کرتے تھے اور انہی کی وجہ سے انہیں بارش ملتی تھی۔ چنانچہ ان لوگوں نے ان کی عبادت شروع کر دی۔“^②

ابو الطھر سے روایت ہے کہ ابو جعفر محمد باقر نماز پڑھ رہے تھے کہ حاضرین نے یزید بن مہلب کا ذکر کیا۔ نماز سے فارغ ہو کر انہوں نے فرمایا: تم نے یزید بن مہلب کا ذکر کیا ہے، وہ اس علاقے میں قتل ہوئے ہیں جہاں سب سے پہلے غیر اللہ کی

① صحیح البخاری ’التفسیر‘ باب ﴿وَدًّا وَلَا سِوَاةَ وَلَا يَفُوتُ وَيَعْبُودُونَ سِوَا﴾: حدیث: 4920

② تفسیر الطبری: 122:14 ’تفسیر سورة نوح‘: آیت: 24/23

”ہم نے ان دونوں کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھ دی۔“ (الحمدیہ: 26/57) یعنی نوح علیہ السلام کے بعد آنے والا ہر نبی ان کی اولاد سے تھا اور یہی شان ابراہیم علیہ السلام کی ہے۔

اور ارشاد باری ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الصَّلَاطَ﴾

”اور ہم نے ہر امت میں پیغمبر بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور بتوں (کی پرستش) سے اجتناب کرو۔“

(النحل: 36/16)

اور مزید ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ آلِهَةً يُعْبَدُونَ﴾

”اور اے محمد! جو پیغمبر ہم نے تجھ سے پہلے بھیجے ہیں اُن سے دریافت کر لو کہ کیا ہم نے اللہ کے سوا اور معبود بنائے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے۔“ (الزخرف: 45/43)

اور مزید فرمایا:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلٍ إِلَّا تَوْحِيْدًا إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ﴾

”اور جو پیغمبر ہم نے تجھ سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی بھیجی ہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، سو میری ہی عبادت کرو۔“ (الانبیاء: 25/20)

اسی لیے نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا:

﴿اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ﴾

”اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ مجھے تمہارے بارے میں بڑے دن کے عذاب کا (بہت ہی) ڈر ہے۔“ (الأعراف: 59/7)

مزید فرمایا:

﴿إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ آلَ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَىٰ أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ﴾

”کہ تم صرف اللہ ہی کی عبادت کر ڈھنڈھے تو تم پر دردناک دن کے عذاب کا خوف ہے۔“ (ہود: 26/11)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ نوح علیہ السلام نے لوگوں کو ہر طرح تبلیغ کی۔ رات کو بھی اور دن کو بھی تنہائی میں بھی اور علانیہ بھی، ترغیب کے ذریعے سے بھی اور تہذیب کے ذریعے سے بھی، لیکن کوئی طریقہ کار گنہگار نہ ہوا بلکہ اکثر لوگ گمراہی، سرکشی اور بت پرستی پر اڑے رہے۔ ہر وقت آپ سے دشمنی کرتے رہے، آپ کو اور آپ پر ایمان لانے والوں کو برا بھلا کہتے رہے، انہیں شہید کر دینے اور جلا وطن کر دینے کی دھمکیاں دیتے رہے، ان کی بے عزتی کرتے اور زیادہ سے

نوح علیہ السلام کی قوم کو دعوت توحید

جب زمین میں خرابی پھیل گئی اور بت پرستی کی وبا عام ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور اپنے رسول حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا، جو ایک اللہ کی عبادت کی طرف بلانے لگے، جس کا کوئی شریک نہیں اور اس کے سوا ہر چیز کی عبادت سے منع کرنے لگے۔

چنانچہ آپ پہلے رسول ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف بھیجا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب لوگ آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے: اے آدم! آپ تمام انسانوں کے والد ہیں، آپ کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا، آپ کے اندر اپنی (پیدا کی ہوئی خاص) روح ڈالی اور فرشتوں سے آپ کو بندہ کر دیا اور آپ کو جنت میں ٹھہرایا۔ کیا آپ اللہ کے حضور ہماری شفاعت نہیں کریں گے؟ کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کس مصیبت میں گرفتار ہیں اور وہ مصیبت کس حد تک پہنچ چکی ہے؟ آدم علیہ السلام فرمائیں گے: ”میرا رب آج سخت غصے میں ہے۔ اس سے پہلے کبھی اس قدر جلال میں نہیں آیا، نہ آئندہ کبھی آئے گا، اس نے مجھے ایک درخت سے منع کیا تھا، لیکن میں نے عدم عمل کی۔ بائے میری جان! میری جان! کسی اور کے پاس جاؤ، نوح علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ!“ لوگ نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے: ”اے نوح! آپ زمین والوں کی طرف مبعوث ہوئے والے پہلے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام ”شکر گزار بندہ“ رکھا ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کس مصیبت میں گرفتار ہیں اور وہ کس حد کو پہنچ چکی ہے؟ کیا آپ اللہ کے دربار میں ہماری شفاعت نہیں کریں گے؟“ نوح علیہ السلام فرمائیں گے: ”میرا رب آج سخت غصے میں ہے۔ اس سے پہلے کبھی اس قدر جلال میں نہیں آیا، نہ آئندہ آئے گا۔ بائے میری جان! میری جان!.....“ آخر تک پوری حدیث بیان فرمائی۔^①

جب اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تو انہوں نے لوگوں کو اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کرنے کو کہا اور یہ فرمایا کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی بت، مجسمے یا طاغوت کی پوجا نہ کریں۔ اس کی وحدانیت کا اقرار کریں اور یہ تسلیم کریں کہ اس کے سوانہ کوئی عبادت کے لائق ہے نہ کوئی رب ہے۔

ان کی اولاد میں مبعوث ہونے والے دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی اللہ نے یہی حکم دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے نوح اور ابراہیم علیہم السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ﴾

① صحیح البخاری: التفسیر باب ﴿ذُرِّيَّةٌ مِنْ حَسَلٍ مَعَ نُوْحٍ الْح﴾ حدیث: 4712

رسول اللہ ﷺ نے اسی وجہ سے صدیقِ عظیم کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا تھا: ”میں نے جسے بھی اسلام کی دعوت دی، وہ (اس کی طرف آتے ہوئے) بھیجا مگر ابو بکر رضی اللہ عنہ کی زبان ذرا نہیں رکی (فوراً قبول کر لیا۔)“ ﴿۱﴾

یہی وجہ ہے کہ حقیقہ بنو ساعدہ میں اجتماع کے موقع پر آپ ﷺ کی بیعت بھی فوراً ہو گئی۔ حاضرین کو سوچنے سمجھنے اور غور و فکر کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں آپ ﷺ کی افضلیت بالکل ظاہر اور واضح تھی۔ اور خود رسول اللہ ﷺ نے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں تحریر رکھوانے کا ارادہ فرمایا۔ پھر یہ فرماتے ہوئے ارادہ ترک فرما دیا کہ ”اللہ اور مومن ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی پر راضی نہیں ہوں گے۔“ ﴿۲﴾

نوح علیہ السلام کے کافروں نے اپنے نبی اور مومنوں کے بارے میں کہا: ﴿وَمَا كُنَّا لَكُمْ عَلَيْكُمْ مِنْ فَضْلٍ﴾ ”اور ہم پر تمہاری کوئی فضیلت نہیں آئی۔“ (ہود: 27/11) اس کا مطلب یہ تھا کہ ایمان لانے کے بعد تمہیں ہم پر کوئی برتری حاصل نہیں ہوئی ﴿بَلْ تَفْلَحُ لَكَ يَتِيمٌ﴾ ”بلکہ ہم تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔“

﴿۳﴾ نوح علیہ السلام کا مشتقانہ خطاب: آپ نے قوم کی طرف سے انتہائی سخت اور ناقابلِ برداشت رویے کے باوجود بڑے حوصلے اور صبر کے ساتھ انہیں سمجھانے اور غور و فکر کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا:

﴿يَقُومُوا آدَمُ بَنُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَاصْبِرُوا هَٰذَا عَذَابٌ قَدِيمٌ فَلَقِيْتُمْ عَلَيْهِ كَلِمَةً اَتَاٰكُمْ مَكِّيْهُوْا وَاَنْتُمْ لَهَا كِرْهُوْنَ﴾

”اے میری قوم! اٹھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل (روشن) رکھتا ہوں اور اس نے مجھے اپنے ہاں سے رحمت بخشی ہو جس کی حقیقت تم سے پوشیدہ رکھی گئی ہے تو کیا ہم اس (کو سامنے) کے لیے تمہیں مجبور کر سکتے ہیں جبکہ تم اس سے ناخوش ہو رہے ہو۔“ (ہود: 28/11)

یہ ان سے خطاب کرنے میں نرم اسلوب کا انداز ہے اور انہیں حق کی طرف بلانے میں نرم رویے کا اظہار ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہ السلام سے فرعون کی بابت فرمایا تھا:

﴿فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لِّیْنًا لَّعَلَّہٗ یَتَذَكَّرُ اَوْ یَخْشٰی﴾

”اس سے نرمی سے بات کرنا شاید وہ غور کرے یا ڈر جائے۔“ (طہ: 44/20)

اللہ تعالیٰ نے آخر الزماں پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو بھی نرم اسلوب اور نرم رویہ اپنانے کی ہدایت فرمائی تھیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

① البیادۃ والنہایہ: 101/1

② صحیح مسلم فضائل الصحابہ باب من فضائل ابی بکر الصديق رضی اللہ عنہ: حدیث: 2383 و سنن ابی داود السنۃ باب فی

استخلاف ابی بکر حدیث: 4660

زیادہ نگہ نہیں دیتے رہے۔

﴿۴﴾ نبی کی خیر خواہی اور قوم کا عناد: نبی کی خیر خواہی اور نرمی و پیار کے باوجود آپ کی قوم کے جو بڑے سردار تھے، انہوں نے کہا: ﴿اِنَّ لِّكَ لَبَرَكًا فِیْ صَلَٰتِ عَمِیْنٍ﴾ ”ہم آپ کو واضح گمراہی میں دیکھتے ہیں۔“ (الأعراف: 60/7) نوح علیہ السلام نے جواب دیا:

﴿يَقُومُوا لَيْسَ فِیْ صَلَٰتِیْ وَلَا فِیْ رَسُوْلِیْ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ﴾

”اے قوم! مجھ میں کسی طرح کی گمراہی نہیں بلکہ میں پروردگار عالم کا پیغمبر ہوں۔“ (الأعراف: 61/7) یعنی تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ میں گمراہ ہوں بلکہ میں رب العالمین کی طرف سے صحیح ہدایت پر قائم ہوں جو ہر چیز کو [خُن] کہہ کر پیدا کر لیتا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے مزید فرمایا: ﴿اَبْقِیْكُمْ وَاسْلَٰتِ رَبِّیْ وَارْتَضِیْكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ ”میں تمہیں اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور مجھ کو اللہ کی طرف سے ایسی باتیں معلوم ہیں جن سے تم خبر نہ ہو۔“ (الأعراف: 62/7)

رسول کی یہی شان ہوتی ہے کہ نصیح و تبلیغ بھی ہو اور نصیحت کرنے والا خیر خواہ بھی ہو اور اسے اللہ کی عظمت و شان اور صفات (کا علم بھی سب سے زیادہ ہوتا ہے۔ قوم کے سرداروں نے اعتراض کرتے ہوئے کہا:

﴿وَمَا كُنَّا لَكَ اِلَّا اِلٰہِیْنَ هُمْ اَرَادُوْا لَنَا بِاَدٰی الْاَزٰی وَمَا كُنَّا لَكُمْ عَلٰیئًا مِنْ فَضْلٍ بَلْ تَفْلَحُ لَكَ یَتِیْمٌ﴾

”اور ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ تمہارے پیروکار وہی لوگ ہوئے ہیں جو ہمیں ادنیٰ درجے کے ہیں اور وہ بھی رانے

ظاہر سے (غور و فکر سے) اور ہم تم میں اپنے ادھر کسی طرح کی افضلیت نہیں دیکھتے بلکہ تمہیں جھوٹا خیال کرتے

ہیں۔“ (ہود: 27/11)

انہیں اس بات پر حیرت تھی کہ ایک انسان اللہ کا رسول ہے۔ وہ نوح علیہ السلام کے قہقہوں کی توہین کرتے تھے اور انہیں کتے سمجھتے تھے۔ ایک قول کے مطابق یہ افرا و کزور لوگ تھے، جیسے کہ برقل نے کہا تھا: ”کمزور ہی رسولوں کی پیروی کرنے والے ہوتے

ہیں۔“ ﴿۵﴾ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے لیے حق کی قبولیت کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔

﴿۶﴾ بادِی الزّٰی کا مطلب یہ ہے کہ (اے نوح) ان لوگوں نے آپ کے دعوے کو سوچے سمجھے بغیر قبول کر لیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کو انہوں نے غیب قرار دیا ہے، وہی ان حضرات کا قابلِ تعریف وصف ہے۔ اللہ ان سے راضی ہوا۔ کیونکہ حق اتنا واضح ہوتا ہے کہ اسے سمجھنے کے لیے کسی غور و فکر اور تاہل و تاخیر کی ضرورت ہی نہیں ہوتی، بلکہ جب وہ

سامنے آ جائے اسے اپنا لینا اور اس کی پیروی کرنا ضروری ہوتا ہے۔

① صحیح البخاری بدء الوحی باب کیف کذب بدء الوحی..... حدیث: 7

میرے پیروکاروں کے لیے قیامت کو اللہ کے پاس کوئی نعت نہیں ہوگی، ان کے بارے میں اللہ زیادہ جانتا ہے کہ ان کے دلوں میں کیا ہے؟ وہ سبکی کا اچھا بدلہ دے گا اور گناہ کا برا بدلہ دے گا۔ دوسرے مقامات پر مذکور ہے کہ ان لوگوں نے کہا: ﴿اَنْتُمْ مِنْ لَدُنْكَ وَاتَّخَذْتُمْ اِلٰهًا دُوْنَكُمْ ۚ قَالَ وَمَا عَلَيُّكُمْ بِمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ ۚ اِنْ جَسَدُكُمْ اِلَّا عُلُقُوتٌ يَنْتَعِبُونَ ۚ وَمَا اَنَا بِطَارِدٍ الْمُؤْمِنِينَ ۚ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا اَنْتَ اِلٰهٌ مُبْتَلٰى ۚ﴾

”کیا تم کو یوں لگے کہ خداوند تمہارے پیروکاروں پر توڑ لوگ ہیں۔ نوح نے کہا: مجھے کیا معلوم کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ اُن کا حساب میرے پروردگار کے ذمے ہے، کاش! تم سمجھو۔ اور میں مومنوں کو نکال دینے والا نہیں ہوں، تو صرف کھول کھول کر نصیحت کرنے والا ہوں۔“ (الشعراء: 111-115)

جب قوم نے خود عذاب مانگا

صدیائے بیت گئیں، لیکن حضرت نوح علیہ السلام کا قوم سے بحث و مباحثہ چلتا رہا۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَلَيْسَتْ فِيْهِمْ اَفْئِدَةٌ اِلَّا خٰسِيْنَ عَامًا ۚ فَكَذٰبُ هُمْ اَلْقَوٰكُنْ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۚ﴾

”سو وہ ان میں پچاس برس کم ہزار برس رہے پھر ان کو طوفان (کے عذاب) نے آچکھا اور وہ ظالم تھے۔“ (العنکبوت: 14/29)

یعنی اتنی طویل مدت گزرنے کے بعد کھڑے سے افراد ایمان نہ لائے۔

جب ایک نسل کے لوگ مرتے تو بعد وہ دلوں کو یہ وصیت کر جاتے تھے کہ حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان نہ لانا، ان سے جھگڑتے اور ان کی مخالفت کرتے رہنا۔ جب کسی کا بچہ بڑا ہوتا اور اس کی باتیں سمجھنے لگتا تو باپ اپنے بیٹے کو یہی نصیحت کرتا تھا کہ زندگی بھر نوح علیہ السلام پر ایمان نہ لانا۔

ان کی فطرت ایسی بن گئی تھی کہ جیسے ایمان اور حق کی قویت کی صورت گوارا نہ تھی۔ اسی لیے نوح علیہ السلام نے فرمایا:

﴿وَلَا يَكِدُّوْا اِلَّا فَاجِحًا مَّكَارًا ۚ﴾

”(اے اللہ!) ان سے جو اولاد ہوگی وہ بھی دکھارنا شکر گزار ہوگی۔“ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے کہا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ هُوَ اِلٰهُنَا قَدْ لَئِنَّا كُنَّا لَمُتًّا ۚ قَالَ اِنَّمَا فَتٰنٰتُكُمْ اِيْمَانًا ۚ اِنْ كُنْتُمْ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۚ قَالَ اِنَّمَا يَأْتِيْكُمْ بِوَالِهٍ ۚ اِنْ شَاءَ ۚ وَمَا اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۚ﴾

”اے نوح! تم نے ہم سے جھگڑا تو کیا اور جھگڑا بھی بہت کیا، لیکن اگر سچ ہو تو جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو وہ ہم پر لانا لڑ کر۔ نوح نے کہا اس کو تو اللہ ہی چاہے گا کہ تو نازل کرے گا۔ اور تم (اس کو طرح پر نہیں سکتے۔“

(ہود: 33,32,11)

﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۚ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۚ﴾

”(اے پیغمبر!) لوگوں کو داعش اور ایک نصیحت سے اپنے پروردگار کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریقے سے اُن سے مناظرہ کرو۔“ (النحل: 125,16)

حضرت نوح علیہ السلام کا مذکورہ بالا خطاب بھی اسی قبیل سے ہے۔ یعنی میں تمہیں ایسی چیز پہنچا رہا ہوں جس میں تمہارا دنیا اور آخرت کا فائدہ ہے اس عمل کے بدلے میں تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا۔ میں یہ چیز صرف اللہ سے مانگتا ہوں۔ اس کا ثواب میرے لیے بہتر ہے اور وہ اس سے زیادہ باقی رہنے والا ہے جو کچھ تم مجھے دے سکتے ہو۔ نوح علیہ السلام نے فرمایا:

﴿وَمَا اَنَا بِطَارِدٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِلٰهَهُمْ فَلْيُقَاتِلُوْا اِيْهِمْ وَلْيَكُوْنُوْا اِلَيْهِمْ قَوْمًا يَّتَّبِعُوْنَ ۚ﴾

”میں ایمان والوں کو اپنے پاس سے نہیں نکال سکتا۔ انہیں اپنے رب سے ملنا ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جہالت کر رہے ہو۔“ (ہود: 29/11)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مطالبہ کیا تھا کہ نوح علیہ السلام مومنوں کو اپنے پاس سے ہٹا دیں اور وعدہ کیا کہ اگر وہ اس مطالبے کو تسلیم کر لیں تو وہ ان کے پاس تیشیں گے۔ نوح علیہ السلام نے یہ مطالبہ رد کر دیا اور فرمایا: ﴿رَبِّهِمْ ۚ﴾

”انہیں اپنے رب سے ملنا ہے۔“ یعنی اگر میں نے انہیں ہٹا دیا تو مجھے خوف ہے کہ اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا۔ ﴿اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۚ﴾

”کیا تم مجھے نہیں سمجھتے؟“ (ہود: 30/11)

کہا کہ قریش نے بھی نبی علیہ السلام نے مطالبہ کیا تھا کہ آپ عمار صہیب، بلال، خطاب جملہ اور ایسے دوسرے حضرات کو اپنے پاس سے اٹھا دیں تو اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو یہ بات ماننے سے منع فرمادیا۔ جیسے کہ سورہ کہف اور سورہ انعام میں مذکور ہے۔

نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے مزید فرمایا:

﴿وَلَا اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَايِنُ اَللّٰهُوْا لَا اَعْلَمُ الْغَيْبُ وَلَا اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ وَلَا اَقُوْلُ اِنِّيْ اِلٰهٌ ۚ اِنِّيْ اِنَّمَا اَنْتَرِدِّيْ اَعْوَابَكُمْ ۚ كُنْ يُّؤَيِّتُكُمْ اَللّٰهُ خَيْرًا ۚ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ اَنْفُسِهِمْ ۚ اِنِّيْ اِذَا لَيْسَ اَلظّٰلِمِيْنَ ۚ﴾

”اور میں نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ اور نہ ان لوگوں کی نسبت جن کو تم حمارت کی نظر سے دیکھتے ہو یہ کہتا ہوں کہ اللہ ان کو بھلائی (یعنی اعمال کی جزائے نیک) نہیں دے گا۔ جو ان کے دلوں میں ہے اُسے اللہ خوب جانتا ہے۔ اگر میں ایسا کہوں تو بے انصافوں میں ہوں۔“ (ہود: 31/11)

یعنی میں تو رسول (پیغام پہنچانے والا بندہ) ہوں مجھے صرف اتنا ہی علم ہے جتنا اللہ نے مجھے سکھایا اور صرف اتنی ہی طاقت ہے جتنی اللہ نے دی تھی تو اللہ کی مرضی کے خلاف اپنے نفع و نقصان کا بھی مالک نہیں۔ اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ

کیونکہ وہ ضرور فرق کر دیے جائیں گے۔“ (ہود: 37/11)

اس کی وجہ یہ تھی کہ جب نوح علیہ السلام ان لوگوں کی اصلاح سے مایوس ہو گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ ان میں خیر کی کوئی رتق باقی نہیں رہی، کیونکہ انہوں نے ہر قول و فعل کے ذریعے سے ہر طرح آپ کو تکلیف پہنچائیں، مخالفت اور تکذیب کی، تب آپ نے ان پر اللہ کا غضب نازل ہونے کی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کر لی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ نَادَيْنَا نُوْحًا فَلْيَعْمَلْ مَعْجُودِيْنَ ۖ وَنَجِّنْهُ وَاَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۖ﴾

”اور ہم نوحؑ نے پکارا، سو (دیکھ لو کہ) ہم (دعا کو کیسے) اچھے قبول کرنے والے ہیں۔ اور ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو بڑی مصیبت سے نجات دی۔“ (الصافات: 76, 75/37)

اور مزید فرمایا:

﴿وَنُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَجَعَلْنٰهُ وَاَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۖ﴾

”اور (نبی اے!) نوح (کہ) قاصد بھی یاد کرو) جب اس نے اس سے پہلے ہم کو پکارا تو ہم نے اس کی دعا قبول فرمائی اور اسے اور اس کے ساتھیوں کو بڑی مصیبت سے نجات دی۔“ (الانبیاء: 76/21)

نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مزید فریاد کرتے ہوئے فرمایا:

﴿دَبَّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذٰبُوْنَ ۖ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَنَجِّنِيْ مِنْ الْغٰوِيْنَ ۖ﴾

”پروردگار! میری قوم نے تو مجھے جھٹلادیا۔ سو تو میرے اور ان کے درمیان ایک کھلا فیصلہ کر دے اور مجھے اور جو میرے ساتھ ایمان لانے والے ہیں ان کو بچالے۔“ (الشعرا: 118, 117/26)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَمَّا كَثُرَ ۫ اٰتٰى غٰلُوْبًا فَانْتَصَرُ ۖ﴾

”تو انہوں نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ (باری تعالیٰ) میں (ان کے مقابلے میں) کمزور ہوں تو (ان سے) بدلے۔“ (القصص: 10/54)

مزید ارشاد فرمائی ہے:

﴿وَقَالَ نُوْحٌ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ عَلَى الْاَرْضِ مِنْ الْكَافِرِيْنَ ذٰلِكَ اَمْ اِنْ تَذَرْنِيْ فَيَحْبِسُوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْا اِلَّا قٰلًا اَكْثٰرًا ۖ﴾

”نوح (نے) دعا کی کہ میرے پروردگار! کسی کافر کو روک دے زمین پر بسا نہ دے۔ اگر تو ان کو رہنے دے گا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان سے جو والو دوں گی وہ بھی بدکار اور ناشکر زار ہوگی۔“ (نوح: 27-25/71)

اس طرح ان کے کفر و فحور کے جرائم کے ساتھ ساتھ ان کے نبی کی بددعا کا وبال بھی ان پر آچکا۔ تب اللہ تعالیٰ نے

یعنی عذاب لا صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہی ہے جو کسی کام سے عاجز نہیں اور کوئی کام اس کے لیے مشکل نہیں بلکہ وہ جس چیز کو (کُنْ) کہتا ہے، وہ ہو جاتی ہے۔

نوح علیہ السلام نے اپنی قوم پر مہم بنانے کے لیے فرمایا:

﴿وَلَا تَقْنَعُكُمْ صٰحِبٰٓىٓ اِنْ اَرَدْتُمْ اَنْ اَنْفَخَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُوَيِّدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ هُوَ رَٰكِبًا ۖ وَ اَلَيْسَ تَرْجِعُوْنَ ۙ﴾

”میری خیر خواہی تمہیں کچھ بھی نفع نہیں دے سکتی گو میں کتنی ہی تمہاری خیر خواہی کیوں نہ چاہوں بشرطیکہ اللہ کا ارادہ تمہیں گمراہ کرنے کا ہو۔ وہی تم سب کا پروردگار ہے اور اسی کی طرف لوٹنے جاؤ گے۔“ (ہود: 34/11)

یعنی اللہ تعالیٰ جسے ڈالنا چاہے اسے کوئی دایت نہیں دے سکتا۔ وہی جسے چاہتا ہے دایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے دایت سے محروم رکھتا ہے۔

وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، وہ غالب اور حکمت والا ہے۔ وہی جانتا ہے کہ کون دایت کا مستحق ہے اور کون گمراہی کے لائق ہے۔ اسی کی حکمت کامل اور اسی کی دلیل باطل جہنم ہے۔

طوفان نوح کے اسباب اور کشتی بنانے کا حکم

حضرت نوح علیہ السلام دن رات انتھک محنت کی اور قوم کو دعوت تو دیدی مگر ساڑھے نو سو سال کی اس بے مثال جدوجہد کے بعد بھی قوم نے دعوت ایمان قبول نہ کی بلکہ اللہ عذاب کا مطالبہ کر دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَوْ اِلٰى اِيْ نُوْحٍ اَتَّخَذَ لِنَفْسِهٖۙ مِنْ قَوْمِهٖۙ اِلٰهًا ۚ اَمْ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۙ﴾

”اور نوح کی طرف وہی کی گئی کہ تمہاری قوم میں جو لوگ ایمان لائے (لاپکے) (ان کے سوا اور کوئی ایمان نہیں لائے گا تو جو کام یہ کر رہے ہیں، ان کی وجہ سے غم نہ لکھاؤ۔“ (ہود: 36/11)

اس میں قوم کی بدسلوکی پر آپ کے لیے تسلی ہے اور قوم کے بارے میں یہ بتا کر کہ اب مزید افراد ایمان نہیں لائیں گے، یہ کیا گیا ہے کہ اب تک جو کچھ ہوا اس پر غم نہ کریں کیونکہ اللہ کی مدد پہنچنے والی ہے اور عجیب واقعات پیش آنے والے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَصْبَحَ الْفُلْکَ بِاَعْيُنِنَا ۖ وَحِیْنَا ۚ وَلَا تُخَاطَبُ فِی الْاَلَمِیْنِ عَلٰمًا ۚ اِنَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۙ﴾

”اور ایک کشتی ہمارے علم سے ہمارے روبرو بناؤ۔ اور جو لوگ ظالم ہیں ان کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہنا

تھیں، معلوم ہوتا چاہیے کہ دجال کا نام ہے اور تمہارا رب ایک چشم نہیں۔“ ①

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”کیا میں تمہیں دجال کے بارے میں وہ بات نہ بتاؤں جو کسی نبی نے اپنی قوم کو نہیں بتائی؟ وہ کہتا ہے وہ اپنے ساتھ جھوٹ موت کی جنت اور جہنم لائے گا۔ جس کو وہ جنت کے گاہ (حقیقت میں) آگ ہوگی۔ میں تمہیں اس سے ڈراتا ہوں جیسے نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس سے متنبہ کیا تھا۔“ ②

③ کشتی کی وسعت: امام ثوری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو اسی باتھ میں کشتی بنانے کا حکم دیا اور کہا کہ اسے اندر اور باہر سے تارکول لگائیں اور اس کا اگلا حصہ شہ دار بنائیں تاکہ وہ پانی کو چیرتے ہوئے چل سکے۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ کشتی تین سو ہاتھ لمبی اور چارپاس ہاتھ چوڑی تھی۔ میں نے تورات میں اسی طرح لکھا ہوا دیکھا ہے۔ اس سب نے اس کی بلندی تیس ذراع ذکر کی ہے۔ اس کی تین منزلیں تھیں۔ ہر منزل دس ہاتھ بلند تھی۔ چلی منزل موشیوں اور بچکی جانوروں کے لیے تھی، درمیانی منزل انسانوں کے لیے اور بالائی منزل پرندوں کے لیے تھی۔ اس کا دروازہ چوڑائی میں تھا اور اس کے اوپر ایک چھت بھی تھی۔ ④

طوفان کی آمد اور نجات پانے والوں کو شکر ادا کرنے کا حکم

امام ابن جریر اور دوسرے علماء رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ طوفان قبلیٰ صاب کے مطابق آب (اگست) کی تیرہ تاریخ کو شروع ہوا۔ قوم کی مسلسل بٹ دھری سے عاجز آ کر نوح علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے دعا قبول کر کے بدکار قوم کو تباہ و برباد کر دیا۔ ارشاد ماری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنْزِيلُ فَكَانَتْ فِيهَا حَمَلٌ وَلَمْ يَنْصُرُوا لِنَفْسِهِمْ إِتْتَابُوا ۚ وَأَهْلَكَ بِآيَاتِنَا ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا خٰٓسِرِينَ ۝۱۰﴾

”جب ہمارا حکم آ پڑے اور غور (پانی سے بھر کر) جوش مارنے لگے تو سب (قسم کے حیوانات) میں سے جوڑا جوڑا (یعنی زور مار دود) دود کشتی میں بٹھا دوا اور اپنے گھر والوں کو بھی سوائے ان کے جن کی نسبت اُن میں سے (بلاک

① صحیح البخاری، 'احادیث الأنبياء' باب قول الله عز وجل ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ﴾، حدیث: 3337

② صحیح البخاری، 'احادیث الأنبياء' باب قول الله عز وجل ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا.....﴾، حدیث: 3338 و صحیح مسلم، 'الفتن' باب

ذکر ابن صباد، حدیث: 2931

③ تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورة هود، آیت: 37

نوح علیہ السلام کو ایک کشتی بنانے کا حکم دیا۔ یہ ایک بہت بڑا بحری جہاز تھا، جس کی اس سے پہلے کوئی نظیر نہ تھی اور نہ بعد میں اس کی مثال مل سکی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو پیشگی ہدایت فرمادی کہ جب اللہ کا حکم آپ پہنچے گا اور ان پر وہ عذاب آجائے گا جو مجرم لوگوں سے ظاہر نہیں کرتا تو ایسا نہ ہو کہ ان پر عذاب اترتا دیکھ کر آپ کے دل میں رحم آجائے۔ اس لیے فرمایا:

﴿وَلَا تَخَاطَبُنِي فِي الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ إِنَّهُمْ مُعَذَّبُونَ ۝۱۱﴾

”اور جو لوگ ظالم ہیں ان کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہنا کیونکہ وہ ضرور عرق کر دیے جائیں گے۔“

www.KitaboSunnat.com

(ہود: 37/11)

دنیا میں کفر و کفر و قوم نوح کا شیوہ تھا۔ قیامت کے دن بھی وہ جھوٹ بولتے ہوئے یہ دعویٰ کریں گے کہ ان کے پاس کوئی رسول نہیں آیا۔ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی امت حاضر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ”کیا تو نے (میرا پیغام) اپنی امت کو پہنچا دیا تھا؟“ وہ عرض کریں گے: ہاں! یارب! اللہ تعالیٰ ان کی امت سے فرمائے گا: ”کیا انہوں نے تم کو لوگوں کو (میرا پیغام) پہنچا دیا تھا؟“ وہ کہیں گے: نہیں، ہمارے پاس تو کوئی نبی نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ نوح علیہ السلام سے فرمائے گا: ”تیرا گواہ کون ہے؟“ وہ عرض کریں گے: ”محمد ﷺ اور ان کی امت۔“ تب ہم (مسلمان) گواہی دیں گے کہ نوح علیہ السلام نے تبلیغ کی تھی۔ اس آیت مبارکہ میں اسی طرف اشارہ ہے:

﴿وَكَلَّمَكَ جَعَلْنَاهُ آيَةً وَسَخَّرْنَا لَوِائِيْنَهُمْ عَلَى الْقَائِمِ ۚ وَكَلَّمَكَ نُوْحًا عَلَيْهِ السَّلَامُ ۚ وَكَلَّمَكَ نُوْحًا عَلَيْهِ السَّلَامُ ۚ﴾

”اور اسی طرح ہم نے تم کو امت معتدل بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور بغیر (آخر الزمان) تم پر گواہ نہ۔“ ①

(البقرة: 143/2)

یہ امت اپنے سچے نبی کی گواہی کی بنیاد پر گواہی دے گی کہ اللہ نے نوح علیہ السلام کو حق دے کر مبعوث فرمایا اور انہوں نے اپنی قوم کو بہتر اور کامل ترین انداز سے تبلیغ کی۔ انہیں ہر اس کام کا حکم دیا جس سے انہیں دینی فائدہ حاصل ہوا اور ہر اس کام سے منع فرمایا جس سے ان کی دینی حالت کو نقصان پہنچتا ہو۔

تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی یہی شان اور یہی کیفیت رہی ہے۔ وہ تو اپنی قوم پر اتنی شفقت کرنے والے تھے کہ اپنی قوم کو دجال سے بھی متنبہ فرمایا حالانکہ ان کے زمانے میں اس کے ظاہر ہونے کی توقع نہیں تھی۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے لوگوں میں کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق حمد و ثنائی، پھر دجال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ”میں تمہیں اس سے متنبہ کرتا ہوں، ہر نبی نے اپنی قوم کو اس سے ڈرایا ہے۔ نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو اس (دجال) سے ڈرایا تھا۔ البتہ میں تمہیں ایک ایسی بات بتا رہا ہوں جو کسی نبی نے اپنی قوم سے بیان نہیں فرمائی۔“

① صحیح البخاری، 'احادیث الأنبياء' باب قول الله عز وجل ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ﴾، حدیث: 3339

جیسے آئندہ بیان ہوگا۔ ﴿وَمَنْ أَمَنَّ﴾ یعنی امت کے جو افراد آپ پر ایمان لائے ہیں، انہیں کشتی میں سوار کر لیجیے۔ ﴿وَمَا أَمَنَّ صَفَةَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ ”آپ کے ساتھ بہت تھوڑے لوگ ایمان لائے۔“ حالانکہ آپ طویل عرصہ تک ان میں تشریف فرما رہے اور ترغیب و ترہیب، وعدہ و وعید کے گونا گوں اسالیب کو استعمال کرتے ہوئے پوری قوت کے ساتھ رات دن تبلیغ میں مصروف رہے۔

کشتی میں سوار ہونے والوں کی تعداد کتنی تھی؟ اس کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں:

- ☆ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہی آدمی (80) افراد تھے۔ ان کے ساتھ ان کی بیویاں بھی تھیں۔
- ☆ کعب احبار سے مروی ہے کہ وہ بہتر (72) افراد تھے۔
- ☆ بعض نے کہا: اس (10) تھے۔

☆ ایک قول کے مطابق کشتی میں سوار ہونے والوں میں حضرت نوح علیہ السلام خود، ان کے تین بیٹے اور ایمان نہ لا کر غرق ہو جانے والے ”یام“ کی بیوی سمیت نوح علیہ السلام کی چاروں بہنیں شامل تھیں۔ یہ قول ظاہر طور پر آیت کے خلاف ہے۔ کیونکہ آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ کشتی میں نوح علیہ السلام کے خاندان سے باہر کے مومن افراد بھی سوار ہوئے تھے۔ جیسے کہ نوح علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿يَخْبِي وَيَمْنَعُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ”مجھے اور جو مومن میرے ساتھ ہیں انہیں چھپائے۔“ (الشعراء: 118/26)

☆ ایک قول کے مطابق: وہ سات (7) افراد تھے۔

نوح علیہ السلام کی بیوی جو آپ کے تمام بیٹوں میں حام، سام، یافث (جسے اہل کتاب کعبان کہتے تھے اور یہی طوفان میں غرق ہوا تھا) اور عامر کی ماں تھی، وہ طوفان سے پہلے فوت ہو چکی تھی۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ وہ بھی ایمان نہ لانے کی وجہ سے دوسرے کافروں کے ساتھ غرق ہو گئی تھی۔

اہل کتاب کا کہنا ہے کہ وہ کشتی میں موجود تھی۔ ہو سکتا ہے بعد میں کافر ہو گئی ہو۔ البتہ پہلا دل زیادہ صحیح ہے کیونکہ نوح علیہ السلام نے عرض کیا تھا: ﴿لَا تَزِدْ عَلَى الْكَافِرِينَ دَرَجَاتٍ﴾ ”میں کافروں میں نہ رہنا نہ دے۔“ (نوح: 26/71)

☆ نجات پانے پر شکر ربانی کا حکم: جب کافروں کی غرقابی کا وقت ہو گیا تو مومنوں کی حفاظت اور نجات کے لیے کشتی اللہ کے حکم سے تیرنے لگی تو اللہ تعالیٰ نے اس نعمت پر شکر ادا کرنے کا حکم دیا:

﴿كَذَٰلِكَ أَمَرْنَاكَ أَنْتَ وَخَلْقُكَ عَلَى الْفُلَيْنِ فَقَبْلِ الْبَصَدِ لِلَّهِ الَّذِي يَنْجِي مَا يَشَاءُ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾
 ﴿وَقُلْ رَبِّ أَنْزِلْنِي مُنْزَلًا مُبَارَكًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ﴾

”اور جب تم اور تمہارے ساتھی کشتی میں بیٹھ جاؤ تو (اللہ کا شکر ادا کرنا اور) کہنا کہ سب تعریف اللہ ہی کے لیے

ہونے کا) حکم پہلے صادر ہو چکا ہے اور ظالموں کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہنا، وہ ضرور ڈوبے جائیں گے۔“

(المؤمنون: 27/23)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ جب میرا حکم آ جائے اور عذاب شروع ہو جائے تو ہر جانور اور ہر جاندار کا ایک ایک جوڑا کشتی میں سوار کر لیں، خواہ ان کا گوشت کھایا جاتا ہو یا نہ کھایا جاتا ہو، تاکہ اس کی نسل باقی رہے، اور اپنے گھر کے افراد کو بھی سوار کر لیں مگر جس کے بارے میں پہلے فرمان جاری ہو چکا ہے اسے سوار نہ کریں۔ اس سے مراد وہ کافر ہیں، جن کے بارے میں آپ کی بدعا قبول ہو چکی ہے اور ان سے عذاب نہیں مل سکا۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ عذاب نازل ہوتا دیکھ کر کافروں کے حق میں وعادہ نہ کریں کیونکہ اس کا حقیقی فیصلہ اللہ کی طرف سے ہو چکا ہے جس کی یہ شان ہے کہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

آیت میں مذکور لفظ ”توزر“ سے اظہار علم، نئے سطح زمین مراد لی ہے، یعنی زمین کے ہر حصے سے پانی بھرت نکالتی کہ جن تنوروں میں آگ جلائی جاتی ہے، ان میں سے بھی پانی نکلے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ”توزر“ سے مراد یہ ہے کہ ساری زمین سے پانی نکلے گا۔“ یعنی آگ والے تنوروں سے بھی پانی نکلتا شروع ہو گیا۔ جمہور علمائے سلف کا یہی موقف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنْوِيرُ فَلَنَأْخُذَ بِمِثْقَلِ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَن سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ أَمَنَّ وَمَا أَمَنَّ صَفَةَ إِلَّا قَلِيلًا﴾

”یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ پہنچا اور تنور جو ش مارنے لگا۔ تو ہم نے (نوح کو) حکم دیا کہ ہر قسم (کے جانداروں) میں سے جوڑا جوڑا یعنی دو دو جانور (ایک زراور ایک مادہ) لے لو اور جس شخص کی نسبت حکم ہو چکا ہے (کہ ہلاک ہو جائے گا) اس کو چھوڑ کر اپنے گھر والوں کو اور جو ایمان لایا ہے اس کو کشتی میں سوار کر لو اور ان کے ساتھ بہت ہی کم لوگ ایمان لائے تھے۔“ (ہود: 40/11)

یعنی اللہ نے حکم دیا کہ جب عذاب آئے تو ہر قسم کے جانداروں کا ایک ایک جوڑا کشتی میں سوار کر لیں۔

بائبل میں کہا گیا ہے کہ انہیں ہر حلال جانور کے سات جوڑے اور ہر حرام جانور کا ایک جوڑا سوار کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ لیکن قرآن مجید کے لفظ ”اثْنَيْنِ“ ”دو جانور“ سے اس کی تردید ہوتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَأَهْلَكَ إِلَّا مَن سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ کافروں کو چھوڑ کر صرف ان مومنوں کو کشتی میں سوار کریں جن کے حق میں نجات کی بدعا قبول ہو چکی ہے۔ آپ کا بیٹا ”یام“ بھی ڈوبنے والوں میں شامل تھا۔

طوفان نوح کی کیفیت اور نوح علیہ السلام کے بیٹے کی غرقابی: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَهِيَ تَجْرِيْ بِهَمٍّ فِيْ مَوْجٍ كَالْعِبَالِ﴾

”اور وہ ان کو لے کر (طوفان کی) لہروں میں چلنے لگی۔ (لہر)یں کیا تھیں؟ گویا کہ پہاڑ (تھے۔)“ (ہود: 42/11)
اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے ایسی شدید بارش نازل فرمائی جو زمین پر اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی، نہ بعد میں کبھی ہوگی۔ یوں گلتا تھا جیسے مٹھکوں کے منہ کھول دیے گئے ہوں اور اللہ کے حکم سے زمین پر ہر راستہ اور ہر قلعے پانی سے بھر چکا تھا۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَعَادَ رَبُّهُ اَیُّیَ مَغْلُوْبٍ فَانْتَصَرَ ۖ فَفَتَحْنَا ابْوَابَ السَّمَآءِ بِهَآءِ مُمْطِرٍ ۖ وَفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَفَتِ الْمَآءُ عَلٰی اَهْلٍ قَدْ قُدِرَ ۚ وَحَمَلْنَاهُ عَلٰی ذَاتِ الْوَاوِجِ وَدُحُوْرٍ ۚ فَتَجَرَّتْ بِأَهْلِیْنَا جَزَآءَ لَیْسَ كَانَ لُكُفٌ ۙ﴾

”تو نوح نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ (اے الہی!) میں (ان کے مقابلے میں) کمزور ہوں تو (ان سے) بدلہ لے۔ پس ہم نے زور کے سینہ سے آسمان کے دہانے کھول دیے اور زمین میں جتنے جاری کروئے تو پانی ایک کام کے لیے جو متحد ہو چکا تھا جمع ہو گیا اور ہم نے نوح کو ایک کشتی پر جو تختوں اور میٹھوں سے تیار کی گئی تھی، سوار کر لیا۔ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی تھی (یہ سب کچھ) اس شخص کے انتقام کے لیے (کیا گیا) جس کو کافر ماننے نہ تھے۔“ (القمر: 14-10/54)

اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا:

﴿اِنَّا لَنَاٰلِکَآلِکَآ الْمَآءِ حَمَلْنٰکُمْ فِی الْبَارِیَةِ ۚ لِنَجْعَلَهَا لَکُمْ تَذٰکِرًا ۙ وَنَجْعَلَهَا اٰذُنًا وَّاَعِیَةً ۙ﴾

”جب پانی طوفانی پر آیا تو ہم نے تم (لوگوں) کو کشتی پر سوار کر لیا تاکہ اس کو تمہارے لیے یادگار بنائیں اور یاد رکھنے والے کان اُسے یاد رکھیں۔“ (الحاقة: 12/11/69)

کئی مفسرین نے فرمایا ہے کہ پانی بلند ترین پہاڑ سے بھی بلند (15) ہاتھ بلند تھا۔ بائبل میں یہ لکھا ہوا ہے۔^①
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ پانی کثرت سے نکل آیا یعنی مشرق سے مغرب تک ساری زمین کے طول و عرض میں، میدانوں، پہاڑوں، بحراؤں اور جبلین میدانوں میں ہر جگہ آیا جس کے نتیجے میں ہر زندہ چیز ہلاک ہو گئی۔^②
ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتَاٰذٰی نُوْحٍ اٰتَتْهُ وَكَانَ فِیْ مَعْزِلٍ یُّبَلِّغُیْ اَرْکَبًا مَّعًا وَلَا تَتَّخِذْ مَعَ الْكَافِرِیْنَ ۚ قَالَ سَاوِیْیَ اِلٰی

① دیکھئے کتاب پیدائش، باب 7، فقرہ 20

② تفسیر الطبری 4/67:14 تفسیر سورة الحاقة آیت 11

ہے جس نے ہم کو ظالم لوگوں سے نجات بخشی۔ اور یہ بھی دعا کرنا کہ اے پروردگار! ہم کو مبارک جگہ اتارا تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے۔“ (المومنون: 28/23)

یعنی اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اللہ کی تعریف اور شکر کریں کیونکہ اس نے یہ کشتی ان کے لیے مسخر فرمائی، اس کے ذریعے سے انہیں نجات دی، قوم کا فیصلہ کر دیا اور کافلوں کی تباہی کے ساتھ نوح علیہ السلام کی آنکھیں کھنڈی کر دیں۔ جیسے ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَکُمْ مِنَ الْفَلَآئِلِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْکُبُوْنَ ۚ لَیْسَتْ اَعْلٰی ظُھُوْرٍ ۙ ثُمَّ تَذَلُّوْنَ لِغَمٍّ ۚ رَبُّکُمْ اِذَا اسْتَوٰیْکُمْ عَلَیْہِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِیْنِ ۙ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۙ﴾

”اور جس نے تمام قسم کے حیوانات پیدا کیے اور تمہارے لیے کشتیاں اور چار پائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو تاکہ تم ان کی پیٹھ پر چڑھ کر ٹھہراؤ جب اس پر بیٹھ جاؤ اپنے پروردگار کے احسان کو یاد کرو اور کہو کہ وہ (ذات) پاک ہے جس نے اس کو ہمارے زیر فرمان کر دیا اور ہم میں طاعت نہ تھی کہ اس کو بس میں کر لیتے اور ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔“ (الزخرف: 14-12/43)
اسی طرح (سب کو) حکم ہے کہ کام کی ابتدا میں دعا کی جائے تاکہ اس میں خیر و برکت حاصل ہو اور اس کا انجام اچھا ہو۔ جیسے نبی علیہ السلام کو ہجرت کے وقت حکم دیا:

﴿وَقُلْ رَبِّ اَرْسَلْ عَلَیْیَ مَدْعَلٌ صِدْقٍ ۙ وَاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجٌ صِدْقٍ ۙ وَاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطٰنًا ۙ نَصِیْرًا ۙ﴾

”اور کہو کہ اے پروردگار! مجھے جہاں لے جا سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال“ اور اپنے پاس سے زور و قوت کو میرا مددگار بنا۔“ (الاسراء: 80/17)

نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی قبول کی اور ساتھیوں سے فرمایا:

﴿اَرْکَبُوْا فِیْہَا بِسْمِ اللّٰہِ مَجْبِیْنًا ۙ وَحَمْسَہَا ۙ اِنِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۙ﴾

”اس کشتی میں سوار ہو جاؤ اللہ ہی کے نام سے اس کا چلانا اور ٹھہرنا ہے۔ چنگ میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے۔“ (ہود: 41/11)

یعنی اس کے چلنے کی ابتدا و ابتدا اللہ کے نام سے ہے۔ میرا رب بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ لیکن ساتھ ہی وہ سخت سزا دینے والا بھی ہے، اس لیے اس کا عذاب مجھ پر آ کر رہتا ہے جیسے ان لوگوں پر آیا جنہوں نے اس کے ساتھ کفر کیا اور غیر اللہ کی عبادت کی۔

﴿يُوحِ اٰهِطُ بِسَلَمٍ فَمَّا وَبَّرَكْتَ عَلَیْكَ وَعَلَىٰ اٰمِرٍ مِّنْ مَّعَلٰٓطٍ وَّاَمْرٌ سُنِّيْتُهُمْ ثُمَّ يَسْتَهْمُ فَمَّا عَادَ اٰبَاۤءُ اٰلِمٍ﴾

”اے نوح! ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ (جو) تم پر اور تمہارے ساتھ کی جماعتوں پر (نازل کی گئی ہیں) اُتر آؤ اور کچھ اور جماعتیں بولیں جن کو ہم (دنیا کے فائدے کے) بہرہ ور کریں گے پھر ان کو ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا“ (ہود: 48/11)

جب زمین کی سطح سے پانی خشک ہو گیا اور زمین پر رہنا اور چلنا پھر نامکن ہو گیا تو نوح علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ کشتی سے اتر آئیں جو طویل عرصہ پانی میں چلتی رہی تھی اور آخر کار مشہور پہاڑ ”جودی“ پر ٹھہری۔

﴿بِسَلَمٍ فَمَّا وَبَّرَكْتَ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ سلامتی کے ساتھ کشتی سے اتر آئے۔ آپ پر بھی برکت نازل ہوگی اور ان اقوام پر بھی، جو چند زمانے میں آپ کی نسل سے پیدا ہوں گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے کسی کی نسل کو پانی نہیں رکھا صرف نوح علیہ السلام کی نسل چلی۔ جیسے کہ ارشاد ہے:

﴿وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ﴾

”اور ہم نے اسی کی اولاد کو باقی رہنے والے بنایا۔“ (الصافات: 77/37)

حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد اور ان کی اپنے بیٹوں کو وصیت

آج کل زمین میں انسانوں کی جتنی اقوام ہیں، سب نوح علیہ السلام کے بیٹوں سام، حام اور یافث کی طرف منسوب ہیں۔ حضرت مسیح دین مبین علیہ السلام نے فرمایا: ”نوح علیہ السلام کے تین بیٹے تھے: سام، یافث اور حام اور ان تینوں کے تین تین بیٹے تھے: سام کی نسل سے عربی، فارسی اور رومی وجود میں آئے۔ یافث کی نسل سے عرک، مصلابہ اور یاجوج ماجوج پیدا ہوئے اور حام کی نسل سے قبلی، سبؤانی اور بر اقوام ہیں۔“^①

ایک قول کے مطابق نوح علیہ السلام کے یہ تینوں بیٹے طوفان کے بعد پیدا ہوئے تھے۔ طوفان سے پہلے ایک ”کنعان“ پیدا ہوا تھا، جو کافروں کے ساتھ غرق ہوا اور دوسرا ”عابر“ پیدا ہوا تھا، جو طوفان سے پہلے ہی فوت ہو گیا تھا۔ صحیح بات یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کے تینوں بیٹے اپنے بیٹوں اور والدہ سمیت کشتی میں موجود تھے جیسے کہ تورات میں اس بات کی صراحت موجود ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: ”ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ

جَبَلٍ يَصْبُلُغِي مِنَ الْمَاءِ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَجَعَهُ وَحَالٌ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمَغْرُوبِيْنَ﴾

”اس وقت نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا جو کہ (کشتی سے) اُگ تھا، کہ بیٹا ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں میں شامل نہ ہو۔ اس نے کہا کہ میں (ابھی) پہاڑ سے جاگوں گا وہ مجھے پانی سے بچا لے گا۔ انہوں نے کہا کہ آج اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں (اور نہ کوئی بچ سکتا ہے) مگر جس پر اللہ رحم کرے۔ اسے تین دفعوں کے درمیان لہر حائل ہو گئی اور وہ ڈوب کر رہ گیا۔“ (ہود: 43، 42، 11)

یہ نوح علیہ السلام کا بیٹا تھا، جو سام، حام اور یافث کا بھائی تھا۔ بعض علماء نے اس کا نام کنعان بتایا ہے۔ وہ کافراور فاسق تھا۔ اس نے اپنے والد کا سچا دین قبول نہ کیا، اس لیے ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہو گیا جب کہ آپ کا دین و مذہب قبول کرنے والے نجات پا گئے، حالانکہ وہ ان سے نہی تعلق نہیں رکھتے تھے۔

⑤ اور طوفان ختم ہو گیا: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقِيلَ يَا اَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَسْخَاۤءُ اَقْلَبِي وَغِيْضَ الْمَآءِ وَفُضِيَ الْاَمْرُ وَاَسْكُتْ عَلٰى الْجُودٰى وَقِيلَ بَعْدَ اَلْقَوْرِ الْاَقْلَبِيْنَ﴾

”اور حکم دیا گیا کہ اے زمین اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان ختم جا۔ تو پانی خشک ہو گیا اور کام تمام کر دیا گیا اور کشتی کوہ جودی پر چٹھری اور کبرہ دیا گیا کہ بے انصاف لوگوں پر لعنت۔“ (ہود: 44، 11)

یعنی جب زمین پر کوئی انسان باقی نہ رہا جو اللہ کے سوا کسی کی عبادت کرتا ہو تو اللہ نے زمین کو حکم دیا کہ اپنا پانی نگل لے اور آسمان کو حکم دیا کہ بارش برسانا بند کر دے۔ چنانچہ پانی اترنے لگا اور بحروں کو وہ سزا مل گئی جس کا اللہ نے فیصلہ کر رکھا تھا۔ وہ اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے اللہ کی رحمت و مغفرت سے محروم رہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے حق میں رب سے دعا فرمائی اور سوال کیا کہ وہ کیوں غرق ہوا؟ اس سوال کا مقصد محض حصول علم تھا یعنی: ”اے اللہ! تو نے مجھ سے میرے اہل و عیال کو بچانے کا وعدہ فرمایا تھا، پھر میرا بیٹا کیوں غرق ہو گیا، حالانکہ وہ بھی میرے اہل و عیال میں شامل تھا؟“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”وہ میرے گھرانے کے ان افراد میں شامل نہیں تھا، جن کی نجات کا وعدہ کیا تھا۔“ کیونکہ یہ فرمایا گیا تھا:

﴿وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ﴾

”اور اپنے گھر والوں کو بھی (بھالو) سوائے ان کے جن کے حق میں ان میں سے (ہلاک ہونے کا) حکم صادر ہو چکا ہے۔“ (المومنون: 27، 23) اور وہ ان افراد میں شامل تھا، جن کے غرق کیے جانے کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ اس لیے وہ اہل ایمان سے الگ ہو کر کفار سے مل گیا اور انہی کے انجام سے وہ چار ہوا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حکم دیا:

ایمان کے بغیر قربت داری کچھ سود مند نہیں: نوح علیہ السلام کے تھے یہ چلے کہ قربت داری خواہ مخواہ گہری اور مضبوط کیوں نہ ہو، ایمان یا اللہ کی قائم مقام نہیں ہو سکتی۔ بلکہ ہر شخص اپنے فعل و قول کا زہد وار ہے۔ اگر وہ ایمان نہیں لاتا اور اللہ کے باغیوں کے ساتھ رہنا پسند کرتا ہے تو پھر تباہی کا کامی و نامرادی کا مقدر ٹھہرے گی۔ حضرت نوح علیہ السلام صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ایمان کی دولت سے محروم ہو کر کافروں کے ساتھ ہی غرق ہو جاتے ہیں جبکہ ایمان لانے والے انجی دنیا و آخرت کی سعادت مندی سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہو کہ قربت داری، ایمان یا اللہ کی قائم مقام ہرگز نہیں۔ اسلام نے رشتہ داروں کے عقلم کو عقلم قرار دیا ہے اور ان سے صلہ رحمی کی پرزور تاکید کی ہے لیکن ایمان کے بغیر یہ صلہ رحمی اور رشتہ داری کچھ فائدہ مند نہیں ہے۔ بلکہ ایمان باوجود انیک اعمال کی کامیابی کی ضمانت ہیں۔ یہ میرا ہے نبی ﷺ نے اس حقیقت کو آشکارا کرنے کے لیے اپنے خاندان کو جمع کیا اور ایک ایک کو آواز دے کر فرمایا: اے میرے نبی کی اولاد! اپنی جانوں کو آگ سے بچاؤ۔ اے عبد کے بیٹے! اے نبیوں کو بچنے سے آزار کو اے نبی عبد مناف! خود کو کھڑا اپنی سے محفوظ کرلو۔ اے نبی ہاشمی! اپنی جانوں کو بچنے کی آگ سے بچاؤ اے عبدالمطلب کی اولاد! خود کو

﴿قُلْ لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ﴾

”آپ فرمادیجئے! ناپاک اور پاک برابر نہیں گوآپ کو ناپاک کی کثرت بھلی لگتی ہو۔“ (المائدہ: 100/5)

بدعا فرمائی تھی جب ان کی اذیتیں حد سے بڑھ گئیں۔

﴿مُؤْمِنُونَ﴾ کی آزمائش: نوح علیہ السلام کے قصے سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کی آزمائش بھی کرتا ہے ان کے ایمان کا امتحان لیتا ہے اور ان کے ایمان میں پختگی اور اعتقاد و یقین عطا کرتا ہے۔ یہ امتحان کبھی انفرادی ہوتا ہے اور کبھی اجتماعی ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّا فِي ذَٰلِكَ لَآيَةٌ وَإِنَّ لَكُمْ لَبَيِّنَاتٍ﴾

”یقیناً اس میں بڑی بڑی نشانیاں ہیں اور ہم ہر ملک آزمائش کرنے والے ہیں۔“ (المؤمنون: 30/23)

مومنوں کی یہ آزمائش کی طریقوں سے ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالْعَقْرِتِ وَبَشِيرٍ وَالضُّيُوفِ ۚ﴾
 ﴿الَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمْ مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۚ﴾ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ
 وَرَحْمَةٌ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۚ﴾

”اور ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش ضرور کریں گے۔ دشمن کے ڈر سے، بھوک پیاس سے، مال و جان اور بچوں کی کمی سے۔ اور ان صبر کرنے والوں کو خوش خبری دے دیجیے جنہیں جب کوئی مصیبت آتی ہے تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم تو خود اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ ان پر ان کے رب کی نوازشیں اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔“ (البقرہ: 157/2)

لہذا دعوت و ارشاد کے مقدس مشن سے منسلک افراد کو ہر آزمائش اور مشکل گھڑی میں اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتوں اور نوازشوں کی خوش خبری کو سانس نہ رکھنا چاہیے۔ اس سے ان کو کیا حوصلہ اور نئی ہمت میسر آئے گی۔

اس کے برعکس کفار کو اللہ تعالیٰ مہلت دیتا ہے۔ وہ اپنے دنیوی مال دولت اور شان و شوکت میں گن رہتے ہیں حتیٰ کہ انہیں عذاب الہی چاروں طرف سے گھیر لیتا ہے اور وہ دناؤ آخرت میں عظیم خسارے سے دوچار ہو جاتے ہیں۔

﴿ہر صحت کا انجام بد﴾: حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا آشوش نبوت میں پردوش پانے کے باوجود ایمان نہ لایا اور بالآخر عبرت ناک انجام سے دوچار ہو گیا۔ اس سانحہ گہرائی میں جائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بری صحبت کا انجام بد تھا۔ آپ کا بیٹا کافروں کے ساتھ رہنے سہنے کی وجہ سے ایمان قبول نہ کر سکا اور کافروں کے عقائد و اعمال پر کاربند ہو گیا۔ ان کی بری صحبت اس کے لیے ذہر قاتل ثابت ہوئی اور اس کا انجام زلت و روانی کی صورت میں نکلا۔

لہذا ہمیشہ بری صحبت سے احتیاط کرنا چاہیے اور نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنی چاہیے۔ رسول اکرم ﷺ نے نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے نیز برے لوگوں کی صحبت سے ڈراتے ہوئے درج ذیل خوبصورت مثال بیان فرمائی ہے۔ آپ نے فرمایا:

نبی کریم ﷺ کی غلطیوں میں تمہارے یہ لاکھوں کافران چند مومنوں کے برابر نہیں ہیں۔ بلکہ داعیان حق کی حمایت، ان کی تسلی اور انہیں حوصلہ دینے کے لیے قرآن مجید میں بار بار فرمایا گیا: ﴿وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ”لیکن اکثر لوگ بے علم ہیں۔“ (الاعراف: 187/7) ”مذہب فرمایا: ﴿وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُونَ﴾ ”لیکن اکثر لوگ جہالت کی باتیں کرتے ہیں۔“ (الأنعام: 111/6) ﴿وَمَا كَانَ آلُكُمْ فَاعِلِينَ﴾ ”اور ان میں اکثر لوگ ایمان والے نہیں۔“ (الشعراء: 67/26)

امام الانبیاء علیہ السلام نے داعیان حق کو ایمان والوں کی قلت ہونے پر تسلی دیتے ہوئے فرمایا: ”مجھ پر (جہلی) اتنی جیش کی گیس تو میں نے دیکھا کہ ایک نبی کے ساتھ دس سے کم میر دیکر ہیں، کسی کے ساتھ ایک دو ایمان والے ہیں اور کسی کے ساتھ ایک کبھی مومن نہیں۔“ (صحیح مسلم ”الإیمان“ باب الدلیل علی دخول طوائف من المسلمین الحقة..... حدیث: 220)

لہذا اہل حق کے لیے افرادی قلت پریشانی کا باعث نہیں بنتی اور نہ وہ کثرت افراد سے کبر و غرور میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ﴿سنت الہی کا اتمام اور کافروں پر بدو عا کا جواز﴾: قوموں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ رہا ہے کہ وہ ان میں رسول بھیج کر کتب نازل کرے انہیں ایمان لانے اور راہ حق کو اپنانے کا موقع دیتا ہے۔ جب یہ اپنی قوم کو پیغام ربانی پہنچا دیتا ہے اور اس کی تبلیغ مکمل ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اور وعدہ اس قوم پر پورا ہو جاتا ہے۔ جب تک مومن قوم میں موجود رہتے ہیں ان کی مہلت باقی رہتی ہے۔ لیکن جیسے ہی معاشرہ صالح لوگوں سے خالی ہو جاتا ہے، بدکردار اور گناہ گاروں پر عذاب الہی آ جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے ساتھ بھی ہوا۔ نوح علیہ السلام مومنوں کو لے کر کشتی میں سوار ہو کر بستی سے نکل گئے تو باقی لوگ غرقاب کر دیے گئے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے قصے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب کفار پر اتمام حجت ہو جائے، ان کی سرکشی اور مدعا شی حد سے بڑھ جائے اور مومن مغلوب ہو جائیں تو کفار کے خلاف بدعا کی جاسکتی ہے۔ جیسا کہ نوح علیہ السلام نے اپنے رب کو مدد کے لیے پکارتے ہوئے التجا کی تھی: ﴿إِنِّي مُغْلَبٌ فَاتَّخِذْ﴾ ”اے میرے رب! میں بے بس ہوں تو میری مدد کر۔“ (القصہ: 104/5)

نیز دعا کی:

﴿كَذَّبَ لَا تَدْرُ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَكَاةً ۖ إِنَّكَ إِن تَشَاءْ مُبْضِلُو عِبَادَكَ ۖ وَلَا يَلِدُ ۖ وَأَآلُكَ فَاجِدٌ لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾

”اے میرے رب! تو دوسرے زمین پر کسی کافر کو رہنے سہنے والا نہ چھوڑ۔ اگر تو انہیں چھوڑ دے گا تو (یقیناً) یہ تیرے (اور) بندوں کو (بھی) گمراہ کر دیں گے اور یہ کافر اور ذہیت کافروں ہی کو دیم گم گئے۔“ (نوح: 27، 26/71)

نبی اکرم ﷺ نے امت محمدیہ کو کفار کے غلبہ اور ان کے شر کے عروج پر بدعا سے قوت نازلہ مانگنے کا حکم دیا ہے خود بھی ایسے حالات میں قوت نازلہ پر بھیجے کہ قبیلہ مضر اور عکل پر بدعا فرمائی اور قریش کے سردار رعبیدہ، شیبہ اور عتبہ پر بھی

اور ان کی حمایت و نصرت کرتے ہیں۔ اسی لیے جب نوح علیہ السلام نے انہیں عذاب الہی سے ڈرایا تو وہ کہنے لگے کہ ہمارے اماں ہمیں پھیلانے گئے، وہ ہماری مدد کریں گے لہذا آپ جو عذاب لانا چاہتے ہیں لے آئیں، دوسری طرف امراے قوم نے قوم کو حکم دیا:

﴿لَا تَدْرِي اَلْهَيْكَلُ الَّذِي تَدْعُوْنَ وَكَانَ سَوَاعِدًا وَلَا يَفْعَلُ وَيَفْعَلُ مَا لَا يَشَاءُ﴾ (نوح: 23/71)

”تم اگرچہ اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور نہ دو اور سواغ اور یثوق اور نضکو (چھوڑنا۔)“ (نوح: 23/71)

لیکن جب عذاب الہی آیا تو یہ یکڑی اور پتھر کے اندھے، بہرے ہو گئے اور عقل و شعور سے عاری معبودان کی کوئی مدد نہ کر سکے بلکہ اپنی قوم کے ساتھ ہی فرقاب ہو گئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاتَّخِذْنِهٖ وَمَنْ فَعَمَّ فِي الْغُلَاكِ الْبَشْعُونَ ۖ ثُمَّ اَعْرَفْنَا بِعَذَابِ الْيَقِيْنِ ۖ﴾

”چنانچہ ہم نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو بھری ہوئی شستی میں (سوار کرنا کر) نجات دے دی۔ بعد ازاں باقی تمام لوگوں کو ہم نے ڈوبوایا۔“ (الشعراء: 120، 119/26)

جس طرح قوم نوح کے بت بے حقیقت نکلے تھے اسی طرح برصغیر کے ہندوؤں کے سمنات کے مندر میں رکھے بت بھی سلطان محمود غزنوی کے ہاتھوں پاش پاش ہو گئے تھے اور ان کے بچاری ہندو مکڑے مکڑے کر دیے گئے مگر کوئی ان کی مدد کو نہ آیا نہ ان کی تباہی پر کسی نے اُسو بہائے۔ فاعصیوا یا اولی الابصار۔

طوفان نوح کے آثار: حضرت نوح علیہ السلام کی تافران کا فرقہ طوفان سے تباہ و برباد ہو گئی جبکہ مومنوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے محفوظ و مامون رکھا۔ علمائے تاریخ نے اس طوفان کے آثار تلاش کرنے اور اس قوم کی باقیات ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کی بلکہ اسے ناممکن اور محال تصور کیا جاتا تھا۔ پھر 1920 میں سر لیونارڈ کی سربراہی میں ایک ٹیم نے عراق میں آثار قدیمہ کی تحقیق کے لیے کھدائی کی۔ یہ ٹیم برطانیہ کے میوزیم اور امریکہ کی ایک یونیورسٹی کے محققین پر مشتمل تھی۔ اس ٹیم نے ”اُور“ (UR) کے شمال میں واقع شہر تل عید میں کھدائی کی تو انہیں کافی گہرائی میں مدفون چکنی مٹی کے برتن، مورتیاں اور دیگر آلات ملے جو بعد قدیم میں مستعمل تھے۔ لیبارٹری ٹیسٹ سے یہ بات سامنے آئی کہ اس مدفون ذخیرے کے اجزاء پائے فرات کے وسطی علاقے سے پانی کے ساتھ بہہ کر اس جگہ منتقل ہوئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس علاقے میں بہت پہلے کوئی زبردست طوفان آیا تھا۔ حکمہ آ آثار قدیمہ کی اس ٹیم کی تحقیقات سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ جس پانی نے یہ چیزیں یہاں دفن کر دی تھیں اس کی اونچائی کم از کم پچیس فٹ تھی۔ تو رات میں اس طوفان کی اونچائی 26 فٹ بیان کی گئی ہے۔ سر لیونارڈ کا یہ خیال بھی ہے کہ اس طوفان سے ساری دنیا بابت نہیں ہوئی تھی بلکہ یہ طوفان جلد اور فرات کی وادی میں آیا اور اس نے پہاڑوں اور صحرائے کردستان میں علاقے کو ملیا میٹ کر دیا۔ لیکن یہ نظریہ بھی نظر سے کیونکہ قرآن کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سیلاب اور طوفان پوری دنیا پر آیا تھا۔

”نیک ساتھی اور برے ساتھی کی مثال کستوری بیچنے والے اور بھٹی دھونکنے والے کی سی ہے۔ کستوری بیچنے والے اور بھٹی دھونکنے والے (خوشبو) دے گا تم اس سے خرید لو گے یا (کم از کم) تمہیں اس سے بہتر یہ خوشبو آئے گی۔ جبکہ بھٹی میں پھونکیں مارنے والا (اور آگ جلانے والا) یا تو تمہارے کپڑے جلانے لگا یا تمہیں اس سے بدتر بنیوے گا۔“ (صحیح مسلم، البرہان الصلۃ باب استحباب محالۃ..... حدیث: 2628)

اس لیے نیک لوگوں سے تعلقات استوار کرنے چاہئیں جبکہ برے لوگوں کی محفل و مجلس سے کنارہ کش رہنا چاہیے کہ اسی میں دین و دنیا کی عافیت مضمر ہے۔

استقبال و استقبال: دعوت حق کی کامیابی و کامرانی کے لیے مصبر و ثابت، تحمل و برداشت اور استقامت و استقامت بنیادی شرط ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی طویل جدوجہد سے واعیان حق کو راہ حق میں آنے والی مشکلات کا سامنا کرنے کے لیے ہی امت، نبی اولاد اور نیا جذبہ ملتا ہے۔ لہذا واعیان کو حیدر و حالات کی سازشی، راستے کی دشواری، ساتھیوں کی قلت اور تنگ دستی کو بھی خاطر میں نہ لانا چاہیے کیونکہ مومن جتنا بھی کمزور ہو، اس کا دشمن کتنا ہی مضبوط کیوں نہ ہو، بالآخر مومن کامیاب رہتا ہے اور کافر اپنے مہلک ہتھیاروں، کارگر چالوں اور بے پناہ وسائل کے باوجود ناکام و نامراد ہوتا ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ مومن اپنے رب پر بھروسہ کرے، صبر کا دامن تھام کر، راہ حق میں آنے والی مشکلات کے سامنے سینہ سپر ہو جائے۔ پھر اسے نصرت الہی حاصل ہوگی اور وہ اپنے دشمن پر حاوی ہو جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكَانَ سَقًّا عَلَيْنَا نَصْرَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ”اور ہم پر مومنوں کی مدد کرنا لازم ہے۔“ (الروم: 47/30)

کافر چونکہ نصرت باری تعالیٰ سے محروم ہوتے ہیں بلکہ عذاب الہی کا گنہگار ہوتے ہیں اس لیے ناکامی و ذلت ان کا مقدر بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نیکو کار کی دنیا و آخرت میں برادری کی خبر دیتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَاعْلَمُوا أَنَّهُمْ هُمُ الْفٰسِقُونَ﴾ ”وَمَا لَهُمْ مِنْ نٰصِرِينَ ۖ“

”پھر کافروں کو تو اس خبر دینا و آخرت میں سخت زحمت و عذاب دوں گا اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔“ (آل عمران: 56/3)

بتوں کا بے حقیقت ثابت ہونا: حضرت نوح علیہ السلام کی قوم سے بت پرستی کی ابتدا ہوئی، وہ سواع، یثوق، لیثوق، اور نسران کے بڑے بڑے بتوں کے نام تھے۔ یہ درحقیقت ان کے نہایت نیک بزرگوں کے نام ہیں۔ جب یہ بزرگ فوت ہوئے تو قوم سخت غمزدہ اور افسردہ ہوئی۔ اس وقت شیطان نے انسانی شکل میں آکر ان کو ان بزرگوں کی تصاویر بنا کر انہیں یاد رکھنے کا مشورہ دیا۔ جب یہ نسل ختم ہو گئی تو بعد میں آنے والوں کو شیطان نے یہ کہہ کر شر میں مبتلا کر دیا کہ تمہارے آباء و اجداد تو انہی کی عبادت کرتے تھے۔ اس طرح ان تصاویر کی عبادت شروع ہو گئی جسے آثار عود ملا کہ عرب قوم کے اکثر قبائل بھی انہیں بتوں کو پوجتے گئے۔

ان کے بارے میں ان کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ بت انہیں روزی دیتے ہیں، مشکل کشائی کرتے ہیں، اولاد سے نوازتے ہیں

”کیا تم نے جانا نہیں کہ تمہارے پروردگار نے نادر کے ساتھ کیا کیا (جو) ارم (کہلاتے تھے، اسنے) دراز قد کے تمام ملک میں لوگ پیدا نہیں ہوئے تھے۔“ (الفجر: 8-6: 89) ﴿وَمِثْلَہَا﴾ عرادیہ ہے کہ اس قبیلے جیسے (قوی بیکل) لوگ اور کسی علاقے میں نہیں تھے۔

کہتے ہیں سب سے پہلے حضرت ہود علیہ السلام نے عربی زبان میں کلام فرمایا۔ البتہ وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں کہ ہود علیہ السلام کے والد سب سے پہلے عربی بولنے والے تھے۔ بعض حضرات نے حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام کا نام لیا ہے۔ کچھ دوسرے اقوال بھی ہیں۔ (واللہ اعلم)

حضرت اسماعیل علیہ السلام سے پہلے کے عرب باشندے ”عرب عاریہ“، خالص عرب کہلاتے ہیں۔ ان میں بہت سے قبائل شامل ہیں۔ مثلاً: عاد، ثمود، جرهم، طسم، حدیس، امیم، مدنی، عملاق، حاسم، قحطان، بنو یقطن وغیرہ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ”عرب مستعربہ“ کہلاتی ہے۔ فصیح و بلیغ عربی زبان میں سب سے پہلے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کام فرمایا۔ آپ نے عربی زبان قبیلہ جرہم کے ان افراد سے سکھی تھی، جو آپ کی والدہ حضرت ہاجرہ علیہ السلام کے پاس رہائش پذیر ہو گئے تھے۔ (اس واقعہ کی تفصیل اپنے مقام پر بیان ہوگی) لیکن اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کو انتہائی فصاحت و بلاغت عطا فرمائی تھی۔ رسول اللہ ﷺ بھی اسی اعزاز سے فصیح و بلیغ عربی میں کام فرمایا کرتے تھے۔

ہو جودلیلہ کی بے اعتنائی طوفانِ نوح کے بعد سب سے پہلے قومِ عاد نے، جنہیں ”عادِ اُوئی“ بھی کہا جاتا ہے، بت پرستی اختیار کی۔ ان کے تین بھائی تھے۔ جن کے نام مہمضمو، وادیر تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بھائی کو جودلیلہ کا کوئی بنا کر مبعوث فرمایا۔ انہوں نے اپنی قوم کو اللہ کی طرف بلایا۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ اعراف میں حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا:

وَالِى عَادِ أَخَاهُمْ هُودًا قَالَ يَقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهِ غَيْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُونَ
كَالَ الْمَلَائِكَةِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَكُرُّكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ
الْكَافِرِينَ ﴿١٠﴾ قَالَ يَقَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلَكِنِّي رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١١﴾
أَتُخْبِرُكُمْ رَسُولِي قَالَ لَكُمُ النَّصِيحَةُ أَمِينٌ ﴿١٢﴾ أَوْعَيْتُكُمْ أَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرُنَا مِنْ رَبِّكُمْ
عَلَى رَجُلٍ فَمَنْكُمْ يُلَاقِيهِ وَأَذَلُّوا إِذْ جَعَلَهُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَنِي قَوْمٍ نُوْحٌ ﴿١٣﴾ وَآذَاهُمْ
فِي الْحَقِّ بَاطِلَةٌ فَإِذَا كُرُوا إِلَآءَ اللَّهِ لَعَنَهُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٤﴾ قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللَّهَ
وَحْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا قَاتِلِينَ إِسْمَاعِيلَ إِنَّا كُنَّا مِنَ الضَّالِّينَ ﴿١٥﴾
قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ رَحْمٌ وَغَصَبٌ أَتَجَادِثُونَ فِي أَسْمَاءِ سَيِّدَتِنَا هَا

① (تورات، کتاب پیدائش، باب: ۱۱)



نام ونسب اور العیت

نام نسب اور علاقہ: حضرت ہود علیہ السلام کا نسب نامہ یوں ہے: ”ہود بن صالح بن ارفخشذ بن سام بن نوح علیہ السلام“۔ ایک قول کے مطابق ہود علیہ السلام کا نام ”عابر“ ہے جو ”صالح“ کے بیٹے تھے اور وہ ”ارفخشذ“ کے بیٹے تھے، جو سام بن نوح کے بیٹے تھے۔^①

آپ کا نسب اس طرح بھی بیان کیا جاتا ہے: ہود بن عبداللہ بن رباح الجارود بن عاد بن عوص بن ارم ابن سام ابن نوح علیہ السلام۔

آپ قبیلہ ”عاد“ سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ ایک عربی قبیلہ تھا جس کی رہائش عمان اور حضرموت کے درمیان ریت کے ٹیلوں والے علاقے (احقاف) میں تھی۔ یہ علاقہ سمندر کے کنارے پر واقع تھا، جو [شجرہ] کے نام سے معروف تھا اور ان کی وادی کا نام ”نعیمت“ تھا۔

یہ لوگ زیادہ تر لمبے لمبے ستونوں والے خیموں میں رہتے تھے۔ جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ﴿١٠١﴾ إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴿١٠٢﴾ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ﴿١٠٣﴾﴾

① (تورات، کتاب پیدائش، باب: ۱۱)

أَنْتُمْ وَأَبَاكُمْ مَا نَزَّلَ اللَّهُ بِهِمَا مِنْ سُلْطَانٍ فَانظُرُوا إِلَىٰ مَعْلَمٍ مِنَ السُّنْبِطِينَ ﴿٦٠﴾
فَاجْتَنِبْهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَقَطَّعْنَا دَائِرَ الَّذِينَ يَكْذِبُوا بِآيَاتِنَا وَمَا كَانُوا
مُؤْمِنِينَ ﴿٦١﴾

اور (اسی طرح) قوم عادی کی طرف اُن کے بھائی ہود کو بھیجا۔ انہوں نے کہا کہ ہماری اللہ ہی کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ اہماری کوئی معبود نہیں۔ کیا تم ڈرتے نہیں؟ اُن کی قوم کے سرسار کو جاکر فتنے کئے گئے کہ تم ہمیں آجس نظر آتے ہو اور ہم تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ کیا بنو! مجھ میں صافیت کی کوئی بات نہیں بلکہ میں رب العالمین کا پیغمبر ہوں میں تمہیں اللہ کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہارا امائدہ رخ خدا ہوں۔ کیا تم کو اس بات پر تعجب ہو اے کہ تم میں سے ایک شخص کے ہاتھ تمہارے پر دردگار کی طرف سے تمہارے پاس نصیحت آئی تاکہ وہ تمہیں ڈرائے۔ اور یاد کرو کہ جب اس نے تمہیں قح قح کے بعد رسوا بنایا اور تمہیں پھیلاؤ زیادہ عطا کیا۔ پس اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ نجات حاصل کر سکو۔ وہ کئے گئے کہ تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہم اکیلے اللہ ہی کی عبادت کریں اور جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے پھلے آئے ہیں اُن کو چھوڑ دیں؟ اگر تم سچے ہو تو جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو اُسے لے آؤ۔ ہود نے کہا کہ تمہارے پر دردگار کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب (کا نازل ہونا) مقرر ہو چکا ہے۔ کیا تم مجھ سے ایسے ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے (اپنی طرف سے) رکھ لیے ہیں جن کی اللہ نے کوئی سند نامیں نہیں کی۔ سو تم بھی انتقال کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتقال کرتا ہوں۔ پھر ہم نے ہود کو اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے، ان کو نجات بخشی اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کی جزا کی دلت اور وہ ایمان لانے والے تھے یہی نہیں۔“ (الأعراف: 65-72)

”عائد بھی پیغمبروں کو بچھڑایا۔ جب اُن سے اُن کے بھائی ہود نے کہا: کیا تم ڈرتے نہیں؟ میں تو تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں، سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو اور میں اس کا تم سے کچھ بدلہ نہیں مانگتا۔ میرا بدلہ (اللہ) رب العالمین کے ذمے ہے۔ بھلا تم جو برا چوٹی جگہ پر نشان تعمیر کرتے ہو اور مکمل بناتے ہو شاید تم ہمیشہ رو گے اور جب (کسی کو) پکڑتے ہو تو ظالمانہ پکڑتے ہو، سو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور جس نے تم کو ان چیزوں سے مدد دی، جن کو تم جانتے ہو، اس سے ڈرو۔ اس نے تمہیں چار پاؤں اور بیٹوں سے مدد دی اور پاؤں اور بیٹوں سے مدد دی، مجھ کو تمہارے بارے میں بڑے (خت) دن کے عذاب کا خوف ہے۔ وہ کہنے لگے: ہمیں خواہ نصیحت کرو یا نہ کرو ہمارے لیے کیسا ہے۔ یہ تو اللہ ہی کے طریق ہیں اور ہم پر کوئی عذاب نہیں آئے گا۔ سو انہوں نے ہود کو بچھڑایا تو ہم نے اُن کو ہلاک کر ڈالا۔ بیشک اس میں نشانی ہے اور اُن میں اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے۔ اور تمہارا پروردگار تو غالب اور مہربان ہے۔“ (الشعراء: 140-123/26)

ہود علیہ السلام کی دعوت اور قوم کا رویہ

جب ہود علیہ السلام نے انہیں اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دیا، اس کے احکام کی تعمیل کرنے اور اس سے مغفرت طلب کرنے کی ترقیب دلائی اور ایمان نہ لانے کی صورت میں دنیا اور آخرت میں سزا کی وعید بیان فرمائی، تو قوم کے کافر سرداروں نے کہا: **رَبَّنَا كَرِهْنَا لَكَ فِي سَعَادَتِكَ** ”ہم شاید تمہیں احق نظر آتے ہو۔“ (الأعراف: 66/7)

یعنی آپ ہمیں جس عقیدے کی دعوت دے رہے ہیں، وہ تو حماقت پر مبنی ہے جب کہ ہم ان بتوں کی عبادت کرتے ہیں جن سے مدد اور رزق کی امید کی جاتی ہے اور یہ درست راستہ ہے۔ علاوہ ازیں ہمارا یہ خیال ہے کہ آپ جو کہتے ہیں کہ آپ کو اللہ نہ سمجھتا ہے، آپ کا یہ دعویٰ جھوٹا ہے تو ہود علیہ السلام نے فرمایا:

يَقُولُ كَيْفَ يَكْفُرُ بِنِي سَافَهَةٍ لِكَيْتَ رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ

”بھائیو! مجھ میں حماقت کی کوئی بات نہیں بلکہ میں رب العالمین کا پیغمبر ہوں۔“ (الأعراف: 67/7)

یعنی حقیقت میں وہ نہیں جو تم گمان کرتے ہو یا عقیدہ رکھتے ہو۔ بلکہ:

اَلَيْسَ لَهُمْ رُسُلٌ رَفِیْ وَ اَنَا لَكُمْ تَاوِیْحٌ اَمِیْنٌ

”میں تمہیں اللہ کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہارا امانت دار پیغمبر خواہ ہوں۔“ (الأعراف: 68/7)

”پہنچاتا ہوں“ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اصل پیغام میں جہتوں نہیں بولا گیا، نہ اس میں کی تیش کی گئی ہے۔ اور اس لفظ میں یہ مفہوم بھی ہے کہ پیغام مختصر، فصیح اور جامع و مانع عبارت کے ذریعے پہنچایا گیا ہے، جس میں کوئی غموض، اختلاف

اَصْلَعُمْ بَشَرًا فَاَنْتَلِكُمْ اَنْتُمْ اِذَا الْخُسُوفُ۔ **اَيُّوْلُمْ اَنْتُمْ اِذَا رَامَكُمْ**۔ **وَلَنْتُمْ تَوَابًا وَعَقَابًا اَنْتُمْ مُعْرِجُونَ**۔ **فِيْهَاتَ هِيْهَاتَ لِمَا تُوعَدُونَ**۔ **اِنْ هٰی اِلَّا حَيَاتَانِ الدُّنْيَا نَبُوْتُ وَتَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ**۔ **اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌ اَفْتَرٰی عَلٰی اللّٰهِ كَذِبًا وَمَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِيْنَ**۔ **قَالَ رَبِّ اَنْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِيْ**۔ **قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لِّیُصِیْعَنَّ لَوْ يَمِیْنٌ**۔ **فَاَخَذَ لَهُمُ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ فَعَلَجَهُمْ عَذَابًا قَبْعًا يَلْقَوْنَ الزَّهْلِيْنَ** ﴿۱﴾

”پھر ان کے بعد ہم نے ایک اور جماعت پیدا کی اور انہی میں سے ان میں ایک پیغمبر بھیجا (جس نے اُن سے کہا) کہ اللہ ہی کی عبادت کرو (کہ) اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں تو کیا تم ڈرتے نہیں؟ اور ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے اور آخرت کے آنے کو جھوٹ سمجھتے تھے اور دنیا کی زندگی میں ہم نے اُن کو اسودگی دے رکھی تھی، کہنے لگے کہ یہ تو تمہارے جیسا آدمی ہے۔ جس قسم کا کھانا تم کھاتے ہو اسی طرح کا یہ بھی کھاتا ہے اور جو پانی تم پیتے ہو اسی قسم کا یہ بھی پیتا ہے اور اگر تم نے اپنے ہی جیسے آدمی کا کہنا مان لیا تو کھانے میں پڑ گئے۔ کیا یہ تم سے یہ کہتا ہے کہ تم مر جاؤ گے اور اُمی ہو جاؤ گے اور بدیوں کے سوا کچھ نہ رہے گا تو تم (زمین سے) نکالے جاؤ گے؟ جس بات کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے (بہت) بعید ہے۔ زندگی تو یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے کہ اس میں ہم مرتے اور جیتے ہیں اور ہم دوبارہ نہیں اُٹھائے جائیں گے؟ یہ تو ایک ایسا آدمی ہے جس نے اللہ پر جھوٹ افترا کیا ہے اور ہم اُس کو سامنے والے نہیں۔ پیغمبر نے کہا کہ اسے میرے پروردگار انہوں نے مجھے جھوٹا سمجھا ہے تو میری مدد کر فرما کہ وہ تمہارے ہی عرسے میں پشیمان ہو کر رہ جائیں گے۔ چنانچہ اُن کو وعدہ برحق کے مطابق زور کی آواز نے آن پکڑا تو ہم نے اُن کو کوڑا کرکٹ کر ڈالا۔ پس ظالم لوگوں پر لعنت ہے۔“ (المومنون: 41-31/23)

حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کو اللہ تعالیٰ کے انعامات یاد دلانے تاکہ وہ اپنے مالک و رازق کو پہچان جائیں مگر ان کے دلوں کا پکڑنے کے قفل پر جکے تھے۔ سورہ شعراء میں نو جملہ ای کے واقعے کے بعد ارشاد ہے:

كَذَّبَتْ عَادُ الْمُرْسَلِيْنَ۔ **اِذْ قَالَ لَهُمْ اٰخُوهُمْ هُوْدُ الْاَتَقُوْنَ**۔ **اِنِّيْ لَكُمْ رَسُولٌ اَمِيْنٌ**۔ **فَاْتَقُوا اللّٰهَ وَاطِيعُوْنَ**۔ **وَمَا اسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيْ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعَالَمِيْنَ**۔ **اَتَكْفُرُوْنَ**۔ **يٰكُلُّ رِیْجٍ اِيْةٌ تَعْبُوْنَ**۔ **وَتَقْبِضُوْنَ مَصَارِعَ اَعْلٰكُمْ تَخْلُوْنَ**۔ **وَإِذَا بَلَغْتُكُمْ لَبَاسُهُمْ جَبَّارِيْنَ**۔ **فَاْتَقُوا اللّٰهَ وَاطِيعُوْنَ**۔ **وَالْتَقُوا الَّذِيْ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْبُوْنَ**۔ **اَمَدَّكُمْ بِأَعْيَامِهِ وَبَنِيْنِهِ**۔ **وَجَنَّتِ وَعُيُوْبٌ**۔ **اِنِّيْ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يُوْمٍ عَظِيْمٍ**۔ **قَالُوْا سَوَاءٌ عَلَيْنَا اَوَّعْتُ اَمْ لَمْ تُنْكِرْ مِنْ اِلٰهِنَا**۔ **اِنْ هٰذَا اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ**۔ **وَمَا نَحْنُ بِمُعَذِّبِيْنَ**۔ **فَلَنْ يُّدْعُوَ فَاَهْلِكُنَّهُمْ اِنْ يُّذَلِكْ لَآيَةً**۔ **وَمَا كَانَ اَلْتَّوْحُّمُ مُؤْمِنِيْنَ**۔ **وَإِنْ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ** ﴿۱﴾

وہ لوگ اس بات کو بعید از قیاس اور خلاف عقل تصور کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کسی انسان کو رسول بنا کر مبعوث کر سکتا ہے۔

قدیم و جدید دور کے اکثر جاہل کفار بھی پیش کرتے رہے ہیں۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَا اِلٰى رَجُلٍ مِنْهُمْ اَنْ اَنْذِرَ النَّاسَ﴾

”کیا لوگوں کو تعجب ہوا کہ ہم نے اس ہی میں سے ایک مرد کو حکم بھیجا کہ لوگوں کو ڈرنا دے۔“ (یونس: 2/10)

اور اسی کی بات مزید فرمایا:

﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُؤْمِنُوْا اِذْ جَاءَهُمُ الْهُدٰى اِلَّا اَنْ قَالُوْا اَبَعَثَ اللّٰهُ بُشْرًا وَّرَسُوْلًا ۚ قُلْ لَّوْ كَانَتْ فِى الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ مُّسْمِعُوْنَ ۙ لَّكُنَّا عَلِيْهِمْ رٰغِبًا ۙ﴾

”اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آگئی تو ان کو ایمان لانے سے اس کے سوا کوئی چیز مانع نہ ہوئی کہ کہنے لگے کہ کیا اللہ نے آدمی کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ کہہ دو اگر کر زمین میں فرشتے ہوتے (کہ اس میں) چلنے پھرتے (اور) آرام کرتے (یعنی بسے) تو ہم ان کے پاس فرشتے کو پیغمبر بنا کر بھیجتے۔“ (نبی اسرائیل: 95, 94, 17)

اللہ تعالیٰ نے سرداران قوم کی بات نقل کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اَيَعِدْكُمْ اَلَكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّ عِطَابًا اَلَكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ۚ هٰٓيَهٗنَّ هٰٓيَهٗنَّ لِمَا تُوعَدُوْنَ ۚ اِنْ هٰٓيَ اِلَّا حَيٰٓئِنَا الَّذِىْ نُنۡبِئُكَ وَاَنۡتُمْ وَاَمَّا نَحۡنُ مُّسَيِّوُوْنَ ۚ اِنْ هٰٓؤُلَآءِ رِجَالٌ اَفۡتَرٰى عَلٰى اللّٰهِ كِبٰرًا وَّمَا نَحۡنُ لَکُمْ مُّؤْمِنُوْنَ ۚ قَالَ رَبِّ اَفۡصِرۡ بِنَا ۙ كَذٰٓبُوْنَ ۙ﴾

”کیا وہ تم سے یہ کہتا ہے کہ تم مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈیوں کے سوا کچھ نہیں رہے گا تو تم (زمین سے) نکالے جاؤ گے۔ جس بات کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے (مہرت) بعید ہے۔ زندگی تو یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے کہ اس میں ہم مرتے اور جیتے ہیں اور ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔ یہ تو ایک ایسا آدمی ہے جس نے اللہ پر جھوٹ افترا کیا ہے اور ہم اس کو ماننے والے نہیں۔ پیغمبر نے کہا کہ اسے پروردگار! انہوں نے مجھے جھوٹا سمجھا ہے، تو میری مدد کر۔“ (المومنون: 39-35/23)

وہ قیامت کو قتل کے خلاف سمجھتے تھے اور جسم کٹمی اور ہڈیوں کی صورت میں تبدیل ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ ہو جانے کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے:

﴿اِنْ هٰٓيَ اِلَّا حَيٰٓئِنَا الَّذِىْ نُنۡبِئُكَ وَاَنۡتُمْ وَاَمَّا نَحۡنُ مُّسَيِّوُوْنَ ۚ﴾

”زندگی تو یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے کہ اس میں ہم مرتے اور جیتے ہیں اور پھر نہیں اٹھائے جائیں گے۔“

یعنی بعض لوگ مر جاتے ہیں اور دوسرے پیدا ہو جاتے ہیں۔ مرنے والے زندہ نہیں ہو سکتے۔ دہریہ اور بعض جاہل زندہ یقینوں کا یہی عقیدہ ہے۔

اور ناقض نہیں۔

اس انداز سے اللہ کا پیغام پہنچانے کے ساتھ ساتھ آپ اپنی قوم کے انتہائی خیر خواہ اور شفیق تھے، آپ کی خواہش تھی کہ قوم کو ہدایت نصیب ہو جائے۔ اسی لیے وہ ان سے کسی اجرت یا معاوضے کا مطالبہ نہیں کرتے تھے، بلکہ خالصتاً اللہ کی رضا کے لیے اور مخلوق کی خیر خواہی کے جذبے سے انہیں اللہ کی طرف بلا رہے تھے۔ انہیں اگر اجرو ثواب کی ترغیب تو صرف اس ذات سے جس نے انہیں مصعب رسالت کا فائز کیا تھا۔ اس لیے انہوں نے فرمایا:

﴿يَقُوْبُ لَا اَسْأَلُكُمْ اَجْرًا ۚ اِنْ اَنْجَاۤى اِلَآىَّ الَّذِىْ فَطَرَنِيْ ۙ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۙ﴾

”میری قوم! میں اس (وعظ نصیحت) کا تم سے کچھ صلیبیں مانگتا۔ میرا صلہ تو اس کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا کیا۔ بھلا تم سمجھتے کیوں نہیں؟“ (ہود: 51/11)

یعنی کیا تمہارے پاس عقل نہیں جس سے تم یہ بات سمجھ سکو کہ میں تمہیں واضح حق کی طرف بلا رہا ہوں، جس کی گواہی تمہاری فطرت بھی دیتی ہے۔ یہ وہی سچا دین ہے، جسے اللہ نے نوح علیہ السلام کو دے کر مبعوث فرمایا تھا اور آخر کار ان کے مخالفین کو تباہ کر دیا تھا۔ بلکہ میں اسی اللہ سے اجرو ثواب کا طالب ہوں جو ہر قسم کے نفع اور نقصان کا مالک ہے۔ سورہ نبت

میں جس مرد مومن کا ذکر ہے، اس نے بھی یہی کہا تھا:

﴿اَلَا تَعۡلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ اَفۡصَحُّ مِنْۢ مَا تَقُوْلُوْنَ ۚ وَمَا لِیْ لَا اَعۡبُدُ الَّذِىْ فَطَرَنِيْ ۙ وَلَیۡسَ لِّیۡ تَوَحُّوۡنَ ۙ﴾

”اے لوگوں کے پیچھے چلو جو تم سے صلیبیں مانگتے اور وہ سیدھے راستے پر ہیں۔ اور مجھے کیا ہے کہ میں اس کی پرستش نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور اسی کی طرف تم کو لٹ کر جاتا ہے۔“ (نبت: 22, 21, 36)

جوہد علیہ السلام نے سرداران قوم کا رویہ: آپ کی قوم نے نہ صرف آپ کی نبوت کا انکار کیا بلکہ یم آخرت کو بھی محض جھوٹ تصور کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے باطل قیاسات کو یوں بیان فرمایا ہے:

﴿وَقَالَ السَّالِمٰٓئِنۡ قَوْمِہٖ الَّذِیۡنَ کَفَرُوْا وَلَکُنَّا بِاِلۡقَآءِ الْاَخۡبَرِ وَاَنۡتُمْ فِیۡ الْحَیۡوٰۃِ الدُّنۡیَا مَا عَلٰٓیٰ اِذۡ بَشَرۡ فَعَلۡکُمْ یَا کُلُّ وِمَا تَاکُوْنَ مِنْہٗ وَیَشۡرَبُ وَیَمۡسُرُوْنَ ۙ وَلَکِنۡ اَطَعۡتُمۡ بُشۡرًا وَّفَعَلۡکُمۡ اَلۡکُمۡ اِذَا الْخَبِرُوْنَ ۙ اَیَعِدۡکُمۡ اَلۡکُمۡ اِذَا مِتُّمْ وَکُنْتُمْ تُرَابًا وَّ عِطَابًا اَلۡکُمۡ مُّخۡرَجُوْنَ ۙ﴾

”اُن کی قوم کے سردار جو کافر تھے اور آخرت کے آنے کو جھوٹ سمجھتے تھے اور دنیا کی زندگی میں ہم نے اُن کو آسودگی دے رکھی تھی، کہنے لگے کہ یہ تو تمہارے جیسا آدمی ہے۔ جس قسم کا کھانا تم کھاتے ہو اسی طرح کا یہ بھی کھانا ہے اور جو پانی تم پیتے ہو، اسی قسم کا یہ بھی پیتا ہے اور اگر تم نے اپنے ہی جیسے آدمی کا کہاں لیا تو گھاسے میں پڑ جاؤ گے۔ کیا یہ تم سے یہ کہتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی ہو جاؤ گے اور اتھوان (یعنی ہڈیوں کے سوا کچھ نہیں رہے گا) تو تم (زمین سے) نکالے جاؤ گے۔“ (المومنون: 35-33/23)

تاج کا عقیدہ رکھنے والے کہتے ہیں کہ مرنے والے تیس ہزار (36000) سال بعد دوبارہ اسی دنیا میں آ جاتے ہیں۔ یہ ساری باتیں جھوٹ، کفر، جہالت اور گمراہی پر مشتمل ہیں۔ یہ غلط اقوال اور فاسد خیالات ہیں جن کی کوئی دلیل نہیں۔ اس سے انسان میں سے انہی بدکار کافروں کی قتل سائر ہوتی ہے جو ہم و ہدایت سے محروم ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلِيَصْلِيَ إِلَيْهِ أَهْلُ الْآلِزِينَ كَالْيَوْمُونِ بِالْآخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوا مَا هُمْ مُقْتَرِفُونَ﴾

”اور وہ (ایسے کام) اس لیے بھی (کرتے تھے) کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل ان کی باتوں پر مائل ہوں اور وہ انہیں پسند کریں اور جو کام وہ کرتے تھے وہی کرتے لگیں۔“ (الأنعام: 113/6)

حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کو ظلم، ربانی کی روشنی میں ہدایت فرمائی جبکہ وہ اپنی بات پڑنے رہے کہ ہم دوبارہ زندہ نہیں کیے جائیں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اتَّبِعُونِ بَعْثًا رَّبِّكُمْ نَبِيًّا وَتَعْبُدُونِ مَصَاحِعَ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ﴾

”بھلا تم جو ہر اونچی جگہ پر نشان تعمیر کرتے ہو وہاں لوگ بناتے ہو شاید تم ہمیشہ رہو گے؟“ (الشعراء: 129, 128/26)

یعنی انہیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم ہر بلند مقام پر بڑی بڑی عظیم عمارتیں عمارتیں وغیرہ تعمیر کرتے ہو جن سے محض دل خوش کرنا مقصود ہوتا ہے اور تمہیں ان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ بات اس لیے فرمائی گئی ہے کہ وہ لوگ حیوانوں میں رہتے تھے۔ جیسے کہ ارشاد ہے:

﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ﴾

”کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ آپ کے پروردگار نے عاد کے ساتھ کیا کیا؟ ستونوں والے ارم کے ساتھ جس کی مانند (کوئی قوم) ملکوں میں پیدا نہیں کی گئی۔“ (الفجر: 8/68/8)

عاد ارم سے عادی بنی مراد ہے۔ وہی لوگ ستونوں پر کھڑے ہوئے حیوانوں میں رہائش رکھتے تھے۔ یہ کہنا غلط اور بلا دلیل ہے کہ ”ارم“ سونے چاندی کا بنا ہوا ایک شہر ہے، جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا رہتا ہے۔

﴿تَعْبُدُونَ مَصَاحِعَ﴾ کا مطلب بعض علماء نے ”مائل“ بیان کیا ہے۔ بعض نے فرمایا: ”اس سے مراد احمام ہیں،“ بعض نے فرمایا: ”یہ پانی لینے کی جگہیں تھیں۔“ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ کا مطلب یہ ہے کہ تم دنیا میں طویل عرصہ تک زندہ رہنے کی امید پر یہ سب کچھ بناتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ہود علیہ السلام کی نصیحت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَإِذْ أَنْتُمْ بِطُغْيَانِكُمْ جِبَارِينَ فَأَنقَضَ اللَّهُ وَأَطَاعُونَ وَأَنقَضَ إِلَيْنَا أَعْدَاكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ أَعْدَاكُمْ بِأَعْيَارِهِمْ وَبَيْنَ وَجْهَتِ وَبَيْنَ إِيَّانَا خَافَ عَلَيْهِمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيمٍ﴾

”اور جب تم (کسی کو) بکارتے ہو تو ظالمانہ بکارتے ہو۔ سو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اور اس سے ڈرو جس

نے تم کو ان چیزوں سے مدد دی جن کو تم جانتے ہو اور اس نے تمہیں جانوروں اور بیٹوں سے مدد دی اور باغوں اور چشموں سے۔“ کچھ کتبہ بارے بارے میں بڑے (تخت) دن کے عذاب کا خوف ہے۔“ (الشعراء: 130-135/26)

ان لوگوں نے جواب میں کہا:

﴿سَاءَ عَلَيْنَا أَوْ عَظَمَ أَمْرُ تَكُنْ مِنَ الْوَاعِظِينَ إِنَّ هَذَا إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِينَ وَمَا تَنْهَى بِمَعْنَاهُمْ﴾

”خواہ نصیحت کرو یا نہ کرو ہمارے لیے یکساں ہے۔ یہ تو اگلے لوگوں ہی کے طریق ہیں اور ہم پر کوئی عذاب نہیں آئے گا۔“ (الشعراء: 136-139/26)

لفظ خلق [خاء] کی زبر سے [خلق] بھی پڑھا گیا ہے اور پیش سے [خُلُق] بھی۔ زبر کی صورت میں اس کا یہ مطلب ہوگا کہ یہ پہلے لوگوں کی گھڑی ہوئی باتیں ہیں۔ یعنی آپ جو باتیں سناتے ہیں، یہ خود آپ کی بنائی ہوئی ہیں، جنہیں آپ نے گزشتہ زمانے کی کتابوں سے اخذ کیا ہے۔ متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس لفظ کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔ [خاء] اور [لام] کی پیش کے ساتھ [خُلُق] سے مراد دین ہے۔ یعنی ہم لوگ دین پر ہیں، یہ ہمارے آباء و اجداد اور بزرگوں کا دین ہے۔ ہم اسے ترک نہیں کریں گے بلکہ اسی پر مضبوطی سے قائم رہیں گے۔ ﴿وَمَا تَنْهَى بِمَعْنَاهُمْ﴾ کا جملہ دونوں قراءتوں سے مناسبت رکھتا ہے۔

قوم نے ہود علیہ السلام سے یہی کہا:

﴿أَجَعَلْنَا لِعِبَادِ اللَّهِ وَحْدَهُ وَنَدَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا فَأَتَيْنَا بِمَا تَعْبُدُونَ إِن كُنْتُمْ مِنَ الصَّادِقِينَ﴾

”کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہم اکیلے اللہ ہی کی عبادت کریں اور جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے آج ہیں ان کو چھوڑ دیں؟ تم اگر سچے ہو تو جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو اسے ہم پر لے آؤ۔“ (الأعراف: 70/7)

یعنی کیا آپ اس لیے آئے ہیں کہ ہم ایک ہی اللہ کی عبادت کریں اور اپنے آباء و اجداد کی مخالفت کریں اور ان کا راستہ چھوڑ دیں۔ اگر آپ اپنے دعوے میں سچے ہیں تو وہ عذاب لے آئیں جس سے ہمیں ڈراتے رہتے ہیں۔ ہم آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ آپ کی پیروی نہیں کریں گے، آپ کو سچا نہیں مانتیں گے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے ہر ممکن کوشش کی لیکن وہ سچے کچھنے کا نام ہی نہ لیتے تھے بالآخر انہوں نے کہا:

﴿قَدْ وَفَّقَ عَلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ رَجْسٌ وَغَضَبٌ أَتَجَادُّ لَوْ كُنْتُمْ فِي آسَاءٍ سَمِعْتُمْوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا نَزَّلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ فَانْتَظِرُوا إِلَيْنَا مَحَلَّكُمْ مِنَ الْمُنْتَضِينَ﴾

”تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب (کا نازل ہونا) مقرر ہو چکا ہے۔ کیا تم مجھ سے ایسے ناموں

جن کی اللہ کے سوا (عبادت کرتے ہو وہ اور) تم سب مل کر میرے بارے میں (جو) تدبیر (کرتی جا ہو) کر لو اور مجھے مہلت نہ دو۔“ (ہود: 55, 54/11)

حضرت ہود علیہ السلام نے ان الفاظ کے ساتھ انہیں چیلنج کر دیا، ان کے معبودوں سے لاتعلقی کا اظہار فرمایا، ان کی حقیقت فرمائی اور واضح فرمایا کہ یہ بت کوئی فائدہ یا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ یہ تو بے جان مبادات ہیں، جو حکم دوسرے مبادات کا ہے، وہی حکم ان بتوں کا ہے۔ جتنی طاقت دوسرے پتھروں میں ہے اتنی ہی ان میں ہے۔ اگر تمہارا خیال درست ہے کہ یہ کسی کی مدد کر سکتے ہیں یا نفع دے سکتے ہیں تو میں اعلان کرتا ہوں کہ میں ان سے لاتعلقی ہوں، ان پر اعتقاد بھیجتا ہوں، تم اپنے تمام وسائل اور پوری طاقت سے جو کچھ کر سکتے ہو، اس کا پروگرام طے کر کے کر ڈالو، مجھے ایک گھڑی کی بھی مہلت نہ دو، مجھے تمہارا کوئی خوف اور پروا نہیں۔ مزید فرمایا:

﴿إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُم مَّا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا إِنَّ رَبِّي عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾

”میں اللہ پر جو میرا اور تمہارا (سب کا) پروردگار ہے، بھروسہ رکھتا ہوں۔ (زمین پر) جو بھی چلنے پھرنے والا ہے وہ (اللہ تعالیٰ) اُس کو چوٹی سے پکڑے ہوئے ہے۔ بیشک میرا پروردگار میرے راستے پر ہے۔“ (ہود: 56/11)

یعنی میرا اعتماد اللہ پر ہے جو کوئی اس کی پناہ میں آئے اور اس کا سہارا طلب کرے، اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

ہود علیہ السلام کا یہ چیلنج ناقابل تردید ثابت ہے کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے اور مخالفین جہالت اور گمراہی کی وجہ سے غیر اللہ کی عبادت میں مشغول تھے۔ کیونکہ وہ لوگ ہود علیہ السلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، نہ کوئی تکلیف دے سکتے، اس سے ثابت ہو گیا کہ ہود علیہ السلام کا پیغام سچا تھا اور ان لوگوں کا عقیدہ باطل اور غلط تھا۔ اس سے پہلے نوح علیہ السلام نے بھی یہی دلیل پیش کی تھی۔ فرمایا:

﴿يَقُولُونَ إِنْ كَانَ كَلِمَتُهُمْ مَقَامِي وَتَذَكَّرِي بِأَيْدِي اللَّهِ فَقُلِّي اللَّهُ تَوَكَّلْتُ فَأَجْعَلُوا أَمْرَهُمْ وَشُرَكَاءَهُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُهُمْ عَلَيْهِمْ غَنَةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُون﴾

”اے میری قوم! اگر تم کو میرا تم میں رہنا اور اللہ کی آجیوں سے نصیحت کرنا ناگوار ہو تو میں تو اللہ پر بھروسہ رکھتا ہوں۔ تم اپنے شریکوں کے ساتھ مل کر ایک کام (جو میرے بارے میں کرنا جا ہو) مقرر کرو اور وہ تمہاری تمام جماعت (کو معلوم ہو جائے اور کسی) سے پوشیدہ نہ رہے۔ پھر وہ کام میرے حق میں کر گزرا اور مجھے مہلت نہ دو۔“ (یونس: 71/10)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی یہی بات فرمائی تھی:

﴿وَلَا آخَافُ مَا تُشْرِكُونَ يَا إِلَهَ آدَمَ رَبِّي قَدْ شِئْنَا وَبِيعَ رَحْمَتِي عَلَىٰ عَالَمٍ فَلَا تَسْتَكْبِرُونَ وَكَيْفَ آخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَتَكْتُمُونَ بِأَلْسِنَتِكُمْ مَا يَلْمِزُكُم بِأَلْسِنَتِكُمْ وَمَا لَكُمْ بِمُتَزَلِّ بِهِ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ﴾

کے بارے میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے (اپنی طرف سے) رکھ لیے ہیں جن کی اللہ نے کوئی سزا نہیں دی۔ تو تم بھی انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔“ (الأعراف: 71/7)

یعنی یہ بات کہہ کر تم اللہ کے عذاب اور غضب کے مستحق ہو گئے ہو۔ کیا تم اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کا موازنہ اپنے تراشے ہوئے بتوں کی پوجا سے کرتے ہو؟ حالانکہ انہیں خود تم نے معبود قرار دیا ہے۔ یہ تمہارا اور تمہارے باپ دادا کا فیصلہ ہے جس کی تائید میں اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل فرمائی۔ اب جب تم نے حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے اور باطل پر اصرار کر رہے ہو تو میرا تمہیں ان اعمال بد سے منع کرنا اور منع نہ کرنا برابر ہے۔ اس لیے اب اللہ کے اس عذاب کا انتظار کرو جو تم پر نازل ہونے والا ہے اور جسے روکا نہیں جا سکتا۔

ہود علیہ السلام کی قوم نے یہ بھی کہا:

﴿يَهُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَاتٍ وَمَا تَعْنِي بَيِّنَاتِي أَلَيْسَتُنَا بِمُؤْمِنِينَ إِنَّ نَقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ﴾

”اے ہود! تم ہمارے پاس کوئی دلیل ظاہر نہیں لائے آئے اور ہم (صرف) تمہارے کہنے سے نہ اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے ہیں اور نہ تم پر ایمان لانے والے ہیں۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تمہیں آسیب پہنچا (کر دیوانہ کر دیا ہے۔“ (ہود: 54, 53/11)

یعنی آپ نے کوئی فرق عبادت معجزہ نہیں دکھایا جو آپ کے پیغام کے سچا ہونے کی دلیل بن سکے۔ آپ کے بے دلیل قول کی بنیاد پر تو ہم اپنے بتوں کی عبادت ترک نہیں کر سکتے۔ ہمیں تو محسوس ہوتا ہے کہ آپ پاگل ہو گئے ہیں اور ہمارے خیال میں اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہمارے کسی معبود کا غضب آپ پر نازل ہوا ہے، اس نے آپ کی عقل کو متاثر کر کے جنوں میں مبتلا کر دیا ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام کا بتوں سے اعلان براءت

جب قوم نے دعوت توحید کو تسلیم نہ کیا بلکہ اپنے بتوں کے بارے میں اپنے اعتقاد کا زیور دست اظہار کیا تو حضرت ہود علیہ السلام نے ان کے معبودان باطلہ سے بے زاری اور براءت کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿إِنِّي أَشْهَدُ اللَّهَ وَآلِهَتَهُ وَأَنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ ۚ مِنْ دُونِهِ فَلَئِنْ دُعِيتُ لَأَجِيبَنَّكُمْ﴾

”میں اللہ کو گواہ بنا ہوتا ہوں اور تم بھی گواہ ہو کہ جن کو تم (اللہ کا) شریک ٹھہراتے ہو میں اُن سے بیزار ہوں۔ (تم

﴿فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ نَحِسَاتٍ﴾

”پس ہم نے اُن پر نحوست کے دنوں میں زور کی ہوا چلائی۔“ (ختم السجدہ: 16، 41)

یہ تو معلوم ہی ہے کہ وہ آٹھ مسلسل ایام تھے۔ اگر یہ دن بڑا نہ نحوس ہوں تو ہفتے کے ساتوں دن نحوس ہونے چاہئیں جن میں عذاب جاری رہا اور اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ اسل میں ﴿نَحِسَاتٍ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ یہ دن ان کافروں کے لیے نحوس تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَفِي عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَةَ ۖ مَا تَدَّرُّ مِنْ شَيْءٍ ؕ آتَتْ عَلَيْهِمُ الْآلُ جَعَلَتْهُ كَالْأُتُومِ ۖ﴾

”اور عاد (کی قوم کے حال) میں بھی (نشانے ہی) جب ہم نے اُن پر نامبارک ہوا چلائی۔ وہ جس چیز پر چلتی اس کو

ریزہ پر ریزہ کیے بغیر نہ چھوڑتی۔“ (الذاریات: 42، 41، 51)

یعنی جس سے کوئی خیر حاصل نہ ہوئی کیونکہ ایک اکیلی (یک طرفہ) ہوا سے نہ پادل اٹھتے ہیں، نہ درخت بار آور ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ ”باجھ“ کہلاتی ہے یعنی اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ اور وہ چیز کو اس طرح ٹوٹی پھوٹی تباہ حال کر دیتی تھی کہ اس سے کسی قسم کا فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میری مدد صبا (شرقی ہوا) کے ذریعے سے کی گئی اور عاد کو دبور (مغربی ہوا) کے ذریعے سے تباہ کیا گیا۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَذِّنْ لَنَا عَاقِبَةً إِذْ أَنْزَلْنَا قَوْمَهُمُ بِالْأَحْقَافِ وَقَدْ خَلَّتِ النُّجُودُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ أَلَّا يُعِيدُوا إِلَّا اللَّهُ إِنَّا أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۖ﴾

”اور (قوم) عاد کے بھائی (دبور) کو یاد کرو جب انہوں نے اپنی قوم کو سرزمینِ احقاف میں ہدایت کی اور اُن سے پہلے اور پیچھے بھی ہدایت کرنے والے گزر چکے تھے (جو کہتے تھے) کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ مجھے تمہارے بارے میں بڑے دن کے عذاب کا ڈر لگتا ہے۔“ (الاحقاف: 21، 46)

مزید فرمایا:

﴿فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُسْتَقْبِلَ أَوْدِيَّتِهِمْ قَالُوا هَذَا عَارِضٌ مُبْطِنٌ أَتَى هَؤُلَاءَ مَا سَجَعْتُمْ بِهِمْ يَوْمَ نُنْفِخُ فِيهِمُ عَذَابَ الْآلِيمِ ۖ﴾

① صحيح البخاري: بدء الخلق باب ما جاء في قوله ﴿يَوْمَ نُنْفِخُ فِيهِمُ عَذَابَ الْآلِيمِ﴾ وهو الذي يرسل الرياح..... الحديث: 3205 و صحيح مسلم: صلاة

الاستسقاء: باب في ريح الصبا والدبور: حديث: 900

والے نہیں تھے اور تمہارا پروردگار تو غالب (اور) مہربان ہے۔“ (الشعراء: 140، 139، 26)

تفصیلی بیان کی مثال سورۃ الاحقاف کے حوالے سے گزر چکی ہے۔ اس میں عذاب کی ابتدا کا ذکر ہے کہ شروع میں ان سے بارش روک لی گئی تھی اور وہ قحط میں مبتلا ہو گئے تھے۔ انہوں نے بارش کی دعا کی۔ اس کے بعد انہیں آسمان میں پادل نظر آیا تو انہوں نے اسے رمت کی بارش والا پادل سمجھا حالانکہ وہ عذاب والا پادل تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهِ ۖ﴾ (الاحقاف: 24، 46) ”یہ وہی ہے جس کے جلدی آنے کا تم مطالبہ کرتے تھے۔“ یعنی عذاب ہے۔ اس میں ان لوگوں کے اس قول کی طرف اشارہ ہے: ﴿فَاتَيْنَا بِمَا تَعِدُونَ إِنَّا لَنُكْتِمُ مِنَ الظَّاهِرِينَ﴾ (الاحقاف: 22، 46) ”اگر تو سچا ہے تو وہ عذاب لے آ جس کا ہم سے وعدہ کرتا ہے۔“

تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کی وضاحت اس طرح کی:

﴿سَجَعَهَا عَلَيْهِمْ سَنِعَ لَيَالٍ وَكُنُيَّةَ آيَاتٍ حُوسَمًا﴾

”اللہ نے اُس کو سات رات اور آٹھ دن لگاتار نپ پر چلائے رکھا۔“ (الحاقة: 7، 69)

یعنی پوری مدت یہ آندھی مسلسل چلتی رہی۔ ایک قول کے مطابق اس عذاب کی ابتداء جمعہ کے دن ہوئی تھی اور ایک قول کے مطابق بدھ کے دن۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَى كَأَنَّهُمْ أُعِجَزُوا تُخَلِّ خَاوِيَةً ۖ﴾

”سو (اے خطاب!) تو لوگوں کو اس میں (اس طرح) گرے (مرے) پڑے دیکھے، جیسے کھجوروں کے کھوکھلے

تھے۔“ (الحاقة: 7، 69)

انہیں کھجور کے درختوں کے ایسے تنوں سے تشبیہ دی گئی ہے جن کے سرے الگ ہو چکے ہوں۔ کیونکہ ہوا اُدی کو اٹھا کر اوپر لے جاتی تھی، پھر اسے سر کے بل چپکد دیتی تھی، جس سے سر پاش پاش ہو جاتا اور دھڑ باقی رہ جاتا۔ جیسے کھجور کا تھار جس کا پتوں اور پھلوں والا حصہ کاٹ دیا گیا ہو، وہ پڑا ہوتا ہے چنانچہ فرمایا:

﴿إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي يَوْمٍ نَحْسٍ مُسْتَوِيٍّ ۖ تَنْزِيلُ النَّاسِ كَأَنَّهُمْ أُعِجَزُوا تُخَلِّ مُنْقَرِعَةٍ ۖ﴾

”ہم نے اُن پر سخت نحوس دن میں آندھی چلائی۔ وہ لوگوں کو (اس طرح) اکھیرے ڈال دیتی تھی گویا اکھڑی ہوئی

کھجوروں کے تھے ہیں۔“ (الغمر: 19، 54، 20)

یعنی وہ دن ان کے لیے نحوس تھا جس کا عذاب ان پر ہمیشہ رہے گا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ﴿يَوْمٍ نَحْسٍ مُسْتَوِيٍّ﴾ ”مسل نحوست والا دن۔“ بدھ کا دن ہے۔ اس وجہ سے وہ بدھ کو نامبارک دن قرار دیتے ہیں۔ یہ تصور غلط ہے اور قرآن کے خلاف ہے کیونکہ دوسری آیت میں ارشاد ہے:

اور یہی قول صحیح ہے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس آیت میں قوم شود کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اس کے بعد ارشاد ہے:

﴿فَاَخَذْنَاهُمُ الصَّيْحَةَ بِالْبَاقِ فَجَعَلْنَاهُمْ لَعْنَةً﴾

”تو انہیں وعدہ برحق کے مطابق زور کی آواز نے آن پکڑا۔ تو ہم نے ان کو کوا کرکٹ کر ڈالا۔“ (المؤمنون: 41/23)

اور چچ بھی تیز آواز سے صالح علیہ السلام کی قوم کو تباہ کیا گیا تھا۔ اور قوم عاد کی بابت ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاَهْلِكُوا بِرِيحِ صَوَّارٍ عَاتِيَةٍ﴾ ”انہیں نہایت تیز آنندھی سے تباہ کر دیا گیا۔“ (الحاقة: 6/69)

ان حضرات اس قول کے باوجود یہ ناممکن نہیں کہ اس قوم پر چچ کا عذاب بھی آیا ہو اور آنندھی کا عذاب بھی، جیسے مدین والے اصحاب الا یکہ تھے کہ ان پر کئی قسم کا عذاب بیک وقت نازل ہوا۔ پھر اس پر بھی اتفاق ہے کہ قوم عاد کا زمانہ شمود سے پہلے کا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ عاد کے لوگ اکھڑ مزاج، سرکش، کافر اور بت پرست تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک شخص (کول) بنا کر ان میں بھیجا، جس نے انہیں اللہ کی طرف، اس کی توحید اور خالصت اس کی عبادت کی طرف بلا لیا۔ انہوں نے اس کی تکذیب، مخالفت اور گستاخی کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی شدید سزا کی لپیٹ میں لے لیا۔



إِلَّا اعْتَلِكَ بَعْضُ الْيَهُنَّا ۖ

”اے ہوں تو ہمارے پاس کوئی دلیل تو لایا نہیں اور ہم صرف تمہارے کہنے پر اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور نہ تم تجھ پر ایمان لانے والے ہیں بلکہ تم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تجھے آسیب لگا دیا ہے۔“

(ہود: 53/11)

جب دلائل و براہین سے حق واضح کر دیا گیا، حق تبلیغ پورا ہو گیا، کفار کا کفر و شرک اور ظلم و عناد و تمام حدود و پھیلاؤ گم ہو گیا تو منت اللہ کے پورے ہونے کا وقت آ گیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿رَبَّنَا أَسْكَنْتَ لَهُمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي يَوْمِ نَحْضٍ مُّتَّبِعٍ ۖ يَنْبَغِ النَّاسُ أَنْ لَهُمْ أَعْجَازٌ يُخْلَفُ فَتَنْقِصْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ عَدَابِي وَنُذُرِي ۖ﴾

”ہم نے ان پر تیز و تند مسلسل جلنے والی ہوا ایک پیہم نموس دن میں بھیج دی، جو لوگوں کو اٹھا اٹھا کر دے بچتی تھی گویا کہ وہ جڑ سے کٹے ہوئے کھجور کے ستنے تھے۔ پس کہی رہی میری سزا اور ہوا اڑانا؟“ (القمر: 20, 19/54)

اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس سرکش و مغرور، بد دماغ اور شرک قوم کو با دھڑ سے تباہ و برباد کر دیا۔ یہ ایک تندر تیز، سخت و تیز اور شور مچاتی ہوئی ہوائی جو ان پر مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن چلتی رہی۔ یہ ہوا ان کافروں کو ان کے معبود قلعوں اور محلات سے اٹھاتی اور زمین پر پڑھتی جی جس سے ان کے سر دھڑ سے جدا ہو جاتے اور وہ لیے تر پڑ جاتے، کھجور کے تنوں کی طرح زمین پر گر پڑتے۔

﴿خَلْقِي كَاجَوَابِ نَرِي سَے، بد تہذیبی کا جواب اخلاق سے دینا: حضرت ہود علیہ السلام کے قصے سے داعیانِ توحید و رسالت کو یہ درس ملتا ہے کہ انہیں اس مقدس فرض کی ادائیگی میں ہمیشہ نرم و خیر میں بیان ہونا چاہیے۔ تکلیفوں کا جواب خندہ پیشانی سے دینا چاہیے۔ بے ہودہ کوئی اور استہزاء کا جواب اخلاق و آداب سے دینا چاہیے تاکہ دعوت حق منکرین کے دلوں میں پیوست ہو جائے۔ نیز اس ضمن کو بے لوث ہو کر ادا کرنا چاہیے جیسا کہ حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:

﴿يَقَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنِ اجْتَبَىٰ إِلَيَّ رَأْيُ الْإِنْسَانِ فَكُلُوهُنَّ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۖ﴾

”اے میری قوم! میں تم سے اس کی کوئی اجرت نہیں مانگتا، میرا اجلاس کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ کیا پھر تم عقل سے کام نہیں لیتے؟“ (ہود: 51/11)

آپ کے اس اسلوبِ خطاب سے یہ بھی درس ملتا ہے کہ جنہیں دعوت حق دی جائے انہیں اچھے اچھے ناموس سے پکارا جائے تاکہ انہیں رغبت ہو، جیسا کہ حضرت ہود علیہ السلام نے کافروں کو بھی ”میری قوم“ کہہ کر مخاطب کیا۔

﴿يَا نَادِي رُودِي أَوْرَاسْتَمَالُ كَا دَرَسَ: حضرت ہود علیہ السلام کے قصے سے سیانہ رُودی اور استمال کا درس ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

نَسَاجُ وَفَوَالِدُ عَنْ يَدِ رُوحِ كَبِيرِي

﴿قَوْمِ عَادُ كَا مَسْكَنُ: حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کا اللہ تعالیٰ نے مضبوط اور قوی اجسام سے نوازا تھا۔ سخت اور بلند و بالا پہاڑوں کو تراش کر خوبصورت محلات تعمیر کرنے میں ان کا عانی نہیں تھا۔ ان کی زمینیں سرسبز و شاداب اور ہر قسم کے باغات سے آراستہ تھیں۔ ان کو قرآن مجید میں ”احفاد“ والے لگا دیا گیا ہے۔ احفاد کے معنی ریت کے اونچے ٹیلے ہیں۔ یہ صحرائے عرب کے جنوب مغربی حصے کا نام ہے۔ ان کے اکثر قبائل عمان سے حضرموت اور یمن تک پھیلے ہوئے تھے۔ ان کا مسکن یمن تھا جبکہ ان کی اکثر آبادی حضرموت اور یمن میں بحیرہ عرب کے سواحل کے آس پاس تھی۔

﴿آبَاءُ وَاجِدَادُ كَا اندھی تقلید کا خوفناک انجام: دیگر اقوام کی طرح ہود علیہ السلام کی قوم بھی اس مرض بکا شکار تھی۔ آباء و اجداد کے باطل طریقوں کو چھوڑنا اور ہود علیہ السلام کی دعوت حق کو قبول کرنا ان کے لیے عمل تھا۔ ان کے لیے یہ تصور ناقابل قبول ہو گیا کہ اتنی بڑی کائنات کو صرف ایک ہستی چلا رہی ہے جبکہ انہوں نے اولاد کے حصول کے لیے اور کھیتوں، بارش اور کاروبار میں نفع و نقصان کا مالک دوسرے بتوں کو بنا رکھا تھا۔ دشمنوں پر فتح کے لیے الگ بت تھا۔ صحت و تندرستی کسی سے حاصل ہوتی تھی تو دولت و امارت کسی اور سے۔ اس طرح انہوں نے اپنے لیے بے شمار داتا، غریب نواز، تنگ بخش اور غوث و دیگر بنائے ہوئے تھے۔ ان کے بڑے بڑے مشکل کشا یہ تھے: ① صمدو۔ ② صمداء اور ③ اھما۔ بالآخر ان بتوں کی پوجا اور آباء و اجداد کی اندھی تقلید ان کے خوفناک انجام کا سبب بنی اور یہ دھیرا ان کی کوئی مدد نہ کر سکے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلُوْا لَا تَصْرَهُمُ الْاَنۡبِيَاۗءُ وَ مِنْ دُوۡنِ اللّٰهِ فَرۡبَاۗءَا۟ ۚ اَللّٰهُ دَبۡلٌ صَلَوۡا عَلَیْہِمْ ؕ وَ ذٰلِکَ اِقۡمُہُمْ وَ مَا کَانُوۡا یَعۡتَرُوۡنَ ۖ﴾

”پس قرب الہی کے حصول کے لیے انہوں نے اللہ کے سوا جن کو اپنا معبود بنا رکھا تھا انہوں نے ان کی مدد کیوں نہ کی؟ بلکہ وہ تو ان سے کھو گئے، (بلکہ دراصل) یہ ان کا گھٹس جھوٹ اور (بالکل) بہتان تھا۔ (الاحقاف: 28/46)

﴿بَاوَصَرُورِ نَحْوَسْتِ كَا ایم: حضرت ہود علیہ السلام نے بتوں کی پجاری قوم کو ہر طرح کے دلائل و براہین سے توحید کی دعوت دی اور انہیں ایک اللہ پروردگار کی عبادت پر یکسو کرنے کی کوشش کی مگر بتوں کی پوجا میں غرق، آباء و اجداد کے رسوم و رواج کی تقلید میں اندھی قوم نے طرح طرح کے دلائل دیکھنے سننے کے باوجود آپ کو جواب دیا:

﴿يَهُودُ مَا جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَ بَيْنَهُنَّ خَتَا ۚ نَحْنُ بَتَارِكِي الْيَهُنَا عَنْ قَوْلِكَ وَ مَا نَحْنُ اِلَّا بِمُؤَيِّنِيۖنَ ۖ اِنۡ اَنۡقُلُوْا

اس طرح آپ نے کفار و مشرکین کو جواب کر دیا۔ آپ کی اس جرأت کا سبب بھی قرآن مجید نے بیان فرمایا ہے تاکہ تاقیامت آنے والے داعیانِ حق اسی صفت کو اپنا کر میدانِ دُخت و ارشاد میں اتریں۔ آپ نے فرمایا تھا:

﴿إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ وَرَبِّيَ وَرَبُّكُمْ﴾

”میرا بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہے جو میرا اور تم سب کا پروردگار ہے۔“ (ہود: 56/11)

لہذا جو بھی داعی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے خوف کو امن اور کمزوری کو قوت و طاقت سے بدل دیتا ہے۔
توبہ و استغفار کے فوائد و ثمرات: تاریخِ انسانی کے مطالعے سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ جب کسی معاشرے میں ظلم و عدوان، سرکشی، فتنہ و فساد، قتل و غارتگری، کفر و شرک اور دیگر معاصی پھیل جاتے ہیں، شکر گزار کی بجائے ناشکری عام ہو جاتی ہے تو پھر ایسے معاشرے اور ملک عذاب الہی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ تنکیر و جابر قومی مٹ جاتی ہیں اور ناز و نعم میں وادیش دینے والی ہمتیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ اس طرح گناہ نہ صرف انسانی جسم و عقل کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں بلکہ اجتماعی نظامِ حیات کے لیے بھی بھگنا ثابت ہوتے ہیں۔

لیکن اگر قومیں توبہ و استغفار کے ذریعے سے اپنے گناہوں سے رجوع کر لیں اپنے رب کی شکر گزار بن جائیں تو پروردگار عالم نہ صرف ان کی نعمتوں میں اضافہ فرما دیتا ہے بلکہ ان قوموں کو طویل عرصہ تک نعمتوں سے مستفید ہونے کا موقع دیتا ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام بھی اپنی قوم کو اسی حقیقت سے روشناس کراتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿يٰۤاَيُّهَا السَّعْدِيُّونَ اَسْمِعُوْنِيْ سَمْعَكُمْ فَاَنْصِتُوْا لِّىْٓ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ

وَ لَا تَتَوَلَّوْا مُجِبِيْنَ

”اے میری قوم کے لوگو! تم اپنے پالنے والے سے اپنی تقصیروں کی معافی طلب کرو اور اس کی جناب میں توبہ کرو تاکہ وہ برسنے والے بدل تم پر بھیج دے اور تمہاری قوت پر اور قوت بڑھا دے اور تم گناہ گار ہو کر روگردانی نہ کرو۔“ (ہود: 52/11)

توبہ و استغفار، گناہوں کی معافی، رزق میں ترقی اور قرب الہی کے حصول کا اہم ذریعہ ہے۔ توبہ کی طرف وہی شخص متوجہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ہر قسم کے غم و اندوہ سے بے پروا کر دیتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ

”اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے نکلنے کے لیے راستہ بنا دیتا ہے۔ اور ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جہاں

اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔“ (الطلاق: 3/2/65)

آپ کی قوم کو پہلوں سے لدے بغاوت جاری چشموں اور اہلبائی کھیتوں سے نوازا تھا۔ انہیں مضبوط اور قوی بنایا تھا اور بلند قد و قامت عطا کی تھے۔ بجائے اس کے کہ وہ نعمتوں کی فراوانی پر شکر بجالاتے، وہ بیش و عشرت اور فخر و مہمات میں غرق ہو گئے۔ بلند و بالا پہاڑوں کو تراش کر عالی شان محلات تعمیر کرنا ان کا مشغلہ بن گیا۔ ان محلات کی تعمیر و آرائش پر کثیر دولت اور وقت صرف کرتے تاکہ دوسروں پر فخر اور برتری کا اظہار کر سکیں۔ وہ یہ سارے کام اظہارِ تفاخر اور محض کھیل کود کے لیے کرتے۔ ان محلات میں رہائش رکھنا ان کا کھلوا مہضر نہ تھا۔ حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کو وقت اور وسائل کے اس بے ضایع سے معیاب انہیں ایسا کام کرنے سے سختی سے منع کیا جس کا مقصد دین و دنیا کے منافع سے خالی تھا۔ لہذا انہیں اس بے کار محض اور عثم کام سے روکتے ہوئے فرمایا:

﴿اَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي آتِيْكُمْ بِبَيِّنٰتٍ ۖ وَ يَخْلُفُكُمْ بَعْدِي ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۚ وَ تَقْوَىٰ لِلَّهِ يَخْلُقِ مَا يَشَاءُ ۚ وَ يَخْتَارُ ۚ وَلَئِنْ سَأَلْتُمْهُمْ إِنِّي مُعَذِّبُكُمْ بِبَيِّنٰتٍ ۖ وَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ وَ يَخْتَارُ ۚ وَلَئِنْ سَأَلْتُمْهُمْ إِنِّي مُعَذِّبُكُمْ بِبَيِّنٰتٍ ۖ وَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ وَ يَخْتَارُ ۚ

”کیا تم ایک ایک نیلے پر بطور کھیل تماشا یا دوگر (غمارت) بنا رہے ہو۔ اور بڑی صنعت والے مضبوط محل تعمیر کر رہے ہو گویا کہ تم ہمیشہ نہیں رہو گے۔“ (الشعراء: 129, 128/26)

آپ کی اس نصیحت میں موجود دور کے امراء کے لیے بھی درسِ عبرت موجود ہے جو وسیع و عریض محلات پر کھردوں روپے خرچ کر رہے ہیں جبکہ ان کا مقصد صرف دولت مند کی کا اظہار ہوتا ہے جبکہ ان کے پہلوں میں لاکھوں انسان دو وقت کی روٹی اور سر چھپانے کے لیے چند کچرے گھر کے لیے دستِ التماس کیے ہوئے ہیں۔ ایسے لوگوں کو رستہ دو عالم تکلیف کے اس فرمان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے آپ نے فرمایا: ”اسراف اور تکبر سے بچتے ہوئے (جو باوجود کھانا، پیو، پہننا اور صدقہ کرو۔“ جرأتِ ایمانی: حضرت ہود علیہ السلام کے اسوۂ حسنہ سے ہر صلہ، ہر دھاری اور ہر مومن کو جرأتِ ایمانی کا درس ملتا ہے جبکہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کر رہا ہو۔ حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کو دعوت و توحید دی، ان کے معبودانِ باطلہ کی بے وقتی اور بے حیثیت کو واضح کیا، نیز انہیں اسراف و تبذیر سے روکا تو قوم کبھی گئی: ”یوحنا مار دا ماغ ناؤف ہو گیا ہے۔ ہمارے بزرگوں کی گستاخی کرنے سے تمہارا داغ چل گیا ہے، ہمیں لگتا ہے کہ تم ہمارے کسی دیوتا کے زیرِ عتاب آ گیا ہے۔ اس پر ہود علیہ السلام کمالِ جرأتِ ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کے تمام یوتاؤں سے بیزار ی اور براءت کا اظہار کیا اور انہیں ان کے یوتاؤں سمیت چیلنج دے دیا:

﴿قَالَ إِنِّي أَتُفْهِدُ اللَّهَ وَ أَشْهَدُ أَنَّ إِلٰهِيْ بَوَئِيْٓ ۖ وَ مِمَّا تَشْكُرُوْنَ ۚ وَ مِنْ دُونِهِ فَلْيُكَلِّمُوْنِىْٓ جَبِيْٓ ۚ ثُمَّ لَأَشْكُرُوْنَ ۖ﴾

”آپ نے فرمایا: میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ اللہ کے سوا ان سب سے بے زار ہوں جنہیں تم

شریک بنا رہے ہو۔ اچھا تم سب کو میرے حق میں بدی کر لو اور مجھے بالکل مہلت نہ دو۔“ (ہود: 55, 54/11)

دیا تو بیکس اُلت دی گئیں اور آٹا اونٹوں کو کھلا دیا گیا۔ پھر نبی ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ وہاں سے روانہ ہو کر اس کنوئیں کے پاس جا ٹھہرے جہاں سے اونٹنی پانی پیا کرتی تھی۔ آپ نے ان لوگوں کے (دیران) گھروں میں داخل ہونے سے منع فرمایا جن پر اللہ کا عذاب نازل ہوا تھا اور فرمایا: ”میں ڈرتا ہوں کہ تم پر بھی ویسا عذاب نہ آجائے جیسا ان پر آیا تھا، اس لیے ان کے علاقے میں داخل نہ ہو کرو۔“

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مقام حجر میں ارشاد فرمایا: ”ان عذاب یافتہ لوگوں کے علاقے میں (داخل ہونا پڑے تو) صرف روتے ہوئے داخل ہو کرو، اگر روانہ آئے تو ان کے علاقے میں داخل نہ ہونا، کہیں تم پر بھی وہ عذاب نہ آجائے جو ان پر نازل ہوا تھا۔“

ان کا زمانہ قوم عاد کے بعد کا ہے اور غمزدہ عادی طرح بہت پرست تھے۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ اہل کتاب ان دونوں قوموں (عاد اور غمزدہ) کے حالات سے واقف نہیں تھے کیونکہ ان کی کتاب، تورات میں ان کا ذکر نہیں، لیکن قرآن مجید کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو عاد و غمزدہ کے بارے میں بتایا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالَ مُوسَىٰ إِنَّ تُكْفَرُوا أَنْتُمْ وَهَنَ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۖ فَإِنَّ اللَّهَ لَغَفِيْرٌ حَسِيْبٌ ۚ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبُؤُا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَثَمُوْدٌ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۚ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ ۚ حَآءَ هَٰؤُلَاءِ رُسُلُهُمْ ۚ يَا بَنِي إِدْرِيْسَ ۚ﴾

”اور موسیٰ (صاف صاف) کہہ دیا کہ اگر تم اور جتنے اور لوگ زمین میں ہیں سب کے سب ناشکری کر دو اللہ پھر بھی بے نیاز (اور) قابل تعریف ہے۔ بھلا تم کو ان لوگوں (کے حالات) کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے یعنی قوم نوح اور عاد اور غمزدہ اور جو ان کے بعد تھے جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں، ان کے پاس پیغمبر مقررے لے کر آئے۔“ (ابراہیم: 9، 14)

یہ پوری بات موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمائی تھی۔ لیکن چونکہ یہ دونوں قومیں اہل عرب میں سے تھیں، اس لیے اہل کتاب نے ان کے حالات کو اچھی طرح معلوم نہیں کیا، نہ انہیں یاد رکھنے کو کوئی ذمہ داری تھی حالانکہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ان قوموں کے حالات ان میں مشہور تھے۔ ہم نے تفسیر میں اس موضوع پر تفصیل سے کلام کیا ہے۔

اس وقت غمزدہ کا واقعہ بیان کرنا مقصود ہے کہ ان کا کیا معاملہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت صالح علیہ السلام کو اور مومنوں کو

① مسند أحمد: 117/2

② مسند أحمد: 114/2، صحیح البخاری، الصلاة: باب الصلاة في مواضع الخسف والعذاب، حديث: 433، صحيح مسلم، الزهد: باب النهي عن الدخول على أهل المحر،.....، حديث: 2980



حضرت صالح علیہ السلام کا نام و نسب اور قوم غمزدہ کا علاقہ

غمزدہ ایک مشہور قبیلہ کا نام ہے۔ یہ جدیس کے بھائی غمزدی نسل ہیں۔ یہ دونوں ماثر کے بیٹے تھے، جو ارم کا بیٹا تھا اور ارم نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کا بیٹا تھا۔

یہ درود قدیم کی خالص عربی قوم سے تھے۔ ان کی رہائش تبوک اور حجاز کے درمیان حجر کے مقام پر تھی جسے مدائن صالح بھی کہا جاتا ہے۔ یہ علاقہ طنج عقبہ کے مشرق میں واقع شہر مدین کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ قوم غمزدہ کے مکانات اس علاقے میں پہاڑوں میں کھدے ہوئے صاف نظر آتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ تبوک جاتے وقت اس مقام سے گزرے تھے۔

جیسا کہ حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ جب صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہمراہ تبوک تشریف لے گئے تو مقام حجر میں غمزدہ کے (دیران) گھروں کے قریب فروکش ہوئے۔ لوگوں نے ان انکوں سے پانی لے لیا، جو غمزدہ کے زیر استعمال رہے تھے۔ انہوں نے (اس پانی سے) آٹا گوندہ لیا اور (گوشت پکانے کے لیے آگ پر) دیکھیں چڑھا دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم

عمل تعمیر کرتے ہو اور پہاڑوں کو تراش تراش کر گھر بناتے ہو۔ پس اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو۔ ان کی قوم کے سردار لوگ جو غرور رکھتے تھے غریب لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لے آئے تھے، کہنے لگے: بھلا تم یقین کرتے ہو کہ صالح اپنے پروردگار کی طرف سے بھیجے گئے ہیں؟ انہوں نے کہا: ہاں جو چیز وہ دے کر بھیجے گئے ہیں ہم اس پر بلاشبہ ایمان رکھتے ہیں۔ تو مفرد (سردار) کہنے لگے کہ جس چیز پر تم ایمان لائے ہو ہم اس کو نہیں مانتے۔“ (الأعراف: 76-74)

یعنی اللہ نے تمہیں عاؤ کے جانشین بنایا ہے تاکہ تم ان کے حالات سے عبرت حاصل کرو اور ان جیسے عمل نہ کرو۔ اللہ نے تمہیں یہ زمین عطا فرمائی جس کے میدانوں میں تم محلات تعمیر کرتے ہو اور پہاڑ تراش کر بڑی مہارت، کارگیری اور چنگلی کے ساتھ مکان بناتے ہو۔ لہذا اللہ کی اس نعمت کے عوض شکر اور نیک عمل کرو اس کی عبادت کرو اس کے ساتھ شکر نہ کرو، اس کے احکام کی مخالفت کرتے ہوئے اس کی اطاعت سے روگردانی نہ کرو ورنہ اس کا انجام بہت خطرناک ہے۔

❖ قوم کو توپ کی تلقین: حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو بچوں کی پوجا سے روکا اور دیگر گناہوں سے توپ کی تلقین کی لیکن نافرمان قوم نے پہلے سے بھی زیادہ کشری کا مظاہرہ کیا۔ سورہ ہود میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِلَىٰ نَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ يَقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ هُوَ أَنشَأَكُمْ مِّنْ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَعْرِضُوهُ لَئِمَّا تُؤْتَوْنَ إِلَيْهِ تُقَالُ وَيْلٌ لَّكُم مِّنْهُ قَالُوا لَٰبِطُصْلِحٍ قَدْ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَذَا أَتَنْهَانَا أَنْ نَعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّ لَكُم لَٰكِبَ شَيْءٍ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ صَالِحٌ قَالَ يَقَوْمِ إِنَّكُمْ إِذْ كُنْتُمْ عَلَىٰ بَنَاتِكُمْ تُحَنِّنْنَ رَبِّي وَاسْتَفْتَيْتُمُوهُنَّ رِجْسَةً فَمِنْ يَنْتَصِرُ مِنِّي مِنَ اللَّهِ إِنْ عَصَيْتُمُوهُنَّ كَمَا تَكُونُنَّ فِي غَيْرِ تَخْشَعْنَ﴾

”اور شمو کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا انہوں نے کہا کہ اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، اسی نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور اس میں آباد کیا سو اس سے مغفرت مانگو اور اس کے آگے توپ کرو۔ بے شک میرا پروردگار رزویک (بھی ہے اور دعا کا) قبول کرنے والا بھی ہے۔ انہوں نے کہا کہ صالح! اس سے پہلے ہم تم سے (کئی طرح کی) امیدیں رکھتے تھے (اب وہ منقطع ہو گئیں) کیا تم ہم کو ان چیزوں کے پونے سے منع کرتے ہو جن کو ہمارے بزرگ پوجتے آئے ہیں؟ اور جس بات کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اس میں ہمیں خست شبہ ہے۔ صالح نے کہا: اے قوم! بھلا دیکھو اگر میں اپنے رب کی طرف سے کھلی دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے ہاں سے (نبوت کی) نعمت بخشا پھر اگر میں اللہ کی نافرمانی کروں تو اس کے سامنے میری کون سی مدد کرے گا؟ تم تو (کفری باتوں سے) میرا نقصان ہی بڑھا رہے ہو۔“ (ہود: 63-61/11)

اللہ ہی نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور تمہیں اس کے آباد کرنے والے بنایا۔ یعنی زمین میں جو فضیلتیں اور پھل ہیں، وہ

کس طرح نجات دی اور جن ظالموں نے کفر و کشری کا راستہ اختیار کرتے ہوئے اپنے رسول کی مخالفت کی تھی، انہیں کیسے تباہ کیا۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ وہ عربی قوم تھے اور ان کا زمانہ عاؤ کے بعد کا ہے۔ لیکن انہوں نے عاؤ کے واقعات سے عبرت حاصل نہ کی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اس قوم کے لوگوں کی عمریں بہت طویل تھیں۔ آدمی مٹی سے گھر بناتا تو اس کی موت سے پہلے وہ گھر گر پڑتا۔ چنانچہ انہوں نے پہاڑ کو کھود کر گھر بنانے شروع کر دیے۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں میں سے اپنے ایک بندے کو نبوت کے منصب پر فائز کر کے ان کی طرف بھیجا۔ اس نبی کا نام صالح بن عبید بن ماح بن عبید بن حاور بن ثمود بن عافر بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام تھا۔

حضرت صالح علیہ السلام کی بعثت و دعوت اور سرداران قوم کا رویہ

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو اس بات کی دعوت دی کہ اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کریں، جنوں سے نکار کشری کریں اور اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں۔ کچھ لوگ ایمان لے آئے لیکن اکثر نے کفر کیا اور زبان و عمل سے انہیں اذیت دی، انہیں شہید کرنے کا پروگرام بنایا اور اس اذنی کو قتل کر دیا جسے اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام کی سچائی کی دلیل کے طور پر پیدا فرمایا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں شدید گرفت میں لے لیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت کا تذکرہ سورہ اعراف میں یوں کیا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِلَىٰ نَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ يَقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ﴾

”اور قوم شمو کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا (تو صالح نے کہا کہ اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔“ (الأعراف: 73/7)

اور پھر جزیرہ فرمایا:

﴿وَإِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ وَبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ تَتَخِفُّونَ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ فُضُولًا فَذُكِّرُوا بِالْحَبَالِ يُبَيِّنُ قَالُوا قَدْ كُنَّا فِي الْآرِضِ مُفْسِدِينَ ۖ قَالَ الْمَلَأَ الَّذِينَ اسْتَلْبِثُوا مِنْ قَوْمِهِ لَكِنِّي بَيْنَ أَسْطَفِعُوا لِمَنْ أَمَنَ مِنْهُمْ اتَّخَعُونَ أَنِّي صَالِحٌ مِّمَّنْ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلَ بِهِ مُؤْمِنُونَ ۖ قَالَ الَّذِينَ اسْتَلْبِثُوا إِنَّا بِالَّذِي آمَنْتُمْ بِهِ كَاذِبُونَ ۖ﴾

”اور یاد تو کرو جب اُس نے تم کو قوم عاؤ کے بعد سردار بنایا اور زمین پر آباد کیا کہ نرم زمین سے (مٹی لے لے کر)

يَقُولُ لِمَ تَسْتَعْجِلُونَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُونَ اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٥٠﴾
قَالُوا أَكْثَرُ نَارًا بِكُمْ وَأَنْتُمْ عَنْهَا غَائِبُونَ ﴿٥١﴾ قَالَ طَائِفَةٌ مِنْكُمْ عِنْدَ اللَّهِ بِئْسَ الْقَوْمُ تَفْخَعُونَ ﴿٥٢﴾ وَكَانَ فِي
الْبَيْتِ بَنَاتٌ خَطِيبَاتٌ فِيْنِ الْأَرْضِ وَلَا يُصَلُّونَ ﴿٥٣﴾ قَالُوا تَقَاسَمُوا بِاللَّهِ لَنُبَيِّتَنَّكَ
وَأَهْلَكَ ثُمَّ لَنَنْقُوَنَّ لَوْ يَمْشِي مَا شَغَلَنَّا مَهْلِكَ أَهْلِهِ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿٥٤﴾

”اور ہم نے شہودی طرف اُس کے بھائی صالح کو بھیجا کہ تم سب اللہ کی عبادت کرو گھر پر، میں وہ دو فریقین ہو کر آپس میں جھگڑنے لگے۔ صالح نے کہا کہ بھائیو! تم بھلائی سے پہلے برائی کے لیے کیوں جلدی کرتے ہو (اور) اللہ سے بخشش کیوں نہیں مانگتے تاکہ تم پر رحم کیا جائے؟ وہ کہنے لگے کہ تم اور تمہارے ساتھی ہمارے لیے برا شگون لائے ہو۔ صالح نے کہا کہ تمہاری بدگوشی اللہ کی طرف سے ہے بلکہ تم پر ہے۔ یہ لوگ جو جنت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور اس شرم میں وہ شخص جسے جو ملک میں فساد کرتے تھے اور اصلاح کے کام نہیں لیتے تھے۔ انہوں نے آپس میں تئیں کیا کہ عہد کیا کہ ہم رات کو اس پر اور اس کے گھر والوں پر شیون ماریں مگر پھر اس کے وارث سے کہہ دیں گے کہ تم صالح کے گھر والوں کے موقع ہلاکت پر غمے یہ نہیں اور ہم بالکل جنت کے ہیں۔“ (النمل: 45-49)

رہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَضْلُوا بَهَا﴾ یعنی اس کا کار کیا۔ اس کو دیکھ کر حق کی پیروی نہیں کی۔ اس سے مراد ان کی اکثریت کا عمل ہے۔

وہ اونٹنی ان میں موجود رہی۔ ان کے علاقے میں جہاں سے چاہتی جتی جاتی اور جب کنویں پر پانی پینے جاتی تو کنویں کا سارا پانی پی لیتی۔ چنانچہ لوگ اپنی باری والے دن انگلے کے لیے لکھی پانی بھر لیتے تھے۔ وہ لوگ اس کا دودھ پیتے اور وہ سب کے لیے کافی ہو جاتا۔ اس لیے آپ نے ان سے فرمایا: ”(ایک دن) اس کی پینے کی باری ہے اور ایک مہینہ روز تہا باری۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةَ فِتْنَةً لَّهُمْ﴾ ”ہم اونٹنی ان کے لیے آزمائش بنا کر بھیجے والے ہیں۔“ آزمائش اس لحاظ سے تھی کہ کیا وہ اتنا بڑا مجروح دیکھ کر بھی ایمان لاتے ہیں یا نہیں؟ ﴿فَارْتَبِعْهُمْ﴾ ”پس انتظار کیجیے کہ ان کا انجام کیا ہوتا ہے؟“ اور ان کی طرف سے تکلیف دی جائے تو صبر کیجیے اور ان کو آگاہ کر دیجیے کہ ان میں پانی کی باری مقرر کر دی گئی ہے۔ ہر (باری والے کو اپنی) باری کا پانا چاہیے۔

اور صالح علیہ السلام نے فرمایا:

﴿قَدْ جَاءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ هَذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةٌ قَدْ رُوحَهَا تَأْكُلُ فِي أَرْضِ اللَّهِ وَلَا تَسْتَوْحَا بِسُوءِ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابُ آلِيمٍ﴾

”تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک مجروحہ آچکا ہے یعنی یہی اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے مجروحہ ہے سو اسے (آزاد) چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں جتی جتی پھرے اور تم اسے بری نیت سے ماتھ بھی نہ لگنا ورنہ دردناک عذاب تمہیں پکڑ لے گا۔“ (الأعراف: 73/7)

اور مزید فرمایا:

﴿يَقُولُ هَذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةٌ قَدْ رُوحَهَا تَأْكُلُ فِي أَرْضِ اللَّهِ وَلَا تَسْتَوْحَا بِسُوءِ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابُ قَرِيبٍ﴾

”اے میری قوم! یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے ایک نشانی (مجروحہ) ہے لہذا اس کو چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں (جہاں چاہے) چرے اور اس کو کسی طرح کی تکلیف نہ دینا ورنہ تمہیں جلد عذاب آچکے گا۔“ (ہود: 64/11)

۵۔ مجروحے کی بے حرمتی: ایک عرصہ تک یہ معاملہ یوں ہی چلا رہا۔ آخر ان کے سروراج ہوئے اور مشورہ کے بعد متفقہ فیصلہ کیا کہ اونٹنی کو قتل کر دیں تاکہ اس سے جان چھوڑے اور انہیں سارا پانی مل جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَقَعَوْهَا فَاصْحَوْا يُؤْمِنُونَ﴾ ۶۰ ﴿فَأَذَابُ لَكُمْ الْعَذَابُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ ۶۱

عَظِيمٌ ۶۰ ﴿فَقَعَوْهَا فَاصْحَوْا يُؤْمِنُونَ﴾ ۶۱ ﴿فَأَذَابُ لَكُمْ الْعَذَابُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ ۶۲

وہ (قوم ہود) کہنے لگے کہ تم جادو زدہ ہو۔ تم اور کچھ نہیں، ہماری ہی طرح کے آدمی ہو۔ سواگر بچے ہو تو کوئی نشانی پیش کرو۔ صالح نے کہا: (دیکھو) یہ اونٹنی ہے (ایک دن) اس کے پینے کی باری ہے اور ایک مہینہ روز تہا باری ہے۔ اور اس کو کوئی تکلیف نہ دینا (نہیں تو تم کو سخت عذاب آچکے گا۔ مگر انہوں نے اس کی انگوٹھیں کاٹ ڈالیں۔ آخر کار پچھتاتے رہ گئے۔ پس اُن کو عذاب نے آن پکڑا۔ بیشک اس میں ایک نشانی ہے اور اُن میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے۔“ (الشعراء: 153-158)

﴿إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَخَّرِينَ﴾ یعنی آپ پر جادو کر دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے آپ کو معلوم ہی نہیں کہ آپ کیا کیا کہتے رہتے ہیں۔ یعنی تو حید کو اختیار کرنے اور شرک چھوڑنے کی دعوت آپ عقل و شعور کے ساتھ نہیں دے رہے۔ اگر علماء نے ﴿الْمُسَخَّرِينَ﴾ کا یہی مطلب بیان کیا ہے کہ اس سے مراد مسحور (جادو سے متاثر) ہے۔ اس لفظ کو [مُسَخَّرُونَ] بھی پڑھا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنے دوست جن کے ذریعے سے لوگوں کو متاثر کرتے ہیں، یعنی آپ جادوگر ہیں۔ پہلی رائے زیادہ مضبوط ہے کیونکہ اس کے بعد ان لوگوں نے کہا: ﴿مَا أَنْتَ إِلَّا نَسْفٌ مَقْلُتًا﴾ ”آپ تو ہم جیسے انسان ہیں۔“ سورہ قمر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةَ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَبِعْهُمْ وَأَصْبِرْ ۖ وَتَجِبُهُمْ أَنَّ الْمَاءَ وَسْبٌ بَيْنَهُمْ كُلٌّ شِرَافٌ مَحْضَرٌ﴾

”(اے صالح!) ہم اُن کی آزمائش کے لیے اونٹنی بھیجے والے ہیں سو تم اُن کو دیکھتے رہو اور صبر کرو اور اُن کو آگاہ کر دو کہ اُن میں پانی کی باری مقرر کر دی گئی ہے۔ ہر باری والے کو اپنی باری پر آنا چاہیے۔“ (القمر: 28, 27/54)

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: ”اگر میں مطالبہ اسی انداز سے پورا کروں جسے تم نے کہا ہے، تو کیا تم واقعی اس پر بین ایمان لے آؤ گے جو میں لایا ہوں اور ان امور میں میری تصدیق کرو گے جنہیں دے کر مجھے مبعوث کیا گیا ہے؟“ انہوں نے کہا: ”ہاں! (تم مجھ پر ایمان لائیں گے اور میری باتوں کی تصدیق کریں گے۔“)

آپ نے ان سے پختہ عہد و پیمان لے لیا۔ جب آپ نے کھڑے ہو کر نماز ادا کی، پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان لوگوں کا مطالبہ پورا فرمائے۔ اللہ کے حکم سے وہ چنانچہ پھٹ گئی اور اس میں سے ایک بہت بڑی حاملہ اونٹنی نکل گئی، جس میں وہ تمام صفات موجود تھیں، جو مطالبہ کرنے والوں نے بیان کی تھیں۔ جب انہوں نے اپنی آنکھوں سے مجروحہ ظاہر ہوتے دیکھ لیا تو انہیں اس کی عظمت کا احساس ہوا اور وہ موعوب ہو گئے۔ یہ اللہ کی قدرت کی ایک واضح نشانی اور حضرت صالح علیہ السلام کی نبوت کا ناقابل تردید ثبوت تھا۔ چنانچہ قوم کے کچھ لوگ ایمان لے آئے۔ لیکن اکثر لوگ کفر و ضلالت اور ہٹ دھرمی پر اڑے

﴿وَكَانَ فِي الْمَبْنِيَّاتِ تِسْعَةٌ رَهْطٌ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ﴾

”اور شہر میں نو شخص تھے جو ملک میں فساد کیا کرتے تھے اور اصلاح سے کام نہیں لیتے تھے۔“ (النمل: 48/27)

انہوں نے باقی قبیلہ کو بھی ساتھ ملانے کی کوشش کی تو لوگوں نے تائید کی۔ وہ اونٹنی کو قتل کرنے کے لیے گھات میں بیٹھ گئے۔ جب وہ پانی پی کر واپس آئی تو مصدع نے”جو چھپ کر بیٹھا ہوا تھا، اس پر تیر چلا دیا، جو اس کی پندلی کی ہڈی میں پیوست ہو گیا۔ عمیزہ اور اس کی بیٹیاں بھی قدار کی حوصلہ افزائی کرنے کے لیے آگئیں اور انہیں جوش دلانے کے لیے اپنے چہروں سے نقاب الٹ دیے۔ قدار بن سالف نے جلدی سے اونٹنی پر تھوڑا سے حملہ کیا اور اس کی کوئی گٹھلیں کاٹ دیں۔ وہ زمین پر گر پڑی اور زور سے آواز نکالی جس سے اس کا بچہ چوکنا ہو گیا اور دور پہاڑ پر چلا گیا اور تین بار بلایا۔ قدار نے اونٹنی کے گلے پر نیزہ مار کر اسے قتل کر دیا۔^①

قرآن مجید نے اس کا ذکر ان الفاظ سے کیا ہے:

﴿فَنَادَا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَى فَعَقَرَ﴾ ② ③ ﴿فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ﴾

”پھر ان لوگوں نے اپنے رفیق کو بلایا تو اُس نے (اونٹنی کو بچہ کراس کی) کوئی گٹھلیں کاٹ ڈالیں سو (دیکھ لو کہ) میرا

عذاب اور ڈرانا کیسا ہے؟“ (القمر: 30, 29, 54)

حضرت عبداللہ بن زعمہ جیٹا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ کے دوران میں اونٹنی کا اور اسے قتل کرنے والے کا ذکر کیا اور فرمایا: ”اسے قتل کرنے کے لیے ایک وکیل سرور آٹھا، جس کی بات مان جاتی تھی جیسے (قریش میں) ابو زعمہ ہے۔“^④

حضرت عمار بن یاسر جیٹا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی جیٹا سے فرمایا: ”کیا میں تجھے نہ بتاؤں کہ سب سے زیادہ بدبخت کون ہے؟“ انہوں نے کہا: ”جی ہاں! فرمائیے۔“ نبی ﷺ نے فرمایا: ”دو شخص ہیں۔ ایک تو شومو کا سرخ قام آدمی جس نے اونٹنی کو قتل کیا تھا، اور ایک وہ جو تجھے، اسے علی اس جگہ (یعنی سر پر) ضرب لگے گا، جس سے یہ (یعنی ڈاڑھی) تر ہو جائے گی۔“^⑤

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوا يُصْلِحُ آتِنَا إِنَّمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ﴾

”آخر انہوں نے اونٹنی (کی کوئی گٹھلیں) کو کاٹ ڈالا اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی اور کہنے لگے صالح!

① تفسیر ابن کثیر 3/396 تفسیر سورة الاعراف آیت: 77

② صحیح البخاری، ’التفسیر‘ باب سورة (والشمس وضحاها) حدیث: 4942

③ مسند أحمد: 263/4 سلسلة الأحادیث الصحيحة حدیث: 1888

”آخر انہوں نے اونٹنی (کی کوئی گٹھلیں) کو کاٹ ڈالا اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی اور کہنے لگے صالح!

جس چیز سے تم ہمیں ڈراتے تھے اگر تم (اللہ کے) پیغمبر ہو تو آئے ہم پر لے آؤ۔“ (الأعراف: 77/7)

سازشی قوم نے اللہ کے معجزے پر ایمان لانے کی بجائے اس پر ظلم وعدوان کیا اور اپنے اچنی ہلاکت کا بندوبست کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَقَدْ بَوَّأْتُ شُعُودًا يَفْعَلُونَ مَا كُنْتُمْ مُوعِدُونَ﴾ ① ﴿إِذَا نَبِئْتُكَ أَشْفَقْتَ﴾ ② ﴿فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ نَاقَةَ اللَّهِ وَسُقْيَاهَا﴾ ③

﴿فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوهُمَا وَكَانَ مَصْرُومًا﴾ ④ ﴿فَقَدْ صَدَّمَهُمْ عَلَيْهِمْ بِذُنُوبِهِمْ فَنَسُوا﴾ ⑤ ﴿وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا﴾ ⑥

”(قوم) شعوہ نے اپنی سرکشی کے سبب (پیغمبر کو) جھٹلایا۔ جب ان میں سے ایک نہایت بدبخت تھا تو اللہ کے

پیغمبر (صالح) نے ان سے کہا کہ اللہ کی اونٹنی اور اس کی پیٹنی کی باری سے ڈرو (اور احتیاط کرو) مگر انہوں نے پیغمبر

کو جھٹلایا اور اونٹنی کی کوئی گٹھلیں کاٹ دیں پھر اللہ نے اُن کے گناہ کے سبب اُن پر عذاب نازل کیا اور سب کو (ہلاک کر

کے) برابر کر دیا اور اس کو ان سے بدلہ لینے کا کچھ بھی نہ دینا۔“ (الشمس: 11-15)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاتَيْنَا شُعُودًا النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوا بِهَا﴾ ⑦

”اور ہم نے شعوہ کو اونٹنی (نبوت صالح کی کھلی) نشانی دی تو انہوں نے اس پر ظلم کیا۔“ (نبی اسرائیل: 59/17)

جس شخص نے اونٹنی کو قتل کرنے کی ذمہ داری اٹھائی، اس کا نام [قدار بن سالف بن جندعہ] تھا۔ وہ سرخ قام آدمی

آ نکھوں والا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ سالف کی بیوی سے [حبیبانہ] کے ناجائز تعلق کے نتیجے میں پیدا ہوا۔ اس نے سب

لوگوں کے حقوق فیصلے کے نتیجے میں اونٹنی کو قتل کیا تھا۔ اس لیے اس کام کی نسبت ان سب کی طرف کی گئی۔

امام ابن جریر زہبی اور دیگر مفسرین کا بیان ہے کہ قوم شعوہ میں دو گھٹن تھیں۔ ایک کا نام [صدوق بنت محیا بن زہیر

بن مختار] تھا جو مال دار اور اونچے خاندان کی عورت تھی۔ اس نے قبیلہ قلم کے ایک آدمی سے نکاح کیا لیکن بھڑا طلاق لے

لی۔ اس نے اپنے چچا زاد [مصدع بن مہرج بن محیا] کو بلا کر کہا: ”اگر تم اونٹنی کو قتل کر دو تو میں تم سے شادی کروں گی۔“

دوسری عورت کا نام [غنیہہ] تھا۔ جو [غنم بن مخرم] کی بیٹی تھی۔ اس کی کنیت [ام غنم] تھی۔ یہ ایک کافر بڑا تھا۔

اس کا خاندان [ذؤب بن عمرو] ایک رخصت تھا۔ اس عورت نے قدار بن سالف سے کہا: ”یہ میری چار بیٹیاں ہیں۔ اگر تم

اونٹنی کو قتل کر دو تو جس لڑکی سے چاہو گے، شادی کر دوں گی۔“

چنانچہ یہ دونوں جوان اس کا کہنے کے لیے کمر بستہ ہو گئے اور قوم کے اور افراد کو بھی ترغیب دی۔ یوں مزید سات افراد ان

کے ساتھ اُس اور لیے نکلے تو افراد ہو گئے۔ درج ذیل آیت مبارکہ میں انہی کا ذکر ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

کہتے ہیں۔“ (النمل: 49/27)

قوم ثمود پر نزول عذاب اور صالح علیہ السلام کا اظہار افسوس

جب قوم نے معجزے کا انکار کیا اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو نتیجہ ان کی تباہی کی صورت میں نکلا جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مختلف جہزے میں بیان کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُرْسِلِينَ ۖ وَآتَيْنَاهُمُ الْيُسْرَىٰ فَكَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ۖ وَكَانُوا يَنْجِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بِيُوتًا يُؤْمِنُونَ ۖ فَآخَذْتَهُمُ الصَّيْحَةُ مُضْجِينَ ۖ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ فَمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۖ﴾

”اور (وادئ) حجر کے رتبے والوں نے بھی پیغمبروں کی تکذیب کی۔ ہم نے اُن کو اپنی نشانیاں دیں اور وہ اُن سے منہ پھیرتے رہے اور وہ پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے تھے کہ اس سے وہیں گے تو ہولناک چیخ نے اُن کو مٹج ہوتے ہوتے آچلا۔ اور جو کام وہ کرتے تھے وہ اُن کے کچھ بھی کام نہ آئے۔“ (الحجر: 80-84)

اور ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا مَنَعَنَا أَنْ نُرْسِلَ بِالْآيَاتِ إِلَّا أَنْ كَذَّبَ بِهَا الْأَوَّلُونَ ۖ وَآتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَنَّمُوا بِهَا ۖ وَمَا نُرْسِلُ بِالْآيَاتِ إِلَّا تَخْوِيفًا ۖ﴾

”اور ہم نے نشانیاں بھیجی اس لیے موقوف کر دیں کہ اگلے لوگوں نے اس کی تکذیب کی تھی اور ہم نے ثمود کو افسوس (نبوت صالح کی کھلی) نشان دی تو وہ انہوں نے اس پر حکم کیا اور ہم تو ڈرانے کے لیے ہی نشانیاں بھیجا کرتے ہیں۔“

(نبی اسرائیل: 59/17)

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَقُولُ هَذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةٌ فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أََرْضِ اللَّهِ وَلَا تَمْسُوهَا بِسَوْءٍ ۖ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيبٌ ۖ فَعَقَرُوهَا فَقَالَ لَنَمْسُقَنَّ فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ۖ ذَٰلِكَ وَعَذَابٌ غَدِيرٌ ۖ مَذْلُومٌ ۖ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا صَالِحًا وَآلَيْهِنَ أَهْلًا ۖ أَصْنَوْا مَعَهُ وَرَحِمُوا قَوْمًا وَفِي هَٰذَا يَوْمُئِذٍ يَوْمُئِذٍ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ۖ وَأَخَذَ الْيَمِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جِثِيمِينَ ۖ كَانَ لَمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۖ آلَ إِنَّ ثَمُودًا كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۖ آلَا بَعْدَ الْيَمُودِ ۖ﴾

اے میری قوم! یہ اللہ کی افسوس تمہارے لیے ایک نشانی (معجزہ) ہے لہذا اس کو چھو دو کہ اللہ کی زمین میں (جہاں

جس چیز سے تم ہمیں ڈراتے ہو، اگر تم (اللہ کے) پیغمبر ہو تو اُسے ہم پر لے آؤ۔“ (الأعراف: 77/7)

ان کے اس قول میں کئی اندازے کے کفر کا واضح اظہار ہے:

• انہوں نے منوکہ طور پر ممنوع کام کا ارتکاب کر کے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔ یعنی اس کو افسوس کو ہلاک کیا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آیت (نشان) بمعجزہ) قرار دیا تھا۔

• انہوں نے ایسا کام کیا جس سے عذاب جلدی آ جائے۔ لہذا وہ وہ جس سے اس کے مستحق ہو گئے۔

• ایک اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے عذاب کی یہ شرط بیان فرمائی تھی کہ اس کو کسی طرح کی تکلیف نہ دینا نہ تمہیں جلد عذاب آ چکے گا۔

• دوسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے عذاب کے جلد آ جانے کا مطالبہ کیا۔

• کفر کی تیسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس رسول کی تکذیب کی جس کی نبوت اور سچائی کا ناقابل تردید ثبوت موجود تھا اور انہیں اس کا پوری طرح علم اور یقین تھا۔ لیکن کفر، ضلالت اور فساد نے انہیں مجبور کر دیا کہ وہ حق کو ناقابل فہم قرار دیں اور اس طرح ان پر عذاب نازل ہو جائے۔

علمائے کرام نے بیان فرمایا ہے کہ جب ان لوگوں نے افسوس کو قتل کیا تو اس پر سب سے پہلے قہار بن سالف [لعنة الله عليه] نے حملہ کیا اور اس کی گنجین کاٹ دیں، وہ زمین پر گر پڑی۔ پھر سب افراد نے جلدی جلدی لوگوں سے اس کے نکلنے کر دیے۔ جب اس کے بچنے سے یہ دیکھا تو بھاگ کر سب سے اونچے پہاڑ پر چڑھ گیا اور تین بار بلایا۔

اس لیے حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا:

﴿تَسْتَعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ﴾

”اپنے گھروں میں تین دن اور فائدہ اٹھا لو۔“ (ہود: 65/11)

یعنی انہیں اس دن کے علاوہ تین دن کی مہلت دی گئی۔ انہوں نے اس منوکہ وعید پر بھی اعتبار نہ کیا۔ بلکہ شام ہوئی تو انہوں نے پروگرام بنایا کہ حضرت صالح علیہ السلام کو بھی شہید کر دیا جائے۔ چنانچہ سب قسمیں کھا کر کہنے لگے:

﴿لَنَبْشِئَنَّهُ وَآخِلَهُ﴾

”عہد کرو کہ ہم رات کو اس پر اور اس کے گھر والوں پر خون ماریں گے۔“ (النمل: 49/27)

یعنی ہم رات کو صالح (علیہ السلام) کے گھر میں گھس کر آپ کو اہل و عیال سمیت شہید کر دیں گے۔ پھر اگر آپ کے اقا رب نے قصاص یا دیت کا مطالبہ کیا تو ہم کبر جاسیں گے اور کہیں گے کہ ہم نے قتل نہیں کیا۔ اس لیے انہوں نے کہا:

﴿فَتَمَثَّلُوا لَنُوَيْدٍ ۖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهِ ۚ وَارْتَا كَصِدْقُونِ﴾

”پھر اس کے وارث سے کہہ دیں گے کہ ہم صالح (علیہ السلام) کے گھر والوں کے موقع ہلاکت پر گئے ہی نہیں اور ہم بالکل سچ

نام ہے جس کی وہ پوجا کرتا تھا اس وجہ سے اُسے بھی ”آزر“ کہنے لگے۔“

امام ابن جریر ڈنٹ نے فرمایا: ”صحیح یہ ہے کہ اس کا نام آزر تھا۔ شاید اس کے دو نام ہوں یا ایک نام ہو دوسرا عرف۔ اور یہی بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔“ (واللہ اعلم) ①

ابن عساکر ڈنٹ نے حضرت نکرہ ڈنٹ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ”حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کنیت ابو حیصہقان (مہمانوں والا، مہمان نواز) تھی۔“

مؤرخین فرماتے ہیں کہ تاریخ کی عمر پچھتر سال تھی جب اس کے ہاں ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ ان کے علاوہ تاحور اور باران بھی تاریخ کے بیٹے تھے اور باران کے بیٹے لوط علیہ السلام تھے۔

مؤرخین یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد کے درمیان بیٹے تھے۔ باران کی وفات اس کے باپ کی زندگی میں اسی علاقے میں ہو گئی تھی جہاں وہ پیدا ہوا وہ کلدانیوں کا علاقہ یعنی بابل کی سرزمین تھی۔ تاریخ و سیرت کے مصنفین کے ہاں یہی مشہور ہے۔

ابن عساکر ڈنٹ نے بھی اس کی تائید کرتے ہوئے کہا ہے: ”صحیح بات یہ ہے کہ آپ کوئی (بابل) میں پیدا ہوئے۔“ ②

③ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شکل و شباهت: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”میں نے عیسیٰ ابن مریم، موسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام کو دیکھا۔ عیسیٰ علیہ السلام سرخ قام، ہتھکریا لے بالوں والے اور چوڑے سینے والے تھے اور موسیٰ علیہ السلام گندمی رنگ کے، فریب نہ تھے۔“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اور ابراہیم علیہ السلام؟ نبی ﷺ نے فرمایا:

”اپنے ساتھی (محمد ﷺ) کو دیکھو۔“ ④

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”ابراہیم علیہ السلام (کا علیہ معلوم کرنے) کے لیے اپنے ساتھی (محمد ﷺ) کو دیکھو۔ موسیٰ علیہ السلام ہتھکریا لے بالوں والے، گندمی رنگت تھے، سرخ اونٹ پر سوار تھے، جس کی کیکل کھجور کے پتوں کی تھی۔“ (وہ مظہر میرے تصور میں محفوظ ہے۔) گویا میں انہیں دیکھ رہا ہوں کہ وہ ادا کی کیفیت میں اتر رہے ہیں۔“ ⑤

مؤرخین کہتے ہیں: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ علیہم السلام سے نکاح کیا۔ حضرت سارہ علیہم السلام بچہ تھیں۔ ان کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تھی۔ تاریخ اپنے بیٹے ابراہیم علیہ السلام، ان کی بیوی حضرت سارہ علیہم السلام اور اپنے بھتیجے لوط علیہ السلام کو لے کر کلدانیوں کی سرزمین سے کنعانیوں کے علاقے کی طرف روانہ ہوا۔ وہ لوگ حران کے مقام پر پراش پذیر ہوئے۔ وہاں تاریخ و موسو پچاس سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام حران میں پیدا نہیں ہوئے۔ بلکہ کلدانیوں کے ملک

① تفسیر الطبری: 317/5، تفسیر سورة الأنعام: آیت 74:

② تاریخ ابن عساکر: 177/6

③ مسند أحمد: 1/296

④ صحیح البخاری: احادیث الأنبياء، باب قول الله تعالى ﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ حَلِيلًا﴾.....، حدیث: 3355



حضرت ابراہیم علیہ السلام

نام و نسب، بعثت اور والد کو دعوت تو حید

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نسب نامہ یہ ہے: ابراہیم بن تارخ (250) بن ناحور (148) بن ساروغ (230) بن راغو (239) بن فالج (439) بن عابر (464) بن شالح (433) بن ارفخشذ (438) بن سام (600) بن نوح علیہ السلام۔

اہل کتاب کی کتاب (بائبل) میں اسی طرح لکھا ہوا ہے۔ ہم نے ناموں کے ساتھ ان کے بیان کے مطابق ان حضرات کی ہندسوں میں عریں لکھ دی ہیں۔ ①

② حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیْ لَا یَجْعَلْ اَصْنٰمًا لِلّٰهِ ۚ اِنِّیْ اَرٰ اَزْلٰکَ وَ قَوْمَکَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝۱﴾

”اور (وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہے) جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ کیا تم جوں کو معبود بناتے

ہو؟ میں دیکھتا ہوں کہ تم اور تمہاری قوم صریح گمراہی میں ہو۔“ (الأنعام: 74/6)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ”آزر“ تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سمیت اکثر

علماء نسب کا کہنا ہے کہ اس کا نام ”تارخ“ تھا۔ اہل کتاب ”تارخ“ کہتے ہیں۔ بعض علماء نے کہا: ”یہ (آزر) اس بات کا

① (دیکھیے: کتاب: پیدائش، باب: 11)

قَاهُنْ لَهُ لَوْطَ ۖ وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَىٰ رَبِّي ۚ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۚ وَوَعَدْنَا لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَنَجْجزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَفْضَلِ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ۚ وَجَعَلْنَا فِي زُجُجِهِ السُّبُوءَ ۚ وَالْكِتَابَ ۚ وَآتَيْنَاهُ أَجْرَهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَرَأَيْنَاهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ۝۱۶۱

”اور ابراہیم کو (یا کرو) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو۔ اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے تم اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے اور جھوٹی باتیں دل سے گھڑ لیتے ہو۔ بلاشبہ جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو وہ تم کو زکوٰۃ دینے کا اختیار نہیں رکھتے، پس اللہ ہی کے پاس سے رزق طلب کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر دؤ اسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے۔ اور اگر تم میری تکذیب کرتے ہو تو تم سے پہلے بھی آئیں (اپنے پیغمبروں کی) تکذیب کر چکی ہیں۔ اور پیغمبر کے ذمے کھول کر سنا دینے کے سوا اور کچھ نہیں۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ کس طرح خلقت کو جلی پا کر پیدا کرتا ہے پھر (کس طرح) اس کا احادہ کرے گا؟ اللہ کے لیے آسان ہے۔ کہ وہ کوہ ملک میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اس نے کس طرح خلقت کو جلی دھند پیدا کیا ہے پھر اللہ ہی دوسری نئی پیدائش کرے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ جسے چاہے عذاب دے اور جس پر چاہے رحم کرے اور اسی کی طرف تم لوٹنا نہ جاؤ گے۔ اور تم (اس کو) نہ زمین میں عاجز کر سکتے ہو اور نہ آسمان میں اور نہ اللہ کے سوا تمہارا کوئی دوست ہے اور نہ مددگار۔ اور جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں سے اور اس (اللہ) کی ملاقات سے انکار کیا وہ میری رحمت سے ناامید ہو گئے ہیں اور ان کو درد دینے والا عذاب ہوگا۔ پھر ان کی قوم کے لوگ جواب میں بولے تو یہ بولے کہ اے راؤ اولا جلا دو مگر اللہ نے ان کو آگ (کی سوزش) سے بچالیا۔ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں ان کے لیے اس میں نشانیاں ہیں۔ اور ابراہیم نے کہا کہ تم اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو لینے بیٹھے ہو صرف دنیا کی زندگی میں باہم دوتی کے لیے (مگر) پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے (کی دوتی) سے انکار کر دو گے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجیے گے اور تمہارا انکار دوڑ چکا ہوگا اور کوئی تمہارا مددگار نہ ہوگا۔ پس ان پر (ایک) لوط ایمان لائے اور (ابراہیم علیہ السلام) کہنے لگے کہ میں اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں۔ بے شک وہ غالب حکمت والا ہے۔ اور ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب بھی اور پیغمبر بھی اور کتاب ان کی اولاد میں ہی (مقرر) کر دی اور ان کو دنیا میں بھی ان کا صلہ عطا کیا اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے۔“ (العنکبوت: 27-16)

والد کو تو حید کی دعوت: آپ کا والد بتوں کو پوجتا تھا چنانچہ آپ نے سب سے پہلے اسی کو تو حید کی دعوت دی کیونکہ سب سے زیادہ وہی اسی بات کا حق رکھتا تھا کہ پورے اخلاص کے ساتھ اس کی خیر خواہی کی جائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعوت تو حید کا آغاز اپنے گھر سے کیا اور اپنے مشرک باپ کو بڑے پیار اور اوب سے تبلیغ کی مگر باپ نے انہی سخت رویہ اختیار کرتے ہوئے ابراہیم علیہ السلام کو سخت دھمکی دی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

میں پیدا ہوں جو باہل اور قرب و جوار کے علاقے پر مشتمل تھا۔

پھر وہ کائناتوں کی سرزمین کی طرف روانہ ہوئے۔ یہی علاقہ بیت المقدس کا علاقہ ہے۔ راستے میں وہ حران میں ٹھہرے جو اس زمانے میں کلدانیوں کے ملک میں شامل تھا۔ وہ جزیرہ اور شام میں بھی رہے۔ یہ لوگ سات ستاروں کی عبادت کرتے تھے۔ جن لوگوں نے دمشق کا شہر بسایا، وہ بھی اسی مذہب کے پیروکار تھے۔ وہ قصب ثبائی کی طرف منکر کے کئی طرح کے الفاظ اور اعمال کے ذریعے سے سات ستاروں کی پوجا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ دمشق کے پرانے دروازوں میں سے ہر دروازے پر ان میں سے ایک ایک ستارے کی عبادت گاہ بنی ہوئی تھی۔ وہ ان کے نام کی عیدیں مناتے اور قربانیاں دیتے تھے۔ اسی طرح حران کے باشندے بھی ساتاروں اور بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ بلکہ ابراہیم علیہ السلام، ان کی زوجہ سحرہ اور بیٹے لوط علیہ السلام کے سوا دنیا بھر میں لوگ کافر تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت خلیل الرحمنؑ ابراہیم علیہ السلام کے ذریعے سے اس باہل اور گمراہی کو ختم کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بچپن ہی سے عقل سلیم اور شہد ہدایت سے نواز دیا تھا اور جب وہ بڑے ہوئے تو انہیں رسول بنا کر مبعوث فرمایا اور خلیل کا منصب عطا فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِن قَبْلُ وَكَلَّمَا يَمْ عَلِيمِينَ ۝۱۶۲﴾

”ہم نے ابراہیم کو پہلے سے ہدایت عطا فرمائی تھی اور ہم اسے جانتے تھے۔“ (الانبیاء: 51/21)

یعنی ہمیں معلوم تھا کہ وہ اس منصب کی اہلیت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر فرمایا:

﴿وإِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ ۚ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۚ إِنَّهَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ أَشْثًا وَتَتَخَفُونَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَا يَسْلُبُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَاتَّبِعُوا عِندَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ ۚ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۚ وَإِن تَكْفُرُوا فَقَدْ كَذَّبْتُمْ أَمْرًا مِّن قَبْلِكُمْ ۚ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ أَن يَأْتِيَنَّكَ الْبَيِّنَاتُ ۚ إِلَيْهِ يَرْجَعُ ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۚ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللَّهُ يُنْفِخُ النَّفْثَةَ فِي الْآخِرَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَّ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۚ يُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَيَرْحَمُ مَن يَشَاءُ ۚ وَإِلَيْهِ تُقْلَبُونَ ۚ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۚ وَمَا لَكُمْ مِّن دُونِ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَلِقَائِهِ أُولَٰئِكَ يَكُونُ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۚ قُلْ مَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِذْ أَن قَالُوا اقْتُلُوهُ أَوْ حَرِّقُوهُ فَأَنجَاهُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۚ وَقَالَ رَبُّنَا اتَّخَذْ لَكُمْ مِّن دُونِ اللَّهِ آلُوكًا ۚ أَلَمْ نَكُ مَخْلُوقًا فِي الْخَلْقِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُم بِبَعْضٍ ۚ وَلَيَعْنُ بَعْضُكُم بِبَعْضٍ ۚ وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَعْلَمُونَ ۚ﴾

معبود سے برگشتہ (بے رغبت) ہے؟ اگر تو باز نہ آئے گا تو میں تجھے تنگسار کر دوں گا۔“ ابراہیم علیہ السلام نے والد کے توحید کو ماننے سے انکار اور دھمکیوں کے جواب میں بڑے ادب و احترام سے فرمایا: ﴿سَلِّمْ عَلَيْكَ﴾ ”آپ پر سلام ہو۔“ یعنی آپ کو میری طرف سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی نہ میں آپ سے کوئی گستاخی کروں گا میری طرف سے آپ باطل محفوظ ہیں۔ اس کے بعد میں بدھن سلوک کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ﴿سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي إِنَّهُ كَانَ بِنَدَاتِي﴾ ”میں آپ کے لیے اپنے پروردگار سے بخشش مانگوں گا۔ وہ میرے ساتھ بہت مہربان ہے۔“ یعنی مجھ پر یا اللہ کی مہربانی ہے کہ اس نے مجھے اپنی عبادت اور اخلاص کی طرف رہنمائی فرمائی۔ اس لیے آپ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿وَأَعِزُّ لَكُمْ وَفَاءً لِّعَهْدِ اللَّهِ وَأَدْعُوهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَمَا تَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ عَنِّي إِنَّ اللَّهَ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ ”اور میں تم لوگوں سے اور جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو ان سے کنارہ کرتا ہوں اور اپنے پروردگار ہی کو پکارتا ہوں گا۔“ مجھے یقین ہے کہ میں اپنے پروردگار کو پکار کر خرم نہیں رہوں گا۔“ (مریم: 48/19)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا وعدہ پورا کرتے ہوئے اپنے والد کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی۔ لیکن جب انہیں یقین ہو گیا کہ وہ اللہ کی دشمنی ترک کرنے پر آمادہ نہیں، تو اس سے براءت اور لاتعلقی کا اظہار کیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ﴾

”اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے بخشش مانگنا تو ایک وعدے کے سبب تھا جو وہ اس سے کر چکے تھے لیکن جب ان کو معلوم ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے۔ کچھ شک نہیں کہ ابراہیم بڑے نرم دل اور قہر مند تھے۔“ (الہود: 114/9)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد آزر سے ملیں گے تو آزر کے چہرے پر گرد و غبار اور سیاہی ہوگی۔ ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے: کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ میری نافرمانی نہ کریں؟“ وہ کہے گا: ”آج میں آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے: ”یار اب! تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ جس دن لوگ (قبروں سے) اٹھائے جائیں گے، اس دن تو مجھے رسوائی نہیں کرے گا۔ اس سے بڑھ کر رسوائی کیا ہوگی کہ میرا باپ رحمت سے دور (جہنم میں جا رہا) ہے؟“ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ”میں نے جنت کا فروں پر حرام کر دی ہے۔“ پھر فرمایا جائے گا: ”ابراہیم! آپ کے قدموں میں کیا ہے؟“ وہ دیکھیں گے تو نجاست میں لٹھڑا ہوا ایک ٹکڑے نظر آئے گا جسے ناگوں سے پکڑ کر جہنم میں بھیج دیا جائے گا۔“

﴿وَإِذْ نَادَىٰ الرَّسُولُ الْكَلْبَ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ كَانَ مِدْبِغًا لِّكَيْبًا﴾ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَنِ عَصِيًّا يَا أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِنَ الرَّحْمَنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا قَالَ أَرَأَيْتَ أَنْتَ عَنْ ابْنِكِ إِبْرَاهِيمَ كَيْفَ لَمْ تَتَّخِذْهُ وَجْهًا وَهَاجِرًا مَلِيًّا قَالَ سَلِّمْ عَلَيْكَ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي إِنَّهُ كَانَ بِنَدَاتِي حَافِيًّا وَأَعِزُّ لَكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَدْعَاؤُنِي عَنِّي أَلَا أُلُونُ بِدَعَاؤِ رَبِّي شَيْئًا﴾

”اور (نبی اے!) اس کتاب میں ابراہیم کا قصہ بیان کرو۔ جب تک وہ نہایت سچے پتھر تھے۔ جب انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ ابا جان! آپ ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہیں جو نہ سنیں اور نہ دیکھیں اور نہ آپ کے کچھ کام آسکیں۔ ابا جان! مجھے ایسا علم ملا ہے جو آپ کو نہیں ملا لہذا میرے ساتھ ہو جائیے، میں آپ کو سیدھی راہ پر چلا دوں گا۔ ابا جان! شیطان کی پرستش نہ کیجیے، شیطاں تم کرنے والے اللہ کا نافرمان ہے۔ ابا جان! مجھے دو لگتا ہے کہ کہیں آپ کو اللہ کا عذاب نہ آچکے تو آپ شیطان کے ساتھی بن جائیں۔ اس نے کہا کہ ابراہیم! کیا تو میرے جمہوروں سے برگشتہ ہے اگر تو بائیس آئے گا تو میں تجھے تنگسار کر دوں گا اور تو ہمیشہ کے لیے مجھ سے دور ہو جا۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا چاہتا ہوں پر سلام ہو (اور کہا کہ) میں آپ کے لیے اپنے پروردگار سے بخشش مانگوں گا۔ چنگ وہ مجھ پر نہایت مہربان ہے اور میں آپ لوگوں سے اور جن کو آپ اللہ کے سوا پکارتے ہیں ان سے کنارہ کرتا ہوں اور اپنے پروردگار ہی کو پکارتا ہوں گا۔“ مجھے یقین ہے کہ میں اپنے پروردگار کو پکار کر خرم نہیں رہوں گا۔“ (مریم: 48/11-19)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی اپنے والد سے گفتگو اور بحث بیان فرمائی ہے اور بتایا ہے کہ آپ نے اپنے والد کو کس طرح عمدہ ترین الفاظ اور بہترین اشارے کے ساتھ حق کی طرف بلایا اور اس پر بتوں کی عبادت کا باطل ہونا واضح فرمایا، جو اپنے پجاری کی پکڑ بننے، اور نہ اس کی موجودگی کو دیکھتے ہیں، پھر وہ کس طرح اسے کوئی فائدہ نہ پہنچا سکتے ہیں؟ کس طرح اسے رزق دے سکتے ہیں یا اس کی مدد کر سکتے ہیں؟ پھر اسے اس طرف توجہ دلائی کہ اگر چنانچہ میرا والد سے کم ہے تاہم اللہ نے انہیں ہدایت اور علم نافع سے نوازا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا﴾ ”ابا جان! مجھے ایسا علم ملا ہے جو آپ کو نہیں ملا تو آپ میرے ساتھ ہو جائیے میں آپ کو سیدھی راہ چلا دوں گا۔“

یعنی میں آپ کو وہ سیدھا راستہ دکھاؤں گا جو بہت واضح، ہموار، اور صافیت کا راستہ ہے جو آپ کو دنیا اور آخرت کی بھلائی تک پہنچا دے گا۔ آپ نے جب اسے ہدایت کی یہ بات سنائی اور فصاحت فرمائی تو اس نے قبول نہ کی بلکہ آپ کو دھمکیاں دیتے ہوئے بولا: ﴿أَرَأَيْتَ أَنْتَ عَنْ ابْنِكِ إِبْرَاهِيمَ كَيْفَ لَمْ تَتَّخِذْهُ وَجْهًا وَهَاجِرًا مَلِيًّا﴾ ”ابراہیم! کیا تو میرے

جو میرا پروردگار رکھ چاہے۔ میرا پروردگار اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ کیا تم خیال نہیں کرتے؟ بھلا میں ان چیزوں سے جن کو تم (اللہ کا) شریک بناتے ہو کیونکر ڈروں جب کہ تم اس سے نہیں ڈرتے کہ اللہ کے ساتھ شریک بناتے ہو جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں کی۔ اب دونوں فریقوں میں سے کون سا فریق اسن (اور جیت خاطر) کا حقیق ہے، اگر کچھ رکھتے ہو (تو بتاؤ)۔ جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو (شرک کے) ظلم سے غلطو نہیں کیا ان کے لیے اسن (اور جیت خاطر) ہے اور وہی عبادت پانے والے ہیں۔ اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلے میں عطا کی تھی۔ ہم جس کے چاہتے ہیں وہ سب بلند کر دیتے ہیں۔ بیشک تمہارا پروردگار دانا اور خوب علم والا ہے۔“ (الانعام: 75-83)

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام اور ان کی قوم کے درمیان مناظرے کا ذکر کیا ہے۔ آپ نے یہ واضح فرمایا کہ روشن ستاروں کی صورت میں نظر آنے والے اجرام فلکی معبود ہونے کے لائق نہیں۔ اللہ کے ساتھ ان کی عبادت نہیں ہونی چاہیے کیونکہ وہ مخلوق ہیں جنہیں دیکھ بھال کی ضرورت ہے۔ وہ خالق کے بنائے ہوئے اور اس کے حکم کے تابع ہیں، کبھی طلوع ہوتے ہیں تو کبھی غروب ہو کر نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں، وہ زیور اور ابدی ہے، اس کے ساتھ اور کوئی معبود نہیں۔

سب سے پہلے آپ نے یہ واضح کیا کہ ستارے یہ صلاحیت نہیں رکھتے۔ اس کے بعد آپ نے چاند کا ذکر فرمایا جو ستاروں سے زیادہ روشن اور زیادہ خوبصورت ہے۔ اور آخر میں سورج کا ذکر فرمایا جو نظر آنے والے اجرام فلکی میں سب سے زیادہ روشن اور خوبصورت ہے۔ اور واضح کیا کہ یہ بھی کسی حکم کا تابع اور سخرے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمِنَ الْجَبَرُوتِ الْبَلَدُ وَالْقَهْرُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ﴾

”اور ارات اور دن اور سورج اور چاند اس کی نشانی میں سے ہیں۔ تم لوگ نہ تو سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو بلکہ اللہ ہی کو سجدہ کرو جس نے ان چیزوں کو پیدا کیا ہے اگر تم کو اس کی عبادت منظور ہو۔“ (حج السجدة: 37/41)

اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَلَمَّا رَأَى الْقَمَسُ بَارِعَةً قَالَ هَذَا رَبِّي هَذَا الْكَبِيرُ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يُقَوِّرُ إِنِّي بِرَبِّيَ مُبْتَلًى شَرِّكَوْنَ إِنِّي وَجْهِي لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَحَاجَّةٌ قَوْمُهُ قَالَ أَتُحَاجُّونِي فِي اللَّهِ وَقَدْ هَدَىٰ وَلَا أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ إِلَّا أَن يَشَاءَ رَبِّي شَيْئًا﴾

”پھر جب سورج کو دیکھا کہ جگہا رہا ہے تو کہنے لگے کہ میرا پروردگار یہ ہے۔ یہ سب سے بڑا ہے مگر جب وہ بھی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نظام کائنات میں غور و تدبر

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو مظاہر قدرت دکھا کر ایمان و یقین کا رتبہ عطا فرمایا تاکہ آپ اپنی امت کو دعوت تو حید پر زور طریقے اور دلائل کی روشنی میں دیں۔ اور شاہد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكُنَّا لَكَ نُورًا يَهْدِيهِمْ مِّنْكُمْ لَوْ أَنَّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَنْ فِيهِنَّ لَكُنَّ عِبَادًا لَّكَ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾

﴿فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ كَبِيرُ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يُقَوِّرُ إِنِّي بِرَبِّيَ مُبْتَلًى شَرِّكَوْنَ إِنِّي وَجْهِي لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَحَاجَّةٌ قَوْمُهُ قَالَ أَتُحَاجُّونِي فِي اللَّهِ وَقَدْ هَدَىٰ وَلَا أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ إِلَّا أَن يَشَاءَ رَبِّي شَيْئًا وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ﴾

﴿وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُكُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَكُفْرًا شَرِّكُمْ مَا لَهُمْ يَوْمَئِذٍ بِكُمْ عَدَاوَةً كَانَتْ بَيْنَ يَدَيْهِمْ يَوْمَئِذٍ أَلَيْسَ لَنَا بِمَلَكٍ يَنْظُرُ﴾

﴿وَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ كَبِيرُ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يُقَوِّرُ إِنِّي بِرَبِّيَ مُبْتَلًى شَرِّكَوْنَ إِنِّي وَجْهِي لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَحَاجَّةٌ قَوْمُهُ قَالَ أَتُحَاجُّونِي فِي اللَّهِ وَقَدْ هَدَىٰ وَلَا أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ إِلَّا أَن يَشَاءَ رَبِّي شَيْئًا وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ﴾

”اور ہم نے اس طرح ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کے کائنات دکھائے تاکہ وہ خوب یقین کرنے والوں میں ہو جائیں (یعنی) جب رات نے ان کو (پروردگار کی) حجاب لیا تو انہیں (آسمان میں) ایک ستارہ نظر آیا۔ وہ کہنے لگے: یہ میرا پروردگار ہے۔ جب وہ غائب ہو گیا تو کہنے لگے کہ مجھے غائب ہوجانے والے پسند نہیں۔ پھر جب چاند کو دیکھا کہ چمک رہا ہے تو کہنے لگے: یہ میرا پروردگار ہے لیکن جب وہ بھی چمپ گیا تو بول اٹھے کہ اگر میرا پروردگار مجھے سیدھا راستہ نہیں دکھائے گا تو میں ان لوگوں میں ہو جاؤں گا جو بھوک رہے ہیں۔ پھر جب سورج کو دیکھا کہ جگہا رہا ہے تو کہنے لگے: یہ میرا پروردگار ہے۔ یہ سب سے بڑا ہے۔ مگر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو کہنے لگے: لوگو! جن چیزوں کو تم (اللہ کا) شریک بناتے ہو میں اُن سے بیزار ہوں۔ میں نے سب سے نکسو ہو کر اپنے آپ کو اُس ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ اور ان کی قوم اُن سے بحث کرنے لگی تو انہوں نے کہا کہ تم جیسے اللہ کے بارے میں (کیا) بحث کرتے ہو، اُس نے تو مجھے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے اور جن چیزوں کو تم (اللہ کا) شریک بناتے ہو میں اُن سے نہیں ڈرتا۔ ہاں

مَنْ فَعَلَ هَذَا بِإِلَهَيْتَنَا إِنَّهُ لِمِنَ الظَّالِمِينَ ۖ قَالُوا سَمِعْنَا فَكَيْ يَدْعُهُمْ يُقَالُ لَهُ
إِبْرَاهِيمُ ۖ قَالُوا فَأْتُوا بِهِ عَلَى أَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُونَ ۚ قَالُوا ءَأَنْتَ تَقُولُ هَذَا بِإِلَهَيْتَنَا
يَا بَرَاهِيمُ ۖ قَالَ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا فَاسْتَأْذِنُوا ۖ هَؤُلَاءِ قَوْمٌ لَّيْثُونَ ۚ فَوَجَّعُوا إِلَى أَنْفُسِهِمْ
فَقَالُوا إِنَّكُمْ أَنْتُمُ الظَّالِمُونَ ۚ ثُمَّ نَسُوا عَلَى رُءُوسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَاهُؤَافَا يَطْفُونَ ۚ قَالَ
أَفَتَقْتَدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ ۚ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۚ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۚ قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانْقُرُوا آلِهَتَكُمْ إِن كُنْتُمْ لَافِعِينَ ۚ فَلَمَّا يَنَالُوا لُغْوِي بَرْدًا
وَسَلَّامًا عَلَى إِبْرَاهِيمَ ۚ وَآزَادُوهُ بِمَكِيدَا فَجَعَلْنَاهُمُ الْآخِصِينَ ۚ

”اور ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے ہدایت دی تھی اور ہم ان (کے حال) سے واقف تھے۔ جب انہوں نے اپنے
باپ سے کہا کہ یہ کیا مورتیاں ہیں جن (کی پرستش) پر تم مختلف (اور قائم) ہو۔ وہ کہنے لگے کہ ہم نے اپنے باپ
دادا کو ان کی پرستش کرتے دیکھا ہے۔ (ابراہیم نے) کہا کہ تم بھی (مگر وہ) اور تمہارے باپ دادا بھی صریح
گمراہی میں پڑے۔ وہ بولے: کیا تم ہمارے پاس (واقعی) حق لائے ہو یا (ہم سے) کھیل (کی باتیں)
کرتے ہو؟ (ابراہیم نے) کہا: (نہیں) بلکہ تمہارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے جس نے ان کو پیدا
کیا ہے اور میں اس (بات) کا گواہ (اور اس کا قائل) ہوں۔ اور اللہ کی قسم! جب تم پیٹھ پھیر کر چلے آگے تو میں
تمہارے بتوں سے ایک چال چال چلاؤں گا۔ پھر ان کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا مگر ایک بڑے (بت) کو (نہ توڑا) تاکہ وہ
اس کی طرف رجوع کر دیں۔ کہنے لگے کہ تمہارے معبودوں کے ساتھ یہ معاملہ کس نے کیا؟ وہ تو کوئی ظالم ہے۔
لوگوں نے کہا کہ ہم نے ایک جوان کو ان کا ذکر کرتے ہوئے سنا ہے، اُس کو ابراہیم کہتے ہیں۔ وہ بولے کہ اُسے
لوگوں کے سامنے لاؤ کہ وہ گواہ رہیں۔ (جب ابراہیم آئے تو بت پرستوں نے کہا کہ ابراہیم تمہارے معبودوں
کے ساتھ یہ کام بھلا تم نے کیا ہے؟ (ابراہیم نے) کہا: (نہیں) بلکہ یہ اُن کے اس بڑے (بت) نے کیا (ہوگا)
اگر یہ بولتے ہیں تو اُن سے پوچھ لو۔ انہوں نے اپنے دل میں غور کیا تو آپس میں کہنے لگے: یہ شک تم ہی ہے
انصاف ہو۔ پھر انہوں نے (شرمندہ ہو کر) سر نیچا کر لیا (اور ابراہیم سے کہنے لگے کہ تم جانتے ہو یہ بولتے
نہیں۔ (ابراہیم نے) کہا کہ پھر تم اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کو کیوں پوجتے ہو جو تمہیں کچھ فائدہ دے سکیں اور نہ
نقصان پہنچا سکیں؟ تف ہے تم پر اور جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، ان بھی۔ کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ (جب وہ)
کہنے لگے کہ اگر تمہیں (اس سے اپنے معبودوں کا انقزام لینا اور) کچھ کرنا ہے تو اُس کو جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد
کرو۔ ہم نے حکم دیا کہ اے آگ! سرد ہو جا اور ابراہیم پر (موجب) سلامتی (بن جا۔) اُن لوگوں نے اُن
(ابراہیم) کا برا بھلا تھا کہ ہم نے انہی کو نقصان میں ڈال دیا۔“ (الانبیاء: 70-51/21)

غروب ہو گیا تو کہنے لگے: لوگو! جن چیزوں کو تم (اللہ کا) شریک بناتے ہو میں اُن سے بیزار ہوں۔ میں نے سب
سے یکسو ہو کر اپنے آپ کو اسی ذات کی طرف متوجہ کیا ہے۔ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں شرکوں
میں سے نہیں ہوں۔ اور اُن کی قوم اُن سے بحث کرنے لگی تو انہوں نے کہا: تم تجھ سے اللہ کے بارے میں (کیا)
بحث کرتے ہو۔ اس نے تو مجھے سیدھا راستہ دکھایا ہے اور جن چیزوں کو تم اس کا شریک بناتے ہو میں اُن سے نہیں
ڈرتا۔ ہاں جو میرا پروردگار کچھ چاہے۔“ (الانعام: 78-6/80)

مطلب یہ ہے کہ میں ان تمام معبودوں سے نہیں ڈرتا، جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔ یہ کسی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا
سکتے نہ نیک ہیں اور نہ بھیر رکھتے ہیں بلکہ وہ یا تو ستاروں وغیرہ کی طرح ربوبیت کے محتاج اور حکم کے پابند ہیں یا باقوں
سے گھڑے اور تراش کر بنائی ہوئی مورتیاں ہیں۔

بت پرستوں سے مناظرہ اور دعوت غور و فکر کے لیے شاندار تدبیر

اہل باطل بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہی سے بت پرستی کے بارے میں مناظرہ کیا تھا اور
جسموں کو توڑ پھوڑ کر اور ان کی تحقیر و تذلیل کر کے ان کا باطل ہونا واضح فرمایا تھا۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:
﴿وَقَالَ إِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِثْلَهُ دُونِ اللَّهِ وَتَوْفَاتُكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ إِلَّا نِسْيَانًا لَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ
يَكْفُرُ بَعْضُكُم بِبَعْضٍ وَبَلَّغْ بَعْضُكُم بَعْضًا وَمَا لَكُمْ مِمَّا لَكُمْ مِنْ نَصْرِينَ ۚ﴾
”اور ابراہیم نے کہا کہ تم جو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو لے بیٹھے ہو تو دنیا کی زندگی میں باہم دوستی کے لیے۔ (مگر) پھر
قیامت کے دن تم ایک دوسرے (کی دوستی) سے انکار کرو گے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے اور تمہارا ٹھکانا
دوزخ ہوگا اور کوئی تمہارا مددگار نہ ہوگا۔“ (الحجرات: 25/29)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت پرستوں کو دعوت غور و فکر دینے کے لیے ایک زبردست تدبیر کی جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے
سورہ انبیاء میں فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِنْ قَبْلُ وَكَلَّمْنَاهُ عَلَيْهِ ۖ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَذِهِ
الصُّلُكُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عَاقِبُونَ ۖ قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا لَهْجِيئِينَ ۖ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ أَنْتُمْ
وَأَبَاؤُكُمْ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۖ قَالُوا أَجَعَلْنَا بِالْحَقِّ أَمْرًا أَنْتَ مِنَ النَّاجِينَ ۖ قَالَ بَلْ زَكَّيْتُمْ
رَبَّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الَّتِي يَطْغُونَ ۖ وَآتَاكَمْ مِنْ الشَّجَرِ الَّتِي عَلَيْكُمْ مِنَ الشَّهَادَةِ ۖ وَآتَاكُمْ مِنْ لَدُنْكُمْ
أَصْنَافًا مِمَّا بَعْدَ أَنْ تُولَدُوا ۖ يَمْزِينَكُمْ ۖ فَجَعَلْنَاهُمْ جُنُودًا لِكَافِرَاتِ لَهْمُ لَعَنَهُمْ إِلَهُ يَرْجِعُونَ ۖ قَالُوا

ستاروں کی طرف ایک نظر کیا اور کہا میں تو تیار ہوں۔ تب وہ اُن سے پتہ چھو کر بھول گئے۔ پھر ابراہیم کے معبودوں کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ تم کھاتے کیوں نہیں؟ ہمیں کیا ہوا ہے تو بولے نہیں؟ پھر ان کو داہنے ہاتھ سے مارنا (اور دُور تانا) شروع کیا۔ (واپس پر) دو گدگد اُن کے پاس دوڑتے ہوئے آئے تو آپ نے کہا کہ تم ایسی چیزوں کو کیوں پڑھتے ہو جن کو غور سے نہ جالائے کہ تم کو اور جو تم ہو اسے جو کائنات ہی پیدا کیا ہے۔

ایک چال چلنی چاہی اور ہم نے ان ہی کو زیر کر دیا۔“ (الصفات: 37/83-98)

بعض علماء نے فرمایا: ”ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات میں کبھی تھی“ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ بعض افراد نے آپ کی زبان سے یہ بات سن لی تھی۔^①

قوم کا جشن اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بہت بھگنی

وہ لوگ سال میں ایک بار شہر سے باہر نکل کر عید (قومی جشن) منایا کرتے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام کو ان کے والد نے اس جشن میں شامل ہونے کی دعوت دی، تو آپ نے فرمایا: ”میں بیمار ہوں۔“

بھئی اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا:

﴿فَقَطَّرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ۖ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ﴾

”تب انہوں نے ستاروں کی طرف ایک نظر کی اور کہا میں تو بیمار ہوں۔“ (الصافات: 88-89)

آپ نے کلام میں ”تور یہ“ کیا تاکہ آپ بتوں کو پاش پاش کر کے ان کے مذہب کی غلطی ظاہر کر سکیں اور سچے دین کی حقانیت واضح کر سکیں۔

جب وہ لوگ عید منانے چلے گئے اور آپ شہر میں اکیلے رہ گئے تو آپ جلدی سے لوگوں کی نظروں سے بچ کر بتوں کے پاس پہنچے گئے۔ دیکھا کہ وہ بڑے شاندار ماحول میں ہیں اور لوگوں نے (اپنے خیال میں) ان کی خوشحالی حاصل کرنے کے لیے ان کے آگے طرح طرح کے کھانے رکھے ہوئے ہیں، ان کا مذاق اڑاتے ہوئے فرمایا:

﴿إِنَّا تَأْكُلُونَ ۖ مَا لَكُمْ لَتَنْتَقِفُونَ﴾

”تم کھاتے کیوں نہیں؟ تمہیں کیا ہوا ہے تم بولے کیوں نہیں؟“ (الصافات: 92,91,37)

﴿قَرَأَ عَلَيْهِمْ صَوْرًا بِالنُّجُومِ﴾ (سورۃ الصافات: 93/37) ”انچران کی طرف مڑ کر دائیں ہاتھ سے ایک ایک ضرب لگاتے گئے۔“ کیونکہ دایاں ہاتھ زیادہ قوی، شدید، تیز اور غالب ہوتا ہے۔ آپ کے ہاتھ میں ایک بسولہ (لوہے کا بھاری ہتھیار، جس سے برہمنی کلوی کاٹنے اور تراشتے ہیں) تھا، وہی مار مار کر انہیں توڑ پھوڑ دیا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَجَعَلَهُمْ جَذْدًا﴾ یعنی ”انہیں توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔“ ﴿إِنَّا كُنَّا لَهُمْ لَحْمًا يَمْشَىٰ يَتَوَجَّعُونَ﴾ ”سوئے بڑے بڑے

بت کے (سب کو توڑ دیا) شاید وہ اس کی طرف رجوع کریں۔“ (الانبیاء: 85)

کہتے ہیں آپ علیہ السلام نے بسولہ بڑے ہمت کے ہاتھ میں دے دیا تاکہ اسے یہ تاثر غلط نہ لگے کہ اسے اپنے ساتھ چھوئے بتوں کی بھی عبادت ہوتے دیکھ کر غصہ آ گیا اس لیے اس نے انہیں توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہے۔

ہیں؟ انہوں نے کہا: (نہیں) بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔“ (الشعراء: 74-72) یعنی مخالفین نے تسلیم کیا کہ یہ تمام نبیاء و معبود کسی کی بھائی نہیں ستے اور کسی کو نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ ان کی پوجا کا سبب اپنے جیسے جاہل بزرگوں کی بیرونی اور تقلید ہے۔ اسی لیے آپ نے ان سے فرمایا:

﴿أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ۚ إِنَّهُمْ وَأَبَاءُكُمُ الْأَقْدَمُونَ ۚ فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيَ إِلَّا الرَّبَّ الْعَلِيمِينَ﴾

”تم نے دیکھا کہ جن کو تم پوجتے رہے تم بھی اور تمہارے اگلے باپ دادا بھی وہ میرے دشمن ہیں لیکن رب العالمین (میرا دوست ہے۔“ (الشعراء: 75-77)

یہ ایک ناقابل تردید ثبوت ہے کہ بتوں کی الوہیت کا دعویٰ باطل ہے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام نے ان سے بیزاری کا اظہار فرمایا اور ان کی توہین کی۔ اگر وہ کسی کا کچھ بگاڑ سکتے تو ضرور آپ کو تکلیف پہنچاتے اور اگر کسی پر اثر انداز ہو سکتے تو آپ پر ہوتے۔

قوم کے بت پرست لوگوں نے جواب دیا:

﴿إِصْنَتْنَا بِالْحَقِّ أَمَّا أَنْتَ مِنَ الْبَاطِلِينَ﴾

”کیا تم ہمارے پاس (واقعی) حق لائے ہو یا (ہم سے) کھیل (کی باتیں) کرتے ہو؟“ (الانبیاء: 51/25)

یعنی انہوں نے آپ سے کہا: ”آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں، جس طرح آپ ہمارے معبودوں کی توہین کر رہے ہیں اور اس کی بنیاد پر ہمارے آباء و اجداد پر طعن کر رہے ہیں، آپ یہ باتیں تنبیہ کی کر رہے ہیں یا یہ محض ایک مذاق ہے؟“

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا:

﴿بَلْ زَكَّيْتُمْ رَبَّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنَّنِي قَطَّعْتُ رَحْمَةً ۖ وَأَنَا عَلَىٰ ذِكْرٍ مِّنَ الشَّهِيدِينَ﴾

”(نہیں) بلکہ تمہارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے جس نے اُن کو پیدا کیا ہے اور میں اس (بات) کا

گواہ (اور اسی کا قائل) ہوں۔“ (الانبیاء: 56/21)

یعنی آپ نے فرمایا: ”میں یہ باتیں انتہائی تنبیہ کی کے حقیقت کی بنیاد پر کہہ رہا ہوں۔ تمہارا اصل معبود وہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، وہ تمہارا بلکہ ہر چیز کا رب ہے۔ اس نے آسمان اور زمین کو بے مثال پیدا کیا ہے۔ لہذا وہی اکیلا عبادت کا مستحق ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں اس حقیقت کی گواہی دیتا ہوں۔“

ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

﴿وَتَاللَّهِ لَآ كَيْدَ لِّأَصْنَامِكُمْ بَعْدَ أَنْ قُلُوا قَوْلَ مَذْيَبِينَ﴾

”اور اللہ کی قسم! جب تم پیٹھ پیچھ کر چلے جاؤ گے تو میں تمہارے بتوں سے ایک چال چلوں گا۔“ (الانبیاء: 57/21)

آپ نے قسم کھالی کہ جب وہ لوگ جشن منانے چلے جائیں گے تو آپ ان بتوں کے بارے میں کوئی تذکرہ کریں گے جنہیں وہ پوجتے ہیں۔

انہیں تسلیم کر لیتا چاہیے کہ یہ محض عام پتھروں جیسے پتھری ہیں اور کچھ نہیں۔ انہوں نے اپنے دل میں غور کیا تو آپس میں کہنے لگے: ﴿إِنَّمَا أَنتُمُ الظَّالِمُونَ﴾ ”یہ ٹکے تم ہی کے انصاف ہوئے یعنی وہ اپنے آپ کو طامس کرنے لگے اور انہوں نے کہا: ”تم نے خودی یہ غلطی کی کہ ان کے پاس کوئی چوکیدار یا محافظ نہ چھوڑا۔“ ﴿ثُمَّ لَنُصْأَا عَلَى رُءُوسِهِمْ﴾ (الانبیاء: 65)

”تب انہوں نے سر جھکا لیے۔“

قائد ہنٹ نے فرمایا: یعنی وہ حیرت زدہ رہ گئے (کہ کیا جواب دیں؟) اور انہوں نے (شرم سے) سر جھکا لیے۔^① اور بولے: ﴿لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَآ هَؤُلَاءِ يَتَّبِعُونَ﴾ ”تم جانتے ہو یہ کیسے نہیں۔“

یعنی ابراہیم! آپ کو معلوم ہے کہ یہ جسے باتیں نہیں کرتے۔ پھر آپ ہمیں کیوں کہتے ہیں کہ ان سے پوچھ لو۔ تب حضرت خلیل علیہ السلام نے فرمایا:

﴿أَفَعَبِدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّهُمْ أَفَئِنَّكُمْ لِكُلِّ غَبْرَةٍ لَعَبِدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾

”پھر تم اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہو جو تمہیں نہ کچھ فائدہ دے سکیں اور نہ نقصان پہنچا سکیں؟“

تم پر اور جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو ان پر بھی کیا تم عقل نہیں رکھتے؟“ (الانبیاء: 67, 66, 21)

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاقْبَلُوا إِلَيْهِ يَزُفُونَ﴾ ”تو وہ لوگ ان کے پاس دوڑتے ہوئے آئے۔“

(الصافات: 94/37)

عجائب دشت نے فرمایا: یعنی ”وہ تیزی سے آپ کی طرف گر پڑے۔“ آپ نے فرمایا: ﴿أَفَعَبِدُونَ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ شَيْئًا﴾

تم ایسی چیزوں کو پوجتے ہو جن کو خود تراشتے ہو۔ یعنی تم ان بتوں کی پوجا کیوں کرتے ہو جنہیں تم خود لکڑی اور پتھر سے تراش کر اپنی مرضی کے مطابق ان کی شکل بناتے ہو؟

﴿وَأَنَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ﴾

”حالانکہ تم کو اور جو تم بناتے ہو اس کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔“ (الصافات: 96/37)

اس آیت مبارکہ میں [منا] کو مصدر یہ قرار دے کر اس طرح بھی ترجمہ کیا جاسکتا ہے: ”اللہ نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا ہے۔“ اور [منا] کو [الْبَدَنُ] کے معنی میں اسم موصول قرار دے کر اس طرح بھی ترجمہ کیا جاسکتا ہے: ”اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے اور جو کچھ تم بناتے ہو (یعنی انصاف) انہیں بھی (پیدا کیا ہے۔“)

دونوں صورتوں میں یہی مفہوم حاصل ہوتا ہے کہ تم بھی مخلوق ہو اور یہی بت بھی مخلوق ہیں، پھر ایک مخلوق دوسری مخلوق کی

① تفسیر الطبري: 55، 10 سورة الانبياء: آیت 65

② تفسیر ابن کثیر: 22/7 سورة الصافات: آیت 94

جب لوگ جشن سے فارغ ہو کر واپس آئے اور اپنے معبودوں کی ذرگت بنی ہوئی دیکھی، تب انہوں نے کہا: ﴿هَٰذَا قَوْلُكَ هَٰذَا بِأَلْهِنَا﴾ ”ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ معاملہ کس نے کیا؟“ (الانبیاء: 59/21)

اگر ان لوگوں کو قتل ہوئی تو ان کے معبودوں کے ساتھ جو کچھ ہو گیا تھا، اس سے انہیں حق کی دلیل سمجھ میں آ جاتی، یعنی اگر یہ بت معبود ہوتے تو کسی بھی بداندیش کے خلاف اپنا دفاع کرتے۔ لیکن اپنی جہالت، حماقت، غلاطی اور بے وقوفی کی بنا پر انہوں نے کہا: ”ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ معاملہ کس نے کیا؟“ کچھ لوگوں نے کہا: ﴿سَمِعْنَا قَوْلَ يَدِّكَ يُهْمُّ يُقَالُ لَكَ لِجُوهِيْمُ﴾

”ہم نے ایک جوان کو ان کا ذکر کرتے ہوئے سنا ہے اس کو ابراہیم کہتے ہیں۔“ (الانبیاء: 60/21)

یعنی وہ ان کے عیب بیان کرتا ہے، ان کی تحقیر اور تذلیل کرتا ہے۔ اسی نے پیچھے رہ کر انہیں توڑا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ﴿يَدُّكَ يُهْمُّ﴾ ”ان کا ذکر کرتا تھا“ اس سے مراد ابراہیم کا یہ فرمان ہے:

﴿وَتَأْتِيهِمْ كَيْدٌ مِّنْ رَبِّكَ يُفَتِنُ أَصَاغِرًا مِّنْكَ بَعْدَ أَنْ تُوَلِّوهُم مَّا يُرِيدُ﴾

”اور اللہ کی قسم! جب تم پیچھے پھیر کر چلے جاؤ گے تو میں تمہارے بتوں کے ساتھ ایک چال چلوں گا۔“ (الانبیاء: 57/21)

”وہ بولے کہ اُسے لوگوں کے سامنے لاؤ تا کہ وہ گواہ رہیں۔“ (الانبیاء: 61/21)

یعنی اسے بڑے اجتماع میں لوگوں کے سامنے حاضر کرو تا کہ وہ سب لوگ اس کی باتیں سنیں اور اسے ملنے والی سزا دیکھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کو توڑنے سے اصل مقصود یہ تھا کہ سب لوگ جمع ہو جائیں تاکہ تمام بت پرستوں کے سامنے ان کا عقیدہ غلط ہونے کی دلیل پیش کی جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اسی مقصد کے لیے فرعون سے کہا تھا:

﴿مَوْعِدُهُمْ يُومُهُ الْيَوْمِ وَوَعْدُكَ نَارُ الْيَوْمِ﴾

”زیبت اور جشن کے دن کا وعدہ ہے اور یہ کہ لوگ دن چڑھ ہی جمع ہو جائیں۔“ (طہ: 59/20)

⑤ قوم کا رومل اور ابراہیم علیہ السلام کا مسکت جواب: جب سب لوگ جمع ہوئے اور ابراہیم علیہ السلام کو بھی جمع عام میں لے آئے تو انہوں نے بات شروع کی اور کہا:

﴿أَعَزَّتْ قَوْلَتُ هَٰذَا بِأَلْهِنَا يَا بَرْهِيْمُ﴾

”اے ابراہیم! ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کام بھلا تم نے کیا ہے؟ (ابراہیم نے) کہا: (نہیں) بلکہ یہ اُن کے اس بڑے (بت) نے کیا (ہوگا)۔ اگر یہ بولتے ہیں تو ان سے پوچھ لو۔“ (الانبیاء: 63, 62, 21)

اس کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اُس نے مجھ سے پرآباد کیا۔ اس کام میں تخریب تھی۔ اصل میں ابراہیم علیہ السلام لوگوں کی توجہ اسی حقیقت کی طرف مبذول کرانا چاہتے تھے کہ ان کے معبود تو بولے سے بھی قاصر ہیں اس لیے

سے پہلے اسی شخص نے بنایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں وھنسا دیا۔ وہ قیامت تک وھنستا چلا جائے گا۔ پھر لوگوں نے آپ کو چکر باندھ دیا اور مٹکس کس دیں۔ اس وقت آپ یہ فرما رہے تھے: **لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ، لَكَ الْحَمْدُ وَ لَكَ الْمُلْكُ، لَا شَرِيكَ لَكَ** [اے اللہ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، جہانوں کے مالک! تیری ہی تعریف ہے، تیری ہی بادشاہی ہے اور تیرا کوئی شریک نہیں۔]

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہاتھ پاؤں باندھ کر تحقیق میں رکھا گیا اور اس کے ذریعے سے آگ میں پھینکا گیا تو آپ فرما رہے تھے: **“حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ”** [ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے۔]

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: **“حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ”** یہ بات ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت فرمائی تھی جب انہیں آگ میں پھینکا گیا اور حضرت محمد ﷺ نے اس وقت فرمائی جب آپ کو بتایا گیا:

“إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ بُغْضًا وَأَكْرَهُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ” فَانْقَبُوا بِتَعَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَفُضِّلَ لَهُ يَسْتَسْنَهُمْ **﴿٦٧﴾**

”کفار نے تمہارے (مقابلے کے) لیے (الشکر کثیر) جمع کیا ہے سو ان سے ڈرو۔ تو ان کا ایمان اور زیادہ ہو گیا اور کہنے لگے کہ ہم کو اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔ پھر وہ اللہ کی نعمتوں اور اس کے فضل کے ساتھ (خوش و خرم) واپس آئے۔ ان کو کسی طرح کا ضرر نہ پہنچا۔“ (آل عمران: 173، 174)

بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام ہوا میں تھے تو جبریل علیہ السلام ظاہر ہوئے اور فرمایا: ”ابراہیم! آپ کی کوئی حاجت؟“ انہوں نے کہا: ”آپ سے تو کوئی کام نہیں۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بارش کا فرشتہ کہنے لگا: ”مجھے کسم کسم دیا جائے گا کہ میں بارش برسادوں؟“ لیکن اللہ کا حکم اس سے بھی پہلے پورا ہو گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْنَا يَا زُلَّكَوْنِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ﴾

”ہم نے حکم دیا کہ اے آگ! سرد ہو جا اور ابراہیم پر (موجب) سلامتی (بن جا۔)“ (الانبیاء: 69/21)

حضرت علی رضی اللہ عنہما کا کہنا ہے: **﴿سَلَامًا﴾** کا مطلب ہے کہ آپ کو تکلیف نہ پہنچائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو العالیہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”اگر اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا: **﴿سَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ﴾** ابراہیم پر سلامتی والی ہو جا۔“ تو آگ اتنی ٹھنڈی ہو جاتی کہ آپ کو اس کی ٹھنڈک سے تکلیف محسوس ہوتی۔“

① صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله تعالى ﴿الَّذِينَ قَالُوا لِمِ الْبَنَاتِ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ﴾، حدیث: 4563

② تفسیر الطبری، 58/10، تفسیر سورة الانبیاء آیت: 69

عبادت کیوں کرے؟ اگر تمہارا انہیں پوجنا درست ہے تو یہ بھی درست ہونا چاہیے کہ وہ تمہیں پوجیں (کیونکہ مخلوق ہونے کے لحاظ سے دونوں برابر ہیں) لہذا یہ دونوں باتیں برابر غلط ہیں۔ عبادت صرف اسی خالق کی واجب ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے (اولاد میں)

قوم نے لا جواب ہونے پر وہی رو یہ اپنا جا جو ہر سرکش اور متکبر شکست کھانے پر اپناتا ہے، لہذا مشرک قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نشانِ عبرت بنانے کا پروگرام بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بری چال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْفُوهُ فِي الْجَحِيمِ﴾ فَأَادُوْهُ وَابْنُوْهُ لَهُ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمْ أَسْفَارًا **﴿٦٨﴾**

”وہ کہنے لگے کہ اس کے لیے ایک عمارت بنادو پھر اس کو آگ کے ڈھیر میں ڈال دو۔ غرض انہوں نے اس کے

ساتھ ایک چال چلی جانی اور ہم نے انہیں ہی زیر کر دیا۔“ (الصافات: 98، 97/37)

جب وہ لوگ بحث و مناظرہ کے میدان میں شکست کھا گئے اور ان کے پاس کوئی دلیل باقی رہی نہ شبہ نہ دلیل کا رنگ دے کر پیش کیا جاسکے، تو انہوں نے حماقت اور سرکشی پر مبنی اپنے مذہب کی تائید کے لیے قوت اور اقتدار کو استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص تدبیر سے حق و باطل کو غالب کر کے اپنی بران کو پختہ ثابت کر دیا، جیسے کہ ارشاد ہے:

﴿قَالُوا قَدِ احْزَوْهُ وَاقْتَرَوْهُ فَأَصْرَبُوا إِلَيْهِمْ إِنَّهُمْ بِخَفَافٍ عَلَىٰ حِجَابٍ﴾ قُلْنَا يَا زُلَّكَوْنِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ **﴿٦٩﴾**

﴿وَأَادُوْهُ وَابْنُوْهُ لَهُ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمْ أَخْسَرِينَ﴾

”[تب] وہ کہنے لگے کہ اگر تمہیں (اس سے اپنے معبود کا انتقام لینا اور) کچھ کرنا ہے تو اس کو جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو۔ ہم نے حکم دیا: اے آگ! سرد ہو جا اور ابراہیم پر (موجب) سلامتی (بن جا) [بن جان لوگوں نے تو ان (ابراہیم) کا برا چاہا مگر ہم نے انہی کو نقصان میں ڈال دیا۔]“ (الانبیاء: 70-68/21)

واقعہ یوں ہوا کہ انہوں نے ہر ممکن جگہ سے ایندھن جمع کرنا شروع کر دیا اور ایک مدت تک اکٹھا کرتے رہے، تو بہت یہاں تک پہنچ گئی کہ اگر کوئی عورت بیمار ہوتی تو یہی ذرا مانتی کہ اگر کچھ شفا ہوگئی تو ابراہیم کو نذر آتش کرنے کے لیے اتنا ایندھن دیں۔ پھر انہوں نے ایک وسیع ہموار جگہ میں وہ تمام ایندھن رکھ کر اسے آگ لگا دی۔ آگ روشن ہوئی، بجڑی اور اس کے شعلے بلند ہو گئے۔ اس سے اتنی بڑی بڑی بجڑیں پھریاں اٹھنے لگیں جو اس سے پہلے کبھی کسی نے نہیں دیکھی تھیں۔ تب انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو ایک تحقیق میں رکھا جو ”مبہیزن“ نام کے ایک ”کردی“ آدمی نے بنائی تھی۔ یہ اے لاسب

﴿قَالَ اِذْجُمُ قَالَ اللَّهُ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ مِنَ الْمَشْرِقِ قَاتِ بِهَا مِنَ الْعُغَيْبِ﴾

”ابراہیم نے کہا کہ اللہ تو وہ ہے جو سورج کو مشرق سے نکالنے والا ہے اور چلانے والے مقرر کر رکھا ہے۔ اگر تو

یہی زندگی اور موت کا مالک ہے جیسے کہ تیرا دعویٰ ہے کہ تو زندہ کرتا اور موت دیتا ہے، تو اس سورج کو مغرب سے لے آ۔ کیونکہ جس کے ہاتھ میں زندگی اور موت کا اختیار ہو، وہ جو چاہتا ہے کر سکتا ہے، اسے ذبح کیا جا سکتا ہے، نہ مطلب کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ وہ چیز پر غالب ہوتا ہے اور ہر چیز اس کے حکم کی پابند ہوتی ہے۔ اگر تیرا دعویٰ سچا ہے تو یہ کام کر۔ ورنہ ثابت ہو جائے گا کہ تیرا دعویٰ غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تجھے معلوم ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ تو یہ کام نہیں کر سکتا۔ سو تو اس قدر عاجز ہے کہ ایک چھڑی پیدا نہیں کر سکتا۔

اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا جاہل اور عاجز ہونا واضح فرما دیا لہذا اس کے پاس جواب میں کہنے کو کچھ نہ رہا۔ اس کا بند نہ ہو گیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قَبَّهْتَ الذِّنِّ كَفَرًا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾

”یہیں کر (کافر) شد در رہ گیا اور اللہ ہے انصافوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔“ (البقرہ: 258)

سہمی نے ذکر کیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے درمیان یہ مناظرہ اس دن ہوا، جس دن وہ آگ سے نکلے۔ اس سے پہلے ان کا آسمان میں نہیں ہوا تھا۔ جس دن وہ آکھٹے ہوئے اس دن یہ مناظرہ واقع ہوا۔

زید بن اسلم سے روایت ہے کہ نمرود نے اشیاءے خودی کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھا تھا۔ لوگ غلہ لینے کے لیے اس کے پاس جاتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ غلہ لینے گئے۔ اس سے پہلے دونوں کی کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت ان کے درمیان یہ مناظرہ ہو گیا۔ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو غلہ دینے سے انکار کر دیا۔ آپ اس کے پاس سے آئے تو آپ کے پاس غلہ نہیں تھا۔ جب آپ گھر کے قریب پہنچے تو دونوں بورے مٹی سے بھر لیے اور دل میں سوچا کہ جب میں گھر پہنچوں گا تو گھر والے مطمئن ہو جائیں گے۔ گھر پہنچ کر انہوں نے بورے اتارے اور خود گھسے۔ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ علیہا السلام اٹھ کر بوروں کے پاس نکلیں تو دیکھا کہ وہ غلہ سے بھرے ہوئے ہیں۔ انہوں نے کھانا تیار کیا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بیدار ہوئے تو دیکھا کہ کھانا تیار ہے۔ انہوں نے پوچھا: ”کیا کھانا کہاں سے آیا؟“ زوجہ محترمہ نے فرمایا: ”جو آپ کے لئے تھے، اسی سے تیار کیا ہے۔“ آپ سمجھ گئے کہ یہ اللہ تعالیٰ نے عجزانہ طور پر عطا فرمایا ہے۔

زید بن اسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس ظالم بادشاہ کے پاس ایک فرشتہ بھیجا جس نے اسے اللہ پر ایمان لانے کو کہا۔

کا فرمودہ اور بخت نصر ہیں۔

علماء فرماتے ہیں کہ نمرود مسل چار سو سال بادشاہ رہا۔ اس نے مسیح، ظلم اور تکبر کا راست اختیار کیا اور آخرت کی بجائے دنیا کا حصول پیش نظر رکھا۔ جب اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کی دعوت دی تو اس نے جہالت اور گمراہی کی وجہ سے خالق کا انکار کر دیا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس سے بحث کی۔ اس نے اپنے رب ہونے کا دعویٰ کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ”رَبِّیَ الَّذِیْ یُعِیْ وَیُحْیِیْ وَیُمِیْتُ“ ”میرا رب زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔“ اس نے کہا: ”اَنَا اَحْیِیْ وَ اُمِیْتُ“ ”میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔“ (البقرہ: 258/2)

بقاؤہ، سہمی اور محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ اس کے سامنے دو آدمی پیش گئے جس کے لیے سرائے موت کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ اس نے ایک کو قتل کرنے کا حکم دیا اور دوسرے کو معاف کر دیا۔ اس طرح اس نے یہ فریب دیا کہ اس نے ایک حکومت دے دی ہے اور دوسرے کو زندگی بخش دی ہے۔

اس کا یہ عمل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دلیل کا جواب نہیں تھا اور نہ اس کا موضوع مناظرہ سے کوئی تعلق تھا بلکہ یہ ایک بے کار بات تھی جس سے ظاہر ہو گیا کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو دلیل پیش فرمائی تھی اس کی فصاحت یہ ہے کہ جانداروں کا جینا مرنا ایک عام مشاہدے کی چیز ہے کیونکہ یہ واقعات خود بخود پیش نہیں آ سکتے۔ لہذا ضرور کوئی ایسی ذات موجود ہے جس کی مشیت کے بغیر ان اشیاء کا وجود ہی آنا محال ہے۔ لازمی ہے کہ نظر آنے والے واقعات کا کوئی فاعل ہو، جس نے انہیں پیدا کیے، انہیں اپنے نظام کا پابند کیا، جو ستاروں، ہواؤں اور بادلوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتا ہے اور بارش برساتا ہے اور ان جانداروں کو پیدا کرتا ہے جو ہمیں نظر آتے ہیں اور پھر انہیں موت سے ہمکنار کر دیتا ہے۔ اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ”رَبِّیَ الَّذِیْ یُعِیْ وَیُحْیِیْ وَیُمِیْتُ“ ”میرا رب زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔“ اس کا جاہل بادشاہ نے جو کہا ہے کہ ”اَنَا اَحْیِیْ وَ اُمِیْتُ“ ”میں بھی زندہ کر سکتا ہوں اور مارتا ہوں۔“ اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ یہ نظر آنے والے کام اس کے کنٹرول میں ہیں تو سراسر ہند اور بت دھرمی کا اظہار ہے اور اگر وہ مطلب ہے جو بقاؤہ، سہمی اور محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ بیان کیا ہے تو اس کا ابراہیم علیہ السلام کی پیش کردہ دلیل سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ اس نے نہ تو مقدمہ کو غلط کیا ہے نہ دلیل کے مقابل دلیل پیش کی۔

چونکہ بحث میں اس کی شکست کا یہ پہلو ایسا ہے جو حاضرین یا دوسرے لوگوں میں سے بہت سے افراد کی سمجھ میں آنے والا نہیں تھا۔ اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک اور دلیل پیش کر دی، جس سے نہایت واضح طور پر خالق کا وجود اور نمرود کے دعوے کا بطلان ثابت ہوا تھا۔ اس کی وجہ سے اُسے سب کے سامنے لا جواب اور ناموش ہونا پڑا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "یا اللہ! اگر یہ میرا تو لوگ کہیں گے، اس نے اسے قتل کر دیا ہے۔" تب وہ (ان عذاب سے) چھوٹ گیا۔ (اس کے بعد) وہ دوبارہ آپ کی طرف بڑھا۔ آپ نے پھر وضو کر کے نماز پڑھی اور کہا: "یا اللہ! تجھے معلوم ہے کہ میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لائی ہوں اور اپنے جسم کو اپنے خاوند کے سوا ہر ایک سے محفوظ رکھا ہے۔ اس کا فخر تجھ پر مسلط نہ فرمانا۔" بادشاہ کی سانس بند ہو گئی حتیٰ کہ وہ ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ سارہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "یا اللہ! اگر یہ میرا تو لوگ کہیں گے کہ اس نے اسے قتل کر دیا ہے۔" تب وہ چھوٹ گیا۔ تیسری یا چوتھی بار اس نے دربان سے کہا: تم نے میرے پاس کوئی شیطان (جن) بھیج دیا ہے۔ اسے واپس ابراہیم کے پاس پہنچا دو اور اسے باہر دے دو!

سارہ رضی اللہ عنہا واپس آ گئیں اور حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "اللہ نے کافروں کی تدبیر کو ناکام بنادیا اور خدمت کے لیے ایک لڑکی دے دی۔" ①
حدیث میں جو فرمایا گیا ہے: "وہ میری بہن ہے۔" اس سے مراد دین کے لحاظ سے بہن ہے اور ابراہیم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "روئے زمین پر میرے اور تیرے سوا کوئی مومن موجود نہیں۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مومن میاں بیوی موجود نہیں۔ اس عبارت کا یہی مطلب لینا ضروری ہے کیونکہ لوط رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ تھے اور وہ نبی تھے۔

اسی طرح حدیث میں ہے کہ جب وہ واپس آئیں تو ابراہیم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ﴿هَٰؤُلَاءِ﴾ "یعنی کیا بنا؟" انہوں نے فرمایا: "اللہ نے کافروں کی تدبیر کو ناکام بنادیا اور خدمت کے لیے باندی دی ہے۔" ایک روایت میں ہے: "بدکار کی تدبیر کو ناکام بنادیا۔" اس سے مراد بادشاہ ہے۔

جب سارہ رضی اللہ عنہا کو بادشاہ کے پاس لے جایا گیا، حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ اسی وقت اٹھ کر نماز پڑھنے لگے اور اللہ سے دعائیں کرنے لگے کہ وہ آپ کی اہلیہ کو محفوظ رکھے اور جس شخص نے آپ کی اہلیہ کے بارے میں بری نیت کی ہے، اس کے شر سے بچا لے۔ یہی کام حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے کیا۔ جب اللہ کے دشمن نے ان کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا تو انہوں نے فوراً اٹھ کر وضو کیا اور نماز پڑھ کر مذکورہ بالا دعا مانگی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ﴾

"مبرا اور نماز کے ذریعے سے اللہ کی مدد حاصل کرو۔" (البقرہ: 45/2)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے شرف کو بھی محفوظ رکھا اور اپنے بندے، اپنے رسول، اپنے پیارے اور اپنے خلیل ابراہیم رضی اللہ عنہ کے شرف کی بھی حفاظت فرمائی۔

⑤ ارض مقدس کی طرف واپسی: اس کے بعد حضرت خلیل رضی اللہ عنہ مصر سے دوبارہ برکت والی سرزمین یعنی ارض مقدس کی طرف لوٹ آئے۔ اس وقت آپ کے ساتھ موسیٰ، غلام اور بہت سامان تھا اور حضرت باہرہ قبیلہ مصریہ رضی اللہ عنہ آپ

خاتون ہے۔ اس نے آپ کو بلا بھیجا اور پوچھا: یہ عورت کون ہے؟ آپ نے فرمایا: "میری بہن ہے۔" آپ نے سارہ رضی اللہ عنہا کے پاس جا کر فرمایا: "سارہ! روئے زمین پر میرے اور تیرے سوا کوئی مومن موجود نہیں۔ اس نے مجھ سے پوچھا تھا تو میں نے اسے بتایا ہے کہ تو میری بہن ہے۔ اب میری بات جھٹلا نہ دینا۔"

بادشاہ نے سارہ رضی اللہ عنہا کو طلب کر لیا۔ جب آپ اس کے سامنے پیش ہوئیں، تو اس نے ہاتھ بڑھا کر آپ کو چھونا چاہا تو اسے پکڑ لیا گیا (یعنی حرکت نہ کر سکا۔) اس نے کہا: میرے لیے اللہ سے دعا کرو، میں تجھے تکلیف نہیں پہنچاؤں گا۔ انہوں نے دعا کی تو وہ ٹھیک ہو گیا۔ اس نے پھر آپ کو چھونا چاہا تو پہلے سے زیادہ سخت گرفت میں آ گیا۔ اس نے (پھر) کہا: میرے لیے اللہ سے دعا کیجیے، میں آپ کو تنگ نہیں کروں گا۔ آپ نے دعا کی تو وہ ٹھیک ہو گیا۔ تب اس نے اپنے ایک دربان کو بلا کر کہا: تم میرے پاس کوئی انسان نہیں لائے، تم تو کوئی جن پکڑ لائے ہو۔ اس نے ان کی خدمت کے لیے حضرت باہرہ رضی اللہ عنہا کو پیش کر دیا۔ جب سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا واپس آئیں تو حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے اشارے سے پوچھا: کیا ہوا؟ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کافری کا سازش کو ناکام کر دیا اور خدمت کے لیے باہرہ رضی اللہ عنہا دے دی۔ ②

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا: "اے آسمان کے پانی (جنسی پاک باز ماؤں اور باپوں) کی اولاد! (اہل عرب!) یہ (عظیم ہستی) تمہاری والدہ محترمہ ہیں۔" ③

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ابراہیم رضی اللہ عنہ نے تین مواقع کے سوا کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ ایک جب انہیں بتوں کی طرف لایا گیا تو انہوں نے فرمایا: ﴿إِنِّي سَقِيمٌ﴾ "میں بیمار ہوں۔" اور یہ فرمایا: ﴿إِنِّي لَمَلَكٌ كَرِيمٌ﴾ "یہ کام اُن کے اس بڑے نے کیا ہے۔" اور سارہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا: "میری بہن ہے۔"

(واحد اس طرح ہے کہ) حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ ایک شعر (مصرعہ) میں داخل ہوئے، جہاں ایک ظالم بادشاہ (سحران) تھا۔ اسے بتایا گیا کہ آج رات ابراہیم رضی اللہ عنہ ایک خاتون کے ساتھ آئے ہیں جو حسین ترین افراد میں سے ہے۔ بادشاہ نے بلا بھیجا اور کہا: تمہارے ساتھ یہ عورت کون ہے؟ انہوں نے فرمایا: "میری بہن ہے۔" اس نے کہا: اسے (میرے پاس) بھیج دو۔ آپ نے نہیں بھیج دیا اور فرمایا: "میری بات کی نگہ دیکھنا۔ میں نے اسے بتایا ہے کہ تم میری بہن ہو۔" حقیقت یہ ہے کہ زین پر ہم دونوں کے سوا کوئی مومن موجود نہیں۔"

جب سارہ رضی اللہ عنہا بادشاہ کے پاس پہنچیں، تو وہ آپ کی طرف بڑھا۔ آپ نے وضو کر کے نماز پڑھی اور (دعا کرتے ہوئے) کہا: "یا اللہ! تجھے معلوم ہے کہ میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لائی ہوں اور اپنے جسم کو اپنے خاوند کے سوا ہر ایک سے محفوظ رکھا ہے۔ اب اس کا فخر تجھ پر مسلط نہ فرمانا۔" بادشاہ کی سانس بند ہو گئی حتیٰ کہ وہ پاؤں مارنے لگا۔

مجھے اولاد سے محروم رکھا ہے، آپ میری لونڈی (ہاجرہ علیہا السلام) شاید اللہ تعالیٰ آپ کو اس سے اولاد عطا فرما دے۔“ جب انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو وہ (ہاجرہ علیہا السلام) دے دیں تو ابراہیم علیہ السلام ان کے پاس گئے اور وہ امید سے ہو گئیں۔ اہل کتاب کہتے ہیں کہ جب وہ امید سے ہوئیں تو اپنی مالکہ کو خیر جانے لگیں۔ حضرت سارہ علیہا السلام کو غیرت آئی اور انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شکایت کی۔ انہوں نے فرمایا: ”تم جو یا ہو کرو۔“ حضرت ہاجرہ علیہا السلام خوف زدہ ہو گئیں اور بھاگ کر ایک چشمہ کے پاس چلی گئیں۔ انہیں ایک فرشتہ ملا۔ اس نے کہا: ”خوف نہ کر، تیرے ہاں جو بیٹا پیدا ہونے والا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے بہت خیر و برکت عطا فرمائے گا۔“ اس نے انہیں واپس جانے کا حکم دیا اور خوشخبری دی کہ ان کے ہاں بیٹا پیدا ہو گا اور وہ اس کا نام ”اسماعیل“ رکھیں گی، وہ کوثر کی طرح آزاد مر د ہوگا، اس کا ہاتھ سپر ہوگا اور سب کے ہاتھ اس کے ساتھ ہوں گے اور وہ اپنے بھائیوں کے سارے ملک کا مالک ہوگا۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے اس پر اللہ کا شکر ادا کیا۔^①

یہ خوشخبری آپ علیہ السلام کی اولاد میں سے حضرت محمد ﷺ پر صادق آتی ہے کیونکہ عربوں کو نبی ﷺ کی وجہ سے سردار کا مقام حاصل ہوا اور مشرق و مغرب کے سب ممالک ان کے قبضے میں آئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کو وہ علم نافع اور عمل صالح عطا فرمایا جو پہلے کسی قوم کو نصیب نہیں ہوا تھا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اس امت کے رسول ﷺ تمام رسولوں سے افضل و اشرف ہیں۔ یہ آپ کی رسالت کی برکت اور آپ کی شریعت کے کمال کی وجہ سے ہے اور اس لیے بھی کہ آپ تمام جہان والوں کے لیے مبعوث ہوئے ہیں۔

جب حضرت ہاجرہ واپس آئیں تو ان کے ہاں ”اسماعیل علیہ السلام“ پیدا ہوئے۔ کہتے ہیں کہ جب اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چالیسی (86) سال تھی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام (اپنے بھائی) اسحاق علیہ السلام سے تیرہ سال پہلے پیدا ہوئے۔ جب اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وحی کے ذریعے سے خوشخبری دی کہ حضرت سارہ علیہا السلام سے اسحاق پیدا ہوں گے۔ آپ نے اللہ کو شکر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”میں نے اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں تیری دعا قبول کی، میں اسے برکت دوں گا، کثرت عطا فرماؤں گا اور بہت زیادہ بڑھاؤں گا، اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے، اور میں اسے ایک ہی قوم کا سردار بناؤں گا۔“^②

- ① اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ وہ سردار پر غالب ہوگا اور دوسرے اس کے مددگار ہوں گے۔ موجودہ بائبل میں اس جملے کو اس طرح بدل دیا گیا ہے: ”اس کا ہاتھ سب کے خلاف اور سب کے ہاتھ اس کے خلاف ہوں گے۔“ (پیدائش باب 16، فقرہ 12۔ کتاب مقدس شائع کردہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور 1983ء)
- ② دیکھئے بائبل کی کتاب: پیدائش، باب 16، بائبل کے موجودہ نسخوں میں اس جملہ ”اور وہ اپنے بھائیوں کے سارے ملک کا مالک ہوگا“ کی جگہ یہ عبارت لکھی گئی ہے: ”اور وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے برابر ہوگا۔“ (پیدائش، باب 16، فقرہ 12)
- ③ بائبل میں ہے: ”اور اسماعیل کے حق میں بھی میں نے تیری دعا سنائی۔“ دیکھئے میں اسے برکت دوں گا اور اسے برآمد کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اسے ہی قوم بناؤں گا۔“ (پیدائش باب 17، فقرہ 20)

کے ہمراہ تھیں۔

پھر حضرت لوط علیہ السلام اپنے کثیر اموال سمیت ”غور“ کے علاقے کی طرف ہجرت کر گئے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کا نہیں یہی حکم تھا۔ وہاں آپ ”مدقم“ کے شہر میں اقامت پذیر ہو گئے، جو اس دور میں اس علاقے کا مرکزی شہر تھا۔ یہاں کے باشندے کافر، بدکار اور شریر تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی تو آپ نے اللہ کے حکم سے نظر اٹھا کر شال، جنوب، مشرق اور مغرب کی طرف دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا: ”میں سرسبز تھے اور تیری اولاد کو قیامت تک کے لیے دوں گا اور تیری اولاد کو بڑھاؤں گا حتیٰ کہ وہ ریت کے ڈروں کے برابر ہو جائیں گے۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دی گئی اس بشارت میں امت محمدیہ (ﷺ) بھی شامل ہے۔ بلکہ اسی امت میں پیشین گوئی کامل ترین اور عظیم ترین انداز سے پوری ہوئی ہے۔ اس کی تائید رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے: ”اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین سمیت دی تو میں نے اس کے مشرقی اور مغربی حصے دیکھ لیے۔ میری امت کی سلطنت وہاں وہاں پہنچے گی، جو جو حصہ سمیت کر مجھے دکھایا گیا۔“^①

علمائے کرام بیان فرماتے ہیں کہ اس کے بعد کچھ بد معاشوں نے حضرت لوط علیہ السلام پر قابو پا کر انہیں قید کر لیا، ان کا مال چھین لیا اور موسیٰوں کو بائک کر لے گئے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خبر ملی تو آپ تین سو اٹھارہ افراد کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے۔ آپ نے لوط علیہ السلام کو بھی بچھا لیا، ان کا مال و متاع بھی واپس لے لیا اور اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کی بہت سی اذیتوں کو رفع کر دیا، انہیں شکست دی اور ان کا تعاقب کیا حتیٰ کہ دمشق کے شمال تک پہنچ گئے۔ وہاں ”برزہ“ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ میرے خیال میں اس جگہ کو مقام ابراہیم اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہاں ابراہیم علیہ السلام کے لشکر نے پڑاؤ ڈالا تھا۔

پھر آپ فاتحانہ طور پر اپنے علاقے میں واپس تشریف لائے۔ بیت المقدس کے بادشاہوں نے بڑے احترام کے ساتھ آپ کا استقبال کیا اور آپ کی اطاعت قبول کی اور آپ اپنے وطن میں اقامت پذیر ہو گئے۔ آپ پر اللہ کی طرف سے درود و سلام ہو۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت

اہل کتاب کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پاکباز اولاد کی دعا فرمائی۔ اللہ نے آپ کو اس کی خوشخبری دی۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت المقدس میں رہتے ہیں سال ہو گئے تو سارہ علیہا السلام نے ابراہیم علیہ السلام سے کہا: ”رب نے

① صحیح مسلم، الفتن، باب حلالہ هذه الأمة بعضهم بعضاً، حدیث: 2889 و سنن أبي داود، الفتن والملاحم، باب ذکر

حضرت ہاجرہؑ اور اسماعیل علیہ السلام مکہ میں

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ”سب سے پہلے جس خانوں نے کمر بند استعمال کیا، وہ اسماعیل علیہ السلام کی والدہ تھیں۔ انہوں نے کمر بند استعمال کیا، تاکہ ان کے نشان قدم سارہ علیہا سے پوشیدہ رہیں۔ بعد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں اور ان کے شیر خوار بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو لے گئے اور انہیں بیت اللہ کے پاس زحمر سے اوپر کی طرف (موجودہ) مسجد کے بالائی حصے میں ایک بڑے درخت کے پاس ٹھہرا دیا۔ اس وقت کہ میں کوئی انسان نہیں رہتا تھا اور وہاں پانی بھی نہیں تھا۔ آپ نے انہیں وہاں اتارا اور ان کے پاس کھجور کا ایک تھیلا اور پانی کا ایک مشکیزہ رکھ دیا۔ پھر ابراہیم علیہ السلام واپس چل پڑے۔ اسماعیل علیہ السلام کی والدہ بھی ان کے پیچھے چلیں اور کہا: ”ابراہیم! آپ ہمیں اس وادی میں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟ یہاں کوئی ساقی (یا مسافر) ہے نہ (ضرورت کی) کوئی چیز؟“ انہوں نے کئی بار یہ بات کہی، لیکن آپ ان کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ (آخر) انہوں نے کہا: ”کیا آپ کو اللہ نے یہ حکم دیا ہے؟“ انہوں نے فرمایا: ”ہاں!“ وہ بولیں: ”تب وہ ہمیں ضائع نہیں ہونے دے گا۔“ اور پلٹ گئیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام چلتے چلتے جب غیب (کھائی) پر پہنچے، جہاں سے وہ لوگ نظر نہیں آ رہے تھے، تو انہوں نے کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے اٹھ اٹھا دیے اور یہ دعا مانگی:

﴿رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بُوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَهْلَكَ مِنَ النَّاسِ يَهْتَدُوا لِبَيْتِكَ وَأَرْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ۝﴾

”اے پروردگار! میں نے اپنی اولاد میدان (مکہ) میں جہاں نہیں تھی، تیرے عزت (وابد) والے گھر کے پاس لا بسائی ہے۔ اے پروردگار! تاکہ یہ نماز پڑھیں، سو تو لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ ان کی طرف جھکے رہیں اور ان کو پھلوں سے رزق دے تاکہ (تیرا) شکر کریں۔“ (ابراہیم: 37، 14)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ان کو دودھ پلاتی تھیں اور خود اس پانی میں سے پانی لیتی تھیں حتیٰ کہ جب مشکیزے کا پانی ختم ہو گیا تو انہیں پیاس لگی اور ان کے بچے کو بھی پیاس لگی گئی۔ وہ دیکھ رہی تھیں کہ بچہ (پیاس کی وجہ سے) بے چین ہے۔ وہ اسے (خرچا) نہ دے سکتیں، اٹھ کر چل دیں۔ انہیں اسے قریب کی زمین میں سے صفا ہائز سب سے قریب معلوم ہوا۔ وہ اس پر چڑھ گئیں۔ پھر وادی کی طرف منہ کر کے دیکھا کہ کیا کوئی انسان نظر آتا ہے؟ کوئی نظر نہ آیا۔ وہ صفا سے اتریں۔ جب وادی کے شیب میں پہنچیں تو قیش کا دامن (جو زمین تک پہنچتا تھا) اٹھ کر اس طرح بھاگیں جس طرح کوئی پریشان اور مصیبت زدہ انسان دوڑتا ہے حتیٰ کہ وادی کو پار کر لیا۔ وہ مروہ تک پہنچیں تو اس پر چڑھ گئیں اور دیکھا کہ کیا کوئی نظر آتا

یہ بھی اس عظیم امت (محمدیہ) کے وجود کی خوشخبری ہے۔ ان بارہ سرداروں سے مراد بارہ خلفائے راشدین ہیں، جن کی خوشخبری اس حدیث میں دی گئی ہے جو حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: ”بارہ امیر ہوں گے۔“ پھر نبی ﷺ نے ایک جملہ فرمایا جو میں سمجھ نہ سکا۔ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ نبی ﷺ نے کیا فرمایا ہے؟ انہوں نے کہا: آپ ﷺ نے فرمایا ہے: ”وہ سب قریش میں سے ہوں گے۔“^①

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے: ”یہ کام (دین کا سلسلہ) قائم رہے گا۔“ اور دوسری میں ہے: ”غالب رہے گا حتیٰ کہ بارہ خلفاء ہوں گے وہ سب قریش میں سے ہوں گے۔“^②

ان میں خلفائے اربعہ یعنی حضرات ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ بھی۔ بنو عباس کے بعض خلفاء بھی اس میں شامل ہیں۔ حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بارہ حضرات یکے بعد دیگرے مسلسل ہوں گے، بلکہ یہ مطلب ہے کہ وہ پائے جا سکیں گے۔ ان سے وہ بارہ امام بھی مراد ہیں جن کے بارے میں رافضی خاص قسم کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ ان کے عقیدے کے مطابق پہلے امام حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں اور آخری امام وہ ہے جو سامراء کے غار میں ہے اور اس (کے ظہور) کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ ان کے کہنے کے مطابق وہ (بارہ امام) حسن عسکری کا بیٹا محمد ہے۔ ان (بارہ حضرات) میں سے سب سے اہم شخصیت حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ ہیں، جنہوں نے جنگ و جدال ختم کر کے حکومت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دی تھی۔ اس طرح فتح کی آگ بجھا کر مسلمانوں کی باہمی جنگ کا سلسلہ ختم کر دیا۔ (شیعہ کے) باقی (امام) سب رعیت کے افراد تھے جن کا مسلمانوں پر حکومت کرنے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ باقی بارہ (امام غائب) جس کو وہ سمجھتے ہیں کہ سامراء کے غار میں ہے تو محض ان کے ادہام ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔

بہر حال جب بارہ خلفاء کے ہاں اسماعیل علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو اس سے سارہ علیہا کے جذبات برا بھلا ہو گئے۔ انہوں نے حضرت خلیل علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ انہیں ان کے سامنے نہ رکھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں اور ان کے بچے کو لے کر چلے گئے۔ انہیں وہاں ٹھہرا دیا جہاں آج کل کمرہ کا شہر آباد ہے۔ اسماعیل علیہ السلام اس وقت دودھ پیتے بیٹے تھے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں وہاں چھوڑ کر اپنے تو حضرت ہاجرہ علیہا نے اٹھ کر دامن کچڑ لیا اور بولیں: ”ابراہیم! آپ مجھے چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں، ہمارے پاس تو ضرورت کی اشیا بھی ہیں؟“ جب بار بار سوال کرنے پر بھی جواب نہ ملا تو انہوں نے کہا: ”کیا آپ کو اللہ نے یہ حکم دیا ہے؟“ فرمایا: ”ہاں!“ تب انہوں نے کہا: ”اگر یہ بات ہے تو وہ ہمیں بلاک نہیں ہونے دے گا۔“

① صحیح البخاری، الأحکام، حدیث: 7222/7223 و صحیح مسلم، الإمامۃ، باب الناس تبع لقریش، حدیث: 1821

② صحیح مسلم، الإمامۃ، باب الناس تبع لقریش، حدیث: 1821

پاس جو غلام اور دوسرے افراد ہیں ان کا بھی فتنہ کریں۔^① آپ نے حکم کی تعمیل کی۔ اس وقت آپ کی عمر خانوے سال تھی۔ اس طرح اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر تیرہ سال بنتی ہے۔ آپ نے اپنے اہل خانہ کے بارے میں اللہ کے حکم کی تعمیل کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس حکم کو واجب قرار دیا۔ اس لیے علماء کا یہ قول ہی صحیح ہے کہ مردوں پر فتنہ واجب ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا خاندہ خود ایک بسولے سے کیا تھا جبکہ وہ ای (۸۰) برس کے تھے۔“^② بعض علماء فرماتے ہیں کہ حدیث میں مذکور لفظ ”قدم“ سے مراد قدم شہر ہے نہ کہ فتنہ کرنے کا آلہ بسولہ وغیرہ۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عظیم قربانی

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایک اور آزمائش اتاری اور انہیں بڑھاپے میں عطا ہونے والے اکلوتے بیٹے کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے یہ حکم قربانی جینے کو سنایا تو فرمایا تیرا فوری تیار ہو گیا۔ اس آزمائش پر پورا اترنے کا انعام جنت سے قربانی کی صورت میں ملا اور پھر یہ سنت ابراہیمی تاقیامت مسلمانوں پر مقرر کر دی گئی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿رَبِّ هَبْ لِي مِنْ الصَّالِحِينَ ۚ فَبَشِّرْهُ بِإِبْرَاهِيمَ ۚ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَبْنَؤُا رِجِّي أَرَأَيْتَ فِي الْمَنَاسِكِ أَرَأَيْتَ كَذَّبَكَ قَانِظًا ۚ مَاذَا تَرَىٰ قَالَ يَكِثُ الْفَعْلُ مَا تُؤَمِّرُ سَاجِدًا ۚ إِنَّ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الظَّاهِرِينَ ۚ فَلَمَّا اسْلَمَا وَتَكَلَّمَ لِلْجَعَيْنِ ۚ وَتَادَيْنَا أُنْثَىٰ بَرَاهِيمَ ۚ قَدْ صَدَقْتَ الْوَعْدَ ۚ إِنَّكَ لَكُلِّكَ تَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۚ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ۚ وَفَدَيْنَاهُ بِذَبْحٍ عَظِيمٍ ۚ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْوُجُوهِ ۚ سَلَامٌ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ۚ كَذَلِكَ تَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۚ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۚ وَبَشِّرْهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِنَ الصَّالِحِينَ ۚ وَبَارَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلَىٰ إِسْحَاقَ ۚ وَوَعَدْنَا إِبْرَاهِيمَ وَمَرْيَمَ ۚ وَطَاهَرْنَا لِنَفْسِهِ مِيمِينَ ۚ﴾

”اے پروردگار! مجھے (اولاد) عطا فرما (جو) سعادت مندوں میں سے (ہو)۔ تو ہم نے اُن کو ایک نرم دل لڑکے کی خوشخبری دی۔ جب وہ اُن کے ساتھ دوڑنے کی (عر) کو پہنچا تو ابراہیم نے کہا کہ بیٹا میں خواب میں دیکھتا ہوں

ہے؟ کوئی نظر نہ آیا۔ انہوں نے سات بار ای طرح کیا (ایک پہاڑی سے دوسری تک دوڑتی رہیں)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”لوگ اسی وجہ سے ان دونوں پہاڑیوں (حفا اور مردہ) کے درمیان دوڑتے ہیں۔“

جب وہ (آخری چکر میں) مردہ پر پہنچیں تو انہیں کوئی آواز محسوس ہوئی۔ انہوں نے اپنے آپ سے کہا: ”پُپ“ پھر غور سے سنا تو دوبارہ آواز سنائی دی۔ انہوں نے کہا: ”تو نے آواز سنا دی ہے، اگر تو مدد کر سکتا ہے (تو ہماری مدد کر)۔“ اچانک انہوں نے دیکھا کہ زمزم کے مقام پر ایک فرشتہ کھڑا ہے۔ اس (فرشتے) نے اپنی اڑی سے یہ اپنے پر سے زمین کھودی تو پانی نکل آیا۔ آپ اسے حوض کی صورت دینے لگیں اور اپنے ہاتھ سے اس طرح (رکاوٹ) بنائے لگیں اور چلو بھر بھر خشکی میں ڈالنے لگیں۔ ان کے چلو بھر کے بعد پانی پھر نکل آتا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ پر رحمت نازل فرمائے! اگر وہ زمزم کو پہنچے دیتیں..... یا فرمائیے! اگر وہ پانی سے چلو نہ بھر تیں..... تو وہ ایک بہتے ہوئے خشکی صورت اختیار کر لیتیں۔“ راوی بیان کرتے ہیں کہ پھر ہاجرہ نے پانی پیا اور بچے کو دودھ پلایا۔ فرشتے نے ان سے کہا: ”آپ بلاکت کا اندیشہ نہ کریں، یہاں اللہ کا گھر ہے جس کی تعمیر یہ بچہ اور اس کا والد (دونوں مل کر) کریں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے لوگوں کو کھانا نہیں ہونے دیتا۔“^①

اس وقت بیت اللہ کی زمین ایک بلند ٹیلے کی صورت میں تھی۔ سیلاب کا پانی آتا تو دائیں بائیں سے گزر جاتا۔ اسی طرح وقت گزرتا رہا حتیٰ کہ وہاں سے جو بزم کا ایک قافلہ یا ایک خاندان گزرا وہ کدراہی طرف سے آئے اور مکہ کے نشیبی حصے میں ٹھہرے۔ انہیں ایک پرندہ منڈلا نظر آیا، ”تو بولے“ یہ پرندہ تو پانی پر منڈلا یا کرتا ہے۔ ہم تو جب اس وادی سے گزرتے ہیں تو یہاں پانی نہیں ہوتا۔“

انہوں نے دو آدمی (حقیقت حال معلوم کرنے کے لیے) بھیجے تو انہیں پانی نظر آیا۔ انہوں نے جاکر پانی کی موجودگی کی اطلاع دی۔ وہ سب لوگ آگئے۔ چشمہ (زمزم) کے پاس حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ موجود تھیں۔ ان لوگوں نے کہا: ”کیا آپ ہمیں اجازت دیتی ہیں کہ ہم یہاں خیمہ زن ہو جائیں؟“ انہوں نے فرمایا: ”جی ہاں! (اجازت ہے) لیکن اس خشکی (کی ملکیت) پر تیار کوئی حق نہیں ہوگا۔“ انہوں نے کہا: ”ٹھیک ہے۔“ انہوں نے اپنے اپنے گھروں کو بھیج دیاں یا لیا، حتیٰ کہ وہاں کئی گھر بس گئے۔

تورات میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنے بیٹے اسماعیل کا فتنہ کریں۔^② اور ان کے

① صحیح البخاری: أحادیث الأنبياء باب ”يزفون“ حدیث: 3364

② کتاب پیدائش: باب: ”17“ فقرہ: 24, 23, 25

① کتاب پیدائش: باب: ”17“ فقرہ: 12, 13

② صحیح البخاری: أحادیث الأنبياء باب ”وَاتَّعَدَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ حَلِيلًا“ حدیث: 3356

کی اس کے بعد انہوں نے اپنے بیٹے کے سامنے یہ معاملہ رکھا، تاکہ وہ بھی دل کی خوشی سے اس عمل میں شریک ہو اور اس کی قبولی ان کے لیے آسان ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا اِيۤمٰنُ اِنِّیۡ فِی الْمَسٰرِیۡ اَۡتٰیكَ اَذْنٰبُكَ فَاَنْظُرْ مَاذَا تَوَسَّیۡ﴾

”بیٹا! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تم کو ذبح کر رہا ہوں لہذا تم دیکھو کہ تمہاری کیا رائے ہے؟“
 بردبار بیٹا بھی کچھ کر دیا اس لیے والد کا کس ثابوت ہوا۔ اس نے فوراً کہا:

﴿لَا یَاۡتِیۡكَ اَفْعٰلُ مَا تُوَسَّوۡنَ سَجَدَیۡنِ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الضَّیِّیۡنِ﴾

”اے ابا جان! آپ کو جو حکم ہوا ہے وہی کیجیے۔ اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابروں میں سے پائیں گے۔“
 یہ جواب انتہائی درست اور والد کی فرماں برداری اور رب کی اطاعت کا بہت بڑا مظہر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَلَمَّا اَسْلَمَا وَكَلَّمَا بِلُجَبِیۡنَ﴾

”جب دونوں نے حکم مان لیا اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا۔“

﴿اَسْلَمَا﴾ کا مطلب یہ ہے کہ دونوں نے اللہ کا حکم تسلیم کر لیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو انجام دینے کا عزم کر لیا۔
 ﴿وَكَلَّمَا بِلُجَبِیۡنَ﴾ کا مطلب ہے کہ اسے چہرے کے بل لٹا دیا۔ کہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام گدی کی طرف سے ذبح کرنا چاہتے تھے

تاکہ ذبح کرتے وقت ان کا چہرہ نظر نہ آئے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، معمر بن جحیر، قتادہ اور شاکل رحمۃ اللہ علیہم کا یہی موقف ہے۔
 سدی اور دوسرے علماء کہتے ہیں: ”حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے طلق پر چھری پھیری، لیکن کچھ نہ ٹٹ سکا۔“ اس وقت

اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی: ﴿يٰۤاِبْرٰهٖمُ ۚ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّۤیَاۤءَ﴾ ”اے ابراہیم! تم نے خواب کو سچا کر دکھایا۔“
 یعنی آپ کا جو امتحان مقصود تھا وہ پورا ہو چکا ہے۔ آپ کی اطاعت اور فوراً قبولی ظاہر ہو چکی ہے۔ جس طرح آپ نے

اپنا بند آگ میں ڈال دیا اور مال مہمانوں پر خرچ کر دیا، اسی طرح آپ نے اپنا بیٹا قربانی کے لیے پیش کر دیا۔ اسی لیے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّ هٰذَا لَکَھٗ الْبَکْرَۃَ الْاٰمِیۡنَۃَ﴾ ”بلاشبہ یہ ایک صریح آزمائش تھی۔“ اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا: ﴿وَقَنَیۡنَہٗ بِذِیۡبِ عَظِیۡمٍ﴾ یعنی ہم نے دوسرے ذبیحوں کے بیٹے کے خوش فدیہ بنادیا۔ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی

جگہ بڑی آنکھوں والا اور تکتوں والا سفید مینڈھا ذبح ہوا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ذبح ہونے والے حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے کیونکہ مکہ میں وہی قیام پذیر تھے اور اسحاق علیہ السلام کے بارے میں یہ مذکور نہیں کہ وہ بچپن میں مکہ تشریف لائے ہوں۔ (والد اعظم)

﴿ذِیۡنَ الْاٰلٰکُوۡنَ﴾: قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کے متعلق جو کچھ مذکور ہے اس سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ ذبح ہونے والا حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ذبح کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا:

کہ تم کو ذبح کر رہا ہوں۔ اب تم دیکھو تمہاری رائے کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ابا جان! آپ کو جو حکم ہوا ہے وہی کیجیے۔ اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابروں میں پائیں گے۔ جب دونوں نے حکم مان لیا اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا تو ہم نے اُن کو کپڑا کر کے اے ابراہیم! تم نے خواب سچا کر دکھایا، ہم نیکو کاروں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ بلاشبہ یہ صریح آزمائش تھی اور ہم نے ایک بڑی قربانی کا فدیہ دیا اور پیچھے آئے والوں میں ابراہیم کا ذکر خیر باقی چھوڑ دیا کہ ابراہیم پر سلام ہو۔ نیکو کاروں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ وہ ہمارے مسکین بندوں میں سے تھے۔ اور ہم نے اُن کو اسحاق کی بشارت بھی دی (کہ وہ) نبی (اور) نیکو کاروں میں سے (ہوں گے) اور ہم نے اُن پر اور اسحاق پر برکتیں نازل کی تھیں اور ان دونوں کی اولاد میں سے نیکو کار بھی ہیں اور اپنے آپ پر صریح ظلم کرنے والے (یعنی گناہ گار) بھی ہیں۔“ (الصافات: 113-99:37)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ جب انہوں نے اپنی قوم کا علاقہ چھوڑ کر ہجرت فرمائی تو رب سے دعا کی کہ وہ انہیں نیک اولاد عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک بڑا بارگاہ کی خوش خبری دی، وہ اسماعیل علیہ السلام تھے۔ وہ آپ کے پہلو تھے تھے جو آپ کے ہاں چھبیس سال کی عمر میں پیدا ہوئے۔ اس مسئلہ میں تمام مذاہب (یہود، نصاریٰ اور مسلمین) کا اتفاق ہے کہ وہ آپ کے پہلے بیٹے اور پہلو تھے سچے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعِیۡ﴾ ”جب وہ ان کے ساتھ دوڑنے (کی عمر) کو پہنچا۔“ کا مطلب یہ ہے کہ وہ جوان ہو گئے اور اپنے والد کی طرح اپنے کام کاج کے لیے بھاگ دوڑ کرنے لگے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں: ﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعِیۡ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ وہ جوان ہو گئے، مسرور گئے اور اپنے والد کے کاموں میں ہاتھ بٹانے لگے۔ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ

انہیں یہ بیٹا ذبح کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”انبیاء کا خواب وحی ہوتا ہے۔“

یہ اللہ کی طرف سے اپنے خلیل علیہ السلام کی آزمائش تھی کہ وہ اس کے حکم سے اپنے پیارے بیٹے کو ذبح کر دیں، جو انہیں بڑھاچے میں ملا تھا اور اب تو ان کی عمر اور زیادہ ہو چکی تھی۔ اس سے پہلے انہیں حکم ملا تھا کہ اس پیارے بیٹے کو اور اس کی ماں

کو ایک بے آد علاقے میں چھوڑ دیں، جہاں کوئی انسان تھا نہ مویشی اور نہ کبھی بڑی آپ ﷺ نے اللہ کے حکم کی قبولی کی اور اس پر محسوس اور توکل کرتے ہوئے انہیں وہاں چھوڑ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو مشکل سے نجات دی اور انہیں وہاں سے رزق دیا جہاں سے وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔

چھر چھر انہیں اپنے اس پہلو تھے اور کلو تے بیٹے کو قربانی کرنے کا حکم ملا تو انہوں نے فوراً اپنے رب کے حکم کی قبول

وَبَشِّرْهُ بِأَسْحَقَ نَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿١٠٠﴾

”اور ہم نے اُن کو اسحاق کی بشارت بھی دی کہ وہ نبی (اور) نیکوکاروں میں سے ہوں گے۔“

(الصفات: 112/37)

جولوگ حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبح ہونے کے قائل ہیں، ان کی دلیل محض اسرائیلی روایات ہیں اور ان کی کتابیں تحریف شدہ ہیں۔ خاص طور پر یہاں تو تحریف اتنی واضح ہے کہ اس سے انکار ممکن نہیں کیونکہ ان کی کتاب میں لکھا ہے کہ اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا اکلوتا بیٹا ذبح کرنے کا حکم دیا۔ ترجمہ شدہ نسخہ میں: ”پہلوٹھے بیٹے اسحاق“ کا لفظ ہے۔ ③ یہاں ”اسحاق“ کا لفظ غلط طور پر لکھ دیا گیا ہے کیونکہ اسحاق علیہ السلام کیلئے بیٹے نہ پہلوٹھے۔ یہ صاف تو حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ ان لوگوں نے یہ تحریف صرف اہل عرب سے حسد کی وجہ سے کی ہے کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام عربوں کے بعد احمد ہیں جو ناز میں رہتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ انہی میں سے ہیں۔ اور حضرت اسحاق علیہ السلام یعقوب علیہ السلام کے والد ہیں، جن کا لقب ”اسرائیل“ ہے اور بنی اسرائیل انہی کی طرف منسوب ہیں۔ انہوں نے اس شرف کو اپنے نام کا نچا بچا، اے اللہ کے کلام میں تحریف کر دی اور اضافہ کر دیا۔ یہ قوم نہایت جھوٹی ہے، انہوں نے یہ اقرار نہیں کیا کہ فضل و کرم اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور وہ جسے جانتا ہے عطا کرتا ہے۔

جن علماء نے حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبح قرار دیا ہے، انہوں نے یہ قول کعب احبار سے یا یہود و نصاریٰ کی کتابوں سے لیا ہے۔ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ نے کوئی صحیح حدیث مروی نہیں، جس کی وجہ سے ہمیں قرآن مجید کی ظاہری مفہوم کی تامل کرنی پڑے۔ بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے الفاظ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح ہونے پر نازل ہیں۔

حضرت ابن کعب رضی اللہ عنہ نے حضرت اخیلؓ کی بجائے حضرت اسماعیلؓ کے ذبیح ہونے پر اس آیت مبارکہ سے بہت خوب استدلال فرمایا ہے: ﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِهَا يَسْجُدُ وَآوَاءُ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ﴾ ”تو ہم نے اس کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی۔“ (76: 21) وہ فرماتے ہیں: ”کیسے ہو سکتا ہے کہ ابراہیمؑ اسحاقؑ کو اسحاقؑ کی بشارت دی جائے اور یہ خوشخبری بھی دی جائے کہ ان کے ہاں بیٹا یعقوبؑ پیدا ہوگا۔ پھر اخیلؓ کو قربان کرنے کا حکم دے دیا جائے حالانکہ وہ ابھی بچے تھے اور ان کے ہاں یعقوبؑ پیدا نہیں ہوئے تھے؟ یہ نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ بشارت کے خلاف ہے۔“ (واللہ اعلم)

صحیح یہی ہے کہ ذبح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں۔ حضرت مجاہد، سعید، شعی، یوسف بن مہران، عطاء رحمہ اللہ اور دیگر حضرات نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی قول نقل کیا ہے کہ وہ اسماعیل علیہ السلام تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے

① موجودہ بائبل میں لکھا ہے: ”تو اپنے بیٹے اسحاق کو جو تیرا اکلوتا ہے اور جسے تو پیارا کرتا ہے... سو خفیہ قربانی کے طور پر چڑھا۔“ پیدائش باب

منہبوں نے فرمایا: ”قربانی کے لیے پیش کیے جانے والے حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ یہودی کہتے ہیں کہ وہ حضرت اسحاق علیہ السلام تھے اور یہودی جھوٹ کہتے ہیں۔“^①

حضرت علیؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابوالفضلؓ، حضرت سعید بن المسیبؓ، سعید بن جبیرؓ، حسن بصریؓ، محمد بن کعبؓ، ابو جعفر محمد بن علیؓ، ابوصالحؓ، امام احمد بن حنبلؓ اور ابن ابی قحافہؓ بھی میں فرماتے ہیں کہ وہ حضرت اسماعیلؑ تھے۔ امام ابو یوسفؒ نے حضرت انسؓ کو بھی اس بار ابو ہریرہؓ سے ملا، وہ یحییٰ بن قوفؓ لے کر آیا۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے شام کے ایک عالم کو بلا کر (جو پہلے یہودی تھے پھر شخص مسلمان ہو گئے تھے۔) اور ان سے پوچھا: "حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کا خون میاں ذبح کرنے کا حکم ہو تھا؟" اس نے کہا: "امیر المومنین ہجرت ہجرت سے انہی کی! وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور یہودیوں کو یہ حقیقت معلوم ہے۔ لیکن وہ تو ہم لوگوں سے یعنی عربوں سے حسد کرتے ہیں کہ آپ لوگوں کے جدا امیر اس شرف و فضل کے حامل ہوں اس لیے وہ اس حقیقت کا انکار کرتے ہیں اور دوسری کرتے ہیں کہ نبی اسحاق علیہ السلام ہیں کیونکہ اسحاق علیہ السلام کے جدا امیر ہیں۔" ﴿۱۱﴾

ہم نے یہ مسئلہ اپنی تفسیر کی کتاب میں تفصیلی دلائل اور روایات کے ساتھ بیان کیا ہے۔ (والحمد للہ)

حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت

اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کو اولاد جیسی نعمت سے اس وقت نوازا جب وہ بڑھ چکا ہو اور ان کی بیوی بھی باندھ ہو چکی تھیں۔ اس لیے جب فرشتے یہ خوشخبری لے کر حاضر ہوئے تو اہل خوشی کے ساتھ ساتھ زور دہرست تعجب بھی ہوا 'مندر جودیل آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اسی حالت کو بیان فرمایا ہے۔ ارشاد: باری تعالیٰ ہے

وَقَدْ جَاءَتْ سُؤْلُهُ أَزْهَقِيمَ بِالْمُشْرَى قَالُوا سَلِمًا قَالَ سَلِمَ قَهَاتُكَ أَنْ جَاءَ بِعِجْلٍ حَبِيبٍ. كَلِمًا رَأَى بَيْنَهُمَا أَنْ تَقِيلَ إِلَيْهِ يَكْرَهُهُ وَأَوْسَسَ وَنُهُمُ خِفَافَةً قَالُوا لَا تَكْفُرْ أَتَأْتِيَنَا سِلَاقًا إِلَى كَوْرٍ لَوْطٍ. وَأَمَرَاتُهُ قَالَتْهُ فَصَحَّكَتَ فَيَسَّرَ لَهَا بِالسَّحْقِ وَبِزْنٍ وَرَأَى إِسْحَاقَ يُعْقَبُ. قَالَتْ يُولِيكَ أَلَدٌ وَ أَنَا عَجُوزٌ وَ هَذَا بَعْلِي شَيْعَاءُ إِنَّ هَذَا لَفِي غَيْبٍ. قَالُوا الْعَجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ رَحِمْتُ اللَّهُ وَكَرِهْتُكَ عَلَيْهِمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَبِيبٌ حَبِيبٌ.

”اور ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے تو سلام کہا، انہوں نے بھی (جواب میں) سلام کہا۔

① تفسير ابن كثير: 29/7 تفسير سورة الصافات، آيت: 107

2 تفسير ابن كثير: 29/7 تفسير سورة الصافات، آيت: 112

کہنے لگی (کی تو) بڑھیا اور (اور وہ بھی) ہانچ (انہوں نے) کہا (ہاں) تمہارے پروردگار نے یوں ہی فرمایا ہے، وہ ہے نیک صاحب کلمت (اور) خوب جاننے والا ہے۔“ (العنکبوت: 24-29)

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے وہ تین فرشتے جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام تھے (انہوں نے مہمان سمجھ کر ان کی خاطر داری کی اور عمدہ گایوں کے ریڑز میں سے ایک موٹے تازے میچورے کا گوشت بیہون کر تیار کیا۔ جب مہمانوں کو کھانا پیش کیا گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے محسوس کیا کہ ان حضرات کو کھانے کی بالکل خواہش نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فرشتوں میں وہ قوت نہیں پائی جاتی جس کی وجہ سے انسانوں کو کھانا کھانے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے اس طرز عمل سے تعجب ہوا اور خوف محسوس کیا۔ انہوں نے کہا: خوف نہ کیجئے! ہمیں لوط علیہ السلام کی قوم کو تباہ کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ حضرت سارہ علیہا السلام کی محبت کی وجہ سے ان بدکاروں سے نفرت رکھتی تھی، اس لیے اس خبر سے انہیں خوشی ہوئی۔ وہ مہمانوں کی خدمت کے لیے پاس ہی کھڑی تھیں، جیسے اہل عرب اور دوسری اقوام میں رواج ہے۔ جب وہ خوش ہو کر بنس پڑیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی۔ لیکن جب فرشتوں نے انہیں یہ خوشخبری دی تو ابراہیم کی بیوی چلائی آئی اور اپنا منہ پینے لگی جیسے عورتیں تعجب کے وقت کرتی ہیں، سارہ علیہا السلام سے بھی وہ حرکت سرزد ہوئی اور انہوں نے فرمایا: ﴿يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَتَاكَ عَجُوْزٌ وَ هٰذَا يٰۤاِبْرٰهِيْمُ عِيْشًا﴾ ”ہائے میری کم بختی! میرے ہاں بچہ ہوگا؟ میں تو بڑھیا ہوں اور یہ میرے مہمان بھی بڑھے ہیں۔“ یعنی میرے ہاں کیسے اولاد ہو سکتی ہے جب کہ میں لاڈھی ہو چکی ہوں اور ہانچ بھی ہوں اور یہ میرے شوہر ابراہیم علیہ السلام بھی بڑھے ہو چکے ہیں۔ انہیں ان حالات میں اولاد نہ پر تعجب ہوا۔ اس لیے انہوں نے کہا:

﴿اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ۚ قَالُوْٓا اَتَعْجِبُوْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحِمَ اللّٰهُ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَیْكُمْ اَھْلَ الْبَيْتِ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝۱۱﴾

”یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ انہوں نے کہا: کیا تم اللہ کی قدرت سے تعجب کرتی ہو؟ اہل بیت! تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں۔ بلاشبہ وہ سزاوارتر تعریف اور بزرگوار ہے۔“ (ہود: 72، 73) اس خوشخبری پر ابراہیم علیہ السلام کو بھی تعجب ہوا۔ انہوں نے انتہائی خوشی کے عالم میں مزید تسلی کے لیے فرمایا:

﴿اِنَّا نَبْشُرُوْكَ بِخَبْرٍ مُّوْثِقٍ ۚ عَلٰی اَنْ تَقْسِيَ الْكِبَرُ فَعِمْۢ مَثَبُۙرُوْۤنَ ۚ قَالُوْٓا بَشِّرُنَا بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنۢ مِّنَ الْفٰطِنِيْنَ ۝۱۲﴾

”جب مجھے بڑھاپے نے آکھڑا تو تم خوشخبری دینے لگے، اب کا ہے کی خوشخبری دیتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم آپ کو جی خوشخبری دیتے ہیں، آپ مایوس نہ ہوں۔“ (الحجر: 54، 55)

انہوں نے اس خوشخبری کی تصدیق کی اور انہیں ﴿يٰۤاِبْرٰهِيْمُ عَلَیْہِمُ السَّلَامُ﴾ یعنی ”معلم والے بچہ“ کی خوشخبری دی۔ اس سے

ابھی ٹھوڑی دیر ہی ٹھہرے تھے کہ (ابراہیم) ایک بھنا ہوا چھڑا لے آئے۔ جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں جاتے (یعنی وہ کھانا نہیں کھاتے) تو ان کو اجنبی سمجھ کر دل میں خوف کیا۔ (فرشتوں نے) کہا کہ خوف نہ کیجئے۔ ہم قوم لوط کی طرف (ان کو ہلاک کرنے کے لیے) بھیجے گئے ہیں۔ اور ابراہیم کی بیوی (جو پاس) کھڑی تھی، بنس پڑی تو ہم نے اس کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی۔ اس نے کہا: ہائے میری کم بختی! میرے ہاں بچہ ہوگا؟ میں تو بڑھیا ہوں اور یہ میرے مہمان بھی بڑھے ہیں۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ انہوں نے کہا کہ کیا اللہ کی قدرت پر تم تعجب کرتی ہو؟ اہل بیت! تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں۔ وہ سزاوارتر تعریف اور بزرگوار ہے۔“ (ہود: 69-73)

اور سورہ حجر میں فرمایا:

﴿وَيَقْتُلُوْهُمۡ عَنْ حَتِيْفٍ اِبْرٰهِيْمَ ۚ اِذۡ صَخَّرُوْا عَلَیْہِ فَقَالُوْٓا سَلٰمًا ۚ قَالَ اِنَّا مِنۡكُمْ وَحٰلُوْۤنَ ۚ قَالُوْٓا لَا تَوَجَّهْ اِنَّا لَنَبْشُرُکَ بِخَبْرٍ مُّوْثِقٍ ۚ عَلٰی اَنْ تَقْسِيَ الْكِبَرُ فَعِمْۢ مَثَبُۙرُوْۤنَ ۚ قَالُوْٓا بَشِّرُنَا بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنۢ مِّنَ الْفٰطِنِيْنَ ۝۱۱﴾

”اور (اے نبی!) ان کو ابراہیم کے مہمانوں کا حال سنا دو۔ جب وہ ابراہیم کے پاس آئے تو سلام کہا۔ (انہوں نے) کہا: ہمیں تو تم سے ڈر لگتا ہے۔ (مہمانوں نے) کہا کہ ڈرے نہیں ہم آپ کو ایک دانشمند لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں۔ (وہ) بولے کہ مجھے بڑھاپے نے آکھڑا تو تم خوشخبری دینے لگے، اب کا ہے کی خوشخبری دیتے ہو؟ (انہوں نے) کہا کہ ہم آپ کو جی خوشخبری دیتے ہیں آپ مایوس نہ ہوں۔ (اس ابراہیم) نے کہا کہ اللہ کی رحمت سے (میں مایوس کیوں ہوں) ایساں ہوتا مگر اب میں کا کام ہے۔“ (الحجر: 51-55)

سورہ عنکبوت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هَلْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّزَعٰجٌ ۚ اِبْرٰهِيْمُ الْمُرٰوۤیۡنَ ۚ اِذۡ صَخَّرُوْا عَلَیْہِ فَقَالُوْٓا سَلٰمًا ۚ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّكۡذِبُوْنَ ۚ فَاَرٰۤی اِلٰی اٰہِلِہٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَبِيۡنَ ۚ تَقَرَّبَۤاۤ اِلَیْہِمْ قَالَ اَلَا تَاۤتٰکُمۡ لَآئِنٌ ۚ وَ اَنْتُمْ مِّنۡہُمْ خٰفِیۃٌ ۚ قَالُوْٓا لَا تَحۡفَ ۚ وَبَشِّرُوْہٗ بِعِجْلٍ عَلَیْہِ ۚ فَاَقْبَلَتۡ اِمْرَاۡتُهٗ فِیۡ صَدَقٍ فَصَبَّتۡ وَجْہَہَا ۚ وَقَالَتۡ عَجُوْۤزٌ عَقِيۡمٌ ۚ قَالُوْٓا لَکِنَّ لِّیۡ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ هُوَ الْعَمِیْمُ الْعَقِیْمُ ۝۱۲﴾

”بھلا تمہارے پاس ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر پہنچی ہے؟ جب وہ ان کے پاس آئے تو سلام کہا۔ انہوں نے بھی (جواب میں) سلام کہا (دیکھا تو) ایسے لوگ کہ نہ جان نہ پہچان۔ تو اپنے گھر جا کر ایک (بھنا ہوا) مونا چھڑا لائے (اور کھانے کے لیے) ان کے آگے رکھ دیے۔ کہنے لگے آپ تناول کیوں نہیں کرتے؟ اور دل میں ان سے خوف محسوس کیا (انہوں نے) کہا کہ خوف نہ کیجئے۔ اور ان کو ایک دانشمند لڑکے کی بشارت بھی سنائی تو ابراہیم کی بیوی چلائی آئی اور اپنا منہ پینے لگی

بعد یعقوب کی خوشخبری دی۔“ سے صاف ظاہر ہے کہ سارہ کو اپنے بیٹے اسحاق اور اپنے پوتے یعقوب کو زندہ دیکھنے کی خوشی نصیب ہوگی۔ یعنی وہ اپنے دادا، دادی کی زندگی میں پیدا ہوں گے تاکہ انہیں یعقوب علیہ السلام سے بھی اسی طرح خوشی حاصل ہو جیسے اپنے بیٹے اسحاق علیہ السلام کی خوشی حاصل ہوگی۔ اگر بشارت ہے یہ مقصود نہ ہوتا تو اسحاق علیہ السلام کی ساری نسل میں سے صرف یعقوب علیہ السلام کا نام خاص طور پر ذکر کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ جب نام لے کر ذکر کیا گیا تو معلوم ہوا کہ انہیں یعقوب علیہ السلام سے مستفید ہونے کا موقع ملے گا، جیسے ان کے والد (اسحاق) کی ولادت سے خوشی ہوئی۔ دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۚ كُلًّا هَبْنَاهُ﴾

”اور ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب بخشے (اور) سب کو ہدایت دی۔“ (الأنعام: 84/6)

اور مزید یہ فرمایا:

﴿فَلَمَّا أَتَيْنَاهُمْ وَمَا عْبُدُ مِن دُونِ اللَّهِ ۚ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۚ﴾

”اور جب ابراہیم علیہ السلام ان لوگوں سے اور جن کی وہ اللہ کے سوا پرستش کرتے تھے ان سے الگ ہو گئے تو ہم نے ان

کو اسحاق اور (اسحاق کو) یعقوب بخشے۔“ (مریم: 49: 49)

یہ واضح اور قوی دلیل ہے۔ اس کی تائید صحیحین کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: میں نے عرض کی: اللہ کے رسول ﷺ! سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ”مسجد حرام!“ میں نے کہا: پھر کون سی؟ فرمایا: ”مسجد اقصیٰ!“ میں نے کہا: ان کے درمیان کتنی مدت کا فاصلہ ہے؟ فرمایا: ”چالیس برس“ میں نے کہا: ”ان کے بعد کون سی؟“ فرمایا: پھر جہاں تجھ پر نماز کا وقت آجائے، وہیں نماز پڑھ لے، سب مسجدیں ہیں۔“

ابن کاتب کہتے ہیں کہ مسجد اقصیٰ کی بنیاد حضرت یعقوب علیہ السلام نے رکھی تھی۔ اس سے بھی مذکور بالا بیان کی تائید ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم واسحاق علیہ السلام کے مسجد حرام کی تعمیر سے چالیس سال بعد حضرت یعقوب علیہ السلام نے مسجد اقصیٰ تعمیر فرمائی۔ ان دونوں کی تعمیر سے پہلے اسحاق علیہ السلام پیدا ہو چکے تھے۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں ذکر فرمائی ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ ۚ رَبِّ انْصُرْنِي ۖ وَاتَّقِ اللَّهَ ۚ إِنَّكَ بَالِغُ أَمْرٍ ۖ فَلَمَّا جَعَلَ الْقَابِلُ عِنْدَ رَبِّكَ النَّاسَ مَنَ بَعَثَ فِي كُلِّ قَلْبٍ مُّحْسِنًا ۚ وَهُوَ الَّذِي يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۚ﴾

① صحیح البخاری: أحاديث الأنبياء باب: صحيح مسلم: المساجد باب المساجد و مواضع الصلاة

حدیث: 520 و مسند أحمد: 150:5

مرا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بھائی حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے بلند مقام اور عظیم مہر وراثت کے انعام کے طور پر ”عظم و الانچہ“ دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کا یہ وصف بھی بیان کیا ہے کہ وہ وعدہ پورا کرنے والے اور صبر کرنے والے تھے۔ ایک اور آیت میں ارشاد ہے:

﴿فَبَشِّرْهُنَّ بِإِسْحَاقَ ۚ وَمِنْ وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ ۚ﴾

”تو ہم نے اس کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی۔“ (ہود: 71/11)

اہل کتاب کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جسے ہونے چھڑے کے ساتھ تھیں بیان نہ کیا بلکہ ایک آنے کی جکی ہوئی روٹیاں کھن اور دو چھڑکیاں اور فرشتوں نے کھائی۔ یہ بات بالکل غلط ہے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ وہ (ظاہری طور پر) کھاتے محسوس ہوتے تھے جبکہ کھانا ہوائی میں غائب ہو جاتا تھا۔ بالکل میں لکھا ہے:

”خدا نے ابراہام سے کہا کہ ساری جو تیری بیوی ہے، سو اُس کو ساری نہ پکارتا۔ اس کا نام سارہ ہوگا اور اس سے برکت دوں گا اور اس سے بھی تجھے ایک بیٹا بخشوں گا۔ یقیناً میں اسے برکت دوں گا تو میں اس کی نسل سے ہوں گی اور عالم کے بادشاہ اس سے پیدا ہوں گے۔ تب ابراہام ہر گھوں ہوا (یعنی مسجد کیا) اور نسل کر دل میں کہنے لگا کہ کیا سو برس کے بڑھے سے کوئی بچہ ہوگا؟ اور کیا سارہ کے جنوے (90) برس کی ہے اولاد ہوگی؟ ابراہام نے خدا سے کہا: کاش! اتھلیں ہی تیرے حضور جیتا رہے۔ جب خدا نے فرمایا: یہ شک تیری بیوی سارہ کے تجھ سے چٹا ہوگا، تو اس کا نام اسحاق (اسحاق) رکھنا..... اگلے سال ① اس وقت تمہیں پھر..... اور میں اس سے اور پھر اس کی اولاد سے اپنا عہد جو ابوی عہد ہے باندھوں گا اور اسماعیل کے حق میں بھی میں نے تیری دعا سنی۔ دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور پروردگار کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ مردار پیدا ہوں گے اور میں اسے ایک بڑی قوم (کا سردار) ② بناؤں گا۔“

اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿فَبَشِّرْهُنَّ بِإِسْحَاقَ ۚ وَمِنْ وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ ۚ﴾ ”تو ہم نے اس کو اسحاق کی اور اسحاق کے

① (دیکھئے کتاب پیش پائل باب: 18، فقرہ: 8'7'6) پائل کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ تین افراد جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمان ہوئے۔ ان میں سے ایک خود خدا تھا۔ (پیش پائل باب: 18)

② پائل میں جملہ اس پوری عبارت کے بعد ان الفاظ میں منقول ہے: ”لیکن میں اپنا عہد اسحاق سے باندھوں گا جو اگلے سال اسی وقت تمہیں پر سارہ سے پیدا ہوگا۔“ (پیش پائل: 21:17) بعض ائمہ انبیاء میں سے ان الفاظ میں ”تو اس مقام پر“ جیسے ہم نے لکھا۔

③ ”سردار“ کا لفظ بعض ائمہ انبیاء کے مطابق ہے۔ پائل کے موجودہ نسخہ میں یہ الفاظ ہیں: ”میں اسے ایک ہی قوم بناؤں گا۔“

④ (پیش پائل باب: 17، فقرہ: 15:20) یہ ترجمہ ”پائل موسیٰ کا لہو“ کی شائع کردہ ”کتاب مقدس“ کے مطابق ہے۔

اور سورہ آل عمران میں فرمایا:

﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ ۚ فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مِّمَّا قَامَ بِيُحْيِمُهُ ۖ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا ۚ وَلَيْسَ عَلَى النَّاسِ جُنَاحٌ أَنْ يَقُولُوا فُتِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ غَلِيبٌ ۝﴾

”پہلا گھر جو لوگوں (کے عبادت کرنے) کے لیے مقرر کیا گیا تھا وہی ہے جو مکہ میں ہے۔ بابرکت اور جہان کے لیے موجب ہدایت۔ اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں (جن میں سے) ایک ابراہیم کے گھر سے ہونے کی جگہ ہے جو شخص (اس (مبارک) گھر میں داخل ہو اس نے امن پایا اور لوگوں پر اللہ کا حق (فرض) ہے کہ جو اس گھر تک جانے کا قصد کرے وہ اس کا حج کرے اور جو اس حکم کی تعمیل نہ کرے گا تو اللہ بھی اسی عالم سے بے نیاز ہے۔“

(آل عمران: 97,96,3)

سورہ بقرہ میں اسی کی بابت مزید فرمایا:

﴿وَلَوْ أَنفَلْنَا إِبْرَاهِيمَ رُبُّهُ يَكْفُرُ فَتَكْفُرُ قَالَ إِيَیْ جَاعِلِكَ لِلنَّاسِ أَمَانًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنْتَ الْهَدَىٰ الظَّالِمِينَ ۖ وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا وَنَجَّيْنَا إِبْرَاهِيمَ مِّنْ مَّقَامِرِ الْإِبْرَاهِيمَ ۖ وَوَعَدْنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنَّ طَهْرًا لَّيْلِي لِّلْقَائِمِينَ وَالْعَافِينَ ۖ وَالْوَكُوعِ السَّجُودِ ۖ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ ۖ مَنْ آمَنَ مِنْهُمْ فَإِلَيْهِ ۖ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۖ وَإِذْ يَقُولُ الْإِبْرَاهِيمُ الْفَوَاقِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَرَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۖ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمِينَ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۖ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ الرَّحِيمُ الرَّحِيمُ ۖ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ ۖ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَتُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّهِمْ ۖ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝﴾

”اور جب پروردگار نے چند باتوں میں ابراہیم کی آزمائش کی تو وہ ان میں پورے اترے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا۔ انہوں نے کہا کہ (پروردگار) میری اولاد میں سے بھی (پیشوا بنانا) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا وعدہ ظالموں کے لیے نہیں ہوا کرتا۔ اور جب ہم نے خاندان کعبہ کو لوگوں کے لیے جمع ہونے اور امن پانے کی جگہ بنایا اور (حکم دیا کہ) جس مقام پر ابراہیم کھڑے ہوئے تھے، اُس کو نماز کی جگہ بنالو۔ اور ابراہیم اور اسماعیل سے کہا کہ طواف کرنے والوں اور استسکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور تہجد کرنے والوں کے لیے میرے گھر کو پاک صاف رکھا کرو۔ اور جب ابراہیم نے دعا کی کہ اے پروردگار اس جگہ کو امن کا شہر بنا اور اس کے

وَمَا تَعْلَمُونَ وَمَا يَفْعَلُ عَلَى اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۖ اتَّخَذَ لِلنَّاسِ وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ يُسْجِلُ لَكَ رِسْقًا إِنَّ رَبِّي سَمِيعُ الدُّعَاءِ ۖ رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءَ ۖ رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ ۝﴾

”اور جب ابراہیم نے دعا کی کہ میرے پروردگار! اس شہر کو (لوگوں کے لیے) امن کی جگہ بنادے اور مجھے اور میری اولاد کو اس بات سے بچائے کہ کعبہ کی جوں کی پرستش کرنے لگیں۔ اے پروردگار! انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔ سو شخص نے میرا کہا ہونا میرا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو تو بیشک والا میرا ہے۔ اے پروردگار! میں نے اپنی کچھ اولاد میدیان (مکہ) میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس لا بیٹائی ہے جہاں کھتی بھی نہیں ہے۔ اے پروردگار! تاکہ یہ نماز پڑھیں، سولوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ ان کی طرف جھکے، اور ان کو پھلوں سے روزی دے تاکہ (تیرا) شکر کریں۔ اے پروردگار! جو بات ہم چھپاتے اور جو ظاہر کرتے ہیں تو سب جانتا ہے۔ اور زمین و آسمان میں اللہ سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے بڑی عمر میں اسماعیل اور اسحاق عطا کیے۔ بے شک میرا پروردگار عاقل و عاقلانہ والا ہے۔ اے پروردگار! مجھ کو (ایسی توفیق عطایت) کہ کر نماز پڑھتا رہوں اور میری اولاد کو بھی (یہ توفیق بخش دے)۔ اے پروردگار! میری دعا قبول فرما۔ اے پروردگار! حساب (کتاب) کے دن کعبہ کو اور میرے مال باپ کو اور مومنوں کو عاف کر دینا۔“ (ابراہیم: 35/14-41)

بیت اللہ کی تعمیر اور اہل مکہ کے لیے دعائے ابراہیم علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے دعوتِ توحید قبول کرنے والوں کے لیے کعبہ اللہ تعمیر کرنے کا حکم دیا تاکہ فرزندانِ توحید اس گھر کا طواف کریں اور یہاں آ کر نمازیں ادا کریں! ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ ۚ أَن لَّا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ۖ وَأَوِّدْ فِي النَّاسِ بِالْحَقِّ ۖ يَا أَيُّهَا النَّاسُ ۖ عَلَيْكُمْ أَلْسِنَتُهُمْ ۖ وَمِنْ كُلِّ صَاحِبِ بُيُوتٍ ۖ﴾

”اور (ایک وقت تھا) جب ہم نے ابراہیم کے لیے خاندان کعبہ کی جگہ مقرر کر دی (اور فرمایا) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور طواف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں (اور) تہجد کرنے والوں کے لیے میرے گھر کو صاف رکھا کرو اور لوگوں میں حج کے لیے اعلان کر دو کہ تمہاری طرف پیدل اور ڈبلے ڈبلے اونٹوں پر جو دور (دراز) رستوں سے چلے آتے ہوں (سوار ہو کر) چلے آئیں۔“ (الحج: 27,26,22)

سے استدلال تو ہی نہیں کیونکہ آیت کے الفاظ کا مطلب یہ ہے: ”وہ جگہ جو اللہ کے علم میں اس کے لیے مقدر تھی اور جو مقام حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام تک تمام انبیاء کے نزدیک قابل احترام رہا۔“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ ۝﴾

”بیشاں پہلا گھر جو لوگوں (کے عبادت کرنے) کے لیے مقرر کیا گیا تھا وہی ہے جو کے میں ہے۔ بابرکت اور جہان کے لیے موجب ہدایت۔“ (آل عمران: 96/3)

یعنی تمام لوگوں کے لیے جو گھر بابرکت اور ہدایت کے لیے سب سے پہلے مقرر کیا گیا، وہ گھر ہے جو مکہ میں ہے۔

﴿فِيهِ أَوَّلُ بَيْتٍ﴾ (آل عمران: 97) ”اس میں مکلی ہوئی نشانیاں ہیں۔“ یعنی یہ عمارت خلیل علیہ السلام کی تعمیر کردہ ہے، جو بعد میں آنے والے تمام نبیوں کے جدا جدا اور اپنی اولاد کے تمام موصدین کے امام تھے جو آپ کی اقتدار کرنے والے اور آپ کی سنت پر عمل کرنے والے ہیں۔ اسی لیے فرمایا:

﴿فَقَامَ إِبْرَاهِيمَ﴾ (آل عمران: 97) اس سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر آپ نے کعبہ کی تعمیر جاری رکھی۔ جب عمارت آپ کے قد سے بلند ہو گئی تو آپ کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام نے یہ مشہور پتھر لا کر دیا تاکہ آپ اس پر کھڑے ہو جائیں، جیسے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک لمبی حدیث میں مذکور ہے۔^①

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے تک یہ پتھر اسی طرح کعبہ کی دیوار سے متصل پڑا رہا۔ جس طرح قدیم زمانے سے پڑا تھا۔ آپ نے اسے بیت اللہ سے کچھ فاصلے پر کر دیا تاکہ اس کے پاس نماز پڑھنے والوں کی وجہ سے طواف کرنے والوں کو رکاوٹ نہ ہو۔ بعد کے لوگوں نے اس مسئلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پیروی کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعذر مشورے ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ان کی تصدیق ثابت ہے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: ”کاش! ہم مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھا کرتے۔“^②

تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی:

﴿وَاتَّخِذْ مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مَوْطِئًا ۖ﴾

”اور (حکم دیا کہ) جس مقام پر ابراہیم کھڑے ہوئے تھے، اُس کو نماز کی جگہ بنا لو۔“ (البقرة: 125/2)

اس پتھر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان اسلام کے ابتدائی دور تک باقی تھے۔ انہوں نے صرف اللہ کی رضا کے لیے کعبہ کی بنیادوں پر عمارت بنائی تھی اور وہ دعا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کا یہ نیک عمل قبول فرمائے۔ چنانچہ

رہنے والوں میں سے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لائیں اُن کے کھانے کو پھل عطا کر تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو کافر ہو گا اس کو کبھی کسی قدر فائدہ دوں گا (مگر) پھر اُس کو (غداً) (دوزخ کے) (بھٹکتے کے) لیے پاچار کر دوں گا اور وہ بری جگہ ہے۔ اور جب ابراہیم اور اسماعیل بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے (تو دُعا کیے جاتے تھے کہ) اے پروردگار! ہم سے یہ خدمت قبول فرما۔ چنگ کو تسنن والا (اور) جانے والا ہے۔ اے پروردگار! ہم کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھنا اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گردہ کو اپنا مطیع بناتے رہنا۔ اور (پروردگار) ہمیں ہمارے طریق عبادت بنا اور ہمارے حال پر رحم کے ساتھ توجہ فرما۔ چنگ تو توجہ فرمانے والا میرا ہے۔ اے پروردگار! (لوگوں) میں انہی میں سے ایک پیغمبر مبعوث کر دے جو اُن کو حیرتی آیتیں پڑھ پڑھ کر دنیا کرے اور کتاب اور دلائل سکھایا کرے اور ان (کے دلوں) کو پاک صاف کیا کرے۔ چنگ تو غالب (اور) صاحب حکمت ہے۔“ (البقرة: 124-129/2)

اللہ تعالیٰ اپنے بندے، اپنے رسول، اپنے خلیل، موصدین کے امام اور انبیاء کرام کے جدا جدا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بیان فرما رہا ہے کہ انہوں نے وہ قدیم گھر تعمیر فرمایا، جو تمام لوگوں کے لیے تعمیر کی جانے والی جلی مسجد ہے، جس میں وہ اللہ کی عبادت کر سکتے ہیں۔ اللہ نے آپ کو وہ جگہ بتائی جو اس کی تعمیر کے لیے مقدر کی جا چکی تھی۔

حضرت علی بن ابی طالب اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ آپ کو وحی کے ذریعے سے اس کی جگہ سے باخبر کیا گیا۔ آسمانوں کی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے ہم (دوسری کتاب میں) بیان کر چکے ہیں کہ کعبہ شریف (آسمانی کعبہ) بیت المعمور کی بالکل سیّدہ میں ہے، سابق و آسمانوں پر اس انداز سے عبادت کے مقامات (ایک سیّدہ میں) واقع ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ہر آسمان میں ایک گھر (عبادت کا مقام) ہے، جس میں اُس آسمان کے فرشتے اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اُن کے لیے اس کی وہی حیثیت ہے جو زمین والوں کے لیے کعبہ شریف کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ ایک عبادت گاہ بنائیں جس کی حیثیت زمین والوں کے لیے وہی ہو جو آسمان کے فرشتوں کے لیے مذکورہ بالا عبادت گاہوں کی ہے اور اللہ نے آپ کو کعبہ شریف کی وہ جگہ بتائی جو آسمان و زمین کی تخلیق کے دن سے اس کے لیے متعین کر دی گئی تھی۔ جیسے کہ صحیحین میں ارشاد نبوی ہے:

”اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے اس دن محترم قرار دے دیا تھا، جس دن آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔ وہ اللہ کے حکم کی وجہ سے قیامت تک کے لیے قابل احترام (حرم) ہے۔“^①

کسی صحیح حدیث میں یہ مذکور نہیں کہ ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ہی کعبہ تعمیر کیا گیا تھا۔ اس کے لیے [مَكَانَ الْبَيْتِ] کے لفظ

حاصل نہیں ہوا۔ آپ کریمانہ اخلاق کے حامل، امت کے لیے کامل شفقت و رحمت کے جذبات رکھنے والے، معزز خاندان کے فرزند اور افضل ترین شہر کے رہنے والے تھے۔

چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے زمین پر کعبہ شریف کو تعمیر کیا تھا، اس لیے وہ آسمانوں پر بلند ترین مقام سے مستحقِ شہرے اور بیت المعمور کا مقام قرار پایا جو ساتویں آسمان والوں کا مبارک کعبہ ہے جس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہو کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں، پھر قیامت تک دوبارہ ان کی باری نہیں آتی۔

ایک طویل عرصہ تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیرِ کعبہ عمارت قائم رہی۔ اس کے بعد قریش نے کعبہ کو تعمیر کیا۔ انہوں نے ابراہیمی تعمیر سے شام کی طرف یعنی شمالی جانب سے کچھ حصہ چھوڑ دیا۔ موجودہ تعمیر اسی کے مطابق ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کیا تجھے معلوم ہے کہ تیری قوم نے جب کعبہ تعمیر کیا تو ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں سے کم کر دیا؟“ میں نے عرض کیا: ”اللہ کے رسول ﷺ! آپ اسے دوبارہ ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر تعمیر نہیں کریں گے؟“ آپ نے فرمایا: ”اگر تیری قوم کفر سے ابھی نکل کر نہ آتی ہوتی تو میں ایسے ہی کرتا۔“^①

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اپنے دور حکومت میں کعبہ شریف کو اسی طرح تعمیر کر دیا تھا جس طرح انہیں ان کی خالہ محترمہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے۔ جب 3 ہجری میں حجاج بن یوسف نے انہیں شہید کر دیا تو خلیفہ وقت عبدالملک بن مروان سے مشورہ کیا کہ کعبہ کیا کیا جائے ان کا خیال تھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے یہ کام اپنی رائے سے کیا ہے، چنانچہ خلیفہ نے حکم دیا کہ کعبہ کو دوبارہ پرانے انداز پر بنا دیا جائے انہوں نے شام کی طرف کی دیوار تو ذکر ”عظیم“ کو الگ کر دیا۔ پھر دیوار (وہ جگہ چھوڑ کر) تعمیر کر کے (زائد) پتھر کعبہ کے اندر چھینک دیے۔ اس وجہ سے اس کا مشرقی دروازہ (زمین سے) بلند ہو گیا اور انہوں نے مغربی دروازہ بالکل بند کر دیا۔ اس طرح کعبہ کی وہ شکل بن گئی جو آج کل دیکھنے میں آتی ہے۔

بعد میں انہیں معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ واقعی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حدیث سنائے کی وجہ سے کعبہ کو اس انداز سے تعمیر کیا تھا۔ تب انہیں بہت افسوس ہوا۔

جب خلیفہ منصور کے بیٹے خلیفہ مہدی کا دور حکومت تھا، تو اس نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مشورہ کیا کہ کعبہ کی عمارت اس طرح بنادی جائے جس طرح حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بنائی تھی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”مجھے خطر ہے کہ بادشاہ اسے تکمیل نہائیں گے، یعنی جب کوئی بادشاہ آئے گا، وہ اسے اپنے مرضی کے مطابق تعمیر کرنے کی کوشش کرے گا، چنانچہ عمارت اسی طرح رہ گئی جس طرح آج کل موجود ہے۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَذِّنْ لَهُمْ السَّاعَاتِ الْمَوَدَّةَ مِنَ الْبَيْتِ وَالْمَسْجِدِ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٢٧﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ. وَإِنَّا مَتَابِعُكَ وَأَتَابُكَ وَأَنَّكَ أَنْتَ الْغَاثُ الْيَوْمَ﴾

”اور جب ابراہیم اور اسماعیل بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے (تو دعا کی جاتی تھی کہ) اے پروردگار! ہم سے یہ خدمت قبول فرما۔ بیشک تو سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔ اے پروردگار! ہم کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھنا۔ اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا پیغمبر بنائے رکھنا۔ اور اے پروردگار! ہمیں ہمارے طریقِ عبادت بتا اور ہمارے حال پر (رحم کے ساتھ) توجہ فرما۔ بیشک تو توجہ فرمانے والا مہربان ہے۔“ (البقرة: 127، 128)

اہل کعبہ کے لیے دعائے ابراہیم علیہ السلام: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بے آب و گیاہ وادی میں واقع مقدس ترین مقام پر مقدس ترین مسجد تعمیر کر دی اور وہاں بسنے والوں کے لیے برکت کی دعا فرمائی اور یہ دعا کی کہ انہیں کھانے کو پھل ملیں حالانکہ وہاں پانی بہت کم تھا، کھیتی اور پھل موجود تھے اور یہ بھی دعا کی کہ وہ اس مقام کو حرم (قابل احترام مقام) اور امن والہان کا گوارہ بنادے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی آپ نے جو کچھ مانگا تھا، اس نے عطا فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا وَيُكَلِّفُ النَّاسَ مِنْ حَوْلِهِ﴾

”کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو مقام امن بنایا ہے جبکہ لوگ اس کے گرد و نواح سے آپک لیے جاتے ہیں۔“

(العنکبوت: 67/29)

مزید فرمایا:

﴿أَوَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ حَرَمًا آمِنًا يُجْبَىٰ إِلَيْهِ كُمُوتٌ كُلِّ شَيْءٍ وَزَقَا مِّنْ لَّنْ كَا﴾

”کیا ہم نے ان کو حرم میں جو اس کا مقام ہے جگہ نہیں دی جہاں ہر قسم کے پھل پہنچا جاتے ہیں (اور یہ) رزق

ہماری طرف سے ہے۔“ (الفصل: 57/28)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک اور عظیم دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان میں انہی سے یعنی ان کی جنس سے اور ان کی فصیح و بلیغ اور خالص زبان بولنے والا رسول مبعوث فرما تاکہ دونوں طرح کی نعمتیں مکمل طور پر حاصل ہو جائیں یعنی دنیا کی نعمت بھی اور دین کی نعمت بھی۔ دنیا کی سعادت بھی اور آخرت کی سعادت بھی۔

اللہ تعالیٰ نے یہ دعا بھی قبول فرمائی اور ایک رسول مبعوث فرمایا۔ کتنا عظیم رسول جس پر اس نے نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم کر دیا اور اسی کا کل دین و عبادت فرمایا جیسا پہلے کی قوم کو نہیں ملا تھا اور آپ کی دعوت دنیا کی ہر زبان، ہر علاقہ، ہر ملک بلکہ قیامت تک ہر زمانے کے لیے عام فرمادی۔ یہ چیز بھی رسول اللہ ﷺ کا ایک خصوصی شرف ہے جو کسی اور نبی کو

قرآن وحدیث کی روشنی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام و مرتبہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَأَذِ ابْنَيْ إِزْهَارِهِ رَبَّنَا بِكَلِمَتٍ فَاتَّخَفَهُمَا قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ

”اور جب پروردگار نے چند باتوں میں ابراہیم کی آزمائش کی تو وہ ان میں پورے اترے۔ اللہ نے کہا کہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا بنائوں گا۔ انہوں نے کہا کہ (پروردگار) میری اولاد میں سے بھی (پیشوا بنانا) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمارا وعدہ ظالموں کے لیے نہیں ہوا کرتا۔“ (البقرہ: 124)

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے احکام کی تعمیل کر کے ہوتے ہوئے بڑے بڑے کام انجام دیئے تو اللہ نے آپ کو نبی نوح انسان کا پیشوا بنا دیا تاکہ وہ آپ کے نقش قدم پر چلیں اور آپ کی سیرت طیبہ سے رہنمائی حاصل کریں۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ قیادت کا یہ منصب ان کی آل میں باقی رہے۔ آپ کی درخواست قبول ہو گئی اور امامت آپ کو پہنچنے کے ساتھ ہی واضح کر دیا گیا کہ آپ کی نسل کے خاتمہ لوگ اس وعدے سے متشکی ہیں۔ بلکہ یہ منصب صرف ان افراد کو حاصل ہو گا جو عالم باطل ہوں گے۔ جیسے ارشاد ہے:

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ وَاتَيْنَاهُ أَجْرَهُ فِي الدُّنْيَا
وَأَنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ

”اور ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب بخشے اور ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب (مقرر) کردی اور ان کو دنیا میں بھی ان کا صلہ دیا اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے۔“ (العنکبوت: 27، 29)

مزید فرمایا:

وَوَدَّعْنَا لَهُ الْسَلْعَ وَقَعْبُوهَا كَالْهَيْئَةِ وَلَوْحَاهَا هَيْئًا مِمَّنْ قَبْلُ وَمَنْ ذَرِيَّتُهُ دَاوُدَ وَسُلَيْمَ وَأَيُّوبَ
وَيُوسُفَ وَمُوسَى وَهَارُونَ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ وَكَرَّمْنَا يَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَإِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ
الضَّالِّينَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيُوشَعَ وَطُوطًا وَكَرَّمْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ وَمَنْ آيَاهُمْ
وَذُرِّيَّتُهُمْ وَآلِهَاهُمْ وَأَجْنِبْنَاهُمْ وَهَدَّيْنَاهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ

”اور ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب بخشے (اور) سب کو ہدایت دی اور پہلے نوح کو بھی ہدایت دی تھی اور ان کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو بھی“ اور ہم نیکو کاروں کو ایسا ہی بدلہ دیا

کرتے ہیں۔ اور ذکر یا اور بھی اور الیاس کو بھی یہ سب نیکوکار تھے۔ اور اسماعیل اور ابراہیم اور یونس اور لوط کو بھی۔ اور ان سب کو جہان کے لوگوں نے فحشیت بخشی تھی۔ اور ان کے باپ دادا اور دادا دادا بھی ان میں سے بعض کو بھی۔ اور ان کو بڑے دبی کا تھا اور سیدھا سنا سے دکھایا تھا۔“ (الانعام: 84-87)

﴿مِنْ ذُرِّيَّتِهِ﴾ ”آپ کی اولاد“ سے مراد ابراہیم علیہ السلام کی آل ہے۔ لوط علیہ السلام اگرچہ آپ کے بیٹے ہیں، لیکن انہیں تعجباً آپ کی اولاد میں شامل کر لیا گیا ہے۔ آیت مبارکہ میں لوط علیہ السلام کا ذکر ہونے کی وجہ سے بعض علمائے کرام یہ بیان کرتے ہیں کہ ﴿مِنْ ذُرِّيَّتِهِ﴾ ”آپ کی اولاد“ سے مراد نوح علیہ السلام کی اولاد ہے۔ تاہم اکثر علماء نے پہلا قول اختیار کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا:

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ

”اور ہم نے نوح اور ابراہیم کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا اور اُن کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب (کے سلسلے) کو (دو وقتاً جاری رکھا۔“ (الحديد: 26/57)

جس نبی پر بھی کوئی کتاب نازل ہوئی، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہی میں سے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے اور آپ کی عظمت کا اظہار ہے جس کا مقابلہ کوئی اور شخصیت نہیں کر سکتی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو عظیم بیٹے عطا فرمائے: حضرت ہابہ علیہ السلام سے اسماعیل علیہ السلام اور حضرت سارہ علیہ السلام سے اسحاق علیہ السلام۔ پھر حضرت اسحاق علیہ السلام سے حضرت یعقوب علیہ السلام پیدا ہوئے، جنہیں اسرائیل علیہ السلام بھی کہا جاتا ہے۔ ان کی اولاد کے قبائل کو اسی لیے بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔ ان میں سے جو انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے، ان کی تعداد بہت ہی زیادہ ہے۔ ان کی صحیح تعداد صرف اسی کو معلوم ہے جس پر انجیل مذکورہ، و رسالت کا منصف ہے کہ مبعوث فرما۔ بنی اسرائیل کے انبیاء کا یہ سلسلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ختم ہوا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام سے عرب کے تمام قبائل وجود میں آئے۔ آپ کی اولاد میں سے صرف خاتم النبیین، سید الانبیاء والمرسلین، دنیا و آخرت میں انسانیت کے لیے باعثِ فخر حضرت محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم قریشی کی مدنی ﷺ ہی تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں، درود اور صلوات و سلام ہوں آپ کی ذات اقدس پر۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”میں ایسے مقام پر فائز ہوں گا کہ تمام لوگ حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی میری طرف راغب ہوں گے۔“^①

اس حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظیم مدح ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد دنیا و آخرت میں سب سے عظیم شخصیت آپ کی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو (تکلیف

بوچھ کر باطل کو چھوڑ کر حق کی راہ اختیار کی تھی جو یہودیت، عیسائیت اور مشرکانہ مذہب سب کے خلاف ہے۔ جیسا کہ ارشاد الہی ہے:

﴿وَمَنْ يُدْعَبْ عَنْ قَبْلِهِ إِلَى الْإِسْلَامِ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ لَكُمْ الدِّينَ فَلَا تَبْشُرُوا إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۚ أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتَ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِن بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ إِلَهَكَ وَالْآلِهَةَ آبَائِكُمُ الْإِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَإِصْحَاقَ وَإِلَهُآ وَآبَاءَهُمْ ۚ وَتَحَنَّنَ لَهُ مُسْلِمُونَ ۚ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تَتْلُونَ عَنآ كَا تَوَلَّوْا هُودًا وَأَنصَرَىٰ تَهْتَدُوا ۚ قُلْ بَلْ مِلَّةَ الْإِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۚ قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلَى الْإِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْإِسْحَاقَ وَمَا أُوْتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ ۚ وَتَحَنَّنَ لَهُ مُسْلِمُونَ ۚ فَإِنِ امْتَنَّا بِنَبِيٍّ مِّن مَّا آمَنَّا بِهِ فَكَفَرْنَا ۚ وَإِنِ امْتَنَّا فَاَلْبَسْنَا لَهُمُ فِي شِقَاقِي فَسَيَلْبِقِيهِمْ اللَّهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۚ صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً ۚ وَتَحَنَّنَ لَهُ عَبْدُونَ ۚ قُلْ اتَّخَذْتُنَا فِي اللَّهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وَلَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ وَتَحَنَّنَ لَهُ مُخْلِصُونَ ۚ أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ الْإِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْإِسْحَاقَ كَانُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۚ قُلْ أَعْلَمُ أَمْرُ اللَّهِ ۚ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِندَهُ مِنَ اللَّهِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۚ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تَتْلُونَ عَنآ كَا تَوَلَّوْا يَحْمِلُونَ ۚ﴾

”اور ابراہیم کے دین سے کون لوگ روٹ کر سکتا ہے؟ بجز اس کے جو نہایت نادان ہو۔ تم نے ان کو نہ نیا میں بھی منتخب کیا تھا اور آخرت میں بھی وہ (نمر) سہلا میں ہوں گے۔ جب ان سے ان کے پروردگار نے فرمایا کہ اسلام آؤ تو انہوں نے عرض کی کہ میں رب العالمین کے آگے سرِ اطاعت خم کرتا ہوں۔ اور ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو بھی اسی ہی بات کی وحیت کی اور یعقوب نے بھی (اپنے فرزندوں سے یہی کہا) کہ بیٹا اللہ نے تمہارے لیے یہی دین پسند فرمایا ہے سو مرنا تو مسلمان ہی مرنا۔ بھلا جس وقت یعقوب وفات پانے لگے تو تم اس وقت موجود تھے۔ جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے کہا کہ آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا ابراہیم اور اسامیل اور اسحق کے معبود کی عبادت کریں گے جو معبود یکتا ہے اور ہم اسی کے عزم بردار ہیں۔ یہ جماعت گزر چکی، ان کو ان کے اعمال (کا بدلہ ملے گا) اور تم کو تمہارے اعمال (کا) اور جو مل

وہ کرتے تھے ان کی پرستش تم سے نہیں ہوگی۔ اور (یہودی اور عیسائی) کہتے ہیں کہ یہودی یا عیسائی ہو جاؤ تو سید سے راستہ پر لگ جاؤ گے۔ (اے پیغمبر! ان سے) کہہ دو (نبی! بلکہ) ہم) دین ابراہیم (اختیار کیے ہوئے ہیں) جو ایک اللہ کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے تھے۔ (مسلمانو!) کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو (کتاب) ہم پر آئی اس پر اور جو (صحیفہ) ابراہیم اور اسامیل اور اسحق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل ہوئے ان پر اور جو (کتابیں) موسیٰ اور عیسیٰ کو عطا ہوئیں ان پر اور جو دوسرے پیغمبروں کو ان کے پروردگار کی طرف سے ملیں ان پر (فرشتہ اللہ ان سب پر ایمان لائے) ہم ان پیغمبروں میں سے کسی کی کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اسی اللہ وحدہ کے فرمانبردار ہیں۔ سو اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لے آئے ہو تو ہدایت یاب ہو جائیں اور اگر منہ پھیر لیں (اور نہ مانیں) تو وہ (تمہارے) مخالف ہیں اور ان کے مقابلے میں تمہیں اللہ کافی ہے اور وہ خوب سننے والا (اور) خوب جاننے والا ہے۔ (کہہ دو کہ ہم نے اللہ کا رنگ (اختیار کر لیا ہے) اور اللہ سے بہتر رنگ کس کا ہو سکتا ہے اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔) (اے ان سے) کہو کیا تم اللہ کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو حالانکہ وہی ہمارا اور تمہارا پروردگار ہے اور ہم کو ہمارے اعمال (کا بدلہ ملے گا) اور تم کو تمہارے اعمال (کا) اور ہم خاص اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔ (اے یہود نصاریٰ!) کیا تم اس بات کے قائل ہو کہ ابراہیم اور اسامیل اور اسحق اور یعقوب اور ان کی اولاد یہودی یا عیسائی تھے؟ (اے محمد! ان سے) کہو کہ بھلا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی شہادت کو جو اس کے پاس (کتاب میں موجود) ہے چھپائے؟ اور جو کچھ تم لوگ کر رہے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے۔ یہ جماعت گزر چکی، ان کو وہ (ملے گا) جو انہوں نے کیا اور تم کو وہ جو تم نے کیا اور جو مل وہ کرتے تھے ان کی پرستش تم سے نہیں ہوگی۔“ (البقرہ: 130-141)

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اسی غلیل طے کر یہودیت و نصرائیت سے بری قرار دیا ہے اور واضح فرمایا ہے کہ وہ ایک اللہ کے ہو جانے والے مسلم تھے اور ان کا مشرکین سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اسی لیے فرمایا:

﴿إِنَّ أَوَّلَ الْبَاقِينَ بِرَبِّهِمْ كَذَّبُوا﴾

”ابراہیم سے قریب تر وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی۔“ (آل عمران: 68/3)

ان سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپ کے زمانہ مبارک میں آپ کی پیروی کی اور وہ بھی مراد ہیں جو بعد کے زمانہ میں آپ کے دین پر قائم رہے۔

[وَهَذَا النَّبِيُّ] یعنی محمد ﷺ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہی دین اور وہی شریعت عطا فرمائی ہے جو غلیل طے کو عطا فرمائی تھی اور نبی ﷺ کے لیے اس کا مل فرمایا اور رسول اللہ ﷺ کو وہ کچھ عطا فرمایا، جو پہلے کسی نبی یا رسول کو عطا نہیں فرمایا تھا۔ جیسے ارشاد فرمایا:

جاتی ہو۔ ﴿قَابَتْ لَيْلُهُ﴾ یعنی تمام حالات اور تمام حرکات و سکنات میں اللہ کے سامنے عاجزی کا اظہار کرنے والے تھے۔ ﴿حَنِيفًا﴾ یعنی بصیرت کی بنیاد پر اللہ کے لیے اخلاص رکھنے والے تھے۔ ﴿وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ آپ شرک کرنے والے نہ تھے بلکہ ﴿شَاكِرًا لِأَنْعُمِهِ﴾ اللہ کی نعمتوں پر تمام اعضا کے ساتھ دل سے، زبان سے اور اعمال سے، اللہ کا شکر بجالانے والے تھے۔ ﴿إِحْتِسَابُهُ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے لیے منتخب فرمایا اور اپنی رسالت کے منصب کے لیے چُن لیا اور انہیں اپنا ٹھکانہ بنا کر دنیا اور آخرت کی حق خط پر فرمادی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا﴾

”اور اس شخص سے کس کا دین اچھا ہو سکتا ہے جس نے اللہ کے حکم کو قبول کیا اور وہ ٹیکو کا رہی ہے۔ اور ابراہیم کے دین کا پیرو ہے جو یکسو (مسلمان) تھے اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا دوست بنایا تھا۔“ (النساء: 125/4)

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی بیروی کی تعریف دی ہے، کیونکہ آپ صحیح دین پر قائم تھے اور سیدمی راہ پر گامزن تھے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے تمام احکام پر عمل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اسی صفت کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَالِإِبْرَاهِيمَ الْإِنِّي وَفِي﴾

”اور ابراہیم کی (خبر نہیں سمجھتی) جنہوں نے (حق اطاعت و رسالت) پورا کیا؟“ (النجم: 38)

اسی لیے آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ٹھکانہ بنالیا۔ ﴿خُلَّةٌ﴾ محبت کا اعلیٰ ترین مقام اور کامل ترین درجہ ہے۔ خاتم الانبیاء، سید المرسلین حضرت محمد ﷺ بھی اس مقام پر فائز تھے۔ جیسے صحیحین میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مروی ہے: ”لوگو! اللہ نے مجھے خلیل بنایا ہے۔“

اور نبی اکرم ﷺ نے آخری خطبے میں بھی ارشاد فرمایا: ”لوگو! اگر میں زمین کے کسی فرد کو خلیل بنانا تو ابوبکر کو خلیل بنانا، لیکن تمہارا ساسی (ﷺ) (اللہ کا خلیل ہے)۔“

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف کی ہے۔ ایک قول کے مطابق آپ کا اسم گرامی قرآن مجید کی 25 سورتوں میں 69 دفعہ آیا ہے جن میں سے 15 مقامات صرف سورہ بقرہ میں ہیں۔

❖ اولوالعزم رسول: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا شمار ان پانچ اولوالعزم پیغمبروں میں ہوتا ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تمام انبیاء میں سے خاص طور پر نام لے کر ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ إِنِّي هَدَيْتَنِي رَبِّيَ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۖ دِينًا قِيَمًا مِّلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۚ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۚ لَا شَرِيكَ لَهُ ۚ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ۚ﴾

”کہہ دو کہ مجھے میرے پروردگار نے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے کہ وہ ایک دین مستحکم ہے جو یکسو (پیغمبر) ابراہیم کا طریقہ ہے اور وہ شرکوں میں سے نہ تھے۔ (یہی) کہہ دو کہ میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی بات کا حکم ملا ہے اور میں سب سے اوّل فرمانبردار ہوں۔“ (الأنعام: 161-163)

اور یہ فرمایا:

﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَابَتْ لَيْلُهُ حَنِيفًا ۚ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۚ شَاكِرًا لِأَنْعُمِهِ ۚ إِحْتِسَابُهُ ۚ وَهُدًى إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۚ وَاتَّبَعَهُ ابْنُ آدَمَ حَسَنَةً ۚ وَابْنُ دَاوُدَ الْأَخِيرُ ۚ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ۚ ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۚ﴾

”بے شک ابراہیم (لوگوں کے) امام (اور) اللہ کے فرمانبردار تھے۔ جو یک طرفہ مجلس تھے اور شرکوں میں سے نہ تھے۔ اُس کی نعمتوں کی شکر گزار تھے۔ اللہ نے اُن کو برگزیدہ کر لیا تھا اور (اپنی) سیدمی راہ پر چلایا تھا اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی خوشی دی اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے۔ پھر ہم نے تمہاری طرف بھیجتی رہی کہ دین ابراہیم کی پیروی اختیار کرو جو یک طرفہ مجلس تھے اور شرکوں میں سے نہ تھے۔“ (النحل: 120-123)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے کعبہ شریف میں تصویریں دیکھیں تو اندر داخل نہ ہوئے جب تک آپ کے حکم سے انہیں روانہ نہ کیا گیا۔ آپ نے دیکھا کہ (تصویروں میں) ابراہیم اور اسماعیل علیہ السلام کے ہاتھوں میں خال کے تیرے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ ان (تصویریں بنانے والوں) کو تباہ کرے! قسم ہے اللہ کی! ان حضرات نے کبھی تیروں سے (جو اکھینے کے لیے) قرعہ اندازی نہیں کی تھی۔“

صحیح بخاری ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے: ”اللہ تعالیٰ انہیں تباہ کرے! انہیں معلوم تھا کہ ہمارے بزرگ (ابراہیم یا اسماعیل علیہ السلام) نے کبھی تیروں سے (جو اکھینے کے لیے) قرعہ اندازی نہیں کی تھی۔“

آیت مبارکہ میں ﴿أُمَّةً﴾ سے مراد ہدایت یافتہ پیشوا اور امام ہے جو نیکی کی طرف دعوت دیتا ہو، نیکی میں اس کی پیروی کی

❶ صحیح البخاری: ”أحاديث الأنبياء“ باب قوله تعالى ﴿وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا﴾ حدیث: 3352

❷ صحیح البخاری: ”الحج“ باب من کبر في نواحي الكعبة حدیث: 1601

❶ مسند أحمد: 389/377/1

❷ صحیح البخاری: فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب قول النبی ﷺ: ”لو كنت متخذًا خليلاً“ حدیث: 3656 و صحیح مسلم:

فضائل (الصحابه) باب من فضائل أبي بكر الصديق رضي الله عنه حدیث: 2383 و مسند أحمد: 409/1

﴿مَسَايِدَنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ﴾

”جس طرح ہم نے (کائنات کو) پہلے پیدا کیا اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے۔“

اسی جزوی الفضلیت کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حضرت محمد ﷺ سے مطلقاً افضل ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ نبی ﷺ کو مقامِ مودیک جو افضلیت حاصل ہے، وہ زیادہ عظیم ہے۔ اس پر پہلے پچھلے تمام انسان نبی ﷺ پر شک کریں گے۔

جہاں تک حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کا تعلق ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے کہا: اِنْسَا خَيْرَ النَّبِيَّةِ [اے تمام مخلوقات میں سے افضل ترین!] تو نبی ﷺ نے فرمایا: ”وہ تو ابراہیم علیہ السلام تھے۔“

یہ نبی ﷺ کی طرف سے اپنے چداچمد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقابلے میں کسٹکی کا اظہار ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے آپ کا یہ فرمان ہے: ”انبیاء کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو۔ اور فرمایا مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو۔ کیونکہ قیامت کے دن لوگ بے ہوش ہو جائیں گے۔ پھر سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا تو دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ پکڑے ہوئے ہیں۔ معلوم نہیں وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آئے یا انہیں طور کی بے ہوش کا بدلہ دیا گیا؟“

یہ احادیث نبی ﷺ سے مروی ان تمام متواتر احادیث کے خلاف نہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ قیامت کے دن تمام بنی آدم کے سردار ہوں گے۔ اسی طرح حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بھی اس کے خلاف نہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”میں نے تیسری دعا کو اس دن کے لیے لیا تھا کہ میری قوم میں سے جو نبی ﷺ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی میرے قرب کے خواہش مند ہوں گے۔“

چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت محمد ﷺ کے بعد سب سے افضل رسول ہیں، اس لیے نمازی کو حکم دیا گیا ہے کہ تہجد میں آپ ﷺ پر درود پڑھے۔

حضرت کعب بن جحزہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ! آپ کو سلام کہنے کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہے۔ آپ پر صلوة (درود) دعائے رحمت بھیجئے گا کیا طریقہ ہے؟ آپ نے فرمایا: یوں کہو:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَسْبُكَ مُحَمَّدٌ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَسْبُكَ مُحَمَّدٌ۔ [

① مسند أحمد: 223/1

② مسند أحمد: 184/3

③ صحيح البخاري: 'الخصومات' باب ما يذكر في الأشخاص..... حديث: 2412 وأطرافه

④ صحيح مسلم: 'صلاة المسافرين' باب بيان أن القرآن أنزل على سبعة أحرف..... حديث: 820

﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَحْنٌ نُوحٍ وَابْرٰهِيْمَ وَهُوْسَىٰ وَعِيسَىٰ ابْنَ مَرْيَمَ وَآخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا﴾

”اور جب ہم نے پیغمبروں سے عہد لیا اور تم سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور مریم کے بیٹے عیسیٰ سے اور بعد بھی اُن سے پکا لیا۔“ (الأحزاب: 7/33)

اور یہ فرمایا:

﴿يَسْخَرُ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَضَىٰ بِهِ نُوحًا وَآلِ نَارٍ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَضَيْنَا بِهِ اِبْرٰهِيْمَ وَهُوْسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقْبِمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ﴾

”اُس نے تمہارے لیے دین کا وہی راستہ مقرر کیا جس (کے اختیار کرنے) کا نوح کو حکم دیا تھا اور جس کی (اے محمد!) ہم نے تمہاری طرف دینی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا (وہ یہ) کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں بھٹوتہ نہ ڈالنا۔“ (الشوری: 13/42)

اولو العزم پیغمبروں میں حضرت محمد ﷺ کے بعد آپ ہی سب سے افضل ہیں۔ آپ ہی کو رسول اللہ ﷺ نے ساتویں آسمان پر اسی بیت المعمور سے ٹیک لگا کر بیٹھے دیکھا تھا، جس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں، پھر دوبارہ ان کی باری بھی نہیں آتی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”کریم بن کریم بن کریم بن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام ہیں۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ سب سے معزز انسان کون ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ قریبی ہے۔“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہم آپ سے یہ بات نہیں پوچھ رہے۔ فرمایا: ”سب سے معزز انسان حضرت یوسف علیہ السلام ہیں، اللہ کے نبی تھے، اللہ کے نبی کے پوتے تھے، اللہ کے خلیل کے پوتے تھے۔“ انہوں نے عرض کیا: ہم آپ سے یہ بات نہیں پوچھ رہے۔ فرمایا: ”تم مجھ سے عرب کے قبائل کے بارے میں پوچھ رہے ہو؟“ انہوں نے کہا: جی ہاں! نبی ﷺ نے فرمایا: ”جو لوگ جاہلیت میں بہتر تھے، وہ اسلام میں بھی بہتر ہیں، جب دین کی کچھ حاصل کر لیں۔“

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”لوگ (قبروں سے) بے لباس اور غیر محتون آئیں گے سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔“ پھر نبی ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

① مسند أحمد: 96/2 و صحيح البخاري: 'أحاديث الأنبياء' باب قول الله تعالى ﴿لَقَدْ كَانَ فِي يَوْسُفَ.....﴾

حديث: 3390

② صحيح البخاري: 'أحاديث الأنبياء' باب قول الله تعالى ﴿لَقَدْ كَانَ فِي يَوْسُفَ.....﴾ حديث: 3383

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دس کام فطرت میں شامل ہیں: مونچھیں کاٹنا، ڈاڑھی بڑھانا، مسواک کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، ناخن تراشنا، (انگلیوں کے) جوڑوں کو جوڑنا، بگلوں کے بال اکھاڑنا، زیر ناف بال مونڈنا اور پانی استعمال کرنا یعنی استنجہ کرنا اور کھانا کرنا۔“^①

خلاصہ یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی بڑی عبادتیں پورے خلوص کے ساتھ ادا کرنے کے باوجود اپنے بدن کی دیکھ بھال سے غافل نہیں ہوتے تھے، بلکہ جسم کے ہر عضو کو اصلاح اور تزئین کا جائز حق سمجھتے تھے اور رسم کو بدنام کرنے والی اشیاء کو دور کرنے میں غفلت نہیں کرتے تھے مثلاً: غیر ضروری بال، ناخن، دانتوں کی بدنامی اور میل پیکل وغیرہ۔ یہ سب کچھ ان خوبیوں میں شامل ہے جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی:

﴿وَلَا يُهِيمُ الْكَذِبُ وَفِي ۝﴾

”اور ابراہیم کی (خبر نہیں پہنچی) جنہوں نے (حق اطاعت و رسالت) پورا کیا؟“ (النجم: 37)

حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی عمر اور وفات

امام ابن جریرؒ نے ”تاریخ“ میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت نمرود بن کنعان کے دور حکومت میں ہوئی۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے ہزار سال حکومت کی اور وہ انتہائی ظالم اور سنگ دل آدمی تھا۔ اس کا تعلق قبیلہ بنو راسب سے تھا جن کی طرف حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا گیا، وہ اپنے زمانے میں پوری دنیا کا بادشاہ تھا۔ کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں ایک انتہائی روشن ستارہ نمودار ہوا، جس سے سورج اور چاند کی روشنی ماند پڑ گئی۔ اس سے بہت سے لوگ ہلاک ہو گئے۔ نمرود بھی پریشان ہو گیا۔ اس نے اپنے کاتبوں اور نجومیوں کو طلب کیا اور اس کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے کہا: ”آپ کی رعایا میں ایک لڑکا پیدا ہوگا، جس کے ہاتھوں آپ کی حکومت ختم ہو جائے گی۔“ اس نے حکم جاری کر دیا کہ تمام مرد و عورتوں سے الگ رہیں اور اس دن کے بعد جو بھی بچہ پیدا ہو، اسے قتل کر دیا جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت انہی دنوں ہوئی لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظالموں سے محفوظ رکھا۔ آپ بڑے ہوئے اور جوان ہو گئے۔ پھر وہ واقعات پیش آئے جن کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

آپ کی ولادت سوس کے مقام پر ہوئی۔ بعض نے بابل اور بعض نے کھولنی (سواد) کا مقام بیان کیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ آپ دمشق کے مشرق میں بوزہ کے مقام پر پیدا ہوئے۔

① صحیح مسلم ’الطہارۃ‘ باب خصال الفطرۃ: حدیث: 261 و جامع الترمذی ’الادب‘ باب ما جاء فی تغلیبہ ’الافطار‘

”اے اللہ! محمد اور آل محمد پر رحمتیں نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر رحمتیں نازل فرمائیں۔ تو یقیناً قابلِ تعریف اور بزرگ والا ہے“ اے اللہ! محمد اور آل محمد پر رحمتیں نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر رحمتیں نازل فرمائیں۔ تو یقیناً قابلِ تعریف اور بزرگ والا ہے۔“^①

② حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اطاعت شعاری: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوری زندگی احکام الہی کی کماحقہ ادائیگی کے حق اطاعت و رسالت نہایت خوبی سے ادا کر دیا آپ کی اسی خوبی کو اللہ تعالیٰ نے اقوامِ عالم کے لیے بطور نمونہ پیش کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا يُهِيمُ الْكَذِبُ وَفِي ۝﴾

”اور ابراہیم کی (خبر نہیں پہنچی) جنہوں نے (حق اطاعت و رسالت) پورا کیا؟“

اس کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ انہیں جتنے احکام دیے گئے، انہوں نے سب کی تعمیل کی اور ایمان کی تمام شاخوں اور تمام کاموں پر عمل پیرا ہوئے۔ آپ بڑے کام کا خیال رکھتے ہوئے چھوٹے کام سے غافل نہیں ہوتے تھے اور بڑے بڑے نیک کاموں کی ذمہ داری پوری کرتے وقت چھوٹے کاموں (اور بظاہر چھوٹی معلوم ہونے والی نیکیوں) کو فراموش نہیں کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی فرمان:

﴿وَلَا يُهِيمُ الْكَذِبُ وَفِي ۝﴾

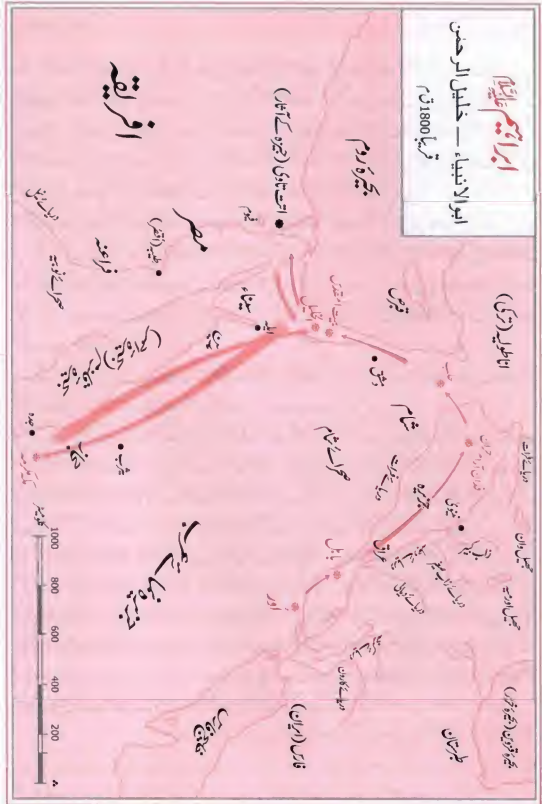
”اور جب ابراہیم کے پروردگار نے چند باتوں میں اس (ابراہیم) کی آزمائش کی تو اس نے ان باتوں کو پورا کر دکھایا۔“ (البقرہ: 124/2) کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے صفائی اور طہارت سے متعلق (دس) احکام دے کر آپ کی آزمائش کی تھی۔ پانچ احکام کا تعلق سر سے ہے اور پانچ کا تعلق باقی جسم سے۔ سر سے متعلق (احکام یہ ہیں): مونچھیں کاٹنا، ناک میں پانی ڈالنا اور سر میں لگانے کا کھانا باقی جسم سے متعلق (احکام یہ ہیں): ناخن کاٹنا، زیر ناف بال مونڈنا، تختہ کرنا، بگلوں کے بال اکھاڑنا اور پیشاب پانا۔ ان اثرات کو پانی سے دھو کر دور کرنا (یعنی استنجہ کرنا)۔“^②

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”فطرت میں شامل اعمال پانچ ہیں: تختہ کرنا، لوہا استعمال کرنا، (زیر ناف بال مونڈنا)، مونچھیں کاٹنا، ناخن تراشنا اور بگلوں کے بال اکھاڑنا۔“^③

① صحیح البخاری ’احادیث الانبیاء‘ حدیث: 3370

② تفسیر ابن ابی حاتم: 219/1 تفسیر سورة البقرة: آیت: 123

③ صحیح البخاری ’الاستنفا‘ باب الختان بعد الکبر و تنف الابط‘ حدیث: 6297 و صحیح مسلم ’الطہارۃ‘ باب خصال الفطرۃ: حدیث: 257



جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھوں مردود کو تیار کر دیا تو آپ ہجرت کر کے حوران اور پھر شام تشریف لے گئے۔ آپ [ایسلیا] کے علاقے میں بھی رہے اور آپ کے ہاں اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔ آپ کی اہلیہ محترمہ حضرت سارہ علیہا السلام آپ کی زندگی میں کنعان کے علاقے میں [حسرون] کے مقام پر اہل کتاب کے قول کے مطابق ایک سو ستائیس (127) سال کی عمر میں فوت ہوئیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت غمگین ہوئے اور اظہار غم کیا۔ پھر نبی حیث کے ایک شخص ”عفرون بن صخر“ سے چار سو شتال کے عوض ایک غار خرید اور سارہ علیہا السلام کو ہاں دفن کیا۔

کہا جاتا ہے کہ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسحاق کی شادی ”رفقا بنت بنوئیل بن ناحور بن تارح“ سے کی۔ اہل کتاب کہتے ہیں: پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ”قسطوسور“ سے شادی کی، جن سے اولاد بھی ہوئی۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام بنار ہو گئے اور ایک سو پچھتر (175) سال کی عمر میں فوت ہوئے اور [عفرون حبشی] کے کیمیت میں اپنی زوجہ محترمہ کے قریب مذکورہ بالا غار میں دفن ہوئے جو [حسرون] میں واقع ہے۔ آپ کے دفن کا اہتمام حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہ السلام نے کیا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ آپ نے اپنا فتنہ اسی سال کی عمر میں کیا تھا۔ لیکن اس روایت میں 80 سال کے بعد کی عمر کی صراحت میں کیا تھا نہیں ہے کہ آپ اس کے بعد کتنا عرصہ حیات رہے۔ واللہ اعلم۔

آپ علیہ السلام کی قبر مبارک اور حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی قبریں اس چار دیواری میں واقع ہیں، جسے حضرت سلیمان بن داود علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا۔ ”حبرون“ کے شہر میں ہے جو آج کل ”الخلیل“ کے نام سے معروف ہے۔ اس چار دیواری میں قبروں کی جگہ کا بالکل صحیح تعین نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے اس پورے قطعہ زمین کا احترام کرنا چاہیے اور اس میں پتلے بھرنے سے اجتناب کرنا چاہیے تاکہ لاعلیٰ میں ان میں سے کسی مقدس ہستی کی قبر پر پاؤں نہ آجائے۔

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد: آپ کے ہاں سب سے پہلے اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے، جو مصر کے قبیلہ خاندان سے تعلق رکھنے والی خاتون حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے تھے۔ ان کے بعد آپ کی چچا زاد حضرت سارہ علیہا السلام سے آپ کے بیٹے اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔ ان کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قسطو راہب بنت کنعان سے شادی کی، جن سے آپ کے چچے بیٹے پیدا ہوئے۔ ان کے نام یہ ہیں: مدین، زمران، سرج، یحسان، یثیق اور چھٹے کا نام معلوم نہیں۔ ان کے بعد آپ نے جون بنت امین سے شادی کی جن سے آپ علیہ السلام کے پانچ بیٹے: کیسان، سورج، امیم، لوطان اور نفس پیدا ہوئے۔ ابوالقاسم سبیل نے اپنی کتاب ”التعریف والاعلام“ میں اسی طرح بیان کیا ہے۔

”اور جب ابراہیم نے کہا کہ اے میرے پروردگار! اس شیر کو امن والا بنا دے اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا دے۔“ (ابراہیم: 35/14)

جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصب امامت پر فائز کیا تو مشفق و رحیم ابراہیم بے ساختہ اپنی اولاد کے لیے اسی منصب کی دعا کرتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِيَإِسْمَاعِيلَ إِمَامًا ذَا ذُرِّيَّتٍ﴾

”اللہ نے فرمایا کہ میں تمہیں چھپس لوگوں کا امام بنا دوں گا عرض کرنے لگے: اور میری اولاد کو۔“ (البقرہ: 124/2) لہذا اللہ تعالیٰ نے اپنے رحیم و مہربان اس کی اس عرض کو قبول فرما کر ان کی اولاد کو بھی اس نعمت سے سرفراز فرمادیا جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿وَجَعَلْنَا لِيُزَيْقَ السُّبُوتَ وَالْكِتَابَ﴾

”اور ہم نے نبوت اور کتاب کو اس کی اولاد میں رکھ دیا۔“ (العنکبوت: 27/29)

مشترکین کے لیے دعائے مغفرت کی ممانعت: مشترکین کے لیے دعائے مغفرت کرنا منع ہے اگرچہ مشرک نہایت قریبی رشتہ دار، باپ، بیٹا، والدہ یا بہن بھائی ہی کیوں نہ ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو راہ راست پر لانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ جواب میں باپ نے قتل کی دھمکی دے کر گھر سے نکل جانے کا حکم سنایا تو آپ والد کے لیے مغفرت کی دعا کا وعدہ کر کے گھر سے رخصت ہو گئے۔ اس کے بعد جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پختہ یقین ہو گیا کہ ان کا باپ ایمان نہیں لائے گا اور وہ مشرکین کے ساتھ ہی برے انجام سے دوچار ہوگا تو پھر ان سے براءت اور لاتعلقی کا اظہار فرمادیا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِذْ عَنِ تَوَعُّدٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَوَلَّىٰ

مِنْهُ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَكْثَرُ حَلِيمٍ﴾

”اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے دعائے مغفرت نہ کرنا صرف وعدہ کے سب سے تھا جو انہوں نے اس سے کر لیا تھا۔ پھر جب ان پر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے محض بے تعلقی ہو گئے۔ واقعی ابراہیم بڑے نرم دل اور بردبار تھے۔“ (النوبہ: 114/9)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس عمل کو شریعت محمدی میں قانون کی حیثیت حاصل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو چچا کے لیے دعائے مغفرت سے منع فرما کر تمام مشرکین کے لیے دعائے مغفرت سے روک دیا۔ البتہ ان کی زندگی میں ہدایت کی دعا کی جاسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو اور تمام مومنوں کو حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالنَّبِيِّنَ أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولَىٰ قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ

لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْنَابُ الْجَحِيمِ﴾

نتائج و فوائد عَنِ ابْنِ مَرْجَوْنٍ وَحَبِيبِينَ

رحمہم، نرم خو، مشفق جد الانبیاء: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے سے ہمیں ان کے رحیم اور نرم دل ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ نرم دل اور رحمت و شفقت ایک دماغی کی بنیادی اور اہم ترین صفات ہیں۔ اگر دماغی سخت مزاج اور درشت زبان ہو تو میدان دعوت میں کامیابی ناممکن ہے کیونکہ انسانی طبیعت نرمی، محبت و شفقت، رحمت و مہموت اور نرم خوئی سے متاثر ہوتی ہے جبکہ سختی، برش روئی، اور درشت زبانی سے تنفر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب نبی آخر الزمان کو انہی اعلیٰ صفات کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿قَبِيصًا رَحِيمًا مِّنَ اللَّهِ بَلِّغْ لَهُمُ ۖ وَلَوْ كُنْتَ ظَقْلًا يَحْبِلُ عَلَى الْقَلْبِ لَأَخَذْتُمُوهُنَّ مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَكَأَنَّكَ عَنْهُمْ

وَأَسْتَغْفِرُ لَهُمْ ۖ وَشَاوِرُهُمْ فِي الْأَمْرِ ۖ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ﴾

”اللہ تعالیٰ کی رحمت کے باعث آپ ان پر نرم دل ہیں، اور اگر آپ بد زبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے، سو آپ ان سے درگزر کریں اور ان کے لیے استغفار کریں۔“ (آل عمران: 159/3)

حضرت ابراہیم علیہ السلام، نہایت نرم مزاج، دماغی، رحیم، بیٹے، مشفق، باپ اور کمال محبت و رحمت والے جد انبیاء تھے۔ ان کی شفقت، رحمت، نرم دلی اور دوسروں کے لیے رحمہ کی کا اندازہ مندرجہ ذیل امور سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے:

رحمہم حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کو شرک کی غلامی میں نظر انداز کر دیتے ہیں تو باپ کو اس کے خطرناک انجام سے آگاہ کر کے اس کی قبیح جرم سے باز رکھنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ دلیل و براہین سے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں مگر باپ کے دل پر کفر و شرک کے تالے پڑے تھے اس لیے اس نے جواب میں رحیم بیٹے کو سخت ست کہا اور سخت سزا دینے کا اعلان کیا۔ اس وقت رحیم و مشفق ابراہیم نے کہا:

﴿سَلِّمْ عَلَيَّ ۖ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي إِنَّهُ كَانَ فِي حَقِّي حَسِيًّا﴾

”اچھا تم پر سلام ہو، میں تو اپنے پروردگار سے تمہاری بخشش کی دعا کرتا رہوں گا۔“ (مریم: 47/19)

اس طرح آپ نے ترمیمی کا جواب نرمی سے دیا۔

آپ کی اسی رحمت و مہموت نے آپ کو نرم و ذلیل دعا کرنے پر ابھارا۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَأَذِّنْ لِلنَّبِيِّ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ أَمْنًا وَآجِزْنِي وَتَجَنَّبْهُ وَنَسِيَّ الْإِسْطِغْفَارَ ۖ﴾

آپ کے اس اسوہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ دایان تو حید کو کائنات کے حوالے سے ایسے حسی اور مشاہداتی دلائل پیش کرنے چاہئیں جو ہر نفس بامانی سمجھ سکے کیونکہ ایسے دلائل جلدی تاثر رکھتا ہے۔

✧ مشرک اقرباء کے ساتھ حسن سلوک: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مشرک باپ کو حید پرست بنانے کے لیے بھرپور سعی کی مگر باپ اپنے مشرک نہ عقائد و اعمال پر مصر رہا۔ آپ نے باپ سے بیزاری کا اظہار کیا مگر ہمیشہ باپ کے ساتھ نرمی، شفقت اور رحم ہی سے پیش آتے رہے۔ آپ کی اسی رحمی اور حسن سلوک کو اسلام نے برقرار رکھا ہے۔ لہذا شریعت محمدی میں مومنوں کو یہ حکم دیا گیا ہے:

﴿وَإِنْ جَاهَدُكَ عَنكَ أَنْ تَشْرِكَ بِى مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبُكُمْ مِنَ الْقُرْبَىٰ مَعْشُورًا﴾

”اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شرک کرے جس کا تجھے علم نہ ہو تو ان کا کہنا نہ ماننا، ہاں دنیا میں ان کے ساتھ اچھی طرح گزر بسر کرنا۔“ (لقمان: 15/31)

لہذا مشرک اقرباء کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا ضروری ہے۔ ان کے ساتھ حسن سلوک میں سے یہ بھی ہے کہ ان کی ہدایت کی دعا کی جائے۔

✧ آثار کائنات سے رب کائنات تک: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مشرک قوم کو آثار کائنات میں غور و فکر اور تدبر کرنے کی دعوت دی۔ مظاہر پرست سورج، چاند اور دیگر ستاروں کی پوجا کرتے ہیں۔ ان سے رزق والا طلب کرتے ہیں۔ حاجت روائی اور مشکل کشائی کی امیدیں باندھتے ہیں۔ آپ نے ان کے باطل عقائد اور معبودان باطلہ کے رد کے لیے آثار کائنات سے قوم کی رہنمائی فرمائی۔ آپ نے ان معبودان باطلہ کی غیر حقیقی اور بے وقعت حالت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ جو چاند اور سورج کبھی طلوع ہوں اور کبھی چھپ جائیں، وہ حقائق اور مدبر نہیں ہو سکتے، کیونکہ ان کا عروج و زوال کسی مقتدر حاکم کی خبر دیتا ہے جو ان سب کا مالک و مدبر ہے اور یہ سب اس کے تابع فرمان ہیں۔ لہذا کسی کے نفع و نقصان کے مالک و مختار کیسے ہو سکتے ہیں؟ آپ کے اس طرز عمل میں بھی داعیانِ توحید کے لیے شاندار اسوہ موجود ہے۔ لہذا جو شخص بھی کائنات میں غور و فکر کرے گا وہ کائنات کے رب کو پالے گا۔

✧ صحت افزا مشروب مشرقِ زمزم: اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعدد احتمانات لیے اور وہ ان احتمانات میں بخوبی کامیاب و کامران ہوئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں متعدد لازوال نعمتوں سے نوازا۔ ان ہی لازوال اور اصولی نعمتوں میں سے ایک زمزم ہے۔ کہ کہ چمیل اور خشک میاؤں میں زمزم کا پشہ اپنے ظہور سے لے کر رکتی دنیا تک کے لوگوں کے لیے باعثِ برکت ہے۔ وادیِ غیرِ ذریع کے باسیوں کو جہاں دنیا جہان کے میوے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی بدولت نصیب ہیں وہاں انہیں زمزم کا صحت بخش، خوش گوار اور درآئیم سے پاک مشروب بھی میسر ہے۔ یہ ایسا

”جینے کو اور دوسرے مومنوں کو جائز نہیں کہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعائیں اگرچہ وہ رشتہ داری ہوں اس امر کے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں۔“ (التوبہ: 113/9)

✧ عقیدہ توحید کی راہ میں شجاعت و جواں مردی کا مظاہرہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قسے سے داعیانِ توحید کو، اس راہ میں آنے والی مشکلات و مصائب کے سامنے سید پیر ہونے کا درس ملتا ہے۔ داعیانِ توحید کو جھٹلانا اور انہیں اذیتیں دینا، مشرکین کا ہمیشہ سے تیرہ رہا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعوتِ توحید دینا شروع کی تو سب سے پہلی مخالفت ان کے اپنے گھر ہی سے شروع ہوئی۔ آپ کا باپ جن معبودوں کے بت ترش کرتا تھا ان کے خلاف ایک لفظ سننے کا بھی روادار نہ تھا جبکہ آپ کی قوم جن معتقدات کو آباء و اجداد سے سنبھالے ہوئی تھی ان کو چھوڑنا یا ان کے باطل ہونے کے دلائل سننا ان کے بس سے باہر تھا۔ اس لیے والد نے قتل کی وجہی دیتے ہوئے کہا:

﴿أَرَأَيْتَ أَنْتَ عَنِ الْهِتَىٰ يَا بُنَيَّ إِنَّهُمْ إِنْ لَا يَنْفَعُكَ اللَّهُ وَفَضْلُهُمْ﴾

”اے ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے رمدروانی کر رہا ہے۔ سن! اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے پتھروں سے مار ڈالوں گا، چاہیک مدت دراز تک مجھ سے الگ رہ۔“ (مریم: 46/19)

آپ ان دھمکیوں اور ترش روئی کا جواب نہایت شفقت سے دیتے رہے اور معبودانِ باطلہ کی عدم اہمیت و عدم صلاحیت کو خوب واضح کرتے رہے۔ قوم نے آپ کو آگ میں جلانے کا فیصلہ کیا تو بھی آپ نے صبر و استقامت کا مظاہرہ کر کے تاقیامت آنے والے داعیانِ توحید کو شاندار اسوہ فراہم کیا۔

✧ حضرت ابراہیم علیہ السلام: ایثار و قربانی کا معمول نمونہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرزند ان توحید کے لیے ایثار و قربانی کا بہترین نمونہ چھوڑا ہے۔ دینِ حق کی تبلیغ اور شرواعیات میں ہر قسم کی تکلیف برداشت کی اور ہر طرح کی قربانی پیش کی۔ اللہ کی توحید کی راہ میں آگ میں داخل ہونا خندہ پیشانی سے قبول کیا، والدین سے طغیہ گری صبر سے برداشت کی، وطن سے ہجرت کو نہایت حوصلے کے ساتھ قبول کیا۔ اللہ تعالیٰ نے بڑھا پے ہوا لاوی کی نعمت سے نوازا تو بڑے شکر گزار ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے امتحان لیتے ہوئے بچے کو زبان کرنے کا حکم دیا تو بلا جھجک فوراً تیار ہو گئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس رضا و رغبت اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہر قسم کی قربانی کے لیے ہر دم تیار رہنے میں بنی نوع انسانی کے لیے بہترین اسوہ موجود ہے۔

✧ پرتائیدر دلائل و براہین سے حق واضح کرنا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جھوٹے معیان ربوبیت اور قوم کے ساتھ مناظر میں متعلقین کو گفتگو اور فلسفیانہ دلائل سے گریز کرتے ہوئے، پرزور حسی اور مشاہداتی دلائل و براہین سے حق کو واضح کیا۔ یہ دلائل ایسے نمایاں اور پرتائیدر تھے کہ ہر کسی پر اثر کر گئے۔ سرود کے دربار میں ایسے دلائل دیکھ کر کافراں جواب ہو کر نادم اور ذلیل و خوار ہو کر رہ گیا۔

اس علاقے کے کافروں، منکروں، اور مشرکین سے اظہار براءت کر کے ہجرت کی راہ لی۔ آپ کے اس طرز عمل کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے بہترین اسوہ قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيِ إِبْرَاهِيمَ وَ آدَمَ إِنَّ قَالُوا لَيَقُولُنَّ إِنَّا كُودُوا مِنْكُمْ وَ مِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَ بَدَّلَا بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ الْعِدَاوَةَ وَ الْبَغْضَاءَ أَهَذَا كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَ حَتَّىٰ﴾

” (مسلمان!) تمہارے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے۔ جب کہ ان سب نے اپنی قوم سے برلاکہ دیا کہ تم ہم سے اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سب سے بالکل بیزار ہیں، ہم تمہارے عقائد کے منکر ہیں۔ جب تک تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ لاؤ، ہم میں تم سے ہمیشہ کے لیے بغض و عداوت ظاہر ہوگئی۔“ (الممتحنہ: 4/60)

اس سے اہل توحید و ایمان کو یہ درس ملتا ہے کہ جب کافر ملک میں دین و ایمان پر عمل کرنا مشکل ہو جائے اور کافروں کا ظلم و ستم برداشت سے باہر ہونے لگے تو ایسے علاقے سے ہجرت کر جانی چاہیے۔ رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی کیونکہ مکہ دار الکفر ان کے ایمان کے لیے سخت امتحان بن گیا تھا اور اہل مکہ کی ایذا میں ناقابل برداشت ہوگئی تھیں۔

انبیائے کرام کی اس سنت پر عمل کرنے والے کو دنیا و آخرت میں بیش بہا انعامات ربانی سے نوازا جاتا ہے۔ سورہ نساء میں ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ خوشخبری دیتا ہے:

﴿وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرْتَعَبًا كَثِيرًا وَ سَعَةً ۚ وَ مِمَّنْ يُخْرِجُ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَ رَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكُهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ وَ كَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝﴾

”جو کوئی اللہ کی راہ میں وطن چھوڑے گا وہ زمین میں بہت سی قیام کی جگہیں پائے گا اور کشادگی بھی۔ اور جو کوئی اپنے گھر سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف نکل کر ہاجر ہوگا اسے موت نے آچکا تو بھی یقیناً اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمے ثابت ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔“ (النساء: 100/4)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اصلی پیروکار: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رسول، بیت اللہ کے بانی اور جہ انبیاء ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی نسل سے بیشمار عظیم نبی اور رسول مبعوث فرمائے۔ آپ کے اسی بلند مقام و مرتبہ اور عز و شرف کی وجہ سے یہود و نصاریٰ دشمنی کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے دین پر حق اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اصلی پیروکار ہیں۔ یہودی یہ دشمنی بھی کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو یہودیت پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ان دعووں کی تردید سورہ بقرہ آیت 133-134 اور سورہ آل عمران آیت 65 میں کی

بارک مشروب ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”زمر کو جس مقصد سے پیا جائے وہی پورا ہو جاتا ہے۔“ (مسند احمد: 3/357 حدیث: 14849)

تاریخ شاہد ہے کہ اگر کسی شخص نے اسے بطور غذا استعمال کیا ہے تو یہ میوے تک اس کے کبھی دوسری غذا سے مستغنی کر دیتا ہے۔ اگر اسے مہلک ترین بیماریوں کی دوا کے طور پر استعمال کیا گیا تو اس کے حیرت انگیز نتائج برآمد ہوئے۔ دنیا بھر کے علاج معالجے کے بعد بھی لاعلاج امراض کا شافی علاج اس مبارک مشروب میں موجود ہے۔

چند سال قبل ایک بد بخت مصری پروفیسر نے اس مبارک مشروب کے خلاف اپنے خبیث باطن کا اظہار کیا اور اسے معضرت صحت قرار دیا۔ اس وقت کے سعودی فرماں روا شاہ فیصل رحمۃ اللہ علیہ کی غیرت دینی جوش میں آئی تو انہوں نے فوراً زمر کے نمونے یورپ کی جدید لیبارٹریوں میں ٹیسٹ کے لیے روانہ کیے۔ کفر و شرک کے تمام جادو گر اس کے معاینے کے بعد یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے کہ زمر ہر قسم کے جراثیم سے پاک اور ہر قسم کے قوت بخش اجزاء سے مزین مشروب ہے۔ زمر کے پاک، صحت بخش اور جراثیم سے مطہر ہونے کی بہت بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ صدیوں سے جاری اس خبیثہ میں کبھی کوئی نباتات اگی ہے نہ کوئی پانی کی مخلوق پیدا ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے فرزندِ نوح کے لیے تاقیامت محفوظ و مامون بنادیا ہے۔ واللہ رب العالمین۔

اولیات ابراہیم علیہ السلام: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سالار اعظم ہیں۔ آپ نے بہت سے ایسے امور انجام دیے ہیں جو ان سے پہلے کبھی کسی رسول نے نہیں کیے۔ انہیں اولیات ابراہیم علیہ السلام کا نام دیا جاتا ہے۔ ان میں سے اکثر وہ مشرک و شریعت محمدی ﷺ میں بھی برقرار رکھا گیا ہے۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

- ① سب سے پہلے آپ نے مہمان نوازی کی سنت جاری کی۔
- ② سب سے پہلے آپ نے مونچھیں کٹوائیں، ناخن تراشے اور زین ناف بال صاف کیے۔
- ③ سر کے بالوں میں ماگ کا تیل کی سنت آپ نے جاری کی اور سر کے بالوں میں بڑھاپے کے اثرات بھی آپ ہی نے دیکھے۔
- ④ سب سے پہلے منبر پر خطبہ بھی آپ نے دیا۔
- ⑤ عرب کا محبوب و لذیذ کھانا، شہید، آپ نے تیار کیا۔
- ⑥ معاف کی سنت بھی آپ نے جاری فرمائی۔

حجرتِ منبئ انبیاء: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے سے یہ حقیقت بھی منکشف ہوتی ہے کہ ہجرت انبیاء کرام کی سنت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسوہ مبارک تاقیامت آنے والے اہل ایمان کے لیے بہترین رہنما ہے۔ آپ نے حران کے علاقے میں دعوت توحید کا اعلان کیا تو اپنے پرانے سب دشمن ہو گئے۔ دعوت حق کو قبول کرنے والوں پر غرض حیات تنگ کر دیا گیا۔ اہل توحید پر ظلم و ستم حد سے بڑھ گئے اور ان کے لیے عبادت الہی میں مشکلات حائل ہونے لگیں تو آپ نے

ساتھ مزید روشن و منور ہوتی جا رہی ہے۔

﴿اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے: اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ، اس کی عظمت و رفعت اور صنعت و کاریگری ہر چیز سے ظاہر ہے۔ پروردگار عالم اپنی قدرت تامہ کا اظہار بے شمار کثرتی اور مجراتی طریقوں سے کرتا ہے۔ جس طرح اس نے تمام مخلوقات کو احسن انداز میں پیدا فرمایا ہے، پھر انہیں موت آ جاتی ہے، اسی طرح وہ اپنی قدرت سے قیامت کے دن جزا اور سزا کے لیے سب کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ قدیم مشرکین اور جدید مادہ پرستوں کی ناقص عقل میں یہ بات نہیں ساتی۔ لہذا وہ اپنی عقل و دانش سے بڑی مضبوط دلیل پیش کرتے ہیں کہ جب ہم جاکیں گے، ہماری ہڈیاں بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گی، ہم مٹی کی ساتھ مٹی ہو جائیں گے تو بھلا کیسے دوبارہ زندہ ہوں گے؟ ان کی اس دلیل کا جواب خود احکم الحاکمین نے ان الفاظ میں دیا ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِي يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ ۚ وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝﴾

” (اللہ) وہی ہے جو اہل باطن کو پیدا کرتا ہے پھر اسے دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ تو اس پر بہت ہی آسان ہے۔ اس کی بہترین اور اعلیٰ صفت ہے، آسمانوں اور زمین میں بھی اور وہی غلبہ والا حکمت والا ہے۔“ (الروم: 27/30)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسے ہی منکرین کو یوم آخرت کا عقیدہ سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ سے کوئی ایسی حسی مثال طلب کی جسے دیکھ کر ان کا اپنا ایمان و یقین مزید مستحکم ہو اور وہ دوسروں کے لیے باعث یقین و ایمان بنے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے آپ کو چار پرندے نکلے نکلے کر کے پہاڑ پر رکھنے کا حکم دیا۔ پھر جب آپ نے ان کو آواز دی تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے دوبارہ زندہ ہو کر دوڑتے ہوئے آپ کے پاس آ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فردوس کو دوبارہ زندہ کر کے اپنی قدرت کاملہ کا اظہار متعدد بار کیا ہے۔ جیسا کہ سورہ بقرہ کی آیات 243-259 میں بھی مذکور ہے۔



ہے۔ یہ دونوں گروہ اس طرح جموئے حمایت ہوئے ہیں کہ تورات و انجیل حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نیکروں اور ہزاروں سال بعد نازل ہوئیں، پھر بھلا آپ یہودی یا عیسائی کیسے ہو سکتے ہیں؟ لہذا اللہ تعالیٰ نے ان کے دعووں کو باطل قرار دے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اصلی تبعین کی تعیین فرمائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا كَانَ لِإِبْرَاهِيمَ أَنْ يَقُولَ قَدْ أَخْلَاكَ رَبِّي وَكَذِبْتُ ۚ وَلَئِنْ شِئْنَا بِكَ خَافِيًا فَلَا تَكُن مِّنَ الْكَافِرِينَ ۝ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ لَئِنْ أَوَّلَى الْكَافِرِينَ بِإِبْرَاهِيمَ لَخَلَّفَتْهُ بَنُو إِسْمَاعِيلَ وَهُنَالِكَ الْكَافِرُونَ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَآلَهُ وَبَنُو إِسْمَاعِيلَ ۝﴾

”ابراہیم نے یہودی ہی تھے نہ نصرانی تھے بلکہ وہ تو ایک طرف (خالص) مسلمان تھے۔ اور وہ مشرک بھی نہ تھے۔ سب لوگوں سے زیادہ ابراہیم سے نزدیک تر وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کا کہا مانا اور یہ نبی اور جو لوگ ایمان لائے، مومنوں کا ولی اور سہارا اللہ ہی ہے۔“ (آل عمران: 68, 67/3)

گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اصلی پیروکار حضرت محمد رحیم اللہ علیہ، آپ کے ایمان لانے والے اور تاقیامت آنے والے تھے پرست ہیں نہ کہ یہود و نصاریٰ یا بت پرست اور مجوسی۔

﴿تاریخی حقائق کی نقاب کشائی: اسلام کی سچائی اور حقانیت جہاں قرآن کے مجراتی کلام سے ہوتی ہے وہاں جدید علوم و فنون بھی اسلام کی صداقت پر آئے و ن بنی ہو گئیں گویا اہل ثبوت کر رہے ہیں۔ باطل شہر کی کھدائی کے دوران میں ملنے والی لوحات، تختیاں اور آلات پر کندہ عبارات کی جدید تحقیق و تفتیش سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل باطل علم نجوم سے واقف تھے اور مختلف ستاروں کے طلوع و غروب کے متعلق ان کے مختلف عقائد و نظریات تھے۔ ان کے بے شمار ہوتے جہن کو راضی کرنے کے لیے وہ طرح طرح کے نذرانے پیش کرتے تھے۔ ان میں قیمتی تھے اور عمدہ تیار کیے ہوئے کھانے بھی ہوتے تھے۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ان کا ایک بڑا اور مرکزی دیوتا بھی تھا جس کا نام ”مردک“ تھا۔ یہ وہ حقائق ہیں جو آج منظر عام پر آ رہے ہیں حالانکہ قرآن مجید نے ان کو چودہ سو سال پہلے ہی بیان کر دیا تھا۔ علم نجوم اور فلکیات کے متعلق اس آیت میں اشارہ موجود ہے:

﴿فَنَظَرُوا فِي النُّجُومِ ۚ فَقَالَ لَئِي سَقِيمٌ ۝﴾

”اب ابراہیم نے ایک نگاہ ستاروں کی طرف اٹھائی اور کہا میں تو بیمار ہوں۔“ (الصافات: 88, 87/37)

آپ نے یہ بات اس وقت کہی تھی جب انہوں نے آپ کو سیلے میں شرکت کی دعوت دی تو آپ نے تشریف لے کر تھے ان کے عقیدے کے مطابق آسمان کی طرف دیکھ کر کہا کہ میں بیمار ہوں۔ قوم کے چلے جانے کے بعد آپ نے ان کے معبد خانے میں داخل ہو کر بتوں کو مخاطب کر کے فرمایا ﴿أَلَا تَكْفُرُونَ﴾ ”تم کھاتے کیوں نہیں؟“ یعنی یہ نذرانے اور تہکات آخر کیسے لیے تمہارے سامنے رکھے گئے ہیں اگر تم کو انہیں کھانا نہیں۔ پھر سب کو توڑ پھوڑ دیا سوئے بڑے بت کے کے جسے جدید تحقیقات کے بعد ”مردک“ کا نام دیا گیا ہے۔ اسی طرح اسلام کی صداقت اور حقانیت ہر آنے والے دن کے

نفسانی خواہش مردوں سے پوری کرنا شروع کر دی اور اپنی جائز خواہش عورتوں کے ذریعے سے پوری کرنے سے اجتناب کرنے لگے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کے لیے جنسی خواہش پوری کرنے کے لیے عورتیں پیدا کی ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کی دعوت دی اور انہیں حرام کاموں سے اور فاحشی کے قبیح اعمال سے منع فرمایا لیکن ان کی گمراہی اور سرکشی میں اضافہ ہو گیا، وہ کفر اور گناہوں میں بدستور ملوث رہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان پر وہ عذاب نازل فرمایا، جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا والوں کے لیے عبرت بنادیا، جس سے دنیا بھر کے اہل خرد کو نصیحت ہو۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ان کا واقعہ بیان کیا ہے۔ چنانچہ سورۃ اعراف میں ارشاد ہے:

﴿وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿١٠٠﴾ إِنَّمَا تَأْتُونَهَا لُتُجَالَ سَهْوَةً مِّنْ دُونِ النَّسَاءِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ﴿١٠١﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أَنَاسٌ يَّتَطَهَّرُونَ ﴿١٠٢﴾ فَانْجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغَافِلِينَ ﴿١٠٣﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا ۖ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ﴿١٠٤﴾﴾

”اور (اسی طرح جب ہم نے) لوط کو (بغیر بنا کر بھیجا تو) اُس وقت انہوں نے اپنی قوم سے کہا تم ایسی بے حیائی کا کام کیوں کرتے ہو کہ تم سے پہلے اہل عالم میں سے کسی نے اس طرح کا کام نہیں کیا، یعنی خواہش نفسانی پوری کرنے کے لیے عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم لوگ حد سے نکل جانے والے ہو۔ اور ان کی قوم سے اس کے سوا کوئی جواب نہ بن پڑا کہ وہ بولے: اُن لوگوں (لوط اور ان کے گھر والوں) کو اپنے گاؤں سے نکال دو (کہ) یہ لوگ پاک بننا چاہتے ہیں۔ پھر ہم نے اُن کو اور ان کے گھر والوں کو بچالیا لیکن ان کی بیوی (نہ بچی) کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں تھی۔ اور ہم نے ان پر (پتھروں کا) دینہ برسایا۔ سو دیکھ لو کہ گناہ گاروں کا انجام کیسا ہوا!“ (الأعراف: 80/74-80/78)

اللہ تعالیٰ نے سورۃ ہود میں ان کا واقعہ یوں بیان کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبَشْرَى قَالُوا سَلِمًا قَالَ سَلَامٌ قَبْلَ أَنْ يَأْتُوا بِمَا هُمْ قَائِلُونَ ﴿١١١﴾ قَالُوا يَا أَبَدْنَاهُ لِمَ آتَيْتَهُمْ قَدْ عَلِمْنَا مَا يَدْعُونَ إِلَيْنَا إِنْ كُنَّا مُسْرِفِينَ ﴿١١٢﴾ وَإِنَّمَا تَأْتِيهِمْ فِئْتَانٌ يَّغْتَابُونَ ﴿١١٣﴾ فَأَوَّلُ فَتْنَةٍ لِّلَّذِينَ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَالْآخِرُ لَأُولَئِكَ فِي الْعَذَابِ مُتَوَلِّينَ ﴿١١٤﴾﴾



نام و نسب جائے نبوت اور قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ

حضرت ابراہیم خلیل الرحمن علیہ السلام کی حیات مبارکہ میں پیش آنے والا ایک اہم اور عظیم واقعہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب کا نازل ہونا ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام ہاران کے بیٹے تھے اور ہاران تارح یعنی آزر کے بیٹے تھے۔ چنانچہ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام، ہاران اور تاحور آپس میں بھائی تھے، جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اجازت بلکہ ان کے حکم سے ان کے علاقے سے منتقل ہو کر ”غور و غر“ کے علاقے میں ”سدوم“ کے شہر میں رہائش پذیر ہو گئے تھے۔ یہ اس علاقے کا مرکزی مقام تھا، جس کے ساتھ کافی زرعی اراضی اور دیہات وغیرہ ملحق تھے۔ یہاں کے باشندے انتہائی فاسق و فاجر، شدید ترین کافر، انتہائی بد فطرت اور بے حد بد کردار تھے۔ وہ راہزنی کے عادی اور سر عام برے کام کرنے والے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو ان گناہوں کے ارتکاب سے منع بھی نہیں کرتے تھے۔ یعنی ان کے اعمال انتہائی برے تھے۔

انہوں نے بے حیائی کا ایک نیا کام شروع کر رکھا تھا جو ان سے پہلے کسی انسان نے نہیں کیا تھا۔ یعنی انہوں نے اپنی

إِبْرَاهِيمَ الرُّوحَ وَجَاءَتْهُ الْبُشْرَى يُبَايَعُا فِي قَوْمِ لُوطَ ۖ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَكَلِيمٌ ۚ
يَا إِبْرَاهِيمُ أَعْرِضْ عَنْ هَذَا ۖ إِنَّكَ قَدْ جَاءَ أَمْرُ رَبِكَ ۖ وَإِنَّهُمْ أِيْتُهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۚ
وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيقَ إِلَيْهِمْ فَجَاءَهُمْ دُرُوءًا ۖ قَالَ هَٰؤُلَاءِ أَبْنَاءُ بَنَاتِي هُنَّ
قَوْمُكُمْ يَهْرَعُونَ وَإِلَيْهِمْ قَبْلُ ۖ لَوْلَا يُعْلِمُونَ السَّيِّئَاتِ ۚ قَالَ يَقُولُ هَٰؤُلَاءِ بَنَاتِي هُنَّ
أَلَكُم مَّا فَطَرَ اللَّهُ ۖ وَلَا تَخْشَوْنَ فِي خُفْيَتِي ۚ أَلَيْسَ مِنْكُمْ جُنٌ رَّشِيدٌ ۚ
بَنَاتِكُمْ مِنْ خَلْقٍ وَآثَاكُم مِّمَّا تُكْرَهُ ۚ قَالَ لَوْ أَنِّي لِي بَكْمَ قُوَّةٌ ۚ أَوْ لَوْ أَنِّي لِي زَيْنٌ سَدِيدٌ ۚ
قَالُوا لُوطُ إِنَّا رُؤُسُ رَبِّكَ لَن يَصِلُوا إِلَيْكَ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِظِلِّ اللَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ
وَمِنْكُمْ أَحَدٌ إِلَّا أَمْرًا تَكُ ۚ إِنَّهُ مَصِيبُهُمَا مَآ أَصَابَهُمْ ۖ إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ۚ أَلَيْسَ
الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ ۚ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَابًا ۖ فَنَظَرُوا
فَمَسُومَةً عِنْدَ رَبِّكَ ۚ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ ۚ

”اور ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے تو سلام کیا۔ انہوں نے بھی (جواب میں) سلام کیا۔
ابھی تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ (ابراہیم) ایک بھنا بھنچا ایلے آئے۔ جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کمانے کی طرف
نہیں جاتے (یعنی وہ کھانا نہیں کھاتے) تو ان کو ابھی بھر دل میں خوف محسوس کیا۔ (فرشتوں نے) کہا کہ خوف
جو کیجیے ہم تو لوط کی طرف (ان کو بلا کر کرنے کے لیے) بھیجے گئے ہیں۔ اور ابراہیم کی بیوی (کھڑی تھی
بہن پڑی تو ہم نے اس کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی۔ اس نے کہا: میرے بھائی کی خوشی!
میرے بچہ ہوگا؟ میں تو بڑھاپا ہوں اور یہ میرے میاں بھی بوڑھے ہیں۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ انہوں نے کہا:
کیا تم اللہ کی قدرت پر تعجب کرتے ہو؟ اے اہل بیت! تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں۔ وہ سزاوارتہ عرف
اور بزرگوار ہے۔ جب ابراہیم سے خوف جاتا رہا اور ان کو خوشخبری ملی تو قوم لوط کے بارے میں گئے ہم سے
بحث کرنے، بے شک ابراہیم بڑے تحمل والے، نرم دل اور رجوع کرنے والے تھے۔ اے ابراہیم! اس بات کو
جانے دو! تمہارے پروردگار کا حکم آپ بچپنا ہے اور ان لوگوں پر عذاب آنے والا ہے، جو کبھی ملنے کا نہیں۔ اور جب
ہمارے فرشتے لوط کے پاس آئے تو وہ ان (کے آنے) سے غمناک اور تنگ دل ہوئے اور کہنے لگے کہ آج کا دن
بڑی مشکل کا دن ہے۔ اور لوط کی قوم کے لوگ ان کے پاس سے تمنا شاد ہوتے ہوئے آئے اور یہ لوگ پہلے ہی
سے راض کیا کرتے تھے۔ لوط نے کہا کہ اس قوم! یہ (جو) میری (قوم کی) لڑائیاں ہیں، یہ تمہارے لیے جائز
(اور) پاک ہیں تو اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں (کے بارے) میں میری آبرو نہ ضائع کرو۔ کیا تم میں کوئی بھی
شائستہ آدمی نہیں۔ وہ بولنے کو معلوم ہے کہ ہمیں تمہاری (قوم کی) بنیوں کو کوئی حاجت نہیں اور جو ہماری غرض

ہے اسے تم خوب جانتے ہو۔ لوط نے کہا کہ اس! مجھ میں تمہارے مقابلے کی طاقت ہوتی یا میں کسی مغبوط
قلعے میں پناہ کھڑکتا۔ فرشتوں نے کہا اے لوط! تم تمہارے پروردگار کے فرشتے ہیں۔ یہ لوگ ہرگز تم تک نہیں پہنچ
سکیں گے۔ تم کچھ رات رہے اپنے گھر والوں کو لے کر چل دو اور تم میں سے کوئی شخص پیچھے بھر کر نہ دیکھے کہ تمہاری
بیوی کہ جو آفت ان پر پڑنے والی ہے وہی اس پہنچی پڑے گی۔ ان (کے عذاب کے) وعدے کا وقت صبح ہے اور
کیا صبح کچھ دور ہے؟ تو جب ہمارا حکم آیا ہم نے اس (بستی) کو (اٹ کر) نیچے اودا کر دیا اور ان پر پتھر کی تپ تپ
(یعنی پڑے رہے) سنگریاں برسائیں جن پر تمہارے پروردگار کے ہاں سے نشان کیے ہوئے تھے۔ اور وہ (بستی
ان) خالموں سے کچھ دور نہیں۔“ (ہود: 83-69)

اور سورہ حجر میں ان کی بابت یوں فرمایا:

وَيَذَرُهُمْ فِي خَيْفٍ إِبْرَاهِيمُ ۚ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا ۚ قَالَ إِنَّا وَمَنْكُمْ وَجَدُونَ ۚ قَالُوا
لَا تَجْعَلْ لَنَا تَبَرًا لَّيْلًا نَحْنُ بَعْلُو عَيْبَةٍ ۚ قَالَ أَتَشْتَرُونَ مِنِّي عَلَىٰ أَنْ تَقْتُلُوا الَّذِينَ كَرِهْتُمْ مُبَشِّرُونَ ۚ قَالُوا
بَشِّرْ نَا بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْفَاطِينَ ۚ قَالَ وَمَنْ يَقْطَعُ مِنْ حَبَّةِ رَيْةٍ إِلَّا الصَّالُونَ ۚ قَالَ
فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ۚ قَالُوا إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ۚ لَّا إِلَا لُوطٌ ۚ إِنَّا لَنَجْجُوهُمْ
أَجْمَعِينَ ۚ إِذَا أَمْرَاتُنَا قَدَّرْنَا لَهَا لَسُنَّ الْغَافِينَ ۚ فَلَمَّا جَاءَ آلَ لُوطٍ الْمُرْسَلُونَ ۚ قَالَ
إِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّكْذِبُونَ ۚ قَالُوا بَلْ جَنَّكَ بَاسًا كَانُوا فِيهِ يَسْتَمُونَ ۚ وَآتَيْنَاكَ بِالْحَقِّ وَلَا تُصَادُونَ ۚ
فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِظِلِّ اللَّيْلِ وَآلِئِكَ أَدْبَارُهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ ۚ وَاصْبِرْ نَفْسَ لَظْمٍ ۚ
وَقَضَيْنَا إِلَيْهِ ذَٰلِكَ الْأَمْرَ ۖ ذَا بَرٍ هَٰؤُلَاءِ مَقْطُوعٌ مُّصْبِحِينَ ۚ وَجَاءَ أَهْلَ الْمَدِينَةِ
يَسْتَبْشِرُونَ ۚ قَالَ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ خَيْفِي فَلَا تَفْضَحُونِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تَخْشَوْنَ ۚ قَالُوا أَوَلَمْ
تَنْهَ عَنْ الْعُلَافِينَ ۚ قَالَ هَٰؤُلَاءِ بَنَاتِي إِن لَّكُمْ فُلِيلٌ ۚ لَّعَلَّكُمْ لَيْلِي سَكْرَتُهُمْ يَهْمُونَ ۚ
فَأَعَدَّ لَهُمُ الصُّبْحَةَ مُشْرِقِينَ ۚ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَابًا ۖ فَنَظَرُوا
إِن فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّمَنْ يَتَذَكَّرُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّمَنْ يَتَذَكَّرُ ۚ

”اور ان کو ابراہیم کے مہمانوں کا حال سنا۔ جب وہ ابراہیم کے پاس آئے تو سلام کیا۔ (انہوں نے) کہا میں
تو تم سے ڈر لگتا ہے۔ (مہمانوں) نے کہا کہ ڈر نہیں! ہم آپ کو ایک دانشمند لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں۔
(وہ) بولے کہ جب مجھ کو بڑھا پنے آچکا تو تم خوشخبری دینے لگے، اب کا ہے کی خوشخبری دیتے ہو؟ (انہوں
نے) کہا کہ ہم آپ کو کچھ خوشخبری دیتے ہیں، آپ مایوس نہ ہو جائیے (ابراہیم نے) کہا کہ اللہ کی رحمت سے
(میں مایوس کیوں ہوں)؟ یوں ہونا تمہارے کام ہے۔ کچھ نہ کہنے لگے کہ فرشتہ تمہیں (اور) کیا کام ہے؟ (انہوں

وہ کہنے لگے کہ لوط اگر تم باز نہ آؤ گے تو شہر بدر کر دیے جاؤ گے۔ لوط نے کہا: میں تمہارے کام کا سخت دشمن ہوں۔ اسے میرے پروردگار اچھے اور میرے گھر والوں کو ان کے کاموں (کے وبال سے) نجات دے۔ سو ہم نے اُن کو اور اُن کے سب گھر والوں کو نجات دی مگر ایک بڑھیا کہ پیچھے رہ گئی۔ پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا اور ان پر عذاب برسایا، سو (جو) میدان (لوگوں) پر (برسا) جو ذرائع گئے تھے بہت بڑھا تھا۔ بیگ اس میں نشانی ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے اور تمہارا پروردگار تو عالم (اب) مہربان ہے۔“ (الشعراء: 160-175)

اور فرمایا:

﴿وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ وَأَنْتُمْ مُبْصِرُونَ ۖ أَيْبُكُمْ لَسَاتُؤُنَ الْبِحَالِ شَهْوَةً مِّنْ دُونِ النِّسَاءِ ۚ بَلْ أَنْتُمْ تَجْهَلُونَ ۚ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوهُ آلَ لُوطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۖ إِنَّهُمْ أَنَاسٌ يَّتَفَهَّرُونَ ۚ فَانجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ ۖ فَقَدَرْنَاهَا مِنَ الْغَابِرِينَ ۖ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا عَاصِفًا مَّطَرُ الْبُذُرِيِّينَ ۖ﴾

”اور لوط کو (یا کرد) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم دیکھتے بھالتے بے حیائی (کے کام) کرتے ہو؟ کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر لذت (حاصل کرنے) کے لیے مردوں کی طرف مائل ہوتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ تم حق لوگ ہو۔ چنانچہ اُن کی قوم کے لوگ (بولے تو) یہ بولے اور اس کے سوا ان کا کچھ جواب نہ تھا کہ لوط کے گھر والوں کو اپنے شہر سے نکال دو۔ یہ لوگ پاک رہنا چاہتے ہیں۔ پھر ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو نجات دے دی۔ مگر ان کی بیوی کہ اُس کی بہت ہم نے مقرر کر رکھا تھا کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں ہوگی۔ اور ہم نے ان پر عذاب برسایا، سو ان لوگوں پر جن کو مستحب کر دیا تھا، جو عینہ برابرت بڑا تھا۔“ (النمل: 54-58)

لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا تذکرہ قرآن مجید کی دیگر سورتوں میں اس طرح کیا گیا ہے۔ اور شاہد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعَالَمِينَ ۚ أَيْبُكُمْ لَسَاتُؤُنَ الْبِحَالِ شَهْوَةً مِّنْ دُونِ النِّسَاءِ ۚ بَلْ أَنْتُمْ تَجْهَلُونَ ۚ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوهُ ۖ إِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۚ قَالَ رَبِّ انصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ ۚ انصُرْنِي ۖ وَكَيْفَ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ ۖ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا إِنَّا مُهْلِكُوا أَهْلَ هَذِهِ الْقَرْيَةِ ۖ إِنَّا أَهْلُهَا كَانُوا ظَالِمِينَ ۚ قَالَ إِنِّي فَيُّهَا لُوطًا ۖ قَالُوا تَحْنُ أَعْلَمُ ۖ مِمَّنْ فِيهَا ۚ إِنَّهُمْ لَنَجْنِيكَ وَأَهْلَكَ إِلَّا امْرَأَتَكَ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ۚ وَكَيْفَ أَنْ جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِتَّىٰ ۖ بِهِمْ وَصَاقٍ بِهِمْ ۖ ذُرْعًا ۖ قَالُوا لَا تَتَفَنَّ ۖ وَلَا تَحْزَنْ ۖ إِنَّا مُنْجِيكَ وَأَهْلَكَ إِلَّا امْرَأَتَكَ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ۚ إِنَّا مُمْلِكُونَ عَلَىٰ أَهْلِ هَذِهِ الْقَرْيَةِ ۖ وَجَزَاءُ مِمَّنِ السَّمَاءِ ۖ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۖ﴾

(نے) کہا کہ ہم ایک گناہ گار قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں (کہ اس پر عذاب نازل کریں) مگر لوط کے گھر والے کہ ان سب کو ہم بچائیں گے۔ البتہ ان کی عورت اس کے لیے ہم نے مقدمہ کر دیا ہے کہ وہ پیچھے رہ جائے گی۔ پھر جب فرشتے لوط کے گھر گئے۔ تو لوط نے کہا: تم نا آشنا لوگ ہو۔ وہ بولے کہ (نہیں) بلکہ ہم آپ کے پاس وہ چیز لے کر آئے ہیں جس میں لوگ شک کرتے تھے اور ہم آپ کے پاس یقینی بات لے کر آئے ہیں اور ہم سچ کہتے ہیں۔ سو آپ کچھ رات رہے اپنے گھر والوں کو لے نکلے اور خود ان کے پیچھے چلیں اور آپ میں سے کوئی شخص پیچھے مڑ کر نہ دیکھے اور جہاں آپ کو حکم ہو وہاں چلے چلیں۔ اور ہم نے لوط کی طرف وحی بھیجی کہ ان لوگوں کی جزا صیح ہوتے ہوئے کاٹ دی جائے گی۔ اور اہل شہر (لوط کے پاس) خوش خوش (دوڑے) آئے۔ (لوط نے) کہا کہ یہ میرے مہمان ہیں (کہیں ان کے بارے میں) مجھے رسوا نہ کرنا اور اللہ سے ڈرو اور مجھے ذلیل نہ کرو۔ وہ بولے کیا ہم نے تم کو سارے جہاں (کی حمایت و طرفداری) سے منع نہیں کیا؟ (انہوں نے) کہا کہ اگر تمہیں کرنا ہے تو یہ میری (قوم کی) لڑکیاں ہیں (ان سے شادی کرلو) (اے محمد!) تمہاری جان کی قسم وہ اپنی مستی میں ہوش بد (ہو رہے) تھے۔ سو ان کو سورج نکلنے نکلنے چنگھاڑنے آچڑا۔ اور ہم نے اس (شہر) کو (الٹ کر) نیچے اوپر کر دیا اور ان پر کھنگر کے (مخصوص) پتھر برسائے۔ بے شک اس (قصے) میں اہل فراست کے لیے نشانی ہے اور وہ (شہر) اب تک سیدھے راستے پر (موجود) ہے۔ بے شک اس میں ایمان لانے والوں کے لیے نشانی ہے۔“ (الحجر: 51-77)

مزید فرمایا:

﴿كَذَٰلِكَ قَوْمُ لُوطٍ مِنَ الْمُزَكَّاتِ ۚ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطُ أَلَا تَتَّقُونَ ۚ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا أَمْرًا ۚ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنِ اجْتَبَىٰ إِلَا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۚ أَلَا تَأْتُونَ الذِّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ ۚ وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ أَرْوَاحِكُمْ ۖ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ ۚ قَالُوا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَنُلَوِّطَنَّ لَكَ ۖ وَمَا نَعْمُكَ مِنَ الْمُفْجِرِينَ ۚ قَالَ إِنِّي بَعِّلْتُكَ مِنَ الْقَالِينَ ۚ رَبِّ نَجِّنِي وَأَهْلِي مِمَّا يَعْبُدُونَ ۚ فَجَنَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ ۚ إِلَّا عَجُوزًا مِنَ الْغَابِرِينَ ۚ ثُمَّ دَفَعْنَا الْغَابِرِينَ ۚ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا عَاصِفًا مَّطَرُ الْبُذُرِيِّينَ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ لَكُمْ هُكْمٌ مِّنْهُمْ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ لَهْوَ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ۖ﴾

”(اور قوم) لوط نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جب ان سے ان کے بھائی لوط نے کہا کہ تم کیوں نہیں ڈرتے؟ میں تو تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں تم سے اس (کام) کا بدلہ نہیں مانگتا۔ میرا بدلہ (اللہ) رب العالمین کے ذمے ہے۔ کیا تم اہل عالم میں سے لڑکوں پر مائل ہوتے ہو اور تمہارے پروردگار نے تمہارے لیے جو تمہاری بیاں پیدا کی ہیں، اُن کو چھوڑ دیتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ تم حد سے نکل جانے والے ہو۔

جَعَادَةً مِّنْ طَيْنٍ ﴿١١﴾ مَسَّوَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِينَ ﴿١٢﴾

”ابراہیم نے کہا کہ فرشتو! تمہارا دعا اور مقصد کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم گناہ کار لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ان پر ٹھکر برسا جس پر حد سے تجاوز کرنے والوں کے لیے تمہارے پروردگار کے ہاں سے نشان کر دیے گئے ہیں۔“ (الذاریات: 34-31/61)

نیز ارشاد ہے:

﴿وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا إِنَّا مُهْلِكُوا أَهْلَ هَذِهِ الْقَرْيَةِ إِنَّا أَهْلُهَا كَانُوا ظَالِمِينَ﴾ قَالَ إِنَّ فِيهَا لُوطًا قَالُوا تَحْنُ أَعْلَمُ بِمَن فِيهَا لَنَنْجِيَنَّكَ وَأَهْلَكَ إِلَّا أَهْرَاقًا وَكَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿١٤﴾

”اور جب ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس خوش خبری لے کر آئے تو کہنے لگے کہ ہم اس ہستی کے لوگوں کو ہلاک کر دینے والے ہیں کیونکہ یہاں کے رہنے والے نافرمان ہیں۔ ابراہیم نے کہا کہ اس میں تو لوط بھی ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ جو لوگ یہاں (رہتے) ہیں ہمیں سب معلوم ہے۔ ہم ان کو اور ان کے گھر والوں کو بچالیں گے بجز ان کی بیوی کے کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں ہوگی۔“ (العنکبوت: 29/32, 31)

اور فرمایا:

﴿فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ الرَّوْعُ وَجَاءَتْهُ الْبُشْرَىٰ يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوطٍ ﴿١٥﴾﴾

”جب ابراہیم سے خوف جاتا رہا اور ان کو خوش خبری بھی مل گئی تو قوم لوط کے بارے میں ہم سے بحث کرنے لگے۔“ (ہود: 74/11)

دراصل ابراہیم علیہ السلام کو امید تھی کہ وہ لوگ کبھی تو لوط (علیہ السلام) کی بات مان کر اسلام قبول کر لیں گے اور اپنے جرائم سے باز آ جائیں گے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُّنتَبِئٌ ﴿١٦﴾ وَإِبْرَاهِيمُ أَعْرِضَ عَنْ هَذَا إِنَّكَ قَدْ جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ ﴿١٧﴾ وَإِنَّهُمْ لَأَبْنَاءُ اللَّهِ غَيْرَ مُمَرَّدُونَ ﴿١٨﴾﴾

”بے شک ابراہیم بڑے علم والے، نرم دل اور رجوع کرنے والے تھے۔ اسے ابراہیم! اس بات کو جانے دو، تمہارے پروردگار کا حکم آپ پہنچا ہے اور ان لوگوں پر عذاب آنے والا ہے جو کبھی نہیں ملے گا۔“ (ہود: 76, 75, 11/76)

یعنی اللہ تعالیٰ کا قطعی فیصلہ آچکا ہے، اب انہیں سزا مل کے رہے گی اسے کوئی نال نہیں سکتا۔ حضرت سعید بن جبیر، سدی، مقداد اور محمد بن اسحاق رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے کہا: ”اگر بستی میں تین سو موئن ہوں تو کیا آپ لوگ اسے تباہ کر دیں گے؟“ انہوں نے کہا: ”ہمیں۔“ آپ نے فرمایا: ”اگر دو

جو بخوبی حقیقت میں قابل تعریف تھی ان لوگوں نے اسی کو ایسے عیب کے طور پر ذکر کیا جس کی وجہ سے انہیں بستی سے نکال دینا ضروری سمجھا۔ اس سے ان کی پرلے درجے کی ہمت دھڑی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کی بیوی کے سوا گھر کے تمام افراد کو بڑے اچھے طریقے سے وہاں سے نکال لیا اور انہیں اس گندگی میں ملوث ہونے سے بچایا اور اللہ تعالیٰ نے اس ہستی کو بدبودار زمین پانی کی چھیل میں تبدیل کر دیا جس میں غرق ہو کر وہ لوگ جہنم کی ہمزگی آگ کا ایدھن بن گئے۔

انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی دعوت تبلیغ قبول کرنے سے صرف اس لیے انکار کیا کہ آپ انہیں انہیائی کر دہ اور گناہوں کی بے حیائی سے منع فرماتے تھے، جس کا ارتکاب ان سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کیا تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں وہ سزا دی کہ وہ ہمیشہ کے لیے ایک عبرت کا مرقع بن کر رہ گئے۔

اس کے علاوہ وہ راستوں میں ڈاکے ڈالتے، مسافروں کو لوٹے، دوستوں سے خیانت کرتے، عام اجتماع کے مقامات پر طرح طرح کی فحش باتیں اور فحش حرکات کرتے۔ بلکہ بعض اوقات مجلس میں بھی بدفعلی کا ارتکاب کرتے اور بالکل حیانت کرتے۔ ان پر نہ کسی کی نصیحت کا اثر ہوتا تھا، نہ کسی کے سمجھانے سے باز آتے تھے۔ انہیں نہ موجودہ گناہوں سے شرم تھی، نہ سابقہ گناہوں پر ندامت اور نہ مستقبل میں اصلاح کی نیت۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں سخت سزا دی۔

انہوں نے اپنے نبی سے یہاں تک کہہ دیا:

﴿اٰتٰنَا بَعْدَ اٰلِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٢٠﴾﴾

”اگر تم سچے ہو تو ہم پر اللہ کا عذاب لے آؤ۔“ (العنکبوت: 29/29)

گویا حضرت لوط علیہ السلام انہیں جس عذاب سے ڈراتے تھے، انہوں نے خود ہی اس کا مطالبہ کر ڈالا۔

حضرت لوط علیہ السلام کے مہمان ان قوم کا کردار

جب لوط علیہ السلام نے دیکھا کہ قوم کی سرکشی میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے تو ان کے خلاف بددعا فرمائی اور اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ فساد دیوں کے خلاف اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور آپ کی ناراضی کی وجہ سے قوم پر اللہ کا غضب نازل ہوا۔ اس نے ان لوگوں کو سزا دینے کے لیے اپنے فرشتے بھیج دیے، جو ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے ہو کر گئے اور آپ کو علم والے بچے کی خوش خبری اور لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب کے نزول کی خبر دیتے گئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كَانَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿٢١﴾ قَالُوا إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ قَوْمِ مُجْرِمِينَ ﴿٢٢﴾ لِّيُرْسِلَ عَلَيْهِمْ

وہ اس سب سے چلے جائیں اور کسی دوسری سستی میں جانیں۔ آپ نے ان سے کہا: ”قسم ہے اللہ کی! میں نہیں جانتا کہ روئے زمین پر اس سستی والوں سے زیادہ کندے اور غیبت لوگ بھی ہوں گے۔“

پھر حضورؐ اس چلے چھپیں بات فرمائی۔ اسی طرح آپ نے چار بار یہ بات ارشاد فرمائی۔ فرشتوں کو اللہ کی طرف سے یہ حکم ملا تھا کہ قوم کو اس وقت تک تباہ نہ کریں جب تک ان کا نبی ان کے خلاف گواہی نہ دے لے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَنْ قَبْلُ كَانُوا يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ﴾ (ہود: 78/11) یعنی وہ لوگ پہلے بھی برے برے گناہوں کا ارتکاب کرتے تھے۔

لوط علیہ السلام نے ان کو باز رکھنے کے لیے مختلف قسم کے حربے استعمال کیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قَالَ لَقَوْمٌ لِّكَؤُوتٍ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ﴾ (ہود: 78/11) ”لوط! نے کہا: اے قوم! یہ (جو میری قوم کی) لڑکیاں ہیں، یہ تمہارے لیے (باز اور) پاک ہیں۔“

مطلب یہ تھا کہ اپنی بیویوں سے خواہش پوری کرو جو شرعی طور پر آپ کی بیٹیاں تھیں کیونکہ امت میں نبی کا مقام والد کا ماہوتا ہے، جیسے کہ حدیث میں مذکور ہے اور قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿الَّذِينَ آوَىٰ إِلَىٰ بَنَاتِهِمْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُمْ أَهْلُهُمْ﴾
”جو غیر مومنوں پر ان کی جان سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں جو غیر ہر کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔“ (الأحزاب: 6/33)

لوط علیہ السلام کا یہ کہنا کہ میری بیٹیاں تمہارے لیے پاک ہیں کا بھی مطلب ہے جس کی وضاحت مذکورہ بالا طور میں جو سکی ہے۔ اور اس کی مزید وضاحت اس آیت سے ہو جاتی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَتَأْتُونَ الذِّكْرَ مِنَ الْعَالَمِينَ﴾ وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ ﴿۷﴾

”کیا تم اہل عالم میں سے لڑکوں پر مائل ہوئے ہو اور تمہارے پروردگار نے جو تمہارے لیے تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں ان کو چھوڑ دیتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ تم مد سے نکل جانے والے ہو۔“ (الشعراء: 166، 165/26)

متعدد صحابہ جو صحیح تائیدین سے نبیؐ کا مطلب بیان فرمایا ہے۔ اس آیت کی دوسری تشریح غلط ہے جو اہل کتاب سے ماخوذ ہے۔^① یہ ان کی ایک بہت بڑی غلطی ہے جیسے ان کی بیان کردہ یہ بات غلط ہے کہ فرشتے صرف دو تھے اور انہوں نے

① تفسیر ابن کثیر: 290/4 تفسیر سورة اٰت: 77

② آیت مبارکہ ﴿لَقَدْ كَذَّبَ بَنَاتِي﴾ کا مطلب بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا: میری بیٹیوں سے نکاح کرو، وہ کہتے ہیں کہ آپ نے یہ چیزیں اس لیے کی کہ یہ رشتہ قائم ہوئے کی صورت میں وہ احساس کریں گے اور اپنے سر کے مہموں کو چھگ نہیں کیا کریں گے۔ مصنف رحمۃ اللہ کے نزدیک یہ تفریح درست نہیں۔

③ دیکھئے: کتاب بیہدائش، باب 19

سوموس ہوں؟“ انہوں نے کہا: ”نہیں۔“ آپ نے فرمایا: ”اگر چالیس ہوں؟“ انہوں نے کہا: ”نہیں۔“ آپ نے فرمایا: ”اگر چودہ مومن ہوں؟“ وہ بولے: ”نہیں۔“

ابن اسحاق رحمۃ اللہ کی روایت کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ”یہ بتاؤ کہ اگر وہاں ایک مومن موجود ہو؟“ فرشتوں نے کہا: ”تب بھی (ہم سستی کو ہلاک) نہیں (کریں گے)۔“ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ﴿إِنِّي فَخِيخٌ لَّوْطًا﴾

”اس میں لوط علیہ السلام موجود ہیں۔“ فرشتوں نے کہا: ﴿تَحْنُ عَلَمٌ بَيْنَ فَخِيخًا﴾ (سورة العنکبوت: 32) ”میں خوب معلوم ہے کہ اس میں کون کون ہے۔“

اہل کتاب کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”یا رب! کیا تو انہیں تباہ کرے گا جب کہ ان میں پچاس نیک آدمی موجود ہوں؟“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اگر ان میں پچاس نیک آدمی موجود ہوں تو میں انہیں ہلاک نہیں کروں گا۔“ حتیٰ کہ آپ نے دس افراد کا ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اگر ان میں دس بھی نیک آدمی ہوئے تو میں انہیں ہلاک نہیں کروں گا۔“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سَيِّئًا بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالَ هَذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ﴾
”اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس آئے تو وہ ان (کے آنے) سے غمناک اور تنگ دل ہوئے اور کہنے لگے کہ آج کا دن بڑی مشکل کا دن ہے۔“ (ہود: 77/11)

مفسرین فرماتے ہیں: ”جب فرشتے یعنی جبریل، میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے رخصت ہوئے تو سدوم کے علاقے میں آ گئے۔ وہ خوبصورت جوان لڑکوں کی صورت میں تھے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس قوم کی آزمائش تھی کہ ان پر حجت قائم ہو جائے۔ جب وہ پہنچے تو سورج غروب ہو رہا تھا۔ انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے ان کے پاس مہمان بننے کی اجازت طلب کی۔ انہوں نے سوچا کہ اگر میں نے ان کی مہمانی نہ کی تو کوئی اور شخص انہیں اپنا مہمان بنا لے گا، حالانکہ وہ لوگ انتہائی بدکردار ہیں۔ آپ اسی وجہ سے پریشان ہوئے کہ آپ کو معلوم تھا کہ مہمانوں کا دفاع اور بدکاروں سے ان کا بچاؤ ایک مشکل کام ہے۔ آپ کو پہلے بھی اس کام کی انجام دہی میں سخت مشکلات پیش آ چکی تھیں اور شہر کے لوگوں نے پہلے سے کہہ رکھا تھا کہ کسی انجمنی کو اپنا مہمان نہ بنا لیں۔“

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ”فرشتے (انسانی صورت میں) آپ کے پاس آئے تو آپ کیمتوں میں کام کر رہے تھے۔ انہوں نے آپ کے ہاں ٹھہرنے کی خواہش ظاہر کی۔ آپ کو ان کی درخواست رد کرنے سے شرم آیا، اس لیے آپ ان کے آگے آگے (گھری طرف) چل پڑے۔ آپ علیہ السلام ان سے اشاروں کنایوں میں ایسی باتیں کہنے لگے جن کو سُن کر

① تفسیر ابن کثیر: 289/4 تفسیر سورة هود: آیت 76

② کتاب بیہدائش، باب 18، فقرہ: 32 تا 33

رہتا، جتنا عرصہ یوسف علیہ السلام رہے تو میں بلانے والے کی بات مان لیتا (اس کے کہنے پر جیل سے باہر آ جاتا) ①
 ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لو طویلہ پر اللہ کی رحمت نازل ہو، وہ ایک مضبوط سہارے کی پناہ لیتے تھے (یعنی اللہ تعالیٰ کی)۔ آپ کے بعد اللہ نے جو بھی نبی بھیجا ہے، وہ قوم کے کھاتے پیتے گھر ان سے بھیجا ہے۔“ ②
 نبی مکرم کی قوم کو مصلحانہ نصیحت: بدر کا درو قہم نے جب لوط علیہ السلام کے خوبصورت مہمانوں کو دیکھا تو اپنی غلیظ خواہش سے مغلوب ہو کر دوڑتے ہوئے آئے۔ لوط علیہ السلام نے انہیں بڑے شفقانہ انداز میں سمجھا مگر وہ بد فطرت اندھے ہو چکے تھے۔
 ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَاءَ أَهْلَ الْمَدِينَةِ يَسْتَبْشِرُونَ ۚ قَالَ إِنَّ هَؤُلَاءِ ضَعُفُوا فَلَا تُغْنُونِ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ وَلَا تُغْنُونِ ۖ قَالُوا أَلَمْ تَنْهَ عَنْ الْعِلْمِ ۖ قَالَ هَؤُلَاءِ بَنُوا ۖ إِنْ كُنْتُمْ فَعِلِينَ ۖ﴾

”اور اہل شہر (لوط کے پاس) خوش خوش (دوڑے) آئے (لوط نے) کہا: یہ میرے مہمان ہیں (کہیں ان کے بارے میں) مجھے رسوا نہ کرنا اور اللہ سے ڈرو اور مجھے ذلیل نہ کرو۔ وہ بولے کیا ہم نے تم کو سارے جہان کی حمایت و طرفداری) سے منع نہیں کیا؟ (انہوں نے) کہا: اگر تمہیں کرتا ہی ہے تو یہ میری (قوم کی) لڑکیاں ہیں، (ان سے شادی کرلو۔“ (الحجر: 71-67-15)

یعنی لوط علیہ السلام نے لوگوں کو حکم دیا کہ اپنی بیویوں کے پاس جایا کریں اور برائی کے جس طریقے کو اختیار کیے ہوئے ہیں، ترک کر دیں۔ لیکن انہوں نے آپ کے فرمان پر کوئی توجہ نہ دی۔ انہوں نے اپنے حیا سوز مطالعے کو ہر ادا لوط علیہ السلام کے مہمانوں کی عزت سے کھینچنے پر مصر رہے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ ان کی تقدیر انہیں کس انجام کی طرف لے جا رہی ہے اور صبح کو ان پر کون سی آفت ٹوٹنے والی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ أَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَدُوا بِالنَّذِيرِ ۚ وَلَقَدْ رَاوَدُوهُ عَنْ ضَيْفِهِ فَطَسَبْتَ عَنْهُمْ قُلُوبُهُمْ فَذَلُوا ۚ عَذَابُ الرَّبِّ وَهُوَ شَدِيدٌ ۚ لَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُسْتَقِرٌّ ۖ﴾

”اور لوط نے اُن کو ہمارے چکر سے ڈرایا تھا مگر انہوں نے ڈرانے میں شک کیا اور اُن سے اُن کے مہمانوں کو لے لینا چاہا تو ہم نے اُن کی آنکھیں منادیں۔ سو (اب) میرے عذاب اور ڈرانے کے مزے چکھو، اور اُن پر صبح سویرے ہی اُن کا عذاب نازل ہوا۔“ (القصص: 38-36-54)

① میں اس اعتبار پر جیل سے باہر آ جاتا کہ اللہ تعالیٰ مجھے جوئے الزام سے کسی اور انداز سے بری کر دے گا۔ لیکن یوسف علیہ السلام نے زیادہ احتیاط کرنا اور استقامت اختیار کیا کہ اس وقت تک جیل سے باہر آنے سے انکار کر دیا جب تک ان کا دامن جھوٹے الزام سے پاک نہ ہو جائے تاکہ کوئی یہ نہ سوچے کہ یوسف علیہ السلام نے نجات بادشاہ کی مہربانی سے ہوئی ہے، آپ کی گناہی کی وجہ سے نہیں۔

② صحیح البخاری: احادیث الانبیاء باب ”وَنَبِیْہُمْ عَنْ ضَیْفٍ“..... حدیث: 3372

③ المستدرک للحاکم: 561/2

آپ کے ہاں کھانا کھایا۔ اہل کتاب نے اس واقعہ کی تفصیل میں اور بھی بہت سی غلطیاں کی ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا:

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزُونِ فِي ضَيْفِي ۚ أَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَشِيدٌ ۖ﴾

”سو اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں (کے بارے) میں مجھے ذلیل نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی بھی شائستہ آدمی نہیں؟“

(ہود: 78/11)

آپ نے ان لوگوں کو بے حیائی کے ارتکاب سے منع فرمایا۔ اس بیان میں قوم کے بارے میں آپ کی یہ گواہی پائی جاتی ہے کہ ان لوگوں میں ایک شخص بھی ایسا نہیں تھا جس میں شرافت اور نیکی کی رتق پائی جاتی ہو۔ بلکہ وہ سب کے سب احمق، بدکار اور کافر تھے۔ فرشتے آپ سے کچھ پوچھنے سے قبل یہی کچھ آپ کی زبان سے سنا چاہتے تھے۔

وہ بدکرداری کے جذبات سے اس قدر مغلوب تھے کہ جب پیغمبر نے انہیں مصلحتی جذبات کی تکمیل کے جائز طریقے کی طرف توجہ دلائی تو انہوں نے بے حیائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پیغمبر سے صاف کہہ دیا:

﴿لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِي نَبِيِّكَ مِنْ حَقٍّ ۖ وَاتَّكَ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُون ۖ﴾

”(اے لوط!) آپ کو معلوم ہے کہ ہم تمہاری (قوم کی) بیٹیوں کی خواہش نہیں رکھتے۔ ہم جو چاہتے ہیں وہ آپ کو معلوم ہی ہے۔“ (ہود: 79/11)

انہیں یہ بات کہتے ہوئے نہ مضر زور پاک باز رسول سے شرم آئی نہ اللہ عظیم و برتر کی گرفت سے خوف محسوس ہوا۔ اسی لیے آپ نے فرمایا:

﴿لَوْ أَنَّ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ قُوَّةٌ أَوْ آوِي إِلَىٰ رُكْنٍ شَدِيدٍ ۖ﴾

”اے کاش! مجھ میں تمہارے مقابلے کی طاقت ہوتی یا کسی میں مضبوط قلعے میں پناہ پکڑ سکتا۔“ (ہود: 80/11)

آپ نے یہ تمنا کی کہ کاش! آپ کو ان کا مقابلہ کرنے کی قوت حاصل ہوتی یا آپ کے خاندان اور قبیلے کے افراد ہاں موجود ہوتے جو ان کے خلاف آپ کی مدد کرتے تاکہ وہ انہیں اس بدتمیزی کی مناسب سزا دے سکتے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہم ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ شک کرنے کا حق رکھتے ہیں ① اور اللہ تعالیٰ لوط علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائے، وہ ایک مضبوط سہارے کی پناہ لیتے تھے۔“ ② اور اگر میں اتنا عرصہ قید میں

① جب ہمیں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کر سکتا ہے تو ابراہیم علیہ السلام کیسے شک کر سکتے ہیں؟ یعنی آپ کا یہ سوال کہ مردوں کو زندہ کر کے دکھایا جائے شک کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ یقین میں اضافے کے لیے تھا۔

② یعنی اگر آپ بظاہر ان کا کوئی ایسا حیا نہیں تھا جس کی وجہ سے وہ بدعاؤں کے شر سے محفوظ رہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے کہا: اگر میرا کوئی مضبوط (دنیوی) سہارا ہوتا تو مجھے پریشان کرنے کی جرأت نہ کرتے تاکہ ان کا اعتقاد اللہ تعالیٰ پر تھا جو واقعی ایک مضبوط سہارا ہے بلکہ حقیقت میں وہی مضبوط سہارا ہے نبی باقی نہ کر زور ہیں۔

دیکھے گی تو اس پر بھی وہی عذاب آجائے گا جو دوسرے کافروں پر آیا۔

امام سبکی کہتے ہیں: لوط علیہ السلام کی بیوی کا نام ”ذالِیہ“ اور نوح علیہ السلام کی بیوی کا نام ”والِیہ“ تھا۔ فرشتوں نے ان بدکاروں کی ہلاکت کی خوشخبری دیتے ہوئے لوط علیہ السلام سے فرمایا:

﴿إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ الْأَبْسَ الصُّبْحُ یَقْرَبُ﴾ ①

”اُن (کے) عذاب (کے) وعدے کا وقت صبح ہے اور کیا صبح کچھ دور ہے؟“ (ہود: 81/11)

جب لوط علیہ السلام روانہ ہوئے تو آپ کے ساتھ صرف آپ کی دو بیٹیاں تھیں۔ قوم کا ایک شخص بھی آپ کے ساتھ نہیں تھا۔

ایک قول کے مطابق ان کی بیوی بھی روانہ ہوئی تھی۔ (واللہ اعلم)

جب وہ لوگ شہر سے نکل گئے اور سورج طلوع ہوا تو اللہ کا عذاب بھی آ گیا، جسے ٹال دینا کسی کے بس میں نہیں تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَاقِيَةً ۖ وَامْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَابًا رَّغِيًّا ۚ فَمَقْصُودٌ ۚ مَّقْصُودٌ ۚ مَّقْصُودٌ ۚ

عِنْدَ رَبِّكَ ۚ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيٍّ﴾ ②

”تو جب ہمارا حکم آیا ہم نے اُس (بستی) کو (اُلٹ کر) نیچے اوپر کر دیا۔ اور اُن پر پتھر کے ذرے نکل کر برساتے جن پر تمہارے پروردگار کے ہاں سے نشان کیے ہوئے تھے اور وہ (بستی ان اہل مکہ کے) ظالموں سے کچھ دور نہیں۔“

(ہود: 83، 82، 11)

علمائے کرام فرماتے ہیں: جبریل علیہ السلام نے اپنے پر سے ان سات بستیوں کو جڑوں سے اکھاڑ دیا جن میں پکارا لہ یا پالیس لاکھ افراد تھے۔ ان میں موجود چانوور سویت انہیں آسمانوں تک بلند کیا، جہاں کہ فرشتوں نے ان کے سرغوں کی اذانیں اور نگوں کے بھونکنے کی آوازیں سنیں۔ پھر انہیں اُلٹ کر پھینک دیا۔

[سَبَّحُوا] کا مطلب ہے ”ختم مضبوط“ اور [مَقْصُودٌ] کا مطلب یہ ہے کہ وہ آسمان سے ایک دوسرے کے پیچھے آ رہے تھے اور قوم پر مسلل برس رہے تھے۔ [مَقْصُودٌ] یعنی ہر پتھر پر کسی نہ کسی آدمی کا نام لکھا ہوا تھا۔ وہ اسی پر گرتا اور اس کا سر کھل دیتا تھا۔ سورہ نجم میں ارشاد ہے:

﴿وَالْمُتَفَلِّتَةُ الْهُوٰی ۚ فَخَشَّهَا مَا تَغْشٰی ۚ فَبَآئِيَ الْاَوَّلَی ۚ رَبَّكَ تَتَّبَدِّی ۚ﴾ ③

”اور اُس نے اُٹلی ہوئی بستیوں کو دے چکا۔ پھر ان پر چھایا جو چھایا لہذا (اے انسان!) تو اپنے پروردگار کی کون

کون سی نعمت پر بھگتے رہے گا؟“ (النجم: 53-55)

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان بستیوں کو اس طرح اُلٹ دیا کہ ان کا اوپر والا حصہ نیچے ہو گیا، پھر مسلسل پتھروں کی بارش سے انہیں نظروں سے اوجھل کر دیا۔ ہر پتھر پر اس شخص کا نام لکھا ہوا تھا جس پر اسے گرا تھا جو وہ ان میں سے کوئی اپنے شہر میں

مفسرین فرماتے ہیں: اللہ کے نبی لوط علیہ السلام اپنی قوم کو گھر میں داخل ہونے سے روکنے کی کوشش کرتے رہے۔ دروازہ بند تھا۔ وہ لوگ اسے کھولنے اور اُتر گھسنے کی کوشش کر رہے تھے۔ آپ دروازے سے پیچھے سے انہیں نصیحت فرما رہے تھے۔ ① جب صورت حال نازک ہو گئی تو آپ نے فرمایا: ﴿لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةٌ ۖ اَوْ اَوْحٰی اِلٰیَّ رَبِّيْ سَدِّي ۚ﴾ ② ”اے کاش! مجھ میں تمہارے مقابلے کی طاقت ہوتی یا میں کسی مضبوط قلعے میں پناہ پزیر سکتا۔“ تب فرشتوں نے کہا: ﴿لَوْ كُنَّا نَرٰكَ لَنَكْبِلُنَّكَ الْيَتٰمٰی﴾ ③ ”اے لوط! ہم تمہارے پروردگار کے فرشتے ہیں۔ لوگ ہرگز تم تک نہیں پہنچ سکتے۔“

مفسرین فرماتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام باہر تشریف لے گئے، اپنے پر کا ایک کنارہ ان کے چہروں پر مارا تو وہ اندھے ہو گئے۔ حتیٰ کہ بعض علماء کے قول کے مطابق ان کی آنکھیں بالکل معدوم ہو گئیں۔ نہ ان کی جگہ باقی رہی (جو چہرے کی بڑی میں گڑھے کی صورت میں ہوتی ہے) نہ کوئی نشان باقی رہا۔ وہ دیواروں کو ٹٹولنے اور اللہ کے نبی (علیہ السلام) کو دھمکیاں دیتے لوث گئے۔ جاتے ہوئے وہ کہہ رہے تھے: ”جب صبح ہوگی تو تم سے نہیں گے۔“ ④

عذاب کا نزول

جب حضرت لوط علیہ السلام نے ہر طرح سے قوم پر اتمامِ حجت کر دیا تو عذاب الہی ان پر مسلط کر دیا گیا اور آپ کی نافرمانی بھی ان کی عذاب میں مبتلا ہو گئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهِمْ فَقَبَلْنَا اَعْيُنَهُمْ فَذَوْقُوْا عَذَابَنَا ۚ اِنَّیْ وَنُذِرٌ ۚ وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً

عَذَابٍ مُّنتَقِرٌ﴾ ①

”اور انہوں نے اُن سے اُن کے مہمانوں کو لے لینا چاہا تو ہم نے اُن کی آنکھیں مٹا دیں۔ سو (اب) میرے عذاب اور ڈر اُترنے کے مزے چکھو۔ اور صبح سویرے ہی اُن کی عذاب آنازل ہوا۔“ (القصہ: 37-38)

فرشتوں نے لوط علیہ السلام کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ آپ اپنے گھر والوں کو لے کر رات کے آخری حصے میں یہاں سے تشریف لے جائیں۔ اور جب قوم پر عذاب نازل ہو تو ان کی آواز سن کر تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے۔ اور آپ کو حکم ہوا کہ آپ سب ہمراہیوں کے پیچھے چلیں۔

﴿اَلَا اَمْسُرُ اَتَّك﴾ ② ”تیری بیوی کے سوا“ اس کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں: ایک مطلب یہ ہے کہ اپنے گھر والوں کو لے چلے مگر اپنی بیوی کو ساتھ نہ لیجئے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے گا۔ سوائے آپ کی بیوی کے، وہ ضرور مڑ کر

① تفسیر ابن کثیر: 445/7 سورۃ القصہ آیت: 37

② تفسیر ابن کثیر: 445/7 سورۃ القصہ آیت: 37

کیوں نہ کہا کہ ہمیں شایاں نہیں کہ ایسی بات زبان پر لائیں۔ (پردوگار) تو پاک ہے۔ یہ تو (بہت) بڑا بہتان ہے۔“ (النور: 16, 15/24)

یعنی اے اللہ! یہ بات تیری شان کے لائق نہیں کہ تیرے نبی کی بیوی سے یہ حرکت سرزد ہو۔ یہاں یہ فرمایا ہے: ﴿مَا جِئَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعْضٍ﴾ ”اور وہ (نستی) ان ظالموں سے کچھ دور نہیں۔“ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کوئی ان بدکاروں جیسی حرکت کرے گا، یہ سزا سے بھی مل سکتی ہے۔

اسی وجہ سے بعض علماء کا موقف ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی بدکار قوم جبراً جبر کرنے والے کو سنگسار کرنا چاہیے، خواہ وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ۔ امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور دیگر بہت سے ائمہ کرام رحمہم اللہ نے صراحت سے اس رائے کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جسم حضرت لوط علیہ السلام کی قوم والا کام کرتے دیکھو تو کرنے والے کو بھی قتل کر دو اور جس کے ساتھ بدفعلی کی گئی، اسے بھی قتل کر دو۔“

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے مذکورہ بالا آیت کریمہ کی روشنی میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اس جرم کا ارتکاب کرنے والے کو اونچے پہاڑ سے نیچے گرایا جائے، پھر اس پر پتھر برسائے جائیں، جس طرح لوط علیہ السلام کی قوم کو یہی سزا دی گئی تھی۔

اہل خرد کے لیے مقام عبرت

اللہ تعالیٰ نے ان بستیوں کی جگہ ایک بدبودار جمیل بنا دی، جس کے پانی سے اور اس کے ارد گردی زمین سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا کیونکہ وہ قطعہ زمین انتہائی کٹھا اور بے کار ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے اس کی قدرت، علمیت اور اس کی گرفت کی ایک نشانی بن چکا ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ اپنے مومن بندوں پر رحمت فرما کر انہیں جہاں سے بچاتا اور اندھیروں سے نکال کر روشنی ملے جاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنِّي ذَٰلِكَ لَآيَةٌ، وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ۚ وَإِنَّ رَبَّكَ لَھُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝﴾

”بے شک اس میں نشانی ہے، اور اس میں اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے، اور تمہارا پروردگار تو غائب (اور)

مہربان ہے۔“ (الشعراء: 98/26)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَاقْنُتْھُمْ الصِّیْحَۃَ مُشْرِقِیْنَ ۚ فَجَعَلْنَا عَلَیْھَا سَآذِجَھَا وَآمَضْنَا عَلَیْھِمْ حِجَابَۃً مِّنْ

موجود تھا یا سفر کی وجہ سے شہر سے باہر تھا۔

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کے بارے میں ایک قول تو یہ ہے کہ وہ اپنی قوم کے ساتھ شہر میں رہی (اس لیے وہ بھی وہیں عذاب کی لپیٹ میں آ گئی۔)

دوسرا قول یہ ہے کہ وہ اپنے خاندان اور دونوں بیٹیوں کے ہمراہ روانہ ہوئی تھی۔ لیکن جب شہر کے تباہ ہونے کی آواز اور ہلک ہونے والوں کا شور مچا تو اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے قوم کی طرف مڑ کر دیکھا اور بولی: ”ہائے میری قوم!“ وہیں اس پر ایک پتھر پڑا، جس نے اس کا سر بچھا کر اسے اس کی قوم سے ملا دیا۔ وہ انہی لوگوں کے مذہب پر تھی اور لوط علیہ السلام کی جاسوسی کرتے ہوئے آپ کے پاس آنے والے مہمانوں کے بارے میں قوم کو اطلاع دے دیا کرتی تھی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿صَرَبَ اللّٰهُ مَعْلَآ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا اِمْرَاَتٌ نُّوْجٍ وَّ اِمْرَاَتٌ لُّوْطٍ کَانَتَا تَحْتَ عَبْدِیِّنِ مِّنْ عِبَادِنَا صَالِحِیْنَ فَخَآنَتْھُمَا فَلَمْ یُغْنِیَا عَنْھُمَا مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا وَّ قَبِلَ اِذْخُلَا النَّاٰرَ مَعَ الدّٰخِلِیْنَ ۝﴾

”اللہ نے کافروں کے لیے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی مثال بیان فرمائی ہے۔ دونوں ہمارے نیک بندوں کے گھر میں تھیں اور دونوں نے اُن کی خیانت کی تو وہ اللہ کے مقابلے میں اُن عورتوں کے کچھ بھی کام نہ آئے اور اُن کو حکم دیا گیا کہ دوسرے داخل ہونے والوں کے ساتھ تم بھی دوزخ میں داخل ہو جاؤ!“ (التحریم: 10/66)

خیانت سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے دین کے معاملہ میں نبیوں کی پیروی نہیں کی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بدکاری میں ملوث تھیں۔ حاشاً و سحلاً! اللہ تعالیٰ کسی نبی کو اس آفت میں مبتلا نہیں فرماتا کہ اس کی بیوی بدکاری کا ارتکاب کرے۔

حضرت عبداللہ بن عباس اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و غیر صحابہ علماء کرام رحمہم اللہ بیان کرتے ہیں: ”کسی نبی کی بیوی نے کبھی بدکاری نہیں کی۔ جو شخص اس کے برعکس موقف اختیار کرتا ہے وہ بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کرتا ہے۔“

واقعاً اَلک جب جب منافقین نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بے بنیاد الزام تراشی کی تو اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو زجر و تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اِذْ تَقُوْٓنَ اَنْ یَّاٰیْسَتَیْمٌ وَّ تَقُوْٓنَ اٰیٰتُھُمْ مَّا لَیْسَ لَکُمْ بِہٖ عِلْمٌ وَّ تَحْسِبُوْنَہُمْ حَبِیْٓثًا وَّ هُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمٌ ۚ وَاُوْکُوْا اِذْ سَمِعْتُوْہُ قُلْتُمْ مَّا یَکُوْنُ لَنَا اَنْ نَّتَّکِمَ بِہِذَا ؕ سَبَّحْتَکَ ہٰذَا بُھَّتَانِ عَظِیْمٌ ۝﴾

”جب تم اپنی زبانوں سے اُس کا ایک دوسرے سے ذکر کرتے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات کہتے تھے جس کا تم کو کچھ علم نہ تھا اور تم اسے ایک بات کی سمجھتے تھے اور اللہ کے نزدیک وہ بڑی بات تھی۔ اور جب تم نے اُسے سنا تو

﴿وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ﴾

”اور وہ (جاہلہستی) ان ظالموں سے کچھ بھی دور نہیں۔“ (ہود: 83)



﴿يَسْتَجِيبُ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّمُسَوِّمَاتِنَ ۚ وَإِنَّهَا لَكَيْسٌ مُّصِيبٌ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ﴾

”سو ان کو سورج نکلنے نکلنے چمکناڑ نے آچکا اور ہم نے اس (شہر) کو (اُٹ کر) نیچا اوپر کر دیا اور ان پر کھنکری پتھریاں برسائیں۔ بیشک اس قصے میں اہل فرات کے لیے نشانی ہے اور وہ (شہر) اب تک سیدھے راستے پر (موجود) ہے۔ بیشک اس میں ایمان لانے والوں کے لیے نشانی ہے۔“ (الحجر: 73-77)

یعنی جو شخص ان کے واقعہ پر غور کرے گا اور فہم و فراست استعمال کرے گا، اس کے لیے اس واقعے میں عبرت کی نشانیاں موجود ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان بستیوں کی حالت کس طرح تبدیل فرمادی کہ جو کبھی آباد بستیاں تھیں، اب ویران کھنڈر بن چکی ہیں۔

﴿وَإِنَّهَا لَكَيْسٌ مُّصِيبٌ﴾ ”اور وہ (شہر) اب تک سیدھے راستے پر (موجود) ہے۔“ کا مطلب یہ ہے کہ وہ بستیاں اس شاہراہ پر واقع تھیں جس پر اب بھی لوگ سفر کرتے ہیں۔ جیسے فرمایا:

﴿وَأَنْتُمْ لَتَمُوتُنَّ عَلَيْهِمْ مُّصِيبٌ ۚ وَبِالْآيَاتِ أَفَلَا تَتَّقُونَ﴾

”اور تم دن کو کبھی اُن (کی بستیوں) کے پاس سے گزرتے رہتے ہو اور رات کو بھی۔ تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟“

(الصافات: 137-138)

اور مزید فرمایا:

﴿فَأَخْرَجْنَا مَن كَانَ فِيهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۚ فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ ۚ وَكَرَّمْنَا فِيهَا آيَةً لِّلَّذِينَ يَخَافُونَ الْعَذَابَ الْأَلِيمَ﴾

”تو وہاں جتنے مومن تھے، اُن کو ہم نے نکال لیا اور اس میں ایک گھر کے سوا مسلمانوں کا کوئی گھر نہ پایا اور جو لوگ دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں، اُن کے لیے وہاں نشانیاں چھوڑ دیں۔“ (الذاریات: 35-37)

یعنی ہم نے انہیں اس شخص کے لیے باعث عبرت و نصیحت بنا دیا ہے جو آخرت کے عذاب سے خوف زدہ ہے، رب کے سامنے پیشی سے ڈرتا ہے، اپنے آپ کو خواہشات نفس سے بچاتا ہے، اللہ کے حرام کردہ کاموں سے پرہیز کرتا ہے اور گناہوں سے دور رہتا ہے، وہ ڈرتا ہے کہ اس کی مشابہت حضرت لوط علیہ السلام کی بدکردار قوم سے نہ ہو جائے کیونکہ جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ انہی میں سے شمار ہوگا اگرچہ کبھی طور پر اُن سے مشابہت نہ ہو، جزوی طور پر ہی ہو۔

اپنے رب سے ڈرنے والا سمجھ دار عقل مند آدمی، احکام ربانی کی تعمیل کرتا ہے اور پیغمبر کی ہدایات قبول کرتا ہے، اپنی جائز خواہش پوری کرنے کے لیے اپنی منکوحہ بیویوں کے پاس جاتا ہے، جنہیں اللہ نے اس کے لیے پیدا کیا ہے۔ اسے چاہیے کہ شیطان کی بیرونی سے بچ کر رہے تاکہ اللہ کی وعید کی زد میں نہ آجائے اور اس پر اللہ کا یہ فرمان صادق نہ آجائے:

کرادو اس فعل سے باز نہ آئے تو ان کا انجام بھی اسی طرح دردناک ہوگا۔ لہذا آج کی ترقی یافتہ مہادیہ متحدمن قومیں اسی جرم کی وجہ سے طرح طرح کے عذاب الہی کا شکار ہیں جن کا نظارہ ان حیا خباثت اقوام میں کیا جاسکتا ہے۔

اسلام میں لواطت کی سزا: اسلام دینِ فطرت ہے۔ اسلام نے اپنے پیروکاروں کو ایک باحیا، عفت و عصمت اور فطرت کے عین مطابق نظامِ حیات دیا ہے۔ لہذا اسلام ہر بے حیائی سے روکتا ہے اور ہر غیر فطری فعل کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے۔ چونکہ لواطت ایک شنیع، غیر فطری اور ناشائستہ و بے حیائی کا کام تھا، اس لیے اسلام نے اس جرم کی سزا بھی شدید ترین رکھی ہے تاکہ لوگ اس کے قریب جانے سے بھی باز آجائیں اور فطرتِ سلیمہ کے اصولوں کے مطابق زندگی بسر کریں۔ رحمتِ عالم ﷺ نے اس جرم کی سزا بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”تم جس شخص کو قومِ لوط و لوطیوں کا فعل اور مفسدوں دونوں کو قتل کر دو۔“

قتل کی کیفیت بیان کرتے ہوئے ائمہ اہل سنت فرماتے ہیں کہ اس فعل کے مرتکب شخص کو پتھروں سے رجم کر دیا جائے خواہ وہ کوارہو یا شادی شدہ۔ یہ راے امام احمد، شافعی اور دیگر ائمہ کرام رحمہم اللہ ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کو پہاڑ کی چوٹی سے بچھڑا دیا جائے اور پھر اس پر پتھروں کی بارش کر دی جائے جیسا کہ لوط علیہ السلام کی قوم کے ساتھ کیا گیا تھا۔ اعادنا اللہ منہا

مہمانوں کا کرام اور دافعا: حضرت لوط علیہ السلام کے قصے سے مہمان نوازی اور مہمانوں کی عزت و تکریم کرنے کا درس ملتا ہے۔ آپ کے واقعے سے مہمانوں کو ہر ممکن طریقے سے آرام پہنچانے اور انہیں تکالیف سے بچانے کا سبق ملتا ہے۔ فرشتے خوبصورت نوجوانوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ السلام کے پاس تشریف لائے تو آپ کو بدکردار قوم کی طرف سے خدشات لاحق ہو گئے۔ مہمانوں کی عزت و برہد کی حفاظت دامن گیر ہوئی تو سخت پریشانی کے عالم میں ان کی حفاظت کے لیے ہر ممکن وسیلہ اختیار کرتے ہیں۔ مہمانوں کو بچانے کے لیے قوم کو اپنی بیٹیوں کا نکاح کے لیے پیش کرتے ہیں۔ بے حیاء بدکردار قوم سے عاجز آ کر خواہش کرتے ہیں:

﴿ قَالَ لَوْ أَنِّي بِيَدِي قُوَّةٌ أَوْ إِنِّي إِلَٰهٌ مُّذْنَبٌ قَاتِلُكُمْ قَاتِلُكُمْ قَاتِلُكُمْ ﴾

”کاش! کہ مجھ میں تم سے مقابلہ کرنے کی قوت ہوتی یا میں کسی زبردست کا آسرا پکڑ پاتا۔“ (ہود: 80/11)

آپ کی اس خواہش میں مہمانوں کی عزت و آبرو کو بچانے کے لیے لڑائی کرنے کے جذبہ کا اظہار ہے۔ جو ہمیں درس دیتا ہے کہ مہمان نوازی اور مہمانوں کو ہر مضر شے سے محفوظ رکھنا تہاتیر ضروری ہے۔ نبی آخر الزمان ﷺ نے مہمانوں کے عقلمند حق کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

کی بقا کا سامان مہیا ہوا اور معاشرے میں امن و سلامتی کے ساتھ زندگی گزار سکیں۔

دورِ جدید کے نام نہاد ”مہذب و متقدم“ ملکوں نے اس نظامِ الہی سے بغاوت کرتے ہوئے اپنے معاشروں میں لواطت کو قانوناً جائز قرار دے لیا ہے۔ ہم جنس پرستی کو قانوناً جیٹھ دینے کے بعد یہ ممالک کس طرح عذاب الہی کا شکار ہوئے ہیں، ان کے نظامِ اخلاقیات کا جنازہ کس بری طرح سے دور رہے ہیں رکھا ہے اس کا اندازہ ان ممالک کے مختصر جائزے سے عیاں ہے۔

① ان ممالک میں خاندانی نظامِ حیات ختم ہو گیا ہے کیونکہ مرد و عورتوں سے باہم لذت آتشاں اور نسل انسانی تیزی سے کم ہو رہی ہے۔ ان ممالک میں آبادی کی شرح خطرناک حد تک کم ہو چکی ہے کیونکہ ثبوت پرست قومیں بچے جننے اور ان کی پرورش و تربیت پر اصرار نہیں۔ اسی لیے سالانہ اربوں ڈالر بچے جننے والوں کو انعامات کی شکل میں دیے جا رہے ہیں۔ اس کے باوجود سالانہ لاکھوں حرامی بچے گلوں، پارکوں اور کوڑے دانوں سے مردہ طر رہے ہیں۔

② مملکتِ امراض یعنی ایڈز، آٹھک، سوزاک، سیان، خارش، آلہ تناسل کی مختلف بیماریاں، اور خطرناک چھوڑے پھنسیاں عام ہیں۔ ان امراض کے علاج پر یہ حکومتیں اربوں ڈالر خرچ کر رہی ہیں۔ ہزاروں ہسپتال ان امراض کے علاج کے لیے مخصوص ہیں۔ درجنوں تنظیمیں ان امراض سے لوگوں کو آگاہ کرنے اور احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کی ترغیب دینے پر مامور ہیں لیکن پھر بھی ان کا حال یہ ہے کہ ”مرض ہوستا گیا جوں جوں دو اکی“۔ یہ دنیا کا عذاب ان پر مسلط کر دیا گیا ہے جبکہ آخرت کا عذاب اور بھی شدید ہے۔ ان ممالک کے برعکس اسلامی ممالک جہاں اسلامی تہذیب و تمدن پائی جاتی ہے وہاں یہ بیماریاں برائے نام ہیں۔ والحمد للہ علیٰ ذلک

ہم جنس پرستوں پر عذابِ الہی: اللہ تعالیٰ نے ہم جنس پرستی کے نتیجے جرم کی عذاباً قوم کو دردناک عذاب چسکیا تھا۔ پھر ان کے حالات بیان کر دیے تاکہ تاقیامت آنے والی نسلیں اس جرم سے بچیں اور قومِ لوط کے انجام سے عبرت پکڑیں۔ قومِ لوط کو ان کی حد سے بڑھی ہوئی سرکشی، نافرمانی اور بے حیائی پر عذاب الہی سے دوچار ہونا پڑا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَاءً فَلَهَا وَآمَلْنَا عَلَيْهِمْ جَحَازَةً قَوْمٍ بِسَجِيلٍ فَنُصَوِّدُ فَنَسُومُهُمْ عِنْدَ رَبِّكَ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ ۝۱۰﴾

”پھر جب ہمارا حکم آیا پہنچا، ہم نے اس بستی کو زیرِ زبر کر دیا اور ان پر کھگر کے پتھر برسائے جو تہ تہ تیرے

رب کی طرف سے نشانِ دار تھے اور وہ (بستی) ان خالموں سے کچھ دور نہیں۔“ (ہود: 83/82/11)

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان کو بستیوں سمیت آسمان تک اٹھایا اور پھر نیچے پھینک دیا جس سے ان کا نام و نشان ہی مٹ گیا۔ پھر دوسری آیت میں آئندہ اس فعلِ شنیع کے مرتکب ہونے والوں کو سخت دھمکی دی گئی ہے

”جو شخص اللہ اور قیامت پر یقین و ایمان رکھتا ہے وہ مہمان کی عزت کرے۔“^۱

یعنی ہر مومن پر مہمان کا اکرام لازم ہے۔ جو شخص مہمان کی عزت و تکریم نہیں کرتا اس کا ایمان ناقص ہے۔



حضرت شعیب علیہ السلام کی بعثت و دعوت اور قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ

اللہ تعالیٰ نے اہل مدین کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ اعراف میں حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا:

وَأِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُ شُعَيْبًا ۚ قَالَ يَقُولُوا عَبْدُ اللَّهِ مَا لَكُمْ مِنْ آلٍ عِزَّةٍ ۚ قَدْ جَاءَكُمْ
بَيِّنَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ ۚ قَالُوا فَاوْثِقُوا الْكَلِيلَ وَالْمِيزَانَ وَلَا تَبْخُسُوا أَمْشَاءَ هُمْ وَلَا تُفْسِدُوا فِي
الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ۚ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۚ وَلَا تَعْبُدُوا بَاطِلًا
وَتَعْذِرُونَ ۚ وَتَضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ مَنْ فِيهِ وَتَبْغُوا نَهَا عَوجًا ۚ وَذَكَرُوا إِذْ كُنْتُمْ قَبِيلًا
فَكَفَرْتُمْ ۚ وَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ۚ وَإِنْ كَانَ طَائِفَةٌ مِنْكُمْ آمَنُوا بِالَّذِي
أُرْسِلَتْ بِهِ وَطَائِفَةٌ لَمْ يُؤْمِنُوا فَاصْبِرُوا حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ۚ قَالَ
الْعِلَّا الَّذِينَ اسْتَدْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَنُجْزِيَنَّكَ بِشُعَيْبٍ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِنْ قَرِينًا أَوْ
نَتَّوَعَّنُ فِي مَلَبَتَا ۚ قَالَ أَوَلَوْ لَأَنَا كَاهِنٌ ۚ قَدْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كِبَارًا ۚ عَنَّا قِيَامٌ وَلَمَّا بَعْدَ

سے) (رغمِ کم کیوں کروں؟) (الأعراف: 85-93)

حضرت شعیب علیہ السلام کو مختلف سماوی جرائم میں مبتلا تھی آپ نے ان کو ان معاشرتی برائیوں سے روکا تو قوم آپ کی دشمن ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالِیٰ مَدَیْنَ اَحَاھُمْ شُعَیْبًا ۚ قَالَ یَقُوْمُ اَعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرِہٖ ۚ وَلَا تَتَّقُوا الْمَلَائِکَ الْاِیْمَانَ اِلَیَّ اَنْتُمْ یَخْبُوْنَ وَاِلَیَّ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابُ یَوْمٍ مُّجِیْبٍ ۚ وَیَقُوْمُ اَدُوُّوَالْمَلَائِکَ الْاِیْمَانَ بِالْقَبْضِ وَلَا تَخْشَوْنَ النَّاسَ اَشْیَآءُھُمْ وَلَا تَعْتَوْنَ فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ۚ بَقِیَّتُ اللّٰهُ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ؕ وَمَا اَنْعَلِیْکُمْ بِحَفِیْظٍ ۚ قَالُوْا یَشْعِیْبُ اَصْلُوْکَ تَأْمُرُکَ اَنْ تَتَّخِذَ مَا یَجِدُ اَبَاؤُنَا اَوْ اَنْ تَفْعَلَ فِیْ اَمْوَالِنَا مَا کُفَرُوْا اِنَّکَ لَکَتَّ الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ ۚ قَالَ یَقُوْمُ اَرَءَیْکُمْ اِنْ کُنتُمْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَرَزَقْنِیْ مِنْہٗ رِزْقًا حَسَنًا ۚ وَمَا اُرِیدُ اَنْ اَخْلِفَکُمْ اِلٰی مَا اَنْهَیْکُمْ عَنْہٗ ۚ اِنْ اُرِیدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا سَطَعْتُ ۚ وَمَا تَوْفِیْقُ اِلَّا بَاِیْدِیْ عَلَیْہِ تَوَكَّلْتُ وَاللّٰہُ اُنِیْبٌ ۚ وَیَقُوْمُ لَا یَجِزُ مِنْکُمْ شَیْءٌ اِنْ تُبِیْنَکُمْ فِیْہِ مَا اَصَابَ قَوْمٌ نَّوْجٍ اَوْ قَوْمٌ خُودٍ اَوْ قَوْمٌ ضَلُّوْا ۚ وَمَا قَوْمٌ لَّوْطٍ مِنْکُمْ بِحِیْبٍ ۚ وَاسْتَغْفِرُوْا دَیْکُمْ ثُمَّ تَوَبُّوْا اِلَیْہِ ۚ اِنْ رَبِّیْ رَحِیْمٌ ۚ قَالُوْا یَشْعِیْبُ مَا فَتَقَہُ کَیْفَہٗا لَکَیْہِا فَمَا تَقُوْلُ ۚ وَاِنَّکَ لَتَرٰکَ فِیْہِا خَیْفًا ۚ وَکُوْلُ رَهْطٍ لَّکَیْہِا ۚ وَمَا اَنْتَ عَلَیْہِا بِعَزِیْزٍ ۚ قَالَ یَقُوْمُ اَرَءَیْکُمْ عَلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ وَاَلَا تَخْشَوْنَہٗ وَاَرَءَیْکُمْ ظَہِرًا لَّہٗ ۚ اِنْ رَبِّیْ یَسَآ تَعْمَلُوْنَ مُّجِیْبًا ۚ وَیَقُوْمُ اَعْمَلُوْا عَلٰی مِمَّا بَیْنَکُمْ اِلَیَّ عَابِلٌ ۚ سَوَیِّ تَعْمَلُوْنَ مِّنْ اٰیٰتِیْہِ عَذَابٌ یُّخْزِیْہُ ۚ وَمَنْ هُوَ کَاذِبٌ ۚ وَارْتَقِبُوْا اِلَیَّ مَعَكُمْ رَہِیْبٌ ۚ وَکَلِمَآءُ جَآءَ اَمْرُنَا نَجِیْنًا شُعَیْبًا وَآلِہٖ اَنْصَرُوْا مَعًا بِرَحْمَۃٍ مِّنَّا ۚ وَاَحَدَتْ اِلَیْہِ الدِّیْنَ قُلُوبُھُمْ اَلصِّیغَۃُ فَاصْبَحُوْا فِیْ وِیْدِہِمْ جُبُیْنٌ ۚ کَانَ لَھُمْ یَعْتَوْنَ فِیْہَا ۚ اَلَّا یَعْبُدُ الْاِیْمٰنِیْنَ لِمَا بَعِثْتُ مُوْسٰی ؕ﴾

”اور مدین کی طرف اُن کے بھائی شعیب کو (بھیجا) تو انہوں نے کہا کہ اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور ماپ اور تول میں کمی نہ کیا کرو میں تو تم کو آسودہ حال دیکھتا ہوں اور (اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو) تمہارے بارے میں ایک ایسے دن کے عذاب کا خوف ہے جو تمہیں گھیر کر رہے گا۔ اور اے میری قوم! ماپ اور تول انصاف کے ساتھ پورا کیا کرو اور تول کو ان کی چیز میں کم نہ کیا کرو اور وزن میں میں خرابی نہ کر تے پھرو۔ اگر تم (میرے کہنے کا) یقین ہو تو اللہ کا دیا ہوا نفع ہی تمہارے لیے بہتر ہے اور میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں۔ انہوں نے کہا: اے شعیب! تمہارا ہی نماز چھینیں یہ کسائی ہے کہ جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں ہم اُن کو ترک کر دیں یا اپنے مال میں جو تصرف کرتا پائیں نہ کریں؟ تم تو بڑے نرم دل اور راست باز ہو۔ انہوں نے

اِذْ نَجَّیْنَا اللّٰهَ مِنْہَا ۚ وَمَا یُکُوْنُ لَنَا اَنْ نَّعُوْدَ فِیْہَا ۚ اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ۚ وَسِعَ رَبُّنَا کُلَّ شَیْءٍ ۚ عَلِمَا عَلَی اللّٰہِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا ۚ فَفُتِحَ بَیْنَنَا وَبَیْنَ قَوْمِہَا بِالْحَقِّ ۚ وَاَنْتَ خَیْرُ الْفَتِیْحِیْنَ ۚ وَقَالَ الْہٰکَ الْبَیِّنُ لِقَوْمٍ لِّقَوْمٍ ۚ وَلَمِنْ قَوْمِہٖ لَیْنٌ اَتَّبَعْتُمْ شُعَیْبًا ۚ اِنَّا اَلْخَیْسِرُوْنَ ۚ فَآخَذَ لَھُمْ الرِّجْفَۃَ فَاصْبَحُوْا فِیْ دَارِہِمْ جُبُیْنٌ ۚ اَلَّذِیْنَ کَذَبُوْا شُعَیْبًا کَانَ لَھُمْ یَعْتَوْنَ فِیْہَا ۚ اَلَّذِیْنَ کَذَبُوْا شُعَیْبًا کَانُوْا ھُمْ الْخَیْسِرُوْنَ ۚ فَوَلَّی عَنْھُمْ وَقَالَ یَقُوْمُ لَقَدْ اَبْغَضْتُکُمْ وَرَسُلْتُ رَبِّیْ وَصَحَّتْ لَکُمْ کَلِیْفٌ اَسٰی عَلٰی قَوْمٍ لَّغِیْبِیْنَ ۚ﴾

”اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا (تو) انہوں نے کہا کہ اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی آ چکی ہے، سو تم ماپ اور تول پورا کیا کرو اور تول کو ان کی چیز میں کم نہ کیا کرو اور وزن میں میں اصلاح کے بعد خرابی نہ کرو۔ اگر تم صاحبِ ایمان ہو تو سمجھ لو کہ یہ بات تمہارے حق میں بہتر ہے، اور ہر راستے پر تم بٹھا کر دو کہ جو فضل اللہ پر ایمان لاتا ہے اُسے تم ڈراتے اور راہِ الٰہی سے روکتے اور اس میں کمی کی کوٹھنلے ہو۔ اور (اس وقت کو) یاد کرو جب تم قحط سے تھے تو اللہ نے تم کو جماعتِ کثیر بنا دیا اور دیکھ لو کہ خرابی کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا؟ اور اگر تم میں سے ایک جماعتِ میری رسالت پر ایمان لے آئی ہے اور ایک جماعتِ ایمان نہیں لائی تو صبر کیے رہنا یہاں تک کہ اللہ ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کر دے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ (تو) ان کی قوم میں سے جو لوگ سرور اور بڑے آدمی تھے وہ کہنے لگے کہ شعیب! (یا تو) ہم تم کو اور جو لوگ تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں اُن کو اپنے شہر سے نکال دیں یا تم ہمارے مذہب میں آ جاؤ۔ انہوں نے کہا: خواہ ہم (تمہارے دین سے) بیزاری ہوں (تو بھی؟) اگر ہم اس کے بعد کہ ایمان نہیں اس (کفر) سے نجات بخش چکا ہے تمہارے مذہب میں لوٹ جائیں تو بے شک ہم نے اللہ پر افترا (جھوٹ) باندھا اور ہمیں شایان نہیں کہ ہم اس میں لوٹ جائیں ہاں اللہ جو ہمارا پروردگار ہے وہ جانتا ہے (تو مجبور ہے) ہمارے پروردگار کا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ ہمارا اللہ ہی پر بھروسہ ہے۔ اے پروردگار! ہم میں اور ہماری قوم میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دے اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ اور ان کی قوم میں سے سرور اور لوگ جو کافر تھے کہنے لگے کہ (بھائیو!) اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو بے شک تم خسارے میں پڑ گئے۔ تب ان کو نزلے نے آ چکا اور وہ اپنے گھر میں اور اندھے پڑے رہ گئے۔ (یہ لوگ) جنہوں نے شعیب کی تکذیب کی تھی، ایسے پر باد ہوئے کہ گویا وہ ان میں بھی آبادی نہیں ہوئے تھے۔ (غرض) جنہوں نے شعیب کو جلائی اور خسارے میں پڑ گئے تو شعیب اُن میں سے نکل آئے اور کہا کہ بھائیو! میں نے تم کو اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچا دیے اور تمہاری خیر خواہی کی تھی۔ لہذا میں کافروں پر (عذاب نازل ہونے

فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۖ وَاتَّقُوا الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْأُولَى ۚ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحِّرِينَ ۖ وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا وَإِنْ نَظُنُّكَ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ ۚ فَاسْقِطْ عَلَيْنَا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۚ قَالَ رَبِّیْ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ۚ فَلَمَّا بَوَّءَ فَاخَذَهُمْ عَذَابٌ یُّؤْوِرُ الْفَلَکَ ۚ إِنَّكَ كَانَ عَذَابٌ یُّؤْمِعُهُمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآیَةً ۚ وَمَا كَانَ لَهُمْ فَهْمٌ ۚ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُمُ الْعَزِیزُ الرَّحِیمُ ۝

”نہن کے رہنے والوں نے بھی مجھے نبیوں کو جھٹلایا۔ جب اُن سے شعیب نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں؟ میں تو تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں! لہذا اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔ اور میں اس کام کا تم سے کچھ بدل نہیں مانگتا! میرا بدل تو اللہ رب العالمین کے ذمے ہے۔ (دیکھو!) چنانچہ پورا پورا بھرا کر دو اور نقصان (کئی) نہ کیا کہ اور ترازو سیدھی رکھ کر تو لا کر دو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کہ اور ملک میں فساد نہ کرتے پھر۔ اور اس سے ڈرو جس نے تم کو اور تم سے پہلی خلافت کو پیدا کیا۔ وہ کہنے لگے کہ تم کو جاوہ زردہ ہو اور تم اور کچھ نہیں بس ہمارے جیسے آدمی ہو اور ہمارا خیال ہے کہ تم جھوٹے ہو۔ اگر سچے ہو تو ہم پر آسمان سے ایک ٹکڑا لا کر گراؤ۔ شعیب نے کہا کہ جو کام تم کرتے ہو میرا پروردگار اس سے خوب واقف ہے۔ سو ان لوگوں نے اُن کو جھٹلایا، پس سائبان والے دن کے عذاب نے اُن کو آن پکڑا۔ شعیب وہ بڑے (خت) دن کا مذاب تھا۔ اس میں یقیناً نشانی ہے اور ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے اور تمہارا پروردگار تو غالب (اور) مہربان ہے۔“ (الشعرہ: 176/26-191)

خطیب الانبیاء کی قوم ”مدین“

اہل مدین عربی باشندے تھے۔ یہ لوگ اپنے شہر ”مَدِیْنُ“ میں رہتے تھے، جو اطراف شام میں ارض معان کے نزدیک ہے، جو حجاز سے متصل اور بحیرہ قمر لوط کے قریب ہے۔ ① ان کا زمانہ بھی قوم لوط سے تھوڑی مدت بعد کا ہے۔ مدین کا قبیلہ ”مَدِیْنُ بن مَدِیْان بن ابراہیم علیہ السلام“ کی نسل سے وجود میں آیا۔ بعض بزرگوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو خطیب الانبیاء کے نام سے یاد کیا ہے۔ ② کیونکہ آپ قوم کو ایمان کی دعوت دیتے وقت فصاحت و بلاغت اور اعلیٰ عبارت سے کام لیتے تھے۔ مدین کے لوگ کافر تھے، رہزنی کرتے اور مسافروں میں دہشت پھیلاتے، اور آئینہ کو پوجتے تھے۔ یہ ایک قسم کا درخت تھا، جس کے اور گرد و درختوں کا جھنڈ تھا۔ ان لوگوں کا لین دین کا معاملہ بہت برا تھا۔ ناپ تول میں کمی کرتے تھے۔ لیتے ③ آج کل معان اردن میں ہے جبکہ ارض مدین بحیرہ قمر لوط (بحیرہ مردار) کے قریب نہیں بلکہ سعودی عرب میں نجد عقیقہ اور بحیرہ احمر کے ساتھ ساتھ واقع ہے۔ ④ المنتظم فی تاریخ الأمم و الملوک: 324/1

کہا کہ اسے میری قوم! دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل روشن پر ہوں اور اُس نے اپنے ہاں سے مجھے نیک روزی دی ہو (تو کیا میں اُن کے خلاف کروں گا؟) اور میں نہیں چاہتا کہ جس امر سے میں تمہیں منع کروں خود اُس کو کرنے لگوں۔ میں تو جہاں تک مجھ سے ہو سکے (تمہارے معاملات کی) اصلاح چاہتا ہوں اور (اس بارے میں) مجھے توفیق کا ملنا اللہ ہی (کے فضل) سے ہے۔ میں اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ اور اسے میری قوم! میری مخالفت تم سے کوئی ایسا کام نہ کر دے کہ جیسی مصیبت نوح کی قوم یا ہود کی قوم یا صالح کی قوم پر واقع ہوئی تھی، ویسی ہی مصیبت تم پر واقع ہو۔ اور لوط کی قوم (کا زمانہ تو تم سے کچھ دور نہیں) اور اپنے پروردگار سے بخشش مانگو اور اُس کے آگے تو پھر کرو۔ بیشک میرا پروردگار رحم والا (اور) محبت والا ہے۔ انہوں نے کہا کہ شعیب! تمہاری بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ تم میں کمزور بھی ہو اور تمہارا تمہارے بھائی باندہ نہ ہو تھے تو ہم تم کو سنگسار کر دیتے اور تم پر (کسی طرح بھی) غالب نہیں ہو۔ انہوں نے کہا کہ اسے میری قوم! کیا میرے بھائی بندوں کا دیاؤ تم پر اللہ سے زیادہ ہے اور اس کو تم نے پیٹھ پیچھے ڈال رکھا ہے۔ میرا پروردگار تو تمہارے سب اعمال پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اور برادران ملت! تم اپنی جگہ کام کیے جاؤ! میں (اپنی جگہ) کام کیے جاتا ہوں۔ تمہیں مختصر یہ معلوم ہو جائے گا کہ زسوا کرنے والا عذاب کس پر آتا ہے اور جھوٹا کون ہے؟ اور تم انتظار کرو! میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ اور جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے شعیب کو اور جو لوگ اُن کے ساتھ ایمان لائے تھے اُن کو تو اپنی رحمت سے بچا لیا اور جو ظالم تھے اُن کو پکھڑانے آدھو لیا تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے گویا ان میں کبھی بے نیں تھے۔ سن رکھو! مدین پر (دیکھی ہی) پکھڑا کرے جیسی پکھڑا کر شود پر تھی۔“ (ہود: 84/11-95)

آپ کی قوم نے آپ کی ناصحانہ گفتگو کے جواب میں آپ کو جھوٹا قرار دیا اور اپنی برائیوں پر ڈٹے رہنے کا اعلان کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ حجر میں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے واقعہ کے بعد فرمایا:

﴿وَإِنْ كَانَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ ظَالِمِينَ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا مُهْمِينَ ۖ﴾

”اور جن کے رہنے والے (یعنی قوم شعیب کے لوگ) بھی ظالم (گناہگار) تھے۔ تو ہم نے اُن سے بدل لیا اور یہ دونوں شہر کھلے راستے پر (موجود) ہیں۔“ (الحجر: 78/15)

اور سورۃ شعراء میں بھی اُن کے واقعہ کے بعد فرمایا:

﴿كَذَّبَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ الْمُرْسَلِينَ ۖ إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُونَ ۖ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَالْهَاطُونَ ۖ وَمَا أَسْكَنَكُمْ عَلَىٰ أَرْضٍ إِلَّا عَلَىٰ رِزْقٍ الْعَلِيِّنَ ۖ وَادْعُوا الْكِلْبَنَ وَلَا تُنَادُوا مِنِّي الْفَجِرِينَ ۖ وَرُونَا بِالتَّيْسَاتِ الْمُسْتَكْبِرِينَ ۖ وَلَا تَحْسَبُوا النَّاسَ تَشَاقُوهُمْ ۖ وَلَا تَنْتَوُوا

یعنی آپ نے انہیں ظاہری دنیوی راستے روکنے سے بھی منع فرمایا اور معنوی یعنی دین کے راستے میں رکاوٹ بننے سے بھی۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کو نصیحت اور قوم کا اعلان بغاوت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاذْكُرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلًا فَفَكَّرْتُمْ ۖ وَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ۝﴾

”اور (اس وقت کو) یاد کرو جب تم تھوڑے سے تھے تو اللہ نے تم کو جماعت کثیر بنا دیا۔ اور دیکھ لو کہ خرابی کرنے والوں کا انجام کیا ہوا؟“ (الاعراف: 86/7)

آپ نے انہیں نصیحت کرتے ہوئے اللہ کی نعمت یاد دلانی کہ ان کی تعداد کم تھی، اللہ نے زیادہ کر دی۔ اور تعبیر فرمائی کہ اگر وہ آپ کی ہدایات کی پیروی نہیں کریں گے تو ان پر اللہ کا عذاب نازل ہو جائے گا۔ جسے دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَنْقُصُوا إِلَيْكَ الْيَمِينَ وَالْيَمِينُ إِنِّي أَنْتُمْ بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ ۝﴾

”اور ماپ اور تول میں کمی نہ کیا کرو۔ میں تم کو آسودہ حال دیکھتا ہوں اور (اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو) مجھے تمہارے بارے میں ایک ایسے دن کے عذاب کا خوف ہے جو تمہیں گھیر لے گا۔“ (ہود: 84/11)

یعنی اپنے غلط کاموں کو جاری نہ رکھو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے مالوں کی برکت ختم کر دے گا اور تمہیں مفلس کر دے گا اور تمہاری دولت چھین لے گا۔ اس کے علاوہ آخرت کا عذاب بھی آنے والا ہے اور جس کو دنیا میں بھی سزا ملی اور آخرت میں بھی عذاب بھگتنا پڑا، وہی اصل خسار سے دوچار ہوگا۔

اس کے بعد شعیب علیہ السلام نے فرمایا:

﴿وَيَقُولُوا أَهَؤُلَاءِ الْيَمِينُ أَمْ لَا يُنْقِصُونَ النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَخَفُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۚ بَقِيَّتُ اللَّهِ خَيْرٌ لِّكُمْ إِن كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ۚ وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ ۝﴾

”اور اسے میری قوم! ماپ اور تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو اور زمین میں خرابی نہ کرے پھر۔ اگر تم کو (میرے کہنے کا) یقین ہو تو اللہ کا دیا ہوا نفع ہی تمہارے لیے بہتر ہے اور میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں۔“ (ہود: 86, 85, 11)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ﴿بَقِيَّتُ اللَّهِ خَيْرٌ لِّكُمْ﴾ ”اللہ کا دیا ہوا نفع ہی تمہارے لیے بہتر ہے۔“ کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے مال کا جائز طریقے سے لینے کی نسبت اللہ کا دیا ہوا حلال رزق تمہارے لیے بہتر ہے۔“

وقت بڑے بیانے سے ماپتے اور بڑے باؤں سے تولتے اور دیتے وقت چھوٹے بیانے اور کم وزن کے باٹ استعمال کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک شخصیت یعنی حضرت شعیب علیہ السلام کو مصعب رسالت پر فائز فرمایا۔ آپ نے انہیں اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کی دعوت دی اور انہیں سودا کم دینے اور راہ چلنے لوگوں کو پریشان کرنے جیسے برے کاموں سے منع فرمایا۔ کچھ لوگ ایمان لائے لیکن اکثریت نے کفر کا راستہ اختیار کیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان پر سخت عذاب نازل فرمایا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَنبِئْهُمْ أَنَّ اللَّهَ مَلَكٌ مُّمْنَنٌ عَلَيْهِمْ ۚ قَالَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۚ قَدْ جَاءَ تَكْوِينُكُمْ ۚ﴾

﴿يُنَبِّئُكُمْ ۚ﴾

”اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا (تو) انہوں نے کہا کہ اسے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی آچکی ہے۔“ (الاعراف: 85/7)

یعنی میں واضح دلیل اور بران قاطع لے کر آیا ہوں، جس سے میری تعلیمات کی صداقت ثابت ہوتی ہے اور اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اس نے مجھے بھیجا ہے۔ دلیل سے مراد وہ خجرات ہیں جو آپ کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے۔ قرآن وحدیث میں ان کی تفصیل مذکور نہیں۔ تاہم اس لفظ (بینہ) سے ان کی طرف جمل اشارہ ہوتا ہے۔ مزید فرمایا:

﴿فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْيَمِينَ وَالنَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ۚ﴾

”لہذا تم ماپ اور تول پوری کیا کرو اور لوگوں کو چیزیں کم نہ دیا کرو اور زمین میں اصلاح کے بعد خرابی نہ کیا کرو۔“

(الاعراف: 85/7)

آپ نے انہیں عدل وانصاف کا حکم دیا اور ظلم سے منع کیا اور فرمایا: ﴿ذَلِكَ خَيْرٌ لِّكُمْ إِن كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ﴾ ”اگر تم صاحب ایمان ہو تو سمجھ لو کہ یہ بات تمہارے حق میں بہتر ہے۔“ (الاعراف: 85/7) اس کے بعد فرمایا: ﴿وَلَا تَفْعَلُوا بِحِلِّ صِرَاطٍ تُوعَدُونَ﴾ ”اور ہر راستے پر مت بھگا کرو کہ لوگوں کو ڈراتے ہو۔“ (الاعراف: 86/7)

یعنی ہر راستے میں چبھ کر لوگوں کو پریشان نہ کرو، تم ان سے غلطہ لگیں وصول کرتے ہو اور وحشت گردی کے راستے روکتے ہو۔

امام سندی رحمہ اللہ وغیرہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مذکورہ آیت کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ وہ لوگ گزرنے والے لوگوں کے مالوں میں سے دواں حصہ وصول کر لیا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی یہی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا: ”سب سے پہلے ان لوگوں نے یہ ظالمانہ طریقہ ایجاد کیا۔“

”اے شعیب! کیا تمہاری نماز نہیں یہ کھاتی ہے کہ جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں ہم اُن کو ترک کر دیں یا اپنے مال میں جو تصرف کرتا چاہیں نہ کریں؟ تم تو بڑے نرم دل اور راست باز ہو۔“ (ہود: 87/11)

یہ بات ان لوگوں نے شعیبؑ کا مذاق اڑانے کے لیے کہی کہ آپ جو نماز پڑھتے ہیں، کیا یہی آپ کو حکم دیتی ہے کہ ہم پر پابندیاں عائد کریں کہ ہم صرف آپ کے معبود کی عبادت کیا کریں؟ اور ان سب کو چھوڑ دیں جنہیں ہمارے آباء و اجداد پوجتے آئے ہیں؟ کیا ہم اپنے معاملات صرف اس انداز سے انجام دیا کریں جو آپ کو پسند ہے؟ کیا ہم لین دین کے دو سب طریقے چھوڑ دیں جو آپ کو پسند نہیں، خواہ ہمیں ان میں کوئی خرابی نظر نہ آتی ہو؟

﴿إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ﴾ ”حقیقت یہ ہے کہ صرف آپ ہی عقل مند اور سمجھدار ہیں۔“ حضرت ابن عباسؓ اور زید بن اسلمؓ اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”اللہ کے دشمنوں نے یہ بات مذاق اڑاتے ہوئے کہی تھی۔“^①

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ يٰقَوْمُ اَدْرَاَيْكُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّيْ وَرَزَقْنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا وَمَا اُرِيْدُ اَنْ اَخْلُقَكُمْ اِلٰهًا مَّا اَنْهٰكُمْ عَنْهُ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَالْيَاسِرُ اُنْبِئُكُمْ﴾

”شعیبؑ نے کہا: اے میری قوم! دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل روشن پر ہوں اور اُس نے اپنے ہاں سے مجھے بہترین روزی دی ہو (تو کیا میں اس کے خلاف کروں گا؟) اور میں نہیں چاہتا کہ جس امر سے میں تمہیں منع کروں، خود اُس کو کرنے لگوں۔ میں تو تمہاں تک ہو سکے (تمہارے معاملات کی) اصلاح چاہتا ہوں اور (اس بارے میں) مجھے توفیق کا ملنا اللہ ہی (کے فضل) سے ہے۔ میں اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔“ (ہود: 88/11)

یہ دعوت حق کے لیے نرم الفاظ استعمال کرنے کا اسلوب ہے لیکن اس میں حق باطل واضح کر دیا گیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں: ”اے منکر و ذراغور، میرے پاس واضح دلائل موجود ہیں کہ اللہ نے مجھے تمہاری طرف بھیجا ہے اور مجھے اچھی چیز یعنی نبوت و رسالت عطا کی ہے لیکن تم اسے پھیلانے کی توفیق سے محروم رہ گئے ہو تو میں کیا کر سکتا ہوں؟“

نوحؑ نے بھی اپنی قوم سے یہی بات فرمائی تھی جیسے کہ ان کے واقعات میں بیان ہوا۔

حضرت شعیبؑ نے فرمایا: ﴿وَمَا اُرِيْدُ اَنْ اَخْلُقَكُمْ اِلٰهًا مَّا اَنْهٰكُمْ عَنْهُ﴾ ”اور میں نہیں چاہتا کہ جس امر سے میں تمہیں منع کروں خود اُس کو کرنے لگوں۔“ یعنی میں تمہیں جو بھی سُنّی کا کام بتاتا ہوں، سب سے پہلے میں خود اس پر عمل کرتا ہوں اور تمہیں جس غلط کام سے روکتا ہوں، سب سے پہلے خود اس سے اجتناب کرتا ہوں۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”لوگوں کو پوری چیز ناپ تول کر دینے کے بعد تمہارے پاس جو نفع بچتا ہے، وہ اس سے بہتر ہے جو تم ناپ تول میں کی کر کے لوگوں کے حق میں سے رکھ لیتے ہو۔“

یہ مفہوم اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے مشابہ ہے:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ وَالنَّبِيَّ وَكُوْاْ اَعْيَبَكُمْ كَثْرَةً مِّنَ الْحَيٰثِ﴾

”کہہ دو کہ پاک چیزیں اور ناپاکی چیزیں برابر نہیں ہوتیں گونا پاک چیزوں کی کثرت تمہیں اچھی ہی لگے۔“

(المائدہ: 100/5)

یعنی تھوڑا سا حلال مال بہت سے حرام مال سے بہتر ہے۔ کیونکہ حلال تھوڑا بھی ہو برکت والا ہوتا ہے اور حرام زیادہ بھی ہو تو بے برکت ہوتا ہے، جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰمَعْشَرَ الْاَنْبِيَا وَرِثِي الْاَصْدَقٰتِ﴾

”اللہ سو کو تا بود (یعنی بے برکت) کرتا ہے اور خیرات (کی برکت) کو بڑھا تا ہے۔“ (البقرہ: 276/2)

اور اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: ”سو زیادہ بھی ہو تو اس کا انجام ہمتی ہی ہے۔“^②

نیز نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”بیچنے والا اور خریدنے والا (سودا قائم رکھنے یا ختم کرنے کا) اختیار رکھتے ہیں، جب تک ایک دوسرے سے الگ نہ ہوں۔ اگر وہ بیچ بولیں اور (سودے کی حقیقت کو) واضح کریں، تو دونوں کو ان کے سودے میں برکت دی جاتی ہے اور اگر وہ چھپائیں (اور ایک دوسرے کو دھوکا دینے کی کوشش کریں) اور جھوٹ بولیں تو ان کے سودے کی برکت مٹ جاتی ہے۔“^③

شعیبؑ کے اس فرمان: ﴿كَفَيْتُ اللّٰهَ حَیْرَةً لِّكَ اِنْ نُّنْفِقُ مَعَهُ فَنُفِذْ﴾ ”اگر تم کو (میرے کہنے کا) یقین ہو تو اللہ کا یا ہوا نفقہ ہی تمہارے لیے بہتر ہے۔“ کا یہی مطلب ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَمَا اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ﴾ ”اور میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں“ کا مفہوم یہ ہے کہ میں تمہیں جو حکم دیتا ہوں اس پر اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اور ثواب کی نیت سے عمل کرو اس لیے نہیں کہ میں یا کوئی اور تمہیں دیکھ رہا ہے قوم نے اکھڑ پھرنے کا مظاہرہ کیا اور یوں گویا ہوئی:

﴿يٰغٰیثُ اَصْلُوْكَ تَاْمُرُ اَنْ تَشْرَكَ مَا يَعْْبُدُ اِبَادًا وَّاَنْ تَفْعَلَ فِیْ اَهْوَالِنَا مَا نَشْءُوْا﴾

﴿اِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيْدُ﴾

① تفسیر الطبری: 131/7

② مسند أحمد: 395/1

③ صحیح البخاری: ”البیوع“ باب إذا كان البائع بالخيار..... حدیث: 2114 و صحیح مسلم ”البیوع“ باب الصدق فی البیع

اور عادی و خود کے کافرو اہل حق کے مخالف اللہ کے خداؤں کی پیٹ میں آ گئے تھے۔ پھر فرمایا: ﴿وَمَا قَوْمٌ لَوْطٌ مِّثْلُكُمْ بِعِصْيَا﴾ اور لوط علیہ السلام کی قوم تم سے کچھ دور نہیں۔ یعنی وہ کوئی بہت پرانے دور کا واقعہ نہیں۔ بلکہ ان کے کفر و عناد کی وجہ سے آنے والا عذاب تمہیں معلوم ہے۔ ایک مطلب یہ ہے کہ ان کا علاقہ اور مسکن تم سے کچھ دور نہیں۔ ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ وہ لوگ عادات اور بد اعمالیوں کے لحاظ سے تم سے کچھ دور اور زیادہ مختلف نہیں تھے۔ وہ بھی تمہاری طرح مسافروں کو لوٹے اور پریشان کرنے والے اور طرح طرح کے کرب و غم کے ذریعے سے اور طرح طرح کے جیلوں بھانوں سے لوگوں کا مال سرعام بھی چھین لیتے تھے اور غریبوں کو بھی لے لیتے تھے۔

یہ سب اقوال درست ہیں کیونکہ وہ زمانہ مقام اور اعمال کے لحاظ سے ان سے قریب تھے۔ آخر میں ترہیب کے بعد پھر ترغیب کا پہلو اختیار کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَأَسْتَعِزُّوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تَوَلَّوْا الْبَيْتَ إِنَّ رَبِّيَ جَبِيْهُمُ دُوْدٌ﴾

”اور اپنے پروردگار سے بخشش مانگو اور اُس کے آگے تو بہ کر۔ بیشک میرا پروردگار رحم والا (اور) محبت والا ہے۔“

(ہود: 90/11)

یعنی اپنے موجودہ گناہوں سے باز آ جاؤ اور رحمت کرنے والے اللہ کے آگے تو بہ کر کیونکہ جو بندہ تو یہ کرتا ہے اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ وہ اپنے بندوں پر اتنا زیادہ رحم کرنے والا ہے کہ ماں بھی اپنے بچے پر اس قدر شفقت نہیں کر سکتی۔ وہ قابل محبت ہے کیونکہ بندے کی توبہ قبول کرتا ہے خواہ کتنے ہی برے اور تباہ گناہوں کے بعد توبہ کرے۔

۲ قوم کا اعلان بغاوت: حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم کی ہر طرح سے خیر خواہی کی انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل شدہ خیر و برکت یا دلائی اور برائیوں سے روک کر قوم نے سامنے کی بجائے آپ کو سنگسار کرنے اور ہستی سے نکال دینے کی دھمکیاں دیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفَقْتَ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَكَاْمُكَ فَيٰذَا ضَعِيْفًا ۚ وَاَوْ لَا رَهْطًا لَّوَجَدْنَا وَمَا اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ﴾

”انہوں نے کہا کہ شعیب! تمہاری بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ تم ہمیں کمزور بھی ہو۔ اور اگر تمہارے بھائی بندہ ہوتے تو ہم تم کو سنگسار کر دیتے اور تم ہم پر (کسی طرح بھی) غالب نہیں ہو۔“

(ہود: 91/11)

یہ ان کے شدید کفر و عناد کا اظہار ہے کہ انہوں نے کہا: تمہاری بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ کیونکہ وہ ہمیں پسند نہیں، نہ ہم انہیں سنا یا سمجھنا چاہتے ہیں۔ یہ وہی بات ہے جو قریش کے کافروں نے رسول اللہ ﷺ سے کہی تھی۔

یہ ایک عظیم خوبی ہے۔ اس کے برعکس کیفیت ایک مذموم خرابی ہے جس میں بنی اسرائیل کے علماء اور جاہل خطباء آخری زمانے میں گرفتار ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِاَلْيَدٍ وَكَسُوْنَ اَنْفُسَهُمْ وَانْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾

”(یہ) کیا (میں) عقل کی بات ہے کہ تم لوگوں کو نیکی کرنے کو کہتے ہو اور خود کو فراموش کر دیتے ہو، حالانکہ کتاب

(اللہ) بھی پڑھتے ہو۔ کیا تم سمجھتے نہیں؟“ (البقرہ: 44/2)

اور نبی ﷺ نے فرمایا: ”(قیامت کے دن) ایک آدمی کو لاکر جہنم میں پھینکا جائے گا، اس کے پیٹ سے انتڑیاں باہر نکل آئیں گی۔ وہ ان کے ارد گرد (تکلیف کی شدت سے) پتھر کا مشاعرہ کر دے گا، جس طرح (چکی چلانے والا) گدھا چکی کے گروگھوٹا ہے۔ جنہی اکٹھے ہو جائیں گے۔ وہ کہیں گے: فلاں صاحب! آپ کو کیا ہوا؟ کیا آپ ہمیں نیکی کا حکم نہیں دیا کرتے تھے اور برے کاموں سے منع نہیں کیا کرتے تھے؟ وہ کہے گا: ”ہاں! میں نیکی کی باتیں تو کرتا تھا، لیکن اس پر عمل نہیں کرتا تھا۔ برائی سے منع تو کرتا تھا لیکن خود اس کا ارتکاب کر لیا کرتا تھا۔“

انہما علیہ السلام کی مخالفت کرنے والے فاسق بدکاروں کی یہی کیفیت ہوتی ہے، لیکن اہل عقل علماء جو رب کا خوف رکھتے ہیں، ان کی کیفیت وہ ہوتی ہے جیسے اللہ کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا تھا:

﴿وَمَا زِلْنَا اَنْ اَحْلٰقُكُمْ اِلٰی مَا اَنْهٰكُمْ عَنْهُ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا اِلِصْلَاحٌ مَّا اسْتَطَعْتُ﴾

”اور میں نہیں چاہتا کہ جس امر سے میں تمہیں منع کروں خود اس کو کرنے لگوں، میں تو جہاں تک مجھ سے ہو سکے

(تمہارے معاملات کی) اصلاح چاہتا ہوں۔“ (ہود: 88/11)

یعنی مجھے ہر حال میں اللہ ہی سے توفیق ملتی ہے اور میں تمام معاملات میں اسی پر اعتماد کرتا ہوں۔ میرے ہر کام کا انجام اسی کے ہاتھ میں ہے۔ یہ سارا کام ”ترغیب“ پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد آپ نے ”ترہیب“ کا پہلو اختیار کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَالْيَقُوْرُ اَلْجَزِيْرُ مِثْلُكُمْ شَقِيْقًا اِنْ يُّؤْمِنُ بِكُمْ مَا اَصَابَ قَوْمٌ نُّوحًا اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ سُلَيْمٍ﴾

﴿وَمَا قَوْمٌ لَوْطٌ مِّثْلُكُمْ بِعِصْيَا﴾

”اور اسے میری قوم! میری مخالفت تم سے کوئی ایسا کام نہ کر اے کہ جیسی مصیبت نوح کی قوم یا ہود کی قوم یا صالح کی قوم پر واقع ہوئی تھی ویسی ہی مصیبت تم پر واقع ہو اور لوط کی قوم (کا زمانہ تو) تم سے کچھ دور نہیں۔“ (ہود: 89/11)

یعنی میری مخالفت اور میرے لائے ہوئے پیغام سے نفرت تمہیں اس طرف نہ لے جائے کہ اپنی گمراہی اور جہالت پر قائم رہو، جس کے نتیجے میں تم پر اللہ کا عذاب آ سکتا ہے، جس طرح تم جیسے پہلے کافروں پر آیا تھا یعنی جس طرح قوم نوح

اس کا وہی مفہوم ہے جو اس آیت مبارکہ کا ہے:

﴿وَأَن كَانَ طَافِقَةٌ فَمِنْهُمْ أَنُحَايَ الَّذِي أَرْسَلَتْ إِلَيْهِ طَافِقَةً لَّمْ يُؤْمِنُوا فَأَصْبَحُوا حَتَّى يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَنَا وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ﴾

”اور اگر تم میں سے ایک جماعت میری رسالت پر ایمان لے آئی ہے اور ایک جماعت ایمان نہیں لائی تو میرے یہ رہو یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔“ (الأعراف: 87/7)

عذاب کی آمد اور قوم کی ہلاکت پر نبی ﷺ کا اظہارِ افسوس

عذاب کی آمد: قوم کے سرداروں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو زبردست دھمکیاں دیں اور مومنوں کو اپنے پرانے مذہب میں واپس آنے کی تلقین کی۔ جب مومن ڈٹ گئے تو قوم کی زیادتیاں اور بھی بڑھ گئیں لہذا حضرت شعیب علیہ السلام نے نصرت ربانی کے لیے دعا کر دی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِن قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ يَشْعَبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِكُمْ أَوْ نَكُونَنَّ فِي يَمِينَهَا قَالُوا لَوْ كُنَّا كَاهِنِينَ قَدْ أَعْرَبْنَا عَلَى اللَّهِ كَيْدًا إِنَّا كِدْنَا فِي صِلَتِهِمْ بَعْدَ إِذْ نَجَّيْنَا اللَّهُ مِنْهَا وَمَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَعُودَ فِيهَا إِنْ أَرَادْنَا أَنْ نَقْتُلَهُ اللَّهُ دَرْبَهُمْ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ كُلَّ شَيْءٍ وَعِلْمُهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُّتَبِعًا رَّبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ﴾

”اُن کی قوم میں جو لوگ سردار اور بڑے آدمی تھے وہ کہنے لگے کہ شعیب (ایاتو) ہم تم کو اور جو لوگ تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں اُن کو اپنے شہر سے نکال دیں گے یا تم ہمارے مذہب میں آ جاؤ۔ انہوں نے کہا خواہ ہم تمہارے دین سے) بیزاری ہوں (تو بھی؟) اگر ہم اس کے بعد کہ اللہ ہمیں اس (کفر) سے نجات بخش چکا ہے تمہارے مذہب میں لوٹ جائیں تو بے شک ہم نے اللہ پر افترا (جھوٹ) باندھا اور ہمیں لائق نہیں کہ اس میں لوٹ جائیں۔ ہاں اللہ جو ہمارا پروردگار ہے وہ چاہے تو ہم (مجبور ہیں) تمہارے پروردگار کا ظلم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ ہمارا اللہ ہی پر ہر موصا ہے۔ اسے پروردگار انہم میں اور ہماری قوم میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر

دے اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔“ (الأعراف: 88, 89/7)

کافروں نے مطالبہ کیا کہ مومنوں کو بدر یا اپنے آپا و احد کا مذہب اختیار کر لینا چاہیے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے مومنوں کی طرف سے جواب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿أَوَلَوْ كُنَّا كَاهِنِينَ﴾ یعنی مومن اپنی خوشی سے کو کفر کی طرف نہیں لوٹ سکتے۔ اگر بغضِ حال ایسا ہو بھی گیا تو وہ تمہارے ظلم کی وجہ سے مجبور ہو گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ایمان کی حقانیت میں دل جاگزیں

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالُوا أَفَلَاذِبُنَا فِي الْكَذِبِ مِمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ وَفِي آذَانِنَا وَقْرٌ وَمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنَكَ حَبَابٌ فَاَعْمَلْ لِنَا حَٰلُونَ﴾

”اور وہ کہتے ہیں کہ جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اُس سے ہمارے دل پر دے میں ہیں اور ہمارے کانوں میں بوجھ (یعنی بہرانا) ہے اور ہمارے اور تمہارے درمیان پر دے سے سوئم (اپنا) کام کر دوئم (اپنا) کام کر تے ہیں۔“

(حکم السجدة: 54/1)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ يَقُومُ آخِضًا عَٰزٍ عَلَيْهِم مِّنَ اللَّهِ﴾

”(شعیب نے) کہا کہ اے میری قوم! کیا میرے بھائی بندوں کا یا تو تم پر اللہ سے زیادہ ہے؟“ (ہود: 92/11)

یعنی تم خاندان اور قبیلے سے ڈرتے ہو اور اس کی وجہ سے میرا (کچھ نہ کچھ) لحاظ کرتے ہو لیکن کیا تمہیں اللہ کے عذاب سے خوف محسوس نہیں ہوتا؟ تم میرا لحاظ اس وجہ سے کیوں نہیں کرتے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ گویا تمہاری نظروں میں میرا قبیلہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ طاقت والا ہے۔

﴿وَأَن كُنْتُمْ تَحِبُّونَهُمْ وَآءَاكُم مِّنْ ظُهُورِهِمْ﴾ ”اور تم نے اللہ کے احترام اور خوف کو پس پشت ڈال دیا ہے۔“ ﴿إِن رَّبِّي بِمَا تَعْمَلُونَ صَبِيطٌ﴾ ”میرا پروردگار تو تمہارے سب اعمال پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔“ یعنی اسے معلوم ہے جو تم کر رہے ہو۔ وہ تمہاری ہر چھوٹی بڑی حرکت سے باخبر ہے۔ جب تم اس کے پاس جاؤ گے تو وہ تمہیں اس کی پوری سزا دے گا۔ اور کہا:

﴿وَيَقُولُوا عَصَيْنَا عَلَىٰ حِكْمَتِهِمْ إِنِّي عَامِلُونَ سَوْفَ نَعْلَمُونَ مَن يَأْتِيهِمْ عَذَابٌ يَّخْزِيهِ وَمَن هُوَ كَاذِبٌ وَآزَقِيَهُمْ إِنِّي مَعَكُمْ رَقِيبٌ﴾

”ہمراہ ملت! تم اپنی جگہ کم کیے جاؤ (جگہ) کام کیے جاتا ہوں۔ تمہیں عذریہ معلوم ہو جائے گا کہ زسوا کرنے والا عذاب کس پر آتا ہے اور جھوٹا کون ہے؟ اور تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔“

(ہود: 93/11)

اس میں سخت وعید ہے کہ اگر وہ باز نہیں آتے تو اپنے طریقے پر قائم رہیں، جلد ہی اس کا نتیجہ سامنے آ جائے گا۔ پھر انہیں معلوم ہو گا کہ کس کا انجام اچھا ہوتا ہے اور کس پر جہاں نازل ہوتی ہے یعنی دنیا کی زندگی میں رسوائی اور آخرت میں دائمی عذاب کس پر نوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ میں نے جو خبریں تمہیں دی ہیں اور تمہیں کیا ہے، اس میں جھوٹا ہوں یا تم جس مذہب اور درویش پر عمل پیرا ہو اُس میں تم جھوٹے ہو۔ ﴿وَأَزَقِيَهُم إِنِّي مَعَكُمْ رَقِيبٌ﴾ ”اور تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔“

آگ کے اٹکا رہے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر سورت میں کلام کے سیاق و سباق کے مطابق کسی ایک عذاب کا تذکرہ فرمایا ہے۔ سورۃ اعراف میں ہے کہ انہوں نے اللہ کے نبی اور ان کے ساتھیوں کو دھمکی دی کہ اگر انہوں نے دین حق کو ترک نہ کیا تو انہیں ہستی سے نکال دیا جائے گا۔ اس [ازخاف] "خوف زدہ کرنے" کی سزا ازخفۃ "زلزلہ" تھا۔

سورۃ ہود میں یہ مذکور ہے کہ انہوں نے اپنے نبی کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا تھا:

﴿أَصْلُوكَ تَأْمَكُونَ أَنْ تَنْتَكِرُوا مَا يَعْجَبُ آبَاؤُنَا أَوْ نَفْعَلُ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ ۝﴾

"کیا تمہاری نماز تمہیں یہ سکھاتی ہے کہ جن کو ہمارے باپ دادا اپنے آجے ہیں ہم ان کو ترک کر دیں یا اپنے مال میں جو تصرف کرنا چاہیں نہ کریں۔ تم تو بڑے نرم دل اور راست باز ہو۔" (ہود: 87/11)

انہوں نے نبی سے گفتگو کرتے ہوئے جو بڑی باتیں کہیں تھیں اس کی سزا کے طور پر ایک بھولناک آواز کا عذاب نازل ہوا جس سے وہ تباہ ہو گئے اور تمام آوازیں خاموش ہو گئیں۔

سورۃ شعراء میں مذکور ہے کہ ان پر "سانبان والے دن" کا جو عذاب آیا وہ ان کے مطالعے کا جواب تھا جو انہوں نے کیا تھا:

﴿إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ۝ وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا وَإِنْ نَطَّلَكَ لَئِنْ لَكُنَّ بِدِينٍ ۝ فَتَقُوطُ عَلَيْنَا كَيْفَا قَيْنَ السَّمَاءِ ۝ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ قَالَ رَبِّیْ أَعْلَمُ بِمَا كُفُّوا ۝﴾

"تم تو جاوید زندہ ہو! اور کچھ نہیں ہمارے جیسے آدمی ہو۔ اور ہمارا خیال ہے کہ تم جھوٹے ہو۔ اگر یہ ہوتو ہم پر آسان سے ایک ٹکڑا لاکر گراؤ۔" شعیب نے کہا تم جو کلام کرتے ہو میرا پروردگار اس سے خوب واقف ہے۔"

(الشعراء: 185-186)

اس کی سزا کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَكَذَّبُوهُ فَاقْتَدَهُ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلُمَةِ ۝ إِنَّهُ كَانَ عَذَابٌ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝﴾

"تو ان لوگوں نے اس (شعیب) کو جھٹلایا پس سانبان والے دن کے عذاب نے ان کو آکھڑا۔ بیشک وہ بڑے (سخت) دن کا عذاب تھا۔" (الشعراء: 186-189)

مفسرین فرماتے ہیں کہ ان پر سخت گرمی مسلط ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے سات دن ہوا روک لی۔ گرمی کی شدت پانی سے کم ہوتی نہ سائے سے اور نہ تہہ خانوں میں داخل ہو جانے سے۔ نہ چنچیدہ دھڑوں سے میدان میں نکل آئے۔ اچانک ان پر ایک بادل آیا، تو وہ سب اس کے نیچے جمع ہو گئے تاکہ گرمی سے تسکین حاصل ہو۔ جب وہ سب کے سب جمع ہو گئے تو اس میں سے چنگاریاں اور شعلے برسنے لگے۔ زمین زلزلے سے لرزنے لگی اور آسمان سے انتہائی شدید آواز گونجی، جس سے وہ تباہ و برباد ہو گئے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ہو جائے تو پھر انسان کے لیے ممکن نہیں ہوتا کہ اس کو ناپسند کرے یا اسے ترک کر دے۔ اس لیے آپ نے فرمایا:

﴿فَبِأَفْتَرِينَا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا بِأَنْ عُدْنَا فِي مِلَّتِهِمْ بَعْدَ إِذْ تَجَسَّأَ اللَّهُ مِنْهَا ۚ وَمَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَعُودَ فِيهَا إِلَّا أَنْ يُشَاءَ اللَّهُ رَبُّنَا ۚ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۚ عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا ۝﴾

"اگر ہم اس کے بعد کہ انہیں اس (کفر) سے نجات بخش چکا ہے تمہارے مذہب میں لوٹ جائیں تو بیشک ہم انے اللہ پر افترا (جھوٹ) باندھا اور ہمیں لائق نہیں کہ ہم اس میں لوٹ جائیں۔ ہاں اللہ جو ہمارا پروردگار ہے وہ چاہے (تو ہم مجبور ہیں) ہمارے پروردگار کا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ ہمارا اللہ ہی پر بھروسہ ہے۔" (الأعراف: 89/7)

یعنی وہ اللہ ہماری مدد کے لیے کافی ہے۔ وہ ہماری حفاظت کرنے والا ہے۔ ہر معاملے میں وہی ہمارا ملجا و ملوی ہے۔ پھر آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ قوم کے خلاف آپ کی مدد کرے اور انہیں وہ سزا دے جس کے وہ مستحق ہیں فرمایا:

﴿رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ ۝﴾

"اے پروردگار! ہم میں اور ہماری قوم میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دے اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔" (الأعراف: 89/7)

آپ نے دعا فرمائی اور اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کی دعاؤں میں کیا کرتا، جب وہ تکبریں و دشمنی کے خلاف دعا فرمائیں۔ اس کے باوجود انہوں نے اپنی بد اعمالیوں پر قائم رہنے کا عزم کر لیا۔ چنانچہ ان کی قوم میں سے سردار لوگ جو کافر تھے کہنے لگے:

﴿لَبِئْسَ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ إِذًا خَاسِرُونَ ۝﴾

"(لوگو!) اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو بے شک تم خسارے میں پڑ گئے۔" (الأعراف: 90/7)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاقْتَدِهِمُ الرَّجْفَةُ ۚ فَاصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جُنُودًا ۝﴾

"تو ان کو زلزلے نے آکھڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔" (الأعراف: 78/7)

یعنی زمین لرزنے لگی، شدید زلزلہ آ گیا جس کی وجہ سے ان کے جسموں سے روئیں پرواز کر گئیں۔ ان کے بے جان لاشے ٹیٹھے کے ٹیٹھے رہ گئے۔ ان میں جان رہی نہ حرکت۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کئی طرح کی سزا سنائی ویں اور کئی طرح کے عذاب ان پر نازل کیے کیونکہ وہ بری عادتوں میں مبتلا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسا زلزلہ مسلط کیا جس سے وہ بے حس و حرکت ہو کر رہ گئے اور ایسی چیخ کا عذاب بھیجا کہ تمام آوازیں خاموش ہو گئیں اور ایسے بادل کا سایہ کیا جس سے ہر طرف

﴿لَقَدْ يَمَنُّونَ﴾

”تو شیعب اُن میں سے نکل آئے اور کہا کہ بھائی! میں نے تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچا دیا ہے اور تم بھاری خیر خواہی کی جتنی سوس کا فروں پر (عذاب نازل ہونے سے) رنج و غم کیوں کروں؟“ (الأعراف: 93/7)

یعنی ان لوگوں کے تباہ ہو جانے کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام ان کی بہتی سے یہ کہتے ہوئے چل دیے کہ میں نے پوری خیر خواہی کرتے ہوئے اللہ کے احکام مکمل طور پر تمہیں پہنچا کر اپنا فرض ادا کر دیا ہے اور جس جس طرح مجھ سے ہو رہا، میں نے ہر طریقے سے جہیں ہدایت سے سرفراز کرنے کی کوشش کی لیکن تم اس سے کوئی فائدہ نہ حاصل کر سکتے کیونکہ ہدایت دینا اللہ کے قبضے میں ہے۔ اس کے بعد تم پر آنے والے عذاب کا مجھے کوئی افسوس نہیں کیونکہ یہ تم ہی تھے جو ہدایت قبول کرتے تھے نہ رسوائی اور عذاب کے دن کا خوف محسوس کرتے تھے۔ اسی لیے فرمایا کہ میں کافروں پر (عذاب نازل ہونے سے) رنج اور غم کیوں کروں؟ یعنی میں ان لوگوں کا غم کیوں کروں جو حق قبول نہیں کرتے تھے بلکہ اسی کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔ اس کے نتیجے میں ان پر اللہ کا وہ عذاب آگیا جسے روکا جاسکتا ہے نہ اس کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے اور نہ کہیں اس سے پناہ مل سکتی ہے۔



﴿فَأَصْحَابُ فِي دَارِهِمْ جَبِيحِينَ﴾ ﴿الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا يَمَنُّونَ فِيهَا﴾ ﴿الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا هُمُ الْخَاسِرِينَ﴾

”اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے (یہ لوگ) جنہوں نے شعیب کی تکذیب کی تھی ایسے برباد ہو گئے گویا وہ اُن میں کبھی آباد ہی نہیں ہوئے تھے۔ (غرض) جنہوں نے شعیب کو جھٹلایا وہ خسارے میں پڑ گئے۔“ (الأعراف: 92,91/7)

اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو اور ان پر ایمان لانے والوں کو بھالایا۔ جیسا کہ ارشاد الہی ہے:

﴿وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَآلَيْهِنَا أَمْوَالَهُمْ بِرِجْمَةٍ يُضَوِّقُونَ﴾ ﴿وَأَخَذَتِ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ فَأَصْحَابُ فِي دَارِهِمْ جَبِيحِينَ﴾ ﴿كَانُوا يَمَنُّونَ فِيهَا﴾ ﴿أَلَا بَعْدُ لِمَدَّيْنِ كَمَا بَدَأْتُ سُودَ﴾ ﴿كَانُوا هُمُ الْخَاسِرِينَ﴾

”اور جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے شعیب کو اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے تھے ان کو توابی رحمت سے بھالایا اور جو ظالم تھے ان کو چٹھانے آدو بچا تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ گویا ان میں کبھی نئے ہی نہ تھے۔ سن رکھو کہ ان پر (وہی سی ہی) پھینکا رہے جیسی سود پر پھینکا رہوئی تھی۔“ (ہود: 95,94/11)

اور مزید فرمایا:

﴿وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لِبَنِيِّ النَّبِيِّ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ إِذًا لَّخُسْرُونَ﴾ ﴿فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْحَابُ فِي دَارِهِمْ جَبِيحِينَ﴾ ﴿الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا يَمَنُّونَ فِيهَا﴾ ﴿الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا هُمُ الْخَاسِرِينَ﴾

”اور ان کی قوم میں سردار لوگ جو کافر تھے کہنے لگے کہ (لوگو) اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو بے شک تم خسارے میں پڑ گئے۔ جب اُن کو زلزلے نے آ پکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے (یہ لوگ) جنہوں نے شعیب کی تکذیب کی تھی ایسے برباد ہو گئے گویا وہ اُن میں کبھی آباد ہی نہیں ہوئے تھے (غرض) جنہوں نے شعیب کو جھٹلایا وہ خسارے میں پڑ گئے۔“ (الأعراف: 92-90/7)

جب کہ وہ لوگ کہتے تھے:

﴿لِبَنِيِّ النَّبِيِّ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ إِذًا لَّخُسْرُونَ﴾ ﴿فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْحَابُ فِي دَارِهِمْ جَبِيحِينَ﴾ ﴿الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا يَمَنُّونَ فِيهَا﴾ ﴿الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا هُمُ الْخَاسِرِينَ﴾

”اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو بے شک تم خسارے میں پڑ گئے۔“ (الأعراف: 90/7)

﴿قَوْمُ﴾ کی بلاکت پر اظہار افسوس اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ پیغمبر نے قوم کی تباہی پر افسوس کا اظہار کیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَقَتَلُوا عَنْهُمْ وَقَالَ يَ قَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالِي رَبِّي وَصَحَّتْ لَكُمْ فَلَيْتَ أُنْصِي عَلَى قَوْمٍ﴾

نتائج و فوائد عن نبی و صحبہ

اصلاح کے بنیادی اصول: حضرت شعیب علیہ السلام کے قصے سے داعیانِ اہلِ اللہ کو اصلاح معاشرہ کے بنیادی اصول ملے ہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے تجارت میں دھوکہ دہی کی اخلاقی بیماری میں مبتلا قوم کی اصلاح کا ارادہ فرمایا تو قوم نے ان کی مصلحتوں کو دشمنوں کی سخت مخالفت کی۔ اور اپنے کردار عمل پر چٹائی سے وابستہ رہنے کا اظہار کیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کے اس باطل رد عمل کو اصلاح کے ان بنیادی اصولوں سے رد فرمایا:

﴿وَمَا أُوْدِيَ أَنْ أَخْلَقَكُمْ إِلَيَّ مَا أَنْهَكُمْ عَنْهُ ۖ إِنْ أُوْدِيَ إِلَّا الْإِصْلَاحُ مَا اسْتَطَعْتُ ۚ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ﴾

”میرا یہ ارادہ بالکل نہیں کہ تمہاری مخالفت کر کے خود اس چیز کی طرف جھک جاؤں جس سے تمہیں روک رہا ہوں۔ میرا ارادہ تو اپنی طاقت بھرا اصلاح کرنے کا ہی ہے۔ میری توفیق اللہ ہی کی مدد سے ہے۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔“ (حدود: 88/11)

آپ کے اس فرمان میں مصلحین کے لیے ارشاد ہے کہ ان کا عمل و کردار ہمیشہ ان کے اقوال کے موافق ہونا چاہیے کیونکہ اقوال کی نسبت کردار عمل زیادہ موثر ہوتا ہے۔ لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی واعظ و خطیب کتنا ہی بلند پایہ اور شیریں بیان کیوں نہ ہو اگر اس کا عمل اس کی گفتار کے مطابق نہ ہو تو لوگ اس سے متنفر ہو جاتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے ایسے داعیان کے لیے سخت وعید بیان فرمائی ہے جن کا عمل ان کی تبلیغ کے موافق نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا:

”قیامت کے روز ایک شخص کو لایا جائے گا، اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا اس کی آنتیں باہر نکلی ہوں گی اور وہ بچکی کے گدھے کی طرح ان کے گرد گھوم رہا ہوگا۔ چہنمی اس کے گرد گھوم رہے ہوں گے۔ اسے فلاں شخص! تجھے کیا ہوا؟ کیا تو ہمیں نیکی کی ہدایت کرتا اور برائی سے روکتا نہیں تھا؟ وہ کہے گا: میں تمہیں نیکی کا حکم دیتا تھا اور خود وہ کام نہیں کرتا تھا۔ تمہیں برائی سے روکتا تھا جبکہ خود اس کا ارتکاب کرتا تھا۔“

آپ نے دوسرا اصول یہ بیان فرمایا کہ میں حسب طاقت اصلاح کی کوشش کر رہا ہوں، اس سے داعیانِ اہلِ اللہ کو پر غلطی اور بے لوث دعوت دینے کا درس ملتا ہے۔ نیز آپ کے توکل علی اللہ اور اللہ تعالیٰ سے مدد و تائید حاصل کرنے سے بھی داعیانِ توحید کو درس ملتا ہے کہ وہ بھی ہمیشہ اپنا بھروسہ اپنے پروردگار پر رکھیں۔



”ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے بلاکت ہے کہ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔“ (المطففين: 3-1/83)

رسول اکرم ﷺ نے اس تجارتی برائی کے بارے میں بیان کرتے ہوئے فرمایا:

”جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے اس پر قسط سالی، سخت سخت اور حکمرانوں کا ظلم و ستم مسلط کر دیا جاتا ہے۔“^①



نماز برائیوں سے روکتی ہے: حضرت شعیب علیہ السلام کے قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز عقیدہ توحید کو اپنانے اور برائیوں کو ترک کرنے کا باعث بنتی ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام آپ کے پیروکار نماز کی ادائیگی کی وجہ سے شرک، دھوکہ دہی، فراڈ اور سامان تجارت میں ملاوٹ جیسی برائیوں سے محفوظ ہو گئے۔ جبکہ آپ کی قوم انہی بناہیوں کی وجہ سے تباہ و برباد ہو گئی۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم کو ان برائیوں سے روکا تا کہ وہ دنیا و آخرت میں سرخرو ہوں۔ آپ نے فرمایا:

﴿يَقُولُ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ ۖ وَلَا تَنقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِنَّ أَنْتُمْ لَأَنْتُمْ بِخَبِيرٍ ۚ وَاتَّقُوا عَذَابَ يَوْمٍ مُجِيبٍ ۖ وَيَقُولُ آؤفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا فِي الْأَرْضِ مَفْسِدِينَ ۝﴾

”اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور تم ناپ تول میں کمی نہ کرو۔ میں تو تمہیں آسودہ حال دیکھ رہا ہوں۔ اور مجھے تم پر گھبرنے والے دن کے عذاب کا خطرہ ہے۔ اے میری قوم! ناپ تول پورے پورے انصاف کے ساتھ کرو۔ لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو اور زمین میں فساد اور خرابی نہ پھیلے۔“

(ہود: 85/84/11)

تو سنے ان چند نصائح کو قبول کرنے کی بجائے استہرا کرتے ہوئے جواب دیا:

﴿يُشْعِبُ أَصْلُوكَ تَأْمُرُ أَنْ تَتْرَكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَنْ نَفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ ۝﴾

”اے شعیب! کیا تیری نماز تجھے یہی حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادوں کے معبودوں کو چھوڑ دیں اور ہم اپنے ماؤں میں حسب خواہش تصرف کرنا بھی چھوڑ دیں۔ تو تو ہماری باوقار اور نیک چلن آدمی ہے۔“ (ہود: 87/11)

یعنی قوم نے آپ کی دعوت توحید اور تجارت میں ایمان داری کی دعوت کو ترک کر کے ثابت کر دیا کہ نماز واقعی ان چیزوں کا حکم دیتی ہے۔ اگر وہ نماز ادا کرنے پر آمادہ ہو جاتے تو دعوت و توحید اور ایمان داری کو بھی قبول کر لیتے۔ بے شک نماز بے حیائی اور برائیوں سے روکتی ہے: ﴿إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْفِي عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ۝﴾

دھوکہ دہی اور ملاوٹ سے احتراز کا درس: حضرت شعیب علیہ السلام کے قصے سے ہمیں ایمان داری کا درس ملتا ہے۔ لوگوں کو دھوکہ دینا اور چیزوں میں ملاوٹ کرنا نیز ناپ تول میں ڈنڈی مارنا سخت اخلاقی جرائم ہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم انہی جرائم کی مرتکب تھی لہذا آپ کی مصلحانہ کوششوں کی ناکامی پر سخت عذاب کا شکار ہوئی۔

اسلام عدل و انصاف اور ایمان داری کی تلقین کرتا ہے جو لوگ دوسروں کو دھوکہ دے کر سامان دنیا جمع کرتے ہیں انہیں سخت وعید سنائی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۚ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۖ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۝﴾



حضرت اسماعیل علیہ السلام

سیرت حضرت اسماعیل علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کنی بیٹے تھے۔ ان میں سے زیادہ مشہور وہو بھائی ہیں جو عظیم نبی اور رسول ہیں۔ ان میں سے عمر میں بڑے اور عظمت و شان میں برتر وہ ہیں جو ذبح اللہ ہیں یعنی اسماعیل علیہ السلام جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے بیٹے ہیں اور حضرت ہاجرہ قطیہ علیہا السلام سے پیدا ہوئے۔ ان پر اللہ عظیم و جلیل کا سلام ہو۔

جو یہ کہتا ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام ذبح تھے، اس کا قول بنی اسرائیل سے ماخوذ ہے، جنہوں نے تورات و انجیل میں تحریف و تاویل کی ہے۔ بلکہ ان کے پاس جو کتابیں موجود ہیں، ان سے بھی اس موقف کی تردید ہوتی ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا تھا کہ اپنا پہلوئی کا بیٹا اللہ کی راہ میں قربان کریں اور ایک روایت کے مطابق اپنے اکلوتے بیٹے کو اللہ کی راہ میں ذبح کرنے کا حکم ہے۔

جو بھی ہو دلیل کی روشنی میں ذبح حضرت اسماعیل علیہ السلام ثابت ہوتے ہیں کیونکہ ان کی کتاب میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھیالیس برس تھی جب ان کے ہاں اسماعیل علیہ السلام کی ولادت ہوئی اور اسحاق علیہ السلام کی ولادت اس وقت ہوئی جب حضرت خلیل علیہ السلام کی عمر سو سال تھی۔ یعنی اسماعیل علیہ السلام ہی یقیناً پہلے بیٹے ہیں اور وہی ظاہری طور پر بھی اور معنوی طور پر بھی اکلوتے ہیں۔

الابراہیم انبیاء

گزشتہ اوراق میں بیان ہو چکا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کے ساتھ کیا معاملہ ہوا اور ان واقعات کے نتیجے میں کیا صورت حال پیش آئی؟ آپ پر اللہ کی رحمتیں اور سلام نازل ہو۔

ان کے زمانے میں پیش آنے والے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے واقعات و حالات بھی بیان کیے جا چکے ہیں۔ اس کے بعد ہم نے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم مدین کے حالات بیان کیے کیونکہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ان دونوں اقوام کا ذکر کیا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کے واقعات کے بعد قوم مدین کے حالات بیان کیے ہیں۔ صحیح قول کے مطابق اصحاب الایکہ سے قوم مدین ہی مراد ہے۔ چنانچہ قرآن کے انداز بیان کی اتباع میں ہم نے بھی ان اقوام کا ذکر اسی ترتیب سے کر دیا۔

اس کے بعد ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل کے بارے میں بیان کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبوت اور آسمانی کتابوں کا سلسلہ آپ کی اولاد میں رکھا ہے اور آپ کے بعد جو نبی بھی آیا ہے وہ آپ کی اولاد ہی میں سے آیا ہے۔

ایک (صفت) خاص (آخرت کے) گھر کی یاد سے ممتاز کیا تھا اور وہ ہمارے نزدیک منتخب اور نیک لوگوں میں سے تھے اور اسماعیل اور ابراہیم اور ذوالکفل کو یاد کرو۔ وہ سب نیک لوگوں میں سے تھے۔“ (ص: 48-45)

اور فرمایا:

﴿وَأَسْمِعُ لَكُمْ آيَاتِي الَّتِي كُنْتُ أَفْعَلُ مِنْكُمْ مِنْ الصَّابِرِينَ ۖ وَآدَخَلْنَاهُمْ فِي رَحْمَتِنَا ۖ إِنَّهُمْ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝﴾

”اور اسماعیل اور ابراہیم اور ذوالکفل (کو بھی یاد کرو) یہ سب مبرک کرنے والے تھے اور ہم نے اُن کو اپنی رحمت میں داخل کیا۔ بلاشبہ تمہیکو کرتے۔“ (الانبیاء: 86/51/21)

اور مزید فرمایا:

﴿إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالْحَبِشِينَ مِنْ بَعْدِهِ ۖ وَأَوْحَيْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَآلِ سَبَاطٍ ۖ﴾

”(اے نبی!) ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح اور اُن کے بعد آنے والے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی، اور ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور ان کی اولاد (و نیز وہ کی طرف وحی بھیجی۔“ (النساء: 163/4)

نیز ارشاد ہے:

﴿قُولُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَآلِ سَبَاطٍ ۖ﴾

”(مسلمانو!) کہہ دو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو (کتاب) ہم پر اُتری اُس پر اور جو (صحیفے) ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اُن کی اولاد پر نازل ہوئے اُن پر (بھی ایمان لائے۔“ (البقرة: 136/2)

اور فرمایا:

﴿أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَآلِ سَبَاطٍ كَانُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۚ قُلْ إِنَّمَا أَعْلِمُهُمْ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ يَهُودَ وَلَا نَصَارَىٰ ۖ﴾

”(اے یہود و نصاریٰ!) کیا تم اس بات کے قائل ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اُن کی اولاد یہودی یا عیسائی تھے؟ (اے نبی!) ان سے کہہ دو کہ ہملا تم زیادہ علم رکھتے ہو یا اللہ؟“ (البقرة: 140/2)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی ہر خوبی بیان فرمائی۔ آپ کو اپنا نبی اور رسول بنا کر مخاطب کیا اور جابلوں نے آپ کی طرف جو غلط باتیں منسوب کی تھیں، ان کی تردید فرماتے ہوئے آپ کو مزبور پاک بیان فرمایا اور مومنوں کو حکم دیا کہ آپ پر نازل ہونے والی وحی و ہدایت پر ایمان رکھیں۔

علمائے نسب کا بیان ہے کہ سب سے پہلے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے گھوڑوں پر سواری کی۔ اس سے پہلے گھوڑے آ زنا و جنگی

ظاہری صورت میں اکیلے اس طرح کہ وہ تیرہ سال تک اپنے والد محترم کی اکیلی اولاد رہے اور معنوی طور پر اکیلے اس طرح کہ وہ دودھ پیتے پیتے جیتے جتے جب انہیں اور ان کی والدہ کو نے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اور انہیں فاران کے پہاڑوں میں جا بسایا۔ فاران کے پہاڑ وہ ہیں جو مکہ کے ارد گرد ہیں۔ وہاں تھوڑا سا پانی اور تھوڑی سی غذا کے کرٹھیرایا اور صرف اللہ پر اعتماد اور توکل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کی اور کرم فرمایا۔ یقیناً اللہ بہترین کارساز اور بہترین محافظ و نگہبان ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ظاہری طور پر بھی اور حقیقی طور پر بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ”اکیلے“ اور ”انگھوٹے“ تھے لیکن اس کھٹے کو کوئی ہاشور نکلتا وہاں ہی سمجھ سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی تعریف کرتے ہوئے آپ کے یہ اوصاف بیان فرماتا ہے کہ آپ علم اور صبر والے تھے۔ وعدے کے سچے اور نماز کے پابند تھے۔ آپ اپنے گھر والوں کو بھی نماز کا حکم دیتے تھے تاکہ انہیں عذاب سے بچاسیں اور دوسروں کو بھی یہی دعوت دیتے تھے کہ اللہ رب العالمین کی عبادت کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَبَشِّرْهُ بِعَلِيمٍ حَلِيمٍ ۖ قُلْنَا بَلِّغْ مَعَهُ السَّعْيَ ۚ قَالَ يَبْنَؤُا إِلَىٰ آذَىٰ فِي الْمَتَارِ ۖ آتَىٰ أَذْبَحَكَ ۖ قَانظَرُ مَاذَا تَرَىٰ ۚ قَالَ يَأْتِي أَفْعَلُ مَا تُؤْمَرُ ۖ سَجِدَ ۖ إِنَّ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ ۝﴾

”تو ہم نے اُن کو ایک نرم دل کے کی خوشخبری دی۔ جب وہ اُن کے ساتھ دوڑنے کی (مر) کو پہنچا تو ابراہیم نے کہا: بیٹا! میں خواب میں دیکھتا ہوں (گویا) تم کو ذبح کر رہا ہوں۔ اب تم دیکھو کہ تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا: ابا جان! جو آپ کو حکم ہوا ہے وہی کیجیے۔ اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔“ (الصافات: 102, 101/37)

آپ کے والد نے آپ کو جس قربانی کی طرف بلایا، آپ نے اسے دل و جان سے قبول فرمایا۔ آپ نے صبر کا وعدہ کیا تو وعدہ پورا بھی کیا اور صبر و استقامت کا مظاہرہ کر کے دکھایا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَأَذِّنْ فِي النَّبِیِّ إِسْمَاعِيلَ ۖ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ ۖ وَكَانَ رَسُولًا نَّبِیًّا ۖ وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلٰوةِ وَزَكٰوةٍ ۖ وَكَانَ عَنْدَ رَبِّهِ مَرْضِیًّا ۖ﴾

”اور کتاب میں اسماعیل کا بھی ذکر کرو دو وعدے کے سچے اور (ہمارے) پیغمبر بھی ہوئے تھے اور اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم کرتے تھے اور اپنے پروردگار کے ہاں پسندیدہ (اور برگزیدہ) تھے۔“ (مربہ: 55, 54/19)

اور فرمایا:

﴿وَأَذِّنْ عَبْدًا لِلَّهِ ۖ وَاسْمُ الْعَبْدِ الْأَبْدِيُّ وَالْأَبْدَارُ ۖ إِنَّا أَخْلَصْنَاهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَىٰ الدَّارِ ۖ وَإِنَّهُمْ عَنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفٰیْنَ الْخَیَارِ ۖ وَأَذِّنْ لِرُسْمِیْنِ ۖ وَذَا الْكَفْلِ ۖ وَذَا الْكَفْلِ ۖ﴾

”اور ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کو یاد کرو جو باتوں والے اور آنکھوں والے تھے، ہم نے اُن کو

اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی نازل فرمائی: ”آپ جس جگہ دفن ہوں گے، میں وہاں سے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دوں گا اور آپ کو قیامت تک جنت کی ہوا آتی رہے گی۔“
 حجاز کے تمام عرب قبائل حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دو بیٹوں ثابت اور قیدار کی اولاد سے ہیں۔



جانوروں میں شامل تھے آپ نے انہیں پالتو بنایا اور ان پر سواری فرمائی۔
 سب سے پہلے آپ ہی نے فصیح و بلیغ عربی میں کاہم فرمایا۔ آپ نے یہ زبان عرب عارِ بہ ان افراد سے سیکھی تھی جنہوں نے کہہ میں آپ کے پاس رہائش اختیار کی تھی۔ ان لوگوں کا تعلق جرہم، غمالیق، اہل یمن اور ان دوسرے عرب قبائل سے تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے موجود تھے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی اور اولاد

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جوان ہونے پر غمالیق کی ایک عورت سے شادی کی جسے بعد میں اپنے والد کے حکم پر طلاق دے دی۔ اس کا نام عمارۃ بنت سعد بن اسامہ بن اکیل غمالیقی تھا۔ اس کے بعد ایک اور خاتون سے نکاح کیا جن کے بارے میں ان کے والد نے حکم دیا کہ ان سے جدائی اختیار نہ کریں۔ چنانچہ وہ آپ کے نکاح میں رہیں ان کا نام سیدہ بنت مضاض بن عمرو جزمی تھا۔

بعض مورخین نے انہیں آپ کی تیسری زوجہ محترمہ قرار دیا ہے۔ ان میں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے پیدا ہوئے۔ ان کے نام یہ ہیں: ناسبت، قیدار، ازبل، میثی، مسمع، ماش، دوصا، آزر، یطور، نبش، طلیما، قیدما اہل کتاب نے اپنی کتاب میں ایسے ہی لکھا ہے۔^①

حضرت اسماعیل علیہ السلام اس علاقے اور قرب وجوار کے قبائل کی طرف مبعوث ہوئے تھے جن میں جرہم اور غمالیق کے قبائل اور یمن کے باشندے شامل ہیں۔ جب آپ کی وفات کا وقت آیا، تو آپ نے اپنے بھائی حضرت اسحاق علیہ السلام کو اپنا قائم مقام مقرر کیا اور اپنی بیٹی نسمہ کی شادی اپنے بھتیجے عیسیٰ بن اسحاق علیہ السلام سے کر دی۔^② اس سے عیسیٰ کا بیٹا ”روح“^③ پیدا ہوا۔ عیسیٰ کے بیٹے بنی نصر کہلاتے ہیں، کیونکہ عیسیٰ زرد رُو تھا۔

اللہ کے نبی حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنی والدہ حضرت ہاجرہ علیہ السلام کے قریب ”حجر“ میں دفن کیے گئے۔ وفات کے وقت ان کی عمر ایک سو پینتیس برس تھی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کہہ کر مدینہ کی گری کی شہادت کی تو بائبل کے موجودہ نسخہ میں یہ نام کچھ مختلف ہیں۔ کتاب پیدائش میں لکھا ہے: ”اور اسماعیل کے بیٹوں کے نام یہ ہیں اور یہ نام ترتیب وار ان کی پیدائش کے مطابق ہیں: اسماعیل کا پہلا کائنات ثبوت تھا۔ پھر قیدار اور ازبل اور عیسیٰ اور دوصا اور نبش اور دواور تیار اور یطور اور نبش اور قیدار۔“ (پیدائش باب 24، فقرہ 13، 14، 15) عربی نسخہ میں حد کو ”حدار“ اور نبش کو نبش لکھا گیا ہے۔ (حوالہ مذکورہ)

② [عیسیٰ] کا نام بائبل میں [عیسیٰ] مذکور ہے اور [نسمہ] کا نام [نسمہ] بتایا گیا ہے۔ (پیدائش 3:36)

③ بائبل میں اسے [رعوبیل] کہا گیا ہے۔ دیکھیے کتاب پیدائش 4:36

کریم، یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام۔“

حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد اور ان کی باہمی عداوت اور سب

اہل کتاب کہتے ہیں کہ حضرت اسحاق علیہ السلام نے اپنے والد کی زندگی میں رفقا^① بنت بتو اہل سے شادی کی، اس وقت ان کی عمر چالیس سال تھی وہ بائیس تھی۔ آپ نے اللہ سے دعا کی وہ امید سے ہو گئی۔ پھر اس کے ہاں دے بیٹے پیدا ہوئے۔ ایک کا نام یسوع تھا جسے اہل عرب عیسیٰ کہتے ہیں۔ وہ روہیوں کا جدا جدا ہے۔ اور دوسرا جو اپنے بھائی کی اہلیہ کی پکڑ سے ہوئے پیدا ہوا، اس کا نام ”یعقوب“ رکھا گیا۔ ان کا نام ”اسرائیل“ بھی ہے۔ اسی لیے ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلاتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسبت عیسو سے زیادہ محبت تھی۔ کیونکہ وہ ان کا پہلو بنا بیٹا تھا اور رفقا کو یعقوب سے زیادہ محبت تھی کیونکہ وہ چھوٹے تھے۔

① اولاد اسحاق علیہ السلام کی باہمی عداوت اور سب: جب حضرت اسحاق علیہ السلام بڑھے ہو گئے اور ان کی نظر کمزور ہو گئی تو انہوں نے اپنے بیٹے عیسو سے کھانا تیار کرنے کی خواہش ظاہر کی اور اسے حکم دیا کہ جا کر کوئی جانور شکار کرے اور اس کا گوشت پکا کر کھلائے تاکہ آپ اس حق میں خیر و برکت کی دعا کریں۔ عیسو شکار پیش آ دی تھا، وہ شکار کی تلاش میں نکل گیا۔ رفقا نے اپنے بیٹے یعقوب سے کہا کہ اپنی بکریوں میں سے دو عمدہ بھینے ذبح کر کے اپنے والد کی پسند کا کھانا تیار کرے اور بھائی کے آنے سے پہلے والد کو پیش کر دے تاکہ وہ اس حق میں دعا کریں۔ پھر اس نے یعقوب کو عیسو کے کپڑے پہنا دیے اور عیسو کی کھال اس کے بازوؤں اور گردن پر لپیٹ دی کیونکہ عیسو کے جسم پر بہت بال تھے اور یعقوب علیہ السلام کا جسم بالوں سے صاف تھا۔ جب اس نے کھانا لاکر پیش کیا تو اسحاق علیہ السلام نے فرمایا: ”تو کون ہے؟“ اس نے کہا: ”آپ کا بیٹا (عیسو) ہوں۔“ آپ نے اس سے معاف کیا اور فرمایا: ”آواز تو یعقوب کے ہے لیکن چھپو نے اور کپڑوں سے عیسو معلوم ہوتا ہے۔“ جب حضرت اسحاق علیہ السلام نے کھانا کھا لیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو دعا دی کہ وہ اپنے تمام بھائیوں سے زیادہ معزز ہو، وہ ان کا اور بعد والی قوموں کا سردار ہو اور اس کا رزق اور اولاد بہت زیادہ ہو۔

جب وہ آپ کے پاس سے نکلے تو ان کا بھائی عیسو بھی والد کے حکم کے مطابق کھانا لے کر حاضر ہوا۔ حضرت اسحاق علیہ السلام نے فرمایا: ”بیٹا! کیا ہے؟“ اس نے کہا: ”یہ وہ کھانا ہے جس کی آپ نے خواہش کی تھی۔“ آپ نے فرمایا: ”کیا تو تھوڑی دیر پہلے میرے پاس کھانا نہیں لایا تھا جسے کھا کر میں نے تجھے دعا دی تھی؟“ اس نے کہا: ”نہیں، اللہ کی قسم!“ اسے

① صحیح البخاری، احادیث الانبیاء، باب ”ہم کثرت شہادہ.....“ حدیث: 3382

② اردو بائبل میں رفقہ بنت بتو کیل روئے ہے۔



حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے فرزند ارجمند

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کے وقت آپ کے والد ماجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سال تھی۔ آپ کی والدہ حضرت سارہ علیہا السلام کو جب آپ کی ولادت کی خوش خبری دی گئی تو وہ نوے سال کی تھیں۔ آپ اپنے بھائی حضرت اسماعیل علیہ السلام سے چودہ سال بعد پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَبَشِّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ۖ وَبَوَكَّرْنَا عَلَيْهِ وَعَلَىٰ إِسْحَاقَ ۚ وَمِن دُونِهِمَا مَعِينٌ ۖ وَكَانَ لِنَفْسِهِ مِثْقَالٌ ۝﴾

”اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق کی بشارت بھی دی (کہ وہ) نبی (اور) نیکو کاروں میں سے (ہوں گے) اور ہم نے اُن پر اور اسحاق پر برکتیں نازل کی تھیں۔ اور ان دونوں کی اولاد میں سے نیکو کار بھی ہیں اور اپنے آپ پر صریح ظلم کرنے والے (یعنی گناہ گار) بھی ہیں۔“ (الصافات: 112/37)

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آپ کا ذکر اور تعریف موجود ہے۔ ہم نے گزشتہ اوراق میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کریم شخصیت کے پڑپوتے، کریم کے پوتے، کریم کے بیٹے اور خود بھی

آپ نے سات سال مزید خدمت کی۔ تب ان کا نکاح راجیل سے بھی ہو گیا۔ ان کی شریعت میں یہ جائز تھا کہ ایک شخص وہ ہنسوں کو بیک وقت نکاح میں رکھے۔ پھر تو رات میں اس سے منع کر دیا گیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ گزشتہ انبیاء کی شریعتوں میں بھی احکام منسوخ ہوتے رہے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے اس عمل سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے کیونکہ وہ معصوم تھے۔ لابان نے اپنی دونوں بیٹیوں کو ایک ایک لونڈی دی۔ ”یسا“ کو جو لونڈی دی گئی اس کا نام زلیٰ تھا اور راجیل کی لونڈی کا نام بیلہ تھا۔

آل اولاد: اللہ تعالیٰ نے لٹا کی کمزوری دور کی کہ انہیں کئی عطا فرما دیے۔ یعقوب سے ان کے ہاں سب سے پہلے ”روئیل“ پیدا ہوا۔ پھر ”شمعون“ پھر ”لاوی“ پھر ”یہودا“۔ جب راجیل کو نصیرت آئی کیونکہ ان کے ہاں اولاد نہیں ہو رہی تھی اس نے اپنی لونڈی بیلہ یعقوب کو ہمہ کردی۔ آپ نے اس سے غلطی کی تو وہ امید سے ہو گئی اور اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا، جس کا نام ”دان“ تھا۔ اس کے بعد ایک اور لڑکا ہوا۔ اس نے اس کا نام ”نفتالی“ رکھا۔ جب ”یسا“ بھی اپنی لونڈی زلیٰ کی یعقوب علیہ السلام کو ہمہ کردی۔ اس سے آپ کے دو لڑکے ”جاد“ اور ”اشیر“ پیدا ہوئے۔ پھر لٹا کے ہاں پانچواں بیٹا پیدا ہوا۔ اس نے اس کا نام ”اساخرا“ رکھا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا پیدا ہوا، اس کا نام ”راہلون“ رکھا گیا۔ اس کے بعد اس کے ہاں ایک بیٹی ”وینا“ پیدا ہوئی۔ اس طرح اس کے ہاں حضرت یعقوب علیہ السلام کے سات بچے پیدا ہوئے۔

اس کے بعد راجیل نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اسے حضرت یعقوب علیہ السلام سے ایک بیٹا عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول کی اور اس کے ہاں حضرت یعقوب علیہ السلام سے ایک عظیم، معزز اور خوبصورت بیٹا پیدا ہوا جس کا نام اس نے ”یوسف“ رکھا۔

یہ تمام اولاد اس وقت ہوئی جب وہ لوگ ”حران“ کے علاقے میں رہائش پذیر تھے۔ آپ اپنی دو ماموں زادوں سے نکاح کے بعد مزید چھ سال اپنے ماموں کے پاس رہ کر ان کی بکریاں چراتے رہے۔ اس طرح آپ کی وہاں رہنے کی کل مدت بیس سال ہے۔

مال و متاع: جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے ماموں لابان سے درخواست کی کہ انہیں اپنے گھر جانے دے۔ آپ کے ماموں نے کہا: ”مجھے تیری وجہ سے برکت حاصل ہوئی ہے، اس لیے میرے مال سے جو کچھ چاہے طلب کر لے۔“ آپ نے فرمایا: ”مجھے کبریاں سے اس سال پیدا ہونے والے دو بچے دے دینا جو چاہے ہوں جو بھی کچھ کچھ سفید ہوگیں اس کے رنگ میں سیاہ بھی ہو اور جو سیاہ ہوگیں اس میں سفیدی بھی ہو اور بکر بر میں سے جو بے بیگ اور سفید ہو۔“ اس نے کہا: ”ٹھیک ہے۔“ اس کے بیٹوں نے اپنے باپ کے ریوڑ میں سے اس قسم کے بکرے الگ کر دیے، تاکہ کوئی میناس اس طرح کا پیدا نہ ہو اور انہیں لے کر اپنے باپ کے ریوڑ سے تین دن کے فاصلے پر چلے گئے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بادام اور سفید لے کر انہیں چھپا دیا اور انہیں کہیں سے سیاہ اور کہیں سے سفید کر

معلوم ہو گیا کہ اس کا بھائی (یعقوب) اس سے پہلے کھانا پیش کر کے دعا لے چکا ہے چنانچہ اسے اس پر بہت غصہ آیا۔ اہل کتاب کہتے ہیں کہ اس نے بھائی کو جھکی دی کہ باپ کی وفات کے بعد اسے قتل کر دے گا۔ اس کے مطالبے پر اس کے والد (اسحاق علیہ السلام) نے اس کے لیے دوسری دعا کی کہ اس کی اولاد کو سخت (اور زرخیز) زمین ملے اور ان کے رزق اور پہلوں میں اضافہ ہو۔

جب ان کی ماں نے سنا کہ یہ دعا اپنے بھائی یعقوب کو دھمکیاں دے رہا ہے تو اس نے یعقوب سے کہا کہ اپنے ماموں ”لابان“ کے پاس حران کے علاقے میں چلا جائے اور بھائی کا غصہ ٹھنڈا ہونے تک وہیں رہے اور اس کی بیٹیوں میں سے کسی سے شادی نہ کر لے۔ اس نے اپنے خاندان اسحاق علیہ السلام سے بھی کہا کہ یعقوب کو ایسا کرنے کی نصیحت کرے اور اسے دعا دے۔ چنانچہ اسحاق علیہ السلام نے ایسے ہی کیا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے پچھلے پیر روانہ ہوئے۔ راستے میں شام ہو گئی تو وہ ایک جگہ پتھر پر سر رکھ کر سو گئے۔ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ زمین سے آسمان تک ایک سیڑھی لگی ہوئی ہے جس پر فرشتے چڑھ اور اتر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں (یعقوب علیہ السلام) کو مخاطب کر کے فرما رہا ہے: ”میں تجھے برکت دوں گا اور تیری اولاد بہت بڑھاؤں گا اور یہ زمین تجھے اور تیری نسل کو دوں گا۔“ جب آپ بیدار ہوئے تو اس خواب کی وجہ سے بہت خوش تھے۔ آپ نے نذر مانی کہ اگر وہ سلامتی سے گھر پہنچ گئے تو اس مقام پر اللہ کی عبادت گاؤں تعمیر کریں گے اور اللہ تعالیٰ آپ کو جو کچھ بھی دے گا اس کا دھواں حصہ اللہ کے لیے دیں گے۔ پھر آپ نے اس پتھر پر بلور نشانی تھیل لگا دیا۔ اس جگہ کا نام ”بیت ایل“ یعنی بیت اللہ رکھا گیا۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں آج کل بیت المقدس واقع ہے جسے حضرت یعقوب علیہ السلام نے بعد میں بنایا تھا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی حران آمد اور شادی

جب حضرت یعقوب علیہ السلام حران کے علاقے میں اپنے ماموں کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ان کی دو بیٹیاں ہیں۔ بڑی کا نام لٹا تھا اور چھوٹی کا نام راجیل۔ آخر اللہ کی زیادہ خوش شکل تھی۔ یعقوب نے اس کا رشتہ طلب کیا تو اس (لٹا کی) کے والد (لابان) نے یہ مطالبہ اس شرط پر منظور کر لیا کہ آپ سات سال تک اس کی بکریاں چرائیں۔ جب یہ مدت پوری ہو گئی تو لابان نے لوگوں کو جمع کیا اور کھانا کھلایا۔ رات کو اپنی بڑی بیٹی لٹا کو یعقوب کے پاس بھیج دیا۔ اس کی آنکھیں بچھڑی تھیں۔ صبح ہوئی تو یعقوب علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ انہوں نے لٹا کے ساتھ رات گزاری ہے تو انہوں نے اپنے ماموں سے کہا: میں نے تو آپ سے راجیل کا رشتہ مانگا تھا۔ اس نے کہا: ہمارے ہاں یہ رواج نہیں کہ بڑی سے پہلے چھوٹی کی شادی کر دیں۔ اگر تم راجیل سے نکاح کرنا چاہتے ہو تو سات سال مزید میری خدمت کرو، میں اس کا نکاح تم ہی سے کر دوں گا۔“

دیا۔ وہ انہیں بھیج کر یوں کے پانی پینے کی جگہ ان کے سامنے کھڑی کر دیتے تھے۔ تاکہ بکریاں انہیں دیکھیں اور ان سے خوف محسوس کریں اور ان کے بیچے ان کے بیٹوں میں حرکت کریں، تو ان بچوں کے رنگ بھی اسی طرح (چمکتے رہے) ہو جائیں۔

اگر یہ بات صحیح ہے تو اسے خرق عادت اور عجزات کی قبیل کے شمار کرنا چاہیے۔^①

اس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس بہت سی بکریاں، اونٹ، گدھے اور غلام وغیرہ ہو گئے۔ تب یعقوب علیہ السلام نے محسوس کیا کہ آپ کے ماموں اور ماموں کے بیٹوں کا رویہ بدل گیا ہے اور وہ آپ سے حسد کرنے لگے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو وحی کے ذریعے سے حکم دیا کہ اپنے باپ دادا کے علاقے میں واپس چلے جائیں۔ انہوں نے اپنے بیوی بچوں کو بتایا تو وہ تیار تیار ہو گئے۔ آپ اپنے بیوی بچوں اور مال (جانوروں) کو لے کر چل پڑے۔ چلتے وقت راحیل اپنے والد (لابان) کے بت چلے آئے۔

جب وہ لوگ اپنے علاقے میں پہنچے تو پیچھے سے لابان اور اس کی قوم کے افراد بھی آ پہنچے۔ لابان نے یعقوب سے اس بات پر ناراضی کا اظہار کیا کہ وہ بغیر بتائے کیوں نکل آئے۔ اگر وہ بتا کر آتے تو وہ انہیں خوشی خوشی روانہ کرتا اور اپنی بیٹیوں اور ان کی اولاد کو خود الوداع کہتا۔

اور اس نے یہ بھی کہا کہ تم میرے بت کیوں لے آئے ہو؟ حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان بتوں کے بارے میں بالکل علم نہ تھا، اس لیے آپ نے اس انہدام کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ لابان اپنی بیٹیوں اور ان کی لونڈیوں کے خیموں میں داخل ہوا اور تلاش کی، لیکن اسے کچھ نہ ملا۔ راحیل ان بتوں کو اونٹ کے کپڑے میں رکھ کر ان پر بیٹھ گئی تھی وہ وہاں سے نہ اٹھی اور یہ عذر پیش کیا کہ وہ ایام سے ہے، اس لیے بزرگوں کے سامنے کھڑی نہیں ہو سکتی۔ اس طرح لابان بتوں کو تلاش کر نہ سکا۔

اس وقت انہوں نے ”جلعاد“ نام کے ایک ٹیلے کے پاس باہمی عہد و پیمانہ کیا کہ یعقوب اس کی بیٹیوں کی اہانت نہیں کریں گے اور ان کی موجودگی میں مزید عورتوں سے شادی نہیں کریں گے اور یہ ٹیلہ دونوں کے درمیان حد فاصل ہوگا جس سے نہ لابان تجاوز کرے گا نہ یعقوب۔ وہاں انہوں نے کھانا تیار کیا اور سب نمل کر کھانا کھایا۔ پھر ایک دوسرے سے رخصت ہو کر اپنے اپنے علاقے میں چلے گئے۔

جب حضرت یعقوب علیہ السلام ”ساعیر“ کی سرزمین کے قریب پہنچے تو فرشتوں نے آپ کا استقبال کیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بھائی یعقوب کی طرف اپنی بیٹیج کر اس سے مہربانی اور شفقت کی درخواست کی۔ انہیں نے واپس آ کر اطلاع دی کہ یعقوب جو ساموروں کے ساتھ ملاقات کے لیے آ رہا ہے۔

① بائبل کے موجودہ نسخوں میں لکھا ہے کہ جب بکریاں ان شاخوں کے سامنے حائل ہوتی ہیں تو اس طرح کے بیچے پیدا ہوتے تھے (پیدائش: باب 30) تاہم بائبل کے بنیادی اس واقعہ میں کون کونسا حاکم ثابت کرنے کے لیے بات و یاات کا سہارا لینا پڑے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس سے خطرہ محسوس کیا۔ آپ نے اللہ سے بہت گڑگڑا کر عاجزی سے دعا مانگی اور اللہ کو اس کے وعدے کا واسطہ دیا اور دعا کی کہ اللہ آپ کو آپ کے بھائی یعقوب کے شر سے محفوظ رکھے۔ آپ نے یعقوب کے لیے عظیم الشان تحفہ تیار کیا۔ یعنی دوسو بکریاں، بیس بکریے، دوسو بھیڑیں، بیس مینڈھے، تیس دودھ دینے والی اونٹیاں، چالیس گائیں، دس بیل، بیس گدھیاں اور دس گدھے۔

آپ نے اپنے غلاموں سے کہا کہ ہر غول کو الگ کریں اور ہر پرد کو دوسرے سے فاصلہ پر رکھیں۔ جب یعقوب پہلے گروہ سے ملے اور پوچھے: ”تو کون ہے؟ اور تیرے ساتھ جو کچھ ہے وہ کس کا ہے؟“ تو اسے چاہیے کہ کہے: ”تیرے خادم یعقوب کے ہیں، جو اس نے میرے آقا یعقوب کے لیے تحفہ کے طور پر بھیجے ہیں۔“ اس کے بعد ملنے والا گروہ بھی یہی کہے اور اس کے بعد والا بھی اور اس کے بعد والا بھی اور ہر گروہ یہی کہے: ”یعقوب بھی ہمارے پیچھے آ رہے ہیں۔“

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنی دونوں بیویوں، دونوں لونڈیوں اور گیارہ بیٹوں کے ساتھ دودھ راتوں کے فاصلے تک ان سے پیچھے رہے۔^② اس دوران میں وہ رات کو سفر کرتے اور دن کو کھپ جاتے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیوی بچوں کے آگے آگے چلے اور جب انہیں اپنا بیٹا یعقوب نظر آیا تو اسے سات بائبرہہ کیا۔ اس زمانے میں ان کے سلام کا یہ طریقہ تھا اور ان کی شریعت میں جائز تھا جس طرح فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا اور جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائی اور والدین نے سجدہ کیا۔ تفصیل حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں آئے گی۔

جب یعقوب نے آپ کو دیکھا تو آگے بڑھ کر آپ سے گفتگو ہو گیا اور بوسہ دیا اور دیا۔ پھر اس نے نظر اٹھائی اور عورتوں اور بچوں کو دیکھا۔ اس نے کہا: ”آپ کو یہ سب کچھ کہاں سے ملا؟“ آپ نے فرمایا: ”یہ سب کچھ آپ کے خادم کو اللہ نے دیا ہے۔“ دونوں لونڈیوں اور ان کے بچوں نے بھی آگے بڑھ کر سجدہ کیا۔ پھر راحیل اور اس کا بیٹا یوسف آگے بڑھے اور انہوں نے سجدہ کیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ سب دیکھ کر خوش ہوئے جو آپ کے اصرار کرنے پر اس نے قبول کر لیا۔ تب یعقوب واپس ہوا اور آگے آگے چلا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیوی بچوں، جانوروں اور غلاموں کے ساتھ ان کے پیچھے پیچھے سامعیر کی طرف روانہ ہو گئے۔

جب آپ ساحور^③ کے مقام سے گزرے تو اپنے لیے ایک گھر بنایا اور جانوروں کے لیے چھوٹے بنائے۔ پھر شجر^④ کے شہر اور شہیم (ہیرولم) کے پاس سے گزرے۔ وہاں آپ نے شہر کے قریب ڈیرے لگائے۔ آپ نے شجر بن جمور سے سو

① بائبل کے موجودہ نسخوں میں صرف ایک رات کا ذکر ہے جس میں بعل اہل کتاب فرشتے سے کشمی ہوئی۔ شاید ابن کثیر رحمہ اللہ کے دور کی بائبل میں دونوں راتوں کا ذکر ہو۔ ان نسخوں میں ہر دور میں رد و بدل ہوتا رہا ہے۔ اس کے مفصل دلائل کے لیے دیکھیے۔ ”اظہار الحق“ یا اس کا اردو ترجمہ ”بائبل سے قرآن تک“۔

② اردو بائبل میں سکاٹ سے عربی نسخے میں اسے سکوت کہا گیا ہے۔ (پیدائش: 16/33)

③ اردو بائبل میں سکاور بنی بائبل میں شہیم ہے۔ (پیدائش: 18/33) آج اس سے نام سکاٹ کہا جاتا ہے۔

بھیسروں کے عوض زمین کا ٹکڑا خرید لیا۔^① وہاں آپ نے اپنا خیمہ لگایا اور ایک مذبح بنایا اور اس کا نام ”اہل“ الہ اسرائیل رکھا۔ آپ کو اللہ نے اس کی تعمیر کا حکم دیا تھا تا کہ اس میں اللہ کا ذکر کیا جائے۔ یہی آج کل بیت المقدس کے نام سے معروف ہے۔ اسی کو بعد میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے سنہ سرے سے تعمیر فرمایا تھا۔ یہ اسی چٹان (صخرہ) کی جگہ تعمیر کیا گیا، جس پر حضرت یعقوب علیہ السلام نے تیل ڈال کر نشان سلیمان علیہ السلام کے پہلے بیان ہوا۔

اس کے بعد رامیل کے ہاں ایک بیٹا ”بنیامین“ پیدا ہوا۔ انہیں ولادت کے موقع پر درد زہ کی سخت تکلیف ہوئی اور وہ بنیامین کی ولادت کے بعد فوت ہو گئیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کو ”افرائیم“ یعنی بیت لحم کے مقام پر دفن کیا اور یعقوب نے ان کی قبر پر ایک چتر نصب کر دیا۔ وہ آج تک ”رامیل کی قبر“ کے طور پر مشہور ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے: روبیل، شمعون، لاوی، یہودا، ایساخار اور زابلون۔ ”رامیل“ سے یوسف اور بنیامین۔ رامیل کی لونڈی [بلعہ] سے دان اور نفتالی۔ اپنا کی لونڈی ژلفی سے عا دا اور اشیر۔ اپنا سے ایک بیٹا [یہی] تولد ہوئی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کے نام

فصل الانبیاء	عربی بائبل	اردو بائبل	انگریزی تلفظ
روبل	راوبین	روبن	Reuben
شمعون	شمعون	شمعون	Simeon
لاوی	لاوی	لاوی	Levi
یہودا	یہودا	یہودا	Judah
دان	دان	دان	Dan
نفتالی	نفتالی	نفتالی	Naphtali
جاد	جاد	جد	Gad
اشیر	اشیر	آشر	Asher
ایساخار	یساکو	اشارکار	Issachar

① بائبل میں ہے: اور زمین کے جس قطعہ پر اس نے اپنا خیمہ لگایا تھا اسے اس نے سکر کے باپ حمور کے لڑکوں سے چاندی کے سونے دے کر خرید لیا۔ (پیدائش: 33/19)

فصل الانبیاء	عربی بائبل	اردو بائبل	انگریزی تلفظ
زابلون	زابولون	زبولون	Zebulun
یوسف	یوسف	یوسف	Joseph
بنیامین	بنیامین	بنیامین	Benjamin

بکوال کتاب پیدائش باب 29، 30، 35

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے والد حضرت اسحاق علیہ السلام کے پاس آ گئے اور کنعان (حبرون) کے علاقے میں اپنے والد کے پاس رہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام رہتے تھے۔ حضرت اسحاق علیہ السلام ایک سو اسی سال کی عمر میں بیمار ہو کر فوت ہو گئے اور آپ کے بیٹوں یسوا اور یعقوب علیہ السلام نے آپ کو آپ کے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قریب اس غار میں دفن کیا جو انہوں نے خرید ا تھا جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔^① ان سب پر اللہ کی رحمت اور سلام ہو۔

① حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منسوب شہر لکھنؤ کو حبرانی میں حبرون (Hebron) کہتے ہیں۔ یہ بیت المقدس سے تقریباً 35 کلومیٹر جنوب میں ہے۔ تورات میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حبرون میں صوحا ریشی سے یہاں زمین کا ایک ٹکڑا چار سو سو فرسنگی زمینوں میں خرید لیا اور اس میں سارہ کو دفن کیا چنانچہ یہاں ایک غار میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اہلیہ سارہ حضرت اسحاق علیہ السلام اور ان کی اہلیہ ریحہ حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اہلیہ ایلہا اور حضرت یوسف علیہ السلام کی قبریں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت آدم کی قبر بھی اسی غار (مغارہ مکلیلہ) میں ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے وہی اگلی کے مطابق ان انبیاء کے کرام کی قبروں پر چتر بنا دیے۔ (طلس القرآن اردو دارالسلام) صفحہ 85 بکوال انجم المبدان جلد: 2



حضرت یوسف

حسن القصص

اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو حسن و جمال کے بیکر، صبر و شہادت کے خمیس اور غنہ و درگزر کے عظیم علمبردار بنائے۔ حضرت یوسف علیہ السلام عطا فرمائے اور انہیں منصب نبوت سے سرفراز کیا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی شان میں قرآن مجید کی ایک پوری سورت نازل فرمائی ہے تاکہ لوگ اس پر غور کریں اور اس میں جو کمیتیں، نصیحتیں، آداب اور مسائل ہیں، انہیں سمجھیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الْأَمْرَ تِلْكَ لَيْسَ الْكَيْسَ الْهَيْبِينَ ۚ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَٰذَا الْقُرْآنَ ۚ وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ ۝﴾
 ”السر، یہ کتاب روشن کی آیتیں ہیں۔ ہم نے اس قرآن کو عربی میں نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھ سکو۔ (اے پیغمبر!) ہم اس قرآن کے ذریعے سے جو ہم نے تمہاری طرف بھیجا ہے، تمہیں ایک نہایت اچھا قصہ سناتے ہیں اور تم اس

سے پہلے سے خبر تھے۔“ (یوسف: 3-12)

قرآن مجید فصیح و بلیغ زبان، بہترین قصص اور گزشتہ ام کے صحیح ترین حالات بتانے والی عظیم کتاب ہے جو نبی آخر



میں فیصلہ کرے گا۔“ (الشوری: 52، 53)
اور مزید فرمایا:

﴿كَذَٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ آتَيْنَاكَ مِنْ لَدُنَّا ذِكْرًا ۚ مَنْ أَعْرَضَ عَنْهُ فَإِنَّهُ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وِزْرًا ۚ خَلِيلَيْنِ فَلَيْسَ بِذِي قُوَّةٍ ۚ يَوْمَ الْقِيَمَةِ حِمْلًا ۚ﴾

”اسی طرح ہم تم سے وہ حالات بیان کرتے ہیں جو گزر چکے ہیں اور ہم نے تمہیں اپنے پاس سے نصیحت (کی کتاب) عطا فرمائی ہے۔ جو شخص اس سے منہ پھیرے گا وہ قیامت کے دن (گناہ کا) بوجھ اٹھائے گا اور ایسے لوگ ہمیشہ اس (عذاب) میں (جلا) رہیں گے اور یہ بوجھ قیامت کے دن ان کے لیے ہمارے۔“ (ملہ: 20، 99-101)

یعنی جو شخص اس قرآن سے اعراض کرے دوسری کتابوں کی پیروی کرے گا، اسے یہ سزا ملے گی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اہل کتاب کے کسی آدمی سے ایک کتاب مل گئی۔ وہ اسے لے کر

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پڑھ کر نبی ﷺ کو سنانے لگے۔ نبی ﷺ جلال میں آگئے اور فرمایا:

”اے خطاب کے بیٹے! کیا تم لوگ بھی اس (شریعت) کے بارے میں پراگندہ دینی کا شکار ہو جاؤ گے؟ قسم ہے

اس ذات کی، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں تمہارے پاس صاف ستھری روشن شریعت لے کر آیا ہوں۔

ان (اہل کتاب) سے کوئی چیز نہ چھو۔ (ورنہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ) وہ تمہیں صحیح بات بتائیں گے، تم اسے تسلیم نہ

کر دو گے یا وہ تمہیں غلط بات بتائیں گے اور تم اسے تسلیم کر لو گے۔ قسم ہے اس ذات کی، جس کے ہاتھ میں میری

جان ہے! اگر مومن طبع زندہ ہوئے تو میرا ایمان کب بغیر انہیں بھی چارہ نہ ہوتا۔“ اس کے بعد آپ کے حکم سے

اس تحریر کا ایک ایک حرف مناد یا گیا۔

ایک اور سند کے ساتھ یہ حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”قسم ہے اس ذات کی، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر مومن طبع تمہارے اندر شریف لے آئیں۔ پھر تم مجھے

چھوڑ کر ان کی پیروی کرنے لگو تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔ تم میرے حصے کی امت ہو اور میں تمہارے حصے کا نبی ہوں۔“

حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب

سورہ یوسف کی ابتدا میں حضرت یوسف علیہ السلام کے ایک خواب کا تذکرہ ہے جس کی تعبیر بہت عظیم اور شاندار ثابت ہوئی

الزمان ﷺ کو عطا ہوئی۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم کتاب کی تعریف فرمائی ہے کہ جو اس نے اپنے معزز بندے اور رسول پر فصیح عربی زبان میں نازل فرمائی اور جواہری واضح اور سلیس ہے کہ ہر پاک باز و جن اور عقل مند آدمی اسے سمجھ سکتا ہے۔ وہ آسمان سے نازل ہونے والی سب سے مقدس کتاب ہے جو بڑی فصیح زبان اور واضح بیان کے ساتھ مقدس ترین فرشتے کے ذریعے سے مقدس ترین انسان پر مقدس ترین مقام پر اور مقدس ترین وقت میں نازل ہوئی۔

اگرگزشتہ اور آئندہ زمانے کے واقعات ہوں تو قرآن انہیں بہترین اور واضح ترین انداز سے بیان کرتا ہے۔ مختلف فیہ معاملات میں صحیح بات بیان کرتا ہے اور غلط بات کی تردید کر کے اسے غلط ثابت کر دیتا ہے۔

اگر اوامر و نواہی کے مسائل ہوں تو قرآن کا پیش کردہ قانون سب سے زیادہ چینی بری انصاف اور واضح اصولوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكُنْتُمْ كَافِرِينَ ۚ وَلَكِنَّ رَبَّكَ بِمَا عَمِلْتُمْ وَاعْتَدِلَ ۚ﴾

”میرے رب کے فرمان سچائی اور انصاف میں کامل اور مکمل ہیں۔“ (الأنعام: 115/6)

یعنی واقعات کے بیان میں کامل ترین حقیقت اور اوامر و نواہی میں کامل ترین انصاف کا مظہر ہیں۔ اس کی وضاحت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ہوتی ہے:

﴿تَعْنِ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَٰذَا الْقُرْآنَ ۚ وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمَنِ الْغَافِلِينَ ۚ﴾

”(اے پیغمبر!) ہم اس قرآن کے ذریعے سے جو ہم نے تمہاری طرف بھیجا ہے تمہیں ایک نہایت اچھا قصہ سناتے ہیں اور تم اس سے پہلے بے خبر تھے۔“ (یوسف: 3/12)

یعنی آپ کو کئی کے ذریعے سے جو کچھ بتایا گیا ہے، آپ اس سے پہلے اس سے بے خبر تھے، جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا ۚ مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا تَهْدِي بِهِ فَمَنْ يُضْلِلْ فَإِنَّهُ يَمُوتُ ۚ وَكَانَ كَثِيرًا مِّنْ قَبْلِكَ ۚ وَإِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۚ صِرَاطُ اللَّهِ الَّذِي لَكَ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَصِيرُ الْأُمُورُ ۚ﴾

”اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تمہاری طرف روح القدس کے ذریعے سے وحی بھیجی ہے۔ تم نہ تو کتاب کو جانتے تھے اور نہ ایمان کو لیکن ہم نے اس کو نور بنایا ہے کہ اس سے تم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں۔ اور یہ شے (اے محمد ﷺ!) آپ سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتے ہیں (یعنی) اللہ کا راستہ جو آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کا مالک ہے۔ دیکھو! سب کام اللہ ہی کی طرف لوٹیں گے (اور وہی ان

اور ان کی اولاد پر اترے (ان پر بھی ایمان لائے۔) (آل عمران: 84:3)

وہ کہتے ہیں کہ [سبساط میں سے وہ انبیاء پیدا ہوئے جن پر آسمانوں سے وحی نازل ہوتی رہی۔] (واللہ اعلم)

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے نبی نہ ہونے کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ قرآن وحدیث میں آپ کے کسی بھائی کا نام لے کر اسے نبی نہیں کہا گیا۔ اس سے بھی ہمارا موقف درست ثابت ہوتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی اس ارشاد نبوی سے بھی یہی اشارہ ملتا ہے: ”کریم شخصیت کے پڑپوتے، کریم شخصیت کے پوتے، کریم شخصیت کے بیٹے اور خود بھی کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام ہیں۔“^①

مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بچپن میں خواب دیکھا کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند آپ کو سجدہ کرتے ہیں۔ گیارہ ستاروں سے مراد آپ کے گیارہ بھائی تھے اور سورج اور چاند سے مراد آپ کے والدین۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ خواب دیکھ کر خوف محسوس کیا اس لیے نیند سے بیدار ہو کر اپنے والد محترم کو یہ خواب سنایا۔ آپ کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام سمجھ گئے کہ آپ کو دنیا اور آخرت میں بلند مقام ومرتبہ حاصل ہونے والا ہے، جس کی وجہ سے آپ کے بھائی اور والدین بھی آپ کے سامنے جھک جائیں گے۔ والد نے آپ کو حکم دیا کہ اپنے بھائیوں کو خواب نہ سنائیں تاکہ وہ لوگ حسد نہ کریں اور کمزور غریب کے ذریعے سے آپ کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کریں۔ اسی لیے کسی بزرگ نے فرمایا ہے: ”اپنی ضروریات پوری کرنے میں انشاء سے مدد لیو کیونکہ ہر نعمت والے سے حسد کیا جاتا ہے۔“

ہل کتاب کہتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب والد کے ساتھ بھائیوں کو بھی سنایا ہوگا۔^② بیان (ہل کتاب) کی غلطی ہے۔

برادران یوسف کا قصہ

حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے چھوٹے بیٹے یوسف سے بے حد محبت تھی۔ بھائیوں کو یہی محبت برداشت نہ ہوئی تو وہ حسد کی آگ میں جلنے لگے اور یوسف علیہ السلام کے خلاف سازشیں کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٍ لِّأُولِيْ اَبْصَارٍ ۝۱۰ اِذْ قَالَ يُوسُفُ لِاَخُوهُ اَحْبِبْ اِلَىٰ اَيْنَمَا مَكَآ

① صحيح البخاري: "احاديث الانبياء" باب "انهم شهداء اذ حضر يعقوب الموت" حديث: 3382

② دیکھیے: کتاب پیدائش، باب: 37، فقرہ: 10، بائبل میں یوسف اور اس طرح ہے: "اور اس نے اسے اپنے باپ اور بھائیوں دونوں کو بتایا، تب اس کے باپ نے اسے ڈانٹا اور کہا کہ یہ خواب کیا ہے جو تو نے دیکھا ہے؟ کیا میں اور تیری ماں اور میرے بھائی کچھ تیرے آگے زمین پر جھک کر کھجے جمعہ کریں گے؟"

ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِذْ قَالَ يُوسُفُ لِاِخْوَتِهِ اَبَايْتُ لِرَبِّ زَانِيَةً اِنْ كَانَ مِنَ السَّامِيْنَ ۝۱۱ وَالْقَمَرُ رَاٰيَهُمْ فِي سَجْدٍ ۝۱۲ قَالَ لِيُنْفِئَنِيْ عَنْ هٰذَا ۝۱۳ فَاصْرِفْ عَنْ سَخِمَٰتِكُمْ ۝۱۴ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَكَاوِيْطِ ۝۱۵ وَيُعِظُّكَ عَلٰى سَخِمَٰتِكَ وَتَعَلَّمَ مِمَّا فِى الْخَوَابِ ۝۱۶ اِذْ قَالَ يُسُفُ لِرَبِّهِمْ اَسْقِنْنٰى ذٰلِكَ عَلٰىمِكُمْ ۝۱۷﴾

”جب یوسف نے اپنے والد سے کہا کہ ابا جان میں نے (خواب میں) گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو دیکھا ہے۔ دیکھتا (کیا) ہوں کہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ بیٹا! اپنے خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے نہ کرنا۔ نہیں تو وہ تمہارے حق میں کوئی غریب کی چال چلیں گے۔ کچھ شک نہیں کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ اور اسی طرح اللہ تمہیں برگزیدہ (وممتاز) کرے گا اور (خواب کی) باتوں کی تعبیر کا علم سکھائے گا۔ اور جس طرح اُس نے اپنی نعمت پہلے تمہارے دادا پر دادا ابراہیم اور اسحاق پر پوری کی تھی اسی طرح تم پر اور دادا یعقوب پر پوری کرے گا۔ بے شک تمہارا پروردگار (سب کچھ) جانتے والا (اور) حکمت والا ہے۔“ (یوسف: 4/12-6)

﴿وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ﴾ یعنی جس طرح اللہ نے آپ کو یہ عظیم خواب سکھایا ہے۔ اگر آپ اسے چھپائیں گے تو آپ کو طرح طرح کے الطاف اور رحمتوں سے نوازے گا۔ ﴿وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَكَاوِيْطِ﴾ اور آپ کو کلام کا وہ مفہوم اور خواہش کی وہ تعبیر سکھائے گا جو دوسرے نہیں سیکھ سکتے۔ ﴿وَيُعِظُّكَ عَلٰى سَخِمَٰتِكَ﴾ اور اللہ تعالیٰ آپ پر وحی نازل کر کے اپنی نعمت کی تحمیل فرمائے گا۔ ﴿وَ تَعَلَّمَ مِمَّا فِى الْخَوَابِ﴾ یعنی آپ کی وجہ سے آل یعقوب کو دنیا اور آخرت کی بھلائی حاصل ہوگی۔ ﴿كَمَا اَتَيْنَهَا عَلَىٰ اَبْوَابِكُمْ مِنْ قَبْلُ ۝۱۵﴾ یعنی اللہ تعالیٰ آپ پر احسان فرما کر آپ کو کبھی نبوت کی نعمت عطا فرمائے گا جس طرح آپ کے والد یعقوب آپ کے دادا اسحاق اور آپ کے پردادا ابراہیم علیہم السلام کو عطا فرمائی تھی۔ ﴿اِنْ ذٰلِكَ عَلٰىمِكُمْ﴾ ”بے شک تمہارا پروردگار سب کچھ جانتے والا حکمت والا ہے۔“

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے۔ بنی اسرائیل کے تمام قبائل انہی بارہ کی طرف منسوب ہیں جن میں سے سب سے معزز اور سب سے افضل اور سب سے عظیم حضرت یوسف علیہ السلام تھے۔

متعدد علماء نے بیان کیا ہے کہ ان میں سے صرف حضرت یوسف علیہ السلام نبوت کے منصب پر فائز ہوئے۔ آپ کے دوسرے بھائی نبی نہیں تھے۔ آپ کے واقعہ میں ان کا جو کردار سامنے آیا ہے، اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

بعض لوگوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی نبوت پر اس آیت سے استدلال کیا ہے:

﴿قُلْ اَمَّا بِلٰدِهِمْ مَّا اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا اُنْزِلَ عَلَىٰ اِبْرٰهِيْمَ وَاسْحٰقَ وَيٰعْقُوبَ وَآلِ سَبْطِ ۝۱۶﴾

”کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو کتاب ہم پر نازل ہوئی اور جو جیغے ابراہیم اور اسحاق اور اسحاق اور یعقوب

ہو تو جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ کہہ کیونکہ یہ کام اسے قتل کرنے یا کہیں دور چھوڑ کر آنے سے آسان ہے۔

اس رائے پر اتفاق ہو گیا تو انہوں نے اپنی اس تدبیر کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش شروع کر دی ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَالُوا يَا نَارَ مَا نَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلَى يُوسُفَ وَإِنَّا كُنَّا لَنُضْحِكُونَ ﴿١٠﴾ أَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَزْنِجْ وَيُلْعَبْ وَإِنَّا كَافِظُونَ ﴿١١﴾ قَالَ إِنِّي لَفِئْلٌ لَّكُمْ بِيُوسُفَ إِنَّهُ يَكْفُلُكَ الْيَزْبُ وَالْيَزْبُ وَالْيَزْبُ عَنْهُ لَغَفْلُونَ ﴿١٢﴾ قَالُوا لَكِنَّ الْيَزْبَ وَنَحْنُ عَصَبَةُ إِنَّا كُنَّا لَنُضْحِكُونَ ﴿١٣﴾ ﴾

”کہنے لگے کہ ابا جان! کیا سب ہے کہ آپ یوسف کے بارے میں ہمارا استہزاء نہیں کرتے؟ حالانکہ ہم اس کے خیر خواہ ہیں۔ کل اُسے ہمارے ساتھ بھیج دیجیے کہ خوب چھل کھائے اور کھیلے دوئے ہم اُس کے کنہیاں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ امر مجھے غناک کیے دیتا ہے کہ تم اُسے لے جاؤ (یعنی وہ مجھ سے جدا ہو جائے) اور مجھے یہ بھی خوف ہے کہ تم (کھیل میں) اُس سے غافل ہو جاؤ اور اُسے بھیڑ یا کھا جائے۔ وہ کہنے لگے کہ اگر ہماری موجودگی میں جبکہ ہم ایک طاقتور جماعت ہیں اُسے بھیڑ یا کھا گیا تب تو ہم بڑے نقصان میں پڑ گئے۔“ (یوسف: 10-11-12)

انہوں نے اپنے والد سے مطالبہ کیا کہ ان کے ساتھ ان کے بھائی یوسف کو بھی بھیج دیں اور ظاہر یہ کیا کہ وہ تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ یوسف بھی ان کے ساتھ جا کر کھیل کود اُنیں اور تفریح کر لیں اور جو بات ان کے دل میں تھی، وہ تو صرف اللہ ہی جانتا تھا۔ ان کے والد نے فرمایا: بیٹو! مجھ سے تو اس کی جدائی گھڑی بھر برداشت نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ مجھے یہ بھی ڈر لگتا ہے کہ تم اپنے اہل کھیل کو دین میں شغول ہو کر اس سے غافل ہو جاؤ اور گوئی بھیڑ یا آکر اسے کھا جائے گا۔ وہ دو اتنا چھوٹا ہے کہ تمہارے غافل ہونے کی صورت میں اپنا بچاؤ بھی نہیں کر سکے گا۔ وہ کہنے لگے کہ اگر ہماری موجودگی میں جبکہ ہم ایک طاقتور جماعت ہیں اُسے بھیڑ یا کھا گیا پھر تو ہم بڑے نقصان میں پڑ گئے۔ یعنی اگر بھیڑ یا اس پر حملہ کرے اسے ہمارے درمیان سے اٹھا کر لے گیا یا ہم ایک جماعت ہو کر بھی اس سے اس طرح غافل ہو گئے کہ خدا خواستہ یہ حادثہ ہو گیا تو ہم تو کسی کام کے نہ ہوئے۔ تب تو ہمہرے برابر ہوئے۔

اہل کتاب کہتے ہیں: ”حضرت یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کے پیچھے بھیج دیا۔ آپ راست بھول گئے۔ کسی نے آپ کو راست بتایا۔ یہ ان لوگوں سے تہمید کرنے میں غلطی ہوئی ہے۔ یعقوب علیہ السلام تو آپ کو بھائیوں کے ساتھ بھی بھیجتا نہیں چاہتے تھے تو اس کیلئے کیسے بھیج دیا؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَمَّا ذَهَبُوا بِهِ وَاجْعَلُوهُ فِي غَيْبَتِ الْيُزْبِ وَأَوْحَيْنَا إِلَى لَيْلَىٰ امْرَأَتِهِمْ يَأْخُذْهُ هَذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿١٤﴾ وَجَاءَهُمْ عَشَاءٌ يُسْكِنُونَ ﴿١٥﴾ قَالُوا يَا نَارَ إِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَكَذَلِكَ الْيَزْبُ ﴿١٦﴾ وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَكُنَّا صَادِقِينَ ﴿١٧﴾ وَجَاءَهُ وَاعَلَّ قَبِيضُهُ يَدِهِ ﴿١٨﴾ كَيْدٌ بِمَا قَالَتْ بَنَىٰ سَوَكْتَ لَكُمْ أَمْوَارَ قَصَبٍ جَوِينَ ﴿١٩﴾ وَاللَّهُ أَسْتَعْتَلُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ﴿٢٠﴾ ﴾

وَنَحْنُ عَصَبَةٌ ﴿٢١﴾ إِنَّ أَبَانَا لَنَفِيٍّ ضَلِيلٌ مُّبِينٌ ﴿٢٢﴾ أَفَتُلْقُوا يُوسُفَ وَأَاطِرَ حُورَةٍ ارْضَىٰ بِخَلِّكُمْ وَجَنَّهُ أَبَوَاهُمْ وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ ﴿٢٣﴾ قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَالْقُوَّةُ فِي غَيْبَتِ الْجَبِّ يَلْتَوِطُّهُ بَعْضُ السَّيِّئَاتِ إِنْ كُنْتُمْ مُعِلِّينَ ﴿٢٤﴾

”ہاں! یوسف اور ان کے بھائیوں (کے قصے) میں پوچھنے والوں کے لیے (بہت سی) نشانیاں ہیں۔ جب انہوں نے (آپس میں) تذکرہ کیا کہ یوسف اور اس کا بھائی ابا جان کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں حالانکہ ہم جماعت (کی جماعت) ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ ابا جان صریح غلطی پر ہیں لہذا یوسف کو لیا تو جان سے) مار ڈالو یا کسی ملک میں چھپکے ڈالو پھر ابا جان کی توصیف تمہاری طرف ہو جائے گی اور اس کے بعد تم ابھی حالت میں ہو جاؤ گے۔ اُن میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ یوسف کو جان سے نہ مارو اور کسی گہرے کنوئیں میں ڈال دو کہ کوئی راہ گیر نکال کر (کسی اور ملک میں) لے جائے اگر تم کو کرنا ہے (تو یوں کرو۔“ (یوسف: 10-7-12)

اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ میں موجود نشانیاں، حکمتوں، نصائح اور دلائل کی طرف توجہ دلائی ہے۔ پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کے بھائیوں کے حسد کا تذکرہ فرمایا ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ان کے والد ان سب کی نسبت حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے گئے بھائی بنیامین سے زیادہ محبت رکھتے ہیں۔ حالانکہ وہ بزرگمرد خوش اس بات کا زیادہ حق رکھتے ہیں کہ ان سے محبت کی جائے کیونکہ وہ ایک بڑی جماعت ہیں۔ اس لیے انہوں نے کہا: ہمارے والد غلطی پر ہیں کہ ہم سب کی نسبت ان دونوں کو محبت کے معاملے میں ترجیح دیتے ہیں۔

پھر انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کر دیں یا کسی ایسی دور دراز جگہ پھینکا دیں جہاں سے واپس نہ آسکیں تاکہ والد کی محبت انہی کے لیے ہو کر رہ جائے اور انہیں زیادہ محبت اور توجہ حاصل ہو۔ ان کا ارادہ یہ تھا کہ بعد میں تو پھر کر لیں گے۔

جب انہوں نے یہ فیصلہ کر لیا اور اس پر اتفاق کر لیا تو ﴿ قَالُوا قَاتِلُوا يُسُفَ ﴾ ”ان میں سے ایک نے کہا: ﴿ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ ﴾ ”یوسف کو قتل نہ کرو۔“

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: یہ کہنے والا شمعون تھا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: وہ یہود تھا۔ قتادہ اور محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: وہ سب سے بڑا بھائی یعنی روبن تھا۔ ﴿ اس نے کہا: ﴿ الْقُوَّةُ فِي غَيْبَتِ الْيُزْبِ يَلْتَوِطُّهُ بَعْضُ السَّيِّئَاتِ ﴾ ”اسے کسی گہرے کنوئیں میں ڈال دو کہ کوئی راہ گیر نکال کر (دوسرے ملک میں) لے جائے۔“ ﴿

یعنی کوئی آنے والے والا مسافر اسے لے جائے گا۔ ﴿ إِنَّ كُنْتُمْ مُعِلِّينَ ﴾ ”یعنی اگر تمہیں ضرورہ ہو کام کرنا ہے جو کہہ رہے

① بئیل میں اس کا قاتل راہب بن یوئنا کہا ہے۔ (پیدائش، ص 37، فقرہ 21)

② تفسیر ابن کثیر: 319/4، تفسیر سورہ یوسف آیت: 10

دھوکے پر پردہ پڑ جائے۔ اور کہنے لگے کہ ابا جان! ہم تو دوڑنے اور ایک دوسرے سے آگے نکلنے میں مصروف ہو گئے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے۔ یعنی اپنے سامان کے پاس چھوڑ کر خود دوڑتے ہوئے دوڑ نکل گئے تو ہماری غیر موجودگی میں اسے بھیڑ یا کھا گیا۔ اور ساتھ ہی کہنے لگے ہمیں معلوم ہے کہ آپ ہماری بات پر یقین نہیں کریں گے خواہ ہم سچ ہی کہتے ہوں۔ یعنی ہم آپ کی نظر میں قابل اعتبار بھی ہوتے تب بھی آپ ہماری اس بات پر یقین نہ کرتے کہ اسے بھیڑ یا کھا گیا ہے اب جب کہ ہم لوگ آپ کی نظر میں مشکوک ہیں تو آپ ہم پر کیسے یقین کریں گے؟ آپ نے یہ خطرہ ظاہر کیا تھا کہ اسے بھیڑ یا کھا جائے گا اور ہم نے آپ کو ضمانت دی تھی کہ ابا نہیں ہوگا کیونکہ ہم بہت زیادہ افراد اس کے ارد گرد موجود ہوں گے۔ آپ نے تب بھی ہم پر اعتبار نہیں کیا تھا۔ لہذا موجودہ صورت حال میں ہمیں سچا نہ سمجھنے میں آپ واقعی معذور ہیں۔ اور وہ اپنے جھوٹ پر پردہ ڈالنے کے لیے یوسف علیہ السلام کے کرتے پر ہوبھمی لگا لائے۔ یہ جھوٹ موٹ کا خون تھا۔ کیونکہ انہوں نے ایک مینالے کو رزق کیا تھا اور اس کا خون یوسف علیہ السلام کی قمیص پر لگا رہے یا دھو کر انا چاہتا تھا کہ یوسف کو بھیڑیے نہ کھا یا ہے۔

مفسرین فرماتے ہیں: انہیں قمیص کو پھاڑنے کا خیال نہ آیا۔ ان پر شک کی علامات واضح تھیں اس لیے والد کے سامنے ان کی بات نہ بن سکی۔ آپ جانتے تھے کہ وہ یوسف سے عداوت رکھتے ہیں اور اس بات پر ان سے حسد کرتے ہیں کہ والد کے دل میں ان کی محبت زیادہ ہے کیونکہ ان پر یحییٰ بنی سے شان اور عظمت کے آثار نظر آتے تھے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ان کو شرف نبوت سے نوازا جا رہا تھا۔ جب وہ پہلا پھلکار انہیں لے گئے تو فوراً اٹھانے لگائے کی کوشش کی تاکہ انہیں والد کی نظروں سے ہمیشہ کے لیے دور کر دیں پھر جھوٹ موٹ کے غم کا اظہار کرنے کے لیے روتے ہوئے آئے اور یہ ان کی متفقہ سازش تھی۔ اس لیے حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

﴿بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْراً فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۚ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ مَا يَصِفُونَ﴾

”حقیقت حال یوں نہیں ہے (بلکہ تم اپنے دل سے) (یہ) بات بنالائے ہو۔ اچھا! صبر (کردی) خوب ہے“ اور جو تم بیان کرتے ہو اس کے بارے میں اللہ ہی سے مدد مطلوب ہے۔“

یوسف علیہ السلام سرزمین مصر میں

یوسف علیہ السلام کے بھائی اپنے زعم باطل میں ان کو مار کر گھر لوٹ گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو بذریعہ وحی تلی دی اور علم و حکمت عطا کرنے کا وعدہ فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَى دَلْوَةً قَالَ يَبْشَىٰ هَذَا الْعِلْمُ ۚ وَاسْرَوْهُ بِضَاعَةً ۚ وَاللَّهُ

”غرض جب وہ اس کو لے گئے اور اس بات پر اتفاق کر لیا کہ اس کو گھر سے کنوئیں میں ڈال دیں تو ہم نے یوسف کی طرف وحی بھیجی کہ (ایک وقت ایسا آئے گا) تم ان کو اس سلوک سے آگاہ کرو گے اور ان کو (اس دبی کی) کچھ خبر نہ ہو گی۔ (یہ حرکت کر کے) وہ رات کو باپ کے پاس روتے ہوئے آئے اور کہنے لگے کہ ابا جان ہم تو دوڑنے اور ایک دوسرے سے آگے نکلنے میں مصروف ہو گئے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے تو آسے بھیڑ یا کھا گیا اور آپ ہماری بات کو خواہ مخواہ سچ ہی کہیں، مامیں گے نہیں۔ اور وہ ان کے کرتے پر جھوٹ موٹ کا خون بھی لگا لائے۔ یعقوب نے کہا: (کہ حقیقت حال یوں نہیں ہے) بلکہ تم اپنے دل سے (یہ) بات بنالائے ہو۔ اچھا! صبر (کردی) خوب (ہے) اور جو تم بیان کرتے ہو اس کے بارے میں اللہ ہی سے مدد مطلوب ہے۔“ (یوسف: 12-15)

وہ لوگ اپنے والد گرامی سے اصرار کرتے رہے تھے کہ انہوں نے یوسف کو ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی۔ جو نبی وہ لوگ آپ کی نظروں سے اوصل ہوئے، انہوں نے یوسف سے گالی گلوچ اور زبان و عمل سے ایذا رسانی شروع کر دی۔ انہوں نے پختہ فیصلہ کر لیا کہ آپ کو کنوئیں کی گہرائی میں اس کے درمیان بڑے ہوئے اس بڑے پتھر پر پھینک دیں گے جسے ”رامون“ کہتے تھے۔ جب کنوئیں میں پانی کم ہو جاتا تو ایک آدمی کنوئیں میں اتر کر اس پتھر پر کھڑا ہو جاتا اور ڈول میں خود پانی بھرتا تھا یا ہر کھڑا ہوا دوسرا آدمی رسی کے ذریعے سے ڈول کھینچ لیتا تھا۔

جب انہوں نے آپ کو کنوئیں میں پھینک دیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی نازل فرمائی کہ آپ جس مصیبت میں گرفتار ہو گئے ہیں، اس سے آپ کو خسرو نجات ملے گی۔ آپ اس وقت بھائیوں کو ان کے کرتوت یاد دلایں گے جب آپ کو عزت و اوج حاصل ہوگا اور یہ لوگ آپ کے کتھان بھی ہوں گے اور آپ سے خوف زدہ بھی اور انہیں معلوم نہیں ہوگا۔

﴿وَوَهَّابٌ لَّيْلَتَهُمْ﴾ کی تشریح دو طرح سے ہوئی ہے۔ مجاہد اور قتادہ بھیجتے فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یوسف کی طرف یہ وحی کی تو بھائیوں کو پتہ بھی نہ چلا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب آپ انہیں یہ باتیں بتائیں گے اس وقت وہ آپ کو پہچان نہیں رہے ہوں گے۔ یہ قول ابن جریر رحمہ اللہ نے نقل فرمایا ہے۔

جب وہ آپ کو کنوئیں میں ڈال کر چل دینے تو آپ کی قمیص لے کر اسے خون آلود کر لیا اور عشاء کے وقت جب والد کے پاس لوٹے تو اپنے بھائی کی مڑومہ بڑا کت پر دروہے تھے۔ اسی لیے ایک بزرگ نے فرمایا ہے: ”ظلم کی شکایت کرنے والے کے نالہ و شہینے دھوکا نہ کھاؤ۔ بعض اوقات ظالم بھی رو کر دکھا دیتے ہیں۔ جیسے یوسف علیہ السلام کے بھائی رات کو اپنے والد کے پاس روتے ہوئے آئے تھے۔“ ﴿عِشَاءً﴾ کا مطلب یہ ہے کہ رات کو اندیرا چھا جانے کے بعد آئے تاکہ ان کے

① علامہ قاضی سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ [خ] چاہے جو زیادہ گہرا ہو اور اس میں پانی بھی زیادہ ہو۔ (انجیل و انکلیل)

② تفسیر الطبری: 7/210

فوائد و برکات حاصل ہونے والے تھے۔

یوسف علیہ السلام عزم مصر کے گھر میں

جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے محسوس کیا کہ قافلے والے آپ کو لے گئے ہیں، تو وہ ان سے جا ملے اور بولے: یہ ہمارا غلام ہے جو ہمارے پاس سے بھاگ گیا تھا۔ قافلے والوں نے ان سے آپ کو معمولی قیمت کے عوض خرید لیا۔^①

اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَلَيَّ أَنْ يَبْعُنَهَا آخَرًا وَلَا يَأْتِيَ﴾ اور مصر میں جس شخص نے اس کو خرید لیا اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اس کو عزت و اکرام سے رکھو یہ نہیں کہے کہ یہ ہمیں فائدہ دے یا ہم اسے بیٹا بنالیں۔۔۔ کا مفہوم یہ ہے کہ آپ پر اللہ کے لطف و رحمت کا اظہار اور آپ پر اس کا احسان تھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بلند منصب کا اہل بنا کر دنیا و آخرت کی بھلائی سے سرفراز کرنا چاہتا تھا اور مصر میں آپ کو خریدنے والا عزیز مصر یعنی شاد مصر کا وزیر تھا، جو ملک کے خزانوں کے معاملات کا ذمہ دار تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ﴿وَكَذَلِكَ مَنَّكَ اللَّهُ عَلَىٰ يُوسُفَ فِي الْأَرْضِ﴾ ”اور اسی طرح ہم نے یوسف کو سرزمین (مصر) میں جگہ دی۔“ کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے عزیز مصر اور اس کی بیوی کے دل میں یہ بات ڈال کر کہ آپ کی دیکھ بھال اور آپ سے حسن سلوک کریں، آپ کو مصر میں ایک ٹھکانا مہیا کر دیا۔ اور آپ کو باتوں کی سمجھ اور خوابوں کی تعبیر کا علم غلام فرادیا۔ ﴿وَاللَّهُ عَلَّابٌ عَلَىٰ أُمُورٍ﴾ یعنی جب وہ کوئی فیصلہ کر لیتا ہے تو اس کے وہ پھل آنے کے ایسے اسباب پیدا فرمادیتا ہے جنہیں لوگ سمجھ نہیں سکتے۔ اس لیے فرمایا: ﴿وَلَكِنَّكَ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ”اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“ ﴿وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حِلْمًا وَعِلْمًا﴾ ﴿وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ﴾ ”اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچنے تو ہم نے ان کو دانا کی اور ظلم بخشا اور نیکو کاروں کو ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام واقعات پختہ کاری اور کامل فہم فراست کی عمر تک پہنچنے سے پہلے واقع ہو چکے تھے۔ اس سے مراد چالیس سال کی عمر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبیوں پر اسی عمر میں وحی نازل فرماتا ہے۔ ان سب پر درود و سلام ہوں۔

یوسف علیہ السلام کو ورخانے کی ناکام کوشش: یوسف علیہ السلام کی دلپذیر پرہیزگاری آپ کو ورخانے کے حسن و جمال اور مردانہ وجاہت اپنے عروج پر پہنچی۔ عزیز مصر کی بیوی آپ کے حسن پر فریفتہ ہو گئی اور آپ کو ورخانے کی سعی لا حاصل کرنے لگی۔

① علامہ سیلیمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اتفاق نہیں کیا کہ یوسف کو بھائیوں نے فروخت کیا تھا۔ ان کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ اس مقام پر قافلے والوں کا یوسف کو بیچنا مراد ہے۔ آپ نے اس کی تائید میں حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی نقل کیا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے فتح البیان، 192/5، ابن کثیر، 15/5)

② ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا نام ”طہر“ بتایا ہے۔ ہاتل میں ”نوطیغار“ کہا گیا ہے۔

عَلَيْهِمْ يَمْأَلُونَ﴾ ﴿وَسَرَّوْهُ بِمِثْلٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ وَكَأَنَّا فَبِيْدٌ مِنَ الرَّاهِبِينَ﴾ ﴿وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَلَيَّ أَنْ يَبْعُنَهَا آخَرًا وَلَا يَأْتِيَ بِكَ يَاسَافُ فِي الْأَرْضِ وَلِيُعْلِمَ مَا تَدَارِي الْأَكَاوِثَ وَاللَّهُ عَلَّابٌ عَلَىٰ أُمُورِهِ وَلَكِنَّكَ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ﴿وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حِلْمًا وَعِلْمًا﴾ ﴿وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ﴾

”اور ایک قافلہ آ یا اور انہوں نے (پانی کے لیے) اپنا قاف (پانی لانے والا) بیچا۔ اس نے کنویں میں ڈول لٹکایا (تو یوسف علیہ السلام اس سے لگ گئے) وہ بولا نہ قسمت ہے تو (نہایت حسین) لڑکا ہے اور اس کو قبیح سرا یہ سمجھ کر چھپا لیا اور جو کچھ وہ کرتے تھے اللہ کو سب معلوم تھا۔ اور انھوں نے اس کو تھوڑی سی قیمت یعنی چند درہم کے عوض بیچ ڈالا اور انہیں ان کے بارے میں کچھ لالچ بھی نہ تھا۔ اور مصر میں جس شخص نے اس کو خرید لیا اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اس کو عزت و اکرام سے رکھو۔ یہ نہیں کہے کہ یہ ہمیں فائدہ دے یا ہم اسے بیٹا بنالیں۔ اس طرح ہم نے یوسف کو سرزمین (مصر) میں جگہ دی اور غرض یہ تھی کہ ہم ان کو باتوں (خوابوں) کی تعبیر سکھائیں۔ اور اللہ اپنے کام پر عتاب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچنے تو ہم نے ان کو دانا کی اور ظلم بخشا اور نیکو کاروں کو ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔“ (یوسف: 22-19)

اس مقام پر اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ جب یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈال دیا گیا تو کیا ہوا؟ آپ بیٹھے اللہ کی مدد اور رحمت کا انتظار فرما رہے تھے کہ ایک قافلہ آ گیا۔ اہل کتاب کہتے ہیں: قافلے والوں کا سامان تجارت پتہ مسطور اور ظلم (پتہ سے ملتا جلتا ایک پھل) پر مشتمل تھا۔ انہوں نے کنویں سے پانی لانے کے لیے ایک آدمی بھیجا۔ جب اس نے کنویں میں ڈول لٹکایا تو یوسف علیہ السلام اس سے لگ گئے۔ (اس طرح باہر نکل آئے)

جب اس آدمی نے آپ کو دیکھا تو بولا: میرے لیے کوئی خبری ہے کہ یہ لڑکا ہے۔ ﴿وَأَسْرَوْهُ بِضَاعَةً﴾ یعنی انہوں نے غلامی کا کارن کے سامان تجارت میں یہ غلام بھی شامل ہے۔ ﴿وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَصْعَلُونَ﴾ ”اور جو کچھ وہ کرتے تھے اللہ کو سب معلوم تھا۔“

یعنی اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ آپ کے بھائیوں نے کیا سازش کی ہے اور وہ بات بھی معلوم تھی جو قافلے والوں نے یہ کہہ کر چھپائی تھی کہ یوسف ان کے سامان تجارت میں شامل ہیں۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے صورت حال کو تبدیل نہ کیا کیونکہ اس میں اللہ کی ایک عظیم حکمت پوشیدہ تھی، جس کا فیصلہ تقدیر الہی نے بہت پہلے کر دیا تھا۔ یہ لڑکا جو مصر میں ایک قیدی غلام کی طرح داخل ہو رہا تھا، اس کے ذریعے سے اہل مصر پر رحمت نازل ہونے والی تھی۔ اس کے ساتھ میں ان کے تمام معاملات (اور حکومت) کی باگ ڈور آنے والی تھی اور اس کے ذریعے سے ان لوگوں کو دنیا اور آخرت کے بے حد و حساب

① ہاتل کے موجودہ نسخوں میں ان کے سامان تجارت کو گرم مسالا، روغن لبان اور مرہ پر مشتمل بتایا گیا ہے۔ (کتاب پیدائش، 25:37)

روایت کے مطابق شاہ مصر ابن یونس کی بھانجی تھی۔

ادھر یوسف بھی مجھی جوان اور بیکسیر و جمال تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ بیوں کی آل تھے۔ اس لیے آپ کو آپ کے رب نے گناہ سے بچا لیا اور عورتوں کے مکر سے محفوظ فرمایا۔ کیونکہ وہ سردار القیاء تھے، جو سایہ عرش سے شرف ہونے والے سات قسم کے اولیاء میں سے ایک قسم میں شامل تھے، جن کے بارے میں فرمان خاتم الانبیاء علیہ السلام ہے:

”سات قسم کے آدمیوں کو اللہ تعالیٰ اس دن اپنے سامنے میں جگہ دے گا، جس دن اس کے سامنے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا: انصاف کرنے والا، اسکران، ہتھیاری میں اللہ کو یاد کر کے لشک بار ہو جانے والا انسان، وہ آدمی جو مسجد سے نکلتا ہے تو وہاں کسی تک اس کا دل وہیں انکار ہوتا ہے، اللہ کے لیے محبت رکھنے والے دوست جو ای غیاب پر ملتے ہیں اور اسی حالت میں ایک دوسرے سے رخصت ہوتے ہیں، وہ آدمی جو صدمہ دیتا ہے تو اس قدر پوشیدہ رکھتا ہے کہ دایم کے دیے کا پائیں یا گناہ کو پتہ نہیں چلتا“ وہ جوان جو اللہ کی عبادت میں جوانی گزارتا ہے اور وہ مرد جسے کسی صاحب حیثیت اور صاحب جمال عورت نے دعوت گناہ دی تو اس نے کہہ دیا: میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں۔“

الغرض اس نے آپ کو گناہ کی دعوت اور آدمی کو آپ کو آدہ کرنے کی پوری کوشش کی۔ لیکن آپ نے فرمایا: ﴿مَعَادُ اللّٰهِ إِنَّكَ رَاقٍ﴾ ”اللہ کی پناہ! وہ میرا مالک ہے۔“ یعنی گھر کا مالک اور تیرا خاندان میرا آقا ہے۔ ﴿اَحْسَنَ مَثْوًى﴾ ”مجھے اس نے بہت اچھی طرح رکھا ہے۔“ یعنی مجھ پر احسان کیا اور عزت و احترام سے رکھا ہے۔ ﴿إِنَّكَ لَا تُلَاقِي الظُّلُمَاتِ﴾ ”بے انصافی کرنے والوں کا بھلا نہیں ہوتا۔“

فرمان الہی: ﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ يَهُوَنَ وَهَظَّ بِهَا كَوْلَا أَنْ رَأَى بُرْهَانَ رَبِّهِ﴾ کی وضاحت ہم نے اپنی تفسیر میں کافی تفصیل سے کر دی ہے۔ اس موضوع پر زیادہ تر اقوال اہل کتاب سے ماخوذ ہیں، ان کا ذکر نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ ① ہمیں جو عقیدہ رکھنا

① صحیح البخاری: ”الأذان“ باب من جلس في المسجد..... حدیث: 660 وصحیح مسلم: ”الزكاة“ باب فضل إحصاء الصلوة“ حدیث: 1031

② علامہ منصور پوری مدظلہ نے یوسف علیہ السلام کے اس فرمان کی جو تفسیر کی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے: ”میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں، وہ (اللہ) میرا مالک ہے، جس نے میرا مقام پاک اور بلند بنایا ہے۔“ تفصیل کے لیے دیکھیے: الجہان والکمال کا حقیقت معراج۔

③ علامہ طبرسی بیان کیا جاتا ہے کہ عورت نے بھی برائی کا ارادہ کیا اور یوسف علیہ السلام کے دل میں بھی برائی کا خیال آ گیا۔ لیکن انہیں یعقوب علیہ السلام کی صورت نظر آیا یا عورت نے اپنے بت کے چہرے پر کچھ ڈالا تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا: میرا بت تو ہر حال میں دیکھتا ہے۔ علامہ منصور پوری مدظلہ نے امام رازنی رحمۃ اللہ کا نقل کیا ہے کہ ﴿تَوَّابٌ﴾ کا جواب اس سے پہلے ﴿هَظَّ﴾ ہے۔ اس صورت میں آپ نے مبارکباد کی ترجمہ یوں ہوگا: ”وہ بھی اس عورت کا قصد کر لیتے، اگر انہوں نے اپنے رب کی برہان نہ دیکھی ہوتی۔“ اس کے بعد اپنی رائے سے ظاہر فرماتی ہے کہ ﴿هَظَّ﴾ ہے، جس میں تیر کا مرعز اس عورت کا کام ﴿هَظَّتْ﴾ کہ ہے۔ اور ﴿هَظَّ﴾ ہے جس میں تیر کا مرعز یوسف علیہ السلام کے تین ارشادات میں: ﴿مَعَادُ اللّٰهِ﴾ ﴿إِنَّكَ رَاقٍ﴾ ﴿اَحْسَنَ مَثْوًى﴾ ﴿إِنَّكَ لَا تُلَاقِي الظُّلُمَاتِ﴾ اس صورت میں آپ کا مطلب یہ ہوگا: ”وہ عورت اپنی بات پر اصرار کرتی رہی اور یوسف اپنے جوابات پر اصرار کرتے رہے۔“ گفت اور نحو کے مشہور امام احمد بن حنبل نے تعجب نے ﴿هَظَّتْ﴾ کے معنی یوں فرمائے ہیں: ﴿وَكَاثَتْ مُصْرَعًا﴾ ”وہ اصرار کرتی رہی۔“ (دیکھیے الجہان والکمال از قاضی سلیمان منصور پوری رحمۃ اللہ)

اللہ تعالیٰ نے اس کے کمر فریب کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿رَأَوْنَهُ الْيَمَّى هُوَ فِي بَيْتِهِ عَن نَّفْسِهِ وَغَلَقَتِ الْبَابُ وَقَالَتْ هَيْت لَكَ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوًى إِنَّهُ لَا يُغْلِقُ الظُّلُمَاتِ ۖ وَلَقَدْ هَمَّتْ يَهُوَنَ وَهَظَّ بِهَا كَوْلَا أَنْ رَأَى بُرْهَانَ رَبِّهِ كَذَلِكَ لِيَصْرِفَ عَنْهُ الشُّؤْمَ وَالْفَحْشَاءَ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْبَاحِثِينَ ۖ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَيْصُةً مِنْ دُبُرٍ وَأَلْفَا سَيِّدَهَا لَكِنَّ الْبَابَ قَالَتْ مَا جَزَاكَ مِنْ أَرَاكِ مَا خَلَيْتَ سَوْءًا إِلَّا أَنْ يَسْجَنَ أَوْ عَذَابٍ أَلِيمٌ ۖ قَالَ هِيَ رَأَوْنِي عَنْ نَفْسِي وَكَيْفَ شَهِدْتُ مِنْ أَعْلَاهَا ۖ إِنْ كَانَ قَيْصُةً فُتْ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۖ وَإِنْ كَانَ قَيْصُةً فُتْ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الظَّالِمِينَ ۖ قَالُوا أَأَقْبَصُكَ فُتْ مِنْ دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ مِنْ كَيْدِكُنَّ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ ۖ يُوَسِّفُ أَخْرَجَ عَنْ هَذِهِ ۖ وَاسْتَغْفِرُنِي لِذُنُوبِي ۖ إِنَّكَ لَذِيْ ذُتٍ مِنَ الْعَظِيمِينَ ۖ﴾

”تو جس عورت کے گھر میں وہ رہتے تھے اُس نے اُن کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا اور دروازے بند کر کے کہنے لگی (یوسف) جلدی آؤ! انہوں نے کہا کہ اللہ پناہ میں رکھے وہ یعنی تمہارے مہل میں سے میرے آقا ہیں۔ انہوں نے مجھے اچھی طرح سے رکھا ہے (میں ایسا غلام نہیں کر سکتا) بیٹک خالم لوگ فلاں نہیں پائیں گے۔ اور اس عورت نے اُن کا قصد کیا اور وہ بھی قصد کر لیتے کہ وہ اپنے پروردگار کی نشانی نہ دیکھتے۔ یوں اس لیے (کیا گیا) کہ ہم ان سے برائی اور بے حیائی کو روک دیں۔ بیٹک وہ ہمارے خالص بندوں میں سے تھے۔ اور دونوں دروازے کی طرف بھاگے اور عورت نے اُن کا گرتا پیچھے سے (کچڑ کر جو کچھ پتا تو) پھڑا ڈالا۔ اور دونوں کو دروازے کے پاس عورت کا خاندان مل گیا۔ تو عورت بولی کہ جو شخص تمہاری بیوی کے ساتھ برا ارادہ کرے اُس کی اس کے سوا کیا سزا ہے کہ یا تو قید میں رکھا جائے یا دھک کا عذاب دیا جائے۔ یوسف (علیہ السلام) نے کہا: اس نے مجھ کو مائل کرنا چاہا۔ اور اس کے قہیلے میں سے ایک فیصلہ کرنے والے نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر اس کا گرتا آگے سے پھنسا ہو تو یہ سچی اور یوسف جھوٹا اور اگر گرتا پیچھے سے پھنسا ہو تو یہ جھوٹی اور وہ سچا۔ جب اس کا کر دیکھا تو پیچھے سے پھنسا تھا۔ (جب اس نے زلیخا سے) کہا کہ یہ تمہارا فریب ہے اور یقیناً تم حقوق کے فریب پر بے (بھاری) ہوتے ہیں۔ یوسف! اس بات کا خیال نہ کرو! (زلیخا!) تو اپنے گناہ کی بخشش مانگ بے خشک خطا تیری ہی ہے۔“ (یوسف: 23-29)

ان آیات مبارک میں اللہ تعالیٰ نے عزیز پھر میری بیوی کا وہ واقعہ بیان کیا ہے کہ جب اس نے یوسف علیہ السلام سے وہ نازیبا مطالبہ کیا، جو آپ کے مقام و مرتبہ کے لائق نہیں تھا۔ وہ مال و جمال میں بے مثال تھی، شاہانہ جاہ و جلال اور ہر پور شاہب حاصل تھا۔ اس نے آپ کو کیلئے کا سب دروازے بند کر لیے اور پوری طرح بناؤ سنگھار کے بہترین فاخرانہ لباس زیبین کر اسے برائی کی محبت دی اور اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ کوئی عام عورت نہیں تھی بلکہ مذہبی کی بیوی تھی۔ اور ابن اسحاق رحمۃ اللہ کی

پیش آیا ہے یہ تم عورتوں کی چال بازی ہے۔ تو نے خودی اسے درغلانے کی کوشش کی اور خودی اس پر جھوٹا الزام لگا دیا۔ پھر اس کے خاوند نے اس بات کو نظر انداز کر دیا اور کہا: ﴿يُوسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هَذَا﴾ ”یوسف! اب بات کو جانے دو۔“ یعنی کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا کیونکہ ایسے معاملات کو چھپانا ہی مناسب اور بہتر ہوتا ہے اور عورت کو حکم دیا کہ اس سے جو گناہ سرزد ہو گیا ہے، اس پر استغفار کرے اور اپنے رب کے آگے تو یہ کہہ کرے کیونکہ بندہ جب اللہ کے آگے تو یہ کہتا ہے تو اللہ اس کی تو یہ قبول فرما لیتا ہے۔

مصر کے لوگ اگرچہ بتوں کی پوجا کرتے تھے لیکن وہ یہ بھی جانتے تھے کہ گناہوں کو معاف کرنے والا اور ان کی سزا دینے والا ایلہا اللہ ہی ہے۔ اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس لیے اس کے خاوند نے اس سے یہ بات کہی اور اسے بعض لحاظ سے مدد فرمایا کیونکہ وہ ایسے خوش شکل انسان کی موجودگی میں اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ سکتی تھی۔ لیکن یوسف علیہ السلام پاک دامن تھے۔ آپ نے اپنی عزت کو داغ دار ہونے سے محفوظ رکھا۔ چنانچہ اس نے کہا: ﴿وَاسْتَغْفِرِي لِذَنبِكِ﴾ ”اے عورت! اپنے گناہوں میں سے ہے۔“

عزیز مصر کی بیوی کا شہر میں چرچا اور زمان مصر کی ضیافت

عزیز مصر کی بیوی کا شفق شہر میں مشہور ہوا تو دیگر رو ساء کی عورتوں نے اسے لعن طعن کرنا شروع کر دیا اور اسے عار دلائی کہ وہ اپنے غلام پر نافرمان ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے معاملے کو جان کر مٹے ہوئے فرمایا ﴿وَقَالَ يَٰيُوسُفُ اِنَّكَ لَكَرِيْمٌ ۚ اِنَّكَ لَمَكْرُهَا۟ فِیْ صَالِحٍ مِّمِّنِّیْ ۚ فَلَمَّا صَبَحَ بِسَكْرِهٖۡۤ اَرْسَلَتْ اِلَیْہِیْنَ وَ اَمْتَدَّتْ لَہُنَّ مَثَکَۃً ۚ وَ اَتَتْہُمْ جُلَّ وَ اَحَدَہٗۤ وَ فَنَّهُنَّ بِسَبْکَیْنَا ۚ وَ اَلَّتْ اَخْرَجَ عَلَیْہُنَّ ۚ فَلَمَّا اَلَزَمَتْہُ اَلْکَزَیْنَةُ وَ ظَنَعْنَ اِلَیْہِیْنَ ۚ وَ لَمَّا حَاشَ لِلہٗ مَا هَذَا بِشَیْءٍ ۚ اِنَّ هَٰذَا اِلَّا مَلٰکٌ کَرِیْمٌ ۚ قَالَتْ فَلَوْلَیْکَ اَلَّذِیْ لَمَسْتَنِیْ فِیْہِ ۚ وَ لَقَدْ رَاوَدْتِہٖ عَنْ نَفْسِہٖ ۚ فَاسْتَعْصَمَ ۚ وَلَیْن لَّہٗ یَفْعَلْ مَآءَہٗۤ اَلَیْسَ جَنًّا ۚ وَ لَیْکُنَّا مِنَ الضَّٰغِرِیْنَ ۚ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ وَ مَا یَدْعُوْنِیْ اِلَیْہِ ۚ وَ اَلَا تَحْصُرُنِیْ عَنِّیْ ۚ کَذٰہُنَّ اَصَبَ اِلَیْہِیْ ۚ وَ اَنِّیْ مِنَ الْجٰہِلِیْنَ ۚ فَاسْتَجَابَ لَہٗ رَبُّہٗ ۚ فَصَرَّفَ عَنْہُ لَیْنُہُنَّ ۚ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۚ﴾

”اور شہر میں عورتیں گفتگو کرنے لگیں کہ عزیز مصر کی بیوی اپنے غلام کو اپنی طرف مائل کرنا چاہتی ہے اور اس کی محبت اس کے دل میں گھر کر گئی ہے، ہمیں لگتا ہے کہ وہ صریح کمرانی میں ہے۔ جب اس (عزیز کی بیوی) نے ان عورتوں کی (گفتگو جو حقیقت میں دیدار یوسف کے لیے ایک چال (تھی) سنی تو ان کے پاس (دعوت کا) پیغام

مصر دی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو محفوظ رکھا اور بے حیائی کے ارتکاب سے بچالیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَکُنَّ لَکَ یَصِیْفُ عَنْہُ الشَّوۡۃُ وَ الْفَضْلَۃُ ۚ اِنَّہٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ﴾ ”یوحنی ہوا، اس واسطے کہ ہم اس سے برائی اور بے حیائی کو دور کریں، بے شک وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھا۔“ (یوسف: 34/12)

﴿وَاسْتَجَبَ الْبَلَابُ﴾ ”دونوں دروازے کی طرف دوڑے۔“ کا مطلب یہ ہے کہ آپ اس سے بچنے کے لیے باہر نکلنے کے ارادہ سے دروازے کی طرف دوڑے اور اس نے آپ کا تعاقب کیا۔ ﴿وَ اَلْقَیَاسَیْنِ مَا لَکَ الْبَلَابُ﴾ ”اور دروازے کے پاس ہی عورت کا شوہر دونوں کو بل گیا۔“ اس نے بات کرنے میں پہلی کی اور اسے آپ کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی۔ کہنے لگی: ﴿مَا جِئْتِہُنَّ اِلَّا اَدَاۤ اٰہِلَکَ سَمُوۡۃً اَلَا اَنْ یُّسَجِّنَ اَوْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ﴾ ”جو شخص تیری بیوی کے ساتھ برادر اور کرے، بس اس کی سزا یہی ہے کہ اسے قید میں ڈال دیا جائے یا کوئی اور دردناک سزا دی جائے۔“ (یوسف: 35) اس نے آپ پر الزام لگا دیا، حالانکہ قصور خود اس کا تھا۔ اس طرح اس نے اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کی۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ہِیْ رَاوَدْتَنِیْ عَنْ نَفْسِیْ﴾ ”یہ عورت مجھے بھڑا رہی تھی۔“

عورت کے قبیحہ کے ایک شخص نے گواہی دی کہ واقعی یوسف علیہ السلام کا کوئی قصور نہیں۔ ایک قول کے مطابق گواہی دینے والا اچھوتا بچہ تھا، جو ابھی گوارے میں تھا۔

ایک قول یہ ہے کہ وہ اس کے خاوند ظہیر کا رشتہ دار تھا۔ ایک قول کے مطابق خود اس عورت کا رشتہ دار تھا اس نے کہا: ﴿اِنَّ کَانَ قَیْصَمَ قَدْ مِّنْ قَبْلِہٖۤ اَصَدَقَتْ وَ هُوَ مِنَ الْکٰذِبِیْنَ﴾ ”اگر اس کا کرتا آگے سے پھٹا ہوا ہو تو عورت جی ہے اور یوسف جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے۔“ کیونکہ ایسا ہو سکتا ہے کہ یوسف نے اس سے چھپر چھڑائی کہ وہ اس نے انہیں پیچھے بھانے کی کوشش کی ہوس کے نتیجے میں کرتا آگے سے پھٹ گیا ہو۔ ﴿وَ اَنَّ کَانَ قَیْصَمَ قَدْ مِّنْ ذٰہِبٍ فَلَمَّذَتْ وَ هُوَ مِنَ الضَّٰغِرِیْنَ﴾ ”اور اگر اس کا کرتا پیچھے کی جانب سے چھڑا گیا ہے تو عورت جھوٹی ہے اور یوسف سچا۔“ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ اس سے بچنے کے لیے بھاگے ہوں اور اس نے پیچھا کر کے پکڑ لیا ہو جس کی وجہ سے کرتا پھٹ گیا ہو اور واقعہ ہوا بھی ایسے ہی تھا۔ خاوند نے جو دیکھا کہ یوسف کا کرتا پیچھے کی جانب سے چھڑا گیا ہے تو صاف کہہ دیا: ﴿اِنَّہٗ مِنْ کٰذِبِیْنَ اِنَّ لَکَ لَیْنَ عَظِیْمَ﴾ ”یہ تم عورتوں کی چال بازی ہے۔ بے شک تمہاری چال بازی بہت بڑی ہے۔“ (یوسف: 37) یعنی یہ جو واقعہ

عالمہ ابراہیمہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان روایات کو ضعیف قرار دیا ہے، جن میں یوسف کے گواہوں کے گواہوں میں عجزانہ طور پر بولنے والے بچوں میں شامریا گیا ہے۔ (مسلسلہ الاما عادی الضعیفہ، 272/2 حدیث: 880) علامہ منصور علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: اس گواہ نے (جس کا ذکر آیت میں ہے) جانب داری سے کام لیا تھا کیونکہ اس قسم کے مقدمہ میں اصولی طور پر عورت کا معاذیہ ہونا چاہیے تھا۔ تاکہ تشدد کا ثبوت تلاش کیا جائے لیکن اس نے صورت معاملہ کو بدل کر یوسف کے معاذیہ کے لیے کہا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اللہ نے اس کی تدبیر ناکام بنادی اور قصور پھر بھی عورت ہی کا ثابت ہوا لہذا خاوند کو یوسف علیہ السلام سے کہنا پڑا کہ اب اس بات کو جانے دو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی معراج کی حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو دیکھا کہ انہیں آدھا حسن دیا گیا ہے۔“^①

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو حضرت آدم علیہ السلام سے آدھا حسن دیا گیا تھا۔ کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دست مبارک سے پیدا فرمایا اور آپ میں اپنی خاص روح ڈالی۔ لہذا آپ انسانی حسن و جمال کا اعلیٰ ترین نمونہ تھے۔ اس لیے بخشنی جب جنت میں داخل ہوئے تو انہیں حضرت آدم علیہ السلام کا سا قد و قامت اور حسن حاصل ہوگا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن حضرت آدم علیہ السلام سے نصف تھا اور ان دونوں ہستیوں کے درمیان ان دونوں سے زیادہ حسین کوئی انسان پیدا نہیں ہوا۔ اس طرح حضرت حوا علیہا السلام کے بعد کوئی عورت ان سے اس قدر مشابہ نہیں تھی جس قدر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ علیہا السلام سے مشابہ تھیں۔

اس وقت عزیر مصر کی بیوی نے کہا: ﴿قَدْ لَيْكُنَ الَّذِي لَتُنْكِرُنِي فِينِي﴾ ”یہی ہیں جن کے بارے میں تم مجھے طعن دے رہی تھیں۔“ پھر اس نے آپ کی کامل و مکمل پاک دھن کی تحریف کرتے ہوئے کہا: ﴿وَلَقَدْ رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ وَلَئِن لَّمْ يَفْعَلْ مَا آمُرُهُ لَيَفْعَلْهُنَّ وَيَسْلُكُنَّ فِي الْخُفْيَةِ﴾ ”میں نے ہر چند اس سے اپنا مطلب حاصل کرنا چاہا، لیکن یہ بال بال بچا رہا۔ اور جو کچھ میں اس سے کہہ رہی ہوں، اگر یہ نہ کرے گا تو یقیناً قید کر دیا جائے گا اور بے شک یہ بہت ہی بے عزت ہوگا۔“ ان سب عورتوں نے آپ کو اپنی مالکہ کی فرماں برداری کرنے کی تلقین کی تھی، لیکن آپ نے سختی سے انکار کر دیا کیونکہ

آپ انبیاء کرام علیہم السلام کی آل میں سے تھے۔ اس وقت آپ نے رب العالمین سے دعا کی اور فرمایا: ﴿رَبِّ الْيَتِيمَ أَحِبَّ إِلَيَّ رِزْقًا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ وَإِلَّا كُفِّرْتُ عَنْكَ كَيْدَهُنَّ أَصْبَأُ الْيَتِيمَ وَأَكُنَّ مِنَ الْبَاطِلِينَ﴾ ”اے میرے پروردگار! جس بات کی طرف یہ عورتیں مجھے بلارہی ہیں، اس سے تو مجھے جیل خانہ بہت پسند ہے۔ اگر تو نے ان کا فریب مجھ سے دور نہ کیا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور بالکل نادانوں سے جا ملوں گا۔“ لیکن اگر تو نے مجھے میری ذات کے سچے پروردگار (اور اپنی حفاظت اٹھائی) تو میری ذات تو کمزور ہے، میں تو اپنی جان کے لیے بھی کسی نفع نقصان کا مالک نہیں، مگر جو اللہ کی مرضی ہو۔ میں کمزور ہوں الا یہ کہ تو مجھے بقوت بخشے اور میری حفاظت فرمائے اور تیری توفیق میرے شامل حال ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ

سبیلوں سے آپ علیہ السلام کو بھی نہ دیکھا ہو۔ آخر آپ کئی سال سے اس گھر میں رہ رہے تھے۔ وہ عورتیں اکثر آتی جاتی ہوں گی۔ اصل بات یہ ہے کہ انہوں نے ایک زبان ہو کر یوسف کو کتنا گناہ کا راستہ اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ آپ کے صاف انکار پر انہوں نے خود بھی دھمکی دی۔ جب آپ اس سے بھی متاثر نہ ہوئے تو ہاتھ دھکی کر لے گئے کہ یہ خالی دھمکی نہیں۔ جس طرح ہم نے ہاتھ کاٹے ہیں تمہارے مزید انکار کی صورت میں خود بھی کٹی رہی تھی۔ اور ہمارا خون آپ کے سر ہوگا۔ جب اس مرحلہ پر بھی یوسف علیہ السلام کا بہت دم نہ رہے تو انہوں نے کہا کہ یوسف علیہ السلام انسان نہیں۔ اگر انسان ہوتا تو ہمارے ایک اشارے پر اس طرح چلا آتا جس طرح لوہا ہٹاؤس کی طرف کھینچتے ہے۔ یقیناً یہ انسانی صورت میں فرشتہ ہے جو انسانی باندہ و خواہشات سے ہمارے۔ واللہ اعلم۔

بھیجا اور ان کے لیے ایک محفل مرتب کیا اور (پھل تراشنے کے لیے) ہر ایک کو ایک ایک چھری دی اور (یوسف علیہ السلام سے) کہا کہ ان کے سامنے باہر آؤ تو ان کا رب (حسن) اُن پر (ایسا) جمایا کہ (پھل تراشنے تھے) اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور بے ساختہ انہیں اُٹھیں کہ سبحان اللہ (یہ کُن!) یہ آدمی نہیں کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔ تب اس نے کہا کہ یہ وہی ہے جس کے بارے میں تم مجھے دیتی تھیں اور بے شک میں نے اس کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا مگر یہ بچا رہا اور اگر یہ وہ کام نہ کرے گا جو میں کہتی ہوں تو قید کر دیا جائے گا اور ذلیل ہوگا۔ یوسف نے دعا کی کہ پروردگار! جس کام کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں اس کی نسبت مجھے قید پسند ہے اور اگر تو مجھ سے ان کے فریب کو نہ ہٹائے گا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور نادانوں میں داخل ہو جاؤں گا۔ سو اللہ نے اُن کی دعا قبول کر لی اور ان سے عورتوں کا مکرو فرمایا کہ بے شک وہ سننے (اور) جاننے والا ہے۔“ (یوسف: 30-34)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے شہر کی عورتوں یعنی درباریوں اور سرداروں کی بیویوں اور بیٹیوں کے طرز عمل کا ذکر فرمایا ہے۔ انہوں نے عزیر مصر کی بیوی کو اس لیے طعن و تفتیح کا نشانہ بنایا کہ اس نے اپنے غلام کو رغلانے اور اس سے شہید صحبت کا اظہار کیا حالانکہ وہ غلام ہونے کی وجہ سے اس لائق نہ تھا کہ اس کی طرف اس قدر میان غلاہر کیا جاتا ہو اس لیے ان عورتوں نے کہا: ﴿إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ ”ہمارے خیال میں وہ صریح گمراہی میں ہے۔“ کیونکہ اس نے ایک چیز (محبت کے جذبات) کو غلط مقام پر رکھ دیا ہے۔

عزیر مصر کی بیوی نے جب ان کی پرفریب نسبت کا حال سنا اور لوگوں کے طعن و تفتیح کی خبریں اس تک پہنچیں تو اس نے چاہا کہ ان کے سامنے اپنا تذکرہ پیش کرے اور وضع کر دے کہ یہ جوان دینا نہیں، جیسا وہ سمجھتی ہیں اور ان کے غلاموں جیسا نہیں۔ اس لیے انہیں بلایا اور انہیں گھر میں جمع کر لیا اور ان کے لیے ان کے لائق ضیافت کا بندوبست کیا۔ اس میں ایسی چیزیں بھی پیش کیں جو پاکو چھری سے کاٹ کر کھاتی جاتی ہیں۔ اس لیے برہمروت کو چھری دی۔ اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بہترین لباس پہنا کر تیار کیا ہوا تھا اور آپ کی جوانی کا حسن پورے جوہن پر تھا۔ اس نے آپ کو کھم دیا کہ عورتوں کے سامنے آئیں۔ آپ آئے تو چودھویں کے چاند کا حسن آپ کے سامنے تھا۔ ان عورتوں نے جب آپ کو دیکھا تو بہت برا جانا یعنی آپ کی عظمت و جلال سے مرعوب ہو گئیں۔ وہ سوچ نہیں سکتی تھیں کہ انسانوں میں ایسا حسین بھی ہو سکتا ہے۔ وہ آپ کے حسن و جلال سے اس قدر مہموت ہوئیں کہ انہیں اپنے آپ کا ہوش نہ رہا۔ انہوں نے ان چھریوں سے اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور انہیں زخموں کا احساس ہی نہ ہوا۔ اور ان کی زبان سے نکل گیا: ﴿حَاشَ لِلَّهِ مَا هَذَا بَشَرًا هَذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ﴾ ”حاشا للہ (اللہ کی پناہ!) یہ انسان ہرگز نہیں بلکہ یقیناً کوئی بہت ہی بزرگ فرشتہ ہے۔“^①

① مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے چار کھٹے ہر کران سب عورتوں نے یوسف علیہ السلام کو تلقین کی تھی کہ اپنی مالکہ کی فرماں برداری کریں۔ اس لیے بعض علماء کی رائے ہے کہ انہوں نے آپ کے حسن سے مہموت ہو کر ہاتھ نہیں کاٹے تھے۔ وہ کوئی باحیا معاشرہ تو نہ تھا کہ امرا و اعزازی کی

ہوں اور اپنے باپ واپرا ایم اور اسحاق اور یعقوب کے مذہب پر چلتا ہوں۔ ہمیں لائق نہیں کہ کسی چیز کو اللہ کے ساتھ شریک بنائیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے ہم پر بھی اور دوسرے لوگوں پر بھی لیکن اکثر لوگ شریک کرتے۔ میرے جیل خانے کے ساتھ ایک بھلائی جدا جدا آقا جیسے یا (ایک) اللہ یکتا وغالب۔ جن چیزوں کی تم اللہ کے سوا پرستل کرتے ہو وہ صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں اللہ نے ان کی کوئی سند نازل نہیں کی (سن رکھو کہ) اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے۔ اُس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ میرے جیل خانے کے رفیقو! تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو شراب پلایا کرے گا اور جو دوسرا ہے وہ سولی دیا جائے گا اور پرندے اُس کا سر فوج کھا لیں گے۔ جو امر تم مجھ سے پوچھتے تھے اس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔“ (یوسف: 41-34/12)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ عزیز مصر اور اس کی بیوی کو یقینی طور پر معلوم ہو گیا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام قصور ہیں۔ اس کے باوجود انہیں یہی مناسب معلوم ہوا کہ آپ کو کچھ عرصہ کے لیے قید کر دیا جائے تاکہ لوگوں کی چند شکوئیاں ختم ہو جائیں اور یہ معاملہ دب جائے۔ یہ مقصد بھی تھا کہ حوام پر خیال کریں کہ حضرت یوسف علیہ السلام چھپر چھڑا میں چل کر ہوگی، اے اُنہیں قیدی سزا دی گئی ہے۔ بہر حال آپ کو جیل میں بھیجنا ان کا ظلم تھا تاہم اس میں اللہ کی حکمت تھی کہ اس طرح آپ ان عورتوں کے ساتھ میل جول رکھنے سے بچ گئے اور ان کی شرارتوں سے محفوظ ہو گئے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ان کے ساتھ یہ دو اور جوان بھی جیل خانے میں داخل ہوئے تھے۔ کہتے ہیں ان میں سے ایک بادشاہ کا ساتھی تھا اس کا نام بخا بتایا جاتا ہے اور دوسرا بادشاہ کا باوری تھا۔ اس کا نام نکلتا جاتا تھا ہے۔ وہ کسی جرم کے سلسلے میں مشکوک تھے اس لیے بادشاہ نے انہیں قید کر دیا تھا۔ جب جیل میں ان کی ملاقات حضرت یوسف علیہ السلام سے ہوئی تو وہ آپ کے اخلاق و کردار، عادت و اطوار، اقوال و افعال، بکثرت عبادت اور مخلوق خدا پر شفقت سے بہت متاثر ہوئے۔ ان میں سے ہر ایک کو ایک خواب آیا، جو اس کے شب و روز کے مشاغل سے مناسبت رکھتا تھا۔

مفسرین فرماتے ہیں: ان دونوں نے ایک ہی رات میں خواب دیکھا۔ ساتی نے خواب میں دیکھا کہ انگری کی تیل کی تین شاخص ہیں، ان میں پتے آگ آئے اور انگریوں کے گچھے لگ کر پک گئے۔ اس نے انہیں لے کر بادشاہ کے پیالے میں نچوڑا اور اسے وہ مشروب پلایا۔ روٹیاں پکانے والے پانی پوری نے دیکھا کہ اس کے سر پر دو بیٹوں کی تین نوکر ہیں اور پرندے سب سے اوپر کی نوکری سے کھارے ہیں۔

دونوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنا خواب سنایا اور تعبیر کی درخواست کی۔ دونوں نے کہا: ﴿إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ﴾ ”ہمیں تو آپ خوبیوں والے شخص دکھائی دیتے ہیں۔“ آپ نے انہیں بتایا کہ وہ خوابوں کی تعبیر کے علم سے بخوبی واقف ہیں۔ اور کہا ﴿لَا يَأْتِيَنَّكَ عَظْمًا تَرُدُّهُ فَمَا كَانَ بِنَاؤُهُ فَلْيَمِيزْ بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ ”تعبیریں جو کھانا دیا جاتا ہے اس کے

نے فرمایا: ﴿فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَوَّرَ عَنْهُ كَيْفَ هُنَّ﴾ ”اِنَّکَ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ“ ”اس کے رب نے اس کی دعا قبول کر لی اور ان عورتوں کے داؤ بیچ اس سے چھیر دے، یقیناً وہ سننے والا جاننے والا ہے۔“

حضرت یوسف علیہ السلام قید خانے میں

عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کی بے گناہی ثابت ہو جانے کے باوجود آپ کو قید خانے میں ڈال دیا تاکہ اپنے خاندان کے عیب کو چھپا کر اور لوگ اس قصے کو فروغ نہ دیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس قید کو حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے باعث خیر و برکت بنانے کا فیصلہ کیا ہوا تھا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ثُمَّ بَلَغَ الْهَمَّ مِنْ بَعِي مَا رَأَوْا الْآيَاتِ لَيْسَ جُنْدًا كَثْفًا حِينَ ۖ وَدَخَلَ مَعَهُ التَّيْجَنَ فَتَبَيَّنَ ۖ قَالَ أَحَدُهُمَا إِنِّي أَرِيتُ أَحْمَرَ خَمْرًا ۖ وَقَالَ الْآخَرُ إِنِّي أَرِيتُ أَحْمَرَ قَوْقَرًا ۖ رَاسِي خَبْرًا ۖ أَتَاكَ الْكَلْبُ مَبْنُوعًا ۖ نَبَتْنا بِتَانِوَالِيَةِ ۖ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ۖ قَالَ لَا يَأْتِيَنَّكَ عَظْمًا تَرُدُّهُ فَمَا كَانَ بِنَاؤُهُ فَلْيَمِيزْ بَيْنَ يَدَيْهِ ۖ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَنَّكَ ۖ ذَلِكُمْ مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي ۖ إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ۖ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي لِيُزِيلُوهُ ۖ وَاسْتَقَرَّ ۖ يَعْقُوبُ ۖ مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُشْرِكَ بِاللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۖ ذَلِكُمْ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۖ لِيَصْجِيَ التَّيْجَنَ ۖ أَرَادَ بَابَ مُتَعَفِّقُونَ خَيْرًا ۖ إِنَّهُ الْوَجَدُ الْفَقَالَ ۖ مَا كَعْبُورٌ مِنْ دُونِهِ ۖ إِلَّا أَسْمَاءُ سَبَّحَتْهُمُ اللَّهُمَّ وَأَبَاؤُهُمْ ۖ هَآ أَتُوكَ اللَّهُ يَهْمًا مِنْ سُلَيْمَانَ ۖ إِنَّ الْحُكْمَ لِلَّهِ ۖ أَمَرَ أَنْ تَقْبَلَ ۖ إِلَّا آيَاتُهُ ۖ ذَلِكُمُ الْيَوْمَ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۖ لِيَصْجِيَ التَّيْجَنَ ۖ أَمَّا أَحَدُكُمَا فَيَسْقُ رَبُّهُ خَمْرًا ۖ وَأَمَّا الْآخَرُ فَيَكْضَبُ ۖ فَمَّا كَلَّ الْكَلْبُ مِنْ تَأْسِيبِهِ فَضَى الْأَمْرُ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِينَ ۖ﴾

”پھر باوجود اس کے کہ وہ لوگ نشان دیکھ چکے تھے ان کی رائے یہی تھی کہ کچھ عرصے کے لیے ان (یوسف) کو قیدی کر دیں۔ اور ان کے ساتھ دو اور جوان بھی داخل زندان (جیل) ہوئے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ (میں خواب) میں دیکھتا ہوں کہ شراب (کے لیے انگری) نچوڑ رہا ہوں۔ دوسرے نے کہا کہ (میں نے بھی خواب دیکھا ہے) میں یہ دیکھتا ہوں کہ اپنے سر پر دو بیٹوں اٹھائے ہوئے ہوں اور پرندے ان میں سے کھا رہے ہیں (لہذا) ہمیں ان کی تعبیر بتا دیجیے کہ ہم جنہیں نیکہا سمجھتے ہیں۔ یوسف نے کہا کہ جو کھانا تم کو ملنے والا ہے وہ انہیں نہیں پائے گا کہ میں اس سے پہلے تم کو ان کی تعبیر بتا دوں گا۔ یہ ان (باتوں) میں سے ہے جو میرے پروردگار نے مجھے سکھائی ہیں۔ جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور روز آخرت کا انکار کرتے ہیں میں ان کا مذہب چھوڑے ہوئے

فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ساقی ہے۔ ﴿وَأَمَّا الْاَخِرُ فَصَلِّبَ قَتَا كُلَّ الْكَلْبِ مِنْ زَابِيَةٍ﴾ ”لیکن دوسرا صلیب دیا جائے گا اور پرندے اس کا سرو توج کھائیں گے۔“ کہتے ہیں اس سے مراد بدو چچی ہے۔ ﴿فَصَيَّ الْاَكْمَرُ الَّذِي فِيْهِ تَسْتَفْتِيْنَ﴾ ”تم دونوں جس کے بارے میں استفسار کر رہے تھے، اس کام کا فیصلہ ہو چکا ہے۔“ یعنی یہ لازماً ہو کر رہے گا۔ اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تک خواب کی تعبیر نہ کی جائے، وہ پرندے کے پاؤں پر ہے۔“ (اس کا واقع ہونا اور نہ ہونا دونوں ممکن ہیں جیسے پرندے کے پیر میں پکڑی ہوئی چیز کا گرنا اور نہ گرنا دونوں ممکن ہیں) جب تعبیر کردی جائے تو وہ واقع ہو جاتی ہے۔“^①

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالَ لِّلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ۚ فَانْسَسَ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهِ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ۝۹﴾

”اور دونوں شخصوں میں سے جس کی نسبت (یوسف نے) خیال کیا کہ وہ رہا ہوا یا چاہا ہے گا؟ اُس نے کہا کہ اپنے آقا سے میرا ذکر بھی کرنا لیکن شیطان نے اُن کا اپنے آقا سے ذکر کرنا بھلا دیا اور یوسف کئی برس جیل خانے ہی میں رہے۔“ (یوسف: 12/42)

اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس شخص سے کہا جو اُن کے خیال میں نجات پانے والا تھا، یعنی ساقی سے کہا: ﴿اِذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ﴾ ”اپنے بادشاہ سے میرا ذکر بھی کر دینا۔“ یعنی بادشاہ کو میرا معاملہ بتانا اور میرا بغیر جرم کے قید ہونا ذکر کرنا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسباب کو اختیار کر کے کوشش کرنا جائز ہے اور یہ اللہ رب العالمین پر توکل کے معنائی نہیں۔ ﴿فَاقْسَسَ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهِ﴾ ”پھر اسے شیطان نے اپنے بادشاہ سے ذکر کرنا بھلا دیا۔“ یعنی شیطان نے چھوٹ جانے والے قیدی کو بھلا دیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اسے جو تاکید کی تھی، اس کا ذکر بادشاہ سے کرتا۔ حضرت مجاہد بن اسحاق رحمہ اللہ اور دوسرے متعدد علما نے کرام نے یہی فرمایا ہے اور یہی درست ہے۔ اہل کتاب کے ہاں بھی (بائبل میں) یہی لکھا ہوا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ۝۹﴾ ”اور اس (یوسف) نے کئی سال قید خانے ہی میں گائے۔“ [بضْع] کا لفظ تین سے نو تک بولا جاتا ہے۔^②

جن حضرات نے ﴿فَاقْسَسَ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهِ﴾ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ”شیطان نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے رب کی یاد بھلا دی۔“ ان کا موقف درست نہیں۔

① سنن ابی داود: ”الادب“ باب فی الرؤیا: حدیث: 5020

② علامہ منصور پوری مدظلہ بیان کرتے ہیں کہ اکثر مفسرین کا اتفاق اس بات پر ہے کہ یوسف صدیق علیہ السلام نے نہاد اس بات سے سات سال تک رہے تھے۔ (البرہان والکمال)

تہمارے پاس پہنچنے سے پہلے ہی میں تمہیں اس کی تعبیر بتا دوں گا۔“

اس کی تفسیر اس طرح بھی کی گئی ہے کہ تمہیں جو خواب بھی نظر آئے، میں اس کی تعبیر کے واقع ہونے سے پہلے تعبیر بتا دوں گا۔ پھر جیسے میں نے بتایا ہو گا اسی طرح واقع ہو گا۔ اور ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ تہمارے پاس کھانا آنے سے پہلے میں بتا سکتا ہوں کہ وہ کھانا کیا ہو گا، بیٹھا یا کھتا؟ جیسے حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿وَاَنذَرْتَهُمْ يَمَانًا كَاٰثُوْنَ وَمَا تَكُنْ خَزُوْنَ ۚ فَبِئْسَ مَا يَكُوْنُ﴾ ”اور جو کچھ تم کھاؤ اور جو اپنے گھروں میں ذخیرہ کرنا میں تمہیں بتا دیتا ہوں۔“ (ال عمران: 49/3)

آپ نے فرمایا: ”یہ سب کچھ مجھے اللہ نے سکھایا ہے کیونکہ میں اس پر ایمان رکھتا ہوں، اس کی توحید پر کاربند ہوں اور اپنے معزز اجداد ابراہیم خلیل الرحمن، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کے مذہب ولایت کا قیام ہوں۔ ہمیں ہرگز یہ سزا اور تمہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کی کوئی شریک کریں۔ یہ ہم پر اللہ کا خاص فضل ہے کہ اس نے ہمیں اس کی ہدایت بخشی اور تمام لوگوں پر بھی کہ اس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم انہیں اس کی طرف بلائیں اور ان کی اس طرف رہنمائی کریں۔ یہ (عقیدہ توحید) ان کی فطرت میں پیوست ہے اور ان کی جبلت میں شامل ہے۔ لیکن اکثر لوگ ناشگرمی کرتے ہیں۔“

﴿فَقِيْدَ خَالٍ مِّنْ دَعْوَتِ تَوْحِيْدٍ﴾ پھر آپ نے انہیں توحید کی دعوت دی اور غیر اللہ کی عبادت کی مذمت فرمائی، معبودان باطلہ کی تحقیر اور ضعف کو واضح فرمایا اور کہا: ﴿يٰۤاَصْحٰبِي السِّجْنِ ؕ اٰزْكَاۤبًا فَتَشْفِقُوْنَ خَيْرًا ۗ اِنَّ اللّٰهَ الْوَاحِدَ الْقَهَّارَ ۝۱۰ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِلَّا اَنْسَآءَ سَبَّحُوْهُنَّ اَنَّهُۥ وَاَنَّا كٰذِبٌ ۝۱۱ فَاٰتٰوْا اللّٰهَ يَهْدِيْكُمْ سُلٰلٰتُہٗ اِنَّ الْعَمَلُ الْاَكْبَرُ ۝۱۲﴾ ”اے میرے قید خانے کے ساتھیو! کیا تم ایک مشرق پر دروگ رہتے ہو یا ایک اللہ زبردست طاقتور؟ اس کے سوا تم جن کی پوجا پاٹ کر رہے ہو وہ صرف نام ہی نام ہیں، جو تم نے اور تمہارے باپ سے واہنے خود ہی گھڑے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔“

فرمایا: ”فرمانِ رواۃ صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔“ (یوسف: 39/40)

یعنی وہی اہل تعلق میں تصرف کرتا ہے جو جو چاہتا ہے کر لیتا ہے، جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ رہنے دیتا ہے۔ اس کا فرمان ہے: ﴿اَلَا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰهَ ۚ﴾ ”تم سب سوائے اس کے کسی کی عبادت نہ کرو۔“ یعنی وہ کیا کیا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ ﴿فَلِكُلِّ الدِّيْنِ الْقَضِيَّةُ﴾ ”ہمیں دین درست ہے۔“ یعنی سیدھا اور صحیح راستہ ہے۔ ﴿وَلِكُلِّ اَلَمِّ النَّاسِ لَا يَعْصِيُوْنَ﴾ ”لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے“ اور وہ اس کے واضح ہونے کے باوجود اس تک نہیں پہنچتے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا اس موقع پر انہیں تبلیغ کرنا انتہائی حکمت و کمال کا مظہر ہے کیونکہ ان کے دلوں میں آپ کی عظمت جاگزیں ہو چکی تھی، لہذا وہ آپ کی بات سننے اور تسلیم کرنے پر آمادہ تھے۔ اس لیے مناسب تھا کہ انہوں نے جو کچھ دریافت کیا انہیں اس سے زیادہ اہم اور زیادہ مفید امر کی طرف توجہ دلائی جاتی۔

پھر جب آپ تبلیغ کا فرض ادا کر چکے اور ان کی رہنمائی فرما چکے تو فرمایا: ﴿يٰۤاَصْحٰبِي السِّجْنِ ؕ اَمَّا اَصْحٰبُكُمْ فَيَقْسِفُوْنَ رَبِّكَ ۝۱۳﴾ ”اے میرے قید خانے کے رفیقو! تم دونوں میں سے ایک تو اپنے بادشاہ کو شراب پلانے پر مقرر ہو جائے گا۔“ علماء

لوگ اس میں رس نہ چھڑیں گے۔“ (یوسف: 43-49)

یہ بھی ان اسباب میں سے ایک سبب ہے جن کی بنا پر حضرت یوسف علیہ السلام کو بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ جیل سے باہر لایا گیا۔ واقعہ یوں ہوا کہ مصر کے بادشاہ کو ایک خواب آیا۔ اہل کتاب کہتے ہیں کہ اس نے خواب میں دیکھا گویا وہ ایک دریا کے کنارے پر ہے۔ دریا سے سات موٹی تازی گائیں نکلیں اور وہاں مرغزار میں چرنے لگیں۔ پھر اسی دریا سے سات ڈبلی گائیں نکلیں اور ان کے ساتھ چرنے لگیں۔ پھر وہ ڈبلی گائیں ان موٹی گایوں کو کھا گئیں۔ بادشاہ گھبرا کر بیدار ہو گیا۔ جب وہ ابرہہ سویا تو اس نے دیکھا کہ گندم کے ایک پودے میں سات سبز بالیاں ہیں، اچانک سات چلی چلی خشک بالیوں نے انہیں کھا لیا۔ وہ پھر گھبرا کر بیدار ہو گیا۔ (بائبل، کتاب پیدائش باب: 41)

جب اس نے اپنے دو باریوں اور دوسرے افراد کو یہ خواب سنایا تو کوئی اس کی تعبیر نہ بتا سکا بلکہ انہوں نے کہا: **”أَصْحَاتُ أَحْلَامُ“** ”یہ تو پریشان خواب ہیں۔“ اس قسم کے خوابوں کی کوئی تعبیر نہیں ہوتی اور پھر یہ بات بھی ہے کہ ہمیں اس علم میں کوئی مہارت حاصل نہیں۔ اس لیے انہوں نے کہا: **”وَمَا تَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِطُولِهِمْ“** ”اور ہم خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے۔“

اس وقت قید سے نجات پانے والے (سانی) کو یوسف کی بات یاد آئی جو انہوں نے فرمایا تھا کہ بادشاہ کے پاس ان کا ذکر کرنا لیکن اسے اب تک یہ بات یاد نہیں رہی تھی۔ یہ اللہ کی تقدیر تھی جس میں اللہ کی خاص حکمت پوشیدہ تھی۔ اس نے جب بادشاہ کا خواب سنا اور لوگوں کو اس کی تعبیر سے عاجز و کھٹکا تو اسے حضرت یوسف علیہ السلام کی بات چیت اور نصیحت یاد آگئی۔

ارشاد: **بَارِئُ عَالِي** ہے: **”إِلَى الذِّنِّ نَجَا مَبْنَاهَا وَأَذْكُرْ بَعْدَ أَهْوَى“** ”ان دو قیدیوں میں سے جو برا ہوا تھا، اسے مدت کے بعد یاد آگیا۔ یعنی تین سال بعد سے یاد آگیا تو اس نے اپنی قوم سے اور بادشاہ سے کہا: **”إِنَّا أَنَا نَتْلُوكُمْ بِتَأْوِيلِهِ مَا رَسُولُنَا“** ”میں تمہیں اس کی تعبیر بتا دوں گا، مجھے جانے کی اجازت دیجیے۔“ یعنی مجھے یوسف علیہ السلام کے پاس جانے کی اجازت دیجیے، چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: **”يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِي سِنْعِ بَقَرَاتِ يَسَانَ يَأْكُلُهُنَّ سِنْعٌ عِجَافٌ وَسِنْعٌ سُبُلَاتٍ خَضِيرٌ وَأَخْرَ يُوسُفُ لَعَلَّ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ“** ”یوسف! اے بہت بڑے سچے یوسف! آپ ہمیں اس خواب کی تعبیر بتائیے کہ سات موٹی تازی گائیں ہیں، جنہیں سات ڈبلی چلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات بالکل سبز خوشے ہیں اور سات ہی، دوسرے بالکل خشک ہیں، تاکہ میں واپس جا کر ان لوگوں سے کہوں تاکہ وہ سب جان لیں۔“

حضرت یوسف علیہ السلام نے کوئی شرط لگا کر بغیر اور جلد رہائی کا مطالبہ کیے بغیر بلا تاخیر انہیں اپنے ظلم سے مستفید فرمایا اور بادشاہ کے خواب کی تعبیر بیان کر دی کہ ”پچھلے سات سال شادابی ہوگی اور پھر سات سال قحط پڑے گا اور اس کے بعد جو سال آئے گا، اس میں لوگوں پر خوب بارش برسانی جائے گی جس سے زرخیزی اور خوش حالی آئے گی اور اس میں خوب رس نہ چھڑیں گے۔“ یعنی انگوٹھوں کا رس، ریزنوں اور نکلوں وغیرہ کا تیل جیسے پہلے حاصل کیا کرتے تھے، پھر حاصل کرنے لگیں گے۔

بادشاہ کا خواب اور اس کی تعبیر

حضرت یوسف علیہ السلام کا قیدی سا جی رہا ہونے پر بادشاہ کے سامنے آپ کا تذکرہ کرنا بھول گیا۔ پھر جب بادشاہ کو خواب آیا اور عام درباری اس کی تعبیر سے عاجز آئے تو اسے حضرت یوسف علیہ السلام یاد آئے کہ آپ خوابوں کی بہترین تعبیر جانتے ہیں۔ لہذا وہ بادشاہ کی اجازت سے آپ کے پاس تعبیر پوچھنے کے لیے حاضر ہوا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ قَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَى سِنْعَ بَقَرَاتٍ يَأْكُلُهَا سِنْعٌ عِجَافٌ وَسِنْعٌ سُبُلَاتٍ خَضِيرٌ وَأَخْرَ يُوسُفُ يَأْكُلُهَا الْمَلِكُ أَفْتِنِي فِي رُؤْيَايَ إِن كُنْتُ لِلرُّؤْيَا نَاعِبُونَ **وَقَالُوا أَصْحَاتُ أَحْلَامُ وَمَا تَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِطُولِهِمْ** **وَقَالَ الذِّنِّ نَجَا مَبْنَاهَا وَأَذْكُرْ بَعْدَ أَهْوَى أَنَا نَتْلُوكُمْ بِتَأْوِيلِهِ مَا رَسُولُنَا** **يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِي سِنْعِ بَقَرَاتِ يَسَانَ يَأْكُلُهُنَّ سِنْعٌ عِجَافٌ وَسِنْعٌ سُبُلَاتٍ خَضِيرٌ وَأَخْرَ يُوسُفُ لَعَلَّ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ** **قَالَ تَزْرَعُونَ سِنْعَ سِنِينَ دَابَّاءَ فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرَوْهُ فِي سَبُلَيْهِ لِكُلِّ قَلْبٍ مَا تَأْكُلُونَ** **ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ سِنْعٌ شِدَادٌ يَأْكُلُ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تَحْصِنُونَ** **ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَارُ النَّاسُ وَيُؤْفِقُ يَصْصِرُونَ** ﴿٤١﴾

”اور بادشاہ نے کہا کہ میں (خواب دیکھا ہے) دیکھتا ہوں کہ سات موٹی گائیں ہیں جن کو سات ڈبلی چلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات خوشے ہنز ہیں اور (سات) خشک۔ اے سردار! اگر تم خوابوں کی تعبیر بتا سکتے ہو تو مجھے میرے خواب کی تعبیر بتاؤ؟ انہوں نے کہا یہ تو پریشان سے خواب ہیں اور میں ایسے خوابوں کی تعبیر نہیں آتی۔ اب وہ شخص جو دونوں قیدیوں میں سے رہائی پا گیا تھا اور جسے مدت کے بعد وہ بات یاد آئی بول اٹھا کہ میں آپ کو اس کی تعبیر (لاکر) بتا دیتا ہوں۔ مجھے (میل خانے) جانے کی اجازت دیجیے۔ (غرض وہ یوسف کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے یوسف! اے بڑے سچے (یوسف) ہمیں (اس خواب کی تعبیر) بتائیے کہ سات موٹی گایوں کو سات ڈبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات خوشے ہنز ہیں اور سات سوکھے تاکہ میں لوگوں کے پاس واپس جا کر تعبیر بتاؤں تاکہ وہ جان لیں۔ انہوں نے کہا کہ تم لوگ سات سال متواتر کھیتی کرتے ہو گے سو جو (غلہ) کاٹو تو تھوڑے سے غلے کے سا جو کھانے میں آئے اُسے خوشن ہی میں رہنے دو۔ پھر اس کے بعد (خشک سالی کے) سات سخت سال آئیں گے کہ جو (غلہ) تم نے جمع کر کے رکھا ہو گا وہ اس سب کو کھا جائیں گے۔ صرف وہی تھوڑا سا غلہ رہ جائے گا جو تم اختیار سے رکھ چھوڑو گے۔ پھر اس کے بعد ایک سال ایسا آئے گا کہ خوب مینہ برے گا اور

آپ نے انہیں تعبیر بھی بتائی اور بھی تہہ پہن بھی بھجوائی اور دو سالوں یعنی زرخیزی اور قحط کے ایام کے بارے میں ان کی رہنمائی فرمائی کہ ابتدائی سالوں یعنی زرخیزی کے دور میں غلہ خوشوں میں رکھیں، صرف کھانے کی ضرورت کے مطابق دانے نکالیں اور قحط سال کے دور میں بیج کم بویں کیونکہ زیادہ کامیابی ہے کہ بیج سے بیج کے برابر بھی پیداوار نہ ہوگی۔ اس سے آپ کے علم اور فہم و دونوں کے کمال کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام بے قصور ثابت ہوتے ہیں

خواب کی تعبیر معلوم ہونے پر بادشاہ بڑا خوش ہوا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو حاضر کرنے کا حکم دیا تاکہ انہیں اپنے خاص دروازہ میں شامل کرے مگر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی مکمل بے گمانی کا اظہار کر دیا بغیر جیل سے باہر آنے سے انکار کروا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَقَالَ إِلَهُكَ إِنَّكَ أَنْتَ قَدِيمٌ عَلَيْهِمْ ۚ فَأَمَّا جَاءَهُ الرِّسَالُ قَالَ ارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ مَا بَالُ الْبَشَرِ الْأَنبِيِّ ۖ فَفَعَلَ مَا يُلِيهِمْ ۚ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِمْ عَلِيمٌ ۖ قَالَ مَا خَطْبُكَ إِذْ رَأَوْنَكَ بِرُؤُفٍ عَنْ نَفْسِهِ قُلْنِ حَاشَ لِلَّهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ مَثُومٍ ۚ قَالَتِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ إِنَّهُ أَفْكٌ مِمَّنَّ بَنَوْا هَاهُنَا قَبْلَ ۚ أَتَاكَؤُودُهُ عَنْ نَفْسِهِ ۚ وَإِنَّهُ لَمِنَ الضَّالِّينَ ۚ ذَلِكَ لِيَعْلَمَ أَنَّ لَهُم مَخْفَاً بِالْغَيْبِ ۚ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي قَوْمَ الْبَاطِلِ ۚ وَأَنَّ الْغَيْبَ لَمِنَ الْغَافِلِينَ ۚ وَمَا أَجْرِي قَسِيءٌ ۚ إِنَّ النَّفْسَ لَأَكْرَاهَا ۚ بَاسْمِ اللَّهِ إِلَّا مَا رَجِمْتُ ۚ إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ۖ ﴾

”بادشاہ نے حکم دیا کہ یوسف کو میرے پاس لے آؤ۔ جب قاصد اُن کے پاس گیا تو انہوں نے کہا کہ اپنے آپ کا پاس کی لوٹ جا اور اس سے پوچھ کہ ان عمروں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کا ڈالے تھے؟“

میرا پروردگار اُن کے کمرے سے خوش واقف ہے۔ بادشاہ نے (عمروں سے) پوچھا بھلا اُس وقت کیا ہوا تھا، تم نے یوسف کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا۔ سب بول اُٹھیں کہ (حاشا للہ!) ہم نے اُس میں کوئی برائی معلوم نہیں کی۔ عزیز کی عورت نے کہا: اے حجج بات تو ظاہر ہو ہی گئی ہے (اصل یہ ہے کہ) میں نے اُس کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا اور وہ بے شک سچا ہے۔ (یوسف نے کہا کہ میں نے) یہ بات اس لیے (پوچھی ہے) کہ عزیز کو یقین ہو جائے کہ میں نے اُس کی چیز پیچھے اس کی (خانت میں) خیانت نہیں کی اور اللہ خیانت کرنے والوں کے کمر کو رادہ نہیں دیتا۔ اور میں اپنے آپ کو پاک صاف نہیں کہتی کیونکہ اُنھیں اُنھوں نے (انسان کو) برائی کی سکھا تا رہتا ہے مگر یہ کہ میرا رب پروردگار رحم کرے۔ بے شک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے۔“ (یوسف: 50/52)

جب بادشاہ اُنچھی طرح معلوم ہو گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام علم و فضل کا حامل ہے، رائے صاحب اور فہم ناخب سے متصف

ہیں تو اس نے حکم دیا کہ آپ کو اس کے دربار میں حاضر کیا جائے تاکہ آپ کو خنساء دربار میں شامل کیا جائے۔ جب شاہ فرستادہ آپ کے پاس پہنچا لایا تو آپ نے شاہ کا ہر ایک کو معلوم ہو جانے کو آپ کو قید کیا تا جہنم ظلم و عدوان تھا اور جو گناہ آپ کی طرف منسوب کیا گیا وہ صریح بہتان تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا: **﴿لَوْ رِكَتٌ مُّقْتَدِلَةٌ مَا بَالُ الْقَوَّةِ اَنْبِيَّ كُفَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ اِنَّ رَبِّيَ كَبِيْرٌ هَرَقَ عَلَيَّ﴾** ”اے شاہ! مجھے بعضی بادشاہ کے پاس واپس جاؤ اور اس سے پوچھ کر ان کو رکتوں کا کھینچا واقعہ اسے جنہوں نے اسے اتھاڑا کھلے تھے؟ میرا رب ان کے خیلے سے واقف ہے۔“

﴿يَرْجِي﴾ "میرا مالک، آقا" سے ایک قول کے مطابق عزیز مراد ہے یعنی اسے تو معلوم ہے کہ میں اس الزام سے بری ہوں لہذا بادشاہ سے کہو کہ وہ ان عورتوں سے بھی پوچھئے کہ جب انہوں نے مجھے برکنا چاہا تو میں نے ان کی بات ماننے سے کس قدر سختی سے انکار کیا تھا؟ جب عورتوں سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے اصل واقعہ کا اعتراف کر لیا اور یہ تسلیم کیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا کردار بے داغ تھا۔ انہوں نے کہا: ﴿حَاشَ لِلَّهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ مَخْطِئٍ﴾ "ععااذ اللہ! ہم نے یوسف میں کوئی برائی نہیں پائی۔"

اس وقت "عزیز کی بیوی" دلچسپی بھری آنکھوں سے اس کو دیکھ رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اب تو سچ بات نکھر آئی یعنی حق واضح ہو گیا ہے اور حق ہی کی پیروی ہوتی چاہیے۔ اس نے کہا: "اِنَّكَ اَوَدَّكَ عَنْ قَبِيْهِهٖ وَارَادَ لَوْ كَانَ الضُّلٰىقَيْنِ" "میں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ میں اس کے ساتھ نہ جاؤں اور وہاں بہتا ہوا، اور وہ یقیناً کچھوں میں سے ہے۔" یعنی اس کی یہ بات بالکل سچ ہے کہ وہ گناہ ہے، اس نے مجھے گناہ کی دعوت نہیں دی بلکہ اسے جھوٹ اور بہتان کی بنیاد پر ظلم و عدوان سے قید کر گیا تھا۔

آیت مبارکہ ذَلِكْ لِيَعْلَمَ اَنَّكَ لَمْ تَكُنْ مِنَ الْغَافِقِيْنَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ كَيْفَ الْخَافِيْنَ کو غلط علماء نے یوسف علیہ السلام کا کام قرار دیا ہے۔ اس صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ میں نے یہ تحقیق اس لیے کرائی ہے تاکہ عزیز کو معلوم ہو جائے گا کہ میں نے اس کی غیروجودگی میں، اس کی خیانت نہیں کی تھی (یعنی زلیخا سے ناجائز تعلق قائم نہیں کیا تھا)۔ اور دوسرے علماء اسے زلیخا کا کام قرار دیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ میں نے اعتراف کر لیا ہے تاکہ میرے خاندان کو غلام ہو جانے کے میں نے اپنے خاندان کی عملاً خیانت نہیں کی تھی۔ صرف اہل کرنے کی کوشش ہوئی تھی، بدکاری کا عمل سرزد نہیں ہوا۔

متاخرین علماء میں سے بہت سے حضرات اس (دوسرے) قول کی تائید کرتے ہیں۔ البتہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے صرف پہلا قول نقل کیا ہے۔

”وَمَا أَزِيحُ غُفْيًا إِنَّ النَّفْسَ لَكَاظًا بِالشَّوْءِ إِلَّا مَا جَعَلَنِي الرَّحْمَنُ غَفُورًا جِيمًا“ اور میں اپنے نفس کی پاکیزگی بیان نہیں کرتی، بے شک نفس تو ہر اچھارے والا ہے، مگر یہ کہ میرا پروردگار ہی اچھا کرے۔ یقیناً میرا بالے والا بڑی بخشش کرنے والا اور بہت مہربان فرمانے والا ہے۔“

محفوظ رکھا جاسکتا ہے اور گودام کی طرح بہتر حالت میں رہ سکتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص اپنے بارے میں جانتا ہو کہ وہ کسی عہدے کی اہلیت رکھتا ہے اور دیانت داری سے متصف ہے، اس کے لیے حکومتی عہدہ طلب کرنا جائز ہے۔

اہل کتاب کہتے ہیں: فرعون (یعنی اس وقت کے شاہ مصر) نے حضرت یوسف علیہ السلام کی بے حد عزت افزائی کی اور آپ کو پورے مصر کا حاکم بنا دیا۔ اس نے آپ کو اپنی شاہی انگوٹھی پہنائی، ریشم کا لباس پہنایا^①، سونے کا بار پہنایا اور آپ کو اپنے دوسرے رتھ میں سوار کر آپ کے آگے یہ منادی کرائی کہ تو مالک اور مختار ہے اور اپنے بارے میں کہا: فقط تحت کا مالک ہونے کے سبب سے میں بزرگ تر ہوں گا۔

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَلَوْلَا دَلَمُكَ لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ: يَكُونُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ﴾ ”اسی طرح ہم نے یوسف کو ملک کا قبضہ دے دیا وہ جہاں نہیں چاہے رہے ہے۔“ کا مطلب یہ ہے کہ قید اور تنگی کی زندگی گزارنے کے بعد پورے مصر میں خود مختار ہو گیا۔ جہاں چاہے عزت و احترام سے رہے ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَلْيُصِيبْ بِرَحْمَتِنَا مَن لَّفَاءَ وَلَا تُضِيعْ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾ ”ہم جسے چاہیں اپنی رحمت پہنچا دیتے ہیں اور ہم نیکو کاروں کا ثواب ضائع نہیں کرتے۔“ یہ سب اس جزا اور ثواب کا ایک حصہ ہے جو اللہ تعالیٰ مومن کو دیا کرتا ہے اور جس کے ساتھ آخرت میں عظیم نعمتیں اور بہترین ثواب محفوظ ہوتا ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿وَلَا تُخْزِرُ الْأَجْرَ قَدَحُ خَيْرَ لِّذَيْنِ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ﴾ ”یقیناً ایمان داروں اور پرہیز گاروں کا آخری اجر بہت ہی بہتر ہے۔“

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ مصر کا بادشاہ یان بن ولید یوسف علیہ السلام کے ہاتھ پر اسلام لے آیا تھا۔^② (واللہ اعلم)

برادران یوسف علیہ السلام مصر میں

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو طویل عمر آفرمائش کے بعد عتد مصر سے نوازا جبکہ آپ کے حاسد بھائی قاتل سالی کا شکار ہو کر آپ کے پاس غلے کے حصول کے لیے آتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَاءَ إِخْوَتَا يُوْسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَّفَهُمُ وَهَمَّ لَهُمْ مَدْرُونٌ ۖ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَّازِهِمْ قَالَ ائْتُونِي بِأَجْرِكُمْ مِّنْ أَلْفِ تَرْتُونَ أَلْفِي أَوْ فِ الْمِلَّةِ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ ۖ فَإِن لَّمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِي وَلَا تَقْرَبُونِ ۚ قَالُوا سَرَّوْا عَنْهُ أَبَاكَ وَرَأَيْنَا فَطَحَيْنَا ۚ وَقَالَ لِفَتِيلِهِ

① بائبل میں ”باریک تان“ کا لباس کہا گیا ہے۔ (پیدائش، 42:41) بہر حال مقصود لباس کا قہرہ ہے۔

② تفسیر ابن کثیر: 339/4 تفسیر سورہ یوسف 57: ایت 57

جہلی آیت کے بارے میں اختلاف کی بنیاد پر اس آیت کو بھی بعض علماء نے حضرت یوسف علیہ السلام کا قول قرار دیا ہے اور بعض نے زلیخا کا۔ زیادہ مناسب اور زیادہ قوی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی زلیخا کا کلام ہے۔ (واللہ اعلم)

حضرت یوسف علیہ السلام منصب حکومت پر

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالَ الْمَلِكُ الْتَوَيْتُ بِهِ اسْتِخْلَصَهُ لِنَفْسِي ۖ فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ ۖ أَمِينٌ ۚ قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۖ إِنِّي حَفِيظٌ عَلَيْمُ ۚ وَكَذَلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ ۖ يَكُونُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ ۖ مُّصِيبٌ بِرَحْمَتِنَا مَن لَّفَاءَ وَلَا تُضِيعْ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۖ وَلَا تُخْزِرُ الْأَجْرَ قَدَحُ خَيْرَ لِّذَيْنِ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۚ﴾

”بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے میرے پاس لاؤ، میں اسے اپنے اصحاب خاص بناؤں گا۔ پھر جب اُن سے گفتگو کی تو کہا کہ آج سے تم ہمارے ہاں صاحب منزلت اور صاحب اعتبار ہو (یوسف علیہ السلام نے) کہا مجھے اس ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجیے کیونکہ میں حفاظت بھی کر سکتا ہوں اور اس کام سے واقف بھی ہوں۔ اس طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو ملک (مصر) میں جگہ دی اور وہ اس ملک میں جہاں چاہتے تھے رہتے تھے۔ ہم اپنی رحمت جس پر چاہتے ہیں نازل کرتے ہیں اور نیکو کاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور ڈرتے رہے اُن کے لیے آخرت کا اجر بہت بہتر ہے۔“ (یوسف: 54-57)

جب بادشاہ کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کی بے گناہی ثابت ہو گئی اور اسے علم ہو گیا کہ آپ پر گناہی جانے والا الزام سراسر بے بنیاد تھا۔ تو اس نے کہا: ﴿الْتَوَيْتُ بِهِ اسْتِخْلَصَهُ لِنَفْسِي﴾ ”اے میرے پاس لے آؤ، میں اسے اپنے خاص کاموں کے لیے مقرر کر دوں۔“ پھر جب اس سے بات چیت کی اور آپ کی بات چیت سن کر آپ کی صلاحیتیں خوب معلوم ہو گئیں تو کہنے لگا: ﴿إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ ۖ أَمِينٌ ۚ﴾ ”آپ ہمارے ہاں آج سے ذی عزت اور امانت دار ہیں۔“ (یوسف علیہ السلام نے) کہا: ﴿اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۖ إِنِّي حَفِيظٌ عَلَيْمُ ۚ﴾ ”آپ مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجیے، میں حفاظت کرنے والا اور خبر ہوں۔“ آپ نے بادشاہ سے کہا کہ وہ آپ کو نکلے کر سربازی کو واموں کی گمرانی کا منصب سونپ دے، کیونکہ شادابی کے سات سال گزرنے کے بعد حالات خراب ہونے کا خدشہ تھا اس منصب پر فائز ہونے کی صورت میں آپ اس وقت عوام کے لیے مفید اور محتاط پالیسی اختیار کر سکتے تھے۔ آپ نے بادشاہ کو بتایا کہ آپ ”حفاظت کرنے والے“ ہیں، یعنی آپ دیانت داری کے ساتھ ان کی حفاظت کرنے کی طاقت رکھتے ہیں اور ”باخبر“ ہیں، یعنی آپ کو معلوم ہے کہ کشیا کو کیسے

اجْعَلُوا بِضَاعَهُمْ فِي رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُونَ إِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٦٢﴾
 ”اور یوسف کے بھائی (کنعان) سے مصر میں غلہ خریدنے کے لیے آئے تو یوسف کے پاس گئے۔ یوسف نے ان کو پہچان لیا اور وہ اس کو نہ پہچان سکے۔ جب یوسف نے ان کے لیے ان کا سامان تیار کر دیا تو کہا کہ (پھر آنا تو) باپ کی طرف سے جو تمہارا ایک اور بھائی ہے اُسے بھی میرے پاس لیتے آنا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں باپ بھی پورا پورا دیتا ہوں اور مہمان داری بھی خوب کرتا ہوں؟ اور اگر تم اُسے میرے پاس نہ لاؤ گے تو نہ تمہیں میرے پاس سے غلہ ملے گا اور نہ تم میرے پاس آ سکو گے۔ انہوں نے کہا کہ ہم اُس کے بارے میں اس کے والد سے تذکرہ کریں گے اور ہم (یہ کام) کر کے رہیں گے۔ اور (یوسف نے) اپنے خادموں سے کہا کہ ان کا سراپا (یعنی غلے کی قیمت) اُن کے بوروں میں رکھ دو تاکہ جب یہ اپنے اہل و عیال میں جائیں تو اُسے پہچان لیں (اور) بعید نہیں کہ یہ پھر یہاں آئیں۔“ (یوسف: 62-58/12)

ان آیات میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے غلہ لینے کے لیے مصر میں آنے کا ذکر ہے۔ اس وقت قحط کے سال شروع ہو چکے تھے اور تمام علاقے قحط سے متاثر تھے۔ اس وقت مصر پر حضرت یوسف علیہ السلام کی حکومت قائم تھی۔ چنانچہ جب وہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں پہچان لیا، لیکن انہوں نے آپ کو نہ پہچانا کیونکہ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) اس مقام و مرتبہ پر فائز ہو سکتے ہیں۔ اسی لیے آپ نے انہیں پہچان لیا لیکن وہ آپ کو نہ پہچان سکے۔ بالکل میں لکھا ہے: جب وہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کو سمجھ گیا۔ آپ نے انہیں پہچان لیا اور چاہا کہ وہ آپ کو نہ پہچانیں۔ اس لیے ان سے سخت لہجے میں بات کی اور فرمایا: ”تم جاسوس ہو، تم ہمارے ملک کی اچھی چیزیں لینا چاہتے ہو!“ بھائیوں نے کہا: ”اللہ کی پناہ! ہم تو قحط اور بھوک کی وجہ سے اناج لینے آئے ہیں۔ ہم کنعان کے رہنے والے ہیں اور ایک ہی باپ کے بارہ بیٹے ہیں، جن میں سے ایک ہم ہو گیا ہے اور چھوڑا بھائی ہمارے والد کے پاس ہے۔“ آپ نے فرمایا: ”میں تمہارے معاملے کی تحقیق کروں گا۔“ آپ نے انہیں تین دن تک نظر بند رکھا پھر چھوڑ دیا۔ آپ نے شمعوں کا پتے پاس رک لیا تاکہ دوسرے بھائی بنائیں کو لے کر آئیں۔^۱ ان قصیدات میں بعض باتیں غلط بھی ہیں۔

گزشتہ آیات کی تفسیر: ارشاد باری ہے: ﴿وَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَّازِهِمْ﴾ ”اور جب انہیں ان کا سامان مہیا فرما دیا۔“ یعنی حسب معمول ہر شخص کو ایک اونٹ کے بوجھ کے مطابق غلہ دے دیا تو کہا: ﴿فَاتَّبَعُوا بِأَمْوَالِهِمْ﴾ ”تم میرے پاس اپنے اس بھائی کو بھی لانا، جو تمہارے باپ سے ہے۔“ آپ نے ان سے ان کے حالات پوچھے لیے تھے اور پوچھا کہ وہ کتنے افراد ہیں؟ انہوں نے کہا: ہم بارہ بھائی تھے۔ ایک ہم ہو گیا اور اس کا بھائی ہمارے باپ کے پاس ہے۔ آپ نے فرمایا: اگلے سال آؤ گے تو اسے بھی ساتھ لیتے آنا۔ ﴿أَلَا تَرَوْنَ أَنِّي أَوْفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ﴾ ”کیا تم نہیں

دیکھتے کہ میں پورا ناپ کر دیتا ہوں اور میں بہترین میزبانی کرنے والوں میں سے ہوں۔“ یعنی میں نے تمہاری میزبانی بہترین طریقے سے کی ہے۔ آپ نے یہ باتیں انہیں ترغیب دینے کے لیے فرمائیں، تاکہ وہ اس بھائی کو لے کر آئیں۔ پھر انہیں جھکی ہوئی دی اور فرمایا: ﴿فَإِنَّمَا تَأْكُلُونَهُ فِيهَا فَمَلَ كِلِلَ لَكُمْ عِنْدِي وَلَا تَقْطَعُوا﴾ ”پس اگر تم میرے پاس اسے لے کر نہ آئے تو میری طرف سے تمہیں کوئی باپ (غلہ) نہ ملے گا بلکہ تم میرے قریب بھی نہ چکنا۔“ یعنی پھر میں تمہیں غلہ نہیں دوں گا اور تمہاری مہمانی بالکل نہیں کروں گا یعنی پہلی بات کے برعکس معاملہ ہوگا۔ اس طرح آپ نے ترغیب و ترہیب کے ذریعے سے پوری کوشش کی کہ وہ لوگ بنائیں کو بھی ساتھ لے آئیں تاکہ آپ اپنے بھائی سے ملاقات کے اشتیاق کی تسکین کر سکیں۔ انہوں نے کہا: ﴿سَمِعْنَا وَنَعْنَاهُ أَبَاؤُنَا وَإِنَّا لَكَاغِلُونَ﴾ (اچھا!) ہم اس کے باپ کو اس کی بات ترغیب دیں گے اور پوری کوشش کریں گے۔ یعنی ہم اسے لانے کے لیے ہر ممکن کوشش کریں گے اور ہم ضرور اسے ساتھ لا کر رہیں گے۔

پھر آپ نے اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ وہ لوگ غلہ خریدنے کے لیے جو چاہے لائے ہیں، وہ ان کی لالچی میں ان کے سامان میں رکھ دیا جائے۔ ﴿لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُونَهَا إِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ ”تاکہ جب لوٹ کر اپنے اہل و عیال میں جائیں اور پوچھیں کو پہچان لیں، تو بہت ممکن ہے کہ یہ پھر لوٹ کر آئیں۔“ اس کی ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ جب وہ وطن پہنچ کر غلے میں پوچھی پائیں گے تو واپس کرنے ضرور آئیں گے۔ یا یہ وجہ ہے کہ آپ کو خطرہ تھا کہ شاید ان کے پاس مزید رقم نہ ہو، جسے لے کر وہ بارہ بارہ غلہ لینے کے لیے آئیں، یا یہ وجہ ہے کہ آپ کو غلہ کے عوض ان سے رقم لینا اچھا معلوم نہ ہوا۔

بنیامین کی حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات

بنیامین نے حسب وعدہ بنیامین کو ساتھ لے جانے کی درخواست کی تو حضرت یعقوب علیہ السلام سختی سے روک دئی پھر بیٹوں کی منت سماجت اور پختہ وعدوں کے بعد ساتھ بھیج دیا۔ اس طرح بنیامین اپنے سنگے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچ جاتے ہیں ارشاد باری ہے:

﴿فَلَمَّا رَجِعُوا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ فَأَوْفَا بِآيَاتِنَا مَنَعَ مِمَّا انْكَبُ إِقْرَابِينَ مَعًا أَخَانَا لَكُنْتُ وَلَئِن لَّمْ لَحْظُونَ ﴿٦٣﴾ قَالَ هَلْ امْتَدُّ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا امْتَدُّ عَلَىٰ أَخِيهِ مِنْ قَبْلُ قَالَ هُوَ خَيْرٌ حِفْظًا وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿٦٤﴾ وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا بِضَاعَهُمْ زَكَاةً أَيُّهْمُ؟ قَالُوا إِنَّا بَنَاتُ مَا نَبْنِي هَذِهِ بِضَاعَتُنَا زَكَاةً إِنَّا وَنَبْنِي أَهْلُنَا وَنَحْفَظُ أَخَانَا وَنَزَادُ كَيْلَ بَعْضُهُ ذَلِكُمْ كَيْلَ بَعْضٍ ﴿٦٥﴾ قَالَ لَنْ أَرْسِلَ مَعَكُمْ حَتَّىٰ تُؤْتُوا مِنِّي مَوْثِقًا مِنَ اللَّهِ لَتَأْتُنَّنِي بِهِ إِلَّا أَنْ يُحَاطَ بِكُمْ فَلَمَّا آتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ﴿٦٦﴾ وَقَالَ يَبْنَئِي لَنْ تَلَّ تَخْلُوا مِنْ بَابٍ وَاجِبٍ وَادْخُلُوا مِنْ

ہے۔ ﴿وَلَوْ تَحَفَّظْنَاكَ يَا نَدَاؤُا كَيْلَ بَعِيْذٍ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّبْسِيْذٍ﴾ ”اور اپنے بھائی کی گھرائی رکھیں گے اور اس کی وجہ سے ایک اونٹ کا بار زیادہ لائیں گے۔ یہ بار تو بہت آسان ہے۔“ ①

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے بنیامین کو اپنے پاس رکھنے کی شدید خواہش رکھتے تھے کیونکہ اس میں انہیں یوسف کی خوشبو محسوس ہوتی تھی۔ انہیں یہ اطمینان ہوتا تھا کہ یوسف کی غیر موجودگی میں ان کا بھائی موجود ہے۔ اسی لیے انہوں نے فرمایا: ﴿لَنْ اُرْسِلَہُمْ مَعَكُمْ حَتّٰی تُؤْتُوْا نِسْفَ مِوْاۡقِفٍ مِنَ اللّٰہِ لَنَأْکُلُنَّیْہِۃَ اِلَّا اَنْ یَّحَاطَ بِکُمْ﴾ ”میں تو اسے ہرگز تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا، جب تک کہ تم اللہ کو بیچ میں رکھ کر مجھے قول و قرار نہ دو کہ تم اسے میرے پاس واپس لاؤ گے، سوائے ایک صورت کے کہ تم سب مغلوب ہو جاؤ۔“ یعنی ایسی صورت حال پیدا ہو جائے کہ بنیامین کو بحفاظت واپس لاؤں گا تمہارے کس سے باہر ہو جائے۔ تم بے قصور ہو گے۔ جب انہوں نے پکا قول و قرار دے دیا تو انہوں نے کہا: ﴿اللّٰہُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ وَکَیْلٌ﴾ ”ہم جو کہہ سکتے ہیں اللہ اس پر نگہبان ہے۔“

حضرت یعقوب علیہ السلام بہت پختہ بعد و پیمان لے لیے اور اپنے بیٹے کے بارے میں زیادہ سے زیادہ احتیاط کا مظاہرہ فرمایا لیکن تقدیر کے آگے تدبیر نہیں چلتی۔ اگر آپ کو اور آپ کے کنبے کو خوراک کی شدید احتیاج نہ ہوتی تو آپ اپنے پیارے بیٹے کو کبھی نظروں سے نہ کھینچ لیتے۔ لیکن تقدیر کے اپنے طریقے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے فیصلے فرما دیتا ہے، وہی کامل حکمت والا، مکمل علم والا ہے۔

پھر آپ نے انہیں حکم دیا کہ شہر میں ایک دروازے سے داخل نہ ہوں، بلکہ الگ الگ دروازوں سے داخل ہوں۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ آپ نے انہیں یہ حکم اس لیے دیا تھا کہ انہیں نظر نہ لگ جائے کیونکہ وہ سب خوب صورت اور خوش شکل تھے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ مقصد یہ تھا کہ الگ الگ داخل ہونے سے شاید کسی کو یوسف کا سراغ مل جائے۔ پہلا قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے اس لیے فرمایا: ﴿وَمَا اَعْنٰی عَنْکُمْ مِنَ اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ﴾ ”میں اللہ کی طرف سے آنے والی کسی چیز کو تم سے نااہل نہیں سکتا۔“

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَیْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوہُمْ مَا کَانَ یُعْنٰی عَنْہُمْ مِنَ اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ وَّاِذَا حَاجَہٗ فِیْ نَفْسِیْ یَعْقُوْبُ کَضَہْمَہَا وَاِنَّہٗ لَکِیْ وَ عَلِیْمٌ لِّمَا عَمِلْتُمْ وَلٰکِنْ اَلْکَثْرَ الثَّاٰلِثِ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ ②

① آیت کے اس حصے کا ترجمہ اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ ”یہ باپ تمہارا ہے۔“ یعنی تمنا انا ج ملے گا، وہ تمہارا ہے۔ ہماری ضرورت پوری نہیں کر سکتا۔

② علامہ منصور پوری رحمۃ اللہ نے ایک توجیہ بھی فرمائی ہے کہ ”ممكن ہے یعقوب علیہ السلام نے اِذَا کَانَ یَحَاطُ بِکُمْ کی وصیت پر غور فرمایا ہو اور پھر سمجھا ہو کہ اگر احاطہ ہو تو سب یہ کھیرے میں آ جائیں گے۔۔۔۔۔ اس لیے بہتر ہے کہ کوئی ایسی صورت بھی نکال دی جائے کہ کسی مصیبت کے پڑنے پر سب کے سب گرفتار نہ ہو جائیں۔“ (الجمال والکمال)

اَبُو اَبِیْہُمْ مَّتَّعُوْا قَوْمًا وَمَا اَعْنٰی عَنْکُمْ مِنَ اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ وَکَیْلٌ وَعَلِیْمٌ قَلِیْلٌ یَّوْکَلِ التَّوْبُوْنَ ﴿۱﴾ وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَیْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوہُمْ مَا کَانَ یُعْنٰی عَنْہُمْ مِنَ اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ وَّاِذَا حَاجَہٗ فِیْ نَفْسِیْ یَعْقُوْبُ کَضَہْمَہَا وَاِنَّہٗ لَکِیْ وَ عَلِیْمٌ لِّمَا عَمِلْتُمْ وَلٰکِنْ اَلْکَثْرَ الثَّاٰلِثِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲﴾

”جب وہ اپنے باپ کے پاس واپس گئے تو کہنے لگے کہ ابا جان! (جب تک ہم بنیامین کو ساتھ نہ لے جائیں) ہمارے لیے شعلہ کی بندش کر دی گئی ہے سو آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیج دیجئے تاکہ ہم پھر نذر لائیں اور ہم اس کے نگہبان ہیں۔ یعقوب نے کہا کہ میں اس کے بارے میں تمہارا اعتبار نہیں کرتا مگر تو یہی جیسا اس کے بھائی کے بارے میں کیا تھا“ لہذا اللہ ہی بہتر نگہبان ہے اور وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو دیکھا کہ اُن کا سراپا یہ ان کو واپس کر دیا گیا ہے۔ کہنے لگے کہ ابا جان! ہمیں (اور) کیا چاہیے (دیکھیے) یہ ہماری پونجی بھی ہمیں واپس کر دی گئی ہے۔ اب ہم اپنے اہل و عیال کے لیے پھر نذر لائیں گے اور اپنے بھائی کی نگہبانی کریں گے اور ایک بارشتر زیادہ لائیں گے (جو ہم لائے ہیں) تمہارا ہے۔ یعقوب نے کہا کہ جب تک تم اللہ کا عہد نہ دو کہ اس کو میرے پاس (صحیح سلامت) لے آؤ گے میں اسے ہرگز تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا مگر یہ کہ تم گھیر لے جاؤ (یعنی بے بس ہو جاؤ تو مجبوری ہے) جب انہوں نے اُن سے عہد کر لیا تو یعقوب (نے) کہا کہ جو قول و قرار ہم کر رہے ہیں اس کا اللہ ضمان ہے اور ہدایت کی کہ اسے بیٹا! ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا اور میں اللہ کی تقدیر کو تم سے روک نہیں سکتا بے شک حکم اسی کا ہے۔ میں اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اہل و عیال کو کسی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ اور جب وہ اُن اُن مقامات سے داخل ہوئے جہاں جہاں سے (داخل ہونے کے لیے) (باپ نے) اُن سے کہا تھا وہ تدبیر، اللہ کے حکم کو ذرا بھی انہیں نہیں سکتی تھی۔ ہاں وہ یعقوب کے دل کی خواہش تھی جو انہوں نے پوری کی تھی اور بے شک وہ صاحبِ علم تھے کیونکہ ہم نے ان کو علم سکھا یا تھا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“ (یوسف: 68-12)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جب وہ لوگ اپنے والد کے پاس واپس پہنچے، جب کیا واقعات پیش آئے۔ انہوں نے کہا: ﴿فُتِحَ وَمَا اَلْکَثِیْلُ﴾ ”ہم (سے) (خٹکے کا) پ ر دک لیا گیا۔“ یعنی اگر آپ نے ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ نہ بھیجا تو اس سال کے بعد غل نہیں ملے گا۔ لیکن اگر آپ اسے ہمارے ساتھ بھیج دیں گے تو ہمیں غل مل جائے گا۔

﴿وَلَمَّا قَفَّضُوْا اَمَتًا عَنْہُمْ وَجَدُوْا رِیْضًا عَنْہُمْ رَدَّتْ الرِّیْضَہٗ قَالُوْا اِنَّا کَانَ مَا نَقُوْلُ﴾ ”جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو انہوں نے اپنا سراپا یہ موجود پایا، جو اُن کی جانب لوٹا دیا گیا تھا۔ کہنے لگے کہ ابا جان! ہمیں اور کیا چاہیے؟“ اب تو ہمیں اپنا سراپا بھی واپس مل چکا ہے۔ اس لیے ﴿رِیْضُوْا اَلْہٰنَا﴾ ”ہم اپنے خاندان کو سرلدا دیں

ملک میں اس لیے نہیں آئے کہ غرابی کریں اور ہم نہ چوری کیا کرتے ہیں۔ وہ بولے کہ اگر تم جھوٹے لکھے (یعنی چوری ثابت ہوگئی) تو اس کی سزا کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے سامان میں وہ دستیاب ہو وہی اس کا بدلہ قرار دیا جائے ہم ظالموں کو کیسی سزا دیا کرتے ہیں۔ جب یوسف نے اپنے بھائی کے سامان سے قبل ان کے سامان کو دیکھنا شروع کیا پھر اپنے بھائی کے سامان میں سے اس (پالے) کو نکال لیا۔ اس طرح ہم نے یوسف کے لیے تدبیر کی (ورنہ) بادشاہ کے قانون کے مطابق وہ مشیت الہی کے سوا اپنے بھائی کو نہ لے سکتے تھے۔ ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کر دیتے ہیں اور ہم علم والے سے دوسرا علم والا بڑھ کر ہے۔ (برادران یوسف نے) کہا کہ اگر اس نے چوری کی ہو تو (کچھ عجب نہیں کیونکہ) اس کے ایک بھائی نے بھی پہلے چوری کی تھی۔ یوسف نے اس بات کو اپنے دل میں مخفی رکھا اور ان پر غابر نہ ہونے دیا (اور) کہا کہ تم بڑے بد قماش ہو اور جو تم بیان کرتے ہو اللہ سے خوب جانتا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ عزیز! اس کے والد بہت بوڑھے ہیں (اور اس سے محبت بھی رکھتے ہیں) سو (اس کو چھوڑ دیجیے اور) اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو رکھ لیجیے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ احسان کرنے والے ہیں۔ یوسف نے کہا کہ اللہ پناہ میں رکھے کہ جس شخص کے پاس ہم نے اپنی چیز پائی اس کے سوا کسی اور کو کچھ نہیں۔ ایسا کر میں تو ہم بڑے بے انصاف ہیں۔“ (یوسف: 69-79)

ان آیات میں بیان کیا گیا ہے کہ جب وہ لوگ اپنے بھائی بنامین کو لے کر اس کے گھر بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو آپ نے اسے اپنے قریب جگہ دی اور پوشیدہ طور پر اسے بتایا کہ آپ اس کے بھائی ہیں اور اسے حکم دیا کہ ابھی یہ بات بھائیوں کو نہ بتائیں۔^① علاوہ ازیں ان کی بدسلوکی پر اسے تسلی دی۔

پھر آپ نے ایک تدبیر کی تاکہ بنامین کو دوسرے بھائیوں سے الگ کر کے اپنے پاس رکھ لیں۔ چنانچہ آپ نے اپنے نوکر کو حکم دیا کہ آپ کا پیالہ ان کو ملے ہوئے بغیر اس کے بورے میں رکھ دیں۔^② آپ اسی پیالے میں پانی پیتے تھے اور اسی سے آپ کو لوگوں کو غلہ دیتے تھے۔ جب وہ روانہ ہوئے تو ان کے پیچھے چند افراد بھیج دیے۔ انہوں نے جاکر کہا: تم لوگ بادشاہ کا پیالہ چرائالے ہو۔ اگر تم واپس کر دو گے تو ایک اونٹ غلامہ خرید دیا جائے گا۔

اعلان کرنے والے نے اس وعدہ کے پورا ہونے کی ذمہ داری قبول کی۔ انہوں نے اس الزام کی صحت سے انکار کیا اور الزام لگانے والوں پر ناراضی کا اظہار کیا اور انہوں نے کہا: ﴿قَالَ تِلْكَ أَشْيَاكُمْ فَهَلْ حَاجُّكُمْ لِنُفْسِي فِي الْأَرْضِ وَمَا لَكُمْ سُلُوكَ﴾

① تاہم بنامین سے اپنا تعارف کروانے سے یوسف علیہ السلام کا مقصد یہ ہو گا کہ واپس جا کر والد کو بتائے تو ان کا غم دور ہو جائے تاہم بعد میں حالات کے جو رخ اختیار کیا، اس کی وجہ سے بنامین کو اپنے پاس روکنا پڑا اور یوسف علیہ السلام کے انتقام کی مدت مزید طویل ہوئی۔

② غلامہ منصور پوری دھڑ کی رائے ہے کہ پیالے کو پوری سر رکھنے کا کام یوسف علیہ السلام نے کیا تھا۔ جس کا غم بنامین کے سو اسی کو تھا۔ بھائیوں کے روانہ ہونے کے بعد جب نوکر کو معلوم ہوا کہ پیالہ موجود نہیں تو قدرتی طور پر انہی لوگوں پر شک ہوا جو ابھی یہاں سے گئے تھے لہذا ان کا حق قبہ کر کے انہیں چالیا۔ (الجمال والکمال)

”جب وہ انہی راستوں (دروازوں) سے گئے جن کا حکم ان کے والد نے انہیں دیا تھا، کچھ نہ تھا کہ اللہ نے جو بات مقرر کر دی ہے، وہ اس سے انہیں ذرا بھی بچائیں مگر یعقوب کے دل میں ایک خیال پیدا ہوا جسے انہوں نے پورا کر لیا۔ بلاشبہ وہ ہمارے سکھانے ہوئے علم کے عالم تھے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“

بنامین میں ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کے ہاتھ عزیز مصر کے لیے تجھ کے طور پر پتہ، بادام، منصور کے بیج، اشود اور مزہ وغیرہ بھیجا۔ بھائیوں نے پہلے درجہ ہی لے لیے اور کچھ اور اشیا بھی ملے غریبے کے لیے ساتھ لے لیں۔^①

حضرت یوسف علیہ السلام کی ایک تدبیر: حضرت یوسف علیہ السلام باوجود اپنے بھائی کو اپنے پاس رکھ نہیں سکتے تھے لہذا انہوں نے بھائی کو روکنے کی ایک تدبیر کی ارشاد رب تعالیٰ ہے:

﴿وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أَوَى الْيَسُوفاُ قَالَ إِنِّي أَتَاكَ خَلْقٌ فَلَا تَنْتَبِهْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۖ فَمَتَىٰ جَهَنَّمَ بِجَهَنَّمَ جَعَلَ الشَّقَاةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَتَيْهَا الْعَوْدُ ۖ رَنَّمُ لَسُوءُونَ ۖ قَالُوا وَأَقْبَلُوا عَلَيْهِمْ مَاذَا اتَّفَقُوا ۖ قَالُوا اتَّفَقُوا صَوَاعُ الْمَلَائِكَةِ وَلَمَّا جَاءَ بِهِ جُمْلٌ بَعِيرٌ وَأَنَا بِهِ رَعِيمٌ ۖ قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا جِئْتُم بِنَفْسِكُمْ فِي الْأَرْضِ وَمَا لَكُمَا سِرْقَتَيْنِ ۖ قَالُوا قَمِيصَا جَزَآؤُكَ إِن كُنْتُمْ كَذِبِينَ ۖ قَالُوا جَزَآؤُكَ مِن وَّجَدٍ فِي رَحْلِهِ فَهُوَ جَزَآؤُكَ ۖ كَذَلِكَ تَجْرِي الظَّالِمِينَ ۖ قَبَدَ أَوْ عَدِيتُهُمْ قَبْلَ وَعَاةٍ أَخِيهِ ثُمَّ اسْتَخَرَهَا مِنْ وَعَاةٍ أَخِيهِ ۖ كَذَلِكَ كِدَ الْيَسُوفاُ مَا كَانُوا لِيَأْخُذُوا أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلَائِكَةِ ۖ إِنَّ أَرْثَاءَهُ نَشَأُ ۖ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ۖ قَالُوا إِن يُسْرِفُ فَقَدْ سَرَقَ آخَ كَذِبًا مِنْ قَبْلُ ۖ فَاسْتَرَاهَا يُوسُفُ فِي نَفْسِهِ وَكَمْ يُبْدِيهَا لَهُمْ ۖ قَالَ أَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۖ وَاللَّهِ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ ۖ قَالُوا يَا أَخَاهُ الْعَزِيزُ إِنَّ لَكَ آتَا شَيْعًا كَبِيرًا فَقَدْ آتَاكَ مَا كُنْتَ زَكَاكَ لَكُم مِّنَ الْخَبِيرِينَ ۖ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ أَن نَّأْخُذَ إِلَٰهًا مِّنْ وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِندَهُ ۖ إِنَّا إِذًا لَّظَالِمُونَ ۖ﴾

”اور جب وہ لوگ یوسف کے پاس پہنچے تو یوسف نے اپنے حقیقی بھائی کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا کہ میرا بھائی ہوں سو جو ملوگ یہ (ہمارے ساتھ) کرتے رہے ہیں اس پر افسوس نہ کرنا۔ جب یوسف نے ان کا سامان تیار کر دیا تو اپنے بھائی کے کپادے میں پانی پینے کا پیالہ رکھ دیا پھر (جب وہ آبادی سے باہر نکل گئے) تو ایک بکارت والے نے آواز دی کہ اسے قافلے والا تم کو چورو۔ وہ ان کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ تمہاری کون سی چیز چور ہوئی ہے؟ وہ بولے کہ بادشاہ (کے پانی پینے) کا پیالہ گھونکا ہے اور جو شخص اس کو لے آئے اس کے لیے ایک باشر (ایک اونٹ کا سامان) ہے اور میں اس کا ضامن ہوں۔ وہ کہنے لگے کہ اللہ کی قسم! تم کو معلوم ہے کہ ہم (اس)

کپڑوں میں چھپا دیا۔ پھر تلاش کیا گیا تو ان کے پاس سے نکلا۔ انہیں تو معلوم نہیں تھا کہ یہ کیوں کیا جا رہا ہے۔ پھر بھی محبت کی وجہ سے چاہتی تھیں کہ آپ کے پاس رہیں اس لیے یہ تدبیر کی۔

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ آپ گھر سے کھانا چر اگر غریبوں کو کھلا دیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں۔^①

اس لیے بھائیوں نے کہا: ”اگر اس نے چوری کی ہے تو اس کا بھائی بھی پہلے چوری کر چکا ہے۔“ یوسف علیہ السلام نے اس بات کو اپنے دل میں رکھ لیا اور ان کے سامنے ظاہر نہ کیا۔ جو بات ظاہر نہ کی گئی تھی وہ آپ کے اگلے الفاظ ہیں کہ **﴿إِنَّمَا أَنتُمْ شَرُّ قَوْمٍ مَّا أَتَاكُمْ بِمَا تَكْفُمُونَ﴾** ”تم بڑے بدشاہ ہو اور جو تمہیں کان سے ہو، اللہ بھی خوب جانتا ہے۔“

آپ نے علم روزِ گزشتہ کام لیتے ہوئے یہ بات ابتر نہ کی، اونچی آواز نہ نہی۔ تب وہ آپ کی منت سماجت کرنے لگے اور بولے: **﴿يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ إِنَّ لَكَ آيَاتًا شَدِيدًا كَثِيرًا فَخُذْ أَحَدًا مَّا مَكَانَهُ: إِنْكَارَ رَبِّكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ﴾** **﴿قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ أَنْ أَتَّخِذَ مِنْكُمْ وَجَدًا مَّا تَعْنَى عِنْدِي﴾** **﴿وَإِنْكَارَ الظُّلُمَاتِ﴾** ”اے عزیزِ مصر! اس کے والد بزرگ سے اے باکل بوڑھے شخص ہیں، آپ اس کے بدلے میں ہم ہم سے کسی کو لے لیجیے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ بڑے نیک نفس ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا: ہم نے جس کے پاس اپنی چیز پائی ہے، اس کے سوا دوسرے کی گرفتاری کرنے سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، ایسا کرنے سے تو ہم یقیناً نا انصافی کرنے والے ہو جائیں گے۔“ یعنی اگر ہم نے طرزِ کوجھوڑ وادارے گناہ کو گرفتار کیا تو یہ ظلم ہوگا۔ ہم نہ خود ظلم کر سکتے ہیں نہ کسی کو ظلم کی اجازت دے سکتے ہیں۔ ہم تو آپ کو چاہیں گے جس سے ہمیں اپنا سامان ملا۔

بھائیوں کا یہ بھی صلاح مشورہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَمَّا اسْتِئْذِنُوا مِنْهُ خَالَصُوا خَجِيًّا ۖ قَالَ كَيْفَ هُمْ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ آيَاتَهُمْ قَدْ أَخَذَ عَلَيْهِمْ مَوْثِقًا مِنَ اللَّهِ وَمَنْ قَبْلُ مَا كَفَرْتُمْ ۖ فِي يُوسُفَ ۖ فَكَانَ الْأَرْضَ حَتَّىٰ يَأْذَنَ لِلِ ابْنِ آدَمَ أَنْ يَهَاجِرَ إِلَيْهِ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ۖ﴾ **﴿رُجِعُوا إِلَىٰ آبَائِهِمْ فَقُولُوا يَا أَبَائِنَا إِنَّ ابْنَك سَرَقَ وَمَا شَهِدْنَا إِلَّا لَبَا عَيْنَانِ وَمَا لَنَا لَبِيبٌ خُفْيَيْنَ ۖ وَسَلِّ الْقَرْبَةَ ابْنِي لَنَا فِيهَا ۖ وَالْعَبْدَ الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا ۖ﴾** **﴿وَإِنَّا لَصِدْقُونَ ۖ﴾** **﴿قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا فَصَبِّرُوا ۖ جِبِينًا ۖ عَسَىٰ اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَبِينًا ۖ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۖ﴾** **﴿وَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا سَعْدِي عَلَىٰ يُوسُفَ ۖ وَابْيَضَّتْ عَيْنُهُ مِنَ الْخُحْرِ ۖ فَهُوَ يَطْمِئُ ۖ﴾** **﴿قَالُوا تَاللَّهِ تَقْتُولُوا لَكَ يَٰ يُوسُفَ حَتَّىٰ تَكُونَ حَرَضًا أَوْ تَكُونَ مِنَ الْهَالِكِينَ ۖ﴾** **﴿قَالَ إِنَّمَا أَشْكُوا بَحْدِيَ ۖ وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ وَاعْلَمُوا مِنَ اللَّهِ مَا لَا**

① یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا یوسف علیہ السلام پر چوری کا الزام لگانا بھی اسی طرح کی ناروا حرکت ہے، جس طرح گزشتہ ہمارا علیٰ حلال: والد سے بدگمانی، جھوٹ، دھوکا، بھائی پر ظلم اور انہیں توہین میں گرا رہا۔ ان کے مقابلے میں یوسف علیہ السلام کو چور دینا بعض معنی بعض کا ایک معمولی سا اظہار ہے۔ ان لوگوں کے جھوٹ کوج بات کرنے کی کوشش میں ہے ہر پردہ کا کیا بیان کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

”اللہ کی قسم! تم کو خوب علم ہے کہ ہم ملک میں فساد پھیلانے کے لیے نہیں آئے اور نہ ہم چور ہیں۔“ یعنی تمہیں معلوم ہے کہ یہاں ہمارا عزت و احترام سے استقبال کیا گیا تھا اور ہم کسی برے ارادے سے نہیں آئے۔

تب الزام لگانے والوں نے کہا: **﴿فَمَا جَزَاؤُهُ إِنْ لَنْتُمْ لَهُمْ بَعْدَ ۖ﴾** **﴿قَالُوا جَزَاؤُهُ مَن ذُو جِلْدٍ فِي رَحْلِهِ فَهُوَ جَزَاؤُهُ لَكُلِّ ذَلِكٍ تَجْرَىٰ الظُّلُمَاتِ﴾** ”اچھا! چور کی سزا کیا ہے، اگر تم جھوٹے ہوئے؟ انہوں نے کہا: اس کی سزا یہی ہے کہ جس کے سامان میں سے پایا جائے، وہی اس کا بدلہ ہے۔“ بہت قوی (یعنی) غلاموں کو سزا دی جا رہی ہے۔ ان کی شریعت میں یہ حکم تھا کہ چور کو اس کے خوالے کر دیا جائے جس کی چوری ہوئی اس لیے انہوں نے یہ بات کہی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **﴿فَبَدَّلَ بِكَ يَاقُوْذِبَهُمْ فَتِلْ وَعَاةَ آخِيهِمْ لَكُمْ أَشَدُّ حَرًّا ۖ﴾** **﴿وَعَاةَ آخِيهِمْ﴾** ”پس یوسف نے اپنے بھائی کے سامان کی تلاشی سے پہلے ان کے سامان کی تلاشی شروع کی، پھر اس پیلے کو اپنے بھائی کے سامان سے نکالا۔“ اس کا مقصد یہ تھا کہ یوسف پر کوئی الزام نہ آئے اور تدبیر زیادہ کارگر ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **﴿لَكَ ذَلِكُ ۖ﴾** **﴿كَذَلِكَ كَذَّبَ يَٰ يُوسُفَ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ﴾** ”میں نے یوسف کے لیے اسی طرح یہ تدبیر کی۔“ اس بادشاہ کے قانون کے رو سے وہ اپنے بھائی کو نہ لے سکتے تھے۔ یعنی اگر بھائی یہ اعتراف نہ کرتے کہ جس کے سامان سے پیلہ نکلے، اسی کو رکھ لیا جائے تو یوسف علیہ السلام مصر کے قانون کے مطابق بنیامین کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **﴿وَإِنَّا أَنْشَأَ اللَّهُ ذُرِّيَّتَهُ قَوْمًا رَّحِيمًا ۖ﴾** **﴿وَقَوَّيْنَا وَلِيًّا لَهُ﴾** ”مگر یہ کہ اللہ کو منظور ہو، ہم جس کے چاہیں، (ظلم میں) در بے بدلہ کرتے ہیں۔ ہر ذی ظلم پر فوقیت رکھنے والا دوسرا ذی ظلم موجود ہے۔“

حضرت یوسف علیہ السلام نے زبا کو ظلم، تشل، عزم و حزم سے بہرہ ور تھے۔ آپ نے اللہ کے حکم سے یہ کام کیا کیونکہ اس کے نتیجے میں ایک بڑا فائدہ حاصل ہونے والا تھا۔ یعنی آپ کے والد اور خاندان کے افراد کے پاس پہنچنے والے تھے۔

جب بھائیوں نے دیکھا کہ پیلہ بنیامین کے سامان سے نکلا ہے تو انہوں نے کہا: **﴿إِنْ يَسْئَلُ فَقَدْ سَرَقَ ۖ﴾** **﴿لَكَ مِنْ قَبْلُ﴾** ”اگر اس نے چوری کی (تو تعجب کی کوئی بات نہیں) اس کا بھائی بھی پہلے چوری کر چکا ہے۔“ یعنی انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو چور کہا۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ جس چوری کی طرف وہ اشارہ کر رہے تھے وہ یہ تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بچپن میں اپنے نانا کا بت چرا کر توڑ دیا تھا۔

بعض کہتے ہیں کہ آپ کی پھوپھی کو آپ سے بہت محبت تھی۔ انہوں نے حضرت اسحاق علیہ السلام کا ایک کر بندان کے

① ممکن ہے کہ یوسف علیہ السلام نے یہ پیلہ بھائی کو تحفے کے طور پر دیا ہو۔ لیکن جب اعلان کرنے والے نے ان کے سامان کی تلاشی کر کے بنیامین کے سامان میں سے پیلہ برآمد کر لیا (منصور ہوئے) تب سے آیت کا ترجمہ یہی کیا ہے (تو یوسف علیہ السلام نے خاموشی اختیار کر لی۔ کیونکہ ان کے لیے بھائی کو اپنے پاس رکھنے کا جواز یہ ہوا کہ یا تمہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **﴿لَكَ ذَلِكُ ۖ﴾** **﴿كَذَلِكَ كَذَّبَ يَٰ يُوسُفَ﴾** ”میں نے اسی طرح یوسف کے لیے تدبیر کی۔“

کی خدمت میں واپس جاؤ اور کہو کہ ابائی! آپ کے صاحب زادے نے چوری کی۔“ یعنی انہیں وہ بات بتاؤ جو ظاہری طور پر تمہارے مشاہدے میں آئی ہے اور کہو: ﴿وَسَلِّ الْقُرْآنَ عَلَىٰ لُكَّا فَمِنَ النِّجْمِ أَنَّهُ هُوَ أَلَمْ يَكُنْ مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ﴾ ”آپ اس شہر کے لوگوں سے دریافت فرمائیں جہاں ہم تھے اور اس قافلے سے بھی پوچھ لیں جس کے ساتھ ہم آئے ہیں۔“ یعنی ہم نے آپ کو بھائی سے چوری کی غلطی سرزد ہونے کی جو خبر سنائی ہے، وہ صہر میں مشہور ہو چکی ہے، وہ ان قافلے والوں کو بھی معلوم ہے جو اس وقت وہاں موجود تھے۔ ﴿وَإِلَّا لَصَدَّقُونَ﴾ ”اور یقیناً ہم بالکل سچے ہیں۔“

حضرت یعقوب علیہ السلام کا رخ و جام: جب بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس پہنچے اور بنیامین کی داستان سنائی تو حضرت یعقوب علیہ السلام کے پرانے رخ بھی تازہ ہو گئے اور مسلسل رونے کی وجہ سے آپ کی بینائی جاتی رہی لیکن آپ نے صہر کا واسن تھاہے رکھا اور اپنے رب سے پرامید رہتے ہوئے فرمایا: ﴿يَا بَنِي إِسْرَءِيلَ أَنْفَكُم مِّنْ أَمْرَاءَ فَصَّيْرُ جَبِينٍ﴾ ”(ایسا ہوا نہیں) بلکہ تم نے اپنی طرف سے بات بنائی، یہاں اب صہری بہتر ہے۔“ یعنی تمہارا بیان غلط ہے۔ بنیامین سے چوری کا جرم سرزد نہیں ہوا۔ یہ اس کی عادت نہیں، بلکہ تم نے اپنی طرف سے ایک بات بنائی ہے۔

ابن اسحاق رشتہ اور بعض دوسرے علماء نے فرمایا: بنیامین کے بارے میں اس کی کوتاہی، یوسف علیہ السلام سے بدسلوکی کا نتیجہ تھی۔ اسی لیے یعقوب علیہ السلام نے یہ بات فرمائی کہ کسی بزرگ کا قول ہے: ”مناہ کی سزا بعض اوقات اس طرح بھی ملتی ہے کہ ایک اور گناہ سرزد ہو جائے۔“

پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: ﴿عَسَىٰ اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا﴾ ”قرب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو میرے پاس پہنچا دے۔“ یعنی یوسف، بنیامین اور روبیل (روبن) کو میرے پاس واپس لے آئے۔ ﴿إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ﴾ ”وہی علم و حکمت والا ہے۔“ یعنی پیارے بیٹوں کی جدائی میں میرا جو حال ہے اللہ اسے خوب جانتا ہے اور اللہ جو کچھ کرتا ہے اور جو فیصلے فرماتا ہے وہ حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔ ”پھر انھوں نے اپنے بیٹوں سے منہ پھیر لیا اور کہا: ﴿يَا سَلِي عَنِ يُوسُفَ﴾ ”ہائے یوسف!“ غم غم کی وجہ سے پرانا غم بھی تازہ ہو گیا اور رخ و جام کے جو جذبات دل میں موجود تھے، ان میں شدت پیدا ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَايَحْضَحْضُهُ مِنَ الْخُزْنِ﴾ ”ان کی آنکھیں رخ و غم کے باعث سفید ہو چکیں تھیں۔“ یعنی بہت زیادہ رونے کی وجہ سے ایسا ہوا۔ ﴿فَقَهَّ كَلِمَةً﴾ ”اور وہ غم کو دبائے ہوئے تھے۔“ غم غم کی شدت اور حضرت یوسف علیہ السلام سے ملنے کی شدید خواہش کی وجہ سے ان کا دل غم سے لبریز ہو گیا۔

﴿فَقَهَّ كَلِمَةً﴾ ”وہ غم کو دبائے ہوئے تھے۔“ کے الفاظ سے اشارہ ملتا ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے رونے سے اجتناب کیا تھا۔ جو شخص رو لیتا ہے اس کا رخ و جام بوجاتا ہے اور جو شخص غم میں اندر ہی اندر گھٹتا ہے تو شدت غم کی وجہ سے آؤں خشک ہو جاتے ہیں۔ غم کی انتہائی شدید کیفیت ہے۔ ﴿تفسير ابن كثير: 347/4 تفسير سورة يوسف آيت: 83/84﴾

تَعْلَمُونَ ﴿يَبْنِي أَذْهَبُوا فَتَحَسَّسُوا مِنْ يُوسُفَ وَأَخِيهِ وَلَا تَأْكُلُوا مِنْ رِزْقِ اللَّهِ إِنَّهُ لَا يَأْتِيَنَّكَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ﴾

”جب وہ اس سے ناامید ہو گئے تو الگ ہو کر صلاح کرنے لگے۔ سب سے بڑے نے کہا: کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارے والد نے تم سے اللہ کا حکم لیا ہے اور اس سے پہلے بھی تم یوسف کے بارے میں قصور کر چکے ہو۔ سو جب تک والد صاحب مجھے حکم نہ دیں میں تو اس جگہ سے ہلوں گا نہیں! واللہ میرے لیے کوئی اور تدبیر کرے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ تم سب والد صاحب کے پاس جاؤ اور کہو کہ اباجان! آپ کے صاحب زادے نے (دو) باج (چوری کی اور ہم نے تو اپنی دانست کے مطابق آپ سے (اس کو لے آئے) کا عہد کیا تھا مگر ہم غیب (کی باتوں) کے (جانے اور) یاد رکھنے والے تو نہیں تھے۔ اور جس ہستی میں ہم (نہمیں) تھے وہاں سے (یعنی اہل مصر) اور جس قافلے میں ہم آئے ہیں اس سے دریافت کر لیجئے۔ اور ہم (اس بیان میں) بالکل سچے ہیں۔ (جب انہوں نے آ کر یہ بات یعقوب سے کہی تو) انہوں نے کہا: (کہ حقیقت یوں نہیں ہے) بلکہ یہ بات تم نے اپنے دل سے بنائی ہے! میں صہری بہتر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ ان سب کو میرے پاس لے آئے۔ بے شک وہ دانائے (اور) حکمت والا ہے۔ ہجران کے پاس سے چلے گئے اور کہنے لگے: ہائے انفس! یوسف! (ہائے انفس) اور رخ و جام میں (اس قدر رونے کے) ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں اور ان کا دل غم سے بھر رہا تھا۔ بیٹے کہنے لگے کہ والد! اگر آپ یوسف کو اسی طرح یاد کرتے رہیں گے تو یا تو تیار ہو جائیں گے یا جان ہی دے دیں گے۔ انہوں نے کہا کہ میں تو اپنے غم پر اندوہ کا اظہار اللہ سے کرتا ہوں اور اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ چنانچہ (یوں کر) کہ ایک دفعہ پھر (جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ بلاشبہ اللہ کی رحمت سے بے ایمان لوگ ناامید ہوا کرتے ہیں۔ (یوسف: 87-80/82)

جب وہ لوگ بنیامین کو حضرت یوسف علیہ السلام سے چھڑانے میں ناکام ہو گئے تو توبائی میں بیٹھ کر مشورہ کرنے لگے۔ سب سے بڑے بھائی روبیل نے کہا: ﴿أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّ آبَاكُمْ قَدْ قَضَىٰ حَقَّ عَلَيْهِمْ مَوْتُهُمَا فِي اللَّهِ﴾ ”کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے والد نے تم سے اللہ کی قسم لے کر پختہ فرما لیا ہے؟“ یعنی یہ وعدہ لیا ہے کہ واپسی میں بنیامین کو صہر ساٹھا لاؤ گے۔ اب تم عہد شکنی کے مرتکب ہو چکے ہو اور جس طرح تم نے پہلے یوسف علیہ السلام کے بارے میں کوتاہی کا ارتکاب کیا تھا، اب اس کے بارے میں کوتاہی کے مرتکب ہو رہے ہو۔ ﴿فَكُنْ أَوَّلَ رِزْقٍ خَلْفِي يَأْتِيَنِي﴾ ”یوسف! وہو خَيْرُ الْعَالَمِينَ“ ”میں میں تو اس سرزمین سے نہ جاؤں گا بلکہ میںیں صہر ہوں گا حتیٰ کہ والد صاحب خود مجھے واپس آنے کی اجازت دے دیں! واللہ تعالیٰ میرے اس معاملے کا فیصلہ کر دے (کہ میں کس طرح اپنے بھائی کو اپنے والد کے پاس لے جا سکوں)۔ وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔“ ﴿رَاجِعُوا إِلَىٰ آبَائِكُمْ فَهَؤُلَاءِ آبَاؤُكُمْ إِنَّ ابْنَكُمْ سَدَقَ﴾ ”تم سب والد صاحب

اور ہم قہوراً اسامریہ لائے ہیں۔ آپ ہمیں (اس کے عوض) پورا غلہ دیجیے اور خیرات کیجیے کہ اللہ خیرات کرنے والوں کو ثواب دیتا ہے۔ (یوسف نے) کہا: تمہیں معلوم ہے کہ تم بتادانی میں چسپے ہوئے تھے تو تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا؟ وہ بولے: کیا تم ہی یوسف ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں میں ہی یوسف ہوں اور (بنیامین کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے) یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے۔ بلاشبہ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ نیک کاروں کا اجر خالص عطا کرتا ہے۔ وہ بولے: اللہ کی قسم! اللہ نے تو ہم پر فضیلت بخشی ہے اور بے شک ہم خطا کار تھے۔ (یوسف نے) کہا کہ آج کے دن (سے) تم پر کچھ عتاب (اور ملامت) نہیں ہے۔ اللہ تم کو معاف کرے اور وہ بہت رحم کرنے والا ہے۔ یہ میرا کرتا ہے جاؤ اور اسے والد صاحب کے منہ پر ڈال دو۔ وہ بیٹا ہو جائیں گے اور اپنے تمام اہل و عیال کو میرے پاس لے آؤ! (یوسف: 88-93)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے دوبارہ ان کے پاس آ کر غلہ مانگنے کا بنیامین کو دوبارہ ان کے حوالے کرنے کی درخواست کا ذکر فرمایا ہے۔ جب یہ لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو کہنے لگے: ﴿يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسْنَاً وَاهْلًا أَهْلًا الصُّرُورُ﴾ اے عزیز! ہم کو ہمارے خاندان کو دکھ پہنچا ہے۔ یعنی زیر کفالت افراد زیادہ ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ قسالتی اور تنگ دیک کا سامنا ہے۔ ﴿وَجَعَلْنَا بَعْضَهُمُ فُجُورًا﴾ اور ہم فقیر ہو چکی لائے ہیں۔ یعنی کسی چیز لائے ہیں جو عام طور پر قبول نہیں کی جاتی یعنی مکمل سے قہور سے درہم یا صنوبر یا طلم کے بغیر تھے۔

ایک قول کے مطابق پرانی بیاں اور سیان وغیرہ لے کر آتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے کہا: ﴿كَأَفَى لَنَا الْكَذِبُ وَكَهَدَفِي عَيْنِي﴾ اِنَّ اللہ بَعْدِي الْمَصْدُوقِينَ ہمیں آپ ہمیں غلہ کا بار پاپا دیجیے اور ہم پر خیرات کیجیے۔ اللہ تعالیٰ خیرات کرنے والوں کو بدلہ دیتا ہے۔ خیرات اور صدقہ سے مراد یہ ہے کہ ہماری گلی چیزیں ہی قبول کر لیجیے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہمارا بھائی ہمیں واپس دے دیجیے۔

جب آپ نے ان کی یہ کیفیت دیکھی کہ ان کے پاس صرف ناکارہ اشیاء ہی ہیں، تو آپ کو ان پر ترس آ گیا۔ چنانچہ آپ نے پیشانی سے کچر اٹھایا اور انہیں اپنی پہچان کرتے ہوئے اللہ کے حکم سے فرمایا: ﴿هَلْ عَسَيْتُمْ فَا قَعَلْتُمْ يٰيُوسُفُ﴾ جلی دھلا قاتوں میں بھائی یوسف علیہ السلام کو کبھی پہچان سکے۔ اس کی یہ وجہ قرین قیاس نہیں کہ آپ چہرہ چمکا کر رکھتے تھے۔ بلکہ اس کی کچھ دوسری وجوہات بھی ہو سکتی ہیں مثلاً:

- ✦ حضرت یوسف علیہ السلام سے جدائی ہوئی تو آپ سترہ سال کے تھے اور اس واقعہ کے وقت چالیس سال کی عمر کے پچھتہ کار مرد بن چکے تھے عمر کے فرق کے ساتھ کسی بھی انسان کی شکل و شہادت میں تبدیلی شافیت کو مشکل کر دیتی ہے۔
- ✦ بھائیوں کو بھی یہ توقع نہیں ہوئی کہ یوسف علیہ السلام کہیں زندہ موجود ہیں۔ ان کے خیال میں اگر زندہ ہونے کا کوئی امکان ہوتا تو کہیں غلامی کی سختیاں سہ رہے ہوں گے۔ آپ کے سخت حکومت پر ممکن ہونے کا تو انہیں خیال بھی نہیں آ سکتا تھا انہیں جس چیز نے یوسف علیہ السلام کی شافیت کرائی تھی وہ جی کسی ایسی شخص کو یوسف علیہ السلام کے ساتھ رابع صدی پہلے گزرنے ہوئے واقعات کا طمس کی طرح ہو سکتا ہے۔

جب آپ کے بیٹوں نے آپ کو جدائی کے رنج و الم میں اس طرح غلٹاں و بچیاں دیکھا تو آپ پر ترس کھاتے ہوئے کہا: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اذْهَبُوا فَا قَعَلْتُمْ يٰيُوسُفُ﴾ اِنَّ اللہ بَعْدِي الْمَصْدُوقِينَ یعنی اگر آپ اسی طرح یوسف کو یاد کرتے رہے تو آپ کا جسم لاغر ہو جائے گا تو عدت ختم ہو جائے گی۔ اس لیے آپ کے لیے یہی بہتر ہے کہ کچھ حوصلہ کریں۔ آپ نے فرمایا: ﴿اِنَّا اَشْكُوْنَا بَنِيَّ وَحَدَّثْنَا إِلَى اللّٰهِ وَاعْلَمْنَا مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ میں تو اپنی پریشانیوں اور رنج کی فریاد اللہ ہی سے کرتا ہوں۔ مجھے اللہ کی طرف سے وہ باتیں معلوم ہیں جو تم نہیں جانتے۔ آپ نے بیٹوں سے فرمایا: میں اپنی مصیبت کی شکایت تم سے تو نہیں کر رہا نہ کسی اور انسان سے شکایت کر رہا ہوں۔ میں تو اللہ عزوجل سے شکایت کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ اللہ میری مشکلات اور غم ختم فرما دے گا۔ مجھے یقین ہے کہ یوسف کا خواب سچا ہو کر رہے گا اور اس کے مطابق میں اور تم سب سے ضرور تجدہ کریں گے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿وَاعْلَمْنَا مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ مجھے اللہ کی طرف سے وہ باتیں معلوم ہیں جو تم نہیں جانتے۔

پھر آپ نے انہیں یوسف اور بنیامین کی تلاش کی ترغیب دلائے ہوئے فرمایا: ﴿يٰيَبْنَیْ اذْهَبُوا فَتَحَسَّسُوا مِنَ یُوسُفَ وَآخِیْهِ وَلَا تَأْتِیْسُوا مِنْ رُّوحِ اللّٰهِ اِنَّہٗ لَا یَاْتِیْشُ مِنْ رُّوحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوٰمُ الْخَوِیُّونَ﴾ میرے پیارے بچو! تم جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کو پوری طرح تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہوا۔ یقیناً اللہ کی رحمت سے نا امید وہی ہوتے ہیں جو کافر ہوتے ہیں، یعنی مصیبت کے بعد راحت کے حصول سے مایوس نہ ہوں۔ اللہ کی رحمت سے اور مشکلات سے نجات مقدر ہونے سے مایوس تو کافروں کا کام ہے۔

بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی چٹنا سناتے ہیں: حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ایک بار پھر قسط سالی سے تنگ آ کر آپ کے پاس تلے کے حصول کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔ اس بار حضرت یوسف علیہ السلام ان کو حقیقت سے آشنا کرتے ہیں اور تمام اہل و عیال کو حوصلہ لانے کا مطالبہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس واقعے کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَیْہٖ قَالُوْا یٰاَيُّهَا الْعَزِیْزُ مَسْنَاً وَاهْلًا اَهْلًا الصُّرُورُ وَجَعَلْنَا بَعْضَهُمُ فُجُورًا فَكَأَفَى لَنَا الْكَذِبُ وَكَهَدَفِي عَيْنِي اِنَّ اللّٰہَ بَعْدِي الْمَصْدُوقِينَ﴾ قَالَ هَلْ عَلَیْكُمْ مَا قَعَلْتُمْ یٰيُوسُفُ وَآخِیْہٖ اِذْ اَنْتُمْ جُھْلُوْنَ قَالُوْا ؕ اِنَّكَ لَکُنْتَ یُوسُفَ قَالَ اَنَا یُوسُفُ وَهٰذَا اَخِیْ قُلْ مِنَ اللّٰہِ عَلَیْنَا اِنَّہٗ مِنْ یَّحَقِّ وَبَصِیْرٌ قَانَ اللّٰہُ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ قَالُوْا تَاللّٰہِ لَقَدْ اَخْرَجَ اللّٰہُ عَلَیْنَا وَاِنَّا لَنَاطِلِیْنَ قَالَا لَا تَتَّبِعِبْ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ وَہُوَ اَرْحَمُ الرَّحِیْمِیْنَ اِذْھَبُوْا یَغْفِرُ لَکُمْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰی وُجُوْہِ اِنِّیْ یَاتِیْ بَصِیْرًا وَاتَّوْبُوْا بِمَا عَلَیْکُمْ اٰجِبِیْنَ

”جب وہ یوسف کے پاس گئے تو کہنے لگے اے عزیز! ہمیں اور ہمارے اہل و عیال کو بڑی مشکلات کا سامنا ہے

وَأَخْبِهْهُ إِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ“ ”جانتے بھی ہو کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ اپنی نادانی کی حالت میں کیا کیا؟“ ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ وہ کہا بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے لیکن آپ کو پہچان نہ سکے تھے۔ اس حیرت کے عالم میں انہوں نے کہا: **﴿إِنَّكَ لَكُنْتَ يَوْسُفَ﴾** ”واقعی تو ہی یوسف ہے؟“ جواب دیا: **﴿أَنَا يَوْسُفُ وَهَذَا أَخِي﴾** ”ہاں میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔“ یعنی وہی یوسف ہوں جس کے ساتھ تم نے کیا کچھ بدسلوکی نہیں کی اور جس کے بارے میں تم سے کیا کتنی سزاؤں نہیں ہوئی! آپ کا یہ کیا ہے؟ **﴿وَهَذَا أَخِي﴾** ”اس میں پہلی بات کی تاکید و تائید ہے۔ اور ان کے دلوں میں پوشیدہ حسد اور ان کے گزشتہ فریب کی طرف اشارہ ہے۔ اسی لیے فرمایا: **﴿فَإِذْ مَنَّ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْيَاسَ﴾** ”اللہ نے ہم پر فضل و کرم کیا۔“ یعنی اللہ کا ہم پر یہ فضل و احسان ہے کہ اس نے ہمیں اچھا کھانا مہیا فرمایا، ہماری عزت کے اسباب مہیا فرمائے کیونکہ ہم نے اپنے رب کی فرماں برداری کی تھی، تمہاری بدسلوکی پر صبر کیا تھا، اپنے والد کی اطاعت اور ان سے حسن سلوک کیا تھا۔ یہ بھی اللہ کا احسان ہے کہ وہ الدرگراہی کو ہم سے شدید محبت تھی۔ بات یہ ہے کہ **﴿مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِلُّهُ أَجْرُ الْمُحْسِنِينَ﴾** ”جو بھی پرہیزگاری اور صبر کرے تو اللہ تعالیٰ کسی کیلک کا اجر ضائع نہیں کرتا۔“

انہوں نے کہا: **﴿تَاللَّهِ لَقَدْ أَكْرَمَكَ اللَّهُ عِلْيَاسَ﴾** ”اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر برتری دی ہے۔“ یعنی آپ پر فضل کرتے ہوئے آپ کو کچھ عطا فرمایا ہے جو ہمیں نہیں دیا۔ **﴿وَأَنَّ لَكُمْ لُطْفَيْنَ﴾** ”اور یہ بھی بالکل سچ ہے کہ ہم خطا کا رشتے۔“ اب ہم اس اعتراف کے ساتھ آپ کے سامنے حاضر ہیں۔ لیکن یوسف ﷺ ایک پاکباز دل رکھتے تھے جس میں انتقام کی کوئی خواہش موجود نہ تھی۔ آپ نے ان کے جرائم کا ایک عذر بھی خود ہی پیش کر دیا کہ یہ نادانی کے وقت کی باتیں تھیں۔ اس لیے **﴿لَا تَجْرِبْ عَلَيْهِمُ الذُّمَّ﴾** ”آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔“ ہمیں انھیں عداوت سے ہونے فرمایا: **﴿يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾** ”اللہ تمہیں بخشے، وہ سب مہربانوں سے بڑا مہربان ہے۔“

حضرت یوسف ﷺ کی خوشبو کھان میں پھر آپ نے انہیں انہیں انہیں دیتے ہوئے فرمایا کہ اسے لے جا کر والد صاحب کی آنکھوں پر رکھیں۔ ان کی بصارت جو ختم ہو چکی ہے، اللہ کے حکم سے انہیں دوبارہ مل جائے گی۔ یہ فرق عادت ہے اور آپ کا ایک عظیم مجزہ ہے جو آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔

پھر آپ نے انہیں فرمایا کہ تمام اہل و عیال سمیت مصر چلے آئیں اور سب آرام و سکون سے زندگی گزاریں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس خاندان کے کچھڑے ہوئے افراد کو ملا دیا اور عزت و راحت سے نوازا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”پھر انہوں نے یہ بھی سوچا جو گا کہ آ رہا بادشاہ بنائیں تو مصر لانے کی اس قدر رشہ یہ خواہش کیوں رکھتا تھا کہ یہاں تک دھمکی دی کہ اس کے بغیر تمہیں دلگھسیں ملے گا۔ انہوں نے سوچا جو گا کہ بنائیں گے سامان سے بادشاہ کا چال ملنا بھی محض اتفاق تھا۔ اس قسم کے متعدد امور تھے جن کی وجہ سے بھائیوں کو یقین ہو گیا کہ یہ سخت نیشن سوائے یوسف کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

﴿وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْ أَنَّ تَقْدِيرُ﴾ ”قَالُوا تَاللَّهِ إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيرِ“ ”فَلَمَّا أَنْ جَاءَ الْبَيْتِيُّ الْقُدَّ عَلَىٰ وَجْهِهِ فَإِنَّكَ بَصِيرٌ“ ”قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ“ ”إِنِّي أَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ“ ”قَالُوا يَا كَابَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا خَاطِئِينَ“ ”قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ وَإِنَّهُ هُوَ الْغَوَّارُ الرَّحِيمُ“

”اور جب قافلہ (مصر) سے روانہ ہوا تو ان کے والد کہنے لگے کہ اگر مجھ کو یہ نہ ہو کہ (بوزھا) بہک گیا ہے تو مجھے تو یوسف کی خوشبو آ رہی ہے۔ وہ دو لے کے والد آپ اسی قدیم غلطی میں (بتلا) ہیں۔ جب خوشخبری دینے والا پہنچا تو اس نے کرتا یعقوب کے منہ پر ڈال دیا اور وہ جینا ہو گئے (اور بیٹوں سے) کہنے لگے: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ بیٹوں نے کہا کہ ابا جان! ہمارے لیے ہمارے گناہ کی مغفرت مانگیے، بے شک ہم خطا کار تھے۔ انہوں نے کہا کہ میں اپنے پروردگار سے تمہارے لیے بخشش مانگوں گا۔ بے شک وہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔“ (یوسف: 94-98)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب قافلہ روانہ ہوا تو ایک بو چلی جس سے یوسف ﷺ کی قیاس کی خوشبو حضرت یعقوب ﷺ تک پہنچی تھی۔ جب آپ نے فرمایا: **﴿إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ﴾** ”مجھے تو یوسف کی خوشبو آ رہی ہے۔“ آپ کو تین دن کے فاصلے سے یہ خوشبو محسوس ہو گئی تھی۔ **﴿لَوْ أَنَّ تَقْدِيرُ﴾** ”اگر تم مجھے غیبا ہوا تو نہ دو۔“ یعنی بو سکتا ہے کہ تم کچھ بڑا چاہا ہے وہ میری عقل میں فرق آ گیا ہے۔ لیکن حقیقت یہی ہے جو میں کہہ رہا ہوں۔ وہ کہنے لگے: **﴿تَاللَّهِ إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيرِ﴾** ”واللہ! آپ اپنے اسی پرانے خطہ میں مبتلا ہیں۔“ قافہ اور سڑی ہوئی فرماتے ہیں: ”انہوں نے سخت ناروا لفظ استعمال کیا۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے: **﴿فَلَمَّا أَنْ جَاءَ الْبَيْتِيُّ الْقُدَّ عَلَىٰ وَجْهِهِ فَإِنَّكَ بَصِيرٌ﴾** ”جب خوشخبری دینے والے نے پہنچ کر ان کے منہ پر وہ کرتا ڈالا، اسی وقت وہ پھر سے جینا ہو گئے۔“ یعنی اس نے آتے ہی یعقوب ﷺ کے چہرہ مبارک پر قیاس ڈال دی۔ آپ کی آنکھیں فوراً روشن ہو گئیں۔ اس وقت آپ نے بیٹوں سے فرمایا: **﴿أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾** ”کیا میں تم سے نہ کہا کرتا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے؟“ یعنی مجھے معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھے یوسف سے ضرور ملائے گا اور مجھے آنکھوں کی خشک خرد نصیب ہوگی اور اس کے ایسے حالات دیکھوں گا جن سے مجھے خوشی حاصل ہوگی۔

اس وقت انہوں نے کہا: **﴿يَا كَابَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا خَاطِئِينَ﴾** ”ابا! آپ ہمارے لیے گناہوں کی بخشش

① یہ بات کہنے والے یعقوب ﷺ کے پوتے تھے کیونکہ بیٹے ذات مصر میں تھے۔

② تفسیر ابن کثیر: 350/4، 351/ تفسیر سورۃ یوسف: آیت: 94، 95

ان آیات میں طویل جدائی کے بعد میرے والدین اور تمام اولاد کے اکٹھا ہونے کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُسُفَٰدِ اٰوٰی اِلَيْهِ اَبُوْهُوۙ﴾ ”جب یہ سارا گھرانہ یوسف کے پاس پہنچ گیا تو یوسف نے اپنے باپ کو اپنے پاس جگہ دی۔“ اور ان کے ساتھ الگ سے خصوصی ملاقات کی، جس میں بھائی شامل نہ تھے اور کہا: ﴿اَدْخُلُوْا وِصْرَۙ﴾ ”اِنَّ شَاءَ اللّٰهُ اَمِيْنٌ“ ”اللہ کو منظور ہے تو آپ سب امان و امان کے ساتھ مصر میں داخل ہو جائیں۔“ ایک قول کے مطابق یہ ملاقات مصر سے باہر بخوس میں ہوئی۔ پھر جب وہ شہر کے دروازے پر پہنچے تو آپ نے یہ بات فرمائی: ”ہم ﴿اَدْخُلُوْا﴾ کا مطلب ”رہائش اختیار کر لیں“ کیا جائے تو وہ بھی درست ہے۔

﴿وَرَفَعَ اَبُوْهُ عَلٰی الْعَرْشِۙ﴾ ”اور اپنے تخت پر اپنے باپ کو ادا پنا بٹھایا۔“ تورات کے بیان کے مطابق ان کی والدہ فوت ہو چکی تھیں۔ اس لیے بعض مفسرین نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یوسف کی والدہ کو دوبارہ زندہ فرمایا۔ جبکہ دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ والدہ سے مراد ان کی خالہ اور سوتیلی ماں ”اُمّ“ ہیں جو کہ والدہ کے برابر ہوتی ہے۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”قرآن کے الفاظ سے یہی مفہوم ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی والدہ اس وقت تک زندہ تھیں لہذا اس کے خلاف اہل کتاب کے اقوال پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا یہ رائے قوی ہے۔ (واللہ اعلم)

آپ نے والدین کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا۔ ﴿وَحَوَّوْا لَہٗ سَجْدًاۙ﴾ ”اور سب اس کے سامنے سجدے میں گر گئے۔“ یعنی آپ کے والد، والدہ اور گیارہ بھائیوں نے آپ کو سجدہ کیا۔ اس سے آپ کی تعظیم و تکریم مقصود تھی۔ یہ سجدہ ان کی شریعت میں جائز تھا اور تمام شریعتوں میں اس پر عمل ہوتا رہا حتیٰ کہ ہماری شریعت میں اسے حرام کر دیا گیا۔ کہ: ﴿يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَاَوَّلُوْا رِءَآیَآ مِنْ قَبْلِہٖۙ﴾ ”اے ایمان والے! میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے۔“ یعنی میں نے آپ کو جو جواب سنایا تھا کہ مجھے گیارہ ستاروں نے اور سورج اور چاند نے سجدہ کیا ہے اور آپ نے مجھے اس کو پوشیدہ رکھنے کا حکم دیا تھا، اس کی تعبیر ظاہر ہو گئی ہے۔ اور ﴿قَدْ جَعَلْنَا رِءَآیَآ حَقًّاۙ وَقَدْ اٰخَرْنٰی مِنْ التَّيْنِۙ﴾ ”میرے رب نے اسے سچا کر رکھا، اس نے میرے ساتھ سورج اور چاند نے جیسے نیل خانے سے نکالا۔“ یعنی میں وہاں تھی اور فکرات میں تھا، اللہ نے مجھے وہاں سے نکال کر مصر کا اختیار حاکم بنادیا۔ ﴿وَجَآءَ بِکُمْ مِنَ الْبَدَۙ﴾ ”یعنی آپ لوگ دھرم میں رہ رہے تھے، اب اللہ کے فضل سے میرے پاس آ گئے۔“ ﴿بَعْدَ اَنْ تَرٰغَ الْقٰیظٰنُ بَيْنَیْ وَبَيْنَ اٰخُوْیَ﴾ ”اس اختلاف کے بعد، جو شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں ڈال دیا تھا۔“ یعنی وہ واقعات پیش آئے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ پھر فرمایا: ﴿اِنَّ رِءَآیَ کَیْفَیْ لَیْسَ بِشَآءَۙ﴾ ”میرا رب جو چاہے، اس کے لیے بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔“ یعنی وہ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے اسباب بھی مہیا کر دیتا ہے اور اسے اسی طریقے سے آسان فرماتا ہے کہ بندوں کو اس کی خبر گیری نہیں ہوتی بلکہ وہ بہترین طریقے سے اپنی عظیم قدرت کے ذریعے سے اسے مقدور فرماتا ہے۔ ﴿اِنَّہٗ ہُوَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُۙ﴾ ”جسے وہ بہت علم و حکمت والا ہے۔“ یعنی وہ تمام معاملات سے باخبر ہے اور اس کی تحقیق تشریح اور

طلب کیجئے، شک ہم مقصور وار ہیں۔“ انہوں نے درخواست کی کہ انہوں نے آپ سے اور آپ کے بیٹے (یوسف) سے جو بدسلوکی کی تھی اور جو ان کا برا ارادہ تھا، اللہ سے ان گناہوں کی معافی کی دعا کریں۔ چونکہ یہ غلطی کرنے سے پہلے ان کا ارادہ یہ تھا کہ تو پر کر لیں گے تو اللہ نے انہیں بعد میں تو پر کی توفیق بھی بخش دی۔ ان کے والد محترم نے ان کی درخواست قبول کرتے ہوئے فرمایا: ﴿سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَکُمْ رَّبِّیْۚ اِنَّہٗ ہُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُۙ﴾ ”اچھا میں جلدی تمہارے لیے اپنے پروردگار سے بخشش مانگوں گا وہ بڑا بخشنے والا اور نہایت مہربانی کرنے والا ہے۔“

حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب اور انعامات ربانی پر اظہار تشکر

جب حضرت یعقوب علیہ السلام مع اہل وعیال مصر پہنچے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی ملاقات کے وقت سب نے انہیں سجدہ کیا تو یوسف علیہ السلام کے درمیان خواب کی تعبیر کی ثابت ہو گئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَمَّا دَخَلُوا عَلٰی یُوسُفَٰ اٰوٰی اِلَیْہِ اَبُوْهُوۙ وَ قَالَ اَدْخُلُوْا وِصْرَۙ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اَمِيْنٌۙ وَ رَفَعَ اَبُوْیُوۙ عَلٰی الْعَرْشِۙ وَ حَوَّوْا لَہٗ سَجْدًاۙ وَ قَالَ یَاۤاَبَیۙ هٰذَا تَاوِیْلُ رِءَآیَآ مِنْ قَبْلِہٖۙ قَدْ جَعَلْنَا رِءَآیَآ حَقًّاۙ وَقَدْ اٰخَرْنٰی مِنَ التَّيْنِۙ وَ جَآءَ بِکُمْ مِنَ الْبَدَۙ وَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ تَرٰغَ الْقٰیظٰنُ بَيْنَیْ وَبَيْنَ اٰخُوْیَۙ اِنَّ رِءَآیَ کَیْفَیْ لَیْسَ بِشَآءَۙ اِنَّہٗ ہُوَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُۙ رَبِّ قَدْ اَتٰتٰکَی مِنَ الْمُلْکِ وَ عَلٰی تَکْوِیْنِ مِنْ تَاوِیْلِ الْاَحْکَامِۙ وَ قَاطَرَ السَّبُوْتِ وَ الْاَرْضِۙ اَنْتَ وَلَیۙ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ وَ تَوَفَّیۙ مَسْلٰمًاۙ وَ اَلْحَقِّیۙ بِالْضَلٰحِیۙنِۙ﴾

”جب (یہ سب لوگ) یوسف کے پاس پہنچے تو یوسف نے اپنے والدین کو پاس بٹھایا اور کہا مصر میں داخل ہو جائے۔ اللہ نے چاہا تو خاطر عین سے رہے گا۔ اور انھوں نے اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا اور سب یوسف کے آگے سجدے میں گر پڑے۔ (اس وقت) یوسف نے کہا ابا جان! یہ میرے اس خواب کی تعبیر ہے جو میں نے بچپن میں دیکھا تھا۔ میرے پروردگار نے اُسے سچ کر دیا۔ اور اس نے مجھ پر (بہت سے) احسان کیے ہیں کہ مجھ کو نیل سے نکالا اور اس کے بعد کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں شدا ڈال دیا تھا آپ کو گاؤں سے یہاں لایا۔ یہ شک میرا پروردگار جو جانتا ہے تدبیر کرتا ہے بلاشبہ بڑا دانا اور نہایت حکمت والا ہے۔ (پھر یوسف نے اللہ سے دعا کی کہ) اے میرے پروردگار! تو نے مجھے حکومت دی اور خوابوں کی تعبیر کا علم بخشا۔ اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! تو نے دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے۔ تو مجھے (دنیا سے) اپنی اطاعت (کی حالت) میں آٹھانا اور (آخرت میں) اپنے نیک بندوں میں داخل کرنا۔“ (یوسف: 99-101)

حالات دیگر ہوں گے اور آپ کو خافین کی طرف سے بہت زیادہ تکلیف پیش آئیں۔

ایسے حالات میں موت کی تمنا کرنا منع ہے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کوئی شخص مصیبت نازل ہونے پر موت کی تمنا کرے نہ کرے۔ اگر وہ نیکی کرنے والا ہے تو شاید مزید نیکیاں کر لے اور اگر گناہ گار ہے تو ممکن ہے کہ (اسے زندہ زندگی میں) باز آجائے۔ بلکہ اسے یوں کہا جائے: اَللّٰهُمَّ اَحْيِيْ مَا كَانَتْ الْحَيٰةُ خَيْرًا لِّهِ وَتَوَلَّيْ اِذَا كَانَتْ الْمَوْتَ خَيْرًا لِّهِ“

”اے اللہ! مجھے اس وقت تک زندہ رکھ، جب تک زندگی میرے لیے بہتر ہو اور مجھے اس وقت فوت کر جب وفات میرے لیے بہتر ہو۔“^① اس حدیث میں مصیبت سے مراد بدنی تکلیف مثلاً بیماری وغیرہ ہے، دینی مصیبت مراد نہیں۔

یوسف علیہ السلام نے مذکورہ بالا دعائے وفات کے وقت کی تھی یا اس دعا کی مطلب تھا کہ جب بھی موت آئے تو اس انداز سے آئے (کہ میں اسلام پر قائم ہوں۔)

حضرت یعقوب علیہ السلام کی بیڑوں کو وصیت اور حضرت یعقوب اور یوسف علیہ السلام کی وفات

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَمْرٌ لَّكُمْ شَهَادَةٌ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لَيْسَينَ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اَبَائِكَ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَاٰلِهٖمُ اَجِدُا ۚ وَتَحْنُ كَذٰلِكَ مُسَبِّحُونَ ۝﴾

”بھلا جس وقت یعقوب وفات پانے لگے تو تم اس وقت موجود تھے؟ جب انہوں نے اپنے بیڑوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے تو انہوں نے کہا کہ آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے جو معبود دیکھتا ہے اور ہم اُسی کے حکم پر درار ہیں۔“ (البقرہ: 133/2)

یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیڑوں کو اخلاص کی وصیت کی۔ اخلاص سے مراد وہ خاص دین اسلام ہے جسے انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف سے لے کر مبعوث ہوئے۔

اہل کتاب کہتے ہیں: جب حضرت یعقوب علیہ السلام فوت ہوئے تو مصر کے باشندوں نے ستر دن آپ کا سوگ منایا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے حکم سے اہل بے یعقوب علیہ السلام کی میت کو ایک خاص خوشبو لگا کر اس میں چالیس دن تک تازہ رہے

① صحیح البخاری 'المريض' باب تعمي المرض الموت' حدیث: 5671 و مسند أحمد: 263/2

نقد یرسب حکمت پر مبنی ہیں۔

② حضرت یوسف علیہ السلام کا انعامات ربانی پر اظہار تشکر: یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ آپ پر اللہ کی نعمت کی تکمیل ہو گئی ہے اور وہ والدین کے ساتھ اور گھر کے تمام افراد کے ساتھ مل گئے ہیں۔ انہیں معلوم تھا کہ اس دنیا میں کسی کو دوام حاصل نہیں اور اس جہان کی ہر شے فانی ہے اور تکمیل کے بعد کی ہی ہوا کرتی ہے۔ اس لیے آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء فرمائی، جیسے اس کی شان کے لائق ہے۔ اس کے عظیم فیصل و احسان کا اعتراف فرمایا اور اپنے پروردگار سے درخواست کی کہ جب ان کی وفات کا وقت آئے تو وہ اسلام کی حالت میں فوت ہوں اور اللہ کے نیک بندوں میں شامل ہوں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے ہم دعا کرتے ہوئے کہہ دیتے ہیں: ”یا اللہ! ہمیں اسلام پر زندہ رکھ اور اسلام پر موت دے۔“ یعنی جب بھی ہم فوت ہوں تو اسلام پر قائم ہوں۔^①

ممکن ہے آپ نے اپنے ہی دعائے وفات کے موقع پر فرمائی ہو۔ جیسے رسول اللہ ﷺ نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت فرمایا تھا: اَللّٰهُمَّ فِی الرَّفِیقِ الْاَعْلٰی [یعنی آپ کی روح مبارک کو اعلیٰ اور انبیاء و مرسلین جیسے عظیم ساتھیوں سے ملا دیا جائے۔ اس کے بعد نبی کریم علیہ السلام کی روح پر واز کر گئی۔^②

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے صحت و سلامتی کی حالت میں دعا فرمائی ہو کہ اللہ انہیں اسی وقت وفات دے دے کیونکہ ہو سکتا ہے ان کی شریعت میں ایسی تمنا کرنا جائز ہو جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول روایت کیا جاتا ہے: ”یوسف علیہ السلام سے پہلے کسی نبی نے موت کی تمنا نہیں کی تھی۔“

ہماری شریعت میں موت کی دعا کرنا منع ہے البتہ فتووں کے وقت جائز ہے جیسے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے: (اِذَا ارَدْتَ عِبَادَکَ فَنَفْعًا فَاقْبَضْنِیْ اَلَيْکَ غَیْرَ مَقُوْلٍ)

”یا اللہ! جب تو لوگوں کو کھینچے دے دانا چاہے تو ہمیں فتنے میں مبتلا کیے بغیر فوت کر لینا۔“^③

اور حضرت مریم علیہا السلام نے فرمایا تھا:

﴿ یٰلَیْقَیْنِیْ مِثَّ قَبْلِ هٰذَا وَکُنْتُ نَسِیًا مِّنْہَا ۝﴾

”کاش! میں اس سے پہلے ہی مر گئی ہوتی اور (لوگوں کی یاد سے بھی) بھولی ہسری ہو جاتی۔“ (مریم: 23/19)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اس وقت موت کی تمنا کی تھی جب محاطات گھمبیر ہو گئے، فتنہ بہت بڑھ گیا، جنگ و جدل میں شدت پیدا ہو گئی اور طرح طرح کے اختلافات پیدا ہو گئے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس وقت موت کی تمنا کی تھی جب

① یہی توجیہ درست ہے۔

② مسند أحمد: 200/6 صحیح البخاری 'المغازی' باب آخر ما ینکلم به النبی ﷺ' حدیث: 4437

③ جامع الترمذی 'تفسیر القرآن' باب و من سورۃ ص' حدیث: 3233 مسند أحمد: 368/1

حضرت یوسف علیہ السلام نے اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَالْبَحْثُ وَمِلَّةَ آيَاتِي إِلَهُهِمْ وَاسْتَقْ وَيَقُوبُ مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُنْشِرَ يَالَهُ مِنْ هَذَا ذَلِكِ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَكِنْ أَتَكَرَّرَ النَّاسُ لَا يَشْكُرُونَ ﴿١٠﴾ صَاحِبِي السَّجْنِ وَأَبَا بَ قَتْلُوهُ خَيْرٌ أَوْ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْفَعَّالُ مَا كُنْهُمْ مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءُ سَبَّحَهُمَا أَنْتُمْ وَأَبَا كَلَّمَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِمَا مِنْ سُلْطَانٍ مِنْ آيَاتِهِ أَمَرَ أَزَّجْعِدْ وَلَا يَأْتَاكَ ذَلِكَ الْدِينُ الْفَقِيمُ وَلَكِنْ أَتَكَرَّرَ النَّاسُ لَا يَشْكُرُونَ ﴿١١﴾﴾

”میں اپنے باپ دادوں کے دین کا پابند ہوں یعنی ابراہیم اسحاق و یعقوب کے دین کا۔ میں ہرگز یہ سزاوار نہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو بھی شریک کریں۔ ہم پر اور تمام لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل ہے لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں۔ اسے میرے قید خانے کے ساتھ کیا کئی ایک متفرق پروردگار بہتر ہیں یا ایک اللہ زبردست طاقت ور؟ اس کے سوا تم جن کی پوجا پائے کر رہے ہو وہ سب نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے خود ہی گھڑ لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ فرمانروائی صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اور اس کا فرمان ہے کہ تم سب سوائے اس کے کسی اور کی عبادت نہ کرو، یہی دین درست ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“ (یوسف: 40-38/12)

حکیم الامت علامہ محمد اقبال توحید الہی کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

یہ ایک مجہد جسے تو گرامر سمجھتا ہے ہزار مجہد سے دیتا ہے آدمی کو نجات!

مرد و زن کے اختلاط کے مفاسد: حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے یہ درس بھی ملتا ہے کہ مرد و زن کا آزادانہ اختلاط ہمیشہ سے مفاسد کا باعث بنتا رہا ہے۔ عورت نازک، کمزور اور ضعیف مخلوق ہے مگر اپنے فطری حسن و جمال اور حق تعالیٰ کے باعث مرد کے لیے ابتلا و امتحان کا باعث بن جاتی ہے اور مرد کی عقل و دانش پر غالب آ جاتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے عورت کے اس وصف کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

”میں نے ناقص عقل اور ناقص دین والیوں سے زیادہ عقل مند شخص کی عقل رکھو نہ والا کسی کو نہیں دیکھا۔“

عزیز مصر کی بیوی حضرت یوسف علیہ السلام کے آزادانہ میل جول کی وجہ سے آپ کے عشق میں مبتلا ہوئی اور بالآخر گمراہ کے ارتکاب پر مصر ہو گئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی عصمت و عفت کو محفوظ و مامون رکھا۔ اس واقعے سے موجودہ دور کے نام نہاد دانشوروں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے جو عورت کو گھر کی چار دیواری سے نکال کر دفاتر و دکان کی زینت بنانے پر تلے ہوئے ہیں اور یہ ہودہ لالک سے عورت کی نام نہاد آزادی کا نعرہ لگا رہی نہ لذت آزمائی کا بندوبست کرنا چاہتے ہیں۔

عورت کی کم عقلی اور جلد گمراہ ہو جانے کی وجہ سے اسلام نے اسے خاندان اور حریم کی پابندی سے جکڑ دیا ہے۔ لہذا مومن عورت گھر کی چار دیواری سے بغیر خاندان اور حریم کے نہیں نکلی سکتی اور نہ گھر کی چار دیواری میں ان کے علاوہ کسی مرد کے ساتھ

نَبَاخ و فَوَائِد عَزِيزٌ وَ رَحِيمٌ

ایمان باللہ کے ثمرات و فوائد: حضرت یوسف علیہ السلام کے مبارک قصے سے ہمیں ایمان باللہ کے متعدد فوائد و ثمرات ملتے ہیں۔ اگر بندے کا ایمان اللہ تعالیٰ پر کامل و مستحکم ہو اور اسے یقین کامل ہو کہ سچے بخش و ہی ذات الہی ہے مصائب و مشکلات میں دیکھ کر مشکل کشا بھی وہی ہے اور رنج و الم کو دور کرنے والا غوث اعظم بھی وہی ہے، نفع و نقصان کا داتا اور رزق دادا دین برکت و کمال کا مالک و معیار بھی وہی ہے، تو بندے کو اس مستقیم و حکم ایمان کی بدولت دو عظیم نعمتیں نصیب ہوتی ہیں۔ رنج و غم اور مصائب پر مبرجیل کی توفیق نصیب ہوتی ہے جبکہ نعمتوں کے حصول پر شکر جزیل کی توفیق ملتی ہے۔ یہ دونوں چیزیں حضرت یوسف و یعقوب علیہ السلام کی زندگی میں ہر وقت اور ہر موقع پر واضح نظر آتی ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا ایمان باللہ ہمارے لیے بہترین اسوہ ہے۔ آپ کا لاڈلا، چھینٹا اور محبوب بیٹا یوسف جدا ہوتا ہے تو جرج فزع کرنے کی بجائے صبر و شکر کی اعلیٰ مثال بن جاتے ہیں۔ دھوکے باز بیٹوں کو جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿فَصَبِّرْ يَتِيمٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ﴾

”ہاں صبر ہی بہتر ہے اور تمہاری بنائی ہوئی باتوں پر اللہ ہی سے مدد کی طلب ہے۔“ (یوسف: 18/12)

اسی صبر و شکر کی لغت کا ذکر کرتے ہوئے رحمت و دال عالم ﷺ فرماتے ہیں:

”مومن کے معاملے پر تعجب ہے۔ اس کا سارا معاملہ ہی خیر ہے۔ مومن کے سوا کسی شخص کو یہ سعادت حاصل نہیں۔ اگر اسے خوشی نصیب ہو تو شکر کرتا ہے اور یہ اس کے لیے بہتر ہوتا ہے۔ اگر اسے مصیبت پہنچے تو صبر کرتا ہے اور یہ اس کے لیے بہتر ہوتا ہے۔“

انبیائے کرام کی دعوت کا مرکز کی نکتہ توحید الہی: حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ توحید الہی تمام انبیاء و رسل کی دعوت و تبلیغ کا بنیادی اور مرکزی نکتہ تھا۔ اسی حقیقت کو نبی نوع انسانی تک پہنچانے اور انہیں سمجھانے کے لیے انبیاء کرام کی جماعت تشریف لائی۔ توحید الہی کے اقرار اور ایمان سے انسان کو کیسوی اور اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے اور در بدر کی ٹھوکروں سے نجات ملتی ہے جبکہ متعدد معبودوں کی پوجا انسان کو طرح کی رسوا و ذراقات میں الجھا دیتی ہے کیونکہ ہر معبود کے متعلق اعتقادات اور اس کی پوجا کے طرے مختلف ہوتے ہیں۔ انسانوں نے خود ہی ان کے بارے میں بے شمار اہام و اعتقادات گھڑے ہوئے ہیں جن سے انسانی عقل و شعور حیران و سرگرداں ہو جاتا ہے۔

① بھائیوں کی ایذا رسانیوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتا۔

② کنوئیں میں ڈالے جانے اور آزار ہونے کے باوجود غلام بنا کر بیچ جانے پر صبر و رضا کا کامل اظہار۔

③ مشفق اور رحمدل والدین کی جدائی اور ان کے سایہ شفقت سے محرومی پر صبر۔

④ عزیز مصر کی بیوی اور مصری عورتوں کے کفر و غریب اور شیطانی ترغیبات پر صبر۔

⑤ گبنے کا نادر و مظلوم ہونے کے باوجود قید و بند کی صعوبتوں پر صبر۔

ان تمام مراحل میں اپنے رب کی رحمت کے حصول کی امید پر صبر و رضا کے کامل اظہار پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو عالی شان جزا عطا فرمائی۔ مصر کی بادشاہت اور زندگی کی ہر نعمت آپ کو عطا کر دی گئی۔ ظلم کرنے والے بھائی نادم و شرمندہ آپ کے سامنے سجدہ و ریز ہو گئے اور طویل فراق کے بعد والدین کی محبت و وسعت دوبارہ نصیب ہو گئی۔ اس پر آپ نے برملا اظہار شکر فرمایا:

”إِنَّكَ مَنْ يَتَّقِي وَيَصْبِرُ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ“

”بات یہ ہے کہ جو بھی پرہیزگاری اور صبر کرے تو اللہ تعالیٰ کی نیک کار کا اجر ضائع نہیں کرتا۔“ (یوسف: 90/12)

⑥ عزت نفس اور شرف انسانی کی حفاظت: حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے ہمیں عزت و ناموس کی حفاظت کا درس ملتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی عزت نفس کا یہ عالم تھا کہ برسوں مظلوم و قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں لیکن جب بادشاہ نے خواب کی تعبیر کے لیے جیل سے آپ کو بلایا تو آپ نے رہائی کے اس حکم پر سرست و شادمانی کا اظہار نہیں کیا بلکہ اس وقت تک جیل سے رہا ہونے سے انکار کر دیا جب تک بادشاہ ان کے معاملے کی تحقیق و تفتیش کرا کے انہیں بے گناہ اور مظلوم قرار نہ دے گا کہ آپ کی عزت و شرف اور عصمت کا اظہار ہو مصری عورتوں کے کفر و غریب کا عوام کو یہ چل سکے۔ لہذا جب بادشاہ نے تحقیق کرنے کے بعد آپ کی برأت اور بے گناہی کا اعلان کیا نیز آپ کے علم و فضل اور پاکدامنی کی بدلت آپ کو اپنا وزیر خاص بنانے کا اعلان کیا تو آپ نہایت فرحت و مسرور کے ساتھ نہایت عزت و افتخار کے ساتھ جیل سے باہر تشریف لائے۔

⑦ حسد و بغض کا عبرت انگیز انجام: حسد و بغض ایسی اخلاقی بیماریاں ہیں جو حاسد اور بغض کرنے والے کے لیے نہایت مضر ہیں۔ اگرچہ بغض اوقات محدود کبھی کبھو دنیوی نقصان ہو جاتا ہے مگر حاسد دنیاؤ آخرت کے خسارے سے دوچار ہو جاتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی حسد کی آگ میں بری طرح جل رہے تھے۔ والدین کی حضرت یوسف علیہ السلام سے غفری محبت ان کے دل میں کاٹنا نہیں کر چھ گئی۔ حسد کی اس بیماری نے انہیں یوسف علیہ السلام کو طرح طرح کی کوششیں دینے پر آمادہ کیا۔ لیکن ان کی تمام تدابیر کا رگر ہونے کے باوجود بالآخر وہ ذلت و رسوائی سے دوچار ہوئے اور یوسف علیہ السلام اگرچہ دینی اور پریشان ہوئے مگر دنیوی اور اخروی کامیابی و کامرانی ان کا مقدر بنی۔ دکھ دینے والے حاسد بھائی بالآخر نادم و شرمندہ ہو

خلوت اختیار کر سکتی ہے۔ رسالت مآب ﷺ اس فتنے کا سدباب کرتے ہوئے فرمایا: ”تم میں سے کوئی شخص محرم کے بغیر انہی عورت کے ساتھ خلوت میں نہ جائے۔“ ①

نیز فرمایا: ”جب بھی کوئی شخص انہی عورت سے خلوت اختیار کرتا ہے تو ان کے ساتھ تیسرا شیطان ہوتا ہے۔“ ②

③ عفت و عصمت کے امام حضرت یوسف علیہ السلام: تاریخ انسانی گواہ ہے کہ بڑے نامور بادشاہ، عظیم قائد اور طاقتور لشکری جنہوں نے اپنی تلوار اور گتھار سے ایک دنیا فتح کی تھی، عورت و جمال اور فطری فتنے کے سامنے ڈھیر ہو گئے۔

جنہیں کوئی فتح نہ کر سکا انہیں ایک کمزور و ناتوان عورت نے اپنے حسن و جمال کے تیرے بے آسانی شکار کر لیا۔

نہایت حسن و جمال کی مالک، بھرپور جوانی سے مزین، سلطانِ رعب و دہدہ کی مالک، عزیز مصر کی بیوی گھر کے دروازے بند کر کے جوان رعنا حضرت یوسف علیہ السلام کو گناہ پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ کبھی ترغیب دلاتی ہے کہ تو کبھی رعب اور ڈراوے سے۔ مگر عفت و عصمت کے امام اس قدر نازک اور خطرناک موقع پر نہایت استقامت و استقامت کے ساتھ یہ جواب دے کر عزیز مصر کی بیوی کو ناکام و نامراد اور ہمیشہ کے لیے حسرت و الم کی تصویر بنا دیتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّكَ رِجْئٌ حَسَنٌ مِّمَّنِّي“

”یوسف نے کہا: اللہ کی پناہ! وہ میرا رب ہے مجھے اس نے بہت اچھی طرح رکھا ہے۔“ (یوسف: 23/12)

ایسے موقع پر کامیاب رہنے والوں کے لیے روزِ قیامت خصوصی شرف و منزلت کا اہتمام ہوگا۔ رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں: ”سات خوش نصیب ایسے ہیں جنہیں اس روز عرض الہی کا سایہ نصیب ہوگا جس روز کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ان میں سے ایک وہ جوان مرد ہے جسے حسب و نسب والی عورت گناہ کی طرف بلاتی ہے تو وہ کہتا ہے: میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔“ ④

⑤ صبر جمیل کی عالی شان جزا: صبر و رضا ایک عظیم الشان خصلت ہے جو نہ صرف برائیوں سے بچاؤ کے لیے بہترین ڈھال ہے بلکہ مومن کے لیے مشکلات و مصائب کے وقت بہترین راہِ عمل بھی ہے۔ انسان کو زندگی کے بے شمار مراحل پر اس خصلت کی اشد ضرورت پڑتی ہے۔ دنیا میں رہتے ہوئے خواہشات نفسانی کے سامنے بند باندھنے کے لیے، احباب کی جدائی اور فراق کو برداشت کرنے کے لیے اور مالی اور جانی نقصانات کا سامنا کرنے کے لیے صبر و رضا مومن کا کامیاب ہتھیار ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے ہمیں صبر و رضا کا اعلیٰ ترین درس ملتا ہے۔ آپ کو صبر و رضا کا کمال حاصل تھا، آپ کے صبر و رضا کا شاندار مظاہرہ و مندرجہ ذیل مواقع پر بخوبی کیا جاسکتا ہے:

① صحیح البخاری، النکاح، حدیث: 5233، صحیح مسلم، الحج، حدیث: 2999

② مسند أحمد: 26/1

③ صحیح مسلم، الزکاة، باب فضل إخماء الصدقة، حدیث: 1031

اولا اس نے آپ کو تخت سلطانی تک پہنچنے کا راستہ فراہم کر دیا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلِ اللَّهُمَّ مَلِكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ، الْغَنِيُّ، ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ، إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾

”آپ کہہ دیجیے اے میرے معبود! اے تمام جہانوں کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے۔ تیرے ہی ہاتھ میں سب بھلائی ہیں۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔“ (ال عمران: 26/3)

رحمت جو عالم علیہ السلام نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو نصیحت کرتے ہوئے اسی حقیقت سے روشناس کرایا تھا۔ آپ نے فرمایا: ”خوب جان لو! اگر پوری امت تمہیں فائدہ دینے کے لیے جمع ہو جائے تو تمہیں کوئی نفع نہیں دے سکتی سوائے اس نفع کے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مقدر کر دیا ہے۔ اور اگر سارے لوگ تمہیں نقصان پہنچانے کے لیے متحد ہو جائیں تو تمہیں تمہارے مقدر میں لکھے ہوئے نقصان کے سوا کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے۔“

اولاد کے درمیان عدل و انصاف: حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے ہمیں اولاد کے معاملے میں عدل و انصاف کا درس ملتا ہے۔ اولاد کے درمیان جہاں مادی وسائل و منافع اور حاجات و ضروریات کی فراہمی میں عدل ضروری ہے وہاں محبت و شفقت میں عدل کرنا بھی لازمی ہے۔ کیونکہ چھوٹا بچہ نہایت حساس، ثور اور حاسد ہوتا ہے۔ والدین کی کسی ایک بچے کو ذرا سی زیادہ اہمیت، یا ذرا سا زیادہ پیار و محبت کا برتاؤ دوسرے بچوں کے دل و دماغ میں منفی اثر چھوڑ جاتا ہے اور وہ اپنے ہی بھائی کے حاسد اور دشمن بن جاتے ہیں جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام ان میں آمار نبوت دیکھتے ہوئے انہیں ذرا سی فوقیت دی تو دیگر بھائی نے اہمیت و قدر برداشت نہ کر سکے، اور اگے چل کر یہی جذبہ حسد اور دشمنی کا باعث بن گیا۔

نبی آخر الزماں علیہ السلام نے اپنی امت کو اولاد کے درمیان عدل و انصاف کا برتاؤ کرنے کا خصوصی حکم دیا ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے والد نے مجھے کچھ مال عطا کیا، پھر میری والدہ کی خواہش پر نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ آپ علیہ السلام کو اس پر گواہ بنائیں۔ آپ نے دریافت کیا: ”کیا سارے بیٹوں کو ایسا ہی مال دیا ہے؟“ انہوں نے جواب دیا: ”نہیں۔ تو آپ نے فرمایا: ”اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو۔“

لہذا حضرت نعمان کے والد نے وہ مال واپس لے لیا۔

کامیاب زندگی کا مقصد زندگی: حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعے سے ہمیں یہ سبق بھی ملتا ہے کہ کامیاب زندگی وہی

کر آپ کے دربار میں اقرار جرم کے معافی کے طلب گار ہوتے ہیں:

﴿قَالُوا تَاللّٰهِ لَقَدْ آتٰكَ اللّٰهُ عَلَمًا وَّ اِنَّكَ لَطَاطِیۡنٌ﴾

”انہوں نے کہا اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے تجھے ہم پر برتری دی ہے اور یہ بھی بالکل سچ ہے کہ ہم خطا کار تھے۔“

(یوسف: 91/12)

حسد جتنا کہ یوں سے بچنے کے لیے رسول اکرم علیہ السلام نے تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

”پہلی امتوں کی بیاریوں میں سے ایک بیاری تمہارے اندر سرایت کر گئی ہے اور وہ حسد اور بغض کی بیماری ہے (اور یہ مومن نہ کہ کفر دینے والی ہے میں نہیں کہتا کہ ہاں مومن کی ہلکے یہ دین کا صفایا کر دیتی ہے..... اللہ حد ہے۔“

پاکیزہ فطرت پر پاکیزہ ماحول کا اثر: اگر کسی شخص کی ذاتی سرشت عمدہ اور پاکیزہ ہو اور اس کا ماحول بھی پاکیزہ و مقدس ہو تو ایسے شخص کی زندگی اور کردار عملی نہایت پاکیزہ اور نمایاں صفات کا حامل بن جاتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی مقدس و مطہر زندگی اس کی بہترین مثال ہے۔ رسول اکرم علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاکیزہ نسب کو یوں بیان کیا ہے:

”نہایت معزز شخص، بڑی عزت والے کے بیٹے، بڑے عزت دار کے پوتے، انتہائی معزز کے پڑپوتے یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام۔“

حضرت یوسف علیہ السلام کی ذاتی نیک نہادگی اور پاکیزہ فطرت نے جب لطیف و مقدس ماحول کو پایا تو تمام کمالات و اوصاف حمیدہ چمک اٹھے۔

اس کے برعکس اگر کسی شخص کی سرشت ہی ناپاک ہو یا اسے ماحول ہی پرالگندہ اور آلودہ ملے تو پھر اس شخص کی زندگی جرائم پیشہ اور اس کا کردار گھناؤنا بن جاتا ہے۔

جسے اللہ رکھے! حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے یہ حقیقت بھی خوب روشن ہو جاتی ہے کہ جسے اللہ رکھے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ جسے اللہ عزت دے اسے کوئی بے توقیر نہیں کر سکتا۔ جسے اللہ بچانا چاہے اسے کوئی مار نہیں سکتا۔ جسے اللہ بلند و بالا کرنا چاہے اسے کوئی گرائیں سکتا۔ اللہ جو چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے خواہ ساری دنیا وہ نہ چاہے۔ اور جو کام اللہ نہ چاہے وہ نہیں ہوتا خواہ ساری دنیا وہ کام نہ کرنا چاہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی آپ کو تنویر میں پھینک کر آپ سے غلامی مانگے تھے مگر وہ حقیقت وہ آپ کو بام عروج کی پہلی سیڑھی پر کھڑا کر گئے تھے۔ عزیز مصر کی بیوی نے اپنی شیطانی چال کی ناکامی پر آپ کو قیصر میں بند کر دیا و یا مگر

① جامع الترمذی، ’الزهد‘ باب فی فضل المخالفة مع الصبر..... حدیث: 2510

② صحیح البخاری، ’أحادیث الأنبياء‘ حدیث: 3382

① جامع الترمذی، ’صفة القيامة‘ حدیث: 2516، و مسند أحمد: 293/1

② صحیح مسلم، ’الہبات‘ باب کراهية تفصيل بعض الأولاد فی الہبة‘ حدیث: 1623

اسی طرح حج مکہ کے روزِ قریش، نبی کریم ﷺ کے سامنے شکست خوردہ، سرگوں کھڑے تھے اور آپ ان سے برسوں کے ظلم و ستم کا بدلہ لینے پر پوری طرح قادر تھے۔ آپ نے انھیں مخاطب کر کے فرمایا: ”تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارے ساتھ کیسا سلوک کرنے والا ہوں؟“ انہوں نے بیک زبان عرض کیا: آپ کریم بھائی ہیں اور کریم بھائی کے صاحبزادے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ”آج تم پر کوئی سرزنش نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔“

خوابوں کی تعبیر: حضرت یوسف علیہ السلام قصے سے تعبیر روایا کی اہمیت و افادیت سامنے آتی ہے۔ نیز یہ کہ انبیائے کرام کے خواب سچے ہوتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خوابوں کی تعبیر ایک عظیم اور اعلیٰ علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو بطور خاص عطا فرمایا تھا لہذا آپ نے جن خوابوں کی تعبیر بیان کی وہ ویسے ہی وقوع پذیر ہوئے۔ خواب اور ان کی تعبیر کے متعلق چند اسلامی آداب درج ذیل ہیں:

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد و گرامی ہے: ”جب تم میں سے کوئی شخص اچھا خواب دیکھے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اسے بیان نہ کرے کیونکہ وہ اسے نقصان نہیں دے گا۔“

لہذا اچھا خواب نظر آئے تو اسے تین آداب ہیں: اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ اس سے فرحت و سرور محسوس کرے۔ اپنے خیر خواہ اور محبوب شخص کو بتادے۔

برے اور ناپسندیدہ خواب کے سات آداب ہیں: برے خواب سے اللہ کی پناہ طلب کرے۔ شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ مانگے۔ اگر بیدار ہو جائے تو بائیں طرف تین بار تھوکرے۔ برا خواب کسی کو نہ بتائے۔ نماز نفل ادا کرے۔ جس کوٹ پر لیٹا ہوا ہے تبدیل کر لے۔ آبیہ الکری سے تلاوت کرے۔

خواب کی تعبیر کے متعلق آداب: تعبیر کسی عالم و عاقل مندرجہ ذیل شخص سے پوچھی جائے یا دوست اور خیر اندیش شخص سے پوچھی جائے۔ ناپسندیدہ شخصیت، حاسد یا کمرہ شخص کو ہرگز خواب نہ بتائے اور نہ اس سے تعبیر پوچھے۔ تعبیر کرنے والا حسب استطاعت مثبت اور اچھے امور کے ساتھ تعبیر کرے۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: حج الہادی، کتاب تعبیر الرؤیا)

عبدالے اور منصب کی طلب: کسی شخص کا عبدالے اور منصب کا طلب کرنا شرعاً ناپسندیدہ ہے۔ بلکہ امارت و ریاست سے بچنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ”اے ابوذر ا

ہے جو با مقصد ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جن و انس کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾

”میں نے جن و انس کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔“ (الذاریات: 56/51)

لہذا جب انسان اس مقصد حیات کو بخوبی سمجھ لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی محبت اس کے دل و دماغ میں اثر پذیر ہو جاتی ہے تو پھر وہ قید و بند کی صعوبتوں اور زندگی کی مشکلات و مصائب کو خاطر میں نہیں لاتا بلکہ ہر وقت اور ہر جگہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دعوت و تبلیغ میں مصروف رہتا ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نبیل میں بھی ساتھیوں کو ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دیتے ہیں اور اپنی مشکلات کو اس راہ میں حائل نہیں ہونے دیتے۔

ایسی با مقصد زندگی گزارنے والا شخص صداقت، ویاں، امانت، شرافت، صبر و تحمل، شکر و رضا اور غنودہ روزگار جیسی عالی صفات سے متصف ہوتا ہے۔ جبکہ اس مقصد حیات کو پس پشت ڈال کر مینے والا شخص، جھوٹ، خیانت، جزع و فزع، ناشکری، حسد و بغض اور دعوت و دشمنی جیسی منفی صفات کو اپنا کرنا کام و نامراد ہو جاتا ہے۔ ایسے شخص کی زندگی جانوروں سے بھی بدتر ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ إِنَّ لَهُمْ قُلُوبًا لَا يَفْقَهُونَ شَيْئًا ۚ وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ شَيْئًا ۚ وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ شَيْئًا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلَّغْنَا مِنْ آيَاتِنَا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾

”اور ہم نے ایسے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لیے پیدا کیے ہیں جن کے دل ایسے ہیں کہ ان سے وہ سمجھتے نہیں، اور جن کی آنکھیں ایسی ہیں جن سے دیکھتے نہیں اور جن کے کان ایسے ہیں جن سے سنتے نہیں، یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ یہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں، لوگ بھی غافل ہیں۔“ (الاعراف: 179/7)

روح تذکرہ لا تفسر علیکم الیوم: حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعے سے ہمیں مفودہ روزگار اور احسان و اکرام کا اعلیٰ ترین درس ملتا ہے۔ بدترین دشمن کو بغیر کسی سزا کے معاف کر دینا اور اس سے کوئی بدلہ نہ لینا، محسنین، صدیقین اور کریمین کی ہمیشہ سے صفت رہی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی آپ کے دربار میں احساس جرم سے مغلوب، نام و شرمندہ، گردنیں جھکا گئے، آپ کے فیصلے کو منتر تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے سلطنت و حکمرانی عطا فرمائی تھی۔ آپ کا ایک حکم زندگی بھر کے دکھوں کا بدلہ چکانے کے لیے کافی تھا۔ مگر آپ نے جو فیصلہ فرمایا وہ تا قیامت آنے والے لوگوں کے لیے مصلیٰ راہ ہے۔ آپ نے فرمایا:

﴿لَا تَنْتَظِبْ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ بَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾

”آج تم پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ اللہ تمہیں بخشے، وہ سب میرا بنوں سے بڑا مہربان ہے۔“ (یوسف: 92/12)

وَالْعَبْرَةُ إِذْ نَالُوا لَيْلَةَ الْإِنْفِ
مَسْنَى الْأَضْرَافِ أَحْمَرَ الْحَبِينِ
فَأَسْتَحْضَرُوا الْفَخْخَ وَالْأَبْرَصَ وَالْأَهْلَ وَمِثْلَهُمْ
مَعَهُمْ لَمْ يَكُنْ يَدْرِي مَا لَهُمْ مِنَ الْخَالِدِينَ



نسب نامہ اور قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ

امام ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ تھے اور آپ کا نسب نامہ اس طرح ہے: ایوب بن موسیٰ بن رازح بن مصحی (میسو) بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام۔ بعض علماء نے آپ کا نسب اس طرح بیان کیا ہے: ایوب بن موسیٰ بن رغویل بن مصحی (میسو) بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام۔

حافظ ابن عساکر رُفَع نے ایک قول نقل کیا ہے کہ آپ کی والدہ حضرت لوط علیہ السلام کی دختر تھیں۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ کے والد ان موبنوں میں سے تھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اس دن ایمان لائے جس دن آپ کو آگ میں ڈالا گیا اور آپ پھر ان طور پر سلامت رہے۔ پہلا قول زیادہ مشہور ہے۔ ہم اس آیت مبارکہ:

﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ وَهَارُونَ﴾

”اور اس (ابراہیم) کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون ہیں۔“ (الانعام: 84/6) کی تفسیر کرتے ہوئے وضاحت کر چکے ہیں کہ ﴿ذُرِّيَّتِهِ﴾ سے مراد ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہے نہ نوح علیہ السلام کی اولاد مراد

نہیں، لہذا صحیح بات یہی ہے کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل میں سے ہیں۔

تم کمزور ہو۔ امارت ایک امانت ہے۔ اور بے شک قیامت کے روز (بہت سے لوگوں کے لیے) باعث رسوائی اور ندامت ہوگی۔ سوائے اس شخص کے جس نے امانت کی بنا پر اسے حاصل کیا اور پھر اس کے حقوق پوری طرح ادا کیے۔“^①

لیکن اگر کوئی فرد اپنی قابلیت، ذہانت اور امانت کی بنیاد پر جھٹکتا ہے کہ کوئی خاص منصب اس کے شایان شان ہے اور وہ ملک و قوم کی فلاح و بہبود کے لیے دوسروں کی نسبت بہتر اور عمدہ نتائج حاصل کر سکتا ہے تو وہ اپنی خدمات حاکم وقت کو پیش کر سکتا ہے۔ یا جب کسی اہل شخص کو حاکم وقت کسی عہدے کی پیش کش کرے تو وہ اپنی امانت و قابلیت کے مطابق میدان عمل کا انتخاب کر سکتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے جوہر حق و صداقت اور ملک و قوم کی خیر خواہی کے جذبات کا عزیز مصر کو علم ہوا تو اس نے آپ پر لگائے گئے تمام الزامات کی تردید کے بعد آپ کی عفت و پاکدامنی کا اظہار کیا۔ نیز آپ کو اپنا خصوصی وزیر بنانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی امانت و دیانت اور خصوصی امانت و قابلیت کے پیش نظر ایک مخصوص محکمے کی سربراہی طلب کی جو آپ کو بے دلی دی گئی۔ آنے والے وقت نے آپ کے انتخاب اور امانت کو ثابت کر دیا۔

■ مایوسی گناہ ہے: حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے ہمیں یہ درس بھی ملتا ہے کہ مایوسی گناہ ہے۔ حالات کیسے ہی ناسازگار اور ناموافق کیوں نہ ہوں انسان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ مشکل وقت میں صبر و رضا کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور بردبار عالم کی نصرت و تائید کا سوال کرنا چاہیے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے یکے بعد دیگرے حضرت یوسف علیہ السلام اور یوسف بن یحییٰ کی جدائی اور فراق کا رنج کھایا۔ دونوں بیٹوں کے شہید غم میں بھی رحمت ربانی سے آس نہیں توڑی بلکہ بیٹوں کو امید کا دامن تھامنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿يٰٓيُحْيٰى اِذْ هٰذَا فَتَحَسَّنُوْا مِنْ يُّوسُفَ وَآخِيْهِوْا ۚ وَكَآ تَلٰكُمُوْا مِنْ دَوْجِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يَأْتِيْكُمْ مِنْ دَوْجِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُوْنَ ۝﴾

”میرے پیارے بچو! اتم جاؤ اور یوسف کی اور اس کے بھائی کی پوری طرح تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا یقیناً اللہ کی رحمت سے ناامید وہی ہوتے ہیں جو کافر ہوتے ہیں۔“ (یوسف: 87/12)

حضرت یعقوب علیہ السلام کے اسوۂ حسنہ میں ان لوگوں کے لیے درس عبرت ہے جو بیٹوں کی جدائی یا اولاد کے نہ ہونے پر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید اور مایوس ہو جاتے ہیں اور دین و ایمان کے لٹیروں، لالچ و علم جفر اور لوٹا گھمانے والے لشعبدہ بازوں سے امیدیں وابستہ کر لیتے ہیں۔ قبر، قبر، مزار مرزا رنجر کی کھاتے دین دے دیا سے محروم ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔

عقل والوں کے لیے نصیحت تھی۔ اور اپنے ہاتھ میں جھاڑو لا کر اس سے مارا اور قسم نہ توڑو۔ چونکہ ہم نے اُسے صبر کرنے والا پایا۔ وہ بہت خوب بندہ تھا، بیشک وہ بہت رجوع کرنے والے تھا۔“ (ص: 41/38-44)

حضرت ایوب علیہ السلام کی آزمائش اور صبر کی انتہا

علمائے تفسیر اور مورخین بیان کرتے ہیں کہ ایوب علیہ السلام ایک صاحب ثروت انسان تھے۔ آپ کے پاس ہر قسم کا مال موجود تھا، مثلاً: غلام، جانور (گھوڑے وغیرہ) مویشی اور حوران (شام) کے علاقے بقیہ میں وسیع اراضی کے قطعات بھی تھے۔ اس کے علاوہ آپ کی بیویاں اور بہت سے بچے بھی تھے۔ آپ سے یہ سب کچھ چھین گیا اور آپ کو سخت آزمائش سے دو چار کر دیا گیا۔ آپ نے اس پر بھی اللہ کی رضا کے لیے صبر کیا اور دن رات، صبح شام اللہ کا ذکر کرتے رہے۔

آزمائش کی مدت طویل ہوتی گئی، حتیٰ کہ دوست یاں ساتھ چھوڑ گئے اور آپ سے دور دور رہنے لگے۔ آپ سے ملنا جلنا چھوڑ دیا۔ اس وقت آپ کی خدمت کرنے کے لیے صرف آپ کی زوجہ محترمہ باقی رہ گئیں۔ انہوں نے آپ کے گزشتہ احسانات اور شفقت کو فراموش نہ کیا، چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر تکیہ لگائیں اور آپ کی ضروریات پوری فرمائیں حتیٰ کہ قصائے حاجت میں بھی مدد دیتیں۔ آہستہ آہستہ ان کا مال ختم ہو گیا۔ وہ آپ کی غذا اور دوا کا بندوبست کرنے کے لیے اجرت پر دوسروں کے کام کرنے لگیں۔ انہوں نے مال اور اولاد سے محرومی پر بھی صبر کیا اور خاندان پر آنے والی مصیبت کو بڑے صبر سے برداشت کیا۔ کبھی وہ طرح طرح کی نعمتوں سے مالا مال تھے اور ان کا بے حد احترام کیا جاتا تھا، پھر تنگ دستی آئی اور انہیں لوگوں کی خدمت کرنا پڑی۔ اس کے باوجود وہ ثابت قدم رہیں۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ”سب سے سخت آزمائش انبیائے کرام علیہم السلام پر آتی ہے، پھر زیادہ تنگ لوگوں پر پھر جو ان سے کم درجے کے ہوں۔“^①
مزید ارشاد نبوی ہے: ”انسان پر اس کے دین کے مطابق آزمائش آتی ہے۔ اگر وہ دین میں مضبوط ہو تو اس کی آزمائش میں اضافہ ہو جاتا ہے۔“^②

اپنے رب سے صحت کی دعا

حضرت ایوب علیہ السلام کی آزمائش جس قدر شدید ہوتی گئی آپ کے صبر، شکر اور استقامت میں اس قدر اضافہ ہوتا گیا،

① المستدرک للحاکم: 343 و سلسلة الأحادیث الصحيحة: حدیث 143، 144

② مسند احمد: 172؛ جامع الترمذی: الزهد؛ باب ما جاء في الصبر على البلاء؛ حدیث: 2398

آپ ان انبیائے کرام علیہم السلام میں شامل ہیں جن کا نام لے کر ان پر وحی نازل ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَلِمًا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَاللّهْم مِّنْ بَعْدِهِ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَاسْتَمَعْنَا يُعْقِبُ وَالْأَسْبَاطُ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ﴾

”(اے محمد!) ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح اور ان سے پہلے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی اور ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اولاد یعقوب اور یحییٰ اور ایوب کی طرف وحی بھیجی۔“ (النساء: 163/4)

صحیح یہی ہے کہ آپ عیسیٰ (عیسو) بن اسحاق علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ آپ کی زوجہ محترمہ کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ وہ یعقوب علیہ السلام کی بیٹی ”میا“ تھیں، بعض کہتے ہیں کہ وہ افراتیم کی بیٹی ”رمت“ تھیں، بعض کہتے ہیں کہ وہ منسا کی بیٹی تھیں اور ان کا نام ”لیا“ تھا۔ یہ قول زیادہ مشہور ہے۔

قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ ایک صابر اور شاکر نبی کے طور پر ہوا ہے جنہوں نے لمبی مدت تک بیماری آل اولاد کی ہلاکت اور مال و متاع کے چھین جانے پر صبر کیا نیز وہ بارہ انعامات ربانی حاصل ہونے پر شکر گزاری کی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسْفِيءٌ ضَرْبًا وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِنْ ضَرْبٍ وَأَعْتَدْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ رَحْمَةً مِنَّا وَكَوْنًا وَلَكُلِّ الْفَاسِدِينَ

”اور ایوب (کو یاد کرو) جب انہوں نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ مجھے تکلیف پہنچی ہے اور تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ تو ہم نے اُن کی دعا قبول کر لی اور جو ان کو تکلیف تھی وہ دور کر دی اور اُن کو بال بچے بھی عطا فرمائے اور اپنی مہربانی سے اُن کے ساتھ استثنائی اور بخشش اور عبادت کرنے والوں کے لیے (یہ) نصیحت

ہے۔“ (الانبیاء: 84، 83/21)

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

﴿وَإِذْ نَادَىٰ عِبَادًا أَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسْفِيءٌ الضَّيْقُ يُضْطَبُّ وَعَذَابٌ ۖ أُرْضُ بِوَجْهِكَ هَذَا مُغْتَسَلٌ بِلَآءٍ وَشَرَآبٍ ۖ وَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ رَحْمَةً مِنَّا وَكَوْنًا وَلَكُلِّ الْآفَاتِ ۖ وَخَلَّ بِعِيدِكَ صُغُفًا قَاضٍ رَبِّهِ وَلَا تَحْزَنْ إِنَّا وَجَدْنَا صَابِرًا نَّعْمُ الْعِبَادُ إِنَّكَ آتَابٌ ۖ﴾

”اور ہمارے بندے ایوب کو یاد کرو جب انہوں نے اپنے رب کو نکارا کہ (اے اللہ!) شیطان نے مجھ کو ایذا اور تکلیف دے رکھی ہے۔ (ہم نے کہا کہ زمین پر) لات مارو (دیکھو) یہ (چشمہ نکل آیا) نہانے کو غصہ اور پینے کو (شیریں) اور ہم نے اُن کو اہل (و میال) اور اُن کے ساتھ آستنیٰ اور بخشش (یہ) ہماری طرف سے رحمت اور

گئے تھے اور اسی قدر مدد بھی عطا فرمائے۔

وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی نازل فرمائی: ”میں نے تجھے تیرے اہل اور مال و بارود دے دیے ہیں اور ساتھ اسنے ہی اور دے دیے ہیں، اب اس پانی سے غسل کر لے، تجھے شفا بخوا جائے گی اور اپنے ساتھیوں کی طرف سے قربانی پیش کر اور ان کے لیے مغفرت کی دعا کر کیونکہ انہوں نے تیرے معاملے میں میری نافرمانی کی ہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے میں اور اہل و عیال عطا کیے اور اس سے ایک گنازا دیو بھی دے جس طرح عبادہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔“^①

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ نے ایوب رضی اللہ عنہ کو صحت عطا فرمائی تو آپ پر سونے کی ٹڈیوں کی بارش کر دی۔ آپ انہیں ہاتھوں سے پکڑ پکڑ کر کپڑے میں ڈالنے لگے۔ آپ کو ندا آئی: ”ایوب! کیا سیر نہیں ہوئے؟“ آپ نے عرض کیا: ”یارب! تیری رحمت سے کون سیر (اور مستغنی) ہو سکتا ہے؟“^②

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ایوب رضی اللہ عنہ کپڑے اتار کر غسل فرما رہے تھے کہ سونے کی ٹڈیوں کا ایک جھنڈ آپ پر آگرا۔ ایوب رضی اللہ عنہ مٹھیاں بھر بھر کر کپڑے میں ڈالنے لگے۔ اللہ عزوجل نے آواز دی: ”ایوب! کیا میں نے تجھے اس سے مستغنی نہیں کر دیا جو تو دیکھ رہا ہے؟“ انہوں نے عرض کیا: ”جی ہاں! یارب! لیکن میں تیری برکت سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔“^③

ارشاد باری تعالیٰ: ”اینا یاؤں مارو۔“ کا مطلب ہے کہ زمین پر اپنا پاؤں مارو۔ ایوب رضی اللہ عنہ نے حکم کی تعمیل کی۔ اللہ تعالیٰ نے وہاں سے ٹھنڈے پانی کا چشمہ جاری فرما دیا اور حکم دیا کہ اس کا پانی پئیں اور اسی پانی سے غسل کریں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تکلیف، درد اور جسم کی تمام غلطیوں اور باطنی بیماریاں دور فرما دیں اور غلطیوں اور باطنی تندرستی کے ساتھ ساتھ کامل جمال اور بہت سے مال سے بھی نوازا حتیٰ کہ سونے کی ٹڈیوں کی بارش ہوئی اور دولت اس طرح نازل ہوئی جیسے میزہ برتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اہل و عیال عطا فرمائے۔ جیسے ارشاد ہے: ﴿وَآتَيْنَاهُ الْهَنَدَ وَطِلَاقَهُ مَعَهُ﴾ ”اور اس کو اہل و عیال عطا فرمائے، بلکہ ان کے ساتھ اسنے ہی اور بھی۔“ (الانبیاء: 84/21) بعض علماء نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ وہی فوت شدہ افراد زندہ ہو گئے اور بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فوت شدہ افراد کی جگہ اور اولاد دے دی اور قیامت میں پہلی اور پہلی سب اولاد جمع ہو کر آپ کو مل جائے گی۔ (”رحمۃ من عندنا“ اپنی خاص مہربانی سے۔) (الانبیاء: 84/21) یعنی ہم نے آپ کی مصیبت دور کر دی اور آپ کی تکلیف ختم کر دی۔ یہ ہماری خاص مہربانی اور احسان تھا۔ ﴿وَكَرَّمْنَا لَيْلِيْنَ﴾

① تفسیر ابن کثیر: تفسیر سورة الانبیاء: آیت: 84

② تفسیر ابن ابی حاتم: 24618

③ صحیح البخاری: احادیث الانبیاء باب قول اللہ تعالیٰ ﴿وَاُیُوبَ إِذْ نَادَى رَبَّهُ﴾ حدیث: 3391/2 ومسند أحمد: 314/2

حتیٰ کہ آپ کا صبر بھی ضرب المثل بن گیا اور آپ کے مصائب بھی۔

○ بائبل میں حضرت ایوب رضی اللہ عنہ کے مال و اولاد ختم ہو جانے اور جسمانی بیماری میں مبتلا ہونے کا واقعہ بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس میں کس قدر باتیں درست ہیں۔

○ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ سب سے پہلے ایوب رضی اللہ عنہ چمک کے مرض میں مبتلا ہوئے تھے۔ آپ کی آزمائش کتنا عرصہ جاری رہی اس کے بارے میں علماء سے مختلف اقوال مروی ہیں:

① حضرت وہب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”آپ پورے تین سال اس کیفیت میں رہے نہ کم نہ زیادہ۔“

② حسن اور قنادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”آپ کی آزمائش کی مدت سات سال چند ماہ تھی۔“

③ حضرت ثنید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”آپ اٹھارہ سال بیمار رہے۔“

④ سدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”آپ کے جسم سے گوشت جھڑکیا تھا، صرف ہڈیاں اور پٹھے باقی رہ گئے تھے۔ آپ کی زہرہ مختصر مدہر لاکر آپ کے نیچے ڈال دی تھیں۔ جب ایک طویل عرصہ اس حال میں گزر گیا تو انہوں نے عرض کیا: ”اپنے رب سے دعا کیجیے کہ وہ آپ کی مصیبت دور کر دے۔“ آپ نے فرمایا: ”میں نے ستر سال صحت کی حالت میں گزارے ہیں، تو کیا مجھے اللہ کے لیے ستر سال نہیں کرنا چاہیے؟“ زہرہ مختصر یہ جواب سن کر بہت پریشان ہوئیں کیونکہ وہ لوگوں کی خدمت کر کے اس کی اجرت سے ایوب رضی اللہ عنہ کے کھانے کا بندوبست کرتی تھیں۔“^①

بہر حال اس طرح دن گزرتے رہے۔ ان کی خدمت گزار اور دوفا شعرا بیوی کے لیے بھی حالات کٹھن سے کٹھن تر ہوتے جا رہے تھے اور خود حضرت ایوب رضی اللہ عنہ کے اپنے خوش و آقا رب بھی اُن کی سخت آزمائش اور بیماری وغیرہ کو دیکھ کر ان سے سخت بیگانگی رہتے گئے جو حضرت ایوب رضی اللہ عنہ پر بڑی شاق گزرنے لگی ہاؤ خروہ بارگاہ الہی میں خوب گزر گئے اور صحت و شفا کی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور اس چشمہ کھانی سے غسل کرنے کا حکم دیا جو ان کی ایذا کی مارنے سے جاری ہوا تھا۔

⑤ شفا یابی پر انعامات ربانی کی بارش: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایوب رضی اللہ عنہ کو جنت کا لباس پہنا دیا۔ آپ (صحت مند ہو کر) بعضی لباس پہن کر (ایک طرف بیٹھ گئے۔ آپ کی زہرہ مختصر آئیں تو پچپان نہ سکیں۔ یولیں: ”اللہ کے بندے! یہاں جو بیمار تھا، وہ کہاں گیا؟ کہیں اسے بھیڑیے تو اٹھا کر نہیں لے گئے؟“ انہوں نے اس طرح کی کئی باتیں کیں تو آپ نے فرمایا: ”تیرا بھلا ہو! میں ہی ایوب ہوں۔“ انہوں نے کہا: ”مجھ سے کیوں ٹھٹھا کرتا ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”تیرا بھلا ہو! میں ہی ایوب ہوں۔ اللہ نے مجھے میرا صحیح جسم دوبارہ دے دیا ہے۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہی مال اور وہی بچے دوبارہ دے دیے جو لے لیے

① تفسیر ابن کثیر: تفسیر سورة الانبیاء: آیت: 84

تعالیٰ اس کی خطائیں معاف فرما دیتا ہے۔“

علاج کرنا انہیائے کرام کی سنت ہے: حضرت ایوب علیہ السلام کے قصبے سے بیماری کے علاج اور دوا استعمال کرنے کا درس ملتا ہے۔ علاج کرنا اور دوا استعمال کرنا صبر و رضا کے معنائیں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو چشمے کا پانی پینے اور اس سے غسل کرنے کا حکم دیا حالانکہ وہ مالک اس کے بغیر بھی شفا دینے پر قادر ہے۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ شفا کے حصول کے لیے اسباب اختیار کرنا ضروری ہے۔ رسول اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے بھی علاج کی ترغیب ملتی ہے۔ آپ نے دوا استعمال کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

”اللہ کے بندو! دوا استعمال کیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کی شفا بھی رکھی ہے (یا فرمایا) ہر بیماری کی دوا بھی رکھی ہے، سوائے ایک بیماری کے۔“ صحابہ نے عرض کی اللہ کے رسول وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ”بو حایہ۔“

آپ نے امت کے لیے صحت بخش دواں بھی تجویز فرمائی ہیں جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ علاج کرنا اور کرا ضروری ہے۔ آپ نے کونجی کے فوائد بیان کرتے ہوئے فرمایا:

”سیاہ دانے (کلونجی) کو استعمال کیا کرو کیونکہ اس میں موت کے سوا ہر بیماری کی شفا ہے۔“
اس کے علاوہ نبی کریم ﷺ شہد کو بے حد پسند کرتے تھے اور بیمار یوں کے علاج کے لیے اسے تجویز فرماتے تھے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فِيهِ شِفَاءٌ لِّكَافٍ﴾ ”اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔“ (النحل: 69/16)

لہذا نبی ﷺ فرماتے ہیں:

”شفا میں چیزوں میں ہے: کچھ گلوانے میں، شہد کے پینے میں اور آگ سے داغ لگوانے میں لیکن میں اپنی امت کو داغ لگوانے سے منع کرتا ہوں۔“

بیوی سے حسن سلوک: حضرت ایوب علیہ السلام کے قصبے سے مومن خاندنوں کو اپنی بیویوں سے حسن سلوک کا درس ملتا ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام حالت صحت اور مالی فراوانی کے ایام میں نہایت نیک سلوک کرتے تھے۔ بھر حالات نے پانچاں پانا تو وفا شعار بیوی کے سوا سب لوگ آپ کو چھوڑ گئے۔ صالحہ بیوی نے تنگی ترشی کے ایام میں آپ کی خدمت میں کوئی فروگزاشت نہ کی۔ ایک دن کسی بات پر آپ ناراض ہو گئے اور قسم اٹھائی کہ صحت یاب ہونے پر انہیں سو کوڑے بطور سزا ماریں گے۔ آپ صحت یاب ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی وفا شعار زوجہ محترمہ کے لیے سزا میں خصوصی ذریعے سے تخفیف کرا کے مومنوں کو ایماندار و وفا شعار، تنگی ترشی کی سہمی ازدواج کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی ترغیب دلائی ہے۔ رسول

① صحیح البخاری، المرضی، باب ما جاء في كفارة المرض حدیث: 5641

② جامع الترمذی، الطب، باب ما جاء في الدواء والحث عليه، حدیث: 2038

③ جامع الترمذی، الطب، باب ما جاء في الحبة السوداء، حدیث: 2041

④ صحیح البخاری، الطب، باب الشفاء في ثلاث، حدیث: 5680

نتائج و فوائد عبرتیں و محبتیں

صبر و رضا کے بیکر: حضرت ایوب علیہ السلام: حضرت ایوب علیہ السلام کے قصبے سے اہل ایمان کو صبر و رضا کا درس ملتا ہے۔ ابتلا و شدائد پر جبر فرج کرنے کی بھانے، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے اور اس سے شفا مانگنے کا سبق ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر و رضا کی تعریف و ستائش کرتے ہوئے فرمایا:

﴿إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا بِعَهْدِ الْعَبْدِ إِنَّهُ أَوَّابٌ﴾

”جنگ تو یہ ہے کہ ہم نے اسے بڑا ہی صابر پایا، وہ بڑا نیک بندہ اللہ کی طرف بہت رجوع کرنے والا تھا۔“ (ص: 44/38)

حضرت ایوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے اموال، مویشی، چوپائے، غلام اور بیٹے و عریض زین کے علاوہ کثیر اولاد سے نوازا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش آگئی اور یہ سارا مال و اسباب ختم ہو گیا۔ صرف ایک غم گسار بیوی باقی بچی۔ پھر آپ کے جسم کا بھی مرض کی شکل میں امتحان شروع ہو گیا، حتیٰ کہ آپ کو شہر سے باہر ایک دیوانے میں پناہ لینا پڑی۔ یہ دور اتنا 18 سالوں پر محیط رہا، مگر اس عرصے میں آپ نے کبھی شکوہ و شکایت کو زبان پر نہ دیا، بلکہ صبر و شکر کے پیکر بن کر اپنے رب کی طرف التجا و دعا کرتے۔ بالآخر آپ کی آزمائش ختم ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے صبر و شکر پر پہلے سے بھی زیادہ مال و اولاد عطا فرمائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَيُّوبَ إِذْ دَاوَىٰ رَبُّهُ أَتَىٰ مَسَدَ الْفَصْرِ وَأَنَّتْ أَرْحَمَ الرَّحِيمِينَ ﴿١﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِنْ ضِرَإٍ وَأَعْتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَوَعَدْنَاهُ لَعْنَةً ﴿٢﴾ وَوَكَّلْنَا لَهُ الْبَلْعَيْنَيْنِ ﴿٣﴾﴾

”ایوب کی اس حالت کو یاد کرو جبکہ اس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھے یہ بیماری لگ گئی ہے اور تو سب دم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ تو ہم نے اس کی سن لی اور جو دکھ انہیں تھا اسے دور کر دیا اور اس کو اہل و عیال عطا فرمائے بلکہ ان کے ساتھ ویسے ہی اور بھی اپنی خاص مہربانی سے تاکہ سچے بندوں کے لیے سب نصیحت ہو۔“

(الانبیاء: 84، 83/21)

اس سے معلوم ہوا کہ مشکل کشا، غوث اعظم، گنج بخش اور غیور صرف ذات الہی ہے۔ مشکلات اور مصائب میں صرف اسے ہی پکارنا چاہیے۔ نیز امتحان و آزمائش میں صبر و رضا کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ صبر و شکر کرنے والوں کو رب العالمین اپنی خصوصی عنایات سے نوازتا ہے۔ رسول مقبول ﷺ صبر و شکر کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”مومن کو جو بھی جسمانی دکھ، تکلیف، درد، حزن، بیماری یا غم پہنچتا ہے حتیٰ کہ اسے جیسے والے کاٹنے سے بھی اللہ

وَأَسْعِثْ
وَأَذْهِبْ رَدَّ الْكَفْلِ
كُلُّ مَنَّا لَصَّابُونَ وَأَذْهِبْ
فَوَاحِشَنَا أَلَمْ نَكُنْ لَكَ صَاحِبِينَ

حَضْرَت زَوَالِ الْكَفْلِ

قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ

اللہ تعالیٰ نے سورہ انبیاء میں حضرت ایوب علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا:

﴿وَأَسْعِثْ وَلِذِيئْسَ وَذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِنَ الصَّابِرِينَ ۖ وَأَذْهِبْ رَدَّ الْكَفْلِ ۖ وَاحْصِبْنَا فِي رَحْمَتِنَا إِنَّهُمْ مِنَ الصَّابِرِينَ ۖ﴾

”اور (اے نبی!) اسامیل اور ادریس اور ذوالکفل (کو بھی یاد کرو) یہ سب صبر کرنے والے تھے اور ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کیا۔ بلاشبہ وہ سب نیکو کار تھے۔“ (الانبیاء: 86-85/21)

سورہ ص میں بھی حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعہ کے بعد ارشاد ہے:

﴿وَاذْكُرْ عَبْدَنَا إِبْرَاهِيمَ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ أُولِيَ الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ ۖ إِنَّا أَخَصَّصْنَاهُمْ بَخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ۖ وَرَأَيْنَاهُمْ عَبْدَنَا كَوْنِ الْمُصْطَفَيْنِ الْاُخْيَارِ ۖ وَاذْكُرْ إِسْحَاقَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ۖ وَكُلٌّ مِنَ الْاُخْيَارِ ۖ﴾

”اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کو یاد کرو جو قوت اور بصیرت والے تھے۔ ہم نے ان کو ایک (صفت) خاص (آخرت کے) گھر کی یاد سے ممتاز کیا تھا اور وہ ہمارے نزدیک منتخب اور نیک لوگوں میں سے

تھے۔ اور اسامیل اور الیسع اور ذوالکفل کو یاد کرو، وہ سب نیک لوگوں میں سے تھے۔“ (ص: 48-45/38)

اکرم علیہ السلام مومنوں کو پیو یوں سے حسن سلوک کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

”تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہترین ہے اور میں تم میں سے اپنے گھر والوں کے لیے بہترین ہوں۔“^①



بستر پر قیولہ کے لیے لیئے، تو وہ آ کر دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔ آپ نے فرمایا: ”کون ہے؟“ اس نے کہا: ”وہی مظلوم ضعیف بوڑھا ہوں۔“ آپ نے دروازہ کھولا اور کہا: ”میں نے تجھے کہا نہیں تھا کہ جب میں عدالت میں بیٹھوں گا تو میرے پاس آ؟“ اس نے کہا: ”وہ بڑے غصیت لوگ ہیں، انہیں جب پتہ چلا کہ آپ عدالت میں تشریف لے گئے ہیں تو مجھے کہنے لگے: ہم تجھے تیرا حق دے دیں گے۔ جب آپ نے عدالت پر خاست کی، وہ مکر گئے۔“ آپ نے فرمایا: ”اب چلا جا جب میں عدالت میں جاؤں گا، جب آجانا۔“

اس طرح آپ اس دن قیولہ نہ کر سکے۔ آپ عدالت میں گئے اور اس کا انتظار کرتے رہے۔ لیکن وہ نظر نہ آیا۔ آپ کے لیے خند پر قابو پا کر مشکل ہو گیا تو آپ نے گھر والوں سے کہا: ”مجھے سخت خند آ رہی ہے۔ تم کسی کو دروازے کے قریب نہ آنے دینا، میں ذرا سولوں۔“

اس وقت وہ بوڑھا آ گیا۔ دروازے پر موجود آدمی نے کہا: ”پیچھے رہو، پیچھے رہو۔“ اس نے کہا: ”میں کل بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور اپنا مسئلہ پیش کیا تھا۔“ آدمی نے کہا: ”ہرگز نہیں، قسم ہے اللہ کی! آپ کا حکم ہے کہ ہم کسی کو قریب نہ آنے دیں۔“

جب اس نے دیکھا کہ اس طرح آپ تک پہنچنا مشکل ہے تو ادھر ادھر دیکھا۔ اسے کمرے میں ایک روشن دان نظر آیا۔ وہ اوپر چڑھ کر اس میں سے کمرے میں داخل ہو گیا اور اندر سے دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔ آپ کی آنکھ کھل گئی تو (دربان کو) آواز دی: ”اے غلام! کیا میں نے تجھے حکم نہیں دیا تھا کہ اسے کچھ عرصہ کے لیے روک لینا۔“

اس نے کہا: ”میں شخص میری طرف سے نہیں آیا، آپ ہی دیکھیں کہ کدھر سے آیا ہے؟“ آپ نے اٹھ کر دروازہ دیکھا تو وہ اندر کی طرف سے اسی طرح بند تھا جس طرح آپ نے بند کیا تھا، اس کے باوجود بوڑھا کمرے میں موجود تھا۔ تب آپ نے پہچان لیا اور فرمایا: ”کیا تو اللہ کا دشمن (شیطان) ہے؟“ اس نے کہا: ”ہاں! آپ نے میری ہر کوشش کا کامیابی نہ تھی۔ اس لیے میں نے آپ کو غصہ میں لانے کے لیے یہ سب کچھ کیا۔“

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام ”ذوالکفل“ رکھا۔ کیونکہ آپ نے ایک ذمہ داری اٹھائی اور اسے نبھا کر دکھایا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے منبر پر کھڑے ہو کر یہ ارشاد فرمایا: ”ذوالکفل نبی نہیں تھے، لیکن ایک نیک آدمی تھے جو روزانہ سونائیں پڑھا کرتے تھے۔“^①

ذوالکفل نے اس (صبح) سے وعدہ کیا کہ اس کی وفات کے بعد وہ یہ سلسلہ جاری رکھیں جسے چنانچہ آپ روزانہ سو نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ اسی لیے آپ کا نام ”ذوالکفل“ (ذمہ داری اٹھانے اور نبھانے والے) مشہور ہو گیا۔^②

① عَالَمِ دُورِ کَافِل پڑھنا مراد ہے۔ واللہ اعلم

② تفسیر ابن جریر الطبری: 98/10 و تفسیر ابن کثیر: 319/5 تفسیر سورة الانبياء: آیت: 65

قرآن مجید میں انبیائے کرام علیہ السلام کے ساتھ اور تقریبی کلمات کے ساتھ آپ کا ذکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوالکفل نبی تھے اور یہی مشہور ہے۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ آپ نبی نہیں تھے بلکہ ایک نیک آدمی اور انصاف پسند حاکم تھے۔ علامہ ابن جریر رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں توقف فرمایا ہے اور کسی پہلو کو ترجیح نہیں دی۔

حضرت حماد بن زید سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: ”آپ نبی نہیں تھے، بلکہ نیک آدمی تھے۔ آپ نے اپنی قوم کی رہنمائی کی اور ان میں انصاف کرنے کی ذمہ داری اٹھائی تھی، اسی لیے وہ ذوالکفل (ذمہ داری اٹھانے والے) کے نام سے مشہور ہوئے۔“

حضرت حماد بن زید سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت شیخ طحاوی بوڑھے ہو گئے تو آپ نے فرمایا: ”کتنا اچھا ہے کہ میں اپنا ایک نائب مقرر کروں، جو میری زندگی میں ان پر حکومت کرے، تاکہ میں دیکھ لوں کہ وہ کیسے کام کرتا ہے۔ (اگر مناسب معلوم ہو تو اسے اپنی وفات کے بعد کے لیے اپنا نائب مقرر کروں۔“ آپ نے لوگوں کو منع کر کے فرمایا: ”جو شخص میری طرف سے عاملہ کرے تین ذمہ داریاں قبول کرے گا، میں اسے اپنا خلیفہ مقرر کروں گا۔ وہ کام یہ ہیں کہ دن کو روزہ رکھے رات کو قیام کرے اور غصہ نہ کرے۔“

ایک آدمی، جو دیکھنے میں بالکل معمولی سا لگتا تھا، اٹھا اور بولا: ”میں (ذمہ داریاں قبول کرتا ہوں۔“ فرمایا: ”تو دن کو روزہ رکھا کرے گا رات کو قیام کیا کرے گا اور غصہ میں نہیں آئے گا؟“ اس نے کہا: ”جی ہاں!“ اس دن آپ نے اسے واپس کر دیا (اور اپنا خلیفہ حاضر نہیں کیا) دوسرے دن آپ نے پھر یہی اعلان فرمایا۔ سب لوگ خاموش رہے۔ اسی آدمی نے اٹھ کر کہا: ”میں۔“ آپ نے اسے اپنا خلیفہ مقرر کر دیا۔

ابنیں شیطانوں سے کہتا تھا: ”اس شخص کو قابو کرو۔“ لیکن سب شیطان اسے گرا کرے میں اور اس سے وعدہ کرے برکس کوئی کام کرانے میں ناکام ہو گئے۔

ابنیں نے کہا: ”مجھے اس (ذوالکفل) سے منبہ دو۔“ وہ ایک انتہائی بوڑھا فقیر بن کر آپ کے پاس اس وقت آیا جب آپ دو پہر کے وقت آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے تھے۔ آپ دن رات میں صرف ایک بار اس وقت سوتا کہ تھے۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ نے فرمایا: ”کون ہے؟“ اس نے کہا: ”ایک مظلوم ضعیف بوڑھا ہوں۔“ آپ نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا اور وہ اپنی کہانی سنانے لگا۔ اس نے کہا: ”میرا اپنی قوم کے لوگوں سے جھگڑا چل رہا ہے۔ انہوں نے مجھ پر ظلم کیا ہے اور یہ کیا اور یہ کیا.....“ وہ بات کو طول دیتا چلا گیا حتیٰ کہ قیولہ کے وقت گزر گیا اور عدالت میں جانے کا وقت ہو گیا۔ آپ نے (بوڑھے سے) فرمایا: ”جب میں عدالت میں بیٹھوں گا تو تجھے تیرا حق دلا دوں گا۔“

آپ عدالت میں آ کر اپنے مقام پر بیٹھ گئے۔ آپ نے ادھر ادھر دیکھا مگر بوڑھا کہیں نظر نہ آیا۔ اگلے دن بھی آپ لوگوں کے مقدمات سننے اور فیصلے کرتے رہے اور اس بوڑھے کا انتظار کرتے رہے لیکن وہ نظر نہ آیا۔ جب آپ واپس آ کر

اصحابِ اربع

اصحاب اربع کا ذکر قرآن مجید میں ان دو مقامات پر آیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعَادًا وَثَمُودًا وَأَصْحَابَ الرَّسِّ وَقُرُونًا بَيْنَ ذَلِكَ كَثِيرًا ۖ وَكُلًّا ضَلَبْنَا لَهُ الْأُمَمَآلَ ۖ وَكُلًّا سَبَّخْنَا فِيهَا ۖ﴾

”اور عاد اور ثمود اور اصحاب اربع اور ان کے درمیان اور بہت سی جماعتوں کو بھی (ہلاک کر ڈالا) اور سب کے (سمجھانے کے لیے ہم نے مثالیں بیان کیں اور (زمانے پر) سب کا ستیاناس کر دیا۔“ (الفرقان: 39, 38/25)

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

﴿كَذَّبَتْ قَبِيلُهُمْ قَوْمَ نُوحٍ ۖ وَأَصْحَابَ الرَّسِّ وَثَمُودَ ۚ وَعَادَ وَفِرْعَوْنَ ۖ وَإِخْوَانُ لُوطَ ۚ وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ ۚ وَقَوْمَ تُبَلِّكُ ۚ كُلًّا كَذَّبَ الرَّسُلَ فَتَنًا ۖ وَعَيْبًا ۖ﴾

”ان سے پہلے نوح کی قوم اور اصحاب اربع اور ثمود جھٹلا چکے ہیں اور عاد اور فرعون اور لوط کے بھائی اور بن کے کر رہے والے اور تُبَلِّك کی قوم (غرض) ان سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو ہماری وعید (عذاب) بھی پوری ہو کر رہی۔“ (فی: 12-15/50)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو ملیا میٹ کر دیا گیا تھا۔

عربی زبان میں ”الرس“ اس کنویں کو کہتے ہیں جس کی منڈیر پتھروں سے بنائی گئی ہو۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ وہ ایک خاص کنواں تھا جس پر قوم ثمود کا ایک قبیلہ رہتا تھا۔ وہی لوگ اصحاب اربع کے نام سے مشہور ہوئے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے نام کے ساتھ مشہور ہونے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنے نبی کو کنویں میں پھینک دیا تھا۔

امام ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول روایت کیا ہے کہ ”اصحاب اربع“ قوم ثمود کی ایک بستی کے باشندے تھے۔“

ابن عساکر رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں شہر دمشق کی تعمیر کا ذکر کرتے ہوئے ابو القاسم عبداللہ بن عبد اللہ بن جراد کی تاریخ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب اربع کی طرف ایک نبی کو مبعوث فرمایا تھا جن کا نام حنظل بن صفوان (رحمہ اللہ) تھا۔ انہوں نے آپ پر ایمان لانے سے انکار کیا اور آپ کو شہید کر دیا چنانچہ عاد بن عوض بن ارم بن سام بن نوح نے اپنی اولاد سمیت ریس سے ہجرت کر کے احناف میں رہائش اختیار کر لی۔ بعد میں ان کی اولاد پورے یمن میں پھیر پوری دنیا میں پھیل گئی۔ چھپے رس والوں کو اللہ تعالیٰ نے تباہ کر دی۔ حتیٰ کہ عاد بن محسن کی اولاد میں سے خبیرہ بن سعد بن عاد اس جگہ آ بسا

عمومی تباہی و کچا ہونے والی اقوام

ان سے مراد وہ اقوام ہیں جو تورات کے نزول سے قبل تباہ ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِ مَا آهَلَكْنَا الْقُرُونِ الْأُولَىٰ﴾

”اور ہم نے پہلی امتوں کے ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو کتاب دی۔“ (القصص: 43/28)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے تورات کے نزول کے بعد کبھی قوم کو آسمانی یا زمینی عذاب کے ذریعے سے کُل طور پر تباہ نہیں کیا۔ سوائے ان (مسیحی والوں) کے جن کی صورتیں تبدیل کر کے انہیں بندر بنادیا گیا تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِ مَا آهَلَكْنَا الْقُرُونِ الْأُولَىٰ﴾“ اور ہم نے پہلی امتوں کے ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو کتاب دی۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو قوم بھی عذاب الہی کے ذریعے سے مکمل طور پر تباہ کی گئی ہے وہ موسیٰ علیہ السلام سے پہلے ہی تھی ان میں اصحاب اربع اور سورہ یونس میں مذکور قوم بھی شامل تھی۔

جہاں دمشق آباد ہے۔ اس نے شہر بسایا اور اس کا نام ”نہروان“ رکھا۔ اسی کو قرآن مجید میں ﴿رَمَّةَ ذَاتِ الْعِمَادِ﴾ ”ستونوں والا ارم“ کہا گیا ہے۔ حجر کے ستون دمشق سے زیادہ کسی شہر میں نہیں پائے جاتے۔ ① اللہ تعالیٰ نے اس قوم کا طرکِ طرف حضرت ہود بن عبد اللہ بن رباح بن خالد بن طلوع بن عاد کو احناف کے علاقے میں نبوت دے کر مبعوث فرمایا۔ وہ لوگ ایمان نہ لائے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ کر دیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحابِ اِلس کا زمانہ قوم عاد سے صدیوں پہلے کا ہے۔

حضرت ابو بکر محمد بن حسن نقاش بڑے نے ذکر کیا ہے کہ اصحابِ اِلس کا ایک کنواں تھا جس سے اُن کے پینے کی اور آب پاشی کی ضروریات پوری ہو جاتی تھیں۔ ان کا بادشاہ بہت انصاف پرور اور نیک سیرت تھا۔ جب وہ فوت ہوا تو لوگوں کو بہت زیادہ غم ہوا۔ ابھی چند دن ہی گزرے تھے کہ شیطان اس (مرحوم بادشاہ) کی صورت میں ان کے پاس آیا اور کہا: ”میں مرا نہیں تھا، میں تو غائب ہو گیا تھا تا کہ دیکھوں تم کیا کرتے ہو۔“ وہ انتہائی خوش ہوئے۔ اس نے کہا: ”میرے لیے پردہ لگا دو، میں کبھی نہیں مروں گا (لیکن تمہاری نظروں سے اوجھل رہوں گا۔)“ بہت سے لوگوں نے شیطان کی بات کو سچ سمجھ لیا اور اس کے فریب میں آ کر اس کی پوجا کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں ایک نبی مبعوث فرمایا، اس نے بتایا کہ پردے کے پیچھے سے بات کرنے والا بادشاہ نہیں، بلکہ شیطان ہے۔ ان ہی نے انہیں اس کی عبادت سے منع کیا اور اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کرنے کا حکم دیا۔

امام تہذیبی بڑے کا بیان ہے کہ اس نبی پر فینیکس کی حالت میں وحی نازل ہوتی تھی اور ان کا نام خطلہ بن صفوان علیہ السلام تھا۔ لوگوں نے آپ پر حملہ کیا اور آپ کو شہید کر کے کوئیں میں ڈال دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کوئیں کا بیانی شک ہو گیا۔ درخت سوکھ گئے، پھل ختم ہو گئے، انہیں پیاس نے آلیا چنانچہ ان کے گھر ویران ہو گئے اور وہ ادھر ادھر بکھر گئے اور آخر کار سب کے سب ہلاک ہو گئے۔

① بعض کے نزدیک ”اِلس“ آذر بایجان کی وادی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اِلس کے علاقے اِزنان (کوہ قاف) میں ایک ہزار شہر آباد تھے۔ اللہ نے ان کی طرف موسیٰ نامی (موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے علاوہ کوئی) نبی مبعوث کیا، انہوں نے اس کی تکذیب کی تو نبی کی بددعا سے وہ سب ہلاک ہو گئے۔ (تکم البلدان جلد: 3) یہ بھی کہا گیا ہے کہ اِلس کے علاقے میں ایک نبی بھی گئے مسلح کہا جاتا تھا۔ (اطلس القرآن اردو ص: 220-222 شائع کردہ دارالسلام)



حملہ کر کے شہید کر دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”حبیب بن ماریہ کو جہاد کی تیاری لگ گئی تھی۔ وہ صدقہ بھی بہت زیادہ دیتا تھا۔ اسے قوم نے شہید کر دیا تو (اس سے) کہا گیا: ﴿اُدْخِلِ الْجَنَّةَ﴾ ”جنت میں چلا جا۔“ یعنی جب اسے لوگوں نے شہید کر دیا تو اللہ نے اسے جنت میں داخل فرما دیا۔ جب اس نے وہاں کی نعمتیں اور خوشیاں دیکھیں تو کہنے لگا: ﴿يَلَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ﴾ ﴿يَسَاءَ عَقْرِي﴾ ﴿وَجَعَلَنِي مِنَ الْمَكْرُومِينَ﴾ ”کاش! میری قوم کو بھی علم ہو جاتا کہ مجھے میرے رب نے بخش دیا اور مجھے باعزت لوگوں میں سے کر دیا۔“ تاکہ میری طرح وہ بھی ایمان لا کر یہ نعمتیں حاصل کر لیتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”اس نے زندگی میں قوم کی خیر خواہی کرتے ہوئے کہا: ﴿تَبَوَّأُ الْكُوَيْلِينَ﴾ ”ان رسولوں کی راہ پر چلو“ اور مرے کے بعد قوم کے بھٹکے کی تسکین کرتے ہوئے کہا: ﴿يَلَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ﴾ ﴿يَسَاءَ عَقْرِي﴾ ﴿وَجَعَلَنِي مِنَ الْمَكْرُومِينَ﴾ ”کاش! میری قوم کو بھی علم ہو جاتا کہ مجھے میرے رب نے بخش دیا اور مجھے باعزت لوگوں میں سے کر دیا۔“

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ”آپ مومن کو ہمیشہ دوسروں کا بھلا چاہنے والا بن جائیں گے، اسے کبھی دھوکا دینے والا نہیں پائیں گے۔ اس نے جب اللہ کی طرف سے اپنی عزت افزائی دیکھی تو کہا: ﴿يَلَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ﴾ ﴿يَسَاءَ عَقْرِي﴾ ﴿وَجَعَلَنِي مِنَ الْمَكْرُومِينَ﴾ ”کاش! میری قوم کو بھی علم ہو جاتا کہ مجھے میرے رب نے بخش دیا اور مجھے باعزت لوگوں میں سے کر دیا۔“ اس نے یہ تمنا کی کہ اسے اللہ کی طرف سے جو انعام و اکرام نصیب ہوئے ہیں، اس کی قوم کو ان کا علم ہو جائے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب انہوں نے اس اللہ کے بندے کو شہید کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں زبردستی بخش نہیں فرمایا بلکہ ارشاد ہوا: ﴿إِنْ كَانَتْ إِكْرَاهًا صَبْرًا وَاقْدَارًا لَّأَكْثَرُ خُيُوتًا﴾ ”وہ تو صرف ایک ہولناک چٹختی کہ یکا یک وہ سب کے سب بھگے رہ گئے۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا أَتَيْنَا عَلَىٰ قَوْمِهِمْ مِنْ بَاقٍ وَمِنْ جُنْدٍ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِينَ﴾ ”اس کے بعد ہم نے اس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نہ اتارا اور نہ اس طرح ہم اتارا کرتے ہیں۔“ یعنی جب انہوں نے ہمارے رسولوں کی تکذیب کی اور ہمارے ولی کو شہید کیا تو ان لوگوں سے انتقام لینے کے لیے ہمیں آسمان سے کوئی لشکر اتارنے کی ضرورت نہیں پڑی (بلکہ) وہ تو صرف ایک ہولناک چٹختی کہ یکا یک وہ سب کے سب بھگے رہ گئے۔“

مفسرین فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت جبریل علیہ السلام کو بھیجا انہوں نے شہر کے دروازے کی چوکھٹ

”ہم تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں۔“ قوم نے جواب دیا کہ آپ تو ہم جیسے انسان ہیں اور وہی کچھ کہا جو پہلی بار فراموشوں نے اپنے رسولوں سے کہا تھا کیونکہ انہیں یہ بات نامکن محسوس ہوتی تھی کہ اللہ تعالیٰ کوئی انسانی رسول مبعوث فرمائے۔ رسولوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ہم اس کے بھیجے ہوئے ہیں تمہارے پاس آئے ہیں (اور) اگر ہم جھوٹی باتیں بنا کر اس کے ذمے لگاتے تو وہ ہمیں سخت سزا دیتا اور ہم سے شدید انتقام لے لیتا۔ اور کہا: ﴿وَمَا عَلَيْنَا لِيَؤْمِنَ﴾ ”اور ہمارے ذمہ تو صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے،“ یعنی ہمارا فرض یہی ہے کہ اللہ نے جو پیغام دے کر ہمیں بھیجا ہے وہ تم تک پہنچا دیں۔ اس کے بعد اللہ نے چاہے چاہے ہدایت سے نوازے اور جسے چاہے گمراہی میں گرفتار رہنے دے۔ قوم نے کہا: ﴿إِنَّا نَحْنُ قَوْمٌ نَاكِلُونَ﴾ ”ہم تو تم کو منحوس سمجھتے ہیں۔“ یعنی تمہارے لئے ہوئے پیغام کو منحوس کا باعث سمجھتے ہیں۔ ﴿لَقَدْ تَنَبَّأُوا لِلنَّبِيِّ﴾ ”اگر تم باز نہ آتے تو ہم پھر اسے تمہارا کام تمام کر دیں گے۔“ بعض علماء کی رائے ہے کہ پھر مارنے سے مراد اس شخص اور تنہا اور مخالفت سے مراد بعض کی رائے ہے کہ واقعی پھر مارنا مراد ہے۔ پہلے قول کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ﴿وَلَيْسَ لَكُمْ مَقَاتِعَ آدَابٍ إِلَيْكُمْ﴾ ”(ہم تمہیں قتل کر دیں گے) اور تم کو ہماری طرف سے سخت تکلیف پہنچے گی۔“ حبیب بن ماریہ رضی اللہ عنہ: ”ان (رسولوں) نے کہا: ﴿قَالُوا عَلَيْهِ السَّلَامُ﴾ تمہاری دعوت تمہارے ساتھ ہی لگی ہوئی ہے۔“ یعنی تمہاری بدشگونی کا نقصان تمہیں ہی پہنچے گا۔ ”کیا (تم اس کو منحوس سمجھتے ہو کہ) تم کو کھیت کی جائے؟“ یعنی ہم نے تمہیں ہدایت کی طرف بلایا اور کھیت کی ہے اور تم ہمیں قتل اور بدشگونی کی دھمکی دے رہے ہو اور ہماری نصیحت کو منحوس کا نام دے رہے ہو؟ حقیقت یہ ہے ﴿أَتَأْتُونَ قَوْمًا مُّسْرِفُونَ﴾ ”تم حد سے نکل جانے والے لوگ ہو۔“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَجَاءَ مِنْ أَهْلِ الْيَمِينَةِ رَجُلٌ يَنصَحُ﴾ ”اور ایک شخص ان شہر کے آخری کنارے سے دوڑتا ہوا آیا۔“ یعنی وہ رسولوں کی مدد کے لیے اور ان کے سامنے اپنے ایمان کا اظہار کرنے کے لیے آگیا۔ کہنے لگا: ﴿يَقُولُ اَتَّبِعُوا الْكُوَيْلِينَ﴾ ﴿اَتَّبِعُوا مَنْ لَا يَسْتَفْهِمُ لَكُمْ لَعَنَّآ وَهُمْ مُخْتَلِفُونَ﴾ ”اے میری قوم! ان رسولوں کی راہ پر چلو۔ ایسے لوگوں کی راہ پر چلو جو تم سے کوئی معاضد نہیں لگتے اور وہ راہ راست پر ہیں۔“ یعنی وہ بلا معاضد تمہیں خاص حق کی طرف بلارہے ہیں۔

پھر اس نے لوگوں کو اللہ و وحدہ لا شریک کی عبادت کی دعوت دیتے ہوئے دوسرے معبودوں کی پوجا سے منع کیا، جو نہ دنیا میں کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں نہ آخرت میں نفع دے سکتے ہیں اور کہا کہ اگر میں اللہ کی عبادت چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کروں پھر تو میں یقیناً کھلی گمراہی میں ہوں۔

پھر اس نے رسولوں سے مخاطب ہو کر کہا: ﴿إِنِّي أَعْتَذُ بِرَبِّكُمْ كَأَسْعُونَ﴾ ”میں تو (سچے دل سے) تم سب کے رب پر ایمان لا چکا، پس میری سزا! یعنی میری بات سن لو اور اللہ کے پاس اس کی گواہی دینا۔ یا اس کا یہ مطلب ہے کہ اسے میری قوم! اللہ کے رسولوں پر ایمان لانے کا میرا اعلان اس لوہے میں ہے کہ میں ان لوگوں نے اسے شہید کر دیا۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ لوگوں نے اسے پھر بار بار شہید کر دیا۔ بعض کہتے ہیں: واپس لوں سے کاٹ کاٹ کر مار دیا۔ بعض کا قول ہے کہ ایک بارگی

کو چڑ کر ایک زور کی آواز نکالی تو وہ مجھ کر رہ گئے۔ ان کی آوازیں خاموش ہو گئیں، حس و حرکت ختم ہو گئی اور کوئی ایک آنکھ بھی جھپکنے والی نہ رہی۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بستی اٹھا کیہ نہیں تھی کیونکہ یہ لوگ تو اللہ کے رسولوں کی تکذیب کر کے تباہ ہو گئے تھے۔ اور اٹھا کیہ والے ایمان لے آئے تھے اور انہوں نے مسیح علیہ السلام کے بھیجے ہوئے حواریوں کی پیروی کی تھی۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ مسیح علیہ السلام پر ایمان لانے والی پہلی بستی اٹھا کیہ ہے۔



قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم وہ منفرد قوم ہے جس پر عذاب الہی نازل ہوا تو اس نے توبہ کر لی، لہذا عذاب الہی ان سے دور کر دیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَكَوْنَا كَانَتْ قَرْيَةً أَصْنَتْ فَنَقَعَهَا إِيْمَانُهَا إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ غِيَابَ الْبَحْرِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَوَعَدْنَاهُمْ إِيْلَىٰ حِينٍ ۝﴾

”پھر کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ ایمان لاتی تو اُسے اُس کا ایمان نفع دیتا، سوائے یونس کی قوم کے، جب وہ ایمان لاتی تو ہم نے دنیا کی زندگی میں اُن سے ذلت کا عذاب دور کر دیا اور ایک مدت تک (فوائد دنیوی سے)

اُن کو بہرہ مند رکھا۔“ (یونس: 98/10)

حضرت یونس علیہ السلام قوم سے مایوس ہو کر علاقہ چھوڑ گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں مچھلی کے پیٹ میں قید کر دیا۔ اس وقت یونس علیہ السلام نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے نہات کی التجا کی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

حضرت یونس علیہ السلام چھوڑتے ہیں

مفسرین بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو مومل کے علاقے میں نیوی والوں کی طرف مبعوث فرمایا تھا۔ آپ نے انہیں اللہ کی طرف بلایا۔ انہوں نے آپ کی تکذیب کی اور کفر و عناد پر اڑے رہے۔ جب اسی طرح ایک طویل مدت گزر گئی تو یونس علیہ السلام ہستی سے نکل گئے اور لوگوں کو فرما گئے کہ تین دن کے بعد ان پر عذاب آجائے گا۔ متعدد صحابہؓ و تابعینؓ سے منقول ہے کہ جب حضرت یونس علیہ السلام باہر تشریف لے گئے تو قوم کو یقین ہو گیا کہ اب عذاب ضرور نازل ہوگا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں تو یہ کی طرف توجہ پیدا فرمادی۔ انہیں اپنے جہمی کے ساتھ بدسلوکی پر ندامت محسوس ہوئی، چنانچہ انہوں نے پھنے پرانے کپڑے پہن لیے جانوروں کے بچوں کو ان کی ماؤں سے الگ کر دیا پھر وہ درود کر جا جزی کے ساتھ اللہ سے دعائیں مانگنے لگے۔ دوسری روت تھے، مور تیں بھی، بچے بھی روتے تھے اور ما تیں بھی۔ اونٹ بھی بلہلاتے تھے، ان کے بچے بھی۔ گائیں بھی راتی تھیں، بچھرے بھی۔ بکریاں بھی منٹاتی تھیں اور مکتے بھی۔ یہ بہت رفت آمیز منظر تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور رحمت سے ان پر وہ عذاب نال دیا جو ان کے سروں پر منڈلا رہا تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَلَمَّا كَانَتْ قَرِيْبَةً قَوْمِيْ اٰمَنَتْ فَتَقَعَهَا اِيْمَانُهُمْ﴾ ”میں کیوں نہ کوئی ہستی ایمان لائی کہ اس کا ایمان لا تا اس کے لیے نافع ہوتا۔“ (یونس: 98/10)

یعنی گزشتہ اقوام میں کوئی ایسی ہستی کیوں نہ پائی گئی جو پوری کی پوری ایمان لے آتی؟ معلوم ہوا کہ ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ ایسے ہوا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَمَا اَرْسَلْنَا فِيْ قَرِيْبَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اَوْ قَالَ مَرْسُوْلًا اِلَّا هُوَ اَرْسَلْنَاهُ بِهٖ اٰيٰتُوْهُ﴾ ”اور ہم نے کسی ہستی میں کوئی ذرا نہ والا بھیجا مگر مردہاں کے خوش حال لوگوں نے کہا کہ جو چیز تم دے کر بھیجے گئے ہو تم اس کے قائل نہیں۔“ (سبا: 34/34) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَلَمَّا كَانَتْ قَرِيْبَةً اٰمَنَتْ فَتَقَعَهَا اِيْمَانُهُمْ اِلَّا قَوْمُ يُوْنُسَ لَمَّا اٰمَنُوْا اَكْشَفْنَا عَنْهُمْ غَآبَ الْجَنِّيِّ فِي الْغَوِيِّ الَّذِيْ نَادٰهُمْ مَخْرَجُهُمْ اِلٰی جَنِّيٍّ﴾ ”پھر کوئی ہستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ ایمان لاتی تو اسے اس کا ایمان نفع دیتا سوائے یونس کی قوم کے، جب وہ ایمان لے آئی تو ہم نے رسوائی کے عذاب کو دنیوی زندگی میں ان پر سے نال دیا اور ان کو ایک (خاص) وقت تک کے لیے زندگی سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا۔“ (یونس: 98/10) یعنی وہ سب کے سب ایمان لے آئے۔

مفسرین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ ان کے اس ایمان سے انہیں آخرت میں فائدہ ہوگا یا نہیں؟ اور جس طرح دنیا کے عذاب سے چھوٹ گئے آخرت کے عذاب سے بھی بچ جائیں گے یا نہیں؟ قرآن مجید کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ایمان سے انہیں آخرت میں بھی فائدہ ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿لَمَّا اٰمَنُوْا﴾ ”جب وہ ایمان لے آئے۔“ اور فرمایا: ﴿وَاَرْسَلْنَاهُ اِلٰی مَا تَلَّوْا اَنْفِیْ اَوْ یَبْرِئُوْنَ﴾ ﴿فَاٰمَنُوْا فَتَنْجِيْهِمْ اِلٰی جَنِّيٍّ﴾ ”اور ہم نے اسے ایک لاکھ

﴿وَاَلَّا يُلَاقِیْہٗ اِلَّا ذَہَبٌ مُّطَهَّرٌ فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَقْدِرَ عَلَیْہٗ فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ ﴿فَاَسْتَجَبْنَا لَہٗ وَنَجَّیْنٰہُ مِنَ الْغَوٰی وَکَذٰلِکَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ﴾

”اور ذالنون (مچھلی والے) کو پا کر وہ جب وہ (پانی قوم سے ناراض ہو کر) غصے کی حالت میں چل دیے اور خیال کیا کہ ہم ان پر قابو نہیں پا سکیں گے۔ آخر اندھیرے میں (اللہ کو) پکارنے لگے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے (اور) شب کے وقت میں تصور وار ہوں۔ تو ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور ان کو ہم سے نجات بخشی اور ایمان والوں کو ہم اسی طرح نجات دیا کرتے ہیں۔“ (الانبیاء: 88/87/21)

اللہ تعالیٰ نے آپ کی پکار کو قبول کیا اور آپ کو قید سے نجات دے دی۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَ اِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ﴾ ﴿اِذْ اَتٰہٗ اِلٰی الْفُلَیْبِ الْمُسْتَحْیٰنِ﴾ ﴿فَسَاھَمَ فَلَکَانَ مِنَ الْمُرْحَمِیْنَ﴾ ﴿فَالْتَقٰہُ الْجُرُتُ وَھُوَ مُلْمِیٌّ﴾ ﴿فَلَمَّا اَنَّاہُ کَانَ مِنَ الْمُسِحِّیْنَ﴾ ﴿لَکِبَتْ فِی بَطْنِہٖ اِلٰی یَوْمٍ یُّبْعَثُوْنَ﴾ ﴿فَذَبَّہٗ بِالْعُرْوٰی وَھُوَ سَقِیْمٌ﴾ ﴿وَاَنْبَتْنَا عَلَیْہِ شَجَرَةً مِّنْ یَّقِطِیْنِ﴾ ﴿وَاَرْسَلْنٰہُ اِلٰی مَا تَلَّوْا اَنْفِیْ اَوْ یَبْرِئُوْنَ﴾ ﴿فَاٰمَنُوْا فَتَنْجِيْهِمْ اِلٰی جَنِّيٍّ﴾

”اور چنگ یونس بھی پیروں میں سے تھے جب بھاگ کر بحر میں کشتی میں پہنچے۔ سو اس وقت قرعہ ڈالایا تو انہوں نے رک اٹھائی۔ پھر پھلنے سے ان کو گھل گیا اور وہ اپنے آپ کو کلامت کرنے لگ گئے۔ پھر ارگردہ (اللہ کی) پاکیزگی بیان نہ کرتے تو اس روز تک اسی کے پیٹ میں رہتے جب کہ لوگ دوبارہ زندہ کیے جائیں گے۔ پھر ہم نے ان کو جب کہ وہ بیمار تھے فرائد میدان میں ڈال دیا اور ان پر کدہ کا درخت اٹھایا اور ان کو ایک لاکھ یا اس سے زیادہ (لوگوں) کی طرف (متغیر بنا کر) بھیجا تو وہ ایمان لے آئے لہذا ہم بھی ان کو (دنیا میں) ایک وقت (مقررہ)

تک فائدہ دیتے رہے۔“ (الصافات: 148-139/37)

﴿فَصَبْرٌ لِّحُکْمِ رَبِّکَ وَلَا تَمْنُنْ کَصَاحِبِ الْغَوٰی اِذْ نَادٰی وَھُوَ مَطْمَظُوْرٌ﴾ ﴿لَوْلَا اَنْ تَدْرَکَہُ نَحْمَہٗ﴾ ﴿مِّنْ رَّبِّہٖ لَکِبَتْ بِالْعُرْوٰی وَھُوَ مَرْمُوْرٌ﴾ ﴿فَالْتَبَسَہٗ رَبُّہٗ فَجَعَلٰہُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾

”سو آپ اپنے پروردگار کے حکم کے انتظار میں ہر کیجیے اور مچھلی (کا لقمہ ہونے) والے (یونس) کی طرح نہ ہونا کہ انہوں نے (اللہ کو) پکارا اور غم و غصہ میں بھرے ہوئے تھے۔ آخر تمہارا سے پروردگار کی مہربانی ان کی یادری نہ کرتی تو وہ پچھل میدان میں ڈال دیے جاتے اور ان کا حال ابتر ہو جاتا۔ پھر پروردگار نے ان کو برگزیدہ کر کے نیکو کاروں میں کر لیا۔“ (الانعام: 50-48/68)

بیان فرمایا ہے جو پوشیدہ چیزوں سے باخبر اور مصائب سے نجات دینے والا ہے۔ وہ ہمیں سے کہتی آواز سنتا ہے اور بڑی سے بڑی دعا قبول کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَذَا النُّونِ إِذْ ذَهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ أَنْ لَنْ نَقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادَى فِي الظُّلُمَاتِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سَمِعَ لَكَ نَادِيَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ ۖ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ ۖ وَخَرَجْنَاهُ مِنَ غَوْرٍ ۖ وَكَذَلِكَ نُخْرِجُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٠﴾

”اور پھیلنے والے کو یاد رکھو جب وہ (پہلی قوم سے) ناراض ہو کر غصے کی حالت میں چلے رہے اور خیال کیا کہ ہم اسے قہراً نہیں پا سکیں گے۔ آخر اگرچہ ہمیں (اللہ کو) پکارنے لگے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے (اور) بے شک میں قصور دار ہوں۔ تو ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور ان کو غم سے نجات بخشی اور ایمان والوں کو ہم اسی طرح نجات دیا کرتے ہیں۔“ (الانبیاء: 88-87)

﴿فَقُلْ إِنَّ نَظِيرَ عَذَابِكُمْ﴾ اس نے خیال کیا کہ تم اس پر قاضی ہو نہیں سکتے۔“ کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے
 مانا کہ اللہ آپ پر کبھی (اور بھی) نہیں کرے گا۔ ﴿فَقُلْ لَا فِي الْغَلَبَةِ﴾ ”بالآخر وہ اندھیوں کے اندر سے پکار
 اٹھا۔“ (الانبیاء: 87) میں اندھیوں سے مراد مجھ کی پیٹ کا اندھیرا، سمندر کا اندھیرا اور رات کا اندھیرا ہے۔ ایک قول یہ
 ہے کہ اس مجھ کی کو ایک اور مجھ کی نکل گیا تھا۔ اس لیے دو پچھلیوں کا اندھیرا اور سمندر کا اندھیرا مراد ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ
 ہے: ﴿فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ لَلْكَفِّ نَفْثٍ لِّغَلِيظٍ لِّئَلَّا يُبَعِّثُوا﴾ ”پھر اگر وہ اللہ کی پاکیزگی میں نہ کرتے تو
 اُس روز تک اسی کے پیٹ میں رہتے جب کہ لوگوں کو دوزخ میں ڈال دیتا۔“ (الصافات: 143/144) کا مطلب یہ ہے
 کہ اگر آپ وہاں اللہ کی تسبیح نہ کرتے اور اللہ کے سامنے عاجزی کرتے ہوئے نہ پڑتے نہ کرتے تو قیامت تک وہیں رہتے اور قیامت
 کو کچھل کے پیٹ سے زندہ ہو کر نکلے۔ دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر وہ مجھ کے پیٹ میں جانے سے پہلے اللہ کی تسبیح
 کرنے والے یعنی اللہ کی اطاعت کرنے والے نماز پڑھنے والے اور ذکر الہی کرنے والے نہ ہوتے تو نجات نہ پاتے۔

اس کی تائید حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اے لڑکے! میں تجھے چاہتا ہوں کہ تیس کھانا ہوں اللہ کا خیال رکھ (اے لڑکے، اس کے احکام کا خیال رکھ)، اللہ تیرا خیال رکھے گا۔ اللہ کا خیال رکھ تو اے اپنے سامنے پاے گا۔ راحت کے وقت اللہ کے ہاں معروف ہو یعنی اس سے تعلق جوڑ کر رکھو، وہ مشکل کے وقت تجھے بچائے گا۔“^①

امام ابن جریر رحمہ اللہ نے تفسیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں قید کر کے ارادہ فرمایا تو اللہ نے مچھلی کو وحی کی: ”اے لے لو، لیکن اس

یاس سے زیادہ آدمیوں کی طرف بھیجا۔ پس وہ ایمان لے آئے لہذا ہم نے انہیں ایک زمانہ تک فائدہ سے دیئے (الصافات: 147-148) اس دنیوی فائدہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ اخروی عذاب سے نجات حاصل نہ ہو۔ (واللہ اعلم)

اس قوم کی تعداد ایک لاکھ تو یقیناً تھی۔ اس سے زیادہ کتنی تعداد تھی؟ اس کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔

بہر حال جب نبی ﷺ کی قوم کی وجہ سے دل برداشتہ ہو کر روانہ ہو گئے تو سمندر میں سفر کرنے کے لیے ایک کشتی میں سوار ہوئے۔ کشتی انہیں میں ڈگمگائی اور نچکے لکھانے لگی اور قریب تھا کہ ڈوب جائے چنانچہ مسافروں نے مشورے سے بیٹے کیا کہ تار اندازنی کریں اور جس کے تار کا قعر بٹلے اسے کشتی سے سمندر میں پھینک کر پوچھ کر کریں۔

یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں

www.KitaboSunnat.com

جب انہوں نے قرعہ ڈالا تو قرعہ میں اللہ کے نبی حضرت یونس علیہ السلام کا نام نکلا۔ لوگ یونس علیہ السلام کے زہد و تقویٰ سے واقف تھے، انہوں نے آپ کو دریا میں پھینکا پسند نہ کیا۔ انہوں نے دوبارہ قرعہ ڈالا تو پھر آپ کا نام نکل آیا آپ نے پہلا جھانک لگا لگا کر ارادہ کیا تو دوسرے مسافروں نے پھر آپ کو کھنجر کر دیا۔ انہوں نے تیسری بار قرعہ ڈالا، بھی آپ کا نام نکلا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی خاص مشیت یہی تھی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَإِنْ يُؤْسَسْ لَكُمْ الْهُوسُ لَنْ تُؤْمِنُوا ۖ إِذْ أَتَىٰ إِلَى الْفُلَاكِ الْغَسَقُ ۚ فَمَا لَهُمْ لَكُلَّامٍ مِّنْ لَّبِثٍ حَقِيصٍ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَهُوَ يُعَلِّمُكُمُ الْيُسْرَىٰ ۗ﴾ ”اور بلاشبہ یوں نہ بنو کہ تم سے جب وہ ہواگ کہ بھری شمس میں بیٹپے اور پھر فرما دنازی ہوئی کہ مغلوب ہوگئے سوائیں پھٹلی نہ لگی اور وہ خود اپنے آپ کو کلمات کرنے لگ گئے۔“

جب قرعہ میں آپ کا نام نکلا تو آپ کو مسند پر بٹھیک دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے بحیرہ روم کی ایک بڑی مچھلی بھیج دی، وہ آپ کو کھل گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا کہ وہ آپ کا گوشت نہ کھائے اور ہڈی نہ توڑے کیونکہ آپ ﷺ اس مچھلی کا رزق نہیں تھے۔

اس نے آپ کو لے کر تمام سمندروں کا چکر لگایا۔ بعض علماء نے بیان فرمایا ہے کہ اس مچھلی کو اس سے بڑی مچھلی نے نگل لیا تھا۔

حضرت یونس علیہ السلام کی چھٹی کے پیت سے نکلا: جب آپ پھلکی کے پیت میں پہنچ گئے تو آپ نے سوچا کہ آپ فوت ہو گئے ہیں لیکن آپ نے اپنے اعضاء کو حرکت دی تو اعضاء نے حرکت کی کہ آپ کو معلوم ہوا کہ آپ: ابھی زندہ ہیں چنانچہ اللہ کے لیے عہدہ میں گرے اور فرمایا: ”یارب! میں نے ایسی جگہ کو تیرے لیے مہیا نہ کیا ہے، کہ اس طرح کے مقام پر کسی نے تیری عبادت نہیں کی۔“

مقصود کلام یہ ہے کہ پچھلے آپ کو لے کر گہرے سمندروں میں گھومنے لگی۔ آپ نے مجھیلیں کو رہمان کی تسبیح کرتے سنا اور نکرہوں سے اللہ کی تسبیح سنی۔ اس مقام پر آپ نے زبان حال سے اور زبان مقال سے فرمایا، جیسے اللہ ذو الجلال نے

برنی صبح شام آ کر آپ کو دودھ پلاتی تھی۔ یہ آپ پر اللہ کی رحمت اور اس کا احسان تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَاسْتَجِبْنَا لَهُۥ وَكَبَّيْنَهُ مِنَ الْعَذَابِ وَكَذَلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِينَ﴾

”پھر ہم نے اُن کی دعا قبول کر لی اور اُن کو غم سے نجات بخشی اور ایمان والوں کو ہم اسی طرح نجات دیا کرتے ہیں۔“
(الانبیاء: 88/21) یعنی ہم سے جو کوئی دعا کرے اور ہماری پناہ کا طالب ہو، ہم اس کے ساتھ اسی طرح احسان کرتے ہیں۔

نبی ﷺ کی فرمودہ عظیم دعا

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: میں مسجد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا اور سلام کہا۔ آپ نے میری طرف دیکھا لیکن سلام کا جواب نہ دیا۔ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا:

”کیا اسلام میں کوئی چیز پیڑھا ہوگئی ہے؟“ انہوں نے کہا: ”نہیں، کیا ہوا؟“

میں نے کہا: ”میں ابھی ابھی مسجد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا تھا، میں نے سلام کہا، انہوں نے میری طرف دیکھا، لیکن سلام کا جواب نہیں دیا۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا: ”آپ نے اپنے بھائی کو سلام کا جواب کیوں نہیں دیا؟“ انہوں نے کہا: ”میں نے تو ایسا نہیں کیا۔“ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”کیا ہے؟“ انہوں نے قسم کھائی (کہ ایسے نہیں ہوا) انہوں نے بھی قسم کھائی (کہ ایسے ہوا ہے)۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کچھ یاد آیا۔ فرمایا:

”اللہ مجھے معاف کرے! آپ میرے پاس سے گزرے تھے تو میں رسول اللہ ﷺ کا ایک فرمان دل میں دہرا رہا تھا۔ مجھے جب بھی وہ فرمان یاد آتا ہے میرے دل اور آنکھوں پر پردہ آ جاتا ہے۔“

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”میں آپ کو اس کے بارے میں بتاتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں پہلی بار دعا کے بارے میں بیان فرما شروع کیا پھر ایک بدو آ گیا اور آپ اس کی طرف متوجہ ہو گئے حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ (اس سے بات مکمل کر کے) اٹھ کھڑے ہوئے (اور گھر کی طرف چل پڑے) میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا حتیٰ کہ جب مجھے محسوس ہوا کہ اب آپ (میری طرف متوجہ ہوئے بغیر) گھر میں داخل ہو جائیں گے تو میں نے زمین پر پاؤں مارا (اور قدموں کی آواز پیدا کی) نبی ﷺ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: کون ہے؟ ابو اسحاق ہوا؟ میں نے کہا: جی ہاں اللہ کے رسول ﷺ! فرمایا: کیا بات ہے؟ میں نے کہا: قسم ہے اللہ کی! اور تو کوئی بات نہیں، لیکن آپ نے ایک دعا کا ذکر کیا تھا۔ پھر وہ بدو آ گیا اور آپ اس کے ساتھ (بات کرنے میں) مشغول ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: ہاں۔ وہ دو انون (یونس علیہ السلام) کی دعا ہے جو آپ نے پھللی کے پیٹ میں مانگی تھی:

کا گوشت زخمی نہ کرنا اور بڑی توتوڑنا۔“ پھللی نے یونس علیہ السلام کو اٹھا کر سمندروں کا پتھر لگایا یونس علیہ السلام نے سمجھا کہ وہ فوت ہو گئے ہیں پھر اپنا سر ملایا تو محسوس کیا کہ وہ زندہ ہیں پھر انہوں نے اپنے رب سے دعا کی۔ اللہ نے دعا قبول فرمائی اور جب پھللی سمندر کی تنگ پہنچی تو یونس کو ایک آواز سنائی دی۔ آپ نے دل میں کہا: ”یہ کیا ہے؟“ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی: ”یہ سمندر کے جانوروں کی تسبیح کرنے کی آواز ہے۔“ پھللی کو حکم دیا تو اس نے آپ کو ساحل پر لا ڈالا اور جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَهُوَ سَمِيعٌ﴾ ”وہ اس وقت بہا رہے۔“

اور پھللی نے یونس علیہ السلام کو اگل دیا

امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ ”یونس علیہ السلام کو پھللی کے پیٹ میں ان الفاظ کے ساتھ دعا کرنے کا خیال آیا: ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾“ (اے اللہ!) تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے (اور) بیٹک میں تصور وار ہوں۔“ یہ دعا عرش کے نیچے جا پہنچی تو فرشتوں نے کہا: ”یا رب! ایک کمزوری جانی پہچانی آواز کسی اجنبی مقام سے آ رہی ہے۔“ فرمایا: ”تم نے سچا کہا نہیں؟“ بولے: ”میں اسے رب! وہ کون ہے؟“ فرمایا: ”میرا بندہ یونس۔“ فرشتوں نے کہا: ”میرا بندہ یونس، جس کے مقبول عمل اور مقبول دعا میں آسمانوں پر آتی رہتی ہیں۔ یا اللہ! وہ راحت کے ایام میں نکلی کر آتا تھا، تو اس پر رحم کر کے مصیبت سے نجات نہیں دے گا؟“ اللہ نے فرمایا: ”کیوں نہیں؟“ پھر پھللی کو حکم دیا تو اس نے آپ کو پھللی میدان میں پھینک دیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَنَبِّئْهُ﴾ ”یعنی ہم نے اسے ڈال دیا۔ ﴿بِالْعَرَاءِ﴾“ بخرم مقام پر جس میں کوئی درخت نہ تھا۔ ﴿وَهُوَ سَمِيعٌ﴾“ اور آپ بتا رہے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”وہ زائدہ بچے کی طرح تھے۔ ﴿وَإِذْ نَبَّيْنَاهُ عَلَىٰ سَبْعَةِ الْغُرُفَاتِ﴾“ ”ہم نے اس پر ایک تیل دار درخت آکا دیا۔“ متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ ”یہ کدو کی تھی۔“

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ کدو اُگانے میں بہت سی سختیاں تھیں۔ اس کے پتے انتہائی ملائم، تعداد میں زیادہ اور سائے میاں کرنے والے ہوتے ہیں۔ کبھی اس کے قریب نہیں آتی۔ اس کا پھل شروع سے آخر تک کھایا جاتا ہے۔ اس کے پھلنے اور بیج سے بھی فائدہ اُٹھایا جاتا ہے۔ یہ دعا غوث دیتا ہے اور بہت سے فوائد کا حامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک جنگلی

① تفسیر الطبري: 107/10 تفسير سورة الانبياء: آيت: 88, 87

② تفسیر ابن ابی حاتم: 3228/10

③ تفسیر الطبري: 122/12

﴿لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾

”(اے اللہ!) تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے (اور) بے شک میں تصور دار ہوں۔“

جو مسلمان کسی بھی معاملے میں اپنے رب سے ان الفاظ کے ساتھ دعا کرتا ہے، اللہ اس کی دعا قبول فرماتا ہے۔“

حضرت یونس علیہ السلام کے فضائل و مناقب

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِنَّ يُونُسَ لَكَانَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ﴾ (الصفات: 139/37) ”اور بلاشبہ یونس نبیوں میں سے تھے۔“ اللہ تعالیٰ نے سورہ نساء اور سورہ انعام میں انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ آپ کا ذکر فرمایا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کسی بندے کو یہ نہیں کہنا چاہیے کہ میں یونس بن مثنیٰ سے بہتر ہوں۔^①

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک مسلمان کا ایک یہودی کو تپڑ مارنے کا واقعہ مروی ہے۔ یہودی نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ علیہ السلام کو وہان والوں پر فضیلت دی۔ مسلمان کو فصدہ آیا کہ یہودی اشارتا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت محمد ﷺ سے افضل قرار دے رہا ہے۔ صحیح بخاری کی روایت میں اس حدیث کے آخر میں یہ الفاظ ہیں: ”میں نہیں کہتا کہ کوئی شخص یونس بن مثنیٰ سے افضل ہے۔“ اس روایت سے مذکور بالا حدیث (کسی بندے کو یہ نہیں کہنا چاہیے کہ میں یونس بن مثنیٰ سے بہتر ہوں۔) کے مفہوم کے بارے میں ایک قول کی تائید ہوتی ہے، یعنی کسی کو نہیں چاہیے کہ اپنے آپ کو یونس علیہ السلام سے بہتر خیال کرے۔

دوسرے قول کے مطابق حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو نہیں چاہیے کہ مجھے یونس بن مثنیٰ سے افضل قرار دے۔ جیسے کہ ایک حدیث میں آیا ہے: ”مجھے نبیوں پر افضلیت نہ دو، نہ یونس بن مثنیٰ پر فضیلت دو۔“^②

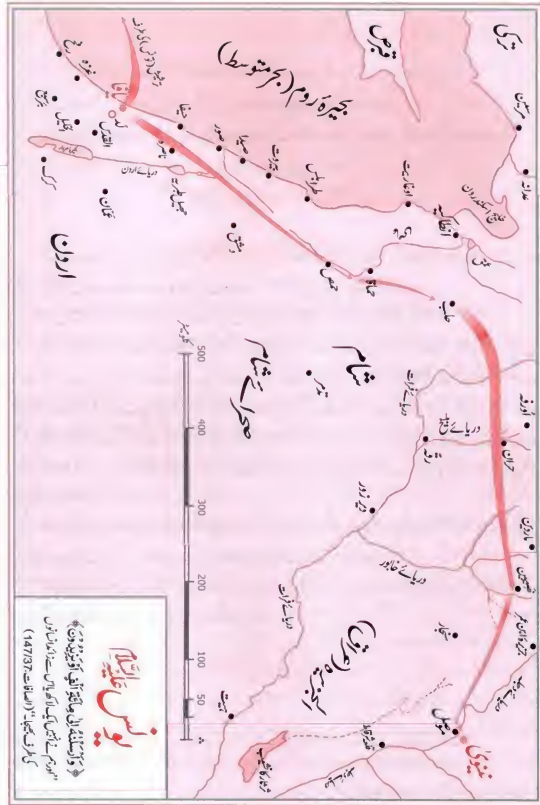
آپ کا یہ ارشاد کفر نفی اور تواضع کے طور پر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے درود و سلام نازل ہوں نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس پر اور اللہ کے تمام انبیاء کرام اور رسولوں پر۔



① جامع الترمذی، الدعوات، باب فی دعوة ذي النون، حدیث: 3505 ومسند أحمد: 170/1 واللفظ له

② صحيح البخاري، التوحيد، باب ذكر النبي ﷺ وروايته عن ربه، حدیث: 7539 ومسند أحمد: 468/2

③ صحيح البخاري، احاديث الانبياء، باب قول الله تعالى ﴿وَإِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ﴾، 3415 والبدایة والنهاية: 237/1



زندگی سے فائدہ اٹھانے (کا موقع) دیا۔“ (یونس: 98/10)

آج مسلمان بحیثیت ایک قوم کے جن مصائب، شدائد، دکھوں اور کفار کے شکنجہ، ظلم میں آئے ہوئے ہیں ان سے نجات کے لیے سب کو مل کر اپنے ایمان کی تجدید کرنی چاہیے۔ اپنے رب سے توبہ و استغفار کر کے، اس سے اپنے تعلق کو مضبوط بنانا چاہیے نیز رسول اکرم ﷺ کے درج ذیل فرمان پر ساری امت کو اجتماعی طور پر عمل کرنا چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو، ذلت و رسوائی سے نجات دے اور عزت و شرف سے نوازے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے جو شخص: ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾ کے ساتھ اپنے کسی معاملے (مصیبت یا دکھ سے نجات) کے لیے دعا مانگے گا اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے گا۔“

صبر و عزیمت کا درس: حضرت یونس علیہ السلام کے قصے سے واعیان الہی اللہ کو صبر و ثبات اور عزم و جوہلے کا درس ملتا ہے۔ واعیان توحید و رسالت کو یہ درس ملتا ہے کہ انہیں ہمیشہ ثابت قدم رہتے ہوئے اپنا مشن جاری رکھنا چاہیے۔ جلد بازی اور غلت سے مکمل اعتبار کرنا چاہیے۔ اگر وقتی طور پر لوگ دعوت کو حید کو قبول نہ کریں، ایمان باللہ کی طرف راغب نہ ہوں یا واعیان کے ساتھ تعاون اور ان کی تائید نہ کریں تو انہیں دل برداشتہ نہیں ہوتا چاہیے نہ انہیں میدان دعوت سے فرار کا سوچنا چاہیے بلکہ اس مشن کے لیے ہر قسم کی تکلیف کو باعث اجر سمجھتے ہوئے قبول کرنا چاہیے۔ اللہ رب العزت اپنے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کو تبلی دینے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿قَاصِرٌ مَّا صَبَرَ أَوْ لَوْ الْعَزْمُ مِنَ الرَّسُولِ وَلَا تَنْتَقِظُ لَهْمُ دُ﴾

”پس (اے پیغمبر) تم اپنا صبر کرو جیسا عالی ہمت رسولوں نے کیا اور ان کے لیے (عذاب طلب کرنے میں)

جلدی نہ کرو۔“ (الانحاف: 35/46)

یعنی آپ اہل مکہ کی تکالیف کو چندہ پشانی سے برداشت کریں اور ان کے لیے عذاب الہی کا سوال نہ کریں۔ اس میں اہل ایمان اور واعیان کے لیے بھی صبر و تحمل اور ہمت و برداشت کا درس ہے کہ وہ بھی میدان دعوت میں اسی اسوۂ حسنہ سے رہنمائی لیں۔



نتائج و فوائد..... عبت و رجعت

ایمان باللہ اور توبہ مصائب سے نجات کی کنجی ہے: حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور اس سے اپنے گناہوں کی توبہ و بخشش طلب کرنا، ہر قسم کے مصائب و بھن سے نجات کی کنجی ہے، لہذا ہر تکلیف، دکھ، پریشانی اور مصیبت میں غوث اعظم رب العالمین ہی کو پکارنا اور اسی سے التجا و گریہ زاری کرنی چاہیے۔

حضرت یونس علیہ السلام اہل عراق کے ایمان سے یابوس ہو کر، انہیں عذاب الہی کی دھمکی دے کر علاقے سے نکلے تو اللہ تعالیٰ کی اجازت نہ ہونے کی وجہ سے مشکل کا شکار ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلا اجازت علاقہ دعوت چھوڑنے پر چھٹی کے پیٹ میں قید کر دیا۔ اس وقت جبکہ آپ چھٹی کے پیٹ کے اندر تھے، سمندر کی تیز اور رات کی تاریکی میں جتنا سے مصیبت تھے۔ آپ نے اپنے پروردگار کو ان الفاظ میں پکارا:

﴿لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾

”الہی! تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے۔ بے شک میں ظالموں میں ہو گیا۔“ (الانبیاء: 87/21)

ادھر آپ نے اپنی غلطی کا اعتراف کر کے اپنے رب کو مدد کے لیے پکارا، ادھر اہم الراتین نے اپنے بندے کی گریہ زاری کو قبول فرما کر نجات کا بندوبست فرمایا۔ ارشاد ہے:

﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَخَفَّيْنَا مِنَ الْعَوْدِ وَكَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْفُؤُودِينَ﴾

”تو ہم نے اس کی پکار سن لی، اور اسے غم سے نجات دے دی اور ہم ایمان والوں کو اسی طرح بچالیا کرتے ہیں۔“

(الانبیاء: 88/21)

دوسری طرف قوم نے عذاب الہی کو سب وعدہ آتے دیکھا تو ساری قوم، بچوں، عورتوں، بیوقوفوں اور موہیوں سمیت کھلے میدان میں جمع ہو گئی۔ سب نے مل کر اپنے گناہوں کی رورو کر معافی مانگی، خوب گریہ زاری کی اور اپنے رب سے نہایت مجبور و اکسار کا اظہار کیا۔ اس پر اہم الراتین نے بھی ان سے عذاب کو نال دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَمَّا كَانَتْ ثَوْرِيَّةً كَثِفَتْ فَنَفَعَهَا إِنْسَانُهَا إِذَا قَوْمُ يُونُسَ لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ غَابَابَ الْعَذَابِ فِي الْيَلْوَةِ الدَّيْئَةِ وَنَسَوْنَهُمْ إِلَى حَذَبٍ﴾

”چنانچہ کوئی بستی ایمان نہ لائی کہ ایمان لا تا اس کے لیے نافع ہوتا سوائے یونس کی قوم کے، جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے رسوائی کے عذاب کو یونس کی زندگی میں ان سے مٹا دیا اور ان کو ایک وقت (خاص) تک کے لیے

ہم نے برکت رکھی ہے اور آپ کے رب کا نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے پورا ہو گیا۔
(الاعراف: 137/7)

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿فَاَخْرَجْنَاهُمْ مِنْ جَنَّاتٍ وَغُرَفٍ ۚ وَتَلْوُونَ وَمَقَابِرَ كُوفِهِمْ ۚ كَذٰلِكَ وَاَوْزَنٰهَا بَيْنَیْ اِسْرَآءِیْلَ ۚ﴾

”ہاں خرم سے انہیں باغات سے، چشموں سے، غزنوں سے اور اچھے اچھے مقامات سے نکال باہر کیا۔ اسی طرح ہوا اور ہم نے ان (تمام) چیزوں کا وارث بنی اسرائیل کو بنادیا۔“ (الشعراء: 59-57/26) اس کی تفصیل ان شاء اللہ اپنے مقام پر آئے گی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور آپ کی حفاظت

فرعون بنی اسرائیل کو ملنے والی بشارت اور اپنے خواب کی وجہ سے بے حد خوفزدہ ہوا لہذا اس نے ہر طرح کی احتیاطی تدابیر اختیار کیں، تاکہ موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہی نہ ہوتی کہ اس نے کچھ مردوں اور دایہ عورتوں کو اس کام کے لیے مقرر کر دیا تھا کہ جو عورتیں امید سے ہوں، ان کے پاس جائیں اور ان کے ہاں پیدائش کے اوقات کا علم رکھیں، چنانچہ جب بھی کسی عورت کے ہاں بیٹا پیدا ہوتا تھا، وہ جلد اداسی وقت اسے ذبح کر دیتے تھے۔

اہل کتاب کہتے ہیں کہ وہ لڑکوں کو قتل کرنے کا حکم اس لیے دیتا تھا کہ بنی اسرائیل کی طاقت نہ بڑھ جائے اور کسی لڑائی کے موقع پر وہ غالب نہ آجائیں۔^①

یہ بات محل نظر ہے، بلکہ واضح طور پر غلط ہے۔ یہ بات بچوں کے قتل کے اس حکم کے بارے میں کہی جا سکتی ہے جو فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملنے کے بعد جاری کیا۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوا اَبْنَاءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهُ وَاسْتَجِبُوْا اِیْسَآءَهُمْ ۚ﴾

”پس جب ان کے پاس (موسیٰ) ہماری طرف سے (دین) حق لے کر آئے تو انہوں نے کہا کہ اس کے ساتھ جو ایمان والے ہیں، ان کے لڑکوں کو مار ڈالو اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھو۔“ (المومن: 25/40)

اسی وجہ سے بنی اسرائیل نے کہا تھا:

﴿اَوْ دِيْنًا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَ مِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا﴾

”ہم تو ہمیشہ مصیبت میں رہے، آپ کی تشریف آوری سے قبل بھی اور آپ کی تشریف آوری کے بعد بھی۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور فرعون کا خواب

فرعون بنی اسرائیل سے اس قدر برا سلوک اس لیے کرتا تھا کہ بنی اسرائیل اپنی الہامی کتابوں کی روشنی میں آپس میں ابراہیم علیہ السلام کی فرمان ذکر کرتے تھے کہ آپ کی اولاد میں سے ایک لڑکا پیدا ہوگا، جس کے ہاتھوں مصر کی سلطنت تباہ ہو جائے گی۔ آپ نے یہ بات مانا اس وقت فرمائی تھی جب مصر کے بادشاہ کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ علیہا السلام کی عزت پال کرنے کی کوشش ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی عزت کو داغ دار ہونے سے محفوظ رکھا۔ (واللہ اعلم)

بنی اسرائیل میں یہ بشارت مشہور تھی۔ ان سے سن کر قبیلے بھی اس کا ذکر کرتے تھے، حتیٰ کہ یہ خبر فرعون تک بھی پہنچ گئی۔ جب رات کے وقت بادشاہ کی محفل جمی ہوئی تھی تو کسی درباری نے اسے یہ بات بھی سنائی۔ اس نے اس لڑکے کی پیدائش کے خوف سے بنی اسرائیل کے تمام لڑکوں کے قتل کا حکم جاری کر دیا لیکن تقدیر کے آگے تدبیر نہیں چلتی۔

امام سدی رحمہ اللہ نے کئی صحابہ کرام رحمہم اللہ سے روایت کیا ہے کہ فرعون نے خواب دیکھا کہ بیت المقدس کی طرف سے ایک آگ آئی اور مصر کے تمام قبیلوں کے گھر جلا گئی لیکن بنی اسرائیل کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ جب وہ بیدار ہوا تو اس خواب سے خوف زدہ تھا۔ اس نے اپنے کاہنوں، عاملوں اور جادو گروں کو جمع کیا اور ان سے اس کی تعبیر پوچھی۔ انہوں نے کہا: یہ لڑکا انجمنی میں پیدا ہوگا اور اس کے ہاتھوں اہل مصر تباہ ہو جائیں گے اس لیے اس نے بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرنے کا اور لڑکیوں کو زندہ چھوڑنے کا حکم جاری کر دیا۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ عَلٰی الَّذِيْنَ يَسْتَضِعُّوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ ”پھر نرم نہ چاہا کہ ہم ان پر کرم فرمائیں جنہیں زمین میں سے حد کمزور کر دیا گیا تھا۔“ اور وہ بنی اسرائیل تھے۔ ﴿وَيَجْعَلُھُمْ اٰيَةً وَيَجْعَلُھُمْ الْاَوَّلٰیْنَ﴾ ”اور ہم ان کو پیشوا اور (زمین کا) وارث بنائیں۔“ یعنی آخر کا مصر کی حکومت اور سرزمین انہیں مل جائے۔ اور یہ بھی کہ ﴿وَوَيْلٌ لِّلھُمْ فِي الْاَرْضِ وَيَوٰی فِرْعَوْنُ وَھَا مِنْ وَجُوْدِھُمْ وَھَا مِنْھُمْ مَا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ﴾ ”اور ہم انہیں زمین میں قدرت اور اختیار دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ (منظر) دکھائیں جس سے وہ ڈر رہے تھے۔“ یعنی ہم کمزوروں کو طاقتور، مغلوب کو غالب اور ذلیل کو عزت والا بنا دیں گے چنانچہ بنی اسرائیل کو یہ سب کچھ نصیب ہوا۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَاَوْزَنَّا الْقَوٰمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضَعُّوْنَ مَسَارِقِ الْاَرْضِ وَمَعَادِيْہَا الَّتِيْ بَرَكْنَا فِيْھَا﴾

﴿وَكَمَّتْ كِبٰیۡتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰی عَلٰی بَنِيْ اِسْرَآءِیْلَ كَمَا صَبَرُوْا﴾

”اور ہم نے ان لوگوں کو جو بالکل کمزور شمار کیے جاتے تھے، اس سرزمین کے شرق و مغرب کا مالک بنا دیا جس میں

”اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو وحی کی کہ اسے دودھ پلائی رہ اور جب تجھے اس کی نسبت کوئی خوف معلوم ہوتا تو اسے دریا میں بہا دینا اور کوئی ڈر خوف یا رنج غم نہ کرنا۔ ہم یقیناً اسے تیری طرف لوٹانے والے ہیں اور اسے پیغمبروں میں سے بنانے والے ہیں۔ سو فرعون کے لوگوں نے اس بچے کو اٹھالیا آ خر کار یہی پچان کا دشمن ہوا اور ان کے رنج کا باعث بنا۔ کچھ شک نہیں کہ فرعون، ہامان اور ان کے لشکر تھے ہی خطا کار۔ اور فرعون کی بیوی نے کہا: یہ تو میری اور تمہاری آنکھوں کی خشکدہ ہے، اسے قتل نہ کرو، ممکن ہے کہ یہ ہمیں کوئی فائدہ پہنچائے یا ہم اسے اپنا بیٹا بنالیں اور وہ (انجام سے) بچے نہ رہے۔“ (القصص: 97/28)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی طرف جو وحی کی گئی اسی وحی سے مراد الہام اور رہنمائی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَأَوْصِي رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنْ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ ۖ ثُمَّ كُلِّي مِنْ كُلِّ الْفَرْثِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۗ﴾

”آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ پھاڑوں میں، درختوں میں اور لوگوں کی بنائی ہوئی اونچی اونچی پر وہ والی جگہوں میں اپنے گھر (بچے) بنا، پھر ہر طرح کے پھلوں کا رس چوس اور اپنے رب کی آسان راہوں پر چلتی پھرتی رہ۔“ (النحل: 68-69)

امام سیبوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام ”امارنا“ یا ”ایاذخت“ تھا۔ ان کے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ فرعون غم نہ کر، اگر یہ پتھر ہے پاس سے چلا گیا تو اللہ تعالیٰ اسے تیرے پاس واپس لائے گا، اسے نبوت عطا فرمائے گا اور دنیا و آخرت میں اس کی شان بڑھائے گا چنانچہ انہوں نے الہام کے ذریعے سے ملنے والے حکم کی قبول کی۔ ایک دن انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے صندوق کو دریا میں ڈالا، لیکن اس کی رسی باندھنا جھوٹا گئیں۔ صندوق دریا سے نیل کے پانی میں بہتا چلا گیا، جتنی کہ فرعون کے محل کے پاس سے گزرا تو فرعون کے لوگوں نے اس کو اٹھالیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَكُونُ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا إِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُودَهُمَا كَانُوا خَاطِلِينَ ۚ﴾ آخر کار یہی پچان کا دشمن ہوا اور ان کے رنج کا باعث بنا۔ کچھ شک نہیں کہ فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر تھے ہی خطا کار۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے محل میں

مفسرین بیان کرتے ہیں کہ ”لوٹریوں نے دریا میں بہتا ہوا صندوق نکال لیا لیکن اسے کھولنے کی جرأت نہ کی۔ بلکہ اسے فرعون کی ملکہ ”آسیہ“ کے سامنے پیش کر دیا۔ آسیہ (علیہا السلام) کا نسب یوں ہے: آسیہ بنت مزاحم بن عبید بن ریان بن

(الأعراف: 129/7)

اس لیے صحیح بات یہی ہے کہ فرعون نے بچوں کے قتل کا پہلا حکم موسیٰ علیہ السلام کے وجود میں آنے کے ڈر سے جاری کیا تھا۔ اور فرعون کی یہ تدبیر یہ تھیں، اور تقدیر اس پر منس رہی تھی اور کبہ رہی تھی: اے ظالم بادشاہ! جسے اپنی اوباع کی کفرت پر، اپنے اقتدار کی طاقت پر اور وسیع سلطنت پر غرور ہے، اس عظیم خالق کی طرف سے جس کی تقدیر کا کوئی توڑ نہیں اور جس کے فیصلوں کو رد کرنے کی کسی کو جال نہیں، یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ جس بچے سے تو خوف زدہ ہے، جس کی وجہ سے تو نے بے شمار معصوم بچوں کو قتل کیا ہے، وہ تیرے ہی گھر میں پرورش پائے گا اور تیرے ہی گھر میں کھائے پیئے گا، تو خود اسے جٹا بنا کر پالے گا اور رب کے عہدوں کو نبھیں جانے گا، پھر تیری دنیا اور آخرت کی تباہی اسی کا ہاتھوں ہوگی کیونکہ تو اس کے لائے ہوئے واضح حق کو جھٹلائے گا اور اس پر نازل ہونے والی وحی پر ایمان نہ لائے گا اور اس لیے بھی کہ تجھے بھگتہ تمام مخلوق کو معلوم ہو جائے کہ آسمانوں اور زمین کے مالک ہی کی یہ شان ہے کہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، وہی قدرت و قوت والا ہے، اسی کی مشیت ہر حال میں پوری ہو کر رہتی ہے۔

متعدد مفسرین نے بیان کیا ہے کہ قبیلوں نے فرعون سے شکایت کی کہ بنی اسرائیل کے لئے قتل کرنے کی وجہ سے ان کی تعداد کم ہوتی جا رہی ہے اور خطرہ ہے کہ ان کے بڑے مرتے جائیں گے اور بچے قتل ہوتے جائیں گے تو ایک وقت آئے گا جب مسیح وہ کام خود کرنے پر پڑیں گے جو بنی اسرائیل کرتے ہیں۔ تب فرعون نے حکم دیا کہ ایک سال بچے قتل کیے جائیں اور ایک سال رہنے دیے جائیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ہارون علیہ السلام اس سال پیدا ہوئے جس سال بچے قتل نہیں کیے جا رہے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس سال پیدا ہوئے جس سال بچے قتل کیے جا رہے تھے۔ آپ کی والدہ گردنہ ہوئیں اور انہوں نے محل کے ابتدائی ایام ہی سے احتیاط کی۔ ان سے محل کی علامات بھی ظاہر نہ ہوئیں (جس کی وجہ سے دوسروں کو حمل کا ظلم نہ ہو سکا)۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں ڈال دیا کہ ان کے لیے ایک صندوق بنالیں۔ آپ کا گھر نیل کے کنارے پر تھا۔ آپ نے صندوق کو ایک رسی سے باندھ دیا۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلاتا اور جب خطرہ محسوس کرتیں تو آپ کو صندوق میں ڈال کر دریا میں چھوڑ دیتیں۔ خود رسی کا سرا پکڑے رکھتیں۔ جب خطرہ دور ہو جاتا تو رسی کے ذریعے سے صندوق کھینچ کر بچے کو نکال لیتیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ ۖ فَإِذَا حَضَيْتِ عَلَيْهِ فَأَلْقِيهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَحْزَنِي ۚ إِنَّا كَادُّوهُ
إِلَيْنَا وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ۖ فَالْتَقِظْهُ أَلْ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا ۖ إِنَّ فِرْعَوْنَ
وَهَامَانَ وَجُودَهُمَا كَانُوا خَاطِلِينَ ۚ وَقَالَتِ امْرَأَتُ فِرْعَوْنَ قُرْتُ عَيْنِي لِي وَلَكَ ۚ لَا تَقْتُلُوهُ ۖ عَسَىٰ
أَن يَنْفَعَنَا أَوْ يَتَّخِذَهُ وَلَدًا ۚ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۖ﴾

اَلْمُؤْمِنِينَ ۚ وَقَالَتْ لِحُجَّتَيْهِ قُصَيْبٌ فَخَصِرَتْ بِهِ عَنْ جَنْبٍ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۚ وَحَرَمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلٍ فَقَالَتْ هَلْ اَدْرَاكُمْ عَلَىٰ اَهْلِ بَيْتٍ يَتْلُوَنَهُ لَكُمْ وَهُمْ لَا يَصْحَوْنَ ۚ قَرَدْنَاهُ اِلٰى اِهْلِهَا كَي تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۚ وَلْيَعْلَمَنَّ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَلٰكِنْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٣﴾

”اور موسیٰ کی ماں کا دل صبر ہو گیا۔ اگر ہم اُن کے دل کو مضبوط نہ کر دیتے تو قریب تھا کہ وہ اس (قصے) کو ظاہر کر دیں (اور اس سے) غرض یہ تھی کہ وہ مومنوں میں رہیں اور اس کی بہن سے کہا کہ اس کے پیچھے پیچھے چلی جا لہذا وہ اُسے دور سے دیکھتی رہی اور ان (لوگوں) کو کچھ خبر نہ تھی۔ اور ہم نے پہلے ہی سے اس پر (دانیوں کے) دودھ حرام کر دیے تھے سو موسیٰ کی بہن نے کہا کہ تم جیسے ایسے گھروالے بتاؤ کہ تمہارے لیے اس (بچے) کو پالیں اور اس کی خیر خواہی سے پرورش کریں۔ پس ہم نے اُس طریق سے اُن (موسیٰ) کو اُن کی ماں کے پاس واپس پہنچا دیا تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کھائیں اور معلوم کر لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن اُن کے اکثر (لوگ) نہیں جانتے۔“ (الفصل: 13-10/28)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء نے فرمایا: ﴿وَصَحَّ قَوْلُهُ اَنَّ مُوسٰى فُتِيَ﴾ ”موسیٰ کی والدہ کا دل خالی ہو گیا۔“ اس کا مطلب یہ ہے کہ موسیٰ کے سوا دنیا کے ہر کام اور خیال سے خالی ہو گیا (یعنی دل بہت بے قرار ہو گیا) ﴿كَادَتْ تَكْتُمِيْ بِهٖ﴾ ”قریب تھا کہ اس واقعہ کو ظاہر کر دیتیں۔“ یعنی سب کے سامنے آپ کے بارے میں پوچھنے لگتیں ﴿لَوْ اَنَّ رِبِّيْنَا عَلٰى قَلْبِهَا﴾ ”اگر ہم اس کے دل کو دھار سن نہ دے دیتے۔“ یعنی مرد و عورتوں سے نہ نوازتے۔ ﴿يَتْلُوْنَ مِنْ اَلْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَقَالَتْ لِحُجَّتَيْهِ﴾ ”تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں رہے۔ اور اس (موسیٰ علیہ السلام کی والدہ) نے آپ کی بہن سے کہا۔“ یعنی اپنی بڑی بیٹی سے فرمایا: ﴿قُصَيْبُ﴾ ”تو اس کے پیچھے پیچھے جا۔“ اور اس کے حالات معلوم کر کے مجھے بتا۔ ﴿فَخَصِرَتْ بِهٖ عَنْ جَنْبٍ﴾ ”لہذا وہ اسے دوری دور سے دیکھتی رہی۔“ قارہہ ۲۸ فرماتے ہیں: یعنی وہ انہیں اس انداز سے دیکھتی رہیں گے کہ مقصود ان کا خیال رکھنا نہیں (بلکہ اسے کسی کام سے جاری ہیں) اس لیے فرمایا: ﴿وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ ”اور ان (فرعونوں) کو اس کا علم بھی نہ ہوا۔“ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب فرعون کے محل میں پہنچ گئے تو ان لوگوں نے آپ کو کچھ کھانا پلانا یا چاہا۔ لیکن آپ نے نہ کسی عورت کا دودھ پیا اور نہ کوئی اور چیز قبول کی۔ وہ لوگ بہت پریشان ہوئے آپ کو ہر طرح غذا دینے کی کوشش کی لیکن آپ نے کچھ نہ کھایا یا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَحَرَمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلٍ﴾ ”ان کے پیچھے سے پہلے ہم نے موسیٰ پر دانیوں کا دودھ حرام کر دیا تھا۔“

انہوں نے آپ کو عورتوں کے ہاتھ بازار بھیجا کہ شاید کوئی ایسی عورت مل جائے جو آپ کو دودھ پلا سکے۔ وہ لوگ وہاں کھڑے تھے اور عورتیں جمع تھیں کہ آپ کی مشرہ نے آپ کو دیکھ لیا۔ انہوں نے یہ ظاہر نہ کیا کہ وہ آپ کو جانتی ہیں بلکہ کہا: ﴿هَلْ اَدْرَاكُمْ عَلَىٰ اَهْلِ بَيْتٍ يَتْلُوَنَهُ لَكُمْ وَهُمْ لَا يَصْحَوْنَ﴾ ”کیا میں تمہیں ایسا گھر بتاؤں جو تمہارے

ولید۔ یہ ریان بن ولید وہی ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں مصر کا بادشاہ تھا۔ بعض حضرات کی رائے ہے کہ آسہ بنی اسرائیل ہی سے تعلق رکھتی تھیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قبیلے میں سے تھیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ آپ کی بچہ بھی تھیں۔ (واللہ اعلم)

حضرت آسہ علیہ السلام کی عظمت و مقام کے بارے میں روایات حضرت مریم علیہ السلام کے واقعہ میں ذکر کی جائیں گی کیونکہ یہ دونوں خواتین جنت میں رسول اللہ ﷺ کی ازاد عطا مطہرات میں شامل ہوں گی۔

حضرت آسہ علیہ السلام جب صندوق کو کھولا اور کپڑا اٹایا تو موسیٰ علیہ السلام کا چہرہ انوار بنو سے روشن نظر آیا۔ جب ان کی نظر آپ کے چہرہ القدس پر پڑی تو ان کے دل میں آپ کی شدید محبت پیدا ہو گئی۔ جب فرعون آیا تو بولا: ”یہ کیا ہے؟“ اور اسے ذبح کر دینے کا حکم دے دیا۔ حضرت آسہ علیہ السلام نے مزاحمت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿قُوَّتُ عَنِیْ لٰی وَكَلٰہُ﴾ ”یہ تو میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔“ فرعون نے کہا: ”تیرے لیے تو ہے، میرے لیے نہیں۔“ زبان کی کبھی ہوئی بات حقیقت بن جایا کرتی ہے۔

آسہ علیہ السلام نے کہا تھا: ﴿عَلٰی اَنَّ یُتَمَنَّٰہُ﴾ ”بہت ممکن ہے یہ بچہ کوئی فائدہ پہنچائے۔“ اللہ تعالیٰ نے انہیں وہ فائدہ عطا فرمایا جس کی انہوں نے امید ظاہر کی تھی۔ دنیا میں یہ فائدہ کہ انہیں آپ کی وجہ سے ہدایت نصیب ہوئی اور آخرت میں یہ کہ آپ کی وجہ سے انہیں جنت میں ٹھکانا مل گیا۔ انہوں نے فرعون سے کہا: ﴿اَوَلَمْ نَجْعَلْ لَّکَآ اٰیٰتًا مِّنْ اَمٰنٰتِیْۤ اَمْ اَنْتُمْ اَعْمٰیۤ اَنْہُوْنَ﴾ ”آپ کو اس لیے نہ بولا جیسا بتایا کہ ان کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تھی۔“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ ”اور وہ لوگ (انجام سے) بے خبر تھے۔“ انہیں معلوم نہ تھا کہ اللہ نے ان کے ہاتھوں موسیٰ علیہ السلام کو پانی سے نکھڑا کر فرعون اور اس کی افواج کو تباہ کرنے کا بندوبست کر دیا ہے۔ ①

اہل کتاب کے بیان کے مطابق موسیٰ علیہ السلام کو دریا سے نکالنے والی فرعون کی بیٹی ”دریہ“ تھی۔ ان کے ہاں فرعون کی بیوی کا کوئی ذکر نہیں۔ یہ ان سے اللہ کی کتاب (تورات) میں غلطی ہوئی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو والدہ کی طرف لوٹانے کی الٰہی تدبیر

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے محل میں چلے گئے۔ اور ان کی والدہ محترمہ بیٹے کی جدائی اور فراق میں غمگین ہو گئیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کی والدہ کو تسلی دی اور آپ کا بیٹا نہایت خوبصورت تدبیر سے لوٹا یا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَصَحَّ قَوْلُهُ اَنَّ مُوسٰى فُتِيَ ۚ اِنَّ كَادَتْ تَكْتُمِيْ بِهٖ لَوْ اَنَّ رِبِّيْنَا عَلٰى قَلْبِهَا یَتْلُوْنَ مِنْ

خلاف موسیٰ علیہ السلام سے فریادی تو آپ اس کی طرف مڑے اور ﴿فَوَكَاهُ﴾ ”اسے ایک ضرب لگائی۔“ یعنی مکا مارا یا ڈنڈا مارا۔ ﴿فَقَضَىٰ عَلَيْهِ﴾ ”جس سے وہ مر گیا۔“

وہ قطعی کافر تھا، اللہ کے ساتھ شرک کرنے والا تھا۔ ویسے بھی موسیٰ علیہ السلام سے قتل نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ اسے سمجیر کرنا اور روکا جانتے تھے۔ اس کے باوجود موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ﴿هَذَا مِنْ عَمَلِ الْفَاسِقِينَ إِنَّهُ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾ ”قال رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَغَفَرَ لَهُ إِنَّهُ مِنَ الْغَافِرِينَ الرَّحِيمِينَ“ ”یہ تو شیطان کا کام ہے۔ یقیناً شیطان دشمن اور کھلم کھلا پر بہکانے والا ہے۔ (پھر) کہنے لگے: اے میرے رب! میں نے آپ پر ظلم کیا، تو مجھے معاف فرما۔“ اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا۔ وہ بخشش اور بہت مہربانی کرنے والا ہے۔ (موسیٰ) کہنے لگے: ﴿قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي﴾ ”اے میرے رب! جیسے تو نے مجھ پر کرم فرمایا،“ یعنی قوت اور شان عطا فرمائی ہے ﴿فَلَنْ أَكُونَ ظَهِيرًا لِّلْمُجْرِمِينَ﴾ ”میں بھی اب ہرگز کسی گناہ گار کا مددگار نہ ہوں گا۔“

اس کے بعد ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاصْبِرْ فِي الْمَدْيَنَةِ حَتَّىٰ تَأْتِيَ رَقَبٌ فَإِنَّ الْآلِيَّ اسْتَصْرَفَ بِالْأَمْسِ يَسْتَصْرِخُ﴾ قَالَ لَهُ مُوسَىٰ إِنَّكَ لَنَوَسِيُّ مَیْمُونٍ ﴿فَلَمَّا أَنْ أَرَادَ أَنْ يَنْطَبِضَ بِالْأَيِّ هُوَ عَدُوٌّ لَهُمَا﴾ قَالَ يُمُوْسَىٰ أَتُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ بِمَا نَمُنَّ نَفْسًا بِالْأَمْسِ ﴿إِنْ تُرِيدُ إِلَّا أَنْ تَكُونَ جَبَّارًا فِي الْأَرْضِ وَمَا تُرِيدُ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْمَصْلُوحِينَ﴾ جَاءَهُ جِبُّ مِنْ أَهْلِ الْمَدْيَنَةِ يُسَعِي قَالَ يُمُوْسَىٰ إِنَّ الْمَلَائِكَةَ يُتَوَدَّوْنَ بِكَ لِيُقَاتِلَوكَ فَاخْرُجْ إِنِّي لَكَ مِنَ النَّصِيحِينَ ﴿

”موسیٰ صبح ہی صبح ڈرتے اندیشہ کی حالت میں خبر لینے کو شہر میں گئے کہ اچانک وہی شخص جس نے کل ان سے مدد طلب کی تھی ان سے فریاد کر رہا ہے۔ موسیٰ نے اس سے کہا: اس میں شک نہیں تو تو صریح گمراہ ہے۔ پھر جب اپنے اور اس کے دشمن کو بچانا چاہا تو وہ (فریادی) کہنے لگے: موسیٰ! کیا جس طرح تو نے کل ایک شخص کو قتل کیا، مجھے بھی مار ڈالنا چاہتا ہے؟ تو تو ملک میں ظالم و سرکش ہوتا چاہتا ہے اور تیرا یہ ارادہ ہی نہیں کہ تو اصلاح کرنے والوں میں سے ہو۔ اور شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا: موسیٰ! (یہاں کے) سردار تیرے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں پس تو (فوراً) چلا جا۔ میں یقیناً تیرا اخیر خواہ ہوں۔“ (الفصل: 18/20)

اس دن صبح کے وقت آپ شہر میں چل رہے تھے، تو کیفیت یہ تھی کہ آپ خوف محسوس کر رہے تھے اور ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔ اچانک وہی اسرائیلیاں مل گیا جس نے کل آپ سے مدد چاہی تھی اور آپ سے فریاد کرنے لگا اور ایک اور آدمی کے خلاف آپ سے مدد مانگنے لگا، جس سے اس کا جھگڑا ہوا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کی بار بار کی شرارتوں کی بنا پر اسے ملامت کی اور اسے فرمایا: ﴿إِنَّكَ لَنَوَسِيُّ مَیْمُونٍ﴾ ”اس میں شک نہیں کہ تو تو صریح گمراہ ہے۔“ پھر آپ نے اس قطعی پر

سے اس کی قوم والے نے اس کے خلاف جو اس کے دشمنوں میں سے تھا، اس (موسیٰ) سے فریاد کی، جس پر موسیٰ نے اسے ایک ضرب لگائی، جس سے وہ مر گیا۔ موسیٰ کہنے لگے: یہ تو شیطان کا کام ہے، یقیناً شیطان دشمن اور کھلم کھلا پر بہکانے والا ہے۔ (پھر دعا کرنے اور) کہنے لگے: اے پروردگار! میں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا تو مجھے معاف فرما دے، سو اللہ تعالیٰ نے انہیں بخش دیا۔ وہ بخشش اور بہت مہربانی کرنے والا ہے۔ (موسیٰ) کہنے لگے: اے میرے رب! جیسے تو نے مجھ پر یہ کرم فرمایا، میں بھی اب ہرگز کسی گناہ گار کا مددگار نہ ہوں گا۔“ (الفصل: 14/28)

اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی بیان فرمایا ہے کہ اس نے آپ کی والدہ پر احسان فرمایا کہ آپ کو ان کے پاس واپس بچپنا دیا۔ اب یہ بیان ہو رہا ہے کہ جب آپ اپنی پوری جوانی کو تکلیف کے اور پورے توانا ہو گئے یعنی جسمانی اور اخلاقی طور پر کمال کے درجہ تک پہنچ گئے اکثر علماء کے نزدیک اس سے چالیس سال کی عمر مراد ہے تب اللہ نے آپ کو حکمت اور علم یعنی نبوت و رسالت کا منصب عطا فرمایا جس کی بشارت آپ کی والدہ کو اس فرمان میں دی گئی تھی: ﴿إِنَّا رَأَوُہُ رَبَّنَا وَجَاءَ عَلَیْہِ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ﴾ ”ہم یقیناً اسے تیری طرف لوٹانے والے ہیں اور اسے پیغمبر بنانے والے ہیں۔“

(الفصل: 7/28)

﴿قَبْلِی﴾ کی موت پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پشیمانی: اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے وہ واقعہ بیان کیا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مصر سے نکل کر مدین کے علاقے میں پہنچنے کا باعث بنا۔ آپ وہیں قیام پذیر رہے جسے کہ مقررہ مدت ختم ہو گئی اور پھر اللہ تعالیٰ نے آپ سے ہم کام نہ ہو کر آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا جیسے کہ آئندہ بیان ہوگا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اور موسیٰ ایک ایسے وقت شہر میں آئے جبکہ شہر کے لوگ غفلت میں تھے۔“ اس میں ”وقت“ کی بابت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عمر فاروق رضی اللہ عنہما اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”یہ دوپہر کا وقت تھا۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد مغرب اور عشاء کے درمیان کا وقت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ کا مقبوم: ﴿وَجَدُوْهُ فِيْهَا رَجُلَيْنِ یَقْتُلَانِ﴾ ”یہاں دو شخصوں کو لڑتے ہوئے پایا۔“ یعنی وہ آپس میں مار کھانی کر رہے تھے۔ ﴿هَٰذَا مِنْ شَیْءِہِ﴾ ”یہ ایک تو اس کے رفیقوں میں سے تھا۔“ یعنی بنی اسرائیل میں سے تھا۔ ﴿وَهَٰذَا مِنْ عَدُوِّہِ﴾ ”اور یہ دوسرا اس کے دشمنوں میں سے“، یعنی قطعی تھا۔ ﴿فَاسْتَأْذَنَ اِلَیْہِ اِلَیْہِ مِنْ شَیْءِہِ عَلَیْہِ اِلَیْہِ مِنْ عَدُوِّہِ﴾ ”اس کی قوم والے نے اس کے خلاف جو اس کے دشمنوں میں سے تھا، موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی۔“ اس کی وجہ یہ تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کو مصر کے ملک میں ایک باوقار مقام حاصل تھا کیونکہ آپ کا فرعون سے ایک اہم تعلق قائم ہو چکا تھا جس نے آپ کو بیٹا بنایا تھا اور آپ نے اس کے گھر میں پرورش پائی تھی۔ اب وہی سے بنی اسرائیل کو عزت نصیب ہوئی تھی اور وہ سراخا کر چلنے لگے تھے کیونکہ وہ دودھ کے رشتے سے خود کو آپ کے ننھیالی رشتہ دار سمجھتے تھے۔ جب اس اسرائیلی نے اس قطعی کے

وَجَدَ مِنْ دُونِهِمْ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّى يَصِيرَ الزَّعَاكُ وَأَبُوْنَا شَيْخَ كَبِيرٌ ۖ فَسَقَى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّى إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنْزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ ﴿٢٨﴾

”پس موسیٰ وہاں سے خوف زدہ ہو کر دیکھتے بھالتے نکل کھڑے ہوئے۔ کہنے لگے: اے پروردگار! مجھے خالوں کے گردوے سے بچالے۔ اور جب مدین کا رخ کیا تو کہنے لگے: مجھے امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھی راہ لے چلے گا۔ جب آپ مدین کے پانی پر پہنچے تو دیکھا کہ لوگوں کی ایک جماعت وہاں پانی پلا رہی ہے اور دو عورتیں الگ کھڑی (اپنے چانوروں کو) روک رہی ہیں۔ پوچھا: تمہارا کیا معاملہ ہے؟ وہ بولیں: جب تک یہ چرواہے واپس نہ چلے جائیں، ہم پانی نہیں پلا سکتیں اور ہمارے والد بڑی عمر کے بوڑھے ہیں۔ پس آپ نے خدوان کے چانوروں کو پانی پلا دیا پھر سائے کی طرف بہت آئے اور کہنے لگے: اے پروردگار! تو جو کچھ بھلائی میری طرف اتارے، میں اس کا محتاج ہوں۔“ (الفصص: 24-21/28)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ اپنے بندے، اپنے رسول اور اپنے کلم کے بارے میں بیان فرما رہا ہے کہ وہ مصر سے نکلے تو ادھر ادھر دیکھتے بھالتے نکلے۔ آپ خوف محسوس کر رہے تھے کہ غرضوں کی قوم کا کوئی شخص آپ تک پہنچ جائے۔ آپ کو کچھ معلوم نہ تھا کہ کس طرف رخ کریں اور کون سی راہ اختیار کریں کیونکہ اس سے پہلے کبھی مصر سے باہر نہیں گئے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَمَّا تَوَجَّهَ بِلِقَاءِ مَدْيَنَ﴾ ”اور جب مدین کا رخ کیا تو“ یعنی ایک راہ پر چل دیے تو کہنے لگے: ﴿عَلَى رَبِّي أَن يُهَيِّدَ لِي سَوَاءَ الشَّيْءِ﴾ ”مجھے امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھی راہ لے چلے گا۔“ یعنی امید ہے کہ اس راہ سے وہ منزل مقصود پر پہنچ جائیں گے اور ایسے ہی ہوا۔ انہیں منزل مل گئی اور کتنی عظیم منزل مل گئی! ﴿وَلَمَّا وَدَّ مَاءَ مَدْيَنَ﴾ ”جب آپ مدین کے پانی پر پہنچے۔“ یعنی اس کنویں پر جا پہنچے جس سے لوگ چانوروں کو پانی پلاتے تھے۔ مدین دی شہر ہے جس میں اصحاب الایکہ اللہ کے عذاب کی وجہ سے تباہ ہوئے۔ یہ لوگ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم تھے۔ ایک قول کے مطابق ان کی بلا کہتے موسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے پہلے ہو چکی تھی۔

جب آپ اس کنویں پر پہنچے تو: ﴿وَجَدَ عَلَيْهِمْ أَهْلًا مِنَ النَّاسِ يَسْقُونَ ۖ وَ وَجَدَ مِنْ دُونِهِمْ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ﴾ ”دیکھا کہ لوگوں کی ایک جماعت وہاں پانی پلا رہی ہے اور دو عورتیں الگ کھڑی (اپنے چانوروں کو) روک رہی ہیں۔“ یعنی اپنی بھریوں کو روک رہی ہیں کہ لوگوں کی بھریوں میں شامل نہ جائیں۔

اہل کتاب کہتے ہیں کہ وہ سات لڑکیاں تھیں لیکن یہ غلط ہے۔ یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ شعیب علیہ السلام کی سات لڑکیاں ہوں، لیکن چانوروں کو پانی پلانے کا کام دو ہی کرتی تھیں۔ یہ تو یہ ممکن ہے بشرطیکہ سات کی روایت قابل اعتماد ہو ورنہ قرآن کے الفاظ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ دو ہی تھیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: ﴿مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّى يَصِيرَ الزَّعَاكُ وَأَبُوْنَا شَيْخَ كَبِيرٌ﴾ ”تمہارا کیا

ہاتھ ڈالنے کا ارادہ کیا جو موسیٰ علیہ السلام کا بھی دشمن تھا اور اسرائیلی کا بھی، تاکہ اسے منع کریں اور اسرائیلی کو اس سے چھڑائیں۔ جب آپ اس ارادے سے قطعی کی طرف بڑھے تو اس نے کہا: ﴿يَهُودِيٌّ يُبَدِّلُ دِينَهُ فَأَقْبَلَ تَقَبَّلْتُ فَكَلَّمْتُ بَنِي إِسْرَءِيلَ أَنِ اعْبُدُونِي ۚ إِنَّكُمْ لَكُنْتُمْ أَكْثَرُ ضَالِّينَ﴾ ”موسیٰ! کیا جس طرح تو نے کل ایک شخص کو قتل کیا، مجھے بھی مار ڈالنا چاہتا ہے؟ تو تو ملک میں خالم و مرکس ہونا چاہتا ہے اور تیرا یہ ارادہ ہی نہیں کہ تو اصلاح کرنے والوں میں سے ہو۔“

بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ یہ بات اس اسرائیلی نے کہی تھی جس نے موسیٰ علیہ السلام کا گزشتہ روز کا واقعہ دیکھا تھا۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس نے جب موسیٰ علیہ السلام کو قطعی کی طرف بڑھتے دیکھا تو سمجھا کہ وہ خود اس (اسرائیلی) کو ساز دینا چاہتے ہیں، کیونکہ آپ اسے فرما چکے تھے: ﴿إِنَّكَ لَنَاصِيَةٌ كَثِيرٌ﴾ ”تو تو صریح گمراہ ہے۔“ اس لیے اس شخص نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ بات کہہ کر کل والا راز فاش کر دیا اور قطعی نے فوراً فرعون کے پاس جا کر موسیٰ کی شکایت کر دی۔

اکثر علمائے کرام نے یہی تشریح بیان کی ہے لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کام قطعی کا ہو۔ اس نے جب آپ کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو ڈر گیا۔ اس نے اندازے سے یہ بات کہہ دی کہ ممکن ہے کل والے مقتول کو موسیٰ علیہ السلام ہی نے قتل کیا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسرائیلی نے فریاد کرتے وقت ایسے الفاظ استعمال کیے ہوں جس سے قطعی کو حقیقت کا علم ہو گیا ہو۔ (واللہ اعلم) الغرض فرعون کو معلوم ہو گیا کہ وہ شخص موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہوا ہے۔ چنانچہ اس نے آپ کی گرفتاری کے لیے آدمی بھیجے۔ لیکن ایک وفادار آدمی ان سے پہلے قریب کے راستے سے موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچ گیا۔ جیسے کہ ارشاد ہے: ﴿وَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْمَدْيَنَ بِبُخَارٍ قَالَ يَهُودِيٌّ إِنَّ الْمَلَكَ ابْتَدَأَ بِكَ لَتَقْتُلُنَا لَكُنْ خَافُجَ إِنْ لَكَ مِنَ الْفُجُورِ﴾ ”شہر کے پرے کنارے سے ایک شخص دو ڈنڈا آیا اور کہنے لگے اے موسیٰ! سردار تیرے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں پس تو اس شہر سے چلا جا، میں یقیناً تیرا خیر خواہ ہوں۔“ اس لیے یہ بات بتا رہا ہوں۔^①

حضرت موسیٰ علیہ السلام میں تشریف لے جاتے ہیں

جب موسیٰ علیہ السلام کے اتفاق قتل کی خبر بادشاہ تک پہنچی گئی اور اس نے آپ کو گرفتار کرنے کا حکم دیا تو آپ خوفزدہ ہو کر جہزت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ ۚ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۖ وَلَمَّا تَوَجَّهَ بِلِقَاءِ رَبِّهِ قَالَ عَلَيْهِمْ أَهْلًا مِنَ النَّاسِ يَسْقُونَ ۖ وَ وَجَدَ مِنْ دُونِهِمْ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ﴾

کہ آپ کو کسی مشقت میں ڈالوں، اللہ کو منظور ہے تو آگے چل کر آپ مجھے بھلا آدمی پائیں گے۔ موسیٰ نے کہا: خبر! تو یہ بات میرے اور آپ کے درمیان پختہ ہوگئی۔ میں ان دونوں عدوتوں میں سے جسے پورا کروں، مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو۔ ہم یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں، اس پر اللہ (گواہ اور) کارساز ہے۔“ (القصاص: 28-25/28)

جب موسیٰ اسیلہ سائے میں بیٹھے اور فرمایا: ﴿رَبِّ اِنِّیْ لَبَاسًا اَزْلَمْتُ اِلَیْكَ مِنْ خَیْرِ قَبِیْرَةٍ﴾ ”اے پروردگار! تو جو کچھ بھلائی میری طرف اتارے، میں اس کا محتاج ہوں۔“ تو ان خواتین نے یہ بات سنی۔ جب دودوالہ کے پاس پہنچیں تو انہیں اتنی جلدی داپس آ جانے پر قویٰ ہوا۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیش آمد واقعہ بیان کیا۔ والد نے ایک کو حکم دیا کہ کارکن کو بلا لائے۔ ﴿فَجَاءَتْهُ اِحْدَاهُمَا تَلْبِیْضًا عَلٰی سِتْرِیْہَا﴾ ”تو ان دونوں عورتوں میں سے ایک شریف زادیوں کی طرح، شرم و حیا سے چلتی ہوئی آئی۔ کہنے لگی: ﴿اِنَّ اِنِّیْ یَدْعُوْکَ لِیَجْزِیْکَ اَجْرًا مَا سَقِیْتَ لَنَا﴾ ”میرے والد صاحب آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ آپ نے ہمارے جانوروں کو جو پانی پلایا ہے، اس کی اجرت دیں۔“

اس نے واضح طور پر وجہ بیان کر دی تاکہ اس کی بات سے کوئی غلط فہمی یا شک و شبہ پیدا نہ ہو۔ یہ بھی اس خاتون کی حیا اور پاک دہنی کا مظہر ہے۔ ﴿فَلَمَّا جَاءَهُ وَقَصَّ عَلَیْہِ الْقَصَصَ﴾ ”جب (حضرت موسیٰ علیہ السلام) ان کے پاس پہنچے اور ان سے اپنا سارا حال بیان کیا۔“ اور بتایا کہ مصر کے بادشاہ فرعون کے ڈر سے اپنا ڈنڈا، مہر، چمچور کر نکلے ہیں۔ تو وہ بزرگ کہنے لگے: ﴿وَکَذَبْتَ مِنَ الْقَوٰمِ الظَّالِمِیْنَ﴾ ”اب نہ ڈر! تو نے ظالم قوم سے نجات پائی۔“ یعنی اب ان کے دائرہ اختیار سے باہر آگئے ہیں کیونکہ اب آپ ان کی سلطنت کی حدود میں نہیں۔

بزرگ نے آپ کی مہمان نوازی کی اور عزت و احترام سے رکھا اور آپ کا واقعہ سن کر خوش خبری دی کہ آپ ان سے نجات پا چکے ہیں۔ تب ایک لڑکی نے اپنے والد سے کہا: ﴿يَا بَیْتُ اسْتَأْجِرْہُ﴾ ”ابا! آپ انہیں مزدوری پر رکھ لیجیے۔“ تاکہ وہ آپ کی بکریاں چرائیں۔ پھر آپ کی یہ خوبی بیان کی کہ وہ طاقت ور اور دیانت دار ہیں۔

حضرت عمر، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر علماء سے روایت ہے کہ جب اس نے یہ بات کہی تو اس کے والد نے پوچھا: ”تجھے اس کی قوت و امانت کی کیا خبر؟“ اس نے کہا: ”جو بھاری پتھر دی آدمی اٹھاتے ہیں، انہوں نے اکیلے ہی اٹھالیا (اس سے مجھے ان کی طاقت کا اندازہ ہوا) اور جب میں انہیں لے کر آ رہی تھی تو میں آگے چل رہی تھی۔ انہوں نے کہا: ”میرے پیچھے چلو، جب راستہ نہ ہو تو مجھے راستہ بتانے کے لیے اس طرف ننگری بھیج دینا۔“

جب موسیٰ علیہ السلام ان کے گھر پہنچے تو اس بزرگ نے کہا: ﴿اِنَّ اَزِیْدَ اَنْ اَنْکِحَ اِحْدٰی اِبْنَتَیْهِ فَتَتْبِیْنَ عَنِّ اَنْ تَاْجُرِیْ تَلْبِیْضًا حَیْثُ مَا اَشْفٰی عَلَیْکَ سَعِیْہِیْ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ﴾ ”میں اپنی ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کو آپ کے نکاح میں دینا چاہتا ہوں اس (مہر) پر کہ آپ آٹھ سال تک میرا کام کاں

معاملہ ہے؟ وہ بولیں: جب تک چرواہا وہاں نہ چلے جائیں ہم پانی نہیں پلائیں اور ہمارے والد بڑی عمر کے بوڑھے ہیں۔“ یعنی ہم کمزور عورتیں ہونے کی وجہ سے بکریوں کو اس دقت پانی نہیں پلا سکتیں جب تک چرواہا پانی پلانے سے فارغ نہ ہو جائیں اور میں خود بکریاں چرانے کی ضرورت اس لیے پیش آئی ہے کہ ابا جان بوڑھے اور کمزور ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَسَقِیْ لَہُمَا﴾ ”پس آپ نے خود ان کے جانوروں کو پانی پلایا۔“ ﴿فَتَتْبِیْنَ اِلَی الْاَقْلِ﴾ ”پھر سائے کی طرف ہٹ آئے۔“ مفسرین کہتے ہیں یہ نیکر کے درخت کا سایہ تھا۔ اس دقت آپ نے دعا کی: ﴿رَبِّ اِنِّیْ لَبَاسًا اَزْلَمْتُ اِلَیْكَ مِنْ خَیْرِ قَبِیْرَةٍ﴾ ”اے پروردگار! تو جو کچھ بھلائی میری طرف اتارے، میں اس کا محتاج ہوں۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو محفوظ مقام میرا گیا

حضرت موسیٰ علیہ السلام طویل سفر کے بعد تھکے ہارے ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گئے اور اللہ تعالیٰ سے مدد کی درخواست کی جو فوری قبول ہوگئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَجَاءَتْہُ اِحْدَاهُمَا تَلْبِیْضًا عَلٰی سِتْرِیْہَا﴾ قَالَتْ اِنَّ اِنِّیْ یَدْعُوْکَ لِیَجْزِیْکَ اَجْرًا مَا سَقِیْتَ لَنَا فَلَہُمَا جَاءَهُ وَقَصَّ عَلَیْہِ الْقَصَصَ قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتُ مِنَ الْقَوٰمِ الظَّالِمِیْنَ قَالَتْ اِحْدَاهُمَا یَا بَیْتُ اسْتَأْجِرْہُ اِنَّ خَیْرَ مِّنْ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوٰمِ الظَّالِمِیْنَ قَالَ اِنِّیْ اَزِیْدُ اَنْ اَنْکِحَ اِحْدٰی اِبْنَتَیْہِ اِنْ تَاْجُرِیْ تَلْبِیْضًا حَیْثُ مَا اَشْفٰی عَلَیْکَ سَعِیْہِیْ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ قَالَ ذٰلِکَ بِنِّیِّ وَبِیْنٰکَ اِیْمًا الْاَجَلِیْنِ فَصَدِیْتُ فَلَا عُدُوَانَ عَلَیَّ وَاللّٰہُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ وَکِیْلٌ

”اتنے میں ان دونوں عورتوں میں سے ایک ان کی طرف شرم دینا سے چلتی ہوئی آئی۔ کہنے لگی: میرے والد صاحب آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ آپ نے ہمارے جانوروں کو جو پانی پلایا ہے اس کی اجرت دیں۔ جب (حضرت موسیٰ علیہ السلام) ان کے پاس پہنچے اور ان سے اپنا سارا حال بیان کیا تو وہ کہنے لگے: اب نہ ڈر! تم نے ظالم قوم سے نجات پائی۔ ان دونوں میں سے ایک نے کہا: ابا! آپ انہیں مزدوری پر رکھ لیجیے کیونکہ جنہیں آپ اجرت پر رکھیں، ان میں سب سے بہتر وہ ہے جو مضبوط اور امانتدار ہو۔ اس بزرگ نے کہا: میں اپنی ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کو آپ کے نکاح میں دینا چاہتا ہوں اس (مہر) پر کہ آپ آٹھ سال تک میرا کام کاں کریں۔ ہاں! اگر آپ دس سال پورے کر دیں تو یہ آپ کی طرف سے (بطور احسان) ہے، میں یہ ہرگز نہیں چاہتا

الرَّهْبِ قَدْ نَكَتْ بُرْهَانِي مِنْ رَبِّكَ إِلَى فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا مُصِيقِينَ ﴿٣٢﴾

”جب موسیٰ علیہ السلام نے مدت پوری کر لی تو اپنے گھر والوں کو لے کر چلے کو کو طور کی طرف آگ دیکھی۔ اپنی بیوی سے کہنے لگے: ظہر! میں نے آگ دیکھی ہے، بہت ممکن ہے کہ میں وہاں سے کوئی خبر لاؤں یا آگ کا کوئی انگارا لاؤں تاکہ تم سب تک لو۔ پس جب وہاں پہنچے تو اس بابرکت زمین کے میدان کے دائیں کنارے کے درخت میں سے انہیں آواز دی گئی کہ اے موسیٰ! یقیناً میں ہی اللہ ہوں، سارے جہانوں کا پروردگار۔ اور یہ (بھی آواز آئی) کہ اپنا عصا چپک چپک دے۔ پھر جب اسے دیکھا کہ وہ سانپ کی طرح پیچھا رہا ہے تو چپچپ پھیر کر واپس ہو گئے اور مرکز رخ بھی نہ کیا۔ (ہم نے کہا: اے موسیٰ! آگے، ڈرمت، یقیناً تو (ہر طرح) امن والا ہے۔ اپنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں ڈال، وہ بغیر کسی قسم کے روگ کے بالکل سفید (چمکتا ہوا) نکلے گا۔ اور خوف (بچنے کے لیے) اپنے بازو اپنی طرف ملا لے پس یہ دونوں معجزے تیرے لیے تیرے رب کی طرف سے ہیں، فرعون اور اس کی جماعت کی طرف یقیناً وہ سب کے سب تافران لوگ ہیں۔“ (القصص: 28-32)

جب موسیٰ علیہ السلام دس سال کی مدت پوری کر لی تو اپنے گھر والوں سمیت واپس مصر کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں رات ہو گئی رات تاریک اور سرد تھی وہ راستہ بھول کر معروف راہ سے ہٹ گئے۔ ان حالات میں آپ کو طور کے دامن میں آگ روشن نظر آئی۔ آپ اپنے گھر والوں سے کہنے لگے: ﴿اَمْكُلُوا اِنِّي اَسْتَشْ نَارًا﴾ ”ظہر! میں نے آگ دیکھی ہے۔“ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آگ صرف آپ کو نظر آئی تھی آپ کے اہل کو نہیں، کیونکہ یہ اصل میں تو تھا تیرے ہر کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ ﴿لَعَلَّ اَنْتُمْ فِئْتَهَا يَخْبَوْنَ﴾ ”بہت ممکن ہے کہ میں وہاں سے کوئی خبر لاؤں۔“ یعنی وہاں مجھے جو کوئی ملے، اس سے راستہ پوچھ لوں یا آگ کا کوئی انگارا لاؤں تاکہ تم سب تک لو۔“ معلوم ہوا کہ وہ رات سرد اور تاریک تھی جیسے سورہ طہ میں ارشاد ہے:

﴿وَهَلْ اَتَيْتَكَ حَدِيثَ مُوسٰى ﴿١﴾ اِذْ رَاْنَا نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِيْهِ امْكُلُوْا اِنِّيْ اَسْتَشْ نَارًا لَّعَلَّيْ اَنْتُمْ فِئْتَهَا يَخْبَوْنَ ﴿٢﴾﴾

”کیا آپ کو موسیٰ کا قصہ معلوم ہے؟ جب اس نے آگ دیکھ کر اپنے گھر والوں سے کہا: تم ذرا سی دیر ظہر جاؤ۔ مجھے آگ دکھائی دی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ میں اس کا کوئی انگارا تمہارے پاس لاؤں یا آگ کے پاس رہنمائی میرے ہو۔“ (طہ: 10-9/20)

اس سے معلوم ہوا کہ وہاں اندھیرا تھا اور وہ راستہ بھول گئے تھے۔ سورہ نمل میں بھی ان سب باتوں کا ذکر ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِذْ قَالَ مُوسٰى لِاَهْلِيْهِ اِنِّيْ اَسْتَشْ نَارًا ۚ سَابِقَتُمْ فِئْتَهَا يَخْبَوْنَ اَوْ اَنْتُمْ بِشَهَابٍ مِّنْ سَحَابٍ لَّعَلَّكُمْ

کریں۔ ہاں اگر آپ دس سال پورے کر میں تو یہ آپ کی طرف سے (بطور احسان) ہے، میں یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ آپ کو کسی مشقت میں ڈالوں۔ اللہ کو منظور ہے تو آپ مجھے بھلا دی جائیں گے۔“

بعض علماء نے اس واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ روٹی کپڑے پر حر دہی کرنا درست ہے جیسے کہ معروف رواج ہو۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قَالَ ذٰلِكَ نَبِيُّكَ وَبَيْنَكَ اَيُّمًا الْاَجَلَيْنِ فَصَبِّتْ فَلَا عُدُوَانَ عَلَيَّ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُولُ وَكِيلٌ﴾ ”موسیٰ نے کہا: یہ بات میرے اور آپ کے درمیان ہو گئی۔ میں ان دونوں مدتوں میں سے جسے پورا کروں، مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو۔ ہم یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس پر اللہ (گواہ اور) کارساز ہے۔“ یعنی موسیٰ علیہ السلام نے اپنے سر سے فرمایا: آپ نے جو بات کہی وہ درست ہے۔ میں جو بتی مدت پوری کروں، مجھے اس کا حق ہو گا۔ اس سلسلے میں مجھ پر کوئی زیادتی نہیں کی جائے گی۔ ہماری مفاہمت پر اللہ گواہ ہے جو سب کچھ کن رہا ہے۔ تاہم موسیٰ علیہ السلام نے زیادہ مدت پوری کی، یعنی پورے دس سال ان کی خدمت کی۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: مجھ سے حیرہ کے ایک یہودی نے پوچھا موسیٰ علیہ السلام نے دونوں میں سے کئی مدت پوری کی تھی؟ میں نے کہا: ”مجھے تو معلوم نہیں البتہ میں عرب کے بڑے عالم کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے دریافت کروں گا۔“ تو میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے یہ مسئلہ دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا: ”آپ نے زیادہ اور بہتر مدت مکمل کی تھی۔ اللہ کا رسول جب کوئی بات کہدے تو اسے پوری کرتا ہے۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے پاس مقررہ مدت پوری کی اور پھر اپنی زوجہ محترمہ کو ساتھ لے کر مصر کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں حکیم اللہ نے ان کا شرف حاصل ہوا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَمَّا قَضٰى مُوسٰى اَلْحَاجَّ وَاسَارَ بِالْاَهْلِيَّةِ اُنْسَ مِنْ حَاجِبِ الطُّورِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِيْهِ امْكُلُوْا اِنِّيْ اَسْتَشْ نَارًا لَّعَلَّيْ اَنْتُمْ فِئْتَهَا يَخْبَوْنَ اَوْ جَدَوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿١﴾ فَلَمَّا اَنْهَا نُوْدُوْى مِّنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَن يُّمُوسٰى اِنِّيْ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ ﴿٢﴾ وَ اَنْ اَتٰى عَمَّآكَ فَلَمَّا رَاَهَا فَهْتَرَا ۖ كَانَتْ اَكْبَهًا وَّلٰى مَدِيْرًا وَّلَمْ يَغْبَطْ لِّمُوسٰى اَقْبَلْ وَلَا تَخَفْ ۚ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِيْنِ ﴿٣﴾ اَسْلَمْتَ بِدَٰكِ فِيْ حَبِيْبِكَ تَخْضَعُ بِيْضًا وَّ مِنْ غَيْرِ مَسُوْءٍ ۚ وَاَضْمَمَ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ

خواہش کے پیچھے لگا ہوا ہو، ورنہ تو ہلاک ہو جائے گا۔“ (طہ: 11-1/20)

مفسرین فرماتے ہیں: حضرت موسیٰ علیہ السلام اس آگ کی طرف چلے جو انہیں نظر آئی تھی۔ جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک کانٹے دار درخت میں آگ کے شعلے نظر آ رہے ہیں، لیکن درخت زیادہ سے زیادہ سرسبز ہوتا جا رہا ہے۔ آپ تعجب سے وہیں ٹھہر گئے۔ وہ درخت آپ کی دائیں طرف پہاڑ کے مغربی پہلو میں تھا۔ جیسے ارشاد ہے: ﴿وَمَا كُنْتُ بِجَانِبِ الْغُرَنِ إِذْ قَضَيْتُ إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنْتُ مِنَ الشَّاهِدِينَ﴾ ﴿١﴾

”اور طور کے مغربی جانب، جبکہ ہم نے موسیٰ کو احکام کی وحی پہنچائی تھی، نہ تو موجود تھا اور نہ تو دیکھنے والوں میں سے تھا۔“ (القصص: 44/28)

حضرت موسیٰ علیہ السلام جس وادی میں تھے، اس کا نام طوی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کا چہرہ قبلہ (یعنی جنوب) کی طرف تھا۔ وہ درخت آپ کے دائیں طرف مغرب کی سمت تھا۔ اس مقدس وادی طوی میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے کلام کیا۔ پہلے جوتے اتارنے کا حکم دیا، اس کا مقصد اس مقدس مقام کا احترام تھا۔ بالخصوص اس مبارک رات میں تو اس مقام کو مزید تقدس اور برکت حاصل ہو گئی تھی۔ ﴿١﴾

بائبل میں لکھا ہے کہ روشنی اس قدر شدید تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نظر ختم ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا، چنانچہ آپ نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت اور معجزات

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتایا کہ یہ دنیا فانی ہے دائمی گھر قیامت کو ملے گا جو یقیناً قائم ہونے والی ہے۔ ﴿يُخَافُ مِنْ رَبِّهِمْ يَسْأَلُونَ﴾ ”تا کہ ہر شخص کو وہ بدلہ دیا جائے جو اس نے کوشش کی ہو،“ یعنی نیکی اور بدی کا بدلہ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دن کے لیے عمل کرنے کی ترقیب دی اور ایسے لوگوں سے الگ رہنے کی ہدایت فرمائی جو اپنے مالک کی نافرمانی کرتے ہیں اور اپنے ولی کی خواہش کے پیچھے چلتے ہیں۔ پھر اپنی قدرت کے اظہار کے لیے اور اپنی [مُحْكِنَ فَيْحُونَ] کی شان دکھانے کے لیے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: ﴿وَمَا تِلْكَ يَبُوتَ﴾ (طہ: 17/20) ”اے موسیٰ! تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟“ کیا وہی لامٹی نہیں جو تیری دیکھی بھالی ہے جب سے تجھے ملی ہے؟ جواب دیا: ﴿هِيَ عَصَايَ اَنْوَلْتُهَا عَلَيْهِمْ وَ اَهْشَىٰ بِهَا عَلٰى عَيْنَيْ وَ لِي فِيْهَا مَارِبٌ اُخْرٰى﴾ (طہ: 18/20) ”یہ میری لامٹی ہے جس پر میں ٹیک لگا ہوں تاہوں اور جس سے میں اپنی کمریوں کے لیے پتے بھاڑ لیتا رہا ہوں“ اس میں مجھے اور بھی بہت فائدہ ہے۔“

تَصَلُّوْنَ

”جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں نے آگ دیکھی ہے۔ میں وہاں سے کوئی خبر لے کر آیا آگ کا کوئی سگما ہوا لگا لے کر جلد تمہارے پاس آ جاؤں گا تا کہ تم تپ سکو۔“ (النمل: 71/27)

وہ واقعی ایک خبر لے کر آئے، وہ وحی عظیم تھی! انہیں رہنمائی ملی اور کئی عظیم الشان تھی وہ رہنمائی! انہوں نے وہاں سے ایک بے مثال روشنی حاصل کی تھی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْنَا اِنَّمَا لُؤُؤِي مِنْ شَاخِ الْاَوَادِ الْاَلْيَيْنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يُّمَوِّسَ اِنِّي اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ ﴿١﴾

”پس جب وہ وہاں پہنچے تو اس بابرکت زمین کے میدان کے دائیں کنارے کے درخت میں سے انہیں آواز دی گئی: اے موسیٰ! یقیناً میں ہی اللہ ہوں، سارے جہانوں کا پروردگار۔“ (القصص: 30/28)

سورہ نمل میں ارشاد ہے:

﴿قُلْنَا جَاءَ هَا لُؤُؤِي اَنْ يُّوَكِّدَ مَنْ فِي الْاَرْضِ وَمَنْ حَوْلَهَا وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ ﴿٢﴾

”جب وہاں پہنچے تو آواز دی گئی کہ بابرکت ہے وہ جو اس (آگ) میں ہے اور برکت دیا گیا ہے وہ جو اس کے آس پاس ہے اور پاک ہے اللہ جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔“ (النمل: 8/27)

یعنی وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو فیصلے چاہتا ہے نافذ فرماتا ہے۔ اے موسیٰ! (سن!) ﴿اِنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾

”بات یہ ہے کہ میں ہی اللہ غالب، حکمت والا ہوں۔“ (النمل: 9/27) سورہ طہ میں ارشاد ہے:

﴿قُلْنَا اِنَّمَا لُؤُؤِي يُّمَوِّسُ﴾ ﴿١﴾ اِنِّي اَنَا رَبُّكَ فَاصْلَحْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِالْاَوَادِ الْبَقْدَسِ طَوِيٌّ ﴿٢﴾ وَ اَنَا اَخْتَرْتُكَ فَاصْلَحْ لِيَّا يُّمَوِّسُ ﴿٣﴾ اِنِّي اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِيْ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِيَذْكُرْنِيْ ﴿٤﴾ اِنَّ السَّاعَةَ اَتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِيُخْجِزُنِيْ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ﴿٥﴾ فَلَا يَصُدُّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَ اتَّخَذَ حُوسَةً تَقَرَّدُ ﴿٦﴾

”جب وہ وہاں پہنچے تو انہیں آواز دی گئی: اے موسیٰ! یقیناً میں ہی تیرا پروردگار ہوں، تو اپنی جوتیاں اتار دے کیونکہ تو پاک میدان طوی میں ہے اور میں نے تجھے منتخب کر لیا ہے، اب جو وہی کی جائے اسے کان لگا کر سن! اب شے تک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ پس تو میری ہی عبادت کر اور میری یاد کے لیے نماز قائم رکھ۔ قیامت یقیناً آنے والی ہے جسے میں پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تا کہ ہر شخص کو وہ بدلہ دیا جائے جو اس نے کوشش کی ہو۔ پس تجھے اس (کے یقین) سے کوئی ایسا شخص روک نہ دے، جو اس پر ایمان نہ رکھتا ہو اور اپنی

بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوٍّ وَآوَضْنَاهُ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ ﴿۱﴾ ”اپنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں ڈال۔ وہ سفید چمکیلا لنگے گا بغیر کسی عیب کے۔ اور خوف سے (بچنے کے لیے) اپنے بازو اپنی طرف ملائے۔“ (القصص: 32/28) کہا جاتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تجھے خوف محسوس ہو تو اپنے دل پر ہاتھ رکھ لے، تجھے تسکین ہو جائے گی۔

سورہ نمل میں فرمایا:

﴿وَادْخُلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجَ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوٍّ فِي تَسْبِيحٍ لَيْلٍ إِلَى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهِ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿۱﴾﴾

”اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال۔ وہ سفید چمکیلا لنگے گا بغیر کسی عیب کے یہ نو نشانوں میں سے ہے (ان کے ساتھ) فرعون اور اس کی قوم کی طرف جا۔ یقیناً وہ نافرمانوں کا گروہ ہے۔“ (النمل: 12/27)

عصا اور ہاتھ کے مجرے کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے: ﴿فَإِنَّكَ بِرُءُفَائِهِ مِنْ ذِيكَ إِلَى فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ﴾ ”پس یہ دونوں مجرے سے تیرے لیے تیرے رب کی طرف سے ہیں، فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف۔“ (القصص: 32/28) ان کے ساتھ سات نشانیاں اور تھیں۔ یہ نو نشانیاں ہیں، جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورہ بنی اسرائیل کے آخر میں کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِّئَلَّا يُكَذِّبَ ﴿۱﴾ يَوْمَئِذٍ مُّسَوِّمًا ۚ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتُ مَا أَتَىكَ الْهُدَاةُ إِلَّا رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ بَصَائِرَ ۖ وَإِنِّي لَأَكْثُنَا لِلْفِرْعَوْنَ مُغْتَبِرًا ﴿۲﴾﴾

”اور ہم نے موسیٰ کو کھلی نشانیاں دیں۔ سو بنی اسرائیل سے دریافت کرلو۔ جب وہ ان کے پاس آئے تو فرعون نے اُن سے کہا کہ اے موسیٰ، میں خیال کرتا ہوں کہ تم پر چادو کیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ تم یہ جانتے ہو کہ آسمانوں اور زمین کے پروردگار کے سوا ان کو کسی نے نازل نہیں کیا (اور وہ بھی تم لوگوں کے) سمجھنا نہ کہ اور اے فرعون! میں خیال کرتا ہوں کہ تم ہلاک ہو جاؤ گے۔“ (بنی اسرائیل: 102-101/17)

سورہ اعراف میں ان کی تفصیل اس طرح مذکور ہے:

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا آلَ فِرْعَوْنَ الْيُسَيْنَ وَنَفِيسَ مِنَ النَّفَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَذْكُرُونَ ﴿۱﴾ فَإِذَا جَاءَهُمْ الْحَسَنَةُ قَالُوا إِنَّا هِذِهِ ۖ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَعَةً لَّنُعْبُدَنَّهَا يَوْمَئِذٍ ۖ وَمَنْ مَعَهُ آخِرُ الْحَسَنَةِ قَالُوا لَنُكْفَرَنَّ عَنْ آلِهَتِنَا وَلَكِنْ آتَيْنَاهُمْ مَا لَا يَعْلَمُونَ ﴿۲﴾ وَقَالُوا مَهْذَا تَأْتِيَانِي بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّنَسْجُرَنَّهُمَا ۖ يٰهَٰذَا قَمَاعُ لَكَ يٰمُؤْمِنِينَ ۚ فَارْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالْبَقَاةَ وَالْجَمَّ ۖ وَإِلَىٰ مُفْضَلٍ قَاسَتْ أَدْبَارُ ۖ وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ﴿۳﴾﴾

یعنی یہ وہی لاشی ہے جسے میں اچھی طرح پکانتا ہوں فرمایا: ﴿إِنَّمَا يَوْمَئِذٍ يَسُوُّنَ ۖ﴾ ﴿۱﴾ ”فَلَقَدْهَا كَذَابًا وَجْهًا حَسْبًا تَسْلِي ۖ“ ”اے موسیٰ! اسے نیچے ڈال دے چنانچہ ان کے ڈٹنے ہی وہ سانپ بن کر دوڑنے لگی۔“ (طہ: 20/19-20) یہ ایک عظیم معجزہ تھا اور اس بات کی قاطع دلیل تھی کہ آپ سے کلام کرنے والا وہی اللہ ہے جو اپنے امر ”کُنْ“ سے ہر چیز کو پیدا کرتا ہے اور اسے ہر کام کی طاقت حاصل ہے۔

بائبل میں مذکور ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تھی کہ آپ کو ایسی واضح نشانی عطا فرمائی جائے جس سے اہل مصر کے سامنے آپ کی صداقت واضح ہو جائے۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟“ موسیٰ ﷺ نے فرمایا: ”یہ میری لاشی ہے۔“ فرمایا: ”اسے زمین پر پھینک دیں۔“ آپ نے لاشی زمین پر پھینک دی تو وہ دوڑنے لگا ہاتھ بٹھکے والا سانپ بن گئی۔ حضرت موسیٰ ﷺ اسے دیکھ کر بھاگے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ہاتھ پر ہاتھ کر اس کی دم پکڑ لیں۔ جب آپ نے اسے اچھی طرح پکڑ لیا تو وہ آپ کے ہاتھ میں پھر لاشی بن گئی۔ ﴿۱﴾

اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿وَإِنْ أَنْتَ إِلَّا عَصَا ۖ قُلْنَا يَا هَذِهِكَ كَانَتْهَا جَانٌّ وَتِلْكَ مِجْرَدٌ ۖ وَكَانَ يُقَبِّبُ ﴿۱﴾﴾ ”اور یہ کہ اپنا عصا پھینک دے۔ پھر جب اسے دیکھا کہ وہ سانپ کی طرح پھینچنا رہا ہے تو پیچھے ہٹ کر واپس ہو گئے اور مرکز رخ بھی نہ کیا۔“ (القصص: 31/28) یعنی وہ ایک بہت بڑا سانپ بن گئی، جس کی جسامت بہت بڑی تھی اور بڑے بڑے دانت تھے۔ اس کے باوجود اس کی حرکت تیز رفتار پکے سانپ کی طرح تھی۔ جب حضرت موسیٰ ﷺ نے اسے دیکھا تو پیچھے ہٹ کر بھاگے، کیونکہ انسانی فطرت کا یہی تقاضا تھا اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آواز دے کر فرمایا: ﴿يٰمُوسَىٰ أَهْلًا وَلَا تَخَفْ ۚ إِنَّكَ مِنَ الْآمِنِينَ ﴿۲﴾﴾ ”اے موسیٰ! آگے آ، درست، یقیناً تو (ہر طرح) اسن والا ہے۔“ جب آپ واپس آئے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: ﴿خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ۚ سَعِيدٌ مَّامِئَتُهَا الْوَدُي ۖ﴾ ”بے خوف ہو کر اسے پکڑ لے، ہم اسے اس کی پہلی صورت میں دوبارہ لے آئیں گے۔“ (طہ: 21/20) کہتے ہیں: آپ کو سخت خوف محسوس ہوا۔ آپ نے اپنا ہاتھ قبض کی آستین میں ڈالا اور کپڑے میں لپیٹ کر اس کے منہ کے درمیان رکھا۔ اہل کتاب کہتے ہیں کہ آپ نے اس کی دم پکڑ لی۔ جب اسے اچھی طرح پکڑ لیا، تو وہ پھیلنے کی طرح دو شاخوں والا عصا بن گیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالیں جب نکالا تو وہ چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ یہ سفیدی بھلسری و نیچرہ کے مرض کی وجہ سے نہیں تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿أَسْلُكْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ

① خروج ج: باب: 4، فقرہ: 2، 3

② بائبل کے الفاظ یہ ہیں: ”پھر خداوند نے اس سے یہ بھی کہا کہ تو اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ کر ڈھانک لے۔ اس نے اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ کر اسے ڈھانک لیا اور جب اسے نکال کر دیکھا تو اس کا ہاتھ کڑھ سے برف کی مانند سفید تھا۔“ (خروج ج: باب: 4، فقرہ: 6) یہ بائبل کے معنیں کی تسلی ہے۔

تیرے بھائی کے ساتھ تیرا بازو مضبوط کر دیں گے اور تم دونوں کو غلبہ دیں گے۔ فرعونی تم تک پہنچ ہی نہیں گے (بہب ہمارے نشانوں کے۔) یعنی چونکہ تم ہماری آیات پر عمل کرتے ہو اس لیے وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے یا یہ مطلب ہے کہ ہماری آیات کی برکت سے ﴿أَنشَأَ وَهْنُ اتَّبَعْنَا الْغَلِيُونُ﴾ تم دونوں اور تمہاری اتباع کرنے والے ہی غالب رہیں گے۔

سورۃ طہ میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِذْ هَبْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ۖ قَالَ رَبِّ اسْتَعِذْ لِي صَدْرِي ۖ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ۖ وَاحْمِلْ عَقْدَهُ ۖ فَمِنَ لِّسَانِي ۖ يَبْقَىٰ صَوْنِي ۚ﴾

”تم فرعون کے پاس جاؤ (کہ) وہ سرکش ہو رہا ہے۔ کہا: میرے پروردگار! (اس کام کے لیے) میرا سینہ کھول دے اور میرا کام آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ وہ میری بات سمجھ لیں۔“ (طہ: 24-28)

آپ کی زبان میں کچھ کھل رہی تھی۔ اسی وجہ سے فرعون نے بزعم خویش حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس عیب کا ذکر کیا تھا: ﴿وَلَا يَكْذِبُونَ﴾ اور صاف بول بھی نہیں سکتا۔ (الزخرف: 52/43) یعنی اپنے بانی العظیم کا اظہار نہیں کر سکتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مزید اچھا کی:

﴿وَأَجَلٌ لِّي وَزَيْدٌ مِّنْ أَمَلِي ۖ هَرُونَ أَخِي ۖ اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي ۖ وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي ۖ كَيْ لَسْتُ مِنْكَ نَكِيرًا ۚ وَتِلْكَ لَآئِي كَيْدِهِ ۚ إِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيرًا ۚ قَالَ قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يٰمُوسَىٰ ۚ﴾

”میرا وزیر (معاون) میرے کنبے میں سے کر دے یعنی میرے بھائی ہارون کو اس کے ذریعے میری قوت بڑھا دے اور اسے میرا شریک کار کر دے تاکہ ہم دونوں بکثرت تیری تسبیح بیان کریں اور بکثرت تجھے یاد کریں۔ ہے شک تو ہمیں دیکھنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: موسیٰ! تیرے تمام سوالات پر اسے کر دیے گئے۔“ (طہ: 29-36)

یعنی ہم نے آپ کی ساری دعا میں قبول کر لیں اور جو کچھ آپ نے مانگا ہم نے دے دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کا مقام بہت بلند تھا۔ آپ نے اپنے بھائی کے حق میں نبوت کی دعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت عطا فرمادی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَكَانَ عِندَ اللَّهِ وَجْهِهَا﴾ ”اور وہ اللہ کے نزدیک باعزت تھے۔“ (الاحزاب: 69/33) اور فرمایا: ﴿وَوَهَبْنَا لَهُم مِّنْ رَّحْمَتِنَا أَخَاهُ هَرُونَ قَلِيلًا﴾ ”اور اپنی خاص مہربانی سے ان کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر انہیں عطا فرمایا۔“ (مرید: 53/19)

کچھ لوگ حج کی ادائیگی کے لیے سفر کر رہے تھے۔ راستے میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنا کہ ایک آدمی اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا ہے: ”مومن سے بھائی نے اپنے بھائی پر سب سے بڑا احسان کیا؟“ وہ لوگ خاموش رہے۔ (جواب نہ دے سکے) ام المومنین رضی اللہ عنہا نے اپنے گھم کے قریب کے افراد کو (اس سوال کا جواب بتاتے ہوئے) فرمایا: ”وہ

”اور ہم نے فرعونوں کو قتلوں اور قتلوں کے نقصان میں پکڑا تاکہ نصیحت حاصل کریں۔ سو جب ان کو آنکھیں سائل حاصل ہوئی تو کہتے کہ ہم اس سے سخت ہیں اور اگر سختی پہنچتی تو موسیٰ اور ان کے رفیقوں کی بدگلوگی بتاتے۔ دیکھو ان کی بدگلوگی اللہ کے ہاں (مقدر) ہے لیکن ان میں اکثر نہیں جانتے۔ اور کہنے لگے کہ تم ہمارے پاس (خواہ) کوئی بھی نشانی لے آ تاکہ اس سے ہم پر جادو کرو مگر تم ہم پر ایمان لانے والے نہیں۔ سو ہم نے ان پر طوفان اور مڑیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون کھتی کھلی ہوئی نشانیاں بھیجیں مگر وہ تکبر ہی کرتے رہے اور وہ لوگ تھے ہی مجرم۔“

(الاعراف: 130-133)

یہ نشانیاں دس احکام سے مختلف ہیں۔ بعض لوگوں نے ان دونوں معاملات کو غلط ملط کر دیا ہے جبکہ یہ الگ الگ ہیں۔

۴ فرعون کو دعوت کا حکم اور موسیٰ علیہ السلام کی التجا: ہر حال جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

﴿قَالَ رَبِّ إِنِّي قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَأَخَافُ أَن يَقْتُلُونِ ۚ وَأَخْيَ هَرُونَ هُوَ أَفْضَحُ مِنِّي لِسَانًا فَأَرْسَلْتُهُ مَعِيَ رِدْءًا يُصَدِّقُنِي ۚ إِنِّي أَخَافُ أَن يُكَلِّمُونِي ۚ قَالَ سَنَسُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ وَنَجْعُلُ لَكَ سُلْطٰنًا فَلَا يَصْلُوْنَ إِلَيْكَ ۚ فَأَيِّنَّا ۚ أَنشَأَ وَهْنُ اتَّبَعْنَا الْغَلِيُونُ ۚ﴾

”اے پروردگار! میں ان سے ایک شخص میرے ہاتھ سے قتل ہو چکا ہے سو مجھے خوف ہے کہ وہ (کہیں) مجھ کو مار نہ ڈالیں اور ہارون (جو) میرا بھائی (ہے) اُس کی زبان مجھ سے زیادہ فصیح ہے لہذا اس کو میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج کر میری تصدیق کرے، مجھے خوف ہے کہ وہ لوگ میری تکذیب کریں گے۔ (اللہ نے) فرمایا تمہارے بھائی تمہارے بازو مضبوط کریں گے اور تم دونوں کو غلبہ دیں گے۔ سو ہماری نشانیاں کے سبب وہ تم تک پہنچ نہ سکیں گے (اور) تم اور جنہوں نے تمہاری بیروی کی غالب رہو گے۔“ (النقص: 33-35)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے جب ایک قحطی قتل ہو گیا تو آپ فرعون کے ظلم سے بچنے کے لیے مصر سے نکل گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسی دشمن کے پاس جانے کا حکم دیا تو آپ نے فرمایا: ﴿رَبِّ إِنِّي قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَأَخَافُ أَن يَقْتُلُونِ﴾ ”پروردگار! میں نے ان کا ایک آدمی قتل کر دیا تھا، اب مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے بھی قتل کر ڈالیں۔ اور میرا بھائی ہارون مجھ سے بہت زیادہ فصیح زبان والا ہے، تو اسے بھی میرا مددگار بنا کر میرے ساتھ بھیج دے۔ مجھے تو خوف ہے کہ وہ سب مجھے جھٹلا دیں گے۔“ یعنی اسے میرا مددگار اور در پر مقرر فرمادے تاکہ تیرا ایمان ان لوگوں تک پہنچانے میں وہ میری مدد کرے اس لیے کہ وہ میری نسبت زیادہ فصاحت و بلاغت سے بات کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ درخواست قبول کرتے ہوئے فرمایا: ﴿سَنَسُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ وَنَجْعُلُ لَكَ سُلْطٰنًا فَلَا يَصْلُوْنَ إِلَيْكَ ۚ﴾ ”ہم

جائیں۔ فرعون پرفتن بکبر کے جذبات غالب آ گئے۔ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تحقیر کی نظر سے دیکھتے ہوئے کہا: ”کیا تو وہی نہیں جسے ہم نے اپنے گھر میں پالا اور طویل عرصہ تک تجھ سے حسن سلوک کرتے ہوئے انعامات کی بارش کیے رکھی؟“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس فرعون کے پاس سے آپ فرار ہوئے تھے، اسی کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے۔ اس کے برعکس اہل کتاب کہتے ہیں کہ آپ جس فرعون کے دور میں مصر سے نکل کر مدین تشریف لے گئے تھے، وہ آپ کے مدین میں مقیم ہونے کے دوران میں مر گیا تھا۔ اور نبوت ملنے کے بعد جس کے پاس گئے وہ فرعون تھا۔^①

﴿وَفَعَلْتَ فَعَلَتِكَ الْبَنَىٰ فَعَلْتَ مِنَ الْكُفْيِينَ﴾ ”پھر تو اپنا وہ کام کر گیا جو کر گیا اور تو ناشکروں میں سے ہے۔“ یعنی تو نے قطعی اور قطعی کیا اور ہمارے پاس سے بھاگ گیا اور ہمارے احسانات کا منکر ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا:

﴿فَعَلَّمْنَاهُ رِزْقًا وَآثَامًا مِنَ الْهَاتَيْنِ﴾ ”میں نے یہ کام اس وقت کیا تھا جب میں راہ چلوے ہوئے لوگوں میں سے تھا۔“ (الشعراء: 20/26) یعنی اس وقت مجھ پر وحی نازل ہوئی تھی۔ ﴿فَقَرَّرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُمْكُمْ فَحَبَّ بِي رَبِّي حَبًّا وَبَعَثَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ﴾ ”پھر تم سے خوف کھا کر میں تم سے بھاگ گیا۔ پھر مجھے میرے رب نے حکم (وہم) عطا فرمایا اور مجھے اپنے پیغمبروں میں سے کر دیا۔“ (الشعراء: 21/26)

پھر فرعون نے آپ پر پوش اور حسن سلوک کا جو احسان جنایا تھا، اس کا جواب دیتے ہوئے آپ نے فرمایا: ﴿وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَبْتَغَاهُ عَزَّ أَنْ تَعْبُدَ رَبِّي إِسْرَافِيًّا﴾ ”مجھ پر تیرا کیا مبینی وہ احسان ہے جسے تو جتا رہا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے؟“ (الشعراء: 22/26) یعنی تو نے مجھ کی فکر پر جو احسان کیا ہے کیا تو اپنے اس ظلم کے مقابلے میں اس کا ذکر رکھتا ہے کہ تو نے ایک پوری قوم کو غلام بنا کر اپنی خدمت میں لگا رکھا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشعراء کی مندرجہ ذیل آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا مکالمہ بیان فرمایا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ ۚ قَالَ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ إِنَّ لَكُمْ فُتُورِينَ ۚ قَالَ لَيْسَ حَوْلَهُ إِلَّا مَسْجُوعُونَ ۚ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ۚ قَالَ إِنَّ رَسُولَكُمْ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ ۚ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ إِنَّ لَكُمْ تَعْقِيلُونَ ۚ﴾

”فرعون نے کہا: رب العالمین کیا ہوتا ہے؟ موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا: وہ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے، اگر تم یقین رکھنے والے ہو۔ فرعون نے اپنے ارگرد والوں سے کہا: کیا تم میں نہیں رہے؟ موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا: وہ تمہارا اور تمہارے اگلے باا کا پروردگار ہے۔ فرعون نے کہا: (لوگو!) تمہارا یہ رسول

① باہل کی کتاب خروج، باب: 2، فقرہ: 23 میں اس فرعون کے مرنے کا ذکر ہے جس کے در حکومت میں موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے اور باب: 3 میں موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملنے کا ذکر ہے۔

موسیٰ بن عمران تھے جنہوں نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے حق میں دعا کی تو ان کی طرف بھی وحی نازل ہوئی۔ ﴿اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَحْمَتِنَا أَخَاهُ هَارُونَ نَبِيًّا﴾ ”ہم نے اپنی خاص مہربانی سے ان کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر انہیں عطا فرما دیا۔“

موسیٰ علیہ السلام فرعون کے دربار میں

موسیٰ اور ہارون علیہ السلام فرعون کے دربار میں پہنچ کر اسے دعوت توحید دیتے ہیں اور بنی اسرائیل پر ظلم و ستم بند کرنے کا مشورہ دیتے ہیں جبکہ فرعون خمار سے یہ بات ماننے سے انکار کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ تَلَاى رَبُّكَ مُوسَىٰ إِنِ اتَّبِعْتِ الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۚ قَوْمٌ فِرْعَوْنُ لَا يَأْكُلُونَ ۚ قَالَ رَبِّ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُكَلِّمُونِي ۚ وَيُضَيِّقُ صَدْرِي وَلَا يُطِيعُوا لِسَانِي فَأَرْسِلْ إِلَىٰ هَارُونَ ۚ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ ۚ قَالَ كَلَّا ۚ فَادْعِ بِأَلْسِنَتِنَا مَعَكُمْ مُسْتَمِيعُونَ ۚ فَأَتَيْنَا فِرْعَوْنَ فَقُلُوا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۚ إِنَّ أَرْسِلَ مَعَنَا بَنِي إِسْرَءِيلَ ۚ قَالَ أَلَمْ تُزَكِّكْ فِينَا وَلِينَا ۚ لَبِثْتَ فِينَا مِنْ عَمَلِكِ سِنِينَ ۚ وَفَعَلْتَ فَعَلَتِكَ الْبَنَىٰ فَعَلْتَ مِنَ الْكُفْيِينَ ۚ﴾

”اور جب آپ کے رب نے موسیٰ کو آواز دی کہ ظالم قوم کے پاس جا قوم فرعون کے پاس۔ کیا وہ پیغمبر گاری اختیار نہ کریں گے؟ موسیٰ نے کہا: میرے پروردگار مجھے تو خوف ہے کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے اور میرا سبب بن جائیں گے، میری زبان چل نہیں رہی، پس تو ہارون کی طرف بھی (وحی) بھیج، اور میرے ذمے ان کا ایک قصور بھی ہے، مجھے ذمہ ہے کہ کہیں وہ مجھے مارت ڈالیں۔ باری تعالیٰ نے فرمایا: ہرگز ایسا نہ ہوگا! تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ، ہم تم کو سننے والے ہیں تمہارے ساتھ ہیں۔ تم دونوں فرعون کے پاس جا کر کہو: ”ہم بلاشبہ رب العالمین کے بھیجے ہوئے ہیں کہ تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو روانہ کر دے۔ فرعون نے کہا: کیا ہم نے تجھے تیرے بچپن میں اپنے ہاں نہیں لایا تھا؟ اور تو نے اپنی عمر کے بہت سے سال ہم میں نہیں گزارے؟ پھر تو اپنا وہ کام کر گیا جو کر گیا اور تو ناشکروں میں سے ہے۔“ (الشعراء: 19-10/26)

ان آیات کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہ السلام کو حکم دیا کہ فرعون کے پاس جا کر اسے توحید کا پیغام دیں کہ وہ صرف اکیلے اللہ کی عبادت کرے جس کا کوئی شریک نہیں اور بنی اسرائیل کو اپنے قبضے اور تسلط سے آزاد کرے۔ وہ جہاں چاہیں جا کر اپنے رب کی عبادت کریں اور اس کی توحید پر کاربند رہتے ہوئے اس سے دعا و انتساب میں مشغول ہو

کہ اسی نے جنہیں اور تم سے پہلے تمہارے آباء و اجداد کو پیدا کیا تھا۔ یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ فرعون نے اپنے آپ کو پیدا نہیں کیا، نہ ماں باپ کو پیدا کیا، نہ وہ کسی پیدا کرنے والے کے بغیر وجود میں آ گیا۔ بلکہ اسے اللہ نے پیدا کیا ہے جو تمام جہانوں کا مالک ہے۔ انہیں وکتوں کی طرف اس فرمان میں توبہ دلائی گئی ہے: ﴿سَبِّحْهُمْ لَئِنَّا فِي الْآفَاقِ وَفِي أُنْفُسِهِمْ خُفْيَ يُخَبِّرُونَ لَهُمْ أَقْنَهُ الْخَلْقِ﴾ ”مغرب ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق و عالم میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کی اپنی ذات میں بھی، یہاں تک کہ ان پر کھل جائے کتنی بڑی ہے۔“ (رحم السجدہ: 41/53)

اس کے باوجود فرعون اپنی مدد ہوشی سے ہوش میں نہ آیا اور گریہ کرنا ترک نہ کیا بلکہ کشتی، عناد اور کفر پر اڑا رہا۔ اس نے کہا: ﴿إِنَّ رَسُولَكُمْ الَّذِي أَمَرَ بِإِيَابِكُمْ لَكَاذِبُونَ﴾ ”(لوگو!) تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے، یہ تو یقیناً دیوانہ ہے۔“ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿رَبُّ الْبَشَرِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنَّ لَنُتَمَّ تَعْقِلُونَ﴾ ”وہی مشرق و مغرب کا اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا مالک ہے، اگر تم عقل رکھتے ہو۔“ یعنی یہ چمکتے ستارے، یہ گردش کرتے آسمان اسی کے حکم کے پابند ہیں، وہ نور و طلعت کا خالق ہے، زمین و آسمان کا مالک ہے وہ پہلوں، چمکوں کا مالک ہے، سورج، چاند، ستاروں اور سیاروں کا پیدا کرنے والا ہے اسی نے رات کو اور اس کے اندر میرے کو پیدا کیا، اسی نے دن کو اور اس کے اجالے کو بھی پیدا کیا۔ سب اسی کے حکم سے، اسی کے قانون کے مطابق چل رہے ہیں اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں، اپنے اپنے وقت پر طلوع اور غروب ہو رہے ہیں وہی خالق و مالک ہے جو اپنی مخلوقات میں جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

فرعون کی موسیٰ علیہ السلام کو دھمکی: فرعون جب دلائل کے میدان میں شکست کھایا، اس کے شبہات کا واضح جواب مل گیا اور اس کے پاس عناد اور ضد کے سوا انکار کی کوئی بنیاد نہ رہی تو اس نے اپنی بادشاہت، اقتدار اور اختیارات کا رعب ڈالنا چاہا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ لَيْسَ ابْتِغَاءُ لِحَاظِي عَذَرِي بِكُفْرِكَ مِنَ الْمُجْرِمِينَ﴾ قَالَ أَوْ لَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّهِينٍ ۚ قَالَ فَأَبَىٰ إِيَّاهُ إِنَّكَ مِنَ الْظَّالِمِينَ﴾ قَالَ لَيْسَ ابْتِغَاءُ لِحَاظِي عَذَرِي بِكُفْرِكَ مِنَ الْمُجْرِمِينَ﴾ قَالَ أَوْ لَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّهِينٍ ۚ قَالَ فَأَبَىٰ إِيَّاهُ إِنَّكَ مِنَ الْظَّالِمِينَ﴾

”فرعون کہنے لگا: (سُن لے!) اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تجھے قیدیوں میں شامل کروں گا۔ موسیٰ نے کہا: اگرچہ میں تیرے پاس کوئی کھلی چیز لے آؤں تو بھی؟ فرعون نے کہا: اگر تو بچوں میں سے تو ہے تو اسے پیش کر۔ آپ نے اسی وقت اپنی لاٹھی (زمین پر) ڈالی، جو اچانک زبردست اڑو باہن گئی اور اپنا ہاتھ کھینچ نکالا تو وہ بھی اس وقت دیکھنے والوں کو سفید چمکیا نظر آنے لگا۔“ (الشعراء: 29/33)

یہ وہ دموجرے ہیں، جن کے ساتھ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کی مدد فرمائی، یعنی عصا اور ید بضا۔ اسی مقام پر اللہ تعالیٰ نے ایسی خرق عادت اشیا ظاہر فرمائیں جن کو دیکھ کر عقلیں ششدر رہ گئیں اور آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ جب آپ نے اپنی لاٹھی

جو تہجاری طرف بھیجا گیا ہے، یہ تو یقیناً دیوانہ نہ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: وہی مشرق و مغرب کا اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا مالک ہے، اگر تم عقل رکھتے ہو۔“ (الشعراء: 26/23-28)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان ہونے والا مکالمہ اور مناظرہ بیان فرمایا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کی عقلی اور حسی دلیل کا ذکر کیا ہے جو آپ نے فرعون کو پیش کی۔

فرعون اللہ تبارک و تعالیٰ کے وجود کا انکار کرتا تھا اور دعویٰ کرتا تھا کہ وہ خود معبود ہے چنانچہ اس نے سب کو معبود کر کے اعلان کیا۔ ﴿أَنَا رَبُّكُمْ الْأَعْلَىٰ﴾ ”تم سب کا سب سے بلند و بالا رب میں ہی ہوں۔“ (الاحزاب: 24/79) دوسرے مقام پر اس طرح سے اس اعلان کو بیان کیا: ﴿يَا أَيُّهَا الْبَشَرُ مَا عْبُدْتُ لَكُمْ مِنْ آلِهَةٍ مِّنْ دُونِي﴾ ”اے درباریو! میں تو اپنے سوا کسی کو تمہارا معبود نہیں جانتا۔“ (القصص: 28/38)

وہ جنس جٹ بھڑی کی بنیاد پر یہ بات کہہ رہا تھا حالانکہ اسے معلوم تھا کہ وہ ایک بندہ ہے، جو کسی اور کے سایہ ربوبیت میں ہے اور اللہ ہی خالق اور سچا معبود ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَجَعَلُوا مِنْ دُونِهِ آلِهَةً لَّهُمْ عَمَلٌ شَتَّىٰ وَإِلَهُكُمُ الْقَائِلُ كَيْفَ كَانَ عَمَلُ الْمُفْسِدِينَ﴾

”انہوں نے صرف قلم اور تیکڑی بنا کر انکار کر دیا حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے۔ پس دیکھ لیجئے ان فتنہ پرداز لوگوں کا انجام کیا ہوا؟“ (النمل: 14/27)

اسی وجہ سے اس نے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کرتے ہوئے اور یہ اظہار کرنے کے لیے کہ آپ کو نبوت فرمانے والے کسی رب کا کوئی وجود نہیں ہے، کہا: ﴿مَا رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ ”رب العالمین کیا ہوتا ہے؟“ کیونکہ موسیٰ اور ہارون علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ ”ہم ملاشراب العالمین کے بھیجے ہوئے ہیں۔“ گویا وہ کہہ رہا تھا کہ وہ رب العالمین کون ہے جس کے بارے میں تمہارا دعویٰ ہے کہ اس نے جنہیں رسول بنا کر بھیجا ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب میں کہا: ﴿رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنَّ لَكُمْ فِيهِ خُفُوفِينَ﴾ ”وہ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا مالک ہے، اگر تم یقین رکھتے والے ہو۔“ یعنی جہانوں کا مالک ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، جو تمہاری نظروں کے سامنے ہیں اور ان کے درمیان بہت سی مخلوقات کو پیدا کیا ہے۔ مثلاً: ہاڈل، ہوا، آسمان، نباتات اور حیوانات جن کے بارے میں ہر یقین رکھنے والا جانتا ہے کہ یہ خود بخود وجود میں نہیں آ گئے، لازماً کوئی انہیں وجود بخشے والا اور پیدا کرنے والا ہے اور وہ اللہ رب العالمین ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

فرعون نے اپنے وزیروں، امیروں اور درباریوں سے کہا: ﴿أَكَا تَسْتَعْجِلُونَ﴾ ”کیا تم سن نہیں رہے؟“ یعنی موسیٰ علیہ السلام کی باتوں کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا: کیا تم اس بات کی سن رہے ہو؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کے درباریوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ﴿رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ﴾ ”تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادا کا پروردگار ہے۔“ مطلب یہ ہے

﴿إِذْ هَبَ أَنتَ وَآخُوكَ بِالْبَيْتِ﴾ ”اب تو اپنے بھائی سمیت میری نشانیاں ہمراہ لیے ہوئے جاؤ۔“ اور جب تم دونوں فرعون کے پاس پہنچ جاؤ تو ﴿وَلَا تَنفِيَا فِي ذِكْرِي﴾ ”میرے ذکر میں سستی نہ کرنا۔“ اس کی برکت سے تمہیں فرعون سے بات کرنے میں نصیحت کرنے میں اور دلائل پیش کرنے میں مدد حاصل ہوگی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِذْ هَبْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ﴾ ﴿فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لِّنَا لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ﴾ ”تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ! اس نے بڑی سرکشی کی ہے۔ اسے نرمی سے سمجھاؤ۔ شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے۔“ اس سے اللہ تعالیٰ کا علم و کرم اور مخلوق پر اس کی رافت و رحمت ظاہر ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو فرعون کا کفر، عناد اور تکبر معلوم تھا۔ وہ اس دور کا بدترین انسان تھا اور اللہ تعالیٰ اس کی طرف زمانے کے افضل ترین انسانوں کو بھیج رہا تھا، پھر بھی انہیں یہی حکم دیا کہ اسے اچھے طریقے سے اور نرمی سے تبلیغ کریں اور اس سے اس طرح پیش آئیں جس طرح اس شخص سے بات کی جاتی ہے جس کے بارے میں نصیحت قبول کرنے کی اور خدا خوفی کی امید ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ سے فرمایا:

﴿أَنْذِرْ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمِ وَالْمَوْظِعِ الْحَسَنِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾

”اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو اللہ کی وحی اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلائیے اور ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کیجیے۔“ (الحمل: 125/16)

اور فرمایا:

﴿وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾

”اہل کتاب کے ساتھ بحث و مباحثہ نہ کرو، مگر اس طریقہ پر جو عمدہ ہو۔“ (العنکبوت: 46/29)

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا: ﴿رَبَّنَا إِنَّا أَتَيْنَاكَ أَنْ يَغْلِبَ عَلَيْنَا أَوْ أَنْ يُغْلِبَ﴾ ”اے ہمارے رب! ہمیں خوف ہے کہ کہیں فرعون ہم پر کوئی زیادتی نہ کرے یا اپنی سرکشی میں بڑھ نہ جائے۔“ اس کی وجہ یہ تھی کہ فرعون سرکش، جبار اور مردود و دیہقان تھا۔ ملک مصر کے طول و عرض میں اس کی حکومت تھی۔ وہ بڑے لشکروں پر حکم چلانے والا اور جادو جلال کا مالک تھا۔ اس لیے بڑھتے سے انہیں خوف محسوس ہوا کہیں وہ شروع ہی سے ظلم و زیادتی نہ کر دیا اختیار نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا: ﴿لَا تَخَافَا وَتَبْتَغِيَا سَبِيلَ اللَّهِ﴾ ”تم مطلقاً خوف نہ کرو میں تمہارے ساتھ ہوں اور سزا دیتا ہوں گا۔“ جیسے دوسرے مقام پر ارشاد ہے: ﴿إِنَّا مَعَكُمْ مُسْتَعِينُونَ﴾ (الشعراء: 15/26)

”ہم خود سننے والے تمہارے ساتھ ہیں۔“

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا:

﴿فَاتَّبِعْهُ فَقُولَا إِنَّا رَسُولَا رَبِّكَ مَعْزَتَا رَبِّكَ لِسِرِّهِمْ وَلَا تُخِيبُهُمْ قَدْ جِئْنَاكَ بِآيَاتٍ مِنْ رَبِّكَ وَالسَّلَامُ عَلَىٰ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ﴾

﴿إِنَّا قَدْ أُوحِيَ إِلَيْنَا أَنَّ الْعَذَابَ عَلَىٰ مَنْ لَزَّبَ وَتَوَلَّىٰ﴾

زین پر پہنچ گئی تو وہ بہت بڑا خوفناک سانپ بن گئی۔ یہ منظر اتنا دہشت زدہ کرنے والا تھا کہ ایک قول کے مطابق یہ مجروحہ و کچھ کر فرعون شدید خوف زدہ ہو گیا۔

اسی طرح جب موسیٰ علیہ السلام نے گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکالا تو وہ چاند کے ٹکڑے کی طرح چمک رہا تھا اور اس کے نور سے آنکھیں چند منٹ ہی گھٹیں۔ جب آپ نے دو بارہ گریبان میں ڈال کر نکالا تو وہ عام حالت میں واپس آ چکا تھا۔ ان سب دلائل سے بھی فرعون کو کوئی فائدہ نہ ہوا بلکہ وہ اپنے کفر پر اڑا رہا۔ اس نے ان فجوات کو جادو قرار دیا اور اس کا مقابلہ جادو کے ذریعے سے کرتا چلا۔ اس نے اپنے ملک کے ان تمام جادو گردوں کو جمع کرنے کے لیے آدی بھیج دیے جو اس کی ریت میں شامل تھے لیکن اس کے نتیجے میں حق کی حقانیت مزید واضح اور پختہ ہو گئی جیسے کہ تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔ فرعون کو دلائل و معجزات کے ساتھ دعوت توحید: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا کہ اے نرمی اور دلائل کے ساتھ دعوت حق پہنچائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے احسن انداز میں اسے تبلیغ کی مگر وہ منکر کی طور پر نہ سمجھا بلکہ اپنی ہمت دھری اور غشی پر ڈٹا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَلَمَّا كُنْتُ بِسَيْنٍ فِي أَهْلِ مَدْيَنَ عَلَّمَ جُنَّتَ عَلَىٰ قَدَرٍ يُمُنُّونَ﴾ ﴿وَاصْطَلَعْتَكَ لِنَفْسِي﴾ ﴿إِذْ هَبَ أَنتَ وَآخُوكَ بِالْبَيْتِ وَلَا تَنفِيَا فِي ذِكْرِي﴾ ﴿إِذْ هَبْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ﴾ ﴿فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لِّنَا لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ﴾ ﴿فَالَا رَجَبًا إِنَّا نَخَافُ أَنْ يُفَرْطَ عَلَيْنَا أَوْ أَنْ يُطْغَىٰ﴾ ﴿قَالَ لَا تَخَافَا إِنِّي مَعَكُمْ﴾ ﴿أَسْمِعْ وَأَذَىٰ﴾

”پھر تو کئی سال مدین کے لوگوں میں بظہار آیا۔ پھر اے موسیٰ! تو تقدیر الہی کے مطابق تو آیا اور میں نے تجھے خاص اپنی ذات کے لیے پسند فرمایا۔ اب تو اپنے بھائی سمیت میری نشانیاں ہمراہ لیے ہوئے جاو (خبردار!) میرے ذکر میں سستی نہ کرنا۔ تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ! اس نے بڑی سرکشی کی ہے، سو اسے نرمی سے سمجھاؤ۔ شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے۔“ دونوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہمیں خوف ہے کہ کہیں فرعون ہم پر کوئی زیادتی نہ کرے یا اپنی سرکشی میں بڑھ نہ جائے۔ جواب ملا: جہنم (کس قسم کا) خوف نہ کرو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں اور سزا دیتا ہوں گا۔“ (طہ: 46/20-40)

اللہ تعالیٰ نے جس رات موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا اور نبوت کا منصب عطا فرمایا، اس وقت کلام کرتے ہوئے فرمایا: جب تو فرعون کے گھر میں رہتا تھا، میں اس وقت بھی تیری دیکھ بھال، حفاظت کرتا تھا اور تجھے میری عنایت حاصل تھی، پھر میں نے تجھے مصر سے نکال کر مدین پہنچا دیا۔ اس میں میری مشیت، قدرت اور تدبیر کا فرما تھی۔ تو سالوں وہاں رہا پس پذیر رہا۔ ﴿ثُمَّ جِئْتُكَ عَلَىٰ قَدَرٍ﴾ ”پھر تو تقدیر کے مطابق آیا۔“ دیکھی میرا ہی فیصلہ تھا۔ ﴿وَاصْطَلَعْتَكَ لِنَفْسِي﴾ ”اور میں نے تجھے خاص اپنی ذات کے لیے پسند فرمایا۔“ تاکہ تجھے اپنا کام عطا فرما کر رسول بنا دوں۔

پھر اسی بردسات کی وجہ سے مختلف قسم کی پیداوار بھی ہم (اللہ) ہی پیدا کرتے ہیں۔ تم خود بھی کھاؤ اور اپنے چوپایوں کو بھی چراؤ! کچھ شک نہیں کہ اس میں عقل مندوں کے لیے بہت ہی نشانیاں ہیں۔ اسی (زمین) سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں پھر واپس لوٹائیں گے اور اسی سے دوبارہ تم سب کو نکال کھڑا کریں گے۔ (طہ: 55-49/20)

اللہ تعالیٰ نے فرعون کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ اس نے خالق کا انکار کرتے ہوئے کہا: **قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ حَلَقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ** ”اے موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے؟“ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: ”ہمارا رب وہ ہے، جس نے ہر چیز کو اس کی خاص شکل و صورت عطا فرمائی، پھر اہرہا دیکھا۔“ یعنی وہی ہے جس نے مخلوقات کو پیدا فرمایا، ان کے اعمال، رزق اور ہر کام کا فیصلہ فرمایا اور یہ سب کچھ لوح محفوظ میں درج کر لیا۔ پھر ہر مخلوق کو وہ راستہ بھیجایا جس کے لیے اسے پیدا کیا تھا، چنانچہ اس کے اعمال اسی انداز سے ظاہر ہوئے جو اللہ کی تقدیر اور اس کے علم کے مطابق تھا اور یہ اس کے علم کا عمل ہونے کی دلیل ہے۔ اسی مفہوم میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ الَّذِي خَلَقَ فَهْوَ وَ الَّذِي ذَرَأَ النَّجْمَ دَقْدَقَ فَهْدَىٰ﴾

”اپنے بلند مرتبہ مالک کے نام کی پاکیزگی بیان کر جس نے پیدا کیا اور جسے سالم بنایا اور جس نے (نھیک ٹھیک)

اندازہ کیا اور پھر راہ دکھائی۔“ (الاعلیٰ: 3-1/87)

اس نے کہا: **﴿فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَىٰ﴾** ”اگلے زمانے والوں کا کیا حال ہے؟“ یعنی فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: اگر تیرا رب ہی پیدا کرنے والا، تقدیر بنانے والا اور اس کے مطابق لوگوں کو راہ دکھانے والا ہے اور اس کی شان ہے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، پھر سابقہ دور کے لوگوں نے غیر اللہ کی پوجا کیوں کی؟ اور اس کے ساتھ ستاروں اور باطل معبودوں کیوں شریک کرتے رہے؟ کرشمہ زناؤں کے لوگوں کو اس بات کی سمجھ کیونہ نہ آئی جو تو ہمیں بتا رہا ہے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: **﴿عَلَيْهَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتَابٍ لَّا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنسَىٰ﴾** ”ان کا علم میرے رب کے پاس کتاب میں موجود ہے۔ میرا رب نہ تو غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے۔“ یعنی اگر ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کی پوجا کی ہے، تو یہ بات تیرے حق میں دلیل نہیں بنتی اور نہ اس سے میری بات غلط ثابت ہوتی ہے کیونکہ وہ لوگ بھی تیری طرح جاہل تھے۔ ان کے تمام چھوٹے بڑے اعمال ان کے ریکارڈ میں درج ہیں میرا رب ان کا صحیح بدلہ دے گا۔ وہ کسی پروردگار برابر بھی ظلم نہیں کرے گا کیونکہ بندوں کے تمام اعمال اس کے پاس کتاب میں لکھے ہوئے موجود ہیں۔ میرا رب ان میں سے کوئی چیز نہیں بھولتا، نہ غلطی کرتا ہے۔

اس کے بعد آپ نے اللہ کی عظمت بیان فرمائی کہ وہ تمام اشیاء پیدا کرنے پر قادر ہے۔ اس نے زمین کو چھوٹا اور آسمان کو محفوظ چھت بنایا ہے۔ انسانوں، جانوروں اور دوسرے جانوروں کے رزق کے لیے بادلوں اور بارشوں کو مقرر کر رکھا ہے۔ وہ فرماتا ہے: **﴿كُلُوا وَارْزُقُوا إِنَّمَا أَعْلَمُكُمْ أَنَّ فِي ذَٰلِكُمْ لَآيَاتٍ لِّأُولِي النَّفْثِ﴾** ”تم خود بھی کھاؤ اور اپنے چوپایوں

”تم اس کے پاس جا کر کہو: ہم تیرے پروردگار کے پیغمبر ہیں۔ تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔ ان کی سزائیں موقوف کر۔ ہم تو تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں اور سلامتی اسی کے لیے ہے جو ہدایت کا پابند ہو جائے۔ ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ جو جھٹلائے اور روگردانی کرے، اس کے لیے عذاب ہے۔“ (طہ: 48/47/20)

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہ السلام کو حکم دیا کہ فرعون کے پاس آ کر اسے اللہ کی طرف بلائیں اور اسے توحید کی دعوت دیں کہ وہ اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کرے اور بنی اسرائیل کو بھیج دے آزاد کرے ان کے ساتھ بھیج دے اور انہیں عذاب میں مبتلا نہ رکھے۔ **﴿قَدْ جَنَّكَ بَآيَاتِ رَبِّكَ﴾** ”ہم تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے دلیل لے کر آئے ہیں۔“ وہ عظیم دلیل عصا اور بدھیشا کے جھڑت ہیں۔ **﴿وَالسَّلَامُ عَلَيَّ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ﴾** ”اور سلامتی اسی کے لیے ہے جو ہدایت کا پابند ہو جائے۔“ یہ ایک مبلغ، عظیم اور مفید نکتہ ہے۔ پھر دونوں حضرات نے فرعون کو کھنڈک کے برے نتیجے سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا: **﴿إِنَّا كُنَّا أَوْفَىٰ لِلْعَذَابِ أَلَّا نَكْذِبَ وَكُنَّا﴾** ”ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ جو جھٹلائے اور روگردانی کرے اس کے لیے عذاب ہے۔“ یعنی دل سے کھنڈک ہے اور بدن کے ساتھ عمل سے پہلو تہی کرے۔

فرعون پر اتمام حجت

موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو کئی دلائل سے دعوت دی مگر اس کا فرے سب کا انکار کر کے آپ کو جاودہ گرفتار دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ مَحْنُ رَبِّكُمَا لَيْسَ بِي وَلَا بِرَبِّكَ ۚ إِنَّمَا أَمْرٌ بِالْأُولَىٰ ۚ قَالَ عَلَيْنَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتَابٍ لَّا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنسَىٰ ۚ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَسَلَّكَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ أَزْوَاجًا مِنْ نَبَاتٍ شَتَّىٰ ۚ كُلُوا وَارْزُقُوا إِنَّمَا أَعْلَمُكُمْ أَنَّ فِي ذَٰلِكُمْ لَآيَاتٍ لِّأُولِي النَّفْثِ ۚ وَنُفِخَ فِيهِمْ كَذِبًا وَأَخْرَجُوا﴾

”فرعون نے پوچھا: اے موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے؟ جواب دیا کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی خاص شکل و صورت عطا فرمائی، پھر اہرہا دیکھا۔ اس نے کہا: (اچھا! یہ تو بات!) اگلے زمانے والوں کا کیا حال ہوتا ہے؟ جواب دیا کہ ان کا علم میرے رب کے پاس کتاب میں موجود ہے۔ میرا رب نہ تو غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے۔ اسی نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا ہے اور اس میں تمہارے چلنے کے لیے راستے بنائے ہیں اور آسمان سے پانی بھی وہی برساتا ہے

اعلان کر دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَالَتِ السَّحَرَةُ سَجْدًا قَالُوا أَصْدَأُ يَرْبِ هَرُونَ وَمُوسَى قَالَ أَمْتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ أَدْنِ لَكُمْهُ إِنَّهُ لَكِبْرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَا قِطْعَنَ أَيْدِيَكُمْ وَأَنْجَلَكُمْ مِنْ خِلَافٍ وَلَا وَصِيَّتَكُمْ فِي جُودِ الْخَلْقِ وَتَلَكَّمْنِ إِنِّي أَشَدُّ عَذَابًا وَأَنْبَغِي قَالُوا لَنْ نُؤْيِيكَ عَلَى مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالَّذِي فَطَرَنَا قَاطِعٍ إِنَّمَا تَقْعُصُ هَذِهِ الْحَيَوةَ الدُّنْيَا إِنَّا أَمَّا بِرَبِّنَا لَا مُعْجِزَ لَنَا خَلْقَيْنَا وَمَا أَكْرَهْنَاهَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ وَاللَّهِ خَيْرٌ وَأَنْبَغِي إِنَّهُ مِنْ يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَى وَمَنْ يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُولَئِكَ لَهُمُ الدَّارُ الْاُولَى لَعَلَّ يَجْتَنِبُ عَذَابَ تَعْوِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَلِيدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ جَزَاءُ مَنْ تَزَكَّى ۝﴾

”جادوگر سجدے میں گر پڑے (اور) کہنے لگے کہ ہم بارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لائے۔ (فرعون) بولا: جیشر اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں تم اس پر ایمان لے آئے۔ چٹک وہ تمہارا بڑا (استاد) ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے موسیٰ تمہارے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے نکادوں گا اور تمہیں سمجھو کہ تنوں پر سولی چڑھا دوں گا۔ اس وقت تم کو معلوم ہوگا کہ ہم میں سے کس کا مذاب زیادہ سخت اور دیرینہ رہنے والا ہے۔ انہوں نے کہا: جو دلائل ہمارے پاس آگئے ہیں، اُن پر اور جس نے ہم کو پیدا کیا ہے اس پر ہم تجھے ہرگز ترجیح نہیں دیں گے سو تجھے جو حکم دیتا ہے، دے دے اور تو جو حکم دے سکتا ہے وہ دنیا ہی کی زندگی میں (دے سکتا) ہے۔ ہر ایک ہم اپنے پروردگار پر ایمان لائے ہیں تاکہ وہ ہمارے لگتا ہوں کو معاف کرے اور (اُسے بھی) جو تو نے ہم سے زبردستی جادو کروایا اور اللہ بھرا باقی رہنے والا ہے۔ جو شخص اپنے پروردگار کے پاس گناہ ہو کر آئے گا تو اس کے لیے جہنم ہے جس میں دمرے گا اور نہ جیسے گا اور جو اس کے زبرد اور ایماندار ہو کر آئے گا اور اس نے عمل بھی نیک کیے ہوں گے تو ایسے لوگوں کے لیے اونچے اونچے درجے ہیں (یعنی) ہمیشہ رہنے کے باغ جن کے نیچے نہر ہیں بہا رہی ہیں۔ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہ اُس شخص کا بدلہ ہے جو پاک ہوا۔“ (صلہ: 76-70/20)

مفسرین فرماتے ہیں: جب جادوگروں نے سجدہ کیا تو انہیں جنت کے عملات نظر آئے جو ان کے لیے حیران کیے اور سچے ستارے جا رہے تھے اس لیے ان پر فرعون کی وجہیں کو کوئی اثر نہ ہوا۔

جب فرعون نے دیکھا کہ یہ جادوگر مسلمان ہو گئے ہیں جس کی وجہ سے عوام کی نظروں میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہ السلام کی قدر و منزلت میں بیش بہا اضافہ ہو گیا ہے تو وہ گھبرا گیا اس کی عقل پر پردہ پڑ گیا چنانچہ اس نے اللہ کی راہ سے روکنے کے لیے مکر فریب کا سہارا لیا اور لوگوں کے سامنے جادوگروں کو مخاطب کر کے کہا: ﴿ اَمْتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ أَدْنِ لَكُمْ ۝﴾ ”کیا میری

دی فرماؤ: ﴿ لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنْتَ الْأَخْلَى ۝ وَآلَيْكَ مَا فِي يَمِينِكَ تَلَقَّفْ مَا صَنَعُوا ۝ إِنَّمَا سَعَوْا لَكِ سِجْدًا وَلَا يُفْلِحُ السَّاجِدُ حَيْثُ أَتَى ۝﴾ ”کچھ خوف نہ کر، یقیناً تو ہی غالب رہے گا اور تیرے دائیں ہاتھ میں جو ہے اسے ڈال دے کہ وہ ان کی تمام کاریگری کو نکل جائے۔ انہوں نے جو کچھ بنایا ہے، یہ سب جادوگروں کے کربت ہیں اور جادوگر کہیں سے بھی آئے گا کامیاب نہیں ہوتا۔“ (صلہ: 69-68/20)

اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈال دیا اور فرمایا:

﴿ مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ إِنَّ اللَّهَ سَيُبْطِلُهُ إِنَّ اللَّهَ لَا يَصْلُحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِينَ ۝ وَيَحْيَى اللَّهُ النَّحْيَ بِكَلِمَتِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ۝﴾

”یہ جو کچھ تم لائے ہو جادو ہے۔ یقینی بات ہے کہ اللہ اس کو ابھی دوہم پر ہم کر دے گا۔ اللہ ایسے فساد یوں کا کام بخنے نہیں دیتا اور اللہ تعالیٰ حق کو اپنے فرمان سے ثابت کر دیتا ہے گو مجرم کیسایا ناگوار جائیں۔“ (بنیسن: 82/18/10)

جادوگروں کی شکست اور قبول اسلام: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا پھینکا تو اس نے زبردست اثر دے کر شکل

اختیار کر لی اور جادوگروں کی تمام رسیاں نکل گیا۔ یہ مچھو کہہ کر جادوگر فوراً مسلمان ہو گئے۔ ارشاد: باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ يَأْتِ عَصَاكَ فَإِذَا فِي يَدِ تَلَقَّفْ مَا يَأْفِكُونَ ۝ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ فَغُلِبُوا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوا صُغِيرِينَ ۝ وَأَنفَقَ السَّحَرَةُ سَجْدِينَ ۝ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ۝﴾

”اور ہم نے موسیٰ پر وحی کی کہ اپنا عصا ڈال دیجیے۔ اچانک اس نے ان کے سینے ہائے کھیل کو ٹھنڈا شروع کر دیا۔ یوں حق ظاہر ہو گیا اور انہوں نے جو کچھ بنایا تھا سب جاتا رہا۔ پس وہ لوگ اس موقع پر ہار گئے اور خوب ذلیل ہو کر پھرنے لگے اور وہ جو ساتھی تھے سجدے میں گر گئے۔ کہنے لگے: ہم ایمان لائے رب العالمین پر جو موسیٰ اور ہارون کا بھی رب ہے۔“ (الأعراف: 122-117/7)

متعدد علمائے کرام نے ذکر کیا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے عصا ڈالا تو وہ ایک بہت بڑا سانپ بن گیا جس کے پاؤں بھی تھے، بہت بڑی گردن اور خوفناک شکل تھی۔ لوگ اسے دیکھ کر چیخے بٹے اور بھاگنے لگے۔ وہ ان کی تکی کی ہوئی رسیوں اور لٹھیوں کی طرف آیا اور بہت تیزی سے ایک ایک کر کے انہیں نفلے لگا۔ لوگ دیکھ دیکھ کر توجہ کر رہے تھے۔ رے جادوگر تو وہ بہ صورت حال دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ ان کے سامنے ایک ایسی حقیقت آگئی تھی جس کے بارے میں وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ یہ چیز ان کے کرفوں سے ماورات تھی تب وہ اپنے ظلم کی روشنی میں اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ جادو یا شعبہ نہیں، نہ وہم و خیال ہے بلکہ یہ حق ہے جو صرف حق تعالیٰ کی قدرت سے ظاہر ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل سے غفلت کا پردہ ہٹا دیا اور انہیں ہدایت کی روشنی سے منور کر دیا۔ ان کے دلوں کی سختی دور ہو کر اللہ کی طرف توجہ حاصل ہو گئی، چنانچہ وہ سجدے میں گر گئے۔ انہوں نے کسی سزا یا آزمائش کا خوف نہ رکھتے ہوئے سب کے سامنے موسیٰ و ہارون علیہ السلام کے رب پر ایمان لانے کا

فَعَلِمُوا هَذَا لَكَ وَانْقَلَبُوا صَغِيرِينَ ۖ وَالْبَقِيَّةُ السَّحَرَةُ سَاجِدِينَ ۖ قَالُوا أَمَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۚ رَبِّ مُوسَى وَهَارُونَ ۚ قَالَ فِرْعَوْنُ ائْتِنْتُمْ بِهِ قَبْلَ أَنْ أَذِنَ لَكُمْ: إِنَّ هَذَا لَبَكْرٌ مَكْرُوهٌ فِي الْمَدِينَةِ يُخْرِجُوا مِنْهَا أَهْلَهَا فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۚ لَا تَقْعَبَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَجْعَلْكُمْ مِنْ خِلَافٍ لَكُمْ لَأَصْلَبَكُمْ أَجْمَعِينَ ۚ قَالُوا إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ ۚ وَمَا نَنْقِمُ مِنْكَ إِلَّا أَنْ أَمَّا بِرَبِّكَ إِنَّا جَاءُوكَ أَفْرَاحًا عَلَيْنَا صِدْقًا وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ ۚ

”پھر ان پیغمبروں کے بعد ہم نے موسیٰ کو نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے عیان سلطنت کے پاس بھیجا تو انہوں نے اس کے ساتھ کفر کیا، سو دیکھ لو کہ خرابی کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا؟ اور موسیٰ نے کہا کہ اے فرعون! میں رب العالمین کا پیغمبر ہوں۔ مجھ پر واجب ہے کہ اللہ کی طرف سے جو کچھ کہوں سچ ہی کہوں۔ میں تمہارے پاس تمہارے پروردگاری کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں، لہذا اپنی اسرائیل کو میرے ساتھ جانے کی رخصت دو۔ فرعون نے کہا کہ تم جو نشانی لے کر آئے ہو اگر سچے ہو تو لاؤ (دکھاؤ) وہ نشانی۔ موسیٰ نے اپنی لاٹھی (زین پر) ڈال دی وہ اسی وقت صرغ اڑا (بن گئی) اور اپنا ہاتھ باہر نکالا تو اسی دم دیکھنے والوں کی نگاہوں میں سفید براق (تھا) پھر قوم فرعون میں جو سردار تھے وہ کہنے لگے کہ یہ بڑا ماہر جادوگر ہے۔ اس کا ارادہ یہ ہے کہ تم کو تمہارے ملک سے نکال دے۔ بھلا تمہاری کیا صلاح ہے؟ انہوں نے (فرعون سے) کہا کہ فی الحال موسیٰ اور اس کے بھائی کے معاملے کو نظر انداز کیجیے اور شہروں میں قیام روانہ کر دیجیے کہ تمام ماہر جادوگر کو آپ کے پاس لے آئیں۔ (چنانچہ ایسا ہی کیا گیا) اور جادوگر فرعون کے پاس آچھپے اور کہنے لگے اگر تم جیت گئے تو ہمیں صلہ عطا کیا جائے گا؟ (فرعون نے) کہا: ہاں (ضرور) اور (اس کے علاوہ) تم مقبروں میں داخل کر لیے جاؤ گے (جب فریقین روز مقرر پر جمع ہوئے تو) جادوگروں نے کہا کہ موسیٰ یا تو تم (جادو کی چیز) ڈالو یا ہم ڈالے ہیں (موسیٰ نے) کہا تم ہی ڈالو۔ جب انہوں نے (جادو کی چیزیں) ڈالیں تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور (لاٹھیوں اور رسیدوں کے سانپ بنانا کر) انہیں ڈرا دیا اور بڑا بھاری جادو دکھایا۔ (اس وقت) ہم نے موسیٰ کی طرف دینی بھیجی کہ تم بھی اپنی لاٹھی اٹھاؤ وہ فوراً (سانپ بن کر) جادوگروں کے بتائے ہوئے سانپوں کو (ایک ایک کر کے) نگل جائے گا۔ (یہ تو) پھر) حق ثابت ہو گیا اور جو کچھ فرعون کی کرتے تھے باطل ہو گیا اور وہ مغلوب ہو گئے اور ذلیل ہو کر رہ گئے۔ (یہ کیفیت دیکھ کر) جادوگر ہمدے میں گر پڑے اور کہنے لگے کہ ہم جہان کے پروردگار پر ایمان لائے (یعنی) موسیٰ اور ہارون کے پروردگار پر۔ فرعون نے کہا کہ پیشتر اس کے میں تمہیں اجازت دوں، تم اس پر ایمان لے آئے؟ جب تک یہ فریب ہے جو تم نے شہر میں دکھایا ہے تاکہ اہل شہر کو یہاں سے نکال دو سو فریب (اس کا نتیجہ) معلوم کر لو گے۔ میں (پہلے تو) تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کو اودوں کا پھر تم سب کو سولی پر

اجازت سے پہلے ہی تم اس پر ایمان لے آئے؟“ تم نے میری ریت کے سامنے اسے ہمایاں کریم کا ارتکاب کیا اور مجھ سے پوچھا کئی نہیں۔ پھر وہ بہت گر جا، برس، بہت دھمکیاں دیں اور سفید جھوٹ بولتے ہوئے کہا: إِنَّهُ لَكَايِدٌ كَايِدٌ اَلَّذِي عَلَيَكُمْ الْبَحْرُ ۚ ”یقیناً میں تمہارا وہ بڑا بزرگ ہے جس نے تم سب کو جادو سکھایا ہے۔“

جیسے دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ اس نے کہا:

﴿إِنَّ هَذَا لَبَكْرٌ مَكْرُوهٌ فِي الْمَدِينَةِ يُخْرِجُوا مِنْهَا أَهْلَهَا فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ﴾ ۚ

”بے شک یہ سازش تھی جس پر تم نے اس شہر میں عمل کیا ہے تاکہ تم سب اس شہر سے یہاں کے رہنے والوں کو باہر نکال دو۔ سو اب تم کو حقیقت معلوم ہو جائے گی۔“ (الأعراف: 123/7)

اس کی یہ بات سراسر بہتان ہے اور ہر عقل مند پر واضح ہے کہ اس میں جھوٹ اور ہڈیاں ہیں۔ اس پر تو وہ بھی یقین نہیں کر سکتا جو بالکل نادان ہے کیونکہ اس کے ملک کے لوگ بلکہ دوسرے بھی جانتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان لوگوں کی زندگی میں ایک بار بھی ملاقات نہیں ہوئی، تو آپ ان کو جادو سکھانے والے کیسے ہو سکتے ہیں؟ پھر انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو جمع کیا نہ آپ کو ان کے قبیح ہونے کی خبر تھی بلکہ فرعون نے انہیں خود بلایا تھا اور انہیں روزِ نزیک سے، مصر کے اطراف و اکناف سے، شہروں سے اور دیہات سے حاضر کرایا تھا۔

جادوگروں کو فرعون کی دھمکیاں، سارے عوام کے سامنے فرعون کو زبردست ہزیمت کا مزہ چکھنا پڑا جبکہ اس کے بالائے ہوئے جادوگر مسلمان ہو گئے تو وہ غصے سے پاگل ہو گیا اور مسلمانوں کو شہید سزا کی دھمکیاں دینے لگا۔ سورۃ اعراف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ ابْنَتَنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَظَلَمُوا بِهَا ۚ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ۚ قَالَ مُوسَىٰ يَفِرْعَوْنُ إِنِّي رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۚ حَقِيقٌ عَلَىٰ أَنْ لَا أَقُولَ عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ۚ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَاتٍ مِنْ رَبِّكُمْ فَأَنْصِتُوا لِمَنْ بَقِيَ إِسْرَءِيلَ ۚ قَالَ إِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِآيَةٍ فَلَا تَنْفِرْ بِهَا ۚ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِينَ ۚ فَاتْلُ عَصَاَ فَإِذَا هِيَ بَشِيرٌ مُّبِينٌ ۚ وَكَرَّ يَدُهُ فَإِذَا هِيَ بَشِيرٌ مُّبِينٌ ۚ قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ هَذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ ۚ يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ۚ قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاذَهُ وَأَنْصِلِ إِلَىٰ الْمَدَائِنِ خَشِيرِينَ ۚ يَأْتُواكَ بِكُلِّ سِحْرِ عَلِيمٍ ۚ وَجَاءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوا إِنَّ لَنَا لَكَجْرًا ۚ إِنَّ لَنَا نَحْنَ الْغَالِبِينَ ۚ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ لَكَبِيرٌ مِنَ الْقَارِيَةِ ۚ قَالُوا لِمُوسَىٰ إِنَّمَا أَنْتَ ابْنُ مَرْيَمَ ۚ وَجَاءَ وَبِخَيْرٍ عَظِيمٍ ۚ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَلْقِ عَصَاكَ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ۚ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۚ

فَجَمِيعُ السَّحَرَةِ لِبَيْعَاتِ يَوْمٍ مُّعْلُوْمٍ ۖ وَفِيْلَ الْيَأْسِ مَلَأْنَهُمْ مُّجْتَبِعُوْنَ ۖ لَكُنَّا نَنْتَبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْهُمُ الْغَالِبِيْنَ ۖ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَيْنَ لَنَا لَكَجْرَانٌ كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِيْنَ ۚ قَالَ نَعَمْ وَاللَّهِ اِيْذَا كُنَّ الْمُتَقَرَّبِيْنَ ۚ قَالَ لَهُمْ مُّوسَى اَلْقُوا مَا اَنْتُمْ مُّلقُوْنَ ۚ فَلَقَا جِبَابَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ قَالُوْا اِعِدُّوْهُ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبِيْنَ ۚ قَالَتْ مُوسَى اَعَصَا ۙ فَلَمَّا جِئَ تَلَقَّفَ مَا يَافِكُوْنَ ۚ فَالْقَى السَّحَرَةَ لَمُجِيْبِيْنَ ۚ قَالُوْا اَمَّا رَبُّ الْعَالَمِيْنَ ۚ رَبُّ مُوسَى وَهَارُونَ ۚ قَالَ اَمَنْتُمْ لِهٰذَا قَبْلَ اَنْ اَذُنَ لَكُمْ ۙ اِنَّكُمْ لَكَاذِبُوْنَ ۚ اَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ اِلٰهٌ يَّغِيْثُ السَّحَرَةَ فَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ ۚ لَا يَصِحُّ اِيْدِيَكُمْ وَاجْلُكُمْ مِنْ خِلَافٍ وَلَا وَصِيَّتُكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۚ قَالُوْا لَا صَبِيْرَ اِنَّا اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۚ اِنَّا نَظْمِعُ اَنْ نُّغَيِّرَ لَنَا رُبًّا ۚ حَطَبًا اَنْ كُنَّا اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۶۰

” (فرعون نے) کہا کہ اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تمہیں قید کر دوں گا۔ (موسیٰ نے) کہا: خواہ میں آپ کے پاس روشن چیز یعنی مغزوہ لاؤں تو بھی؟ فرعون نے کہا: اگر ہے تو ہوا سے لاؤ! (دکھاؤ!) پس انہوں نے اپنی لامٹی ڈالی تو وہ اسی وقت صریح اذہا بن گئی اور اپنا ہاتھ گریبان سے نکالا تو اسی دم دیکھنے والوں کو سفید (براق نظر آنے) لگا۔ فرعون نے اپنے ارد گرد سرداروں سے کہا کہ یہ کال فن جادوگر ہے۔ چاہتا ہے کہ تم کو اپنے جادو (کے زور) سے تمہارے ملک سے نکال دے۔ سو تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا کہ اُسے اور اس کے بھائی (کے بارے) میں کچھ تو کھینچ دیجئے اور شہروں میں ہر کارے بھیج دیجئے کہ تمام ماہر جادوگروں کو (مع کر کے) آپ کے پاس لے آئیں۔ سو جادوگر ایک مفردوں کی عیاد پر جمع ہو گئے اور لوگوں سے کہہ دیا گیا کہ تم (سب) کو اکٹھے ہو کر جانا چاہیے تاکہ اگر جادوگر غالب رہیں تو ہم ان کے پیرو ہو جائیں۔ جب جادوگر آ گئے تو فرعون سے کہنے لگے کہ اگر ہم غالب رہے تو تمہیں صلی بھی لگاؤ؟ فرعون نے کہا: ہاں اور تم مقربوں میں داخل کر لیے جاؤ گے۔ موسیٰ نے ان سے کہا کہ جو چیز ڈالنا چاہتے ہو ڈالو سو انہوں نے اپنی رسیاں اور لٹھیاں ڈالیں اور کہنے لگے کہ فرعون کے اقبال کی قسم! ہم ضرور غالب ہوں گے۔ پھر موسیٰ نے اپنی لامٹی ڈالی تو وہ ان چیزوں کو جو جادوگروں نے بنائی تھیں، یکایک ٹھکے لگی۔ تب جادوگر سجدے میں گر پڑے (اور) کہنے لگے کہ ہم تمام جہان کے مالک پر ایمان لائے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔ فرعون نے کہا: کیا اس سے پہلے کہ میں تم کو اجازت دوں، تم اس پر ایمان لے آئے؟ یہ ٹکے ہیں تمہارا بڑا بڑا ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے لہذا عقربیت تم (اس کا انجام) معلوم کر لو گے کہ میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں اطراف مخالف سے کٹوا دوں گا اور تم سب کو سولی چڑھا دوں گا۔ انہوں نے کہا: کچھ نقصان (کی بات) نہیں! ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ ہمارا پروردگار ہمارے گناہ بخش دے گا۔ اسی لیے ہم اذل ایمان لانے والوں میں ہیں۔“ (الشعراء: 51-29/26)

چڑھا دوں گا۔ وہ بولے کہ ہم تو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں اور اس کے سوا کچھ کو ہماری کن بات بری لگی ہے کہ جب ہمارے پروردگار کی نشانیاں ہمارے پاس آ گئیں تو ہم ان پر ایمان لے آئے۔ اسے پروردگار ہم پر جسروہ امتقامت کے دہانے کھول دے اور ہمیں مارنا تو بطور مسلمان مارنا۔“ (الاعراف: 126-103/7)

دوسرے مقام پر فرمایا:

۝۶۱ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِ هٰٓؤُلَآءِ مِنْۢ مَّوْسٰی وَ هٰرُونَ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَ عَآلِهٖ ۙ بِآٰیٰتِنَا ۙ فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۚ فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْۢ عِنْدِنَا قَالُوْا اِنَّ هٰذَا لَيَسْحَرُوْنَكُمْ مِّنۡۢ بَعْدِ مَا اَنْتُمْ مُّقْنُوْنَ ۚ قَالَ مُّوسٰی اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَ ۙ كُذِّبَ ۙ اَسْحَرُ هٰٓؤُلَآءِ وَلَا يَخْلُجُ السَّحَرُوْنَ ۚ قَالُوْا كَيْفَ تُلْقٰتُنَا وَلَٰٓئِهِنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَ كُنُوْا لَكُمْ اِلٰهٌ كَبِيْرٌ ۙ فِی الْاَرْضِ ۙ وَمَا نَحْنُ لَكُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَقَالَ فِرْعَوْنُ اَنْتُمْ بَعْجٌ سَجِرٌ عَلٰیہُمْ ۚ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوسٰی اَلْقُوا مَا اَنْتُمْ مُّلقُوْنَ ۚ فَلَمَّا اَلْقَوْا قَالَ مُّوسٰی مَا جِئْتُمْ بِهٰذَا اِلَّا السِّحْرُ ۙ اِنَّ اللّٰهَ سَيَبْطِلُہٗ ۙ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَصْنَعُ عَمَلَ الْفٰسِقِيْنَ ۚ وَيُجِیْثُ اللّٰهُ الْحَقَّ بِحُجَّتِہٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۶۲

” پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ گناہ گار لوگ تھے۔ سو جب ان کے پاس ہمارے ہاں سے حق آ گیا تو کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔ موسیٰ نے کہا کہ کیا تم حق کے بارے میں جبکہ وہ تمہارے پاس آیا ہے یہ کہتے ہو کہ یہ جادو ہے؟ حالانکہ جادوگر فلاح نہیں پاتے۔ وہ بولے: کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ تم (سب) (راہ) پر ہم اپنے باپ دادا کو پاتے رہے ان سے ہم کو پیچیدہ اور اس ملک میں تم دونوں ہی کی سرداری ہو جائے؟ اور ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں۔ اور فرعون نے کہا کہ سب ماہر و کامل جادوگروں کو ہمارے پاس لے آؤ! جب جادوگر آئے تو موسیٰ نے ان سے کہا کہ جو تم ڈالنا چاہتے ہو ڈال دو۔ جب انہوں نے (اپنی رسیاں اور لٹھیاں) ڈالیں تو موسیٰ نے کہا کہ جو چیزیں تم (بنا کر) لائے ہو جادو ہے اللہ اس کو اچھی نیت دے گا اور کہے گا۔ اللہ شہریوں کے کام سنوارائیں کرتا اور اللہ انہیں سچے سے سچ کو جی کر دکھائے گا اگرچہ گناہ گار ہر ایمان میں۔“ (یونس: 82-75/10)

ایک اور مقام پر فرمایا:

۝۶۳ قَالَ لِبَنِي اِسْرٰٓءٰلَ اَنْتُمْ اِلٰہُکُمْ فَلَمَّا کَفَرْتُمْ مِنْۢ بَعْدِ اٰیٰتِنَا ۙ قُلُوْا اِلٰہُکُمْ مُّوْسٰی ۚ قَالَ اَلَا اَنْتُمْ مُّجْرِمُوْنَ ۚ قَالَتْ بِهٖ اِنْ کُنْتُمْ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۚ فَالْقَى عَصَا ۙ فَاِذَا هِیَ تَلْعَابٌ مُّجِیْبٌ ۚ وَنَزَعَ يَدَہٗ ۙ فَاِذَا هِیَ بَصَآءٌ لِلْغٰظِيْنَ ۚ قَالَ لِبَنِي اِسْرٰٓءٰلَ اِنَّ هٰذَا اَسْحَرُ عَلٰیہُمْ ۚ یُؤَيِّدُ اَنْ یَّخْرُجَ مِنْۢ بَیْنِکُمْ بِسَحَرٍ ۚ فَلَمَّا دَامَ رُحُوْمٌ ۚ قَالُوْا اَرْجُوْہٗ ۙ وَآخَاہٗ وَابْعَثْ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرٰتِنَ ۚ یَاٰتُوْکَ بِحِجَالٍ سَخٰلٍ عَلٰیہُمْ ۝۶۴

لائے ہیں اور رب کے احکام کا تسلیم کیا ہے۔ ﴿رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا مَبْغُطًا﴾ ”اے ہمارے رب! ہم پر صبر کا فیضان فرما“ یہ سرکش، ظالم، یہ سنگ دل، حاکم عالم، بلکہ لعنتی شیطان ہمیں جن مصائب میں مبتلا کر رہا ہے، ہمیں ان میں ثابت قدمی عطا فرما۔ ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَىٰ مَوْلَانِ﴾ ”اور ہماری جان حالت اسلام پر نکال۔“ (الأعراف: 126/7)

ان لوگوں نے فرعون کو نصیحت کرتے ہوئے اور رب کے عذاب سے ڈراتے ہوئے کہا: ﴿إِنَّا مِنْ قِبَاتِ رَبِّكَ مُخْرِجًا قَوْمًا لَهُمْ جَهَنَّمُ لَا يُؤْمِنُ فِيهَا وَلَا يَخْشَىٰ﴾ ”بات یہی ہے کہ جو بھی گناہ رہن کر اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہوگا، اس کے لیے دوزخ ہے، جہاں نہ موت ہوگی، نہ زندگی۔“ (طہ: 74/20) اس لیے ایسے لوگوں میں شامل نہ ہو۔ لیکن وہ انہی میں سے ہو کر باہر۔ ﴿وَمَنْ يَأْتِهِمْ مَوْثِقَةٌ قَدْ صَبَلَ الصُّلْبَ لَكُمْ الذِّرْبَةُ الْعُلَىٰ جَنَّتْ عَدْنٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَلِيلَيْنِ فِيهَا وَذَلِكَ جَزَاءُ مَنْ تَزَكَّىٰ﴾ ”اور جو بھی اس کے پاس ایمان دار ہو کر حاضر ہوگا اور اس نے اعمال بھی نیک کیے ہوں گے اس کے لیے بلند والا درجہ ہیں اور ابدی جنتیں جن کے نیچے نہیں برسی ہیں، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔“ (طہ: 76/75/20) کوشش کر کہ تو بھی ایسے لوگوں میں شامل ہو جائے۔ لیکن اللہ کی طرف سے یہ فیصلہ طے ہو چکا تھا کہ فرعون، جنہی پر جسے جہنم کے سب عذاب بھگتتے ہیں۔

ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ فرعون نے ان مومنوں کو مزاحمیں دیں اور رسولی پر لٹکایا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے: ”سج کے وقت وہ جا دو گئے، شام ہوئی تو ادویاء و شہداء میں شامل ہو چکے تھے۔“^(۱) اس کی تائید ان کی اس دعا سے بھی ہوتی ہے: ﴿رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا مَبْغُطًا وَتَوَكَّلْ عَلَىٰ مَوْلَانِ﴾ ”اے ہمارے رب! ہم پر صبر کا فیضان فرما اور ہماری جان حالت اسلام پر نکال۔“ (الأعراف: 125/7)

۱۰۰ دو بار یوں کا کفر و عناد: جب یہ عظیم واقعہ پیش آیا جو فرعونین کے لیے ایک ناقابل برداشت حادثہ تھا کیونکہ قبلی موی لٹکے سے ٹکٹ کھا گئے اور جن جا دو گروں کو وہاں بد کے لیے لائے تھے، وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا کر آپ کے ساتھی بن گئے تو اسے فرعونین پر یہ اثر ہوا کہ وہ کفر و عناد میں مزید سخت ہو کر حق سے اور بھی دور ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ اعراف میں فرمایا:

﴿وَقَالَ الْإِسْكَانُ مِنْ قَوْمِهِ قَوْمُونَ أَتَدْرُ مَوْسَىٰ وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَيَذَرَكَ وَالْهَتَكَ قَالَ سَنُقْبِلُ آلِهَتَهُمْ وَنَسْتَجِیْ بِسَاءَتِهِمْ وَإِنَّا قَوْمُهُمْ قَهْرُونَ﴾ قَالَ مَوْسَىٰ لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ﴾ قَالَ آوْدُ بْنُ ثَمَارٍ قَالَ أَن تَأْتِيَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا قَالَ عَلَيَّ رَبُّكُمْ أَن يَهْلِكَ عِدْوُكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ﴾

الفرغ فرعون نے جھوٹ اور کفر کا ارتکاب کرتے ہوئے کہا: ﴿إِنَّا لَكَاذِبُونَ لَكَ الَّذِي عَلَّمَهُ الْبَحْرُ﴾ ”میں وہ تمہارا بڑا بزرگ ہے، جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔“ اور اپنا بہتان لگایا، جس کو سب جہان والے جانتے تھے کہ یہ بہتان ہے پھر اس نے دھمکا کرے ہوئے کہا: ﴿لَا تَقْبَلْنَ إِلَيْنَا وَأَنْتُمْ كَذِبُونَ مِنْ جِلَافٍ وَلَا تَصْبِرْ لَكُمْ أَجْعِلُونَ﴾ ”تم تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کا ٹھنڈا کر دوں گا۔ پھر تم سب کو بسوں پر لٹکادوں گا۔“ (الشعراء: 49/26) تاکہ رعیت کا کوئی اور فرد اور اس کے مذہب کا کوئی اور شخص ایسی جرأت نہ کرے۔ اسی لیے اس نے کہا: ﴿وَلَا تَصْبِرْ لَكُمْ فِي جِدَارِ الْعُظْمَى﴾ ”میں تم سب کو بھجور کے تنوں میں سولی پر لٹکادوں گا۔“ (طہ: 71/20) کیونکہ وہ زیادہ اونچے ہوتے ہیں اور دور سے نظر آتے ہیں۔ ﴿وَتَعْلَمُونَ أَنَّكَ عَدَاؤُنَا وَآبَاؤُنَا﴾ ”اور تمہیں پوری طرح معلوم ہو جائے گا کہ تم میں سے کس کی مار زیادہ سخت اور دیر پا ہے۔“ (طہ: 71/20)

انہوں نے کہا: ﴿لَنْ نُؤْيِكَ عَلَى مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَحْلِ﴾ ”یہ ممکن ہے کہ ہم تجھے ان دلیلوں پر ترجیح دیں جو ہمارے سامنے آئیں۔“ (طہ: 72/20) یعنی ہم ہرگز تیری بات نہیں مانیں گے اور ہمارے دلوں میں جو واقعہ دلائل گھر گھر کیے ہیں، انہیں ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔ اور اللہ پر جس نے ہمیں پیدا کیا ہے، تجھے ترجیح نہیں دیں گے یا یہ مطلب ہے کہ انہوں نے کہا: ﴿وَالَّذِي نَفْسُكَ﴾ ”قسم ہے اللہ کی جس نے ہمیں پیدا کیا ہے۔“ ﴿وَقَافِضَ مَا أَتَتْ قَافِضٌ﴾ ”اب تو جو کچھ کرنے والا ہے کرگز۔“ (طہ: 72/20) یعنی جو کچھ تجھ سے ہو سکتا ہے کر لے۔ ﴿إِنَّا نَقْضُ هَذِهِ وَالْحَبْلَةُ الذُّنْيَا﴾ ”تو جو کچھ بھی حکم چلا سکتا ہے، وہ اسی دنیوی زندگی میں ہی ہے۔“ (طہ: 73/20) یعنی جب ہم اس دنیا کو چھوڑ کر آخرت کی زندگی میں پہنچ جائیں گے تو وہاں ہم پر تیرا حکم نہیں چلے گا۔ بلکہ وہاں اسی کی فرماں روائی ہوگی جس کے لیے ہم اسلام لائے ہیں اور جس کے لیے رسولوں کی حیرت انگیز اختیار کی ہے۔ ﴿إِنَّا أَمَّا بِرَبِّنَا لِنُقْبِلَ لَنَا خَطِيئَتَنَا وَمَا أَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ الْبَحْرِ وَاللَّهِ خَيْرٌ وَأَرْحَمُ﴾ ”ہم (امید سے) اپنے پروردگار پر ایمان لائے ہیں کہ وہ ہماری خطائیں معاف کر دے اور (خاص کر) جادوگری (کا گناہ) جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا ہے۔ اللہ ہی بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔“ (طہ: 73/20) یعنی اس کا ثواب بہتر ہے ان انعامات اور عہدوں سے جن کا تو ہمیں لالچ دیتا ہے۔ اس کے انعامات اس قافی جہان کے مقابلے میں بہت باقی رہنے والے ہیں۔

انہوں نے کہا: ﴿لَا حَظَّ لَنَا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ﴾ ﴿إِنَّا نَقْضُ لَنَا نَقْبُورَ لَنَا رَبِّنَا خَطِيئَتَنَا كَمَا كُنَّا أَقْوَلُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ”کوئی حرج نہیں، ہم تو اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اسی بنا پر کہ ہم سب سے پہلے ایمان والے بنے ہیں، ہمیں امید ہے کہ ہمارا رب ہماری سب خطائیں معاف فرمادے گا۔“ (الشعراء: 50/26-51) اور انہوں نے کہا: ﴿وَمَا نَنْقُصُ مِنْكَ إِلَّا أَنْ أَمَّا بِرَبِّنَا جَاءَتُنَا﴾ ”تو نے ہم میں کون سا عیب دیکھا ہے، جبر اس کے کہ ہم اپنے رب کی آیات پر ایمان لے آئے، جب وہ ہمارے پاس آئیں۔“ یعنی ہمارا جرم یہی ہے کہ ہم رسول کے لائے ہوئے دین پر ایمان

”اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اسی پر توکل کرو، اگر تم مسلمان ہو۔ انہوں نے عرض کی: ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا“ اے ہمارے پروردگار! ہمیں ان غلاموں کا فتنہ نہ بنا اور اپنی رحمت سے ان کا فر لوگوں سے ہمیں نجات دے۔“ (یونس: 84-86)

انہوں نے کہا: ﴿أَوَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ أَنْ نَأْتِيَنَّكَ وَهِيَ بَعْدَ مَا جِئْتَنَا﴾ ”ہم تو ہمیشہ معصیت ہی میں رہے، آپ کی تشریف آوری سے قبل بھی اور آپ کی تشریف آوری کے بعد بھی۔“ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ سے پہلے بھی ہمارے بچنے کیلئے جاتے تھے اور اب بھی یہی صورت حال ہے۔ جب موسیٰ ﷺ نے فرمایا: ﴿عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ رَسُولًا مِمَّنْ فِى الْأَوَّلِينَ فَلْيَتْلُكُمْ حَتَّىٰ تَعْلَمُونُ﴾ ”بہت جلد اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کو بلا کر دے گا اور بجائے ان کے تم کو اس سرزمین کا خلیفہ بنا دے گا۔ پھر تمہارا طرز عمل دیکھے گا۔“

سورہ مؤمنین میں ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ۖ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهٰٓا مِنْ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سِحْرٌ كَذٰبٌ ۝۱۰﴾

”ہم نے موسیٰ کو اپنی آیتوں اور کھلی دلیلوں کے ساتھ بھیجا فرعون، ہامان اور قارون کی طرف“ سو انہوں نے کہا یہ تو جادوگر اور بہت جھوٹا ہے۔“ (المؤمن: 24-23/40)

فرعون بادشاہ تھا اور ہامان اس کا وزیر۔ قارون بنی اسرائیل میں سے تھے یعنی موسیٰ ﷺ کی قوم میں سے تھا لیکن وہ فرعون اور اس کے درباریوں کا ہم مذہب تھا اور اس کے پاس بہت زیادہ مال و دولت تھا۔ اس کا بعد بھی یہ بیان ہوگا۔ (ان شاء اللہ) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِبَادِنَا قَالُوا اقْتُلُوا اٰنْبَاءَ الَّذِيْنَ اٰتٰوْهُم مَّا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝۱۰ اِلٰكٍ فِىْ كُلِّ قَلْبٍ ۝۱۱﴾

”پس جب ان کے پاس (موسیٰ) ہماری طرف سے (دین) حق لے کر آئے تو انہوں نے کہا: اس کے ساتھ جو ایمان والے ہیں، ان کے لڑکوں کو مار ڈالو اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھو اور کافروں کی جو جیلہ سازی ہے، وہ غلطی ہی میں ہے۔“ (المؤمن: 25/40)

حضرت موسیٰ ﷺ کی بعثت کے بعد لڑکوں کو قتل کرنے کا یہ حکم بنی اسرائیل کو ذلیل کرنے کے لیے دیا گیا تھا۔ اور یہ مقصد بھی تھا کہ بنی اسرائیل کو طاقت حاصل نہ ہو جائے جس کی بنا پر وہ اپنا دفاع کر سکیں اور قبطیوں پر حملہ آور ہوں۔ قبطیوں کو جس چیز کا خطرہ تھا، اس تدبیر سے اس کا کچھ بچاؤ نہ ہو سکا اور اللہ کی تقدیر واقع ہو کر رہی کیونکہ اللہ جب کسی چیز کی بات کہتا ہے کہ ہو گا تو وہ ہو جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اور قوم فرعون کے سرداروں نے کہا: کیا آپ موسیٰ اور ان کی قوم کو یوں ہی رہنے دیں گے کہ وہ ملک میں فساد کرتے پھریں اور وہ آپ کے معبودوں کو تڑکے کیے فرعون نے کہا: ہم ابھی ان لوگوں کے بیٹوں کو قتل کرنا شروع کر دیں گے اور عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے اور ہم کو ان پر ہر طرح کا زور حاصل ہے۔ موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا سہارا حاصل کرو اور صبر کرو۔ یہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے، اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے وہ مالک بنا دے اور انہیں کھانا پانی ان ہی کی ہوتی ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔ قوم کے لوگ کہنے لگے: ہم تو ہمیشہ معصیت ہی میں رہے، آپ کی تشریف آوری سے قبل بھی اور آپ کی تشریف آوری کے بعد بھی۔ موسیٰ نے فرمایا: بہت جلد اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کو بلا کر دے گا اور بجائے ان کے تم کو اس سرزمین کا خلیفہ بنا دے گا، پھر تمہارا طرز عمل دیکھے گا۔“ (الأعراف: 129-127/7)

اللہ تعالیٰ فرعون کی قوم کے سرداروں کے بارے میں ارشاد فرما رہا ہے کہ انہوں نے فرعون کو اس بات کی ترغیب دی کہ اللہ کے حق میں حضرت موسیٰ ﷺ کو کٹیفیں دے اور آپ کو لائی ہوئی جی شریعت کا انکار اور اس کی تردید کرے۔

انہوں نے کہا: ﴿اَتَذْكُرُ مُوسٰى وَ قَوْمَهُ يَعْصِيْنَ وَاِى الْاَوَّلِيْنَ وَيَذْكُرُ الْهٰتِكَ﴾ ”کیا آپ موسیٰ اور ان کی قوم کو یوں ہی رہنے دیں گے کہ وہ ملک میں فساد کرتے پھریں؟“ اور وہ آپ کو اور آپ کے معبودوں کو تڑکے کیے رہیں! ان کا مطلب یہ تھا کہ موسیٰ ﷺ جو ایک اللہ کی عبادت کی طرف بلاتے ہیں اور درودوں کی عبادت سے منع کرتے ہیں، قبطیوں کے خیال میں یہ فساد تھا۔ اس لفظ کی ایک قراءت یوں ہے: ﴿وَيَذْكُرُ الْهٰتِكَ﴾ ”یعنی وہ تجھے اور تیری عبادت کو چھوڑے رہیں۔“ اس کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ تیرے مذہب کو چھوڑے، ہیں۔ دوسرا یہ کہ تیری عبادت نہ کریں کیونکہ وہ معبود ہونے کا دعویٰ کرتا تھا۔ فرعون نے کہا: ﴿سَتَقْبَلُوْنَ اٰيٰتًا هُمْ وَ اٰسَتُخٰى نِسَاءَهُمْ﴾ ”ہم ابھی ان لوگوں کے بیٹوں کو قتل کرنا شروع کر دیں گے اور عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے۔“ تاکہ ان میں جنگ کے قابل مردوں کی تعداد زیادہ نہ ہو جائے ﴿وَ اِنَّا فَتَقَهُمْ فَهَرَوْنُ﴾ ”اور ہم ان پر غالب ہیں۔“

حضرت موسیٰ ﷺ نے اپنی قوم سے فرمایا: ﴿اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا﴾ ”اللہ تعالیٰ کا سہارا حاصل کرو اور صبر کرو۔“ یعنی جب وہ چہرے نکٹھیں دیں تو رب سے مدد مانگو اور صبر کرو۔ ﴿اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُؤْتِهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ ”زمین اللہ کی ہے، اپنے بندوں میں سے جسے چاہے وہ مالک بنا دے اور انہیں کھانا پانی ان ہی کی ہوتی ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔“ یعنی تم مٹی بن جاؤ تو تمہیں کامیابی نصیب ہو جائے گی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر موسیٰ ﷺ نے فرمایا: ﴿وَقَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهِ اِنَّكُمْ اَنْتُمْ بِاَيْدِيْكُمْ فَعَلْتُمْ تَوْغَلًا ۚ اِنَّ لَكُمْ لَسُلٰمٰتًا مِّنْ مُّسْلِمِيْنَ ۚ فَقَالُوْا عَلٰى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّقَوْمٍ الظّٰلِمِيْنَ ۚ وَتَجَنَّبَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ ۝۱۱﴾

تو تم پر آپڑے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی رہبری نہیں کرتا جو حد سے گزر جائے والا اور جھوٹا ہو۔ اسے میری قوم کے لوگو! آج تو بادشاہت تمہاری ہے کہ اس زمین پر تم غالب ہو لیکن اگر اللہ کا عذاب ہم پر آگیا تو کون ہماری مدد کرے گا؟ فرعون بولا: میں تو تمہیں وہی رائے دے رہا ہوں جو خود کبیر ہا ہوں اور میں تو تمہیں بھلائی کی راہ ہی بتا رہا ہوں۔“

(الہومن: 28/40-29)

یہ شخص فرعون کا چچا زاد تھا۔ وہ اپنی قوم کے ذرے اپنے ایمان کو خفیہ رکھتا تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ شخص بنی اسرائیل میں سے تھا لیکن یہ بات درست نہیں، کام کا سیاق و سباق اپنے الفاظ کے لحاظ سے بھی اور معنوی طور پر بھی اس کی تردید کرتا ہے۔ بات یہ ہے کہ یہ شخص اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھے ہوئے تھا۔ جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کا ارادہ کیا اور اپنے درباریوں سے اس بارے میں مشورہ کیا تو اس مومن کو خطرہ محسوس ہوا کہ موسیٰ کو تکلیف نہ پہنچے۔ چنانچہ اس نے حکمت کا انداز اختیار کرتے ہوئے فرعون کے خلاف ایسے انداز میں بات کی، جس میں ترفیع اور تہذیب دونوں پہلو موجود تھے۔ اس نے مشورہ اور رائے کے انداز سے بات کی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ”سب سے افضل جہاد، ظالم بادشاہ کے سامنے انصاف کی بات کہنا ہے۔“^① یہ شخص اس مقام کے اعلیٰ ترین درجہ پر فائز تھا۔ فرعون نے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں اور اس مومن کی بات سے بڑھ کر حق و انصاف والی کوئی بات نہیں کیونکہ اس سے نبی کے معصوم ہونے کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس کام کے ذریعے اس نے اپنا پوشیدہ ایمان ظاہر کر دیا۔ لیکن پہلی بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

اس نے کہا: ﴿اَفْتَقَاتُوا رَجُلًا اَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللّٰهُ﴾ ”کیا تم ایک شخص کو خض اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے: ”میرا رب اللہ ہے؟“ یعنی اس بات کی ردعمل تو نہیں ہونا چاہیے کہ تم اسے قتل کرنے کے درپے ہو جاؤ۔ بلکہ اس کے جواب میں تو احترام اور برداشت کا مظاہرہ ہونا چاہیے کیونکہ ﴿فَلَنْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ﴾ ”تمہارے رب کی طرف سے دلیلیں لے کر آئے“، یعنی اس نے معجزات ظاہر کیے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے پیچھے والے کی طرف سے جو پیغام لایا ہے، وہ حق اور سچ ہے، اس لیے اگر تم اس سے تعرض نہ کرو تو سلامت رہو گے کیونکہ ﴿اِنْ يَنْكَرُ كَلَامُكَ فَاعْلَمِيْهِ كَذِبًا﴾ ”اگر وہ سچا ہے۔“ پھر بھی تم نے اسے شک کیا تو: ﴿فَيُصَبِّحُ بَعْضُ الَّذِيْ يَبْعِدُ﴾ ”جس عذاب کا وہ تم سے وعدہ کر رہا ہے، وہ کچھ نہ دیکھو تو تم پر آ ہی پڑے گا۔“ یعنی تمہارے لیے تو یہ بات بھی خوف کا باعث ہے کہ جس عذاب سے وہ ڈرتا ہے اس کا معمولی سا حصہ بھی تم پر آجائے۔ تو اگر وہ عذاب پورے کا پورا آ گیا پھر تمہارا کیا ہے؟ اس موقع پر یہ کام انتہائی دور اندیشی، احتیاط اور عقل مندی کا مظہر ہے۔

﴿وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُونِيْٓ اَقْتُلْ مُوسٰٓى وَلْيَعِزِّزْ رِبِّيْٓۤ اِلٰٓى اَخَافُ اَنْ يُبَدِّلَ دِيْنَكُمْۚ اَوْ اَنْ يُظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ﴾

”اور فرعون نے کہا: مجھے چھوڑ دو میں موسیٰ کو مار ڈالوں اور اسے چاہیے کہ اپنے رب کو پکارے۔ مجھے تو ڈر ہے کہ یہ کہیں تمہارا دین نہ بدل ڈالے یا ملک میں کوئی (بہت بڑا) فساد برپا نہ کر دے۔“ (الہومن: 26/40)

اسی لیے تو لوگ مذاق اڑاتے ہوئے (ضرب المثل کے طور پر) کہتے ہیں: ”فرعون بھی واعظ بن گیا۔“ جب موسیٰ علیہ السلام کو اس کی یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے اپنے آپ کو اللہ کی پناہ میں دے دیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالَ مُوسٰٓى اِنِّىْٓ اَعُوْذُ بِرَبِّىْ وَرَبِّكُمْۙ مِنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ﴾

”موسیٰ نے کہا: میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں آتا ہوں، ہر اس تکبر کرنے والے شخص (کی برائی) سے جو رذو حباب پر ایمان نہیں رکھتا۔“ (الہومن: 27/40)

یعنی میں اس بات سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ فرعون مجھے کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کرے، ہر تکبر سے جو ظلم سے باز نہیں آتا اور اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرتا کیونکہ وہ آخرت پر یا جزا و سزا پر یقین نہیں رکھتا۔

قوم فرعون کے ایک مومن کا اعلان حق

جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو دردناک سزائیں دینے کا اعلان کیا تو فرعون کی قوم میں سے ایک مومن نے انہیں نصیحت کرنے کا حق ادا کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اٰيٰتَهُۥٓ اَتَقَاتُوا رَجُلًا اَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْۙ وَ اَنْ يَّكَ كَاذِبًا فَعَلَيْكُمْ كَذِبُهُۥٓ ۚ وَاَنْ يَّكَ صَادِقًا يُصِيبَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُّۚ ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ سَفِيْٓءٌ كَذَّابٌ ۚ يَقُوْرُ لَكُمْ اِنَّ يَّكَ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ فَمَنْ يُّضْلِرْ مِنَ اٰلِ اللّٰهِ اِنَّ يَّكَ نَآءٌ ۚ قَالَ فِرْعَوْنُ مَا اُرِيْكُمْ اِلَّا مَا اَرٰى وَمَا اُخْبِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الْاِنْشَآءِ﴾

”اور ایک مومن شخص نے، جو فرعون کے خاندان میں سے تھا اور اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا، کہا: کیا تم ایک شخص کو شخص اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے اور تمہارے رب کی طرف سے دلیلیں لے کر آئے؟ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس کا جھوٹ اسی پر ہے اور اگر وہ سچا ہے تو جس (عذاب کا) وہ تم سے وعدہ کر رہا ہے، وہ کچھ نہ دیکھ

پسٹ کر لے آئیں گے۔“ (بنی اسرائیل: 102-104)
دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ فَلَمَّا جَاءَ قَوْمَهُمْ اِيْتَانَا مُبْصِرَةً قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُّؤْمِنِينَ ۖ وَحَدَّاهُمَا وَاسْتَيْقَفَتْهُمَا اَنْفُسُهُمْ ظُلُمًا وَعُظُمًا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ۝ ﴾

”یہی جب ان کے پاس آئیں کھول دینے والے ہمارے مجھے پتہ تو وہ کہنے لگے: یہ تو سحرِ چادو ہے۔ اور انہوں نے صرف ظلم اور تکبر کی بنا پر انکار کر دیا، حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے۔ پس دیکھ لیجئے کہ ان قدر پرواز لوگوں کا انجام کیا ہوا؟“ (النمل: 14/13/27)

اس نے جو کہا تھا: ”وَمَا اَهْدِيَكُمْ لِرَبِّكُمْ سَبِيلَ الرَّشَادِ“ اور میں تمہیں بھلائی کی راہ بتلا رہا ہوں۔“ تو یہ بھی جھوٹ تھا۔ وہ خود ہدایت پر نہیں تھا بلکہ مہمت، ضلالت اور توہمات میں گمراہ ہوا تھا۔ پہلے وہ بتوں کا بھاری تھا۔ پھر اپنی گمراہی اور جاہل قوم کو بلایا تو اس نے بھی اس کے کفر و کذب کی تصدیق کرتے ہوئے اس کی پیروی کی اور اسے رب مان لیا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَنَادَىٰ فِرْعَوْنُ فِي قَوْمِهِ قَالَ يُقْوِرُ الْاَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ وَهِيَ الْاَرْضُ تُجْرِي مِنْ تَحْتِي ۚ اَفَلَا تُحْسِرُونَ ۚ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِنْ الَّذِي هُوَ مَهِينٌ ۚ وَلَا يَكْفُرُ بَيْنُكُمْ ۚ فُلُوْا لَا اَلٰهَ اِلَّاهِي عَلَيْهِ اَسْوَدَةُ فِرْعَوْنَ ۚ وَهِيَ اَوْ جَاءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِينَ ۚ فَاَسْخَفَ قَوْمَهُ فَاطَاعُوْهُ ۖ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝ فَلَمَّا اَسْفَوْا اتَّقَيْنَا مِنْهُمْ فَاَعَزَّوْهُمْ اَجْعِدْنَ ۚ فَجَعَلْنَاهُمْ سَلَفًا وَمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ۝ ﴾

”اور فرعون نے اپنی قوم کو پکار کر کہا کہ اے قوم! کیا مصر کی حکومت میرے ہاتھ میں نہیں ہے اور یہ نہر جس کو میرے (مخلوق کے) نیچے سے بہہ رہی ہیں (میری نہیں ہیں؟) کیا تم دیکھتے نہیں کہ میں اس شخص سے کہیں بہتر ہوں جو کچھ عزت نہیں رکھتا اور صاف گفتگو نہیں کر سکتا۔ اس پر سونے کے نگین کیوں نہیں اتارے گئے (یہ ہوتا کہ) فرشتے بیچ ہو کر اس کے ساتھ آتے۔ غرض اس نے اپنی قوم کی عقل مادی اور انہوں نے اس کی بات مان لی۔ بیشک وہ نافرمان لوگ تھے۔ جب انہوں نے ہم کو خفا کیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور ان سب کو ڈبو چھوڑا اور ان کو گمراہ کرنے کر دیا اور پچھلوں کے لیے (عبرتِ ناک) مثال بنادیا۔“ (الزحرف: 56-51/43)

نیز ارشاد ہے:

﴿ قَارِئُ الْاَيَةِ الْكُبْرٰى ۚ فَكَذَّبَ وَصَدٰى ۚ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ۚ فَصَحَّ فَنَادٰى ۚ فَقَالَ اَنَا رَجُلٌ مِّنْ الْاٰخِلٰى ۚ فَانْذَرْتُكَ الْاَوَّلٰى ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَن يَّخْشٰى ۝ ﴾

اس نے کہا: ﴿ يُقْوِرُ لَكُمْ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظَهَرْنَ فِي الْاَرْضِ ﴾ ”اے میری قوم کے لوگو! آج تو بادشاہت تمہاری ہے اس سر زمین میں تم غالب ہو۔“ اس نے انہیں وہ پیارا ملک اور حکومت چھین جانے سے ڈرایا کیونکہ وہ سلطنتِ دین کے مقابل اکھڑی ہوتی ہے، ان لوگوں کی حکومت بھی چھین جاتی ہے اور وہ بے عزت اور ذلیل بھی ہوتے ہیں۔

فرعون کی قوم کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا۔ وہ موسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی شریعت کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا رہے اور مخالفت کرتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے ملک، املاک، مکانات، عمارتوں اور عرشوں سے نکال کر سمندر میں ذلت کے ساتھ غرق کر دیا۔ اس بلندی سے ان کی روشِ جنہم کی عینِ گہرائیوں میں جا بیٹھیں۔

وہ موسیٰ، نیاک، بیچ حق، قوم کا خیرخواہ، انتہائی دانش مند شخص الے ہو کر کہتا تھا: ﴿ يُقْوِرُ لَكُمْ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظَهَرْنَ فِي الْاَرْضِ ﴾ ”اے میری قوم کے لوگو! آج تو بادشاہت تمہاری ہے اس سر زمین میں تم غالب ہو۔“ لوگوں پر تمہارا حکم چلتا ہے۔ ﴿ فَمَنْ يَتْلُو صُورًا مِّنْ تَابِئِ اللَّهِ اِنَّ جَاءَتْهُ ﴾ ”لیکن اگر اللہ کا عذاب ہم پر آگیا، تو ان ہماری مدد کرے گا؟“ یعنی اگر تمہاری تعداد، تمہارا احوال اور ساز و سامان، تمہاری طاقت اور قوت موجودہ حالات سے کئی گنا زیادہ بھی ہو، تو اس مالکِ الملک کے عذاب سے بچانے کے لیے وہ زور پر اب بھی مفید نہیں ہوگی۔

ان سب باتوں کے جواب میں فرعون بولا: ﴿ مَا اُرِيكُمْ اِلَّا مَا اَرٰى ﴾ ”میں تو تمہیں وہی رائے دے رہا ہوں، جو خود دیکھ رہا ہوں۔“ یعنی میں اپنی سمجھ کے مطابق ایسی بات کو درست سمجھتا ہوں۔ ﴿ وَمَا اَهْدِيكُمْ لِرَبِّكُمْ سَبِيلَ الرَّشَادِ ﴾ ”اور میں تمہیں بھلائی کی راہ ہی بتا رہا ہوں۔“

حقیقت میں فرعون کی یہ دونوں باتیں جھوٹ تھیں کیونکہ وہ اپنے دل میں یہ جانتا اور سمجھتا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام چپے ہیں اور وہ جو کچھ لائے ہیں وہ یقیناً اللہ کی طرف سے ہے لیکن کفر، تکبر، ظلم اور زیادتی کی بنیاد پر اس کے برعکس خیالات کا اظہار کرتا تھا۔

﴿ فرعون کی ایک ہودی دلیل: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا اَنْزَلَ هٰذِهِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۖ يَصٰلٰہُ ۚ وَاِنِّيْ لَظٰلِمٌ كٰفِرٌ ۚ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّيْلًا مِّنْهُم مَّتَابًا ۚ اَنْ يُسْتَغْفَرَ لَهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاعْرِضْهُ وَ مِّنْ مَّعَدَةِ جَبِعًا ۚ وَ قُلْنَا مِّنْ بَعْدِہٖ لَیْلٰی ۚ اَسْوَدَ اٰیِلَ اسْتَوٰی لَ الْاَرْضِ ۚ فَاِذَا جَاہُ وَعَدَ الْاٰخِرَةُ جَعَلْنَا بَلْخَ لَفِیْفًا ۝ ﴾

”موسیٰ نے جواب دیا: یہ تو تجھے ظلم ہو چکا ہے کہ اے آسمان اور زمین کے پروردگار! میں نے یہ مجھے دکھانے اور سمجھانے کو نازل فرمایا ہے۔ اے فرعون! میں تو سمجھ رہا ہوں کہ تو جاہو پر باد اور ہلک گیا ہے۔ آخر فرعون نے اپنے ارادہ کو لپکا کر انہیں زمین ہی سے اٹھڑے تو ہم نے خود اسے اور اس کے تمام ساتھیوں کو غرق کر دیا۔ اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے فرمادیا کہ اس سر زمین پر تم رہو، ہاں جب آخرت کا وعدہ آئے گا، ہم تم سب کو سمیٹ اور

قیامت) کا خوف ہے۔ جس دن تم پیٹہ پھیر کر (قیامت کے دن سے) بھاگو گے (اس دن) تم کو کوئی (عذاب) اللہ سے بچانے والا نہیں ہوگا اور جس شخص کو اللہ گمراہ کرے اُس کو کوئی مہایت دینے والا نہیں۔ اور پہلے یوسف بھی تمہارے پاس نشانیاں لے کر آئے تھے (اور) جودہ لائے تھے تم اس کے معانی ہمیشہ شک میں رہے یہاں تک کہ جب وہ فوت ہو گئے تو تم کہنے لگے کہ اللہ اس کے بعد کوئی پیغمبر نہیں بھیجے گا۔ اسی طرح اللہ اس شخص کو گمراہ کر دیتا ہے جو حد سے نکل جانے والا اور شک کرنے والا ہو۔ جو لوگ بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی دلیل آئی ہو، اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں، اللہ کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک ان (کا یہ) جھگڑا نہایت ناچند ہے۔ اسی طرح اللہ ہر منکر، سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ (المومن: 35/40)

اللہ کے دلی نے انہیں تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر وہ اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تحدید کریں گے تو ان پر اسی طرح عذاب آسکتے ہیں جس طرح کرشمہ اقوام پر آئے تھے، یعنی نوح علیہ السلام کی قوم، عاد، ثمود اور ان کے بعد کی اقوام جو اُن کے زمانے تک ہوئیں اور جن کے حالات انہیں معلوم اور ان کے ہاں مشہور تھے۔ ان کے ذریعے سے تمام اہل زمین پر حجت قائم ہوئی کہ انبیاء کرام علیہم السلام جو کچھ کہتے ہیں وہ بالکل سچ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے مخالفین پر عذاب نازل کیے اور مومنین کو ان سے نجات دی۔ انہیں قیامت کے دن بھی کوئی خوف نہیں ہوگا۔ جس دن لوگ ایک دوسرے کو آواز دیں گے اور چلیں گے کہ ابھی کی کوئی راہ انہیں ملے، لیکن ایسا ہوا ممکن نہیں ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَقُولُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ أَإِنِّي لَمَفْرُودٌ ۚ كَلَّا لَوْ كَذَّبُوا لِرَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ ۚ﴾

”اس دن انسان کہے گا: آج مجھے کسی جگہ کہاں ہے؟ نہیں، کوئی، نہیں، کوئی پناہ گاہ نہیں۔“ آج تو میرے پروردگار کی

طرف ہی قرار گاہ ہے۔ (القیامۃ: 12-10/75)

﴿يَوْمَ الْنَّارِ﴾ ”یوم النّار کا دن۔“ اس لفظ کی ایک قراءت والی کہ تفسیر کے ساتھ ﴿يَوْمَ النَّارِ﴾ [”بھاگنے کا دن“] بھی ہے۔ اس سے مراد قیامت کا دن بھی ہو سکتا ہے اور ادھر عذاب کا دن بھی۔ جب وہ راہ فرار اختیار کرنا چاہیں گے لیکن کوئی پناہ گاہ میسر نہ ہوگی۔

پھر اس مومن نے مصر میں یوسف علیہ السلام کی نبوت اور اس سے لوگوں کو حاصل ہونے والے دنیوی اور دنیوی فوائد کا ذکر کیا کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے بھی اُن کی آل میں سے مبعوث ہو کر توحید کی دعوت دی اور شرک سے منع فرمایا۔ اس مومن نے اپنے زمانے کے اہل مصر کے بارے میں کہا کہ حق انکا راہ اور رسولوں کی مخالفت ان کی عادت بن چکی ہے۔ اس لیے کہا: ﴿فَمَا زِلْنَاهُ فِي شَأْنٍ وَمَتَنَا جَاءَهُمْ بِهٖ حَقٌّ اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَبْعَثَ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا﴾ ”پھر تم ان (یوسف) کی لائی ہوئی (دلیل) میں شک و شبہی کرتے رہے یہاں تک کہ جب ان کی وفات ہوئی تو کہنے لگے: ان کے بعد تو اللہ کسی رسول کو بھیجے گا ہی نہیں۔“ (المومن: 34/40) اور تمہاری یہ بات بھی سراسر غلطی ہے۔ پھر اس مومن نے کہا: ﴿كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ

”انہوں نے اس کو بڑی نشانیاں دکھائی اُس نے جھٹلایا اور نہ مانا۔ پھر لوٹ گیا اور تدبیریں کرنے لگا اور (لوگوں کو) اکٹھا کیا اور پکارا۔ کہنے لگے کہ تمہارا سب سے بڑا مالک میں ہوں۔ تو اللہ نے اس کو دنیا اور آخرت (دونوں) کے عذاب میں پکڑ لیا۔ جو شخص (اللہ سے) ڈر رکھتا ہے اُس کیلئے اس (قصے) میں عبرت ہے۔“ (النازعات: 20-26/79)

اور مزید فرمایا:

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِآيٰتِنَا وَسُلٰطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۙ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَآِئِهٖ فَاتَّبَعُوْا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَ مَا اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ۚ يَقُوْلُ مَوْصُوْمًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْدَهُمُ الْغَارُ ۚ وَ يَخْسُ الْوَرْدَ الْمُوْرُوْدَ ۚ وَ اتَّبَعُوْا فِيْ هٰذَا بُعْدَ ۙ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ يَخْسُ الْوَرْدَ الْمُوْرُوْدَ ۚ﴾

”اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور روشن دلیل دے کر بھیجا (یعنی) فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف تو وہ فرعون ہی کے حکم پر چلے اور فرعون کا حکم درست نہیں تھا۔ وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے چلے گا اور ان کو دوزخ میں جا آتارے گا اور جس مقام پر وہ اتارے جائیں گے وہاں ہے۔ اور اس جہان میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی (پیچھے لگی رہے گی) جو انعام ان کو ملا ہے، وہ ہر ہے۔“ (ہود: 99-96/11)

خلاصہ کام یہ ہے کہ فرعون کی دونوں باتیں جھوٹ تھیں۔ یہ بھی کہ: ﴿مَا اُوْتِيْنٰهُ اِلَّا مَا اَرٰى﴾ ”میں تمہیں وہی رائے دے رہا ہوں، جسے تو درست رائے سمجھتا ہوں۔“ اور یہ بھی کہ: ﴿وَمَا اٰهَدِيْنٰكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الْاِنْشَاٰۤءِ﴾ ”میں تمہیں بھلائی کی راہ ہی بتا رہا ہوں۔“

قطعی مومن کا اتمام حجت: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالَ الَّذِيْ اٰمَنَ يَقُوْمُ اِنَّكَ اَخَافُ عَلَيْهِمْ فَقُلْ يَوْمَ الْاِخْرَآءِ ۙ فَمَنْ دَابَّ قُوْمٌ فُوْجًا وَّ عَادًا وَ كَمُوْدًا وَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۚ وَ مَا اللّٰهُ بِرَبِّدٍ لِّعٰلَمِ الْاِلْعَادِ ۚ وَيَقُوْمُ اِلٰى اَخَافُ عَلَيْهِمْ يَوْمَ الْفِتٰنِ ۚ يَوْمَ لَا تُؤْنَسُ مَذٰبِقُهُمْ ۚ فَمَنْ اللّٰهُ مِنْ اَصٰحِبِهٖ وَ مَنْ يُضِلُّ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۚ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلِ الْاٰيٰتِيْنَ فَمَا زِلْنَاهُمْ فِيْ شَأْنٍ وَمَتَنَا جَاءَهُمْ بِهٖ حَقٌّ اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَبْعَثَ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۚ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ ۚ الَّذِيْنَ يَجَادُوْنَ فِيْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يَغَيِّرُ سُلٰطِيْنَ اَتَتْهُمْ ۚ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَ عِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ كَذٰلِكَ يَضِلُّ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبٍ مُّكْتَرٍ جَنّٰرًا ۚ﴾

”اور جو مومن تھا وہ کہنے لگا کہ اے قوم! مجھے تمہاری نسبت خوف ہے (مبادا) تم پر اور اتوں کی طرح کے دن کا عذاب آجائے (یعنی) نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور جو لوگ ان کے پیچھے ہوئے ہیں، اُن کے حال کی طرح (تمہارا حال ہو جائے) اور اللہ تو بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا۔ اور اے میری قوم! مجھے تمہاری نسبت پکار کے دن (یعنی

رہے ہو، وہ خود دنیا میں پکارے جانے کے قابل ہیں نہ آخرت میں اور ہم سب کا لوٹنا اللہ کی طرف ہے اور حد سے گزر جانے والے ہی یقیناً اہل دوزخ ہیں۔ یعنی جن کو اس دنیا میں کوئی اختیار اور تصرف کی طاقت حاصل نہیں، انہیں قیامت کو کیا اختیار حاصل ہوگا؟ ان کے برعکس اللہ تعالیٰ نیکوں اور بدوں سب کا خالق اور رازق ہے، اسی نے بندوں کو زندگی دی ہے، پھر موت دے گا، پھر وہ بارہ زندہ کر کے اطاعت گزاروں کو جنت اور نافرمانوں کو جہنم میں داخل کر دے گا۔

پھر اس نے انہیں مخالفت پر قائم رہنے کی صورت میں حاصل ہونے والے انجام بد سے خبردار کرتے ہوئے کہا: ﴿فَسَتَكُونُونَ مِمَّا قَآلُوا لَكُمْ ۖ وَأَقْبَضَ أَصْبُعِي إِلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بَصِيرٌ بِالْعَالَمِ﴾ ”پس آگے چل کر تم میری باتوں کو یاد کرو گے۔ میں اپنا حاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں یقیناً اللہ تعالیٰ بندوں کا نگران ہے۔ لہذا ﴿قُوْهُهُ اللّٰهُ سَيَاْتِ مَا مَكْرُوْرٌ﴾ ”اسے اللہ تعالیٰ نے تمام بدیوں سے محفوظ رکھا جو انہوں نے سوچ رکھی تھیں۔“ یعنی ان کی تردید کی وجہ سے وہ اس عذاب سے بچ گیا جو انہیں کفر و نفاق اور گمراہی کے عقائد و خیالات کی وجہ سے برداشت کرنا پڑا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ ۚ النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا ۖ وَأُورْفُونَ وَاوَالُوْنَ كُوبَىٰ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَكَبِّرُونَ﴾ ”اور جس نے قیامت قائم ہوئی کوئی فرمان ہوگا: ﴿أَذْخَلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَهْلًا﴾ ”فرعونین کو سخت ترین عذاب میں ڈالو۔“ اس آیت سے عذاب قہر کا ثبوت ملتا ہے۔ اس نکتہ کی وضاحت ہم نے تفسیر میں کی ہے۔

﴿فَرُوعِيُوْنَ كُوبَىٰ﴾ گونا گوں عذاب: خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ کرنے سے پہلے اتمامِ جہت کر دیا تھا۔ اپنا رسول ان کی طرف سے بھیجا، ان کے شہادت کا اقرار کیا اور تہذیب و تربیت کے ذریعے سے دلائل واضح کر دیے۔ یہی ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسَّيِّئَاتِ الَّتِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ۚ فَقَدْ أَجَاءَهُمْ الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا هٰذَا ۖ وَإِنْ تُضِلُّهُمْ سَبُعَةُ غَنَمٍ لَّا بِعِلْمِ اللَّهِ ۚ قَالُوا مَهْمَا تَأْتِنَا بِهِ مِنْ آيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ۚ قَدْ رُسَلْنَا عَلَيْهِمُ الْغُلَاَمُ وَالْحَارُوتُ وَالْقُتَيْلُ وَالصَّافِيَاۗتُ وَالذَّمَرُ ۚ أَلَيْسَ مُفَضَّلَاتٌ فَاسْتَكْبَرُوا ۚ وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ۖ﴾

”اور ہم نے فرعونین کو قحطوں اور پھٹلوں کے نقصان میں پکڑا تا کہ وہ ہیبت حاصل کریں۔ پھر جب ان کو آسائش حاصل ہوتی تو کہتے کہ ہم اس سے مستحق ہیں اور اگر نئی پہنچتی تو موسیٰ اور ان کے رفیقوں کی بدگلوئی بناتے۔ دیکھو! ان کی بدگلوئی اللہ کے ہاں (مقدر) ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔ اور کہنے لگے کہ تم ہمارے پاس (خواہ) کوئی بھی نشان ہی نہ آتا کہ اس سے ہم پر جادو کر مگر تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ سو ہم نے ان پر

پھر اس نے ان کے غلط عقائد کی تردید کر کے انہیں ان کے خوفناک انجام سے ڈراتے ہوئے کہا:

﴿وَيَقُولُ مَا لِيَ أَذْعُوْكُمْ إِلَى النَّجْوَىٰ وَتَذْعُوْنِي إِلَى النَّارِ ۚ تَذْعُوْنِي لِأَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَ أَشْرِكُ بِهِ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ ۚ وَأَنَا أَذْعُوْكُمْ إِلَى الْعَزِيْزِ الْعَقَّارِ ۚ لَاجِرٌ أَتَيْنَا تَذْعُوْنِي إِلَيْهِ لَيْسَ لَهُ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْآخِرَةِ ۚ وَأَنْ مَّزَكَّنَا إِلَى اللَّهِ وَأَنَّ الْمُسْرِفِينَ هُمْ أَصْحَابُ النَّارِ ۚ فَسَتَكُونُونَ مِمَّا قَالُوا لَكُمْ ۖ وَأَوْفَىٰ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بَصِيرٌ بِالْعَالَمِ﴾ ”قُوْهُهُ اللّٰهُ سَيَاْتِ مَا مَكْرُوْرٌ ۚ وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ ۚ النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا ۖ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ ۖ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَهْلًا أَهْلًا أُنْذِرَ الْعَذَابِ ۖ﴾

”اور (تو) میرا کیا (حال) ہے کہ میں تو تم کو نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے (دوزخ کی) آگ کی طرف بلاتے ہو۔ تم مجھے اسی لیے بلاتے ہو کہ اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اس چیز کو اس کا شریک ٹھہراؤں جس کا مجھے کچھ بھی علم نہیں اور میں تم کو (اہل) غاب (اور) بخشے والے کی طرف بلاتا ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ جن کی طرف تم مجھے بلاتے ہو وہ دوزخ یا آخرت میں پکارے جانے کے قابل نہیں اور تم کو اللہ کی طرف لوٹنا ہے اور حد سے نکل جانے والے دوزخی ہیں۔ جو بات میں تم سے کہتا ہوں تم اُسے آگے چل کر یاد کر دو گے اور میں اپنا کام اللہ کے سپرد کرتا ہوں بیشک اللہ بندوں کو دیکھنے والا ہے۔ عرض اللہ نے موسیٰ کو ان کی تہذیبوں کی برائیوں سے محفوظ رکھا اور فرعون والوں کو برے عذاب نے آگھیرا یعنی آتش (جہنم) کہ صبح و شام اُس کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں اور جس روز قیامت برپا ہوگی (حکم ہوگا کہ) فرعون والوں کو نہایت سخت عذاب میں داخل کر دو۔“

(المومن: 40-41/46)

وہ انہیں اسی اللہ کی عبادت کی دعوت دے رہا تھا جو آسمان و زمین کا مالک ہے اور جس کی شان ﴿مَنْ فَيَكُونُ﴾ ہے اور وہ لوگ اسے فرعون کی عبادت کی طرف بلاتے تھے جو جاہل، گمراہ اور ملعون تھا، اسی لیے اس نے ان کی تردید کرتے ہوئے کہا: ﴿وَيَقُولُ مَا لِيَ أَذْعُوْكُمْ إِلَى النَّجْوَىٰ وَتَذْعُوْنِي إِلَى النَّارِ ۚ تَذْعُوْنِي لِأَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَ أَشْرِكُ بِهِ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ ۚ وَأَنَا أَذْعُوْكُمْ إِلَى الْعَزِيْزِ الْعَقَّارِ ۚ﴾ ”اسے میری قوم ایسا کیا بات ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلاتے ہو؟ تم مجھے یہ دعوت دے رہے ہو کہ اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اس کے ساتھ شرک کروں جس کا مجھے کوئی علم نہیں اور میں تمہیں غاب بخشے والے (معبود) کی طرف دعوت دے رہا ہوں۔“

پھر اس نے واضح کیا کہ وہ اللہ کے سوا جن معبودان باطل کو پوجتے ہیں، ان کے ہاتھ میں نفع نقصان کا کوئی اختیار نہیں۔ اس لیے ان کا عقیدہ سراسر باطل ہے۔ اس نے کہا: ﴿لَاجِرٌ أَتَيْنَا تَذْعُوْنِي إِلَيْهِ لَيْسَ لَهُ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْآخِرَةِ ۚ وَأَنْ مَّزَكَّنَا إِلَى اللَّهِ وَأَنَّ الْمُسْرِفِينَ هُمْ أَصْحَابُ النَّارِ ۚ﴾ ”یعنی اگر ہے کہ تم مجھے جن کی طرف دعوت دے

مڈی دل معروف چیز ہے۔ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما کا ارشاد مروی ہے: ”ہم نے رسول اللہ ﷺ کی معیت میں سات جنگیں لڑیں (جن میں) ہم مڈی کھاتے تھے۔“^① اس موضوع پر احادیث کے بارے میں ہم نے تفسیر میں مفصل کلام کیا ہے۔ الغرض مڈی دل نے ان کا تمام سبزہ چٹ کر ڈالا، منکوئی کھتی بچی، نہ پھل، سب کو ختم کر دیا۔

”عقل“ کا مطلب گندم کو لگ جانے والا کبڑا بھی بیان کیا گیا ہے اور مڈی دل کے بچے بھی، جن کے ابھی پرندہ اگے ہوں۔ بعض مفسرین نے کھل، بعض نے چڑیاں اور بعض نے جوئیں مرادی ہیں۔ بستروں اور گھروں میں ان کے گھس جانے کی وجہ سے لوگوں کا سکون عارت ہو گیا اور نیند حرام ہو گئی۔

مینڈک ایک معروف جانور ہے۔ یہ ان کے لیے اس طرح عذاب بن گئے کہ گھروں میں کثرت سے آگئے حتیٰ کہ ان کے کھانے میں اور برتنوں میں جا گھستے تھے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ آدمی کچھ کھانے یا پینے کے لیے منہ کھولتا تو اس کے منہ میں مینڈک داخل ہو جاتا۔

خون کا عذاب اس انداز سے آیا کہ ان کا سارا پانی خون آلود ہو گیا۔ وہ دریائے نیل سے برتن میں پانی بھرتے، یا کسی نہری یا چشمے یا کنویں سے بھرتے تو وہ فوراً تازہ خون بن جاتا۔

یہ سارے عذاب صرف فرعون کی قوم پر آئے۔ بنی اسرائیل ان سے مکمل طور پر محفوظ رہے۔ اس لحاظ سے بھی یہ معجزہ ایک دواؤں کی دلیل تھا کہ یہ سب کچھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ظاہر ہوا تھا اور قوم فرعون کے ہر فرد کو متاثر کرتا تھا جبکہ بنی اسرائیل کا کوئی فرد اس سے متاثر نہیں ہوتا تھا۔ یہ پندرہ ترین دلیل تھی۔

پے در پے عذاب اور قوم فرعون کی وعدہ شکنیاں

جادو گروں کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آنا فرعون کی زبردست شکست کے مترادف تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ کفر اور سرکشی کی راہ پر گامزن رہا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیاں پے در پے عذابوں کی صورت میں ظاہر کرنا شروع کر دیں۔ پہلے قحط واقع ہوا، پھر طوفان آگیا، پھر مڈی دل، جوئیں، مینڈک، خون کے عذاب آئے۔ یہ سب الگ الگ نشانیاں تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے پانی کا طوفان بھیجا۔ پانی پورے علاقے پر پھیل گیا پھر وہیں رک گیا۔ اب وہ نہ کا شکاری کر سکتے تھے کوئی اور کام حتیٰ کہ وہ سخت بھوک کا شکار ہو گئے۔

جب یہ عذاب ان کے لیے برداشت سے باہر ہو گیا تو کہنے لگے:

① صحیح البخاری، الذہابح، الصدید، باب اکل الحراد، حدیث: 5495 و صحیح مسلم، الصدید، الذہابح، باب إباحة الحراد،

طوفان اور مڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون کتنی کھلی نشانیاں بھیجیں مگر وہ تکبر ہی کرتے رہے اور وہ لوگ تھے ہی گناہ گار۔“ (الأعراف: 130/133)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے فرعون کی قوم کو طرح طرح کی آزمائشوں میں ڈالا۔ ”انہیں قحط سالی میں مبتلا کیا۔“ جب نہکھتی باڑی ہو سکتی تھی، نہ دودھ دینے والے جانوروں سے فائدہ حاصل کیا جاسکتا تھا۔ اور درختوں پر پھل کم ہو گئے۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا: ﴿لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ ”تاکہ وہ نصیحت قبول کریں“ لیکن وہ باز نہ آئے بلکہ فرعون اور سرکش پر قائم رہے۔ لہذا جب ان پر خوش حالی آجاتی تو زمین پیداوار سے لگتی اور دوسری نعمتیں حاصل ہوتیں تو کہتے: ﴿لَنَنَاقُ هُنَّ﴾ ”یہ تو ہماری لیے ہونانی چیز ہے“، یعنی یہ ہمارا حق ہے، ہمیں ان نعمتیں ہی ملی چکیں۔ ﴿وَإِنْ لَّمْ يَجِدُوا يُغْنِ عَنْهُمْ سِقَّةَ بَنِي إِسْرَءِيلَ﴾ ”اور اگر ان کو بھلی بدحالی پیش آتی تو موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی نعمت بتاتے۔“ نعمت کو ان کی برکت اور نیکی کا نتیجہ قرار نہیں دیتے تھے، مگر معصیت آتی تو کہتے ان کی نعمت کی وجہ سے آئی ہے۔ دراصل ان کے دلوں میں تکبر تھا جس کی وجہ سے وہ حق سے متنفر تھے۔ معصیت کو حق سے منسوب کرتے اور نعمت کو اپنا حق قرار دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿رَأَيْبًا طَرَفَهُمْ عَنْهُ عِنْدَ اللَّهِ﴾ ”ان کی نعمت اللہ کے پاس ہے“، یعنی اللہ تعالیٰ انہیں سزا دے گا۔ ﴿وَلَكِنْ أَلْغَوْا هُمْ كَرِيحُومُونَ﴾ ”لیکن ان کے انکار لوگ نہیں جانتے۔“

اور یوں کہتے تھے: ﴿مَهْمَا تَأْتِنَا بِهِ مِنْ آيَةٍ لِّنُخْذَرْنَا بِهَا﴾ ”فَإِنَّا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ“ ”تم کسی ہی بات (نشانی) ہمارے سامنے لاؤ کہ اس کے ذریعے سے ہم پر جادو چلاؤ، پھر بھی ہم تمہاری بات برگزنا نہ مانیں گے“، یعنی آپ جیسے بھی معجزہ دکھاتے رہیں، ہم آپ پر ایمان نہیں لائیں گے اور نہ آپ کی اطاعت کریں گے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ۚ وَكَوَجَاءَهُمْ كُلُّ آيَةٍ حَتَّىٰ يَرَوْا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ﴾

”یقیناً جن لوگوں کے حق میں آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے، وہ ایمان نہ لائیں گے، گو ان کے پاس تمام نشانیاں پہنچ جائیں، جب تک کہ وہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں۔“ (نہو نس: 97/96)

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَأَنزَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَادَ وَالْقَحْلَ وَالصَّفَادَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَقْتُلِينَ ۚ فَاسْتَدْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ﴾ ”پھر ہم نے ان پر طوفان بھیجا مڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون۔ یہ سب کٹلے کٹے بھڑے تھے پھر بھی وہ تکبر کرتے رہے اور وہ لوگ تھے ہی گناہ گار۔“

طوفان کی تشریح میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس سے مراد بارش کی کثرت ہے جس کی وجہ سے کھیتیں اور فصلیں ڈوب گئیں اور پھل تباہ ہو گئے۔

عذاب کو ایک خاص وقت تک کر اس تک ان کو پہنچنا تھا، بنا دیتے تو وہ فوراً ہی عہد شکنی کرنے لگتے۔ پھر ہم نے ان سے بدلہ لے لیا یعنی ان کو دریا میں غرق کر دیا۔ اسی سبب سے کہ وہ ہماری آجوں کو جھٹلاتے تھے اور ان سے بالکل ہی غفلت کرتے تھے۔“ (الاعراف: 134-136)

یہ ان لوگوں کے تکبر اور گمراہی کا بیان ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ان معجزات کو اہمیت نہ دی جو آپ اللہ کی طرف سے لائے تھے۔ ان پر جب بھی مہمزد آتی تھی وہ وعدہ کرتے تھے کہ وہ اپنا وعدہ تبدیل کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے اور یہی اسرائیل کو آزاد کر دیں گے۔ لیکن وہ اصلاح کی بجائے عہد شکنی کرتے رہے اور پھر ان پر بار پھیلے سے بڑا عذاب آتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں بار بار مہلت دی لیکن وہ باز نہ آئے۔ آخر کار ان پر اللہ کی گرفت آگئی۔ وہ دوسروں کے لیے ایک عبرت کی کہانی بن کر رہ گئے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ أَسْلَمْنَا مُوسَىٰ إِلَىٰ آيَاتِنَا إِلَىٰ فَتُونَةٍ وَبَدَلًا فَقَالَ إِنِّي رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۖ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِآيَاتِنَا إِذَاهُمْ مِنَهَا يَضْحَكُونَ ۚ وَمَا يُدْرِيهِمْ مِّنْ آيَةِ الْآخِرَىٰ أَكْبَرُ مِنْ أَوَّلِهَا ۖ وَأَخَذَهُم بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۚ وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الشَّجَرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۖ إِنَّا لَنُحْتَدُونَ ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْ قَوْمِهِ قَالَ يُقَوْمُ آلِيسَ بِنِي مُلْكٍ وَصَرَّ ۚ وَهَذَا الَّذِي نُحْيِيهِ مِنْ نَحْنِي ۖ أَفَلَا تَبْصُرُونَ ۚ أَمْ أَنَا خَيْرٌ مِّنْ هَذَا الَّذِي هُوَ مَهِينٌ ۚ وَلَا يَكْدُ بِعَيْنٍ ۚ فَنُلَوِّ الْأُفْقَ عَلَيْهِ سَورَةً مِّنْ ذَهَبٍ ۚ أَوْ جَاءَ مَعَهُ الْيَتِيمَ فَكُفَّرَ بَيْنَهُ ۚ فَاسْتَحَفَّ قَوْمَهُ قَالُوا غَوَّ ط ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَسِيقِينَ ۖ فَلَمَّا اسْتَوْفَا نَقَبْنَاهُم فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ۖ فَجَمَعْنَاهُمْ سَفَا وَمَثَلًا لِلْآخِرِينَ ۖ﴾

”اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا تو انہوں نے کہا کہ میں پروردگار عالم کا بھیجا ہوا ہوں۔ جب وہ ان کے پاس ہماری نشانیاں لے کر آئے تو وہ ان نشانیوں کی ہنسی اڑانے لگے۔ اور جو بھی نشانی ہم ان کو دکھاتے تھے وہ دوسری سے بڑی ہوتی تھی اور ہم نے ان کو عذاب میں پکڑ لیا تاکہ وہ باز آئیں۔ اور وہ کہنے لگے: اے بادوگر! اس عہد کے مطابق جو تیرے پروردگار نے تجھ سے کر رکھا ہے اس سے دعا کر، بیشک ہم ایمان یاب ہو جائیں گے۔ سو جب ہم نے ان سے عذاب کو دور کر دیا تو وہ عہد شکنی کرنے لگے اور فرعون نے اپنی قوم کو پکار کر کہا کہ اے قوم! کیا مصر کی حکومت میرے ہاتھ میں نہیں ہے اور یہ نہریں جو میرے (مخلوق کے) پیچھے سے بہہ رہی ہیں (میری نہیں ہیں؟) کیا تم دیکھتے نہیں کہ میں اس شخص سے کیسے بہتر ہوں جو کچھ عزت نہیں رکھتا اور صاف گھنگوگی نہیں کر سکتا۔ اس پر سونے کے ٹکڑے کیوں نہیں اتارے گئے یا (یہ بتا کر) فرشتے جمع ہو کر اس کے ساتھ آتے۔ غرض اس نے اپنی قوم کی مثل رادی اور انہوں نے اس کی بات مان لی۔

﴿قَالُوا يَمُوسَىٰ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۖ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرِيكَ مَعَكُمْ يَوْمَ الْإِسْرَاءِ ۖ﴾

”اے موسیٰ! ہمارے لیے اپنے رب سے اس بات کی دعا کیجیے، جس کا اس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے۔ اگر آپ اس عذاب کو ہم سے ہٹا دیں تو ہم ضرور آپ کے کہنے سے ایمان لے آئیں گے اور ہم بنی اسرائیل کو بھی (رہا کر کے) آپ کے ہمراہ کر دیں گے۔“

موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تو عذاب ختم ہو گیا۔ لیکن انہوں نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان پر نڈی دل کا عذاب بھیج دیا جس نے تمام درخت اور پودے کھا لیے۔ ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دوبارہ وعدہ کیا تو آپ کی دعا سے عذاب ٹل گیا۔ انہوں نے پھر وعدہ توڑ دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ ریت کے ایک بڑے ٹیلے پر عصا ماریں۔ انہوں نے عصا مارا تو وہاں سے جو نیس نکل کر گھروں میں داخل ہو گئیں اور لوگوں کے لیے کھانا پینا اور سونا یا آرا کرنا دشوار ہو گیا۔

جب وہ جوؤں سے تنگ آ گئے تو موسیٰ علیہ السلام سے پہلے کی طرح درخواست کی۔ ان کی دعا سے عذاب ختم ہو گیا۔ لیکن انہوں نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے مینڈک بھیج دیے۔ گھروں میں، کھانے پینے کی چیزوں میں اور برتنوں میں مینڈک ہی مینڈک نظر آنے لگے۔ کوئی شخص کپڑا اٹھا تا تو نیچے سے مینڈک نکل آتے۔ کھانے کا برتن کھولتا تو مینڈک پھد کر اس میں جا پڑتے۔

جب وہ مینڈکوں سے تنگ آ گئے تو پھر وہی درخواست کی۔ موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے عذاب ختم ہو گیا تو انہوں نے پھر اپنا وعدہ پورا کرنے سے انکار کر دیا۔ تب ان پر خون کا عذاب آ گیا۔ فرعونیوں کا سارا پانی خون میں تبدیل ہو گیا۔ وہ کسی کنوئیں سے پانی نکالے یا دیار سے پانی لیے یا پانی کے برتن سے چلو پھرتے، ان کے ہاتھ میں پیچھے ہی خون بن جاتا۔ بعض علماء نے خون کے عذاب سے تکسیر کی بیماری مراد لی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا يَمُوسَىٰ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۖ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرِيكَ مَعَكُمْ يَوْمَ الْإِسْرَاءِ ۖ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمْ الرِّجْزَ إِلَىٰ أَجَلٍ هُمْ بِلُغْوِهِ إِذَا هُمْ يَنْكُفُونَ ۚ فَانْقَبْنَاهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ ۖ فَجَمَعْنَاهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ۖ﴾

”جب ان پر کوئی عذاب واقع ہوتا تو یوں کہتے: اے موسیٰ! ہمارے لیے اپنے رب سے اس بات کی دعا کیجیے، جس کا اس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے۔ اگر آپ اس عذاب کو ہم سے ہٹا دیں تو ہم ضرور آپ کے کہنے سے ایمان لے آئیں گے اور ہم بنی اسرائیل کو بھی (رہا کر کے) آپ کے ہمراہ کر دیں گے۔ پھر جب ان سے اس

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاسْتَحَفَّ قَوْمَهُ فَاَلَا عُوَهُ؟﴾ ”اس نے اپنی قوم کی عقل کھودی۔ حتیٰ کہ انہوں نے اسے رب بھی مانی لیا“ جو انہیں اس عقائد بات سے گمراہ انہوں نے اُنکی بات مان لی۔ ﴿لَهُمْ كُنُوزٌ مَّا يَصِفُونَ﴾ ﴿فَلَمَّا اسْتَوْفُوا نَفَقَتْنَا مِنْهُمُ﴾ ”یقیناً یہ سارے ہی نافرمان لوگ تھے۔ پھر جب انہوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے انعام لیا“، یعنی ان سے عزت جھین کر انہیں ذلیل کر دیا۔ پسند فرم کر دیا اور دنیا کے بیش کے بعد جہنم کے عذاب میں مبتلا کر دیا۔ ﴿فَجَعَلْنَاهُمْ سَلَفًا وَمَثَلًا﴾ ”پس ہم نے انہیں گمراہ کر دیا اور پچھلوں کے لیے مثال بنالیا۔“ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَمَّا جَاءَهُمْ مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا بَيِّنَاتٍ قَالُوا مَا هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَمَا سَعَيْنَا بِهَٰذَا فِیْ اٰیَاتِنَا الْاَوَّلٰیْنَ﴾ ﴿وَقَالَ مُوسٰی رَبِّیْ اَعْلَمُ بِمَن جَاءَ بِالْهُدٰی مِنْ عِنْدِہٖ وَمَنْ تَوَلّٰوْا لَہٗ عَاقِبَةُ الدّٰرِ اِنَّہٗ لَا یُغْلِبُ الظّٰلِمِیْنَ﴾ ﴿وَقَالَ فِرْعَوْنُ یَا اَیُّهَا الْمَلٰٓئِکَہٗ مَا عَلِمْتُ لَکُمْ مِنْ رَّبِّیْ غَیْرِیْ ۚ فَاَوَدَّ بَنِیْ اِیْہَا مَن عَلَی الظّٰلِمِیْنَ فَاَجْعَلْ فِیْ صَرَحِیْ لَعْنٌ اَطْلِعْ اِنِّی الْیَوْمَ مُوسٰی وَاِنِّیْ لَکَظْمٌ مِّنَ الْکٰذِبِیْنَ﴾ ﴿وَاَسْتَکْبَرُ ھُوَ وَجُودُہٗ فِی الدّٰرِیْنِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَظَنُوْا اَنَّهُمْ اِلٰہِیْنَا لَا یُرْجَعُوْنَ﴾ ﴿فَاَخَذْنٰہُ وَجُودُہٗ فَجَنَبْنٰہُمْ فِی الْیَمِّ ۚ فَاَنظُرْ کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِیْنَ﴾ ﴿وَجَعَلْنٰہُمْ اٰیۃً یَّذَعُوْنَ اِلٰی النَّارِ ۚ وَیَوْمَ الْقَیۡمَةِ لَا یُصْرَفُوْنَ﴾ ﴿وَاتَّبَعْنٰہُمْ فِیْ ھٰذَا الدّٰنِیَا لَعْنَةُ ۚ وَیَوْمَ الْقَیۡمَةِ ھُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْطِیْنَ﴾ ﴿

”اور جب موسیٰ ان کے پاس ہمارے کھلی نشانیاں لے کر آئے تو وہ کہنے لگے کہ یہ تو جادو ہے جو اس نے بنا کر کیا ہے اور یہ (بائیں) ہم نے اپنے اگلے باپ دادا میں تو (بکھی) نہیں سنی۔ اور موسیٰ نے کہا کہ میرا پروردگار اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اس کی طرف سے حق لے کر آیا ہے اور جس کے لیے عاقبت کا گھر (یعنی بہشت) ہے۔ بیشک ہم ظالمات نہیں بنائیں گے۔ اور فرعون نے کہا: اسے اہل دربار میں اپنے سوا کسی کو بہتارا اور انہیں جانتا سوا سے ہاں! میرے لیے گارے کی بیشیں بچا دو۔ پھر ایک (اونچا) محل بنوا دو تاکہ میں موسیٰ کے الٰہ کی طرف جھانک دیکھوں اور میں تو اسے جھوٹا سمجھتا ہوں۔ اور وہ اور اس کے لشکر ملک میں تھا مگر وہ ہور ہے تھے اور خیال کرتے تھے کہ وہ ہماری طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے تو ہم نے اس کو اور اس کے لشکر کو بکڑا لیا اور انہیں رو دیا میں غرق کر دیا۔ سو دیکھو لو کہ ظالموں کا انجام کیا ہوا اور ہم نے اُن کو پشیمان بنایا تھا۔ وہ (لوگوں کو) دوزخ کی طرف بلاتے تھے اور قیامت کے دن اُن کی مدد نہیں کی جائے گی اور اس دنیا میں ہم نے اُن کے پیچھے لپٹ لگا دی اور وہ قیامت کے روز بھی بدحوالوں میں ہوں گے۔“ (القصص: 28/42)

جب انہوں نے تکبر کرتے ہوئے حق کی پیروی سے انکار کیا اور اپنے جھوٹے بادشاہ کے دعویٰ کی تائید اور اس کے احکام کی تعمیل کی تو ان پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور اس نے ان سے شدید ترین انعام لیا۔ اللہ نے فرعون اور اس کے تمام

بیشک وہ نافرمان لوگ تھے۔ جب انہوں نے ہم کو کھانا تو ہم نے اُن سے انعام لیا اور ان سب کو ذوبودیا اور اُن کو گمے گمے کر کے کر دیا اور پچھلوں کے لیے عبرت بنالیا۔“ (الزحرف: 43/46-56)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملنے والے معجزات آپ کی حقانیت کی واضح دلیل تھے۔ لیکن ان لوگوں نے آپ کا اور آپ کے معجزات کا مذاق اڑایا۔ انہوں نے خود بھی آپ کی تکذیب کی اور دوسروں کو بھی کفر پر آمادہ کیا۔ ان کے سامنے کیے بعد دیگرے اللہ کے نشان آئے لیکن ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالُوا یَا اَیُّهَا السّٰحِرُ ادْعِ لَنَا رَبَّکَ بِسَاعِدَیْکَ عِنْدَکَ ۚ اِنَّا لَنَکْهَتُکَ وَنَ﴾ ﴿

”اور انہوں نے کہا: اے جادوگر! ہمارے لیے اپنے رب سے اس کی دعا کر جس کا اس نے تجھ سے وعدہ کر رکھا ہے۔ بیشک ہم ہدایت یافتہ ہو جائیں گے۔“

ان کے زمانے میں ”جادوگر“ کا لفظ عجیب یا نقش کا پہلو نہیں رکھتا تھا کیونکہ اس معاشرے میں جادوگری ”علماء“ کا مقام رکھتے تھے۔ اس لیے انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے سامنے مجرور ہونا یا اظہار کرتے وقت آپ کو ”جادوگر“ کے لفظ سے مخاطب کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَلَمَّا کَفَّٰنَا عَنْہُمْ الْعَذَابَ اِذَاھُمْ یَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ ”پھر جب ہم نے وہ عذاب ان سے بنالیا، انہوں نے اسی وقت اپنا قول قرار توڑ دیا۔“

فرعون نے اس بات پر فخر کیا کہ وہ مصر کا بادشاہ ہے جس میں دریا بہتے ہیں، وہ سونے چاندی کے زیور پہنے ہوئے ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتہرات کرنے کے لیے کہا کہ آپ تو درست طور پر بات بھی نہیں کر سکتے۔ فرعون کی یہ تنقید بے جا تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں میں کتہ نہیں۔ یہ تو عورتوں کا زیور ہے جو مردوں کی شان کے لائق نہیں تو رسولوں کے شان میں اس طرح ہوسکتا تھا جو علم و عقل میں اکمل اور امت و جرأت میں اعلیٰ تھے اور جنہیں دنیا سے محبت نہیں تھی کیونکہ وہ آخرت کی نعمتوں سے خوب واقف تھے۔

فرعون نے کہا: ﴿اَوْ جَاءَ مَسَّہُ الْمَلٰٓئِکَہُ مُقْتَوٰیۃً﴾ ”یا اس کے ساتھ پرہانہ کھڑے ہی آجائے۔“ تو یہ بات بھی نبوت کے لیے لازمی نہیں۔ فرشتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بہت کم درجہ کے افراد کا بھی احترام کرتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث نبوی ہے: ”فرشتے طالب علم کے لیے، اس کے عمل پر خوش ہو کر، اپنے پر جھکا دیتے ہیں۔“^①

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے عظیم پیغمبر کے لیے ان کے احترام اور تواضع کا اعزازہ کیا جاسکتا ہے۔ اگر یہ مقصد ہے کہ فرشتے موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کے لیے ظاہر ہوئے تو اس کی بھی کوئی ضرورت نہیں تھی کیونکہ معجزات اور دلائل آپ کو دیے گئے تھے وہ کسی بھی جادوگر آدمی کے لیے ہدایت تک پہنچنے کے لیے کافی تھے۔

① سنن أبي داود "العلم" باب في فضل العلم" حديث: 3641 وحامص الترمذي "العلم" باب مجاء في فضل الفقه على العبادة

”اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اسی پر توکل کرو، اگر تم مسلمان ہو۔ انہوں نے عرض کیا: ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا۔ اے ہمارے پروردگار! ہم کو ان ظالموں کے لیے فتنہ بنا اور ہم کو اپنی رحمت کے ساتھ ان کا فر لوگوں سے نجات دے۔“ (یونس: 86-84)

انہوں نے اللہ پر توکل کیا، اسی سے مدد مانگی تو اللہ نے انہیں ان مشکل حالات سے نجات دے دی۔ فرمان الہی ہے:

﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ وَأَخِيهِ أَنْ تَبَوَّآ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بَيْوتًا ۚ وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً ۚ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ ۚ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ۝﴾

”اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف وہی کی تم دوں اپنے ان لوگوں کے لیے عرص میں چند مکان مہیا کر دو اور تم سب اپنے انہی گھروں کو نماز پڑھنے کی جگہ قرار دے لو اور نماز کے پابند رہو اور آپ مومنوں کو بشارت دے دیں۔“ (یونس: 87/10)

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہ السلام کو وحی کے ذریعے سے حکم دیا کہ اپنی قوم کے افرادی رہائش فرعونین سے الگ کر لیں تاکہ جو نبی ہجرت کا حکم ملے، سفر کے لیے تیار ہوں۔ ﴿وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً﴾ ”اپنے گھروں کو نماز پڑھنے کی جگہ قرار دے لو۔“ یعنی کثرت سے نماز پڑھو۔ یہ ان مصائب اور مشکلات سے نجات کے لیے اللہ سے مدد مانگنے کا طریقہ بھی تھا، جیسے اللہ کا ارشاد ہے: ﴿وَأَسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ﴾ ”صبر اور نماز کے ساتھ مدد طلب کرو۔“ (البقرہ: 45)

رسول اللہ ﷺ کو بھی جب پریشانی پیش آتی تھی تو نماز میں مشغول ہو جاتے تھے۔ دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ چونکہ وہ اس وقت اپنے عبادت خانوں میں اجتماعی طور پر عبادت نہیں کر سکتے تھے، اس لیے انہیں گھروں میں نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ پہلا قول قوی معلوم ہوتا ہے تاہم اس سے دوسرے قول کی تردید نہیں ہوتی۔ (واللہ اعلم)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرعون اور اس کی قوم کے لیے بددعا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کی حد سے بڑھتی ہوئی سرکشی دیکھی تو اپنے رب سے یوں دعا مانگی:

﴿رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَأَتْهُ زِينَةً وَأَمْوَالًا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ رَبَّنَا لِيُضِلُّهُنَّ عَنْ سَبِيلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ ۚ وَاشْدُدْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۚ قَالَ قَدْ أُجِيبَتْ دَعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيمَا ۚ وَلَا تَتَّبِعِنَّ سَبِيلَ الْكَافِرِينَ ۚ لَا يَحْمِلُونَ ۝﴾

لظہروں کو ایک بیک سندر میں غرق کر دیا، کوئی ایک بھی بچ نہ رہا، بلکہ سب کے سب جہنم رسید ہوئے۔ دنیا میں ان پر لعنتیں برسیں اور قیامت کو بھی ان کا حال ابراہیم کا۔

فرعون اور اس کی فوجوں کی تباہی و بربادی

فرعون اور آل فرعون کے قہر میں اضافہ ہوتا گیا۔ وہ توحید کے دلائل اور متبرکہ انجرات سے بھی فیض یاب نہ ہو سکے تو ان کی سزا کا وقت آ پہنچا۔ اہل مصر میں سے صرف چند افراد ایمان لائے جن کی تعداد ایک قول کے مطابق صرف تین ہے۔ فرعون کی بیوی، قوم فرعون کا وہ مومن، جس کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے، اور وہ شخص جو موسیٰ علیہ السلام کو فرعونینوں کے فیصلے سے آگاہ کرنے کے لیے شہر کے دوسرے کنارے سے بھاگا آیا تھا اور اس نے کہا تھا:

﴿قَالَ يٰمُوسَىٰ إِنَّ الْمَلِكَ يَأْتِيكَ بِكَ يَقُولُكَ فَاهْرُجْ إِنِّي لَكَ مِنَ النَّاصِحِينَ ۝﴾

”موسیٰ! (یہاں کے) سردار تیرے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں۔ پس تو یہاں سے چلا جا! مجھے اپنا خیر خواہ مان۔“

(القصص: 20/28)

ایک قول کے مطابق فرعون کی قوم یعنی قبطیوں میں سے بھی متعدد افراد ایمان لے آئے تھے اور جاؤ گرو توبہ کے سب مومن ہو چکے تھے اور بنی اسرائیل کی پوری قوم بھی مومنین میں شامل تھی، اس کی تائید اس آیت مبارکہ سے ہوتی ہے:

﴿فَمَا آمَنَ لِمُوسَىٰ إِذْ أَخْبَرَهُ مِنْ قَوْمِهِ عَلَىٰ خَوْفٍ مِنْ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَلَآ بِهِمْ أَنْ يَقْنَبَتْهُمْ ۚ وَإِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالِي فِي الْأَذْيَانِ ۚ وَلَئِنَّ الْكَاذِبِينَ لَلْمُسْرِضِينَ ۝﴾

”پس موسیٰ پر ان کی قوم میں سے صرف چند نوجوان آدمی ایمان لائے وہ بھی فرعون سے اور اپنے حکام سے ڈرتے ڈرتے کہ کہیں ان کو تکلیف پہنچائیں اور حقیقت میں فرعون اس ملک میں زور رکھتا تھا اور یہ بات بھی تھی کہ وہ حد سے گزرنے والا تھا۔“ (یونس: 83/10)

﴿ذُرِّيَّةٌ مِنْ قَوْمِهِ﴾ اس کی قوم سے مراد فرعون کی قوم ہے جیسے کلام کے سیاق سے ظاہر ہے۔ اکثر مفسرین کی یہی رائے ہے۔ وہ فرعون کے خوف سے اپنا ایمان ظاہر نہیں کر سکتے تھے۔ اگر وہ توحید اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان کا اظہار کرتے تو انہیں طرح طرح کی آزمائشوں اور آذیتوں کا سامنا کرنا پڑتا۔

اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

﴿يٰقَوْمِ إِنْ كُنْتُمْ مُعْتَدِلِينَ بِاللَّهِ فَحَلِّبُونَا ۖ تَوَكَّلُوا ۖ إِنْ كُنْتُمْ مُسْلِمِينَ ۝ قَالُوا لَعَلَّ اللَّهَ تَوَكَّلَنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۚ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝﴾

ہو ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”ہاں!“

سمنر حکم الہی سے پھٹ گیا: جب معاملہ انتہائی ہازک صورت اختیار کر گیا اور فرعون پورے لاؤ لشکر سمیت قریب پہنچ گیا تو مومن انتہائی پریشان ہو گئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ سمنر پر اپنا عصا مار دے۔ آپ نے عصا مار تے ہوئے فرمایا: ”اللہ کے حکم سے پھٹ جا“ فرماں الہی ہے: ﴿فَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَخَذِ ابْنَ الْيَحْوَ قَائِلَئِكَ فَمَنْ كَانَ ظَنُّهُ عَنِ الظُّلْمِ عَلَيْهِ﴾ ”ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ سمنر پر اپنی لاٹھی مار، پس اسی وقت سمنر پھٹ گیا اور (پانی کا) ہر ایک حصہ بڑے سارے پہاڑ کی طرح ہو گیا۔“ ایک روایت کے مطابق اس میں بارہ راستے بن گئے تھے یعنی ہر قبیلہ کے لیے الگ راستہ بن گیا۔

اسی طرح پانی پہاڑوں کی طرح کٹھا ہو گیا۔ اسے اللہ کی عظیم قدرت نے روک رکھا تھا۔ وہ تو جس کام کو ارشاد فرماتا ہے، وہ ہو جاتا ہے۔ اللہ نے ہوا کو حکم دیا تو اس نے سمنر کے کچھ کو خشک کر دیا۔ اس طرح گھوڑوں اور دوسرے جانوروں کے کم دھنسنے سے محفوظ ہو گئے۔

مومنوں کی نجات اور فرعونوں کی غرقابی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعَبَادِي فَخَضِرْ لَهُمْ ظُلُمَاتِي الْيَمِّ يَبْسًا وَاذْكُرْ فِرْعَوْنَ ذِكْرًا إِنَّ فَتَنَتْنِي فِرْعَوْنُ بِجُنُودِهِ فَفَشَّيْنَاهُم مِّنَ الْيَمِّ مِمَّا غَشَّيَهُمْ ۖ وَأَضَلُّ فِرْعَوْنَ قَوْمَهُ وَمَا هَدَىٰ ۝﴾

”ہم نے موسیٰ کی طرف وحی نازل فرمائی کہ تو راتوں رات میرے بندوں کو لے چل! اور ان کے لیے سمنر میں خشک راستہ بنا لے، پھر نہ تجھے کسی کے آچکے کا خطرہ ہو گا نہ ڈر۔ فرعون نے اپنے لشکروں سمیت ان کا تعاقب کیا پھر تو سمنر ان سب پر چھا گیا، جیسا کہ چھا جانے والا تھا۔ فرعون نے اپنی قوم کو گمراہی میں ڈال دیا اور سیدھا راستہ نہ دکھایا۔“ (طہ: 77/20-79)

جب اللہ عزوجل کے حکم سے سمنر کی یہ کیفیت ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو وہاں سے گزرنے کا حکم دے دیا۔ وہ خوش ہو کر جلدی جلدی ان راستوں میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے ایسا عظیم واقعہ دیکھا تھا جس کو دیکھ کر ہر شخص حیران رہ جائے اور مومنوں کو ہدایت نصیب ہو۔ جب وہ سب پارا تر گئے اور ان کا آخری فرو بھی سمنر سے باہر آ چکا، مین اس وقت فرعون کا لشکر سمنر میں بہتے ہوئے ان راستوں میں داخل ہو رہا تھا۔

تاہم دوسروں کو ڈوبایا۔ بیشک اس قصے میں نشانی ہے لیکن یہ اکثر ایمان لانے والے نہیں اور تمہارا پروردگار تو غالب

(اور) مہربان ہے۔ (الشعراء: 68-52/26)

مفسرین فرماتے ہیں: جب فرعون بنی اسرائیل کے تعاقب میں روانہ ہوا تو ایک بہت بڑا لشکر اس کے ہمراہ تھا۔ کہتے ہیں اس کی گھوڑا سواریوں میں ایک لاکھ ساہ گھوڑے تھے اور اس کے لشکر کی تعداد سولہ لاکھ سے زیادہ تھی۔ (واللہ اعلم) ایک قول کے مطابق بنی اسرائیل میں بچوں وغیرہ کو چھوڑ کر صرف جنگجو مردوں کی تعداد چھ لاکھ تھی۔^① حضرت یعقوب علیہ السلام ساتھ مصر میں آنے سے لے کر موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ مصر سے نکلنے تک چار سو چھپیس مٹی کی سال کی مدت ہے۔

بہر حال فرعون اپنے لشکر سمیت بنی اسرائیل تک پہنچ گیا۔ اس وقت سورج طلوع ہو رہا تھا۔ دنوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ معلوم ہوا تھا کہ اب حملہ ہونے ہی والا ہے تو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: ﴿إِنَّا كُنَّا نَحْنُ﴾ ”ہم تو یقیناً چکر لیے گئے۔“

ظاہری حالات کے مطابق بچے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ سامنے سمنر تھا اور پیچھے فرعون کی فوجیں۔ دائیں بائیں اونچے اونچے پہاڑ تھے۔ جب انہوں نے یہ نازک صورت حال دیکھی تو موسیٰ علیہ السلام سے شکایت کی کہ وہ انتہائی خوف زدہ ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿يَا مُوسَىٰ إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِيكُمُ﴾ ”ہرگز نہیں! یقیناً میرا رب میرے ساتھ ہے، وہ ضرور مجھے راہ دکھائے گا۔“ آپ اپنی جماعت کے پچھلے حصے میں تھے، وہاں سے آگے آ گئے۔ دیکھا کہ سمنر کی لہریں تلاطم خیز ہیں، آپ نے فرمایا: ”مجھے یہیں سے گزرنے کا حکم ہوا ہے۔“

آپ کے ساتھ آپ کے بھائی ہارون علیہ السلام اور حضرت یوشع بن نون علیہ السلام تھے، جو اس وقت ایک اہم قائد اور عالم تھے، انہیں موسیٰ اور ہارون علیہ السلام کی وفات کے بعد نبوت سے سرفراز کیا گیا۔ ان کے حالات اگلے صفحات میں بیان ہوں گے (اشارہ اللہ) قوم فرعون میں سے ایمان لانے والا مومن بھی ان کے ساتھ تھا۔ اس نے کئی بار گھوڑا سمنر میں داخل کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوا۔ اس نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی: ”اے اللہ کے نبی! آپ کو کہیں سے گزرنے کا حکم

① یہ بیان بائبل کے مطابق ہے۔ جنگجو مردوں سے مراد یہ ہے کہ اس کے تعداد میں مورخوں اور بیس سال سے کم عمر کے بچے شامل نہیں۔ علاوہ ازیں یہ تعداد صرف گیارہ قبیلوں کی ہے۔ ہولاد کی جنگجو مردوں میں شامل نہیں کیونکہ وہ صرف مذہبی فرائض انجام دیتے تھے۔ (دیکھیے کتب: باب 1: فقرہ 45/47) لیکن بائبل کی بیان کردہ یہ تعداد درست نہیں۔ علامہ رحمت اللہ کراچی رحمۃ اللہ علیہ نے کئی علماء کے اقوال اور دیگر دلائل سے ثابت کیا ہے کہ بنی اسرائیل مصر میں صرف دو سو پندرہ سال ٹھہرے ہیں۔ (اعلہا تاریخ: 414/415) اس مدت میں اسی سال کا وہ عرصہ بھی شامل ہے، جس میں بنی اسرائیل کے لڑکے کے ذبح کیے جاتے رہے ہیں۔ باقی ایک سو بیستیس سال کی مدت میں یعقوب علیہ السلام کے گیارہ بیٹوں کی اولاد اور تعداد کو کہیں متفق کتی۔ مزید دلائل کے لیے دیکھیے: (اعلہ تاریخ: 128/122) مطبوعہ ریش، سعودی عرب، مئی 1410ھ مطابق 1989ء)

② خروج، باب 12: فقرہ 40/41۔ صحیح مسیح دو سو پندرہ سال ہے۔

آخر کار اس نے اپنا گھوڑا سمندر میں داخل کر دیا۔ جب فرعون نے اسے سمندر میں داخل ہوتے دیکھا تو وہ بھی اس کے پیچھے سمندر میں داخل ہو گئے۔ جب فوج کا اگلا حصہ سمندر سے نکلے کے قریب تھا، اللہ تعالیٰ نے اپنے کیم کوہی کے ذریعے سے حکم دیا کہ سمندر پر عصا رواں کر دیا جائے پہلے تھیں بارہا تھا۔ سب کا فرق ہو گئے۔ ایک بھی نجات نہ پاسکا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَنجَيْنَا مُوسَىٰ وَهَمْلَةَ أَجْعَبُونَ ۚ ثُمَّ أَخْرَجْنَا الْأَخْيَرِينَ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۚ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ۚ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝﴾

”ہم نے موسیٰ اور اس کے تمام ساتھیوں کو نجات دے دی پھر سب دوسروں کو ڈبو دیا۔ یقیناً اس میں بڑی عبرت ہے۔ اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان والے نہیں اور یہ شک آپ کا رب پر اسی غاب و مہربان ہے۔“ (الشعراء: 65/26-67)

یعنی اللہ نے اپنے بندوں کو نجات دی۔ ان میں سے کوئی بھی فرق نہ ہوا اور اللہ کے دشمن سب کے سب فرق ہو گئے۔ ان میں سے ایک بھی نجات نہ پاسکا۔ یہ ایک واضح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ عظیم قدرت و طاقت والا ہے اور اس کا رسول جو شریعت لے کر آیا، وہ برحق ہے۔

فرعون کی آخری لمحے ایمان لانے کی ناکام کوشش

سرشل باغی ظالم اور مغرور و تکبر فرعون نے جب موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھا تو جیٹ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تسلیم کر لیا لیکن اس وقت تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَوَّزْنَا بِهِنَّ يَنفِرَ فِي الْأَرْضِ فَاتَّبِعْنَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُودَهُ بَغْيًا وَعَدُوًّا حَتَّىٰ إِذَا أَدْرَكَهُ الْعَرْبُوں قَالَ أَأُنْذِرُكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا الَّذِي آتَىٰ أَمْنًا يَهْ بَنُو إِسْرَءِيلَ وَ أَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ أَفَلَمْ يَعْصِيَتْ قَبْلُ وَكُنْتُ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ۝ قَالَ يَوْمَ تَنْجِيكَ يَسْكُنُكَ يَتَكُونُ لِيَمْنٌ خَلَكَ أَتَيْتَهُ ۚ وَإِنَّ كَيْدَهُ لَمِنَ النَّاسِ عَنِ الْيَمِينِ لَغْفُلُونَ ۝﴾

”اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار کر دیا پھر ان کے پیچھے پیچھے فرعون اپنے لشکر کے ساتھ ظلم اور زیادتی کے ارادہ سے چلا، یہاں تک کہ جب وہ ڈوبنے لگا تو بولا: میں ایمان لاتا ہوں کہ اس (اللہ) کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔“ (جواب دیا گیا) کیا اب (ایمان لاتا ہے)؟ اور تو پہلے سرکشی کرنا رہا اور مشدود میں شامل ہوا۔ آج ہم صرف تیری لاش کو نجات دیں گے تاکہ تو ان کے لیے نشان عبرت ہو جو تیرے بعد ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ بہت سے آدمی ہماری نشانوں سے غافل ہیں۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَاءَهُمْ رَسُولٌ كَرِيمٌ ۚ أَنْ أَقُولَ لِلَّذِي تَوَلَّىٰ وَرَاءَكَ إِنَّهُ رُبُّكَ ۚ فَيَكْفُرُ بِكَ وَكَيْفَ يَكْفُرُ بِكَ الْكَافِرُ ۚ وَلَئِنْ لَمْ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ فَإِنَّ إِلَٰهَكُمْ جُنْدُ الْمُؤْمِنِينَ ۚ قَالُوا نَحْنُ مُبْتَلَوْنَ ۚ وَذُرْجُوعَ وَمَقَارِئُكُمْ ۚ وَكَعْبَةُ كَانُوا فِيهَا فِكْهَتُمْ ۚ كَذَٰلِكَ ۚ وَآوَرْنَا هَٰذَا قَوْمًا آخَرِينَ ۚ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنْظَرِينَ ۚ وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِي إِسْرَءِيلَ مِنَ الْعَذَابِ الْيَمِينِ ۚ مِنْ فِرْعَوْنَ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَالِيًا مِنَ الْمُسْرِفِينَ ۚ وَلَقَدْ اخْتَرْنَاهُمْ عَلَىٰ عِلْمِهِ عَلَىٰ الْعَالَمِينَ ۚ وَأَتَيْنَاهُمْ مِنْ الْأَيْتِ مَا فِيهِ بَلَاءٌ مُبِينٌ ۝﴾

”اور ان سے پہلے ہم نے قوم فرعون کی آزمائش کی اور ان کے پاس ایک عالمی قدر پیغمبر آئے۔ (جنہوں نے) یہ (کہا) کہ اللہ کے بندوں (یعنی بنی اسرائیل) کو میرے حوالے کر دو۔ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں اور اللہ کے سامنے سرکشی نہ کرو۔ میں تمہارے پاس کھلی دلیل لے کر آیا ہوں اور میں اس (بات) سے کہ تم مجھے سنا کر واپس آئے اور تمہارے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں۔ اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے الگ ہو جاؤ۔ تب موسیٰ نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ یہ نافرمان لوگ ہیں۔ (اللہ نے فرمایا کہ) میرے بندوں کو راتوں رات لے کر چلے جاؤ (فرعون) ضرور تمہارا تعاقب کریں گے۔ اور دریا سے (کہ) خشک (ہو) یا ہوگا) پار ہو جاؤ (تمہارے بعد) ان کا تمام لشکر ڈبو دیا جائے گا۔ وہ لوگ بہت سے باغ اور چشمے چھوڑ گئے اور ٹھیکان اور ٹھیکان مکان اور آرام کی چیزیں جن میں تیش کیا کرتے تھے۔ اسی طرح (ہوا) اور ہم نے دوسرے لوگوں کو ان چیزوں کا مالک بنا دیا۔ پھر ان پر نہ تو آسمان اور زمین کو رونا آیا اور نہ ان کو مہلت دی گئی اور ہم نے بنی اسرائیل کو ذلت کے عذاب سے نجات دی یعنی فرعون سے۔ پیچک دوسرے اسرار سے نکلا ہوا تھا۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو اہل عالم سے داشت منتخب کیا تھا اور ان کو اہل نشانیاں دیں تھیں جن میں صریح آزمائش تھی۔“ (الدخان: 33-44/17)

جب آپ نے سمندر کو اسی طرح رہنے تو فرعون بھی وہاں پہنچ گیا۔ وہ یہ منظر دیکھ کر خوف زدہ ہو گیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ یہ اس اللہ کا کام ہے جو عرش عظیم کا مالک ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ رک جائے اور دل میں شرمندہ ہو رہا تھا لیکن اس نے اپنی قوم کے سامنے جرات کا مظاہرہ کیا اور اپنے نبیوت پر دھاروں سے بولا: ”دیکھو اس طرح سمندر نے مجھے راستہ دے دیا ہے کہ میں اپنے ضرور اور باغی بندوں کو گرفتار کروں۔“ لیکن دل میں وہ مذہب کا خشکار تھا کہ آگے بڑھے یا نہ بڑھے۔

سرکشی کرتا رہا اور مفسدوں میں شامل رہا۔ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا ایمان قبول نہیں ہوا کیونکہ اگر اسے مزید مہلت دی جاتی تو وہ دوبارہ گشت اطوار ہی اختیار کرتا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے کافروں کے بارے میں فرمایا ہے کہ جب وہ جہنم کو آئیں گے تو کہیں گے: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْجِعُوْا فِیْہِمْ اَمْوَالَکُمْ الّٰی تَاْتٰکُمْ مِنْہُمْ فَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ ”ہائے! کیا اچھی بات ہو کہ تم پھر واپس بھیج دیے جائیں، اور اگر ایسا ہو جائے تو ہم اپنے رب کی آیات کو نہ جھٹلائیں اور ہم ایمان والوں میں سے ہو جائیں۔“ (الأنعام: 27/6)

اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا: ﴿بَلْ یَسْأَلُکُمْ عَنْہُمْ لَعَلَّکُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ ”بلکہ جس چیز کو اس نے قتل دیا کرتے تھے، وہ ان کے سامنے آگئی ہے اور اگر یہ لوگ پھر واپس بھیج دیے جائیں تب بھی یہ وہی کام کریں گے جس سے ان کو منع کیا گیا تھا اور یقیناً یہ بالکل جھوٹے ہیں۔“ (الأنعام: 28/6)

۹۔ فرعون کی لعش نشان عبرت ہے: اللہ تعالیٰ نے اس مغرور تکبر کی لعش کو تاقیامت والے آئینوں کے لیے نشان عبرت بنادیا تاکہ آئندہ بھی خدائی دعویٰ کرنے والے اپنا انجام بغور ملاحظہ کر لیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قَالِیَوْمَ نُنَجِّیْکَ مِنْکَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ حَفَلَتْ اَیُّہُ﴾

”مواجم ہم صرف تیری لاش کو نجات دیں گے تاکہ تو ان کے لیے نشان عبرت ہو جو تیرے بعد ہیں اور حقیقت یہ

ہے کہ بہت سے آدمی ہماری نشانوں سے غافل ہیں۔“ (یونس: 92/10)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر حضرات سے روایت ہے کہ بنی اسرائیل کو فرعون کی موت کا یقین نہ آیا۔ بعض نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ وہ مری نہیں سکتا۔ جب سمندر نے اللہ کے حکم سے اس کی لاش پانی کی سطح پر یا یک طیلے پر اچھال دی اور اس کی وہ قیاس اس کے جسم پر چھٹی جو لوگ چپختے تھے تاکہ انہیں اس کی ہلاکت کا یقین ہو جائے اور وہ اللہ کی قدرت کا مشاہدہ کر لیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قَالِیَوْمَ نُنَجِّیْکَ مِنْکَ﴾ ”آج تم مجھے تیرے بدن کے ساتھ نجات دیں گے۔“ یعنی تیری معروف قیاس کے ساتھ تیرے بدن کو چپائیں گے۔ ﴿لَتَكُوْنَ لِمَنْ حَفَلَتْ اَیُّہُ﴾ ”تاکہ تو ان کے لیے نشان عبرت ہو جو تیرے بعد ہیں۔“ یعنی بنی اسرائیل کے لیے یہ اللہ کی قدرت کی دلیل ہوگی جس نے تجھے تباہ کیا۔

فرعون اور اس کی افواج کی تباہی کا واقعہ کا شعراء کے دن (محرم کی دس تاریخ کو) پیش آیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب نبی ﷺ (ہجرت کر کے) مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہودی کا شعراء کے دن روزہ رکھتے تھے۔ آپ نے فرمایا: ”یہ دن کیا (اہمیت رکھتا) ہے، جس کا تو روزہ رکھتے ہو؟“ انہوں نے کہا: اس دن موسیٰ علیہ السلام کو فرعون پر غلبہ نصیب ہوا تھا۔ نبی ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ”موسیٰ علیہ السلام پر تمہارا حق ان (یہود) سے زیادہ ہے، اس لیے (کا شعراء کا) روزہ رکھا کرو۔“

① صحیح البخاری، الصوم، باب صوم یوم عاشوراء، حدیث: 2004 وصحیح مسلم، الصیام، باب صوم یوم عاشوراء، حدیث: 1130

(یونس: 92-90/10)

اللہ تعالیٰ نے کافر قبطیوں کے سردار یعنی فرعون کے ڈوبنے کی کیفیت بیان کی ہے۔ جب وہ پانی کی لہروں میں کبھی ڈوب رہا تھا اور کبھی ابھر رہا تھا اور بنی اسرائیل اس پر اور اس کی فوجوں پر نازل ہوئے والا اللہ کا عذاب دیکھ رہے تھے تاکہ ان کے دل غشٹے ہو جائیں۔ جب فرعون نے دیکھا کہ موت اس کے سر پر کھڑی ہے اور اس کی جان ٹٹکتی گئی تو اس نے تو یہی کہیں اس وقت ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ حَفَلَتْ عَلَیْہِمْ کَلِمَتُ رَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ وکَآءَجَآءَ نَحْمٌ کُلٌّ اَیُّہُ حَتّٰی یُرُوْا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ﴾

”یقیناً جن لوگوں کے قن میں آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے، وہ ایمان نہ لائیں گے، مگر ان کے پاس تمام نشانیں پہنچ چکی ہیں، جب تک وہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔“ (یونس: 97/96/10)

دوسرے مقام پر یونس فرمایا:

﴿قَتَلْنَا رَاوٰدَآءَ بَنَسَآءَ قَالُوْا اَمَّا بَآئِلُوْہُمْ وَذَرْنَا ہُمْ لِنَاکُمْ بِمَآءٍ مُّشْرِکَیْنِ﴾ قَلَمَ یَاکَ یَنْفَعُہُمْ اَیْمَانُہُمْ لَمَّا رَاوٰا بَنَسَآءَ سَنَّتْ اللّٰہُ اِلَیْہِیْ قَدْ خَلَّتْ فِیْ عِبَادِہٖ وَحَسِرَ ہُنَا لَکَ الْکٰفِرُوْنَ﴾

”ہمارا عذاب دیکھتے ہی کہنے لگے: ہم اللہ واحد پر ایمان لائے اور جن جن کو ہم ان کا شریک بناتے رہے، ہم نے ان سب کا انکار کیا۔ لیکن ہمارے عذاب کو دیکھ لینے کے بعد کے ایمان کے نہیں فائدہ نہ دیا۔ اللہ نے اپنا معمول یہی مقرر کر رکھا ہے جو اس کے بندوں میں برابر چلا آ رہا ہے۔ اور اس جگہ کا فرخ باد خستہ ہوئے۔“ (المؤمن: 85/84/40)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی تھی کہ فرعون اور اس کے سرداروں کے اموال تباہ ہو جائیں اور ان کے دل سخت ہو جائیں، انہیں دردناک عذاب میں مبتلا ہونے تک ایمان نصیب نہ ہو۔ اس لیے انہیں مرتے وقت کے ایمان سے کوئی فائدہ نہ ہوا اور حسرت و افسوس کی حالت میں مرے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا: ﴿قَدْ اٰجِیْبَتْ دَعْوٰیکَ﴾ ”تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی۔“ اب اس قبولیت کا اظہار ہو رہا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب فرعون نے کہا: میں ایمان لاتا ہوں کہ اس (اللہ) کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں (اس وقت کے بارے میں) جبریل علیہ السلام نے مجھے فرمایا: تم (ﷺ) کا ش آپ دیکھتے جب میں نے سمندر کی کچھلے کفر فرعون کے منہ میں ٹھونس دی تھی، اس ڈر سے کہ اس پر اللہ کی رحمت نہ ہو جائے۔“

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿اَتْلُوْا وَاَنْتُمْ عَلٰی عَصٰیۃٍ قَبْلَ وَکَلٰتِ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ﴾ ”کیا اب (ایمان لاتا ہے) اور تو پہلے

نے کسی طرح نہیں ان کی عزت اور مال سے محروم کر کے ہلاک کر دیا اور ان کے تمام مالوں اور ملکیتی اشیاء کے مالک بنی اسرائیل بن گئے۔ جیسے ارشاد ہے:

﴿كَذَلِكَ وَأَوْرَثْنَاهَا بَنِي إِسْرَءِيلَ﴾

”اسی طرح ہوا اور ہم نے ان (تمام) چیزوں کو دار ثبوت بنی اسرائیل کو بنادیا۔“ (الشعراء: 59/26)

اور مزید فرمایا:

﴿وَيُؤَيِّنُ عَنْ لُحْنِ الْكَذِبِ اسْتَضْعَفُوا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ﴾

”پھر ہم نے چاہا کہ ہم ان پر کرم فرمائیں جنہیں زمین میں بے حد کمزور کر دیا گیا تھا اور ہم انہیں کوچیوں اور (زمین کا) وارث بنائیں۔“ (القصاص: 5/28)

اور یہاں فرمایا: ﴿وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا ۖ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْفُصْلَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ ۖ بِمَا صَبَرُوا وَدَعَرْنَا مَا كَانَ يُفْتَضُّ فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهُ وَمَا كَانُوا يُعْرِشُونَ﴾ ”اور ہم نے ان لوگوں کو جو بالکل کمزور کر دیے جاتے تھے اس سرزمین کے مشرق و مغرب کا مالک بنادیا جس میں ہم نے برکت رکھی ہے اور آپ کے رب کا نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے پورا ہو گیا اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کے ساتھ پر داخندہ کارخانوں کو اور جو کچھ وہ اونچی اونچی عمارتیں بنواتے تھے، سب کو درہم برہم کر دیا۔ یعنی ان سب کو تباہ کر دیا اور دنیا کی شوکت و عظمت ان سے چھین لی۔ بادشاہ اس کے درباری، اس کے حاکم، اس کے لشکر سپاہ ہوا گئے، صرف مصر کے عوام اور عیت کے افراد باقی رہ گئے۔

☞ قوم کی خواہش بہت برسی: اللہ تعالیٰ نے انہیں عظیم و برتر کتاب میں قوم موسیٰ کی ایک غلط خواہش کا تذکرہ یوں فرمایا:

﴿وَجُوزْنَا بِبَنِي إِسْرَءِيلَ الْبَحْرَ فَأَتَوْا أَعْلَىٰ قَوْمٍ يُعَلِّفُونَ عَلَىٰ أَصْنَانِهِمْ ۖ قَالُوا لِمُوسَىٰ اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ ۚ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ۚ إِنَّ هَؤُلَاءِ مَتَّبِعُوا مَا هُمْ فِيهِ وَبُطِلَ مَا كَانُوا يَعْبُدُونَ﴾

”اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار تار دیا۔ پس ان لوگوں کا ایک قوم پر گزر ہوا جو اپنے چند بتوں سے گئے بیٹھے تھے، کہنے لگے: اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی ایک معبود ایسا ہی مقرر کر دیجیے جسے ان کے معبود ہیں۔ آپ نے فرمایا: واقعی تم لوگوں میں بڑی جہالت ہے۔ یہ لوگ جس کام میں گئے ہیں یہ تباہ کیا جانے لگا اور ان کا یہ کام خالص

بے بنیاد ہے۔“ (الاعراف: 138/7)

انہوں نے جہالت اور گمراہی کی یہ بات کہی، حالانکہ وہ اللہ کی قدرت کی ایسی نشانیاں دیکھ چکے تھے جن سے عظیم رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت بالکل واضح ہو چکی تھی۔ واقعہ یہ ہوا کہ ان کا گزر ایسی قوم کے پاس سے ہوا جو بت

فرعون کی ہلاکت کے بعد بنی اسرائیل کے حالات

فرعون اور اس کی کافر قوم کی قربانی کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کو بے شمار نعمتوں سے نوازا خصوصاً غلامی سے نجات اور اس کی نعمت سے سرفراز کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاتَّقِنَا وَنَحْنُ قَاعَرُفُهُمْ فِي الْبَحْرِ ۖ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ۖ وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا ۖ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْفُصْلَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ ۖ بِمَا صَبَرُوا وَدَعَرْنَا مَا كَانَ يُفْتَضُّ فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهُ وَمَا كَانُوا يُعْرِشُونَ ۖ وَجُوزْنَا بِبَنِي إِسْرَءِيلَ الْبَحْرَ فَأَتَوْا أَعْلَىٰ قَوْمٍ يُعَلِّفُونَ عَلَىٰ أَصْنَانِهِمْ ۖ قَالُوا لِمُوسَىٰ اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ ۚ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ۚ إِنَّ هَؤُلَاءِ مَتَّبِعُوا مَا هُمْ فِيهِ وَبُطِلَ مَا كَانُوا يَعْبُدُونَ ۚ قَالَ أَغَيْرَ اللَّهِ أَنْعِمَكُمْ إِلَهًا ۚ وَهُوَ فَضْلُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ۚ وَإِذْ أَنْجَيْنَاكُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُوكُمْ سَوَاءَ الْعَذَابِ ۖ يُقَتِّلُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ ۚ وَفِي ذَلِكُمْ بَلَاءٌ لِّقَوْمٍ ذُرِّيَّتُهُمُ عَظِيمٌ﴾

”پھر ہم نے ان (قوم فرعون) سے بدلہ لے لیا، یعنی ان کو سمندر میں غرق کر دیا۔ اس سب سے کہ وہ ہماری آیتوں کو چھٹاتے تھے اور ان سے بالکل بی غفلت کرتے تھے اور ہم نے ان لوگوں کو جو بالکل کمزور کر دیے جاتے تھے اس سرزمین کے مشرق و مغرب کا مالک بنادیا جس میں ہم نے برکت رکھی ہے اور آپ کے رب کا نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے پورا ہو گیا اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کے ساتھ پر داخندہ کارخانوں کو اور جو کچھ وہ اونچی اونچی عمارتیں بنواتے تھے، سب کو درہم برہم کر دیا اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار تار دیا۔ پس ان لوگوں کا ایک قوم پر گزر ہوا جو اپنے چند بتوں سے گئے بیٹھے تھے، کہنے لگے: اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی ایک معبود ایسا ہی مقرر کر دیجیے جسے ان کے معبود ہیں۔ آپ نے فرمایا: واقعی تم لوگوں میں بڑی جہالت ہے۔ یہ لوگ جس کام میں گئے ہیں یہ تباہ کیا جانے لگا اور ان کا یہ کام خالص بے بنیاد ہے۔ فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو تمہارا معبود تجوہر کر دوں؟ حالانکہ اس نے تم کو تمام جہان والوں پر فوقیت دی ہے۔ اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم کو فرعون والوں سے چھلایا جو تم کو بت کی تلکیں پہنچاتے تھے تمہارے بیٹوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی بھاری آزمائش تھی۔“ (الاعراف: 136/7-141)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی افواج کے غرق ہونے کا واقعہ بیان فرمایا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ اس

پڑو۔ انہوں نے جواب دیا: اے موسیٰ! وہاں تو دروازہ در سرکش لوگ ہیں اور جب تک وہ وہاں سے نہ نکل جائیں ہم تو ہرگز وہاں نہ جائیں گے۔ ہاں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں پھر ہم (بخوشی) چلے جائیں گے۔ دو شخصوں نے جو اللہ سے خوف کھانے والوں میں سے تھے، جن پر اللہ تعالیٰ کا فضل تھا، کہا: تم ان کے مقابلے میں دروازے میں تو پہنچ جاؤ۔ دروازے میں قدم رکھتے ہی یقیناً تم غائب آ جاؤ گے تم اگر مومن ہو تو تمہیں اللہ تعالیٰ ہی ہر جہر و سار کھنا چاہیے۔ قوم نے جواب دیا: اے موسیٰ! جب تک وہ وہاں ہیں، تب تک ہم ہرگز وہاں نہ جائیں گے، اس لیے تم اور تمہارا پروردگار دونوں ہی لڑ بھڑلو۔ ہم یہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔ موسیٰ (ﷺ) کہنے لگے: اے اہل! مجھے تو تجربہ اپنے اور میرے بھائی کے کسی اور پرکوی اختیار نہیں، پس تو ہم جن اور ان نافرمانوں میں جدائی ڈال دے۔ اور شاہد وہاں: یہ (زمین) ان پر چالیس سال تک حرام کر دی گئی ہے۔ یہ (خانہ بدوشوں کی طرح) ادھر ادھر سرگرداں رہیں گے۔

اس لیے تم ان فاقصوں کے بارے میں غمگین نہ ہونا۔“ (الہائدہ: 26-20/5)

اللہ نے نبی حضرت موسیٰ (ﷺ) نے قوم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے احسان اور دینی و دنیاوی نعمتیں یاد دلانے ہوئے انہیں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے اور اللہ کے دشمنوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: ﴿ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمَقْدَسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِكُمْ﴾ ”اس مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے نام لکھ دی ہے اور اپنی پشت کے بل رگروانی نہ کرو۔“ یعنی دشمنوں کے خلاف جہاد کرنے سے جی نہ چڑاؤ۔ ﴿فَتَقَبَّلُونَهَا خَبِيرِينَ﴾ ”کہ پھر نقصان میں جا پڑو۔“ یعنی ایسا نہ ہو کہ نفع کے بعد خسارے کا اور کمال کے بعد تنزل اور نقص کا شکار ہو جاؤ۔ انہوں نے جواب دیا: ﴿يُمَوِّسِي إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِينَ﴾ ”اے موسیٰ! وہاں تو دروازہ در سرکش لوگ ہیں۔“ یعنی وہ بہت زبردست و فساد اور کافر ہیں۔ ﴿وَأَنَّا نَكُنْ لَّكُلِّهَا حَتْفَىٰ يَخْرُجُونَا مِنْهَا﴾ ”اور جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں، ہم تو ہرگز نہ جائیں گے۔“ وہ ان جبارین سے ڈر گئے، حالانکہ فرعون کی بلاکت ان کی آنکھوں کے سامنے ہو تھی، جو ان سے کہیں زیادہ زبردست، زیادہ ظالم اور زیادہ فوج والو تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کی بات قابل ملامت ہے کہ وہ دشمنوں اور ظالموں کے مقابلہ سے پہلو جہی کر رہے تھے۔

بعض مفسرین نے ﴿جَبَّارِينَ﴾ کے بارے میں بے سرو پا قصے نقل کر دیے ہیں جس میں ان کی غیر معمولی جسامت کا ذکر کیا گیا ہے، ان کے ایک آدمی عوج بن عمن کا قد تین ہزار تین سو تینتیس باجم بیان کیا گیا ہے۔ یہ سب بے ثبوت باتیں ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿قَالَ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقَافُونِ اَتَعْمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ﴾ ”وہ شخصوں نے جو اللہ سے ڈرنے والوں میں سے تھے اور جن پر اللہ تعالیٰ کا فضل تھا۔“ میں اس فضل و انعام سے اسلام، ایمان، اطاعت و گزاری اور شجاعت مراد ہے۔ انہوں نے کہا: ﴿ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَاعْلَمُوا عَلَيْكُمْ غُلُوبَةً وَعَلَىٰ لَكُمُ الْقَوْلُ فَكُلُّوا إِنَّ لَكُم مِّنْ قَوْمٍ مِّنْكُمْ﴾

پرست تھی۔ کہتے ہیں وہ بت گائے کی شکل کے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے پوچھا ہوگا کہ وہ ان کی پوجا کیوں کرتے ہیں؟ جواب یہ ملا ہوگا کہ ان سے نفع حاصل ہوتا ہے اور جانتیں پوری ہوتی ہیں۔ ان جابلو نے ان کی بات کو سچ سمجھ لیا اور اپنے نبی حضرت موسیٰ (ﷺ) سے یہ مطالبہ کر ڈالا: ﴿اجْعَلْ لَّنَا إِلَٰهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ﴾ ”جیسے ان کے معبود ہیں، ہمارے لیے بھی ایک معبود بناد دیجیے۔“

حضرت موسیٰ (ﷺ) نے ان کی حماقت واضح کرتے ہوئے فرمایا: ﴿إِنَّ قَوْلَ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُمْ قَوْلٌ بِطُلُغٍ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ ”یہ لوگ جس کام میں لگے ہوئے ہیں تاہم کیا جانے گا اور ان کا یہ کمال بے بنیاد ہے۔“

بنی اسرائیل کا جہاد سے انکار اور دشمنی تو رومی: جب حضرت موسیٰ (ﷺ) مصر سے نکلے اور بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے تو ان کا سامنا مثنیٰ ثواری اور کنعانی اقوام کے زبردست لوگوں سے ہوا۔

حضرت موسیٰ (ﷺ) نے اپنی قوم کو حکم دیا کہ کافر قوموں کے خلاف جہاد کریں اور انہیں بیت المقدس کی سرزمین سے نکال دیں، جس کے بارے میں اللہ نے حضرت ابراہیم اور موسیٰ (ﷺ) کی زبانی ان سے وعدہ کیا ہے کہ وہ بنی اسرائیل کو ملے گی۔ انہوں نے جہاد کرنے سے انکار کر دیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان پر خوف مسلط کر دیا اور انہیں چالیس سال کی طویل مدت کے لیے میدان تیس میں پھنسنے دیا۔ وہ چلتے رہے، سفر کرتے رہے، ادھر ادھر آتے جاتے رہے حتیٰ کہ چالیس سال بیت گئے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَذَىٰ قَالَ مَوْسَىٰ لِقَوْمِهِ يَقُولُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا وَآتَاكُمْ مَا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ﴾ ”يَقُولُوا ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمَقْدَسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ“ ﴿قَالُوا يَمُوسَىٰ إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِينَ“ ﴿وَأَنَّا نَكُنْ لَّكُلِّهَا حَتْفَىٰ يَخْرُجُونَا مِنْهَا وَإِنَّا لَنَكُونُ لَهُمْ جَبَّارِينَ﴾ ﴿قَالَ رَبُّنَا مِنَ الَّذِينَ يَخْلُقُونَ أَعْمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَاعْلَمُوا عَلَيْكُمْ غُلُوبَةً وَعَلَىٰ لَكُمُ الْقَوْلُ فَكُلُّوا إِنَّ لَكُم مِّنْ قَوْمٍ مِّنْكُمْ﴾ ﴿قَالُوا يَمُوسَىٰ إِنَّ كُنْ لَّكُلِّهَا إِبْرَاهِيمًا دَامُوا فِيهَا قَالُوا قَدْ أَتَتْ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هُنَا مُقْدُونٌ﴾ ﴿قَالَ رَبِّ إِنِّي لَا أَقْنِيهِ إِلَّا نَفْسِي وَآجِنِي قَافِرِي بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ﴾ ﴿قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً يَكُونُونَ فِي الْأَرْضِ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ﴾

”اور (یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم کے لوگو! اللہ کا احسان یاد کرو کہ اس نے تم میں سے پیغمبر بنائے اور تمہیں بادشاہ بنایا اور تمہیں وہ دیا جو تمام عالم کی کسی قومیں دیا۔ اے میری قوم والو! اس مقدس زمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے نام لکھ دی ہے اور اپنی پشت کے بل رگروانی نہ کرو کہ پھر نقصان میں جا

بَعَثْنَاهُمْ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَنَشْكُرَهُنَّ ۖ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّاءَ وَالسَّلْوَٰى
كُلَّامٍ مِّنْ طَلْحٍ مَّا رَزَقْنَاهُمْ ۖ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٤١﴾

”اور (ہمارے ان احسانات کو یاد کرو) جب ہم نے تم کو قوم فرعون سے نجات بخشی۔ وہ (لوگ) تم کو برا دکھا دیتے تھے۔ تمہارے بیٹوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور بیٹیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی (خست) آزمائش تھی۔ اور جب ہم نے تمہارے لیے سمندر کو پھاڑ دیا تو تم کو نجات دی اور فرعون کی قوم کو مفرق کر دیا اور تم دیکھ رہے تھے۔ اور جب ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا وعدہ کیا تو تم نے ان کے پیچھے بچھڑے کو (معبود) مقرر کر لیا اور تم ظلم کر رہے تھے۔ پھر اُس کے بعد ہم نے تم کو معاف کر دیا تاکہ تم شکر کرو۔ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ بھائیو تم نے مجھ سے کو (معبود) ٹھہرانے میں (بڑا) ظلم کیا ہے سو اپنے پیدا کرنے والے کے آگے تو یہ کرو اور اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالو۔ تمہارے خالق کے نزدیک تمہارے حق میں یہی بہتر ہے۔ پھر اُس نے تمہارا قصور معاف کر دیا وہ بیشک معاف کرنے والا (اور) صاحب رحم ہے۔ اور جب تم نے (موسیٰ سے) کہا: اے موسیٰ! جب تک ہم اللہ کو سامنے نہ دیکھ لیں گے تم پر ایمان نہیں لائیں گے۔ لہذا تم کو کھلی آنے آگھیرا اور تم دیکھ رہے تھے۔ پھر موت آ جانے کے بعد ہم نے تم کو از نو زندہ کر دیا تاکہ احسان مانو۔ اور بادل کا تم پر سایہ کیے رکھا اور تمہارے لیے من اور سلویٰ اتار دے کہ جو یہ کچھ چیزیں ہم نے تم کو عطا فرمائی ہیں، ان کو کھاؤ (یوگر تمہارے بزرگوں نے ان نعمتوں کی قدر نہ جانی) اور وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑتے تھے بلکہ اپنے آپ پر ظلم کر رہے تھے۔“ (البقرة: 49/57)

اس کے بعد فرمایا:

﴿وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِصَاحِكُ الْحَجَرِ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ نَضِيقًا قَدْ
عَلِمَ كُلُّ أَنَاسٍ حُشْبَهُمْ كَلَمًا وَأَشْرَبُوا مِنْ رِّزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْتَوُوا فِي الْأَرْضِ مَقْسِدِينَ ۚ وَارْذُ
قُلْتُمْ يَبُوسَىٰ لَن نَّضْرِبَ عَلَىٰ صَاحِبِهِ وَاجِبٍ قَاطِعٍ لَّنَا نَدْلِكَ مَخْرُجًا لَّنَا مِمَّا فُتِنْتُ الْأَرْضَ مِنْ بَقْلَہَا
وَقَتْلَہَا وَفُتُونِہَا وَعَدِیْہَا وَبَصِلَہَا قَالَ اسْتَبْدِلُونِ الذِّیْ هُوَ أَذَىٰ بِالْأَنْبِیِّ هُوَ خَیْرٌ ۖ اِهْطُوا مِصْرًا
فَإِن لَّكُمْ مَسَآلَتْکُمْ وَصُرِیْتُ عَلَیْہُمْ الذِّیَالَةُ وَالْمَسْکِنَةُ ۖ وَیَأْتِیْهِمْ یَضْطَرُّ مِنَ اللَّهِ ذَلِکَ یَأْتِیْہُمْ
كَأَنَّهُمْ یَقْرَءُونَ بِأَلْفِیَّتِ اللَّهِ وَیَقْتُلُونَ الْمُجْتَنِبِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ذَلِکَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا یَعْتَدُونَ ﴿٤٢﴾

”اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے (اللہ سے) پانی مانگا تو ہم نے کہا کہ اپنی لٹھی پتھر پر مارو (انہوں نے لٹھی ماری) تو اس میں سے بارہ چشمے چھوٹ نکلے اور تمام لوگوں نے اپنا اپنا گھاٹ معلوم کر (کے پانی پی لیا) (ہم نے حکم دیا کہ) اللہ کی (عطا فرمائی ہوئی) روزی کھاؤ اور یوگر زمین میں فساد نہ کرتے پھرنا۔ اور جب ہم نے کہا: اے موسیٰ! ہم

زیادہ مدت کے لیے جمع کرتا تو وہ خراب ہو جاتا۔ اگر کوئی تھوڑا لیتا تو وہ اس کے لیے کافی ہو جاتا۔ اگر کوئی (بلا ارادہ) زیادہ لے لیتا تو وہ خرچ ہو جاتا، کچھ نہ بچتا۔ اور انتہائی شیریں اور انتہائی سفید تھا۔ وہ لوگ اسے روٹیوں کی طرح بنالیتے تھے۔ جب شام ہوتی تو بہت سے سلویٰ پرندے (بئیر) ان کے پاس آکر جمع ہو جاتے۔ وہ بڑی آسانی سے حسب ضرورت کچڑ لیتے جو ان کے رات کے کھانے کے لیے کافی ہو جاتے۔

جب گرمی کا موسم آتا تو اللہ تعالیٰ ان پر بالوں کا سایہ کر دیتا جس سے وہ سورج کی تیز دھوپ اور شدید گرمی سے محفوظ رہتے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ میں فرمایا ہے:

﴿يَبْنَیْ سِرَآئِلَ اذْکُرُوا بَعِیْثِی الَّذِیْ اَنْفَعْتُ عَلَیْکُمْ وَاَوْفُوا بِعَهْدِیْ اَوْفِ بِعَہْدِکُمْ وَاِیَّآیْ فَالْہٰیہِیْنَ ۚ وَاعْمُوا بِمَا اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمْ وَلَا تَلُونَا اَوَّلَ کَافِرٍ بِہٖ ۚ وَلَا تَشْکُرُوْا بِاٰیٰتِیْ سُبَّانَ قَلْبِیْہِ رَ اِیَّآیْ فَالْقٰلِیْنَ ﴿٤٣﴾

”اے بنی اسرائیل! میرے وہ احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کیے تھے اور اُس اقرار کو پورا کرو جو تم نے مجھ سے کیا تھا۔ میں اس اقرار کو پورا کروں گا جو میں نے تم سے کیا تھا اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔ اور جو کتاب میں نے (اپنے رسول محمد ﷺ پر) نازل کی ہے جو تمہاری کتاب (تورات) کو سچا کہتی ہے اس پر ایمان لاؤ اور اس کے منکر اذول نہ بنو اور میری آیتوں میں (تحریف کر کے) اُن کے بدلے تھوڑی سی قیمت (یعنی دنیاوی منفعت) حاصل نہ کرو اور مجھ ہی سے خوف رکھو“ (البقرة: 40/41)

بنی اسرائیل پر انعامات ربانی کی بارش

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اپنے ہر بے اعمات و احسانات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَإِذْ تَخْلِفُکُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ یَسُومُکُمْ سُوءَ الْعَادَابِ بِأَیِّ یَحْشُونَ اِبْنَاءَکُمْ وَیَسْتَحْیُونَ نِسَاءَکُمْ ۚ وَفِی ذٰلِکُمْ بَلَاءٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ عَظِیْمٌ ۚ وَإِذْ فَرَقْنَا بِکُمُ الْبَحْرَ فَاتَّحِیْنُکُمْ وَاعْرِفْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَانْتُمْ تَنْظُرُونَ ۚ وَإِذْ وَعَدْنَا مُوسٰی آَرَٰءَیْتُمْ لَیْلَۃَ لَّمَّا اَفْخَذْکُمْ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِہٖ وَانْتُمْ ظٰلِمُونَ ۚ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْکُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُونَ ۚ وَإِذْ اَتَیْنَا مُوسٰی الْکِیْبَ وَ الْفِرْعَانَ لَعَلَّکُمْ تَهْتَدُونَ ۚ وَإِذْ قَالَ مُوسٰی لِقَوْمِہٖ یَقُومِہٖ اَنْتُمْ کَلِمَکُمْ اَنْفُسَکُمْ بِاتِّخَاذِکُمْ الْعِجْلَ قُتُوبًا اِلٰی بٰلِیِّکُمْ فَاقْتَدُوا اَنْفُسَکُمْ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ عِنْدَ بٰلِیِّکُمْ فَتَابَ عَلَیْکُمْ اِنَّہٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۚ وَإِذْ قُلْتُمْ یَبُوسٰی لَن نَّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی تَؤٰی اللّٰہُ جَہَنَّمَ فَاتَّخَذَکُمْ الضُّوْغَہُ وَانْتُمْ تَنْظُرُونَ ۚ ثُمَّ

سے ایک (ایک) لکھا ہے پر ممبر نہیں ہو سکتا، سو آپ اپنے پورا درگاہ سے دعا کیجیے کہ تہذیب اور مگرزی اور گہنوں اور مسوے اور پیاز (وغیرہ) جو نباتات تین سے آگئی ہیں، ہمارے لیے پیدا کر دے۔ انہوں (موسیٰ علیہ السلام) نے کہا کہ کیا عمدہ چیزیں جھوڑ کر ان کے عوض ناقص چیزیں جانتے ہو (گر کہیں بھی چیزیں مطلوب ہیں) تو کسی شہر میں جاتا رہو، اس جو ملگتے ہو مل جائے گا۔ اور (آخر کار) ذلت (وسروائی) کا اور پہنچ جائے (وہ بے نواہی) ان سے چمناد ہی گئی اور اللہ کے غضب میں گرفتار ہو گئے، اس لیے کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور (اس کے) نبیوں کو ناحق قتل کر دیتے تھے اور یہ اس لیے کہ وہ نافرمانی کی جاتے تھے اور وہ سے بڑھے جاتے تھے۔“ (البقرہ: 61/60)

میں اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا یہ احسان بیان فرمایا ہے کہ اس نے انہیں مصلوٰی مہیا فرمایا۔ یہ دونوں دل پر خدا کے لئے جو نعمت بلا مشقت حاصل ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ صبح کے وقت ان پر سن نازل فرماتا تھا اور شام کے وقت شیروں کے جھنڈ بھیج دیتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے بچہ پر عرصا مارنے سے ان کے لیے اللہ کی قدرت سے بارہ چشمے جاری ہو گئے، ہر قبیلہ کے لیے ایک چشمہ تھا، جس میں پہلے خوراک تصور پانی جاری ہوتا، پھر وہ میٹھا پانی تیزی سے بہنے لگتا۔ وہ خود بھی پیتے، جانوروں کو بھی پلاتے اور ضرورت کے مطابق ذخیرہ بھی کر لیتے۔ گرمی سے بچاؤ کے لیے انہیں بادلوں کا سایہ میسر تھا۔

یہ اللہ کی عظیم نعمتیں اور عجائبات تھیں۔ ان لوگوں نے ان کا کما حقہ خیال نہ رکھا، نہ ان کا شکر کرتے ہوئے کما حقہ عبادت کی۔ بلکہ بعد میں ان میں سے بہت سے افراد ان نعمتوں سے کجگ آگئے اور ان کے بدلے زمین سے اُٹنے والی زلزلہیں اور آوارہ و غیر ماہی لگنے لگیں۔

حضرت موی ایلانے نہیں جتنی سے تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿اَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ اِهْلٰیطًا وَمَصْرًا ۚ اِنَّ لَکُمْ هَا سَآلَکُمْ﴾ ”بہتر چیز کے بدلے ادنیٰ چیز کو طلب کرتے ہو؟ اچھا شر میں جاؤ، وہاں تمہیں پسند کی سب چیزیں ملیں گی۔“ یعنی موجودہ مثال نعمتوں کے بدلے جن چیزوں کا تم مطالبہ کر رہے ہو، وہ تو بر چھوٹی بڑی ہستی وہ الوں کو حاصل ہیں۔ جب تم وہاں جاؤ تو وہاں ان چیزیں تمہیں مل سکتی ہیں لیکن یہاں میں تمہارا مطالبہ پورا نہیں کروں گا۔

ان لوگوں کی مذکورہ بالا تمام حرکتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں جن کاموں سے منع کیا گیا تھا، وہ ان سے باز نہیں آئے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا تَطْعَمُوا فِيهِ قَبِيحًا عَلَيْهِمُ عَذَابُهُمْ وَهُمْ فِيهِ لَحِيلٌ عَلَيْهِمُ عَذَابُهُمْ فَكَذٰى يُوعِظُ﴾ اور اس میں حد سے آگے نہ بڑھو ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہوگا اور جس پر میرا غضب نازل ہو جائے، وہ یقیناً ہوا۔“

لیکن اللہ تعالیٰ نے اس شدید وعید کے ساتھ ان لوگوں کے لیے رحمت اور امید کا دروازہ کھلا رکھا جو توبہ کے اللہ کی طرف آجائیں اور مردودِ شیطان کے راستے پر نہ چلتے رہیں۔ اسے فرمایا: ﴿وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ﴾ ”میں شک میں آئیں شخص دینے والا ہوں جو توبہ کرے، ایمان لائے، نیک عمل کرے اور راہِ راست پر بھی

رہیں۔“ (طہ: 82/20)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دیدار الہی کی خواہش

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خصوصی ملاقات کا شرف اور احکامات شریعت دینے کے لیے کوہ طور پر چالیس دنوں کے لیے بلا لیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے وہاں پر دیر اور بانی کی خواہش کا اظہار کیا جسے اللہ تعالیٰ نے درج ذیل میں فرمائے میں بیان فرمایا ہے:

[illegible]

”اور ہم نے موسیٰ سے تین رات کی میعاد مقرر کی اور دس (راتیں) اور ملا کر اسے پورے (چالیس) گریڈ پھراس کے پروردگار کی چالیس رات کی میعاد پوری ہوگئی۔ اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ میرے (کو طہور پر جانے کے) بعد تم میری قوم میں میرے نائبین ہو جاؤ! (ان کی) اصلاح کرتے رہنا اور شریعوں کے رستے پر نہ چلنا۔ اور جب تماری ہمارے مقرر کیے ہوئے وقت پر (کو طہور پر) پہنچے اور ان کے پروردگار نے ان سے حکام کیا تو کہنے لگے کہ اسے میرے پروردگار! مجھے (جلوہ) دکھا کہ تیرا دیدار (مجھ) کروں۔ پروردگار نے فرمایا کہ تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے۔ ہاں پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو۔ اے یہاں پہنچا جگہ قائم رہا تو تم کچھ دیکھ سکو گے۔ جب ان کا پروردگار پہاڑ پر جلوہ نما ہوا تو (علیٰ انوار ربانی نے) اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ سے بوش ہو کر گر پڑے۔

کا شرف عطا فرمایا جائے۔ آپ نے عرض کی: ﴿رَبِّ اَوْفِ بِرَحْمَتِكَ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ "اے میرے پروردگار مجھے اپنا دیدار کر دینے کے میں آپ کو ایک نظر دیکھوں۔ ارشاد ہوا: ہم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔"

پھر اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ آپ اللہ عزوجل کی مجلسی برداشت نہیں کر سکتے بلکہ انسان سے زیادہ مضبوط اور بڑی مخلوق یعنی پہاڑ بھی اس قابل نہیں کہ خفا کی مجلس کے سامنے ٹھہر سکے۔ اس لیے فرمایا: ﴿وَلَكِنَّ الْفُطْرَ اِنِّى الْجَبَلُ فَاِنْ اسْتَفْكَرَ مَكَانَهُ فَسُوفَ تَرَاهُ﴾ "لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو، وہ اگر اپنی جگہ برقرار رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے۔"

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس کا جواب بھی نور ہے۔ اگر وہ اس حجاب کو بننا دے تو اس کے چہرہ القدس کے انوار سے وہ تمام مخلوق جا ملے جس تک اس کی نظر پہنچتی ہے۔"

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَى صَعِقًا فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَكْوَلُ الظُّلُمِينَ﴾ "پھر جب ان کے رب نے اس (پہاڑ) پر تجلی فرمائی تو تجلی نے اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر جب ہوش میں آئے تو عرض کی: بے شک آپ کی ذات منزہ ہے، میں آپ کی جناب میں تو یہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے (اس پر) ایمان لانے والا ہوں۔"

مجاہد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَكِنَّ الْفُطْرَ اِنِّى الْجَبَلُ فَاِنْ اسْتَفْكَرَ مَكَانَهُ فَسُوفَ تَرَاهُ﴾ "لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو، اگر وہ اپنی جگہ برقرار رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے۔" وہ آپ سے بڑا اور زیادہ سخت ہے۔ ﴿فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ﴾ "پس جب ان کے رب نے اس پر تجلی فرمائی۔" اور آپ نے پہاڑ کو دیکھا کہ وہ ٹوٹ پھوٹ گیا۔ موسیٰ ﷺ پہاڑ کی اس کیفیت کو دیکھتے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا﴾ پھر آپ ﷺ نے چٹھکی کی بالائی پر پور پور نگاہ رکھ کر ارشاد فرمایا (کہ اس قدر تجلی فرمائی) تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف چٹھکیا کے برابر اپنی عظمت کی تجلی فرمائی تو پہاڑ میں بن گیا اور حضرت موسیٰ ﷺ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔^①

قائدِ بزم فرماتے ہیں: ﴿صَعِقًا﴾ کا مطلب یہ ہے کہ فوت ہو کر گر گئے۔ لیکن پہلا قول درست ہے کہ آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ کیونکہ اس کے بعد یہ ارشاد ہے: ﴿فَلَمَّا أَفَاقَ﴾ "جب ہوش میں آئے۔" (ہوش میں آنا غشی ہی سے ہوتا ہے۔ اسے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا کہا جاتا ہے۔) تو عرض کیا: ﴿سُبْحَانَكَ﴾ "بیگم آپ کی ذات منزہ ہے۔" اس لفظ میں

① (صحیح مسلم، الإیمان) باب فی قولہ ﷺ اِنِّى اَللّٰهُ لَا يَمُوتُ۔ (الع: حدیث: 179) انسان کی دنیاوی و دینی اللہ کی زیارت کا شرف حاصل کرنے کی سعادت نہیں رکھتا۔ قیامت کے دن اور جنت میں اللہ کے مومن بندوں کو یہ عطا دی جائے گی کہ وہ یہ دعا بھی سے شرف ہوں، جیسے کعبہ اعظم میں مذکور ہے۔

جب ہوش میں آئے تو کہنے لگے کہ تیری ذات پاک ہے اور میں تیرے حضور میں تو یہ کرتا ہوں اور جو ایمان لانے والے ہیں اُن سب سے اول ہوں۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: موسیٰ! میں نے تم کو اپنے پیغام اور اپنے کلام کے ذریعے سے لوگوں سے ممتاز کیا ہے لہذا جو میں نے تم کو عطا کیا ہے اسے لے لو اور (میرا) شکر بجالاؤ۔ اور ہم نے (تواریک) تختیں میں ان کے لیے ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی۔ پھر (ارشاد فرمایا کہ) اسے مضبوطی سے پکڑے رہو اور اپنی قوم سے بھی کہہ دو کہ ان باتوں کو جو اس میں (درج ہیں اور) بہت بہتر ہیں پکڑے رہیں۔ میں عنقریب تم کو نافرمان لوگوں کا گھر دکھائوں گا۔ جو لوگ زمین میں نافع ضرر کرتے ہیں، اُن کو اپنی آجیوں سے پھیر دوں گا۔ اگر یہ سب نشانیاں بھی دیکھیں تب بھی اُن پر ایمان نہ لائیں اور اگر راستی کا رستہ دیکھیں تو اسے (اپنا) رستہ نہ بنائیں اور اگر گمراہی کی راہ دیکھیں تو اسے رستہ بنائیں۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے ہماری آجیوں کو جھٹلایا اور ان سے غفلت کرتے رہے۔ اور جن لوگوں نے ہماری آجیوں اور آفت خد کے آنے کو جھٹلایا ان اعمال کا ضائع ہو جائیں گے۔ یہ جیسے عمل کرتے ہیں وہ یہاں ان کو بدلے ملے گا۔" (الاعراف: 142-147)

متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم روایت فرماتے ہیں کہ "موسیٰ نے کہا کہ "تیس راتوں" سے مراد وہ وقت ہے کہ پورا مہینہ ہے اور ذوالحجہ کے دس دنوں کے ساتھ "چالیس رات" کی مدت مکمل ہوئی۔" اس روایت کی روشنی میں حضرت موسیٰ ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا یہ شرف عید قربان کے دن حاصل ہوا۔ حضرت محمد ﷺ کے دین کی تکمیل بھی اسی تاریخ کو ہوئی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ ﷺ نے تیس دن کی مدت مکمل کر لی۔ اس دوران میں آپ نے روزے رکھے۔ کہتے ہیں اس دوران میں آپ نے بالکل کھانا نہ کھایا۔ جب ایک مہینہ مکمل ہو گیا تو آپ نے کسی درخت کی چھال چبائی تاکہ مدد کی ناگوار بو بھڑھو جائے۔ تب اللہ تعالیٰ نے مزید دس دن روزے رکھنے کا حکم دیا۔ اس طرح کل مدت چالیس دن ہوئی۔^①

جب آپ نے طوری طرف روانہ ہوئے کہ ارادہ کیا تو اپنی قوم بنی اسرائیل پر حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب مقرر فرما دیا۔ وہ آپ کے گئے بھائی بھی تھے اور تبلیغ کے فرائض کی ادائیگی میں معاون بھی۔ آپ نے انہیں کچھ نصیحتیں فرمائیں، کچھ احکام دیے۔ اور یہ چیز حضرت ہارون علیہ السلام کے بلند مقام اور شرف نبوت کے متناہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَمَّا جَاءَهُ مُوسَىٰ لَيْسَ قَائِمًا﴾ "اور جب موسیٰ ہمارے وقت مقررہ پر آئے۔" یعنی جس وقت آنے کا آپیں حکم دیا گیا تھا۔ ﴿وَلَمَّا كَلَّمَهُ رَبُّهُ﴾ "اور ان کے رب نے ان سے باتیں کیں۔" یعنی اللہ نے آپ سے پردے کے پیچھے سے کلام کیا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی آواز سنی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کلام کیا اور قرب بخشا۔

جب آپ کو یہ بلند مقام حاصل ہوا اور ہم کلامی کے شرف سے شرف ہوئے تو آپ نے درخواست کی کہ پردہ اٹھا کر دیدار

پہلے خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہوش میں آئیں گے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عرض کیا کہ پکارے دیکھیں گے۔ یا ان کی بے ہوش بلکی ہوئی کیونکہ دنیا میں بھی وہ گجالی کی وجہ سے بے ہوش ہوتے تھے یا طور کی بے ہوشی کا بدلہ یہ ملے گا کہ وہ اس موقع پر بالکل بے ہوش نہیں ہوں گے۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک عظیم شرف ہے۔ تاہم اس سے آپ کا نبی کریم ﷺ سے مجموعی طور پر افضل ہونا لازم نہیں آتا۔

اللہ تعالیٰ کی اس فرمان: ﴿يَمْوُتُونَ لِيَ اِذَا مَضَىٰ ذِكْرُكَ عَلَى السَّامِیْنَ یَرْسَلُنَا وَیَكَلِّمُنَا﴾ ”اے موسیٰ! میں نے پیغمبریں اور انبیاء ہم کلامی سے اور لوگوں پر تم کو اتار دیا ہے۔“ سے مراد اس دور کے انسانوں پر افضلیت ہے پہلے اور پچھلے زمانے کے تمام انسانوں پر افضلیت مراد نہیں کیونکہ آپ سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام گزر چکے ہیں جو آپ سے افضل تھے اور آپ کے بعد حضرت محمد ﷺ تشریف لائے وہ بھی آپ سے افضل تھے۔ شب معراج میں نبی کریم ﷺ کا تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور صل عظام سے افضل ہونا ظاہر ہوا اور قیامت کو بھی ظاہر ہوگا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے: ”میں ایسے مقام پر فائز ہوں گا کہ ساری مخلوق حتیٰ کہ ابراہیم علیہ السلام بھی میری طرف رغبت فرمائیں گے۔“^①

اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿فَخَلَّ مَآ اَتَتْكَ وَكُنْ مِنَ الشَّكُورِیْنَ﴾ ”جو کچھ تم کو ملے عطا کیا ہے، اس کو لو اور شکر کرو۔“ کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو رسالت اور ہم کلامی کا جو شرف ملا ہے وہ لیجیے اور اس سے زیادہ کچھ نہ طلب کیجیے بلکہ اس پر شکر کیجیے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَكَلَّمْنَا لَهُ فِی الْاَنْوَاجِ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْعِظَةً وَتَفْصِیْلًا لِّكُلِّ شَیْءٍ﴾ ”اور ہم نے چند تنبیہیں پر ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل نہیں لکھ کر دی۔“ یہ نیتاں کسی نفس جو ہر نبی ہوئی تھیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ ”اللہ نے تورات اپنے ہاتھ سے لکھی۔“^② اس میں گناہوں سے بچنے کی نصیحتیں اور طاعات و حرام کے تفصیلی احکام درج تھے۔ ﴿فَخَلَّ مَآ یَعْقُوْهُ﴾ ”تم ان کو مضبوطی سے پکڑ لو، یعنی پینے مزے کے ساتھ لے لو۔“ ﴿وَاَمْرٌ قَوْمًا یَاْخُذُوْا بِحُسْنِهَا﴾ ”اور اپنی قوم کو حکم دو کہ ان کے اچھے اچھے احکام پر عمل کریں۔“ یہ مطلب بھی ہے کہ کلام سے بہترین مفہوم اخذ کریں۔ ﴿سَآوِرْکُمْ دَارَ الْفَقِیْرِیْنَ﴾ ”اب بہت جلد تم کو ان نافرمانوں کا مقام دکھاتا ہوں۔“ جو میرے رملوں کی تکذیب اور احکام کی مخالفت کرتے ہیں۔ ﴿سَاصِفٌ عَنِ الْاَنْبِیِّ﴾ ”میں ایسے لوگوں کو اپنے احکام سے برگشتہ رکھوں گا۔“ وہ اس سے سمجھیں کہ ان پر غور کریں گے نہ اس مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کریں گے جو اس کلام سے مقصود ہے۔ ﴿اَلَا یَذِّنُ یَحْکُمُوْنَ﴾ ”اَلَا اَرْضَیْکُمْ بِخُلُوفِ الْخِیْطِ وَانْ یَّرُوْا کُلَّ اَنْبِیٍّ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهَا﴾ ”جو دنیا میں تکبر کرتے ہیں جس کا ان کو کوئی حق حاصل نہیں۔ اگر وہ تمام نشانیاں دیکھ لیں، تب بھی وہ ان پر ایمان نہ لائیں۔“ یعنی خرق عجزات دیکھ کر بھی احکام الہی کا اتباع

① صحیح مسلم: صلاة المسافرین، باب بیان ان القرآن انزل علی سبعة احراف، حدیث: 820 و مسند أحمد: 127/5

② مسند أحمد: 268/2 و سنن أبی داود: السنة، باب فی القادر، حدیث: 4701 و اللفظ له

اللہ کی پاکیزگی اور عظمت کا اظہار ہے کہ اس کی عظمت کی وجہ سے کوئی اسے دیکھ نہیں سکتا۔ ﴿جَنَّتِ الْیَلِکَ﴾ ”میں آپ کی جناب میں تو یہ کرتا ہوں۔“ یعنی آئندہ کبھی دیدار کی درخواست نہیں کروں گا۔ ﴿وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ ”اور میں سب سے پہلے (اس پر) ایمان لانے والا ہوں۔“ کہ تیری بجلی نہ کوئی زندہ برداشت کرتا ہے نہ جانے جان مخلوق۔ جامدا نور و پاک ہو جائے گا اور بے ہوش جان ٹوٹ پھوٹ جائے گا۔

صحیح میں سن حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”انبیاء کرام علیہم السلام میں سے مجھے دوسروں پر فضیلت نہ دو۔ کیونکہ قیامت کے دن لوگ بے ہوش ہو جائیں گے تو سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا۔ اس وقت میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کا ایک پایہ پکڑے ہوئے ہیں۔ معلوم نہیں انہیں مجھ سے پہلے ہوش آگیا ہوگا یا طور کی بے ہوشی کا بدلہ (یہ) ملے گا (کہ وہ اس وقت بے ہوش نہیں ہوں گے۔)“^①

نبی ﷺ کا یہ فرمان کہ ”مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو۔“ یا تو تواضع اور کرنسی کا اظہار ہے یا یہ مطلب ہے کہ تعصب اور غصے کے انداز سے یہ بات نہ کہو یا یہ مطلب ہے کہ افضل قرار دینا تمہارا کام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہی بندوں کے درجات ایک دوسرے سے بلند کرتا ہے۔ اس میں رائے کو دخل نہیں بلکہ اللہ کے بتانے ہی سے معلوم ہو سکتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی ﷺ صرف انسانوں ہی میں نہیں بلکہ تمام مخلوقات میں افضل ترین فرد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو مومنوں کو بھی فرمایا ہے: ﴿لَنْ نَنْفَعَهُ حَیْرٌ اَمَّا اَوْحَیْتُ لِلنَّاسِ﴾ ”تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے۔“ (آل عمران: 110/3) امت کو یہ فضیلت ان کے نبی کے مقام کی وجہی سے ملی ہے۔ علاوہ ازیں وہ حدیث متواتر ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا: ”میں قیامت کے دن اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور (مجھے اس پر) کوئی فخر نہیں۔“^②

علاوہ ازیں مقام محمدی نبی کریم علیہ السلام کے لیے مخصوص ہے اور یہ ایسا مقام ہے جس پر اولین و آخرین ہی نہیں بلکہ عظیم ترین رسول یعنی اولوالعزم پیغمبر بھی آپ پر رشک کریں گے۔ اولوالعزم پیغمبروں میں حضرات نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم علیہم السلام شامل ہیں۔

نبی کریم ﷺ کے فرمان: ”سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا تو دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ پکڑے ہوئے ہیں۔ معلوم نہیں انہیں مجھ سے پہلے ہوش آگیا ہوگا یا طور کی بے ہوشی کا بدلہ ہوگا (کہ وہ اس دفعہ بے ہوش نہیں ہوں گے۔)“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن مخلوقات کی یہ بے ہوشی اسی وقت ہوگی جب اللہ عز وجل بندوں کے فیصلے کرنے کے لیے بجلی فرمائے گا تو لوگ اللہ تعالیٰ کی عبیت اور عظمت و جلال کی وجہ سے بے ہوش ہو جائیں گے۔ سب سے

① صحیح البخاری: الخصومات، باب ما یذکر فی الأشخاص..... الخ، حدیث: 2412 و صحیح مسلم: الفضائل، باب من فضائل موسیٰ علیہ السلام، حدیث: 2373

② صحیح البخاری: أحادیث الأنبیاء، باب قول اللہ عز وجل ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا﴾، حدیث: 3340 و صحیح مسلم: الفضائل، باب تفضیل نبیائنا علی جمیع الخلق، حدیث: 2278 و جامع الترمذی: تفسیر القرآن، حدیث: 3148 و اللفظ له

متعلق دریافت فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے سوالات کے جواب دیے۔

اس دوران میں ایک شخص نے جس کا نام ہارون سامری تھا، بنی اسرائیل کے وہ زیور لے لیے جو انہوں نے فرعونوں سے عاریتاً لیے تھے۔ اس نے انہیں ڈھال کر ایک چھڑا بنایا اور اس میں مٹی بھر مٹی ڈال دی۔ جو اس نے فرعون کے غرق ہونے کے وقت جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کے نقش قدم سے اٹھائی تھی۔ اس نے وہ مٹی اس لمحے میں ڈال دی تو وہ اس طرح اڑنے کی طرح چل چکا چھڑا اڑ رہا تھا۔

www.KitaboSunnat.com

بعض علماء کا خیال ہے کہ وہ واقعی گوشت پوست کا زندہ چھڑا بن گیا تھا، اس لیے گائے کی طرح آواز نکالتا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ ہوا اس کی دہریں داخل ہو کر اس کے منہ سے نکلتی تھی تو اسی قسم کی آواز پیدا ہوتی تھی جیسے زندہ چھڑے کی آواز ہوتی ہے۔ اس پر وہ لوگ خوش ہو کر اس کے ارد گرد گھومتے گھومتے گئے۔ وہ کہنے لگے: ﴿هَذَا إِلَهُكُمْ وَإِلَهُ مُوسَى قَتَلْتُمُوهُ﴾ ”یہی تمہارا بھی معبود ہے اور موسیٰ کا بھی لیکن موسیٰ بھول گیا ہے۔“ یعنی موسیٰ کو یاد نہیں رہا کہ معبود تو ہمارے پاس ہے، وہ اسے کہیں اور ڈھونڈتا پھرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ان فضول باتوں سے بہت بلند و برتر ہے، وہ مقدس اسماء و صفات سے متصف ہے اور اس کی تعین بے شمار ہے اور بے حدود حساب ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی توہم پر کسی تردید فرماتے ہوئے اور ایک بے زبان جانور یا ایک شیطانی شعبدے کو معبود قرار دینے کی حماقت کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿أَفَلَا يَرَوْنَ أَنَّ إِلَهُهُمْ قَوْلًا وَلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا﴾ ”کیا یہ (گمراہ) لوگ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ وہ تو ان کی بات کا جواب بھی نہیں دے سکتا اور نہ ان کے کسی برے یا نفع کا اختیار رکھتا ہے؟“ (طہ: 89/20) اور مزید فرمایا: ﴿أَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ الْمُعْذِرِينَ وَلَا يَخْذُلُ الْفَاسِقِينَ﴾ ”کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ ان سے بات نہیں کرتا تھا اور نہ ان کو کوئی راہ بتلاتا تھا؟ انہوں نے اس کو معبود قرار دیا اور بڑی بے انصافی کا کام کیا۔“ (الاعراف: 148/7) یعنی یہ حیوانی مجسمہ نہ بات چیت کر سکتا تھا نہ کسی نفع نقصان کا اختیار رکھتا تھا نہ کسی معاملے میں ان کی رہنمائی کر سکتا تھا۔ اس کی پوجا اپنی جان پر ظلم کے مترادف تھی جب کہ انہیں معلوم تھا کہ جہالت اور گمراہی کا یہ کام بالکل غلط ہے۔ ”اور جب وہ نام نہ ہوئے اور معلوم ہوا کہ وہ لوگ واقعی گمراہی میں پڑ گئے تو کہنے لگے: ﴿كَيْفَ نَعْبُدُهُمْ إِذْ جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ مِنْ رَبِّهِمْ﴾ ”اگر ہمارا ہم پر حرم نہ کرے اور ہمارے گناہ معاف نہ کرے تو ہم بالکل گئے گزرے ہو جائیں گے۔“ (الاعراف: 149/7)

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے واپس آ کر انہیں چھڑے کی پوجا میں مشغول دیکھا تو وہ سختیاں نیچے پھینک دیں جن پر تورات لکھی ہوئی تھی۔ بائبل میں لکھا ہے کہ ”موسیٰ علیہ السلام نے غصہ میں آ کر وہ تختیاں زمین پر پھینک کر توڑ ڈالیں۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے اور تختیاں دیں۔“ ﴿قَرَأَ الْقُرْآنَ﴾ ”قرآن کے الفاظ سے اس کی تائید نہیں ہوتی بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت

﴿ثُمَّ لَتَسْفُتُنَّ فِي النَّارِ نَسْفًا﴾ ”اِنْسَا إِلَهُكُمْ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا“

”اور اسے موسیٰ اتم نے اپنی قوم سے (آگے چلے آئے میں) جلدی کیوں کی کہا: وہ میرے پیچھے (آ رہے) ہیں“ اور اسے پروردگار میں نے تیری طرف (آنے کی) جلدی اس لیے کی کہ تو خوش ہو فرمایا کہ ہم نے تمہاری قوم کو تمہارے بعد از نفاش میں ڈال دیا ہے اور سامری نے ان کو بہکا دیا ہے۔ اور موسیٰ غم اور غصے کی حالت میں اپنی قوم کے پاس واپس آئے (اور) کہنے لگے کہ اسے میری قوم! کیا تمہارے پروردگار نے تم سے ایک اچھا وعدہ نہیں کیا تھا؟ (کیا میری جدائی کی مدت تمہیں دراز (معلوم) ہوئی یا تم نے چاہا کہ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے غضب نازل ہو؟ اور (اس لیے) تم نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا (اس کے) خلاف کیا؟ وہ کہنے لگے کہ ہم نے اپنے اختیار سے تم سے وعدہ خلافت نہیں کی بلکہ ہم لوگوں کے زیوروں کا بوجھ اٹھانے ہوئے تھے۔ پھر ہم نے اُن کو (آگ میں) ڈال دیا اور اسی طرح سامری نے ڈال دیا۔ تو اُس نے اُن کے لیے ایک چھڑا بنایا (یعنی اس کا قاب) جس کی آواز گائے کی تھی۔ جب لوگ کہنے لگے کہ یہی تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا بھی معبود ہے مگر وہ بھول گئے ہیں۔ کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ وہ ان کی کسی بات کا جواب نہیں دیتا اور نہ ان کے نقصان اور نفع کا کچھ اختیار رکھتا ہے۔ اور ہارون نے اُن سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ لوگو! اس سے صرف تمہاری آزمائش کی گئی ہے اور تمہارا پروردگار تو اللہ ہے سو میری بیروی کرد اور میرا کہا مانو وہ کہنے لگے کہ جب تک موسیٰ ہمارے پاس واپس نہ آئیں ہم تو اسی (کی پوجا) پر قائم رہیں گے۔ (پھر موسیٰ نے ہارون سے) کہا کہ ہارون! جب تم نے دیکھا تھا کہ یہ گمراہ ہو رہے ہیں تو تم کو اس بات سے کس چیز نے روکا کہ تم میرے پیچھے نہ آئے۔ بھلا تم نے میرے حکم کے خلاف (کیوں) کیا؟ کہنے لگے کہ بھائی میری ڈاڑھی اور سر (کے بالوں) کا وہ چکر پڑنے میں تو اس سے ڈرا کہ آپ یہ نہ کہیں کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرق ڈال دیا اور میری بات کو ٹھوٹا نہ رکھا۔ (پھر سامری سے) کہنے لگے کہ سامری تیرا کیا معاملہ ہے؟ اُس نے کہا کہ میں نے ایسی چیز دیکھی جو آدروں نے نہ دیکھی۔ پس میں نے فرشتے کے نقش پائے (مٹی کی) ایک مٹی بھر مٹی پھر اس کو (چھڑے کے قالب میں) ڈال دیا اور مجھے میرے جی نے (اس کام کو) اچھا لگا ہر کیا۔ (موسیٰ نے کہا) جا تجھ کو دنیا کی زندگی میں یہ (سزا) ہے کہ تمہارے کا مجھے ہاتھ نہ لگانا اور تیرے لیے ایک اور وعدہ ہے (یعنی عذاب کا) جو تجھ سے ملے کہ گا اور جس معبودی پوجا پر تو متکف تھا، اُس کو دیکھ ہم اسے جلا دیں گے پھر اس کی راکھ کو اڑا کر دریا میں بکھیر دیں گے۔ تمہارا معبود اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اُسی کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔“ (صہ: 83/20-98)

ان مقامات پر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے اس وقت کے حالات بیان کیے ہیں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم کے مطابق کو طور پر تشریف لے گئے تھے۔ وہاں آپ اللہ تعالیٰ سے ہم کام ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے بہت سے امور کے

ٹوٹنے کا اشارہ نہیں ملتا۔ (واللہ اعلم)

ستر علمائے بنی اسرائیل کو وہ طور پر: **موسیٰ علیہ السلام** اپنی قوم کے ستر علماء کے ساتھ کہ وہ طور پر قوم کی کوسالہ پرستی سے توبہ کے لیے حاضر ہوئے ہیں جہاں وہ ایک اور آزمائش کا سامنا کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاخْتَارَ مُوسَى قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا رِيفًا قَاتِلِينَ أُولَئِكَ تَهْجُرُ الْفِجْفَفَةَ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ أَهْلَكْتَهُمْ مِنْ قَبْلِ وَإِيَّا أَهْلَكْتَنَا بِمَا فَعَلَ الشَّقَاءُ مِنَّا إِنَّنِي إِذَا فُتِنْتُكَ نُضِلُّ بِهَا مِنْ تَشَاؤُكَ وَتَهْدِي مَنْ تَشَاءُ أَنْتَ وَلِيْنَا غَافِرٌ لَنَا وَرَحِيمٌ وَأَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ ﴾ وَالْأَنْبُ لَتَانِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَفِي الْآخِرَةِ إِنَّا هُنَا نَالِكُ قَالَ عَبْدُ عَدَى أُمِيبٌ بِهِ مِنْ أَسَاءَةٍ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَأَلْتُهَا لِلَّذِينَ يَقْتُلُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِإِيمَانِنَا يُؤْمِنُونَ ﴾ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الَّذِي آتَى إِلَيْنَا يُجِدُ فِيهِ مَعْرُوفًا وَكَثِيرًا مِمَّا كُنْتُمْ بِإَعْيُنِهِمْ فِي الثَّوَابِ وَالْإِنْجِيلَ يَأْمُرُهُم بِالْعُرْفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْفَاحِشَاتِ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَاَلَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ ۖ أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴾

”اور موسیٰ نے اس عیاد پر جو ہم نے مقرر کی تھی اپنی قوم کے سزا دی تفتیب (کر کے کو طوط پر حاضر) کیے۔“

اُن کو ذلزلے نے پکڑا تو موسیٰ نے کہا کہ اے پروردگار! اگر تو چاہتا تو اُن کو اور مجھ کو پہلے ہی سے ہلاک کر دیتا۔ کیا تو اسی فضل کی سزا میں جو ہمیں سے عقل غلوں نے کیا ہے ہمیں ہلاک کرے گا؟ یہ تو میری (طرف سے) آزمائش ہے۔ اس سے تو جسے چاہے گمراہ کرے اور جسے چاہے ہدایت بخشنے۔ تو ہی ہمارا کارساز ہے، ہمارے گناہ بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے اور ہمارے لیے اس دنیا میں بھی بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی، ہم تیری طرف رجوع کر چکے۔ فرمایا کہ جو میرا عذاب ہے اُسے تو جس پر چاہتا ہو نازل کرتا ہوں اور جو میری رحمت ہے وہ ہرچیز پر محیط ہے، میں اُس کو اُن لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو پرہیزگاری کرتے اور رُکود دینے اور ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ جو ایسے رسول نبی امی (محمد) کا اتباع کرتے ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں قوت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ انہیں تک نیک کام کہم اور بتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو اُن کے لیے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو اُن پر حرام ٹھہراتے ہیں اور اُن پر جو بوجھ اور طوط تھے وہ اتارتے ہیں۔ سو جو لوگ اُن پر ایمان لائے اور اُن کی رفاقت کی اور انہیں مدد دی اور جو نوران کے ساتھ نازل ہوا ہے اُس کی پیروی کی وہی مراد بانی والے ہیں۔“

(الأعراف: 155/7-157)

نے انہیں فرمایا: ﴿إِنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلُّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾ ”اصل بات یہی ہے کہ تم سب کا معبود پر حق صرف اللہ ہی ہے۔ اس کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں۔ اسی کا علم تمام چیزوں پر حاوی ہے۔“ (طہ: 97/98)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **إِنَّ كَيْدَ الْفَاسِقِينَ** ﴿۱﴾ ”بے شک جن لوگوں نے کوسالہ برپا کی ہے، ان پر بہت جلدان کے رب کی طرف سے غضب اور لعنت **عَذَابُ الْفَاسِقِينَ**“ ہے۔ اس دنیوی زندگی میں بڑے کی اور ہم افترا پردازوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔“ (الاعراف 152/7) چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ بعض عاملے کرام بیان کرتے ہیں کہ ”اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ﴾“ ہم افترا پردازوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔“ قیامت تک آنے والے برپائی کے لیے اللہ کا قانون ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے علم اور مخلوق پر رحم اور احسان کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ جو بندہ توبہ کرے، اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: ﴿وَالَّذِينَ عَمِلُوا الصَّالَاتِ ثُمَّ بَدَلُوا مِنْهَا عَنْ أَصْلَابِهَا ۖ أُولَٰئِكَ فِي عَذَابٍ مُّهِينٍ﴾ ”اور جن لوگوں نے گناہ کے کام کیے، پھر وہ ان کے بعد توبہ کر لیں اور ایمان لے آئیں تو تمہارا رب اس توبہ کے بعد گناہ معاف کر دے والا، ورحمہ کے والا ہے“ (الاعراف: 153/154)

لیکن اللہ تعالیٰ نے پکھڑا پوجنے والوں کی توبہ قبول نہیں کی، جب تک انہیں (سزا کے طور پر) قتل نہیں کیا گیا۔ جیسے

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَقَدْ قَالُوا تَوَاسَوْا بَيْنَكُمْ وَأَنْتُمْ خَالِدِينَ فِيهِ يَوْمَ يُدْعَىٰ لِلْعَجَلِ فَتَخَوُّوا إِلَىٰ بَابِكُمْ فَلَمْ يَوَسَّوْا إِلَيْكُمْ وَخُيِّرُوا عَنْكُمْ لَكُمْ وَأَنْتُمْ كَاذِبُونَ﴾ (البقرة: 254) یعنی حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ ایک دن، جن لوگوں نے مجھ سے کی پوچھا نہیں کی تھی، انہوں نے (اللہ کے حکم سے) ہاتھوں میں تلواریں لیں۔ اللہ نے ان پر دھند بھیجی تا کہ میری قبر پر رشتہ دار اپنے رشتہ دار کو نہ پہچان سکے۔ مجھ انہوں نے حملہ کر کے ان سب کو قتل کر دیا۔ کہتے ہیں: انہوں نے اس صبح ستر ہزار افراد قتل کئے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَمَّا سَكَتَ عَنْ مُوسَى الْغَضَبَ أَخَذَ الْآلُوحَ ۚ وَفِي سَعْيِهَا هُدًى وَ رَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ هُمْ بِرَبِّهِمْ يَهْتَدُونَ﴾ ”اور جب موسیٰ کا غصہ فرو ہوا تو ان تختیوں کو اٹھا لیا اور ان کے مضامین میں ان لوگوں کے لیے، جو اپنے رب سے ڈرتے تھے، ہدایت اور رحمت تھیں۔“ (الاعراف: 153/7) بعض لوگوں نے ﴿وَفِي سَعْيِهَا﴾ ”اس کے مضامین میں۔“ کے الفاظ سے استدلال کیا ہے کہ تختیوں ٹوٹ گئی تھیں۔ لیکن یہ استدلال محل نظر ہے۔ آیت کے الفاظ سے ان کے

• بات مذکور ہو کیونکہ بائبل میں ہر دور میں حذف و اضافہ ہوتا رہا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَمَّا سَكَتَ عَنْ مُوسَى الْغَضَبَ أَخَذَ الْآلُوحَ ۚ وَفِي سَعْيِهَا هُدًى وَ رَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ هُمْ بِرَبِّهِمْ يَهْتَدُونَ﴾ ”اور جب موسیٰ کا غصہ فرو ہوا تو ان تختیوں کو اٹھا لیا اور ان کے مضامین میں ان لوگوں کے لیے، جو اپنے رب سے ڈرتے تھے، ہدایت اور رحمت تھیں۔“ (الاعراف: 153/7) بعض لوگوں نے ﴿وَفِي سَعْيِهَا﴾ ”اس کے مضامین میں۔“ کے الفاظ سے استدلال کیا ہے کہ تختیوں ٹوٹ گئی تھیں۔ لیکن یہ استدلال محل نظر ہے۔ آیت کے الفاظ سے ان کے

• بات مذکور ہو کیونکہ بائبل میں ہر دور میں حذف و اضافہ ہوتا رہا ہے۔

© بات مذکور ہو کیونکہ بائبل میں ہر دور میں حذف و اضافہ ہوتا رہا ہے۔

ذُلُّوا تَبْدِيلُ الْأَرْضِ وَلَا تَسْبِقِ الْوَعْدَ مُسْلِمَةً لَّكَ شَيْعَةً فِيهَا قَالُوا لَنْ نَجِدَكَ فِيهَا فَلَا نُحِبُّهَا وَمَا كَادُوا يَصْعَلُونَ ﴿١٠﴾ وَإِذْ قُلْتُمْ نَفْسًا قَادِرَةً عَلَيْهَا وَاللَّهُ مُخِجٌ بَيْنَا لَكُمْ تَلْتَمُونَ ﴿١١﴾ فَقُلْنَا اضْبُرُوا فِيْصُوعَهَا كَذِبَ لَكَ يَحْيَى الْمَوْسَى لَا تَتَّبِعْهُمْ لَنَهَكَم تَقُولُونَ ﴿١٢﴾

”اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو۔ وہ بولے: کیا تم ہم سے مذاق کرتے ہو؟ (موسیٰ نے) کہا کہ میں اللہ کی پناہ لگتا ہوں کہ نادان بنوں۔ انہوں نے کہا: اپنے پروردگار سے انتہائی کچھ کہو۔ ہم میں بتائے کہ وہ گائے کس طرح کی ہو؟ (موسیٰ نے) کہا: پروردگار فرماتا ہے کہ وہ گائے تو بوڑھی ہو اور نہ چھڑا بلکہ ان کے درمیان (یعنی جوان) ہو، جو جیسا تم کو حکم دیا گیا ہے ویسا کرو! انہوں نے کہا کہ اپنے پروردگار سے درخواست کیجیے کہ ہم کو یہ بھی بتا دے کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ موسیٰ نے کہا: پروردگار فرماتا ہے کہ اس کا رنگ گہرا زرد ہو کہ وہ دیکھنے والوں (کے دل) کو خوش کر دیتا ہو۔ انہوں نے کہا: اپنے پروردگار سے پھر درخواست کیجیے کہ وہ ہم کو بتا دے کہ وہ اور کس طرح کی ہو کیونکہ بہت سی گائیں ہیں ایک دوسرے کے مشابہ معلوم ہوتی ہیں (پھر) اللہ نے چاہا تو ہمیں ٹھیک بات معلوم ہو جائے گی۔ موسیٰ نے کہا کہ اللہ فرماتا ہے کہ وہ گائے کا نام شی گئی ہوئی نہ ہو، نہ تو زمین جوئی ہو اور نہ بھیگی کوئی دانی ہو، اس میں کسی قسم کا داغ نہ ہو۔ کہنے لگے: اب تم نے سب باتیں درست بتا دیں۔ غرض (بڑی مشکل سے) انہوں نے اس گائے کو ذبح کیا اور وہ ایسا کرنے والے تھے نہیں۔ اور جب تم نے ایک شخص کو قتل کیا تو اس میں باہم جھگڑنے لگے لیکن جو بات تم چھپا رہے تھے اللہ اس کو ظاہر کرنے والا تھا۔ تو ہم نے کہا کہ اس گائے کا کوئی سا نکلو استعمال کرو۔ اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور تم کو اپنی (قدرت کی) نشانیوں دکھاتا ہے تا کہ تم سمجھو۔“ (البقرہ: 67-73)

مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ نبی اسرائیل میں ایک دولت مند بوڑھا آدمی تھا۔ اس کے بھتیجیوں کی یہ خواہش تھی کہ وہ فوت ہو جائے تو اس کا ترکہ انہیں مل جائے۔ آخر ان میں سے ایک نے اسے اسے قتل کر کے اس کی لاش چھپا رہے میں چھپیک دی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک شخص کے دروازے پر چھپیک دی۔

صبح ہوئی تو لوگوں میں اس بارے میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ مقتول کا سمجھتا رہتا چہیتا آ گیا۔ لوگوں نے کہا: تم لوگ آپس میں کیوں جھگڑتے ہو؟ اللہ کے نبی کی خدمت میں کیوں حاضر نہیں ہوتے؟ چنانچہ جیتنے والے اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں اپنے چچا کا مقدمہ پیش کر دیا۔ آپ نے فرمایا: ”میں نہیں اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ جس کو بھی اس مقتول کے واقعے کے متعلق کوئی بات معلوم ہو، وہ ضرور ہمیں اطلاع دے“، لیکن کوئی نہ آیا۔ انہوں نے کہا: اس معاملے میں اپنے رب سے دریافت کیجیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی تو اللہ نے ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقْرَةً قَالُوا أَتَنَحَلُّ نَذْبَحُهَا قَالَ أَعُوذُ

”اور جب ہم نے اُن (کے سروں) پر پہاڑ اُٹھا کر اُگایا کہ وہ سناہنا تھا اور انہوں نے خیال کیا کہ وہ اُن پر گرا چکا تھا ہے تو (ہم نے کہا کہ) جو ہم نے تمہیں دیا ہے اُسے مضبوطی سے پکڑے رہو اور جو اس میں لکھا ہے اُس پر عمل کرو تا کہ نفع جاو!“ (الاعراف: 171/7)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر علماء بیان کرتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام تورات کی تختیاں لے کر آئے تو نبی اسرائیل کو حکم دیا کہ اسے قبول کریں اور پختہ عزم کے ساتھ اس پر عمل کریں۔ انہوں نے کہا: تختیاں ہمیں دکھائیے؟ اگر وہ احکام آسان ہوں تو ہم بامان لیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: بلکہ تمام کو قبول کرو۔ دونوں طرف سے کئی بار یہ بات کہی گئی، جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا تو انہوں نے پہاڑ کو اُٹھا کر ان لوگوں کے سروں پر اس طرح حلق کر دیا کہ گویا وہ بادل ہو اور ان سے کہا گیا: اگر قبول نہیں کرو گے تو یہ پہاڑ تم پر گر پڑے گا۔ جب انہوں نے قبول کیا۔ انہیں عہدہ کرنے کا حکم دیا گیا تو انہوں نے اس طرح عہدہ کیا کہ ہتھکڑیوں سے پہاڑ کی طرف بھی دیکھ رہے تھے۔ یہودیوں میں اب تک اسی طرح عہدہ کرنے کا رواج باقی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ”کوئی عہدہ اس عہدے سے عظیم نہیں ہو سکتا جس کے ذریعے سے ہم سے عذاب مٹ گیا۔“ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ثُمَّ تَوَكَّلْتُمْ عَلَيَّ بَعْدَ ذَلِكَ﴾ ”تم اس کے بعد بھی بھگرنے لگے۔“ کا مطلب یہ ہے کہ اتنا عظیم معاہدہ ہو جانے کے بعد بھی تم نے اپنے وعدے کو توڑ دیا۔ ﴿فَلَوْ كَفَرْنَا لَنَعْلَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ﴾ ”پھر اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی۔“ کہ اللہ نے تمہاری طرف رسول بھیجا اور تم پر کتابیں نازل کیں۔ ﴿لَنَعْلَمَنَّ مِنَ الْخَافِيَّيْنَ﴾ ”تو تم نقصان اٹھانے والے ہو جاتے۔“ (البقرہ: 64/2)

گائے ذبح کرنے کا واقعہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے چند اہل اپنے چچا کی جائیداد پر قبضہ ہمانا چاہتے تھے چنانچہ ان میں سے ایک نے چپکے سے اسے قتل کر دیا اور پھر اس کی لاش پر گھر چھ کے آ کر سو بہانے لگا اور قصاص کا مطالبہ کرنے لگا جب قاتل وہ خود ہی تھا لہذا قاتل کی تلاش کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک اور مجروحہ عطا کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقْرَةً قَالُوا أَتَنَحَلُّ نَذْبَحُهَا قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ﴾ قَالُوا ذَاكَ لَرَبِّكَ يَبِينُنَا مَا هِيَ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقْرَةٌ لَا فَائِضَ وَلَا بَعْذَرَةَ إِنَّهَا بَيْنَ ذَٰلِكَ فَاعْمَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ قَالُوا ذَاكَ لَرَبِّكَ يَبِينُنَا مَا كُونُهَا قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقْرَةٌ صَفْرَاءٌ فَاقْبِضُوا نَوْهَا فَنَشْرِبْنَهَا نَضِيرِينَ قَالُوا ذَاكَ لَرَبِّكَ يَبِينُنَا مَا هِيَ إِنَّ رَبَّنَا لَخَبِيرٌ بَعْدُ وَإِنَّا لَكَا شَاءَ اللَّهُ لَنُحْبِطَنَّ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقْرَةٌ لَا

نقل کیا ہے؟“ یہ کہتے ہی وہ پھر مردہ ہو گیا۔^①

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿كَذَلِكَ يُخَيِّئُ اللَّهُ السُّبُلَ لِمَنْ يُشَاءُ وَيَهْدِيكَ اللَّهُ لِمَنْ يَشَاءُ لِيُخْرِجَكَ مِنْهَا أَوْ يَجْعَلَ لَكَ مَخْرَجًا ۚ وَمَنْ يَشَاءُ اللَّهُ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمْ فِي شَيْءٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ ذَكِيمٌ ۚ﴾ ”اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ کر کے تمہیں تمہاری عقل مندی کے لیے اپنی نشانیاں دکھاتا ہے۔“ یعنی جس طرح اللہ نے انہیں یہ مقول زندہ کر کے دکھادیا، اسی طرح وہ تمام مردوں کو جب چاہے ایک گھڑی میں زندہ کر سکتا ہے۔ جیسے ارشاد ہے: ﴿مَّا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ۚ﴾ ”تم سب کی پیش آمد اور مرنے کے بعد زندہ کرنا ایسا ہی جیسے ایک نفس کا۔“ (نعمان: 28/31)

موسیٰ و خضر علیہ السلام کے سفر میں پُر اسرار واقعات

حضرت موسیٰ علیہ السلام اولوالعزم رسل میں سے ایک بلند مرتبہ اور صاحب قدر و منزلت رسول ہیں۔ ایک دفعہ وہ یمن نام میں خود کو سب سے بڑا عالم کہہ بیٹھے تو اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا اور انہیں ان سے بڑے عالم کی خبر دی اور پھر ان سے حصول علم کی خبر دی اور پھر ان سے حصول علم کی خواہش موسیٰ علیہ السلام کو ایک طویل عرصہ آؤ اور اعلیٰ سفر پروانہ کر دیتی ہے۔ اس واقعہ میں علم حصول علم اور معلوم و معلوم کے لیے ثمار فضاں و منافع نہایں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ کہف میں اس واقعے کی تفصیلات ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَاذْكُرْ إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَتْلِهِ ذَا أَرَبٌ حَتَّىٰ أَتْلُعَ مَجْمِيعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا ۚ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمِعَ بَيْنَهُمَا لَبِيسًا احْبَرْتُهَا فَاثْعَدَ سَيْمِيهَ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ۚ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِقَتْلِهِ إِيمَنًا عِدَاءَ ۖ إِنَّهُ لَقَدْ يَقِينُ مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصَبًا ۚ قَالَ أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْوَحْيَ وَمَا أَنسِينِيهِ إِلَّا السُّيُطُنُ ۚ أَذْكُرْ ۚ وَاتَّخَذَ سَيْمِيهَ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا ۚ قَالَ ذَلِكُ مَا كُنَّا نَتَّبِعُ ۖ فَكَانَتْ عَلَيَّ آفَاتُهُمَا فَصَصًا ۚ فَوَجَدَا عَبْدًا مِنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا ۚ قَالَ لَهُ مُوسَىٰ هَلْ أَتَيْكَ هَلْ أَتَيْكَ عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَ ۚ وَمِمَّا عُلِّمْتَ رُحْدًا ۚ قَالَ إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۚ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا ۚ قَالَ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا ۚ قَالَ فَإِنِ اعْتَصَمْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ ۚ حَتَّىٰ أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۚ فَانطَلَقَا ۚ فَلَمَّا أَفْطَقَا قَالَهُ حَتَّىٰ إِذَا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ خَرَقَهَا ۚ قَالَ أَخَرَقْتُهَا لِشُغْرَىٰ أَهْلِهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا ۚ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۚ قَالَ لَا تَثُورَ خِذْنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا ۚ فَانطَلَقَا ۚ فَلَمَّا حَتَّىٰ إِذَا لَقِيَا غُلَامًا فَقَتَلَهُ ۚ قَالَ أَقْتَلْتُمْ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ ۚ لَقَدْ

کھم دیتا ہے تو انہوں نے کہا: ہم سے مذاق کیوں کرتے ہیں؟“ ہم آپ سے مقول کے بارے میں پوچھتے ہیں اور آپ یہ حکم دے رہے ہیں؟ آپ نے جواب دیا: ﴿أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ﴾ ”میں ایسا جاہل ہونے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چلاؤں گا۔“ میں تو وہی بات کہہ سکتا ہوں جو مجھے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ تم نے مجھ سے جس معاملہ کے بارے میں کہا تھا کہ اللہ سے سوال کروں، اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مجھے یہی حکم دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر مفسرین فرماتے ہیں: ”وہ اگر وہ لوگ کوئی کافر گئے لے کر ذبح کر دیتے تو مقصود حاصل ہو جاتا۔ لیکن انہوں نے جنت کی تو ان پر جنتی کر دی گئی۔“ انہوں نے اس کی شرطیں پوچھیں، رنگ ہو، پچھا، عمر پوچھی، ان سوالات کے جوابات تو مل گئے لیکن گائے کو تلاش کرنا مشکل ہو گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ انہیں ایک جوان عمری کا گئے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا جو نہ بوڑھی ہو نہ بالکل بچھا ہو۔ پھر انہوں نے رنگ ہو پچھا تو حکم دیا گیا کہ زرد گائے ہو لیکن سرخی مائل ہو، جسے دیکھ کر دل خوش ہو جائے اور یہ رنگ بہت نادر ہے۔ پھر انہوں نے اپنے آپ کو مزید مشکل میں ڈالتے ہوئے کہا: ﴿إِنَّا نَذْكُرُكَ بِبَيْنِ لَنَا مَا هِيَ إِلَّا أَنْ الْبَقَرُ تَشْبَهُ عَالِمًا ۖ إِنَّ شَاءَ اللَّهُ أَكْثَرُ ۚ وَنَ﴾ ”اپنے رب سے اور دعا کیجئے کہ ہمیں اس کی مزید ماہیت بتلائے“ اس قسم کی گائیں تو بہت ہیں ہمیں پتہ نہیں چلتا، اللہ نے چاہا تو ہم ہدایت والے ہو جائیں گے۔“

آپ نے فرمایا: ﴿إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ ۖ ذَا نَوَلٍ ۖ تَبْدُوهُ الْكَرْصُ ۚ وَلَا تَقْصُ الْوَحْيَ ۚ مُسَلِّمَةً ۖ لَا شَيْعَةً ۖ فَبِهَا ۚ قَالُوا الْفَنِّ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۚ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَلْعَلُونَ ۚ﴾ ”اللہ کا فرمان ہے کہ وہ گائے کا لحم کرنے والی، زین میں مل جوستے والی اور کھٹوں کو پانی پلانے والی نہ ہو، وہ تندرست اور بے داغ ہو۔ انہوں نے کہا: اب آپ نے حق واضح کر دیا۔ غرض انہوں نے وہ گائے ذبح کی اور وہ ایسا کرنے والے نہیں تھے۔“ یہ شرکا پہلے سے جنتی تھیں کیونکہ انہیں ایسی گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا جو کام کرنے کی عادی نہ ہو۔ کاشت کاری اور آب پاشی کے لیے استعمال نہ کی جاتی ہو۔ بے عیب اور ایک رنگ ہو۔ اس کے رنگ میں دوسرا رنگ شامل نہ ہو۔ جو موسیٰ علیہ السلام نے اسے ان صفات کے ساتھ مخصوص کر دیا جب انہوں نے کہا: ﴿الْفَنِّ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۚ﴾ ”آپ نے حق واضح کر دیا۔“

مفسرین فرماتے ہیں: انہوں نے نہایت مسنگ دامنوں کا ایک گائے خریدی۔ اور اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم دیا کہ گائے ذبح کی جائے۔ جب انہوں نے اسے ذبح کیا اگرچہ وہ حکم نبی اللہ کے خلاف تھا۔ لیکن یہی تہذیب کا شکار تھے۔ اللہ نے حکم دیا کہ مقول کو گائے کے گوشت کا ایک ٹکڑا مارا جائے۔ جو نبی اسے نیکو مارا گیا، وہ اللہ کے حکم سے زندہ ہو گیا۔ وہ اٹھا تو اس کی رگوں سے خون جاری تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے پوچھا: ”تجھے کس نے قتل کیا؟“ اس نے کہا: ”مجھے میرے بھتیجے

① تفسیر الطبري: 480/1 تفسیر سورة البقرة آیت: 67

② تفسیر الطبري: 493/1 تفسیر سورة البقرة آیت: 70

③ تفسیر الطبري: 509/1 تفسیر سورة البقرة آیت: 73

(نے) کہا کہ جو بھول جھ سے ہوئی ہے اس پر مداخلہ نہ کیجئے اور میرے معاملے میں مجھے مشکل میں نہ ڈالے۔ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ (رستے میں) ایک لڑکا ملا تو (خضر نے) اُسے مار ڈالا۔ (موسیٰ نے) کہا کہ آپ نے ایک بے گناہ شخص کو (ناحق) بغیر قصاص کے مار ڈالا (یہ تو) آپ نے بری بات کی! (خضر نے) کہا: کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکو؟ انہوں نے کہا کہ اگر میں اس کے بعد (پھر) کوئی بات پوچھوں (اعتراض کروں) تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیے گا کہ آپ میری طرف سے عذر (کے قبول کرنے کی اجازت) کو کتنی گئے۔ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ ایک گاؤں والوں کے پاس پہنچے اور ان سے کھانا طلب کیا۔ انہوں نے ان کی ضیافت کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر انہوں نے وہاں ایک دیوار دیکھی جو گراہی جا رہی تھی۔ خضر نے اُس کو سیدھا کر دیا۔ موسیٰ نے کہا کہ اگر آپ چاہتے تو اُن سے (اس کا) معاوضہ لیتے (تاکہ کھانے کا اہتمام ہوتا) خضر نے کہا کہ اب مجھ میں اور تمھیں میں طبعی ہے مگر جن باتوں پر تم صبر نہ کر سکتے میں ان کا تمہیں مجید بتائے دیتا ہوں۔ وہ کشتی غریب لوگوں کی تھی، جو دریا میں بہت کرتے تھے یعنی کشتیاں چلا کر گزارہ کرتے اور اُن کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا تو میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کروں (تاکہ وہ اُسے غصب نہ کر سکے) اور وہ جولاڑا تھا اس کے ماں باں دوپوں مومن تھے ہمیں خطرہ ہوا کہ وہ (بڑا ہو کر) اُن کو سرکشی اور کفر میں نہ پھنسا دے۔ ہم نے چاہا کہ ان کا پروردگار اس کی جگہ ان کو اور بچہ عطا کرے جو پاک طینت اور محبت میں اس سے بہتر ہو۔ اور وہ جو دیوار تھی وہ بدستیم لوگوں کی تھی (جو) شہر میں (رہتے تھے) اور اس کے نیچے ان کا خزانہ مدفون تھا اور ان کا باپ نیک بخت آدمی تھا لہذا تمہارے پروردگار نے چاہا کہ وہ اپنی جوانی کو کتنی جاہیں اور پھر خزانہ نکالیں۔ یہ تمہارے پروردگار کی مہربانی ہے اور یہ کام میں نے اپنی طرف سے نہیں کیے۔ یہ اُن باتوں کی حقیقت ہے جن پر تم صبر نہ کر سکتے۔“ (التکویٰ: 82-60/18)

بعض اہل کتاب کہتے ہیں کہ خضر علیہ السلام کے پاس جانے والے موسیٰ، وہ معروف پیغمبر موسیٰ علیہ السلام نہیں بلکہ ایک اور صاحب تھے، جن کا نسب یوں ہے: موسیٰ بن منسا بن یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام۔ بعض علماء نے ان کتابوں سے اخذ کر کے یہی قول اختیار کیا ہے جن میں نوح بن فضاہ بالکی بھی ہیں، ان کی والدہ کعب احبار کے نکاح میں تھیں۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔

صحیحین میں واقعہ خضر و موسیٰ علیہ السلام: قرآن مجید سے اور صحیحین کی صریح حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بنی اسرائیل کے پیغمبر حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام ہی تھے جو خضر علیہ السلام کے پاس گئے تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: میں نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: نوح بالکی کا خیال ہے کہ خضر علیہ السلام کے ساتھ موسیٰ وہ نہیں تھے جو بنی اسرائیل کے نبی تھے۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ کا دشمن غلط کہتا ہے۔ ہمیں حضرت ابی بن

جئتَ هَيْتَا نُكْرًا ۖ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۚ قَالَ اِنْ سَأَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ مِّنْ بَعْدِهَا فَلَا تُصَاحِبْنِي ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنَ لَدُنِّي عُذْرًا ۚ وَاتَّطَلَعَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ اَنْ يَنْقَطِعَ فَاَقَامَا ۚ قَالَ تَوَشَّيْتُ لَلْكَلِّ عَنْهُ جَدًّا ۚ قَالَ هَذَا رِيقِي وَبَيْنَكَ وَسَانِيَتُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِيعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ۚ اَمَّا التَّنْبِيْهُ فَكَانَتْ لِمُسْلِمٍ يَّعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ ۚ فَارْتَدَّتْ اَنْ اَعْيَبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ قَلْبٌ يَّأْخُذُ عَنْ سَفِيْنَتِهِ عَصْبًا ۚ وَامَّا الْعِلْمُ فَكَانَ اَبُوهُ مُؤْمِنًا وَفَحِشْنَا اَنْ يَّرْوِقَهَا طَغْيًا نَّا وَكُلْفًا ۚ فَارْتَدَّا اَنْ يَبْدُلَهَا رِبْهَهَا خَيْرًا وَفَنَّهُ ذِكْرًا وَاقْرَبَ رَحْمًا ۚ وَامَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزُ لَهُمَا وَكَانَ اَبُوهُمَا صَالِحًا ۚ فَارَادَ رَبُّكَ اَنْ يَبْنِيَا اَسْوَءَ بُيُوتٍ فَجَعَلْنَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً لِّرَبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُمْ عَنْ اَمْرِيْ ذٰلِكَ تَاْوِيْلٌ ۚ مَا لَمْ تَسْتَطِيعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ۚ

اور جب موسیٰ نے اپنے شاگرد سے کہا کہ جب تک میں وہ دریا پاؤں کے ملنے کی جگہ نہ پہنچ جاؤں، چلتا ہی رہوں گا خواہ برسوں چلتا رہوں۔ جب اُن کے ملنے کے مقام پر پہنچے تو اپنی پچھلی بھول گئے اور اس نے دریا میں سرنگ کی طرح اپنا رستہ بنالیا۔ جب آگے چلے تو (موسیٰ نے) اپنے شاگرد سے کہا کہ ہمارا کھانا لاؤ اس سفر سے ہم کو بہت نکلان ہوگئی ہے۔ (اس نے) کہا کہ بھلا آپ نے دیکھا جب ہم نے پتھر کے پاس آرام کیا تھا تو میں پچھل (وہیں) بھول گیا اور مجھے (آپ سے) اس کا ذکر نہ کرنا شیطان نے بھلا دیا اور اس نے جب طرح سے دریا میں اپنا رستہ بنا لیا۔ موسیٰ نے کہا: یہی تو (وہ مقام) ہے جسے ہم تلاش کرتے تھے پھر وہ اپنے پاؤں کے نشان دیکھتے دیکھتے لوٹ گئے۔ (وہاں) انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ دیکھا جس کو ہم نے اپنے ہاں سے رحمت (یعنی نبوت یا نعمت ولایت) دی تھی اور اپنے پاس سے ظلم بخشا تھا۔ موسیٰ نے اُن سے (جن کا نام خضر تھا) کہا کہ جو ظلم (اللہ کی طرف سے) آپ کو سکھا گیا ہے اگر آپ اس میں سے مجھے کچھ بھلائی (کی باتیں) سکھائیں تو میں آپ کے ساتھ رہوں۔ (خضر نے) کہا کہ تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکو اگر جس بات کی تمہیں خبری نہیں، اُس پر صبر کر بھی کیسے سکتے ہو؟ موسیٰ نے کہا: اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کے ارشاد کے خلاف نہیں کروں گا۔ (خضر نے) کہا: اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہو تو (شرط یہ ہے کہ) مجھ سے کوئی بات نہ پوچھنا جب تک میں خواص کا ذکر تم سے نہ کروں۔ وہ دونوں چل پڑے یہاں تک کہ جب کشتی میں سوار ہوئے تو (خضر نے) کشتی کو توڑ ڈالا۔ (موسیٰ نے) کہا: کیا آپ نے اس کو لے لیا توڑا ہے کہ مرداروں کو فروغی کر دیں؟ یہ تو آپ نے بڑی (عجیب) بات کی۔ (خضر نے) کہا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میرے ساتھ صبر نہ کر سکو؟ (موسیٰ

اللہ کی طرف سے ایک علم ماہے جو اس نے آپ کو سکھایا ہے، وہ مجھے حاصل نہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿سَيَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا﴾ ”اگر اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہوگا۔“ حضرت خضر علیہ السلام نے آپ سے فرمایا: ﴿وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ فَلِمَ تَقُولُ هَذَا مِنْ غَيْرِ عِلْمٍ إِنَّهُ أَخْلَصَ إِلَيْكَ عَنْ شَيْءٍ وَهِيَ كَلِمَةٌ كَلِمَةٌ﴾ ”اگر آپ میرے ساتھ ہی چلتے پھر اصرار کرتے ہیں تو یہ (یا وہ) کسی چیز کی نسبت مجھ سے نہ پوچھتا، جب تک میں خود اس کی نسبت کوئی تذکرہ نہ کروں۔“

پھر وہ دونوں چلے۔ ساحل پر پیدل چل رہے تھے کہ ان کے پاس سے ایک کشتی گزری۔ انہوں نے کشتی والوں سے بات کی کہ انہیں سوار کر لیں۔ انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان کر بغیر کرائے کے سوار کر لیا۔ جب وہ کشتی میں سوار تھے، آپ نے انہیں دیکھا کہ خضر نے بسولے کے ساتھ کشتی کا ایک تختہ اکھاڑ دیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ”ان لوگوں نے ہمیں بغیر کرائے کے سوار کیا، آپ نے ان کی کشتی تو دی کہ کشتی والوں کو دیو دیں۔ یہ تو آپ نے بڑی (خطرناک) بات کر دی؟“ خضر علیہ السلام نے جواب دیا: ﴿أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَنْ تَسْبِقَ بَعْدَ صَبْرٍ﴾ ”میں نے تو پہلے ہی تجھ سے کہہ دیا تھا کہ تو میرے ساتھ ہرگز نہیں کر سکتا گا۔“ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: ﴿لَا تُؤْخَذُ بِمَا لَيْسَ بِكَ شَيْءٌ وَلَا تَهْتَفِ بِمَنْ أَمْرُهُ عَسَىٰ﴾ ”میری بھول پر مجھے نہ پکڑا ہے اور مجھے میرے معاملے میں تنگی میں نہ ڈالے۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ پہلا سوال موسیٰ علیہ السلام سے بھول کر ہوا۔ اور اس میں ایک چیز یا آ کر کشتی کے کنارے پر بیٹھ گئی اور سمندر سے چونچ بھری۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: ”میرا اور میرا علم اللہ کے علم کے مقابلے میں ایسے ہی (معمولی اور قلیل) ہے جیسے سمندر کے مقابلے میں چوچ یا کچھ چنے جانے والا پانی۔“

پھر (دیوانی سفر مکمل ہونے پر) وہ کشتی سے نکلے۔ جب وہ کنارے پر چلے جا رہے تھے اچانک خضر علیہ السلام کو ایک لڑکا نظر آیا جو لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ خضر علیہ السلام اس کا سر پکڑا اور ہاتھ کے ساتھ اس کا سر جسم سے جدا کر دیا۔ اس طرح اسے قتل کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ﴿أَفَقُلْتَ نَفْسًا ذَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا ثَقِيلًا﴾ ”کیا آپ نے ایک بے گناہ شخص کو ناحق بغیر قصاص کے مار ڈالا؟ بے شک آپ نے تو بڑی ناپسندیدہ حرکت کی۔“

وہ کہنے لگے: ﴿أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَنْ تَسْبِقَ بَعْدَ صَبْرٍ﴾ ”کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ہمراہ رہ کر ہرگز نہیں کر سکتے۔“ یہ واقعہ پہلے سے زیادہ سخت تھا۔ موسیٰ نے جواب دیا: ﴿قَالَ إِنْ سَأَلْتَهُ عَنْ شَيْءٍ وَبَعْدَ هَذَا فَلَا تُصِغْنِي فَلَقَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَدُنِّي عُذْرًا فَاتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ﴾ ”اگر اس کے بعد میں آپ سے کسی چیز کے بارے میں سوال کروں تو بے شک آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا۔ یقیناً آپ میری طرف سے حد تک پہنچ چکے۔ پھر دونوں چلے۔ ایک گاؤں والوں کے پاس آ کر ان سے کھانا طلب کیا۔ انہوں نے ان کی ہیمان داری سے صاف انکار کر دیا۔ دونوں نے وہاں ایک دیوار پائی جو گرجا چاقی

کعبہ جیڑنے لگا تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں کھڑے ہو کر خطبہ دینے لگے۔“ آپ سے پوچھا گیا: سب سے بڑا عالم کون ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”میں۔“

اللہ تعالیٰ نے آپ کو کتبہ فرمائی کیونکہ آپ نے علم کی نسبت اللہ کی طرف نہیں فرمائی تھی۔ (یعنی یوں نہیں فرمایا تھا کہ اللہ بہتر جانتا ہے۔) اللہ نے آپ کی طرف وحی کی: ”وہ دو ایسے کے لئے کی جگہ میرا ایک بندہ ہے جو تجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے۔“ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: ”یا رب! میں اس سے کیسے مل سکتا ہوں؟“ رب تعالیٰ نے فرمایا: ”تو کوری میں ایک پھلی کرکھ کر ساتھ لے لیں۔ جہاں وہم ہو جائے گی وہاں وہ ملے گا۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک پھلی لے کر توکری میں رکھ لی اور (سفر پر) روانہ ہو گئے۔ آپ کے ساتھ آپ کے خادم یوشع بن نون علیہ السلام بھی روانہ ہوئے۔ (چلتے چلتے) وہ ایک چٹان تک پہنچے وہاں وہ سر رکھ کر سو گئے (اس دوران میں) توکری میں پھلی توڑی اور توکری سے نکل کر سمندر میں جاگری۔ سمندر میں اس کا راستہ ایک سرگ کی طرح بن گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پھلی (کی گزرگاہ) سے پانی کی روانی روک دی اور وہ ایک طاق سا بن گیا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو یوشع بن نون انہیں پھلی کے بارے میں بتانا بھول گئے۔ چنانچہ وہ دن کا باقی حصہ بھی چلتے رہے اور پھر رات بھر بھی چلتے رہے۔ اگلے دن موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے فرمایا: ﴿أَيُّهَا عَدَاءُ نَا لَقَدْ كَفَيْتَنَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا أَصْبَارًا﴾ ”اے ہمارا ناشتہ دے۔“

ہمیں تو اس سفر سے سخت تکلیف آگئی ہے۔“ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تھکاؤت محسوس نہیں ہوئی حتیٰ کہ اس جگہ سے آگے چل پڑے جہاں پیچھے کا انہیں اللہ نے حکم دیا تھا۔“ آپ رب کے خادم نے آپ سے عرض کی: ﴿أَرَأَيْتَ إِذْ أَوْفَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نُفِثُ الْهَوَاۓ وَمَا أُنْسِيْنَهُ إِلَّا الْغِيظُنَّ إِنَّ أَذْكُرًا﴾ ”وَإِنَّا لَنَدْعُو سَمِيْلَةَ فِي الْجَنَّةِ عَجَبًا“ ”کیا آپ نے دیکھا بھی؟ جبکہ ہم پتھر سے ٹیک لگا کر آرام کر رہے تھے، وہاں میں پھلی بھول گیا تھا۔ دراصل شیطان ہی نے مجھے بھلا دیا کہ میں آپ سے اس کا ذکر کروں۔ اس پھلی نے ایک انوکھے طور پر دیو یاں ابھارتا بنا لیا۔“ فرمایا: ”پھلی کے لیے سرگ بن گئی! اور یہ چیز موسیٰ علیہ السلام کے خادم کے لیے توبہ کا باعث ہو گئی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ﴾ ”فَارَزَقْنَاكَ عَلَىٰ أَفْوَاهٍ وَهِيَ صَفَا“ ”یہی تمہارے کس کی تلاش میں ہم تھے، چنانچہ وہاں سے اپنے قدموں کے نشان دھونے سے بولے گئے۔“

وہ دونوں اپنے نشانات قدم دیکھتے دیکھتے چٹان تک جا پہنچے۔ دیکھا کہ ایک آدمی پکڑا اوڑھے موجود ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سلام کہا۔ خضر علیہ السلام نے کہا: ”اس سرزمین میں سلام کہاں سے آگیا؟“ آپ نے فرمایا: ”میں موسیٰ ہوں۔“ انہوں نے کہا: ”بنی اسرائیل کے موسیٰ؟“ فرمایا: ”جی ہاں! میں آپ کی خدمت میں اے الے حاضر ہوا ہوں کہ آپ کو بطور عطا ہوا ہے، مجھے بھی سکھائیں۔“ انہوں نے کہا: ﴿إِنَّكَ لَنْ تَسْبِقَ بَعْدَ صَبْرٍ﴾ ”آپ میرے ساتھ ہرگز نہیں کر سکتے۔“ اے موسیٰ! میرے پاس اللہ کی طرف سے ایک علم ہے جو اس نے مجھے سکھایا ہے، وہ آپ کو حاصل نہیں اور آپ کو

ولدت دی ہے، اس پر فخر نہ کرو اور دوسروں کی تحقیر کرتے ہوئے برتری کا اظہار نہ کرو! ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ﴾ ۱۰ وَاَتَجِبُ فِيمَا أَشَاءُ اللَّهُ الذَّارِ الْآخِرَةَ ﴿۱۱﴾ ”اللہ تعالیٰ اترانے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھے دے رکھا ہے، اس میں سے آخرت کے گمراہی تلاش بھی نہ کر!“، یعنی تجھے اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ آخرت کا ثواب حاصل کرے ﴿وَلَا تَحْسَبْ فَتْنَةَ الْدُنْيَا﴾ ۱۲ اور اپنے دنیوی حصے کو بھیج نہ بھول!، ”یعنی اپنے مال کے ذریعے سے حلال اشیاء حاصل کرو اور پاک حلال اشیاء سے لطف اندوز ہو۔“ ﴿وَآخِزِينَ مِمَّا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ﴾ ۱۳ اور جیسے اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی احسان کرو، ”یعنی جس طرح اللہ نے تجھے پراسان کیا ہے تو بھی اللہ کی مخلوق پر احسان کرو! ﴿وَلَا تَبْتَغِ الْقَصَادَ فِي الْأَرْضِ﴾ ۱۴ اور ملک میں فساد کا خواہاں نہ ہو!“، یعنی لوگوں سے بدسلوکی نہ کرو اور اللہ کی نافرمانی نہ کرو ورنہ تجھے سزا دے گا اور جو کچھ تجھے دیا ہے تجھ سے چھین لے گا۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ﴾ ۱۵ ”یعنی مان کہ اللہ مفسدوں کو ناپسند کرتا ہے۔“

اس واضح اور درست نصیحت کے جواب میں قارون نے کہا: ﴿رَبِّمَا أُوْتِيْتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي﴾ ۱۶ ”مجھے سب کچھ میری اپنی کچھ کی بنیاد پر دیا گیا ہے۔“، یعنی مجھے تمہاری بات سننے اور تمہاری نصیحت سننے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مجھے اللہ نے اپنی دولت اس لیے دی ہے کہ اسے معلوم ہے کہ میں اس کا مستحق ہوں۔ اگر میں اللہ کی نظر میں بیاد نہ ہوتا تو وہ مجھے یہ سب کچھ نہ دیتا۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿أَوَلَمْ يَعْلَم أَنَّ اللَّهَ فَدَا خَلْقَهُ مِنْ قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَآخَرُ جَمْعًا وَلَا يُتَنَسَّلُ عَنْ ذُلِّهِمْ الْجَاهِلُونَ﴾ ۱۷ ”کیا اسے تک نہیں معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے بہت سی امتیں غارت کر دیں، جو اس سے بہت زیادہ قوت والی اور بہت بڑی جمع ہو چکی تھیں! وہی امتیں اور گناہ گاروں سے ان کے گناہوں کی باز پرس نہیں کی جاتی؟“، مطلب یہ ہے کہ گزشتہ اقوام میں ہم نے ایسے لوگوں کو بھیجی ان کے گناہوں کی وجہ سے تیار کر دیا تھا جو قارون سے زیادہ طاقتور اور زیادہ مال دار اور زیادہ اولاد والے تھے۔ اگر قارون کی بات درست ہوتی تو ہم اس سے زیادہ مال رکھنے والے اور کوسرا نہ دیتے۔ اس لیے اس کا مالدار ہونا ہمارا پیارا ہونے کی دلیل نہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِالَّتِي تُفْسِدُكُمْ عِنْدَنَا نُلْقِي الْأَمْوَاحَ وَنَحْمِلُ صَالِحَهَا فَنَنْزِلُهَا لَكُمْ جَذَاءً فَالْحَبِيبَ بِمَا عَمِلُوا وَهُمْ فِي الْغُرُوبِ آمِنُونَ﴾ ۱۸

”اور تمہارے مال اور اولاد ایسے نہیں کہ تمہیں ہمارے قریب کر دیں“ سو ان کے جو ایمان لائیں اور نیک عمل

کریں۔“ (سبأ: 37/34)

تیز ارشاد ہے:

﴿يَعْسَبُونَ أَنَّكُمْ مُبْدِلُكُمْ بِهِمْ مِنْ مَّالٍ وَبَنِينَ ۖ لَسَاءَ لِمُهم فِي الْآخِرَاتِ ۖ بَلْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ ۱۹

وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۲۰﴾

”قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا اور ان پر تعدی و ظلم کرتا تھا اور ہم نے اُس کو اسنے خزانے دیے تھے کہ اُن کی کتبیاں ایک طاقتور جماعت کو اٹھانی مشکل ہوئیں۔ جب اُس سے اُس کی قوم نے کہا کہ اتر اُمت کیونکہ اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور جو (مال) تم کو اللہ نے عطا فرمایا ہے اس سے آخرت (کی بھلائی) طلب کرو اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھلا اور جیسی اللہ نے تجھ سے بھلائی کی ہے (وہی) تو بھی (لوگوں سے) بھلائی کرو اور ملک میں طالب فساد نہ بن کیونکہ اللہ فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ وہ بولا کہ (مال) مجھے میری وراثت (کے زور) سے ملا ہے۔ کیا اُس کو معلوم نہیں کہ اللہ نے اس سے پہلے بہت سی امتیں ہلاک کر ڈالیں جو اس سے قوت میں بڑھ کر اور جمعیت میں بیشتر تھیں اور گناہ گاروں سے اُن کے گناہوں کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا؟ پھر (ایک روز) قارون (بڑی) آرائش (اور خاشاک) سے اپنی قوم کے سامنے نکلا۔ جو لوگ دنیا کی زندگی کے طالب تھے کہنے لگے کہ جیسا (مال و متاع) قارون کو ملا ہے، کا ش! ہمیں بھی (ایسا ہی) ملے وہ تو بڑا ہی صاحب نصیب ہے۔ اور جن لوگوں کو ظلم و یا گیا تھا وہ کہنے لگے کہ تم پر اُنس! اُممات اور نیکو کاروں کے لیے (جو) ثواب اللہ (کے) ہاں تیار ہے وہ (کہیں) بہتر ہے اور وہ صرف مہر کرنے والوں ہی کو ملے گا، جس ہم نے قارون کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا تو اللہ کے سوا کوئی جماعت اس کی مددگار نہ ہو سکی اور نہ بدلہ لے سکا۔ اور وہ لوگ جو کل اس کے رتبے کی تمنا کرتے تھے صبح کو کہنے لگے ہائے شامت! اللہ ہی تو اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے۔ اگر اللہ ہم پر احسان نہ کرتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا ہائے خرابی! کا فر نجابت نہیں پاسکتے۔ وہ (جو) آخرت کا گھر (ہے) ہم نے اُن سے اُن لوگوں کے لیے (تیار) کر رکھا ہے جو زمین میں ظلم اور فساد کا ارادہ نہیں کرتے اور (نیک) انجام تو پر ہمیز گاؤں دی کا ہے۔“ (القصص: 76/83)

قائدِ فتنہ بیان کرتے ہیں کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بچھا زرقا تھا۔ وہ بہت خوش الحانی سے تورات کی تلاوت کرتا تھا۔ اس لیے اسے مذکور کہتے تھے۔ لیکن یہ اللہ کا دشمن منافق بن گیا، جیسے سامری نے منافقت اختیار کی تھی اور اسے اپنی دولت پر گھمنڈ نہ تھا کہ دیا۔ بعض علماء نے اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بچھا قرار دیا ہے تاہم اکثر علماء نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔ شہر بن حوشبؒ بیان کرتے ہیں کہ اس نے اپنی قوم پر برتری کا اظہار کے لیے معمول سے ایک باشت زیادہ لیے کپڑے پہننا شروع کر دیے تھے۔ ۱۰

”اس کے پاس بہت زیادہ خزانے تھے حتیٰ کہ ان کی چابیاں تو ہی مشکل مردوں کی ایک جماعت بمشکل اٹھانی تھی۔ اس کی قوم میں سے اس کے خیر خواہ افراد نے اسے نصیحت کرتے ہوئے کہا: ﴿لَا تَفْخُخْ﴾ ۲۱ ”اترا مت!“، یعنی اللہ نے تجھے جو

”کیا یہ (یوں) سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہم جو بھی ان کے مال و اولاد بڑھا رہے ہیں، وہ ہم ان کی بھلائیوں میں جلدی کر رہے ہیں؟ (نہیں نہیں) بلکہ یہ سمجھتے ہی نہیں۔“ (المونون: 56/55/23)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”پس قارون اپنی قوم کے ساتھ اپنی قوم کے مجمع میں نکلا۔“ آرائش سے مراد یہ ہے کہ وہ عمدہ لباس پہن کر عمدہ سواری پر نوکروں کا کڑوں کے ساتھ نکلا۔ دنیا کی چمک دمک کو اہمیت دینے والے لوگ اسے دیکھ کر رشک کرنے لگے اور تمنا کرنے لگے کہ اگر ہم بھی اس طرح کی شان و شوکت حاصل ہو۔ لیکن صحیح سوچ کے حامل عقل مند افراد ان کی یہ بات نہ کر بولے: **”وَلَيْكُمُ الْوَابِ اللَّهُ خَيْرٌ لِّمَنَ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا“** ”فسوس! بہتر چیز تو وہ ہے جو بطور ثواب انہیں ملے گی جو اللہ پر ایمان لائیں اور نیک عمل کریں۔“ یعنی ان کو آخرت میں ملنے والے انعامات بہتر، عظیم، اعلیٰ اور باقی رہنے والے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **”وَلَا يُلْقِيهَا إِلَّا الضَّالُّونَ“** ”یہ بات انہی کے دل میں ڈالی جاتی ہے جو مبر والے ہوں۔“ یعنی اس حقیر دنیا کی ظاہری چمک دمک دیکھنے کے بعد اس نصیحت کو وہی شخص قبول کر سکتا ہے اور آخرت کے بلند مقامات کے حصول کی ہمت وہی کر سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ ہدایت سے نوازے، اس کے دل کو قوت بخشے، اسے صحیح سمجھ عطا فرمائے اور اسے منزل مقصود تک پہنچائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **”فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِآوَاهِ الْأَرْضُ“** **”فَمَا كَانَ لَهُ مِنْ فِئَةٍ يَنْصُرُوهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنتَصِرِينَ“** ”ہم نے اسے اس کے کل سمیت زمین میں دھنسا دیا اور اللہ کے سوا کوئی جماعت اس کی مدد کے لیے تیار نہ ہوئی، وہ خود اپنے بچانے والوں میں سے ہو گا۔“

اللہ تعالیٰ نے اس کے غرور و تکبر اور قوم کے سامنے اس کے ٹھانڈے ہاتھ کے اظہار کیا ان کے فرمایا: **”فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِآوَاهِ الْأَرْضُ“** ”ہم نے اسے اس کے کل سمیت زمین میں دھنسا دیا۔“ جیسے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”ایک آدمی اپنا قبند (زمین تک لاکر) کھینچتا ہوا جاں رہا تھا کہ اچانک اسے دھنسا دیا گیا۔ وہ قیامت تک زمین میں حرکت کرتا (نیچے سے نیچے جاتا رہا)۔“ ①

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قارون نے ایک فاش کو مال دے کر اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ مجمع عام میں موسیٰ علیہ السلام سے کہے: ”آپ نے میرے ساتھ بدکاری کی ہے۔“ اس عورت نے اسی طرح کہہ دیا۔ موسیٰ علیہ السلام کے خوف سے کانپ گئے چنانچہ آپ نے دو رکعت نماز پڑھی، پھر عورت سے قسم دے کر پوچھا کہ اس نے یہ بات کیوں کہی ہے؟ اس نے تو یہ استدعا کر کے بتوائے کہ: ”مجھے قارون نے اس حرکت پر آمادہ کیا تھا۔“

اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے عہدہ میں گر کر قارون کے خلاف بدعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی کے ذریعے فرمایا کہ میں نے زمین کو حکم دے دیا ہے کہ آپ کے حکم کی تعمیل کرے۔ موسیٰ علیہ السلام نے زمین کو حکم دیا کہ اسے اور اس کے کھلات کو گھل

جائے۔ ② چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ (واللہ اعلم)

بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ قارون پوری جوجھ کے ساتھ قوم کے سامنے آیا۔ جب وہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو آپ قوم کو اللہ کے ایام (اور سچے تاریخی واقعات) سن کر نصیحت فرما رہے تھے۔ لوگوں نے اسے دیکھا تو بہت سے افراد ادھر ہی دیکھتے رہ گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اسے بلا کر فرمایا: ”تو نے یہ کام کیوں کیا؟“ اس نے کہا: ”موسیٰ! اگر آپ کو کچھ پرنبوت کی وجہ سے فضیلت حاصل ہے تو میں مال کی وجہ سے آپ سے افضل ہوں۔ آپ پسند کریں تو ہم دونوں ایک دوسرے کے خلاف بددعا کریں۔“ موسیٰ علیہ السلام میں انکے قارون اپنے لوگوں کے ساتھ نکلا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ”تم دعا کرو گے یا میں دعا کروں؟“ اس نے کہا: ”میں دعا کروں گا۔“ قارون نے موسیٰ علیہ السلام کے خلاف دعا کی لیکن اس کی دعا قبول نہ ہوئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ”اب میں دعا کروں؟“ اس نے کہا: ”کیجیے!“ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ”یا اللہ! زمین کو حکم دے کہ آج میری اطاعت کرے۔“ اللہ نے وحی کی کہ میں نے زمین کو حکم دے دیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ”اے زمین! انہیں بکڑ لے!“ زمین نے ان سب (قارون اور اس کے ساتھیوں) کو قدموں تک بکڑ لیا۔ آپ نے فرمایا: ”انہیں بکڑ لے!“ زمین نے انہیں گھنٹوں تک بکڑ لیا۔ اس کے بعد وہ کنھوں تک دھنسن گئے۔ پھر فرمایا: ”ان کے خزانوں اور مال و دولت کو بھی لے آ!“ دیکھتے ہی دیکھتے سب کچھ حاضر ہو گیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا: ”بنو لاؤ! (زمین کے اندر) چلے جاؤ!“ چنانچہ وہ سب نفروں سے اوجھل ہو گئے اور اوپر سے زمین ہموار ہو گئی۔ ③

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **”فَمَا كَانَ لَهُ مِنْ فِئَةٍ يَنْصُرُوهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنتَصِرِينَ“** ”اللہ کے مقابلے میں کوئی جماعت اس کی مدد نہ کر سکی نہ وہ خود اپنے آپ کو بچا سکا۔“ یعنی نہ وہ خود اپنی مدد کر سکا، نہ کوئی اور اس کی مدد کے لیے کچھ کر سکا۔ جیسے دوسرے مقام پر ارشاد ہے: **”فَمَا كَانَ لَهُ مِنْ فِئَةٍ وَلَا نَاصِرٍ“** ”لہذا نہ ہوگا (قیامت کے دن) اس کے پاس کچھ زوردار نہ کوئی مددگار۔“ (الطاف: 10:86)

جب وہ زمین میں غرق ہو گیا، اس کے کھلات اور مال و دولت سب ختم ہو گئے، تب اس جیسی دولت کی تمنا کرنے والے شرمندہ ہوئے اور انہوں نے اللہ کا شکر کیا جو اپنے بندوں کے لیے اچھے فیصلے کرتا ہے۔ اس لیے انہوں نے کہا: **”لَوْ أَنَّنَا كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَّمَكَ الْحِكْمَ بَيْنَ الْيَدَيْنِ لَأَذْنَبُكَ إِلَّا تَلَوِّحَ الْأَلْمُونَ“** ”اگر اللہ تعالیٰ ہم پر فضل نہ کرتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا۔ کیا دیکھتے نہیں کہ شکر کروں کو کبھی کامیابی نہیں ہوتی؟“

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آخرت کی زندگی دائمی زندگی ہے۔ جسے اس جہاں میں خوشی نصیب ہوئی، وہی قابل رشک ہے اور جو اہل محرم پر بادی قابل خیر خاص ہے لیکن یہ نعمتیں ان لوگوں کے لیے ہیں: **”الَّذِينَ يَذْكُرُونَ يَوْمَ تَوَدُّ**

فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہو گا۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان و عظمت قرآن وحدیث کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بے شمار معجزات سے نوازا اور انہیں نہایت بلند مرتبہ عطا فرمایا۔ نبی آخر الزمان علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے فرامین میں زبردست خراجِ تحسین پیش کیا ہے آپ کے ان فرامین میں اسلام کے اوصاف جمد کا روشن اظہار ہے۔ بخلاف آج کے یہود و نصاریٰ کے جو تعصب اور کینہ میں مبتلا اور انبیاء کے کرام کی توہین کے مرتکب ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ كُنَّا فِي الْكُتُبِ مُوسَىٰ إِنَّكَ كَانَتْ مُخْلَصًا وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ۚ وَنَادَيْنَاهُ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ الْأَيْمَنِ وَقَرَّبْنَاهُ نَجِيًّا ۖ وَوَعَدْنَا لَهُ مِنْ وَحْيِنَا أَخَاهُ هَارُونَ نَبِيًّا ۖ﴾

”اس قرآن میں موسیٰ کا ذکر کیجیے جو چنا ہوا اور رسول اور نبی تھا۔ ہم نے اسے طور کی دائیں جانب سے ندا کی اور رازگوئی کرتے ہوئے اسے قریب کر لیا اور اپنی خاص مہربانی سے اس کے بھائی کو نبی بنا کر اسے عطا فرمایا۔“

(سورہ: 53-51/19)

نیز ارشاد فرمایا:

﴿قَالَ يٰمُوسَىٰ إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَتِي ۖ وَكَرَّمْتُ فِعْلَكَ مَا تَشْكُرُ ۚ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۚ﴾
 ”اے موسیٰ! میں نے تم کو اپنے پیغام اور اپنے کلام کے ذریعے لوگوں سے ممتاز کیا ہے لہذا جو میں نے تم کو عطا کیا ہے اسے بکرا اور (میرا) شکر بھلاؤ۔“ (الأعراف: 144/7)

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی یہ حدیث پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا: ”مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو کیونکہ قیامت کے دن سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے۔ سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا تو موسیٰ علیہ السلام کو عرض کیا یہ بکڑے ہوئے پاؤں گا۔ معلوم نہیں وہ بھی بے ہوش ہوں گے لیکن مجھ سے پہلے ہوش میں آجائیں گے یا انہیں طور کی بے ہوشی کا بدلہ دیا جائے گا (کہ قیامت کے دن بے ہوش نہیں ہوں گے)“

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ رسول اللہ علیہ السلام نے یہ ارشاد واضح اور کس نفسی کی بنیاد پر فرمایا ہے ورنہ نبی علیہ السلام کا خاتم

① مسند أحمد: 169/2

② صحیح البخاری: (الخصومات) باب ما يذكر في الأشخاص.....: 2411/1 وصحیح مسلم: (الفضائل) باب من

عَلَوْا فِي الْأَرْضِ وَلَا تَكْفُرُوا ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ۚ“ جو زمین میں اونچائی برائی اور فخر نہیں کرتے، نہ سدا کی چاہت رکھتے ہیں۔ پرہیزگاروں کے لیے نہایت عمدہ انجام ہے۔“

یہ واقعہ غالباً اس دور میں پیش آیا جب بنی اسرائیل ابھی مصر سے نہیں نکلے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَخَسَفْنَا بِهِ وَابْنَاهُ الْأَرْضَ ۚ﴾ ”ہم نے اس کے گھر سمیت زمین میں ہنسا دیا۔“ اور گھر سے بظاہر عبارت ہی مراد ہے۔ البتہ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ واقعہ میدان میں پیش آیا ہو۔ اس صورت میں گھر سے مراد وہ جگہ ہوگی جہاں اس کے خیمے لگے ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر قارون کی مذمت کی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ۖ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَقَارُونَ فَقَالُوا سَاجِدْ كَذٰبًا ۖ﴾

”اور ہم نے موسیٰ کو اپنی آیتوں اور کھلی دلیلوں کے ساتھ فرعون، ہامان اور قارون کی طرف بھیجا تو انہوں نے کہا: یہ تو جادو گراور جھوٹا ہے۔“ (الزمر: 24/23/40)

سورہ یحزقوت میں عداور شرو کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

﴿وَقَارُونَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ ۖ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مُّوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانُوا سٰبِقِينَ ۚ فَنُكِّلْنَا أَخْنَا بِدَنِيَّهِمْ فَيَقْبَهُمْ ۖ مِّنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۖ وَمِنْهُمْ مَّنْ أَخَذْنَا مِنَ الصِّحْفَةِ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِوَالِدِ الْأَرْضِ وَمِنْهُمْ مَّنْ أَعْرَفْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْلِمَهُمْ وَلٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۖ﴾

”اور قارون، فرعون، ہامان اور قارون (ہم نے تباہ کر دیا) ان کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کھلے کھلے جبرے لے کر آئے تھے۔ پھر بھی انہوں نے زمین میں تکبر کیا لیکن (ہم سے) آگے بڑھنے والے نہ ہو سکے۔ پھر تو ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ کے دہال میں گرفتار کر لیا۔ ان میں سے بعض پر ہم نے پتھروں کا سینہ برسا یا اور ان میں سے بعض کو زور و سختی آواز نے دلوچ لیا اور ان میں سے بعض کو ہم نے زمین میں ہنسا دیا اور ان میں سے بعض کو ہم نے ڈبو دیا۔ اللہ تعالیٰ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے بلکہ یہی لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔“ (العدسوت: 40/39/29)

زمین میں ہنسا یا جانے والا تو قارون تھا اور فرعون ہونے والے فرعون، ہامان اور ان کا لشکر تھے۔

منہاج احمد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن نبی علیہ السلام نے نماز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ”جو شخص اس کی مخالفت کرے گا، یہ قیامت کے دن اُس کے لیے نور، دلیل اور باعثِ نجات کا باعث۔“ وہ شخص قیامت کے دن قارون، مخالفت نہ کی یہ قیامت کے دن اس کے لیے نہ نور ہے نہ دلیل نہ نجات کا باعث۔“

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے کوئی چیز (صحابہ مجاہدہ میں) تقسیم فرمائی۔ ایک شخص نے کہا: اس تقسیم سے اللہ کی رضا مقصود نہیں تھی، یعنی اس نے نبی ﷺ پر بے انصافی کا الزام لگایا۔ میں نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ بات عرض کی تو آپ کو غصہ آ گیا حتیٰ کہ میں نے نبی ﷺ کے چہرہ اقدس پر منگلی کے آثار کاردے۔ پھر آپ ﷺ نے (غصہ ضبط کرتے ہوئے) فرمایا: ”اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے! انہیں اس سے زیادہ اذیت دی گئی تھی تو انہوں نے صبر کیا تھا۔“^①

معراج کی حدیث میں مذکور ہے کہ ”مفر معراج کے دوران میں نبی اکرم ﷺ کا گزر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے ہوا تو آپ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔“^②

صحیحین میں ہے کہ معراج کی رات جیسے آسمان پر نبی کریم ﷺ کی ملاقات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی۔ جبرئیل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا: ”یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں، انہیں سلام کہیے!“

نبی علیہ السلام فرماتے ہیں: میں نے انہیں سلام کہا تو انہوں نے فرمایا: ”نیک نبی اور نیک بھائی کو خوش آمدید!“ جب میں ان کے پاس سے گزر کر آگے بڑھا تو وہ آبدیدہ ہو گئے۔ ان سے کہا گیا: آپ کیوں اٹکنا ہو گئے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: ”میں دوتا ہوں کہ میرے بعد آئے والے ایک جوان کی امت سے اتنے افراد جنت میں داخل ہوں گے جو میری امت کے جنیتوں سے زیادہ ہوں گے۔“^③

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کی امت پر پچاس نمازیں فرض کیں تو رسول اللہ ﷺ (واپسی کے دوران میں) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملے۔ انہوں نے فرمایا: ”اے رب کے پاس دوبارہ تشریف لے جائیے اور اپنی امت کے لیے تخفیف کی درخواست کیجیے! مجھے بنی اسرائیل کی وجہ سے سخت پریشانی پیش آتی تھی اور آپ کی امت کے کان، آنکھیں اور دل زیادہ کمزور ہیں۔“ چنانچہ رسول اللہ ﷺ موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے اللہ عزوجل کے دربار میں اور پھر واپس موسیٰ علیہ السلام کے پاس کی بارشرویف لے گئے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے دن رات میں پانچ نمازیں ادا کرنے کا حکم دے دیا اور فرمایا: ”(او ایسی میں) پانچ ہیں اور (ثواب میں) پچاس ہیں۔“^④ اللہ تعالیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور موسیٰ علیہ السلام کو جزائے خیر عطا فرمائے!

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ (گھر سے) باہر ہمارے پاس شریف لائے اور فرمایا: ”مجھے (انبیائے کرام کی) امتیں دکھائی گئیں۔ میں نے ایک بڑی جماعت دیکھی جس

① صحیح البخاری 'أحادیث الأنبياء' حدیث: 3405

② صحیح مسلم 'الإيمان' باب ذكر المسيح ابن مريم والمسيح الدجال' حدیث: 172 ومسند أحمد: 148.3

③ صحیح مسلم 'الإيمان' باب الإسراء برسول الله ﷺ إلى السموات وفرض الصلوات' حدیث: 164

④ صحیح مسلم 'الإيمان' باب الإسراء برسول الله ﷺ إلى السموات وفرض الصلوات' حدیث: 163

انہیں اور تمام اولاد آدم کا سردار ہونا قطعی اور یقینی ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مختلف انبیاء کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

﴿وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَخَوُّمًا﴾

اور موسیٰ (علیہ السلام) سے اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر کلام کیا۔“ (النساء: 164/4)

مزید ارشاد فرماتی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ أَمَّا آلُكَ فَأَنْتَ وَرَبُّكَ الْكَافِرُونَ أَوَلَمْ يَكُنْ لَهُ آيَاتُ أَنْتَ وَمِمَّا قَالُوا وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجْهًا﴾

”اے ایمان والا! ان لوگوں جیسے نہ بن جاؤ جنہوں نے موسیٰ کو تکلیف دی۔ پس جو بات انہوں نے کہی تھی، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے بری فرمادیا اور وہ اللہ کے نزدیک باعزت تھے۔“ (الأحزاب: 69/33)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”حضرت موسیٰ علیہ السلام بڑے حیا دار اور ارجمند کو پوری طرح ڈھانچنے والے شخص تھے۔ ان کی شرم و حیا کے سبب کوئی ان کا بدن نہیں دیکھ سکتا تھا۔ انہیں ایذا پہنچانے کے لیے بنی اسرائیل کے کچھ افراد نے کہا: آپ اپنے بدن کا اس قدر پردہ کسی عیب یا جلدی بیماری مثلاً برص یا فتق کی وجہ سے کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ آپ کا بے عیب ہونا ظاہر ہو جائے تو ایک روز موسیٰ علیہ السلام نے تنہائی میں جا کر اپنے کپڑے اتارے اور ایک پتھر پر رکھ دیے پھر نہانے لگے۔ فارغ ہو کر اپنے کپڑے لینے کے لیے آگے بڑھے تو پتھر ان کے کپڑے لے کر بھاگ اٹھا۔ موسیٰ علیہ السلام اچانک اپنے کپڑے لے کر پتھر کے پیچھے دوڑے اور فرمائے گئے: اے پتھر! میرے کپڑے دے دے! اے پتھر! میرے کپڑے دے دے! حتیٰ کہ بنی اسرائیل کے ایک گروہ تک جا پہنچے جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کا بے لباس جسم انتہائی خوبصورت اور بے عیب دیکھا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے لگائے ہوئے الزام سے بری فرمادیا۔ اس وقت پتھر ٹھہر گیا۔ آپ نے اپنے کپڑے پہنے اور پتھر کو اپنے عصابے مارنے لگے۔ قسم ہے اللہ کی! موسیٰ علیہ السلام کے مارنے سے پتھر پر تین لاجل یا پانچ لکھ نشان پڑ گئے۔ یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا: ﴿فَكَذَّبَهُ اللَّهُ وَمِمَّا قَالُوا وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجْهًا﴾

”پس جو بات انہوں نے کہی تھی، اللہ نے آپ کو اس سے بری فرمادیا اور آپ اللہ کے نزدیک باعزت تھے۔“^① بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقام و مرتبہ کی عظمت کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ آپ نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے حق میں دعا فرمائی کہ وہ آپ کے دو پر ہوں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی درخواست قبول فرما کر ہارون علیہ السلام کو منصب نبوت پر فائز فرمادیا۔ جیسے ارشاد ہے:

﴿وَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَحْمَتِنَا أَخَاهُ هَارُونَ نَبِيًّا﴾ ”اور اپنی خاص مہربانی سے اس کے بھائی کو نبی بنا کر اسے عطا فرمایا۔“ (مریم: 53/19)

① صحیح البخاری 'أحادیث الأنبياء' حدیث: 3404

اللہ کی کتاب کو اس طرح پیچھے ڈال دیا گویا جانتے ہی نہ تھے۔“ (البقرہ: 101/2)

اور فرمایا:

﴿اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۚ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنزَلَ التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ ۚ مِنْ قَبْلُ هَٰذَا يَلْتَمَاسُ ۚ وَأَنزَلَ الْفُرْقَانَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۚ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ ۝﴾

”اللہ (جو موجود برحق ہے) اس کے سوا کوئی معبود نہیں (وہ) زندہ (اور) ہمیشہ رہنے والا ہے۔ اُس نے (اسے) محمدؐ پر تجھے یہ کتاب نازل کی جو پہلی (آسانی) کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور اُسی نے تورات اور انجیل نازل کیں (یعنی) لوگوں کی ہدایت کے لیے پہلے (تورات و انجیل اتاریں) اور (پھر قرآن جو حق اور باطل کو) الگ الگ کر دینے والا ہے نازل کیا۔ جو لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں اُن کو سخت عذاب ہوگا اور اللہ زبردست (اور) بدلہ لینے والا ہے۔“ (آل عمران: 2/3-4)

اور ایک مقام پر فرمایا:

﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّن شَيْءٍ ۚ قُلْ مَن أَنزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسٰى نُورًا وَهُدًى لِّلنَّاسِ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا مِّسْرًا وَتَفْطِنًا ۚ وَلَقَدْ مَنَعْنَا آلَ فِرْعَانَ أَن يَخْرُجُوا فِرْعَانِ ۚ وَكُنَّا أَهْلَ الْبَيْتِ يَدِينُوهُ ۚ وَكُنَّا رَافِقًا لِّلْغُرَىٰ ۚ وَمَن كُفِرَ بِهِ فَإِنَّ إِلٰهَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَهُم مَّوَدُّعٌ ۚ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ بِهَا الْفُتُونُ ۝﴾

”اور ان لوگوں نے اللہ کی قدر سمجھ جانی چاہی تھی نہ جانی جب انہوں نے کہا کہ اللہ نے انسان پر (وہی اور کتاب وغیرہ) کچھ بھی نازل نہیں کیا۔ کہو کہ جو کتاب موسیٰؑ نے لے کر آئے تھے اُس نے نازل کیا تھا؟ جو لوگوں کے لیے نور اور ہدایت تھی اور جسے تم نے علیحدہ علیحدہ اوراق (پر نقل) کر رکھا ہے۔ اُن کے کچھ حصے کو تو ظاہر کرتے ہو اور اکثر کو چھپاتے ہو اور تم کو وہ باتیں سکھائی گئیں جن کو تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا۔ کہہ دو (اس کتاب کو) اللہ ہی نے (نازل کیا تھا)؟ پھر ان کو چھوڑ دو کہ اپنی بیبود باتوں میں کیستے رہیں اور (وہی ہی) یہ کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے۔ (ایسی) بابرکت جو اپنے سے پہلی (کتابوں) کی تصدیق کرتی ہے اور (جو) اس لیے (نازل کی گئی ہے) کہ تم کے اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو آگاہ کر دو اور جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور وہ اپنی نمازوں کی (پوری) خبر رکھتے ہیں۔“ (الاعلام: 92/91/6)

اس مقام پر پہلے تو رات کی تعریف فرمائی پھر قرآن مجید کی عظیم توصیف فرمائی۔ مزید فرمایا:

سے اُفق بھر گیا تھا۔ مجھے بتایا گیا: یہ موسیٰؑ اور ان کی قوم یعنی امت کے افراد ہیں۔“

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”مجھے امتیں دکھائی گئیں۔ میں نے دیکھا کہ کسی نبی کے ساتھ ایک گروہ ہے، کسی نبی کے ساتھ ایک یا دو افراد ہیں اور کسی نبی کے ساتھ کوئی بھی نہیں۔ اچانک مجھے ایک بڑی جماعت نظر آئی۔ میں نے کہا: یہ میری امت ہے؟ کیا گیا: یہ موسیٰؑ اور ان کی قوم ہے لیکن اُفق کی طرف دیکھیے! میں نے دیکھا کہ بہت بڑا انبوہ ہے۔ پھر مجھ سے کہا گیا: اس طرف دیکھیے! دیکھا تو وہاں بھی بہت بڑا انبوہ تھا۔ مجھ سے کہا گیا: یہ (سب) آپ کی امت ہے۔ ان میں ستر ہزار ایسے افراد ہیں جو بغیر حساب کے اور بغیر کوئی سزا سمجھتے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اٹھ کر گھر گھر تشریف لے گئے۔ حاضرین اس بارے میں بات چیت کرنے لگے۔ انہوں نے کہا: یہ کیوں لوگ ہیں جو بغیر سزا کے اور بغیر حساب کے جنت میں داخل ہو جائیں گے؟ کچھ حضرات نے کہا: شاید وہ نبی ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل کرنے والے افراد ہیں۔ کچھ حضرات نے کہا: شاید وہ ایسے لوگ ہیں جو اسلام میں پیدا ہوئے اور جنہوں نے اللہ کے ساتھ باکل شریک نہیں کیا۔ اور اس طرح کی آراء عام ہو گئیں۔ (اسنے میں) رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لے آئے۔ فرمایا: ”کس بارے میں بات چیت کر رہے ہو؟“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی کبھی ہوئی باتیں بتائیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”یہ (حساب کے بغیر جنت میں جانے والے) افراد وہ ہیں جو داغ نہیں گلو گتے، جہاز چھوٹک نہیں کرواتے، بدگمانی نہیں لیتے، صرف اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔“ حضرت عکاشہ بن محسن انسی رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر عرض کی: اللہ کے رسول! ادعا کیجئے اللہ مجھے بھی ان میں سے بنادے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تو اُن میں شامل ہے۔“ پھر ایک اور صاحب اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کی: اللہ کے رسول! کیا میں بھی ان میں شامل ہوں؟ فرمایا: ”اس شرف میں عکاشہ رضی اللہ عنہ کچھ پر سہمت لے گیا۔“

موسیٰؑ کا مقام و مرتبہ قرآن مجید میں: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت موسیٰؑ کا ذکر بہت زیادہ فرمایا ہے۔ کہیں تفصیل سے اور کہیں اختصار کے ساتھ آپ کی بہت زیادہ تعریف فرمائی ہے۔ بہت سے مقامات پر حضرت موسیٰؑ کا اور آپ کی کتاب کا ذکر حضرت محمد ﷺ اور آپ کی کتاب کے ساتھ کیا گیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ البقرہ میں ارشاد الہی ہے:

﴿وَكَيْفَ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۚ نَبَأَ قَوْمٍ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ ۚ كَذَّبُوا اللَّهَ وَرَأٰءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝﴾

”جب کبھی ان کے پاس اللہ کا کوئی رسول ان کی کتاب کی تصدیق کرنے والا آیا ان اہل کتاب کے ایک فرقہ نے

① صحیح البخاری: 'أحاديث الأنبياء باب وفاة موسى' وذكره بعد: حديث: 3410

② صحیح البخاری: 'الرفاق' باب يدخل الجنة سبعون ألفاً بغیر حساب' حديث: 6541

ہیں ان کی شانہی کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو ان کتابوں کی حفاظت کا ذمہ دار ٹھہرایا تھا۔ وہ انہیں نہ یاد رکھ سکے نہ انہیں سے محفوظ رکھ سکے، چنانچہ ان میں بہت سی تبدیلیاں ہو گئیں۔ اس کے علاوہ ان کی غلط بیبیاں اور کوتاہ علی کی وجہ سے بھی کتب مقدسہ میں غلطیاں آ گئیں۔ کچھ انہوں نے بدعتی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے وعدے میں خیانت کرتے ہوئے دینی مفادات کے لیے تحریفات کر لیں، اس لیے ان کتابوں میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں اور اس کے رسولوں کے بارے میں کثیر تعداد میں واضح طور پر غلط بیبیاں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ انبیاء میں فرمایا:

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى وَ هَارُونَ الْفُرْقَانَ وَ هِمْزَاءَ وَ ذِكْرًا لِّلْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ

بِالْغَيْبِ وَ هُمْ مِنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُونَ ۝ وَ هَذَا ذِكْرٌ مُّبَرِّكٌ أَنزَلْنَاهُ ۚ أَفَأَنْتُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ ۝﴾

”اور ہم نے موسیٰ اور ہارون کو (ہدایت و گمراہی میں) فرق کرنے والی اور (سرتاپا) روشنی اور فصاحت (کی کتاب) عطا کی۔ اور وہ پرہیزگاروں کے لیے یاد دہانی ہے جو بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور قیامت کا خوف بھی رکھتے ہیں اور یہ مبارک فصاحت ہے جسے ہم نے نازل فرمایا ہے۔ تو کیا تم اس کا انکار کرتے ہو؟“

(الانبیاء: 50-48/21)

سورہ قصص میں ارشاد ہے:

﴿فَلَمَّا جَاءَهُ هُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا لَوْ لَا آتَانِي مِثْلُ مَا أُوتِيَ مُوسَىٰ ۚ أَوْ كَمْ يَنْظُرُوا بِمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلِ ۚ قَالُوا يَسْخَرُونَ مِنَّا فَهَارَ اللَّهُ ۚ قَالُوا إِنَّا بِكَ لَكَيْفٌ ۚ كَفَرُونَ ۚ قُلْ فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا ۚ إِنَّكُمْ لَتَكُونُونَ صَبِيحِينَ ۝﴾

”پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آتا پہنچا تو کہنے لگے کہ جیسی (شانیاں) موسیٰ کو تھیں، ویسی اس کو کیوں نہیں ملیں؟ کیا جو (شانیاں) پہلے موسیٰ کو دی گئی تھیں، انہوں نے اُن کا انکار نہیں کیا؟ کہنے لگے کہ دونوں جادوگر ہیں ایک دوسرے کے موافق۔ اور بولے کہ ہم سب کے منکر ہیں۔ کہہ دو کہ اگر سچے ہو تو تم اللہ کے پاس سے کوئی کتاب لے آؤ جو ان دونوں (کتابوں) سے بڑھ کر ہدایت کرنے والی ہو تاکہ میں بھی اس کی پیروی کروں۔“

(القصص: 49/48/28)

یعنی اللہ تعالیٰ نے دونوں کتابوں (تورات اور قرآن مجید) کی بھی تعریف کی ہے اور دونوں رسولوں (حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ) کی بھی تعریف کی ہے۔ جنوں نے بھی اپنی قوم سے یہی کہا تھا:

﴿إِنَّا سَمِعْنَا كُتُبًا أَنزَلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ ۝﴾

”ہم نے یقیناً وہ کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے۔“ (الاحقاف: 30/46)

﴿ثُمَّ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ تَمَامًا عَلَى الَّذِي أَحْسَنَ وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ وَ هُدًى وَ رَحْمَةً لِّعَلَّاهُمْ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ۝ وَ هَذَا كِتَابٌ مُّبَرِّكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَ اتَّقُوا عَذَابَ النَّارِ ۝﴾

”پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی تھی تاکہ ان لوگوں پر جو نیکو کار ہیں، نعمت پوری کر دیں اور (اس میں) ہر چیز کا بیان (ہے) اور ہدایت (ہے) اور رحمت ہے تاکہ (ان کی امت کے) لوگ اپنے پروردگار کے رب و درحاضر ہونے کا یقین کریں اور (اے کفر کرنے والو!) یہ بابرکت کتاب بھی ہم ہی نے اتاری ہے، سو اس کی پیروی کرو اور (اللہ سے) ڈرو تاکہ تم پر مہربانی کی جائے۔“ (الانبیاء: 155/154/6)

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿إِنَّا أَنزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَ نُورٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَ الْوَيْبِيُّونَ وَ الْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ وَ كَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُ الْنَاسَ وَ اخْشَوُ اللَّهَ ۚ لَا تَسْخَرُوا بِأَلْسِنَتِكُمْ قُلُوبَهُمْ ۚ فَالَّذِينَ قَلِيلًا ۚ وَ مَن لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ۝﴾

”جیسا کہ ہم ہی نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ اسی کے مطابق انبیاء جو (اللہ کے) فرمانبردار تھے، یہودیوں کو حکم دیتے رہے ہیں اور مشائخ اور علماء بھی کیونکہ وہ کتاب اللہ کے علمبان مقرر کیے گئے تھے اور اس پر گواہ تھے (یعنی حکم الہی کا یقین رکھتے تھے)۔ سو تم لوگوں سے مت ڈرو نہ اور تم بھی جس سے ڈرتے رہنا اور میری آجوں کے بدلے تمہاری سی قیمت نہ لینا اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے لوگ کافر ہیں۔“ (المائدہ: 44/5)

مزید فرمایا:

﴿وَلِيَعْلَمَ أَهْلُ الْإِنجِيلِ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فِيهِمْ ۚ وَ مَن لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝﴾ وَ أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَ مُهْمِّمًا عَلَيْهِ ۝﴾

”اور اہل انجیل کو چاہیے کہ جو احکام اللہ نے اس میں نازل فرمائے ہیں اس کے مطابق حکم دیا کریں اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے گا تو ایسے لوگ نافرمان ہیں اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم پر بھی کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان سب کی محافظ ہے۔“ (المائدہ: 48/47/5)

ان آیات مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو دوسری کتب سماویہ کے بارے میں فیصلہ دینے والا بتایا ہے۔ ان کتابوں میں جو باتیں درست ہیں قرآن مجید ان کی تصدیق اور وضاحت کرتا ہے اور ان میں جو تحریفات ہوئی

عسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) کو بھی دیکھا، وہ درمیانے قد کے، قدرے سرخ و سفید رنگت والے تھے، ان کے بال سیدھے تھے۔^①

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی وفات

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ملک الموت کو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف (ان کی روح قبض کرنے کے لیے) بھیجا گیا۔ جب وہ آئے تو موسیٰ (علیہ السلام) نے انہیں خطبہ مار دیا۔ وہ اپنے رب تعالیٰ کے پاس گئے اور عرض کی: ”تو نے مجھے جس بندے کی طرف بھیجا ہے، وہ مرنا نہیں چاہتا۔“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”دو بارہ ان کے پاس جائیں اور ان سے کہیں کہ کسی بتیل کی پشت پر ہاتھ رکھیں ان کے ہاتھ کے نیچے جتنے با آئیں گے، اتنے سال عمر (مزید) مل جائے گی۔“ (ملک الموت نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو اللہ کا یہ پیغام پہنچایا۔) آپ نے فرمایا: ”یارب! اس کے بعد کیا ہوگا؟“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”پھر موت آ جائے گی۔“ موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا: ”تب ابھی (وفات کا حکم قبول ہے۔)“

اس وقت موسیٰ (علیہ السلام) نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ آپ کو ارض مقدس کے اتنا قریب کر دے جتنی دور پتھر جا سکتا ہے۔ (اللہ تعالیٰ نے یہ درخواست قبول فرمائی اور ارض مقدس کے قریب وفات دی۔)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر میں وہاں ہوتا تو تم لوگوں کو آپ کی قبر مبارک دکھا دیتا جو راستے کے کنارے سرخ نیلے کے قریب ہے۔“^②

امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”موت کا فرشتہ موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس روح قبض کرنے آیا اور آپ سے کہا: ”اپنے رب کے پاس چلے!“ موسیٰ (علیہ السلام) نے تصفیر مار کر موت کے فرشتے کی آنکھ پھڑوئی۔“^③ اس کے بعد اسی طرح پوری حدیث بیان کی جیسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کی ہے۔ اصل وجہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو بعض واقعات پیش آنے کی امید تھی اور آپ کی خواہش تھی کہ (قوم کو) وہ واقعات آپ کی زندگی میں پیش آ جائیں، مثلاً: میدان تیرے سے نکل کر ارض مقدس میں پہنچنا لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ تھا کہ آپ کی وفات حضرت بارون (علیہ السلام) کے بعد میدان تیرے ہی میں ہو۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ بنی اسرائیل کو میدان تیرے سے نکال کر ارض مقدس میں لے جانے والے خود حضرت موسیٰ

خدا صراحتاً یہ ہے کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی شریعت ایک عظیم شریعت تھی اور آپ کی امت ایک کثیر تعداد پر مشتمل تھی جس میں بہت سے انبیاء، علماء، عابد، زاہد، دانشمند، بادشاہ، وزیر، سردار اور بڑے لوگ پیدا ہوئے۔ لیکن وہ لوگ بعد میں اس شرف و منزلت کے حامل نہ رہے۔ جب انہوں نے اپنی شریعت میں تبدیلیاں کر لیں تو اللہ نے ان کی صورتیں تبدیل کر کے انہیں بندوں اور خنزیروں کی شکل دے دی۔ ان پر اور بھی بے شمار مصیبتیں اور آفتیں نازل ہوئیں جن کی تفصیل طوالت باعث ہے۔ ہم ان کے اہم واقعات اختصار سے بیان کریں گے۔ [إِنْ شَاءَ اللَّهُ]

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا حلیہ مبارک اور ان کا حج کعبہ

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ داؤی ازرق سے گزرے تو فرمایا: ”یہ کون سی وادی ہے؟“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: داؤی ازرق ہے۔ فرمایا: ”میری نظروں کے سامنے وہ منظر آ گیا ہے) گویا میں موسیٰ (علیہ السلام) کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ گھاٹی سے نیچے اتر رہے ہیں اور اللہ کے سامنے گڑگڑاتے ہوئے بلند آواز سے [تَلَبَّثَ] پکار رہے ہیں۔“ (پھر آپ چلتے رہے) حتیٰ کہ جب ہر شاہ کی گھاٹی پر پہنچے تو فرمایا: ”یہ کون سی گھاٹی ہے؟“ عرض کیا گیا: ہر شاہ کی گھاٹی ہے۔ آپ نے فرمایا: ”گویا میں یونس بن مثنیٰ (علیہ السلام) کو دیکھ رہا ہوں، وہ ایک سرخ اونٹنی پر سوار ہیں، اون کا جبہ زیت بن ہے، ان کی اونٹنی کی مہار بھور کے پتوں (سے بنی ہوئی سی) کی ہے اور [تَلَبَّثَ] پکار رہے ہیں۔“^①

حضرت عبادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: ہم لوگ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی مجلس میں تھے کہ دجال کی بات چل نکلی کہ اس کی پیشانی پر [ک ف] رکھا گیا ہوا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”لوگ کہا کہ ہر ہے ہیں؟“ عبادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ”کہتے ہیں کہ اس کی پیشانی پر [ک ف] رکھا ہوا ہے۔“ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”میں نے یہ بات تو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے نہیں سنی لیکن آپ ﷺ نے یہ فرمایا تھا۔“ (ابو ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کی شکل و شاہت معلوم کرنا چاہتا ہوا اپنے ساتھی (حضرت محمد رحمۃ اللہ علیہ) کو دیکھ لو۔ اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) گندی رنگ کے، گھٹھکریالے بالوں والے تھے۔ وہ ایک اونٹ پر سوار تھے جس کی کھل بھور کے پتوں کی تھی۔ گویا میں انہیں دیکھ رہا ہوں کہ [تَلَبَّثَ] پکارے ہوئے وادی سے اتر رہے ہیں۔“^②

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ”جس رات مجھے معراج ہوئی، میں نے موسیٰ بن عمران (علیہ السلام) کو دیکھا، وہ بے قد تھے، گھٹھکریالے بالوں والے تھے جیسے کہ خُثُوۃ خُثُلَیۃ سے تعلق رکھتے ہوں۔ میں نے

① صحیح مسلم، ”الإيمان“ باب الإسرائاء برسول الله ﷺ، إلى السموات وفرض الصلوات، حديث: 166 ومسنند أحمد،

215/1 وصحیح ابن حبان: 35/8، حديث: 6186

② مسند أحمد: 277/1 وصحیح مسلم، ”الإيمان“ باب الإسرائاء برسول الله ﷺ، الخ، حديث: 166

① مسند أحمد: 259/1 وصحیح مسلم، ”الإيمان“ باب الإسرائاء برسول الله ﷺ، الخ، حديث: 165

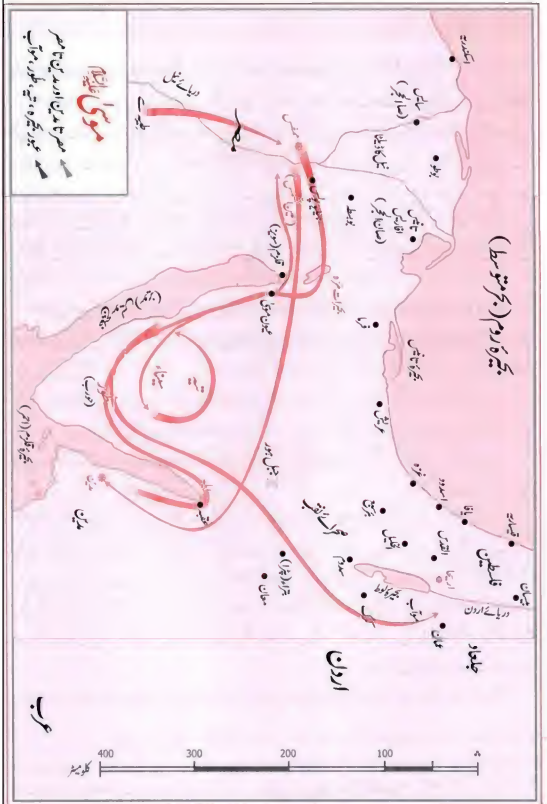
② صحیح البخاری، ”أحاديث الأنبياء“ باب وفاة موسى وذكره بعد، حديث: 3407

③ صحیح ابن حبان: 38/8، حديث: 6190

ﷺ ہی تھے۔ لیکن یہ بات درست نہیں۔ اہل کتاب اور اکثر علمائے اسلام کی رائے اس کے برعکس ہے۔

جمہور علماء کے موقف کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وفات سے پہلے فرمایا: ”یارب! مجھے ارض مقدس سے اتنا قریب کر دے، جتنی دور پتھر پھینکا جاسکتا ہے۔“ اگر آپ اپنی زندگی میں ارض مقدس میں داخل ہو چکے ہوتے تو وفات کے وقت یہ دعا نہ کرتے۔ لیکن آپ چونکہ اپنی قوم کے ساتھ ہی میدانِ تیبہ میں تھے، اس لیے آپ نے وفات کے وقت یہ خواہش ظاہر کی کہ جس سرزمین کی طرف آپ ہجرت کر کے جا رہے ہیں اور اپنی قوم کو ترغیب دیتے رہے ہیں، اس زمین کے قریب فوت ہوں کیونکہ تقدیر نے اس زمین تک پہنچنے نہیں دیا۔ اسی لیے سید البشر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر میں وہاں ہوتا تو تم لوگوں کو آپ کی قبر مبارک دکھا دیتا جو راستے کے کنارے سرخ نیلے کے قریب ہے۔“^①

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب مجھے (معراج کی) رات کو (مکہ سے بیت المقدس تک) لے جایا گیا، تو میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا۔ وہ سرخ نیلے کے پاس اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔“^②



① صحیح البخاری، أحادیث الأنبياء، باب وفاة موسى،، حدیث: 3407

② مسند أحمد: 148/3 و صحیح مسلم، الفضائل، باب من فضائل موسى، حدیث: 2375

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے سے ہمیں ان برائیوں کا ایک اہم سبب معلوم ہوتا ہے۔ وہ سبب اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر و شرک اور مخلوق خدا پر ظلم و ستم ہے، لہذا جب یہ ظلم و ستم اور شرک و کفر حد سے بڑھ جاتا ہے تو عذاب الہی انسانوں کو سبق سکھانے کے لیے وارد ہو جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَسْتَبْشِرُ هُوَ وَجُنُودُهُ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَنَطَوَّأُ أَهْلَهُمْ لِنَيْمًا لَّا يُرْجَعُونَ ۚ فَأَخَذَ اللَّهُ جُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ۚ﴾

”اس نے اور اس کے لشکروں نے ملک میں ناپاک کبھکریا اور بھگدیاں کر دیں کہ وہ ہماری طرف لوٹنے ہی نہ جائیں گے۔ بالآخر ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو پکڑ لیا اور دریا برد کر دیا۔ اب دیکھ لے کہ ان ظالموں کا انجام کیسا ہوا؟“ (القصاص: 40/39/28)

اس سے معلوم ہوا کہ کفر و طغیان، ظلم و ستم، اور گناہوں کا ارتکاب، نیز مخلوق خدا کو تنگ کرنا، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے محرومی اور اس کے عذاب کا اہم ترین سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آل فرعون کے ہر تنہا انہماک کی تصویر کشی کرتے ہوئے فرمایا:

﴿لَمَّا تَرَوْهُم مُّجْتَمِعِينَ وَآيَاتُ الْكُفْرِ تَزُولُ ۚ لَمَّا رَأَوْهُ كَانُوا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۚ وَكَانُوا فِيهَا فَكِهينَ ۚ كَذَّابِينَ ۚ وَآوَرَّكُنَّاهُمْ مَوَاقِبَ الْحُورِ ۚ فَمَا بُكَّتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنظَرِينَ ۚ﴾

”وہ بہت سے جماعت اور چشمے چھوڑ گئے، اور کھیتیاں اور راحت بخش ٹھکانے اور وہ آرام کی چیزیں جن میں بیش کر رہے تھے۔ اسی طرح ہوا اور ہم نے ان سب کا وارث دوسری قوم کو بنا دیا۔ سوانے پر نہ تو آسمان و زمین روئے اور انہیں مہلت ملی۔“ (الدخان: 29-25/44)

عقیدہ کو توحید مضبوط ترین سہارا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ عقیدہ توحید انسان کا مضبوط ترین سہارا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ پر ایمان راسخ اور قوی ہو تو پھر کسی قسم کی ترغیب لالچ، دُور یا خوف انسان کو حیرت نہیں کر سکتا۔ مشکلات و مصائب کا سامنا کرنا انسان کے لیے آسان ہو جاتا ہے اور ناز و نعم کے حصول پر شکر گزاری کی توفیق ملتی ہے کیونکہ ایمان باللہ کی تقویت انسان کو ہر حال میں اجر و ثواب کی بھرپور امید دلاتی ہے۔ اسی لیے جب فرعون نے جادو گروں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے پر قتل کرنے اور صلیب پر چڑھا دینے کی دھمکی دی تو انہوں نے نہایت اطمینان اور وقار کے ساتھ جواب دیا:

﴿إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ ۚ وَمَا نُنْفِهُهُمْ مِّمَّا كَانُوا إِلَّا أَن آمَنَّا بِآيَاتِكَ رَبَّنَا بِمَا أَفْرَجَ عَلَيْنَا صَبْرًا ۚ وَتَوَقَّعْنَا مُسْتَبِينَ ۚ﴾

”ہم (محرک) اپنے ناکامی کے پاس جائیں گے۔ اور تو نے ہم میں کونسا عیب دیکھا سوائے اس کے کہ ہم اپنے

نتائج و فوائد عبرتیں و حجبیں

۱۰ موسیٰ: وجہ تسمیہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نام کے متعلق دو آراء ہیں:

① موسیٰ: قدیم مصری زبان کا لفظ ہے جو دو کلمات (موہشا) کا مرکب ہے۔ (مو) کا معنی ”پانی“ ہے جبکہ (شا) کا مطلب ”شجر“، یعنی درخت ہے۔ آپ کو موسیٰ اس لیے کہا گیا کیونکہ آپ کی والدہ محترمہ نے فرعون کے خوف سے آپ کو دریا پر واقع درختوں کے جھنڈ میں ڈال دیا تھا۔ اس طرح آپ صندوق میں بند فرعون کے گلے میں پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے آپ کو نکال لیا اور آپ کو ”موسیٰ“، یعنی ”پانی سے نکالا ہوا“ کہا جانے لگا۔

② دوسری رائے یہ ہے کہ ”موسیٰ“، مصری لفظ (مس) سے ماخوذ ہے جس کا معنی بھٹل یعنی ”بچہ“ ہے۔

۱۱ اصلاح امت: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے سے ہمیں اصلاح امت کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ مسلسل غلامی اور سحرانوں کے ظلم و ستم نے والی اقوام کے اخلاق تباہ ہو جاتے ہیں۔ ان کی سوچ، فکر اور عزت نفس برباد ہو جاتی ہے۔ عزت و وقار کی جگہ ذلت و رسوائی ان کا مقدر بن جاتی ہے اور بہادری و شجاعت کی جگہ بزدلی اور خوف ان کی زندگی کا لازمی جز بن جاتا ہے۔ لہذا ہر بار و ظالم حکمران کی اطاعت ان کا نصب العین بن جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی حالت بھی یہی تھی۔ اس تکلیف دہ اور رسوا کن حالت سے نجات کے لیے آپ نے انہیں جہاد کا حکم دیا تو وہ فطری بزدلی اور خوف کی وجہ سے یہ فیصلہ ادا نہ کر سکے لہذا ان کی اصلاح اور تربیت کے لیے اللہ تعالیٰ نے ارض مقدس ان پر چالیس برسوں تک حرام قرار دے دی۔ اس عرصے میں وہ صحراؤں اور گرجا خانوں میں بھٹکتے رہے۔ بالآخر انہیں غلامی کی جگہ آزادی کی تربیت ملی، انہوں نے ذلت و رسوائی کی جگہ عزت و آبرو سے بھینا کھینکا اور شریعت الہی کے مطابق زندگی گزارنے کا ہنر انہیں مل گیا۔ تیز اس عرصے میں بزدل نسل ختم ہو گئی اور نئی نوجوان نسل، غیرت مند، آزاد منش اور عزت سے بھینا کھینکا کر میدان جہاد میں فرعونوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو گئی۔ اس پورے تربیتی نظام سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جب بھی امت کی اصلاح درکار ہو تو اس کے لیے ایک نسل کی شریعت کے مطابق تربیت کرنا ضروری ہوگا جو نیرو، آزادی کے متوالے، عزت نفس سے لیس اور قربانی و ایثار کے خواہر ہوں۔

۱۲ انسانی تباہی کا سبب، کفر و شرک: تاریخ انسانی کا سرسری جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان متعدد بار عذاب الہی سے دوچار ہو کر تباہ و برباد ہوئے ہیں۔ کبھی یہ تباہی زلزلوں کی صورت میں آتی ہے تو کبھی طوفان و سیلاب کی شکل میں۔ کبھی جنگیں انسانوں کو تباہ و تاراج کرتی ہیں تو کبھی سمندری طوفان، ہستیاں کو ویران کر دیتے ہیں۔

”پھر ہم نے چاہا کہ ہم ان پر کرم فرمائیں جنہیں زمین میں بے حد مکروہ کر دیا گیا تھا اور ہم انہی کو پیشوا اور (زین) کا وارث بنائیں اور یہ بھی کہ ہم انہیں زمین میں قدرت و اختیار دیں اور فرعون اور ہابان اور ان کے لشکروں کو وہ کچھ دکھا دیں جس سے وہ ڈر رہے تھے۔“ (النقص: 65/28)

۵۴ صبر و تحمل اور استقامت کا درس: فرعون کے ظلم و ستم پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو صبر و تحمل کی نصیحت میں داعیان توحید و رسالت کے لیے استقامت و استقامت کا درس ہے۔ داعیان و دعوت توحید کو ہمیشہ صبر کا درس دینا چاہیے جیسا کہ بنی اسرائیل نے کیا تھا۔ فرعون کی قتل و عارت گری اور طرح طرح کے عذابوں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو درج ذیل تسلی دی تھی جو ہر دماغی حق کے لیے تاقیامت تفسی کی باعث ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَسْمِعْنِيْٓ اِنَّ اللّٰهَ وَاَصۜوۡاۗءَ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُورِثُهَا مَنۡ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ وََالْعَالِيۡنَةُ لِلَّذِيۡنَ ؕ﴾
 ”اللہ تعالیٰ کا سہارا حاصل کرو اور صبر کرو، یہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے، اپنے بندوں میں سے جسے چاہے مالک بنا دے اور آخر کار مایانی ان ہی کی ہوتی ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔“ (الأعراف: 128/7)

لہذا کاروان حق کو مسلسل رواں دواں رہنا چاہیے۔ ان کی جد و جہد مسلسل اور مل جیم ہونا چاہیے۔ ان کی راہ میں وقتی تکالیف و مشکلات آئیں تو انہیں صبر و رضا سے برداشت کرنا چاہیے کیونکہ کامیابی بالآخر انہی کو ملتی ہے اور کفر و طغیان، ظلم و ستم اور سرکش و مغرور لوگ عبرتناک انجام کو پہنچ جاتے ہیں۔

۵۵ نرمی گفتار کا درس: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے سے داعیان الہی اللہ کو یہ درس ملتا ہے کہ وہ دعوت توحید دیتے وقتہ نیز امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے وقت سامعین کے ساتھ نرم اور شائستہ انداز و گفتگو اختیار کریں کیونکہ نرمی گفتار سے لوگ متاثر ہوتے ہیں اور حق کو قبول کرنے میں جلدی کرتے ہیں جبکہ سختی اور دشمنی سے لوگ تکبر ہوتے ہیں اور دعوت حق سے دور ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے رب العالمین نے حضرت موسیٰ و ہارون علیہ السلام سے فرمایا تھا:

﴿اٰذۡهَبَاۤ اِلٰی فِرْعَوْنَ ۚ اِنَّہٗ ظَلَمَ ۚ فَكَلِمًا مَّوَدَّعًا ۚ فَتَكَلَّمَاۤ اِلَیْہٖۤ اِلَّا نَہَاۤ اَعۡلَیۡہٗۤ اَنْ یَّزۡکَرَ ۚ اَوْ یَخۡطُبِیۡ ۚ﴾

”تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اس نے بڑی سرکشی کی ہے، اسے نرمی سے سمجھاؤ کہ شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے۔“ (طہ: 44/43/20)

۵۶ قدیم مصر میں عقائد و نظریات کا درس: فرعون اور اس کی قوم بہت پرست و مظار پرست اور انسانوں کی پوجا کرتی تھی۔ نہ صرف زندہ انسانوں کو سجدہ مانتے تھے بلکہ مردہ انسانوں کی عبادت بھی ضرور شہر سے کی جاتی تھی۔ یہ تہ اور زندہ و مردہ الہان کے قبیح بخش کرنے والے غوث و غیگر اور حاجت روا و مشکل کشا تھے۔ آسمانوں کے الہ کا نام ”نوت“ (Nout) تھا جس کی تصویر قہر نما عورت کی تھی۔ زمین کا الہ ”نوت“ کا خاوند غب (GHEB) تھا جبکہ زمین و آسمان کے درمیان فضا کا الہ ”شو“ (CHOU) کہلاتا تھا۔ سورج اور چاند بھی ان کے عظیم الہ تھے اسی طرح فرعون خود بھی الہ تھا۔ اس کے علاوہ مردہ

رب کے احکام پر ایمان لے آئے جب وہ ہمارے پاس آئے؟ اسے ہمارے رب! ہم پر صبر کا فیضان فرما اور ہماری جان حالت اسلام پر نکال۔“ (الأعراف: 126/125/7)

جبکہ عقیدہ توحید سے محروم شخص یا غلطی اور کفر و ایمان و الا مشکلات پر جبر و فزع کر کے اجرو ثواب سے محروم ہو جاتا ہے اور مسرتوں کے حصول پر شکر کرنے کی بجائے شیطانی راہوں پر چل کر گناہ کا ہوتا ہے۔ ایسے ہی شخص کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّعۜمِدُ اللّٰہَ عَلٰی حَافِیۡٓؕ اِنَّ اَصَابَہُ حَیۡرٌ مَّطَآءٌ یَّہُ ۚ وَ اِنۡ اَصَابَہُ فَتۡنَةٌ ۙ اَنۡقَلَبَ عَلٰی وُجُوۡہِہٖۤ اِلَیۡ اللّٰہِ وَ اَصۜوۡاۗءَ ۚ ذٰلِکَ ہُوَ الْخُسْرَآءُ الْمُبِیۡنَۃُ ۝﴾

”بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کنارے پر (کھڑے ہو کر) اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اگر کوئی نفع مل گیا تو دلچسپی لینے لگتے ہیں اور اگر کوئی آفت آگئی تو اسی وقت منہ پھیر لینے ہیں۔ انہوں نے دونوں جہانوں کا نقصان اٹھالیا۔ واقعی یہ کھلا نقصان ہے۔“ (الحج: 11/22)

۵۷ حق ہمیشہ غالب آتا ہے: اس واقعے سے ہمیں یہ درس بھی ملتا ہے کہ حق اور اہل حق ہمیشہ غالب اور کامیاب رہتے ہیں خواہ باطل کے پاس کیسی ہی بادی تو تھیں، تو تائیاں اور وسائل و آلات کیوں نہ بیچ ہوں۔ فرعون ملک بھر سے جادو گروں کے بہت بڑے گروہ کو بیچ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے لیے لایا۔ بظاہر جادو گروں کی فتح نظر آ رہی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے انہی جادو گروں کے ذریعے اہل حق اور اہل ایمان کو فتح و نصرت سے نوازا اور فرعون اپنے لشکر سمیت ناکام و نامراد لوٹا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حق اور سچ کا جادو ہمیشہ سرچڑھ کر بولتا ہے اور اپنا ہار مانوا کر جاتا ہے۔

۵۸ آزاد آدمی ایک فطری حق: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے سے یہ درس بھی ملتا ہے کہ آزادی ہر قوم کا فطری اور پیدا کنی حق ہے لہذا کسی بھی طاقتور، ظالم یا جابر و قابر کے لیے دیگر لوگوں کو غلام بنانے کی اجازت نہیں۔ لیکن اگر کوئی ظالم و سرکش حکمران کسی کمزور اور ناتواں قوم پر ظلم و ستم کے ذریعے سے قابض ہو جاتا ہے اور انہیں غلامی کی ذلت و رسوائی سے دوچار کرتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ ضعیف و کمزور قوم کی نصرت و تائید فرماتا ہے چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی کسی کمزور قوم نے اپنے اس فطری حق کے حصول کے لیے کوشش کی ہے انہیں نصرت الہی حاصل ہوئی ہے اور ظالموں کا انجام نہایت عبرتناک ہوا۔ فرعون نے بنی اسرائیل کو اپنی قوت کے ثل ہوئے پر غلام بنایا ہوا تھا اور ان سے مختلف کام کرتا تھا اور انہیں اپنے ظلم و ستم کا حق مشق بنایا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کمزور و مظلوم قوم کی داد دے کر ارادہ فرمایا اور انہیں فرعون کے ”سجہ“ استبداد سے نجات دی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَرَوٰیۡدٌ اٰنۡ لَّمۡ یَّکُنۡ عَلَی الدِّیۡنِ اِسۡتَعۡیۡفُوۡا فِی الْاَرۡضِ وَصَلَّوۡہُمۡ اَہۡلَہٗ وَجَعَلۡہُمُ الْوَارِثِیۡنَ ۚ وَ لَکُمۡ ۙ

فِی الْاَرۡضِ وَ بَیۡتِیۡ فِرْعَوۡنَ وَ مَا مِّنۡ وَجُوۡدَہُمَا مِثۡلُہُمَا کَاۡلَ مَا کَاۡلُوۡا یَحۡدَرُوۡنَ ۝﴾

گے۔ پس جب ان کے رب نے اس پر تجلی فرمائی تو تجلی نے اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے، پھر جب بے ہوش میں آئے تو عرض کرنے لگے: بے شک آپ کی ذات منزہ ہے میں آپ کی جناب میں تو بہ کرتا ہوں۔ اور میں سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں۔“ (الأعراف: 143/7) یعنی اسے میرے پروردگار! میں تیری عظمت و جلال پر اور اس بات پر ایمان لانے والا سب سے پہلا ہوں کہ میں تیرا عاجز بندہ دنیا میں تیرے دیدار کا تحمل نہیں ہو سکتا۔

عورت کا اصلی حسن و جمال: حیات: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ شرم وحیا اور عفت و عصمت کا تصور قدیم زمانے سے شرفا کی خاص علامت رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلانے کے لیے آنے والی لڑکی کی شرم وحیا کا قرآن مجید نے بطور خاص ذکر کر کے یہ واضح کیا ہے کہ عورت کا اصل حسن و جمال اور اس کا زیور حیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَبَاقِيَ تَذَرْتَهُ لَهَا لِيَصْنَعَ عَلَىٰ أَنفُسِهَا﴾

”اتنے میں ان دونوں عورتوں میں سے ایک ان کی طرف شرم وحیا سے چلی ہوئی آئی۔“ (الفصص: 25/28)

اس واقعہ میں ان خواتین کے لیے درس عبرت ہے جو بغیر پردہ کے بازاروں، سڑکوں اور دکانوں میں پھرتی دکھائی دیتی ہیں۔ زیب و زینت کے مصنوعی طریقے اپنانے والوں کے لیے سبق ہے کہ وہ اپنے اصلی حسن و جمال کو اپنی زینت بنائیں۔

رسول اکرم ﷺ نے حیا کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ”حیا سراسر خیر ہے۔“^①

شرم وحیا کے منافی لباس پہن کر دفتروں اور بازاروں کی رونق بننے والی خواتین کے لیے رسول اکرم ﷺ کے درج ذیل فرمان میں شدید وعید اور سخت تنبیہ موجود ہے۔ آپ نے فرمایا:

”جہنم کے دو دروازے کھلیں نہیں دیے گا (جو آخری زمانے میں نمودار ہوں گے)..... ان میں سے ایک گروہ کی عورتیں لباس پہنے ہوئے بھی پرہیز ہوں گی۔ کندھوں کو اچکا اچکا کر چلنے والیاں بدکار عورتوں کی طرح چلنے والیاں ہوں گی جن کے سر سختی اونٹوں کی کہان کی طرح ہوں گے (یعنی بلند جوڑے کیے ہوں گی) وہ جنت میں داخل نہ ہوں گی نہ جنت کی خوشبو انہیں آئے گی حالانکہ جنت کی خوشبو طویل فاصلے پر بھی پائی جائے گی۔“^②

ہر صاحب علم پر فوقیت رکھنے والا دوسرا صاحب علم موجود ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے سے ہمیں غلاب علم اور حصول علم کے لیے پختہ عزم، مضبوط قوت ارادی اور سوزی مشقت کو صبر و حوصلے سے برداشت کرنے کا سبق ملتا ہے۔

① صحیح مسلم، الإيمان، باب بیان عدد شعب الإيمان.....، حدیث: 37

② صحیح مسلم، اللباس، باب النساء الکاسیات.....، حدیث: 2128

معبودوں میں سرکش سقاہ اور ”اجبو“ قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ ہر علاقے اور ہر ملک کا الگ الگ تھا جن میں ”آسمان انویس“ اونویس، زریس، باست، حورس اور ”عصت“ شامل تھے۔ ان تمام کی عبادت کی جاتی تھی اور ان کے متعلق عقائد و افکار کی سختی سے پابندی کی جاتی تھی لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت تو حید نے یہ سارے عقائد و افکار پاش پاش کر دیے اور صرف رب العالمین کی عبادت کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان ہونے والا درج ذیل مناظرہ ان تمام معبودان باطلہ کا زبردست رد کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ ۚ قَالَ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنَّ كُنتُم مُّؤْتَبِرِينَ ۚ قَالَ لَيْسَ بِكَ إِلَهٌ مَّا تَشْتَعُونَ ۚ قَالَ رَبُّكُمْ رَبُّ آبَائِكُمْ الْأَوَّلِينَ ۚ قَالَ إِنْ رَسُولُكُمْ أَوَّلَىٰ إِلَهُكُمْ فَكَيْفَ لَا يَكُونُ ۚ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنَّ كُنتُم تَقُولُونَ ۚ﴾

”فرعون نے کہا: رب العالمین کیا (چیز) ہے؟ موسیٰ نے فرمایا وہ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے اگر تم یقین رکھنے والے ہو۔ فرعون نے اپنے اور گرد والوں سے کہا کہ کیا تم نہیں رہے؟ موسیٰ نے فرمایا وہ تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا پروردگار ہے۔ فرعون نے کہا (لوگو!) تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے یہ تو یقیناً دیوانہ ہے۔ موسیٰ نے فرمایا: وہی مشرق و مغرب اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے اگر تم عقل رکھتے ہو۔“ (الشعراء: 23/26)

باری تعالیٰ کی تقدیس و پاکیزگی: مختلف ادیان و مذاہب میں خالق کا تصور مختلف ہے۔ ہر مذہب والے اپنے خالق و مالک کا ایک ایک تصور ذہن نشین کرتے ہیں اس مقصد کے لیے وہ مختلف نقوش و تصاویر کا سہارا لیتے ہیں۔ لہذا کسی کالہ و سانپ کی شکل کا ہے تو کسی کا گائے اور بندر کی شکل کا۔ کچھ لوگوں کا الانسانی خدوخال کا مالک ہے تو کچھ کا حیوانی شکل و صورت رکھتا ہے۔ ان تمام تصورات نے الہ کے تصور کو ہمیشہ ناقص، عیب دار اور مخلوق سے مشابہ قرار دیا ہے جبکہ قرآن مجید نے ذات باری تعالیٰ کو تمام عیوب و نقائص سے منزہ و اعلیٰ قرار دیا ہے لہذا فرمایا: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾^① ”اس جیسی کوئی چیز نہیں۔“ (الشوری: 11/42) نیز فرمایا: ﴿وَلَا يَحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا﴾ ”مخلوق کا علم اس پر حاوی نہیں ہو سکتا۔“ (طہ: 110/20)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و رفعت اور اس کی ذات کو تمام عیوب و نقائص سے منزہ قرار دینے کے لیے نہایت دقیق اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پروردگار عالم کو دیکھنے کی خواہش کی تو جواب ملا:

﴿قَالَ كُنْ تَرٰبِيْنٌ وَلٰكِنْ اَنْظُرْ اِلٰى الْجَبَلِ فَاِنْ اسْتَقْبَلَ صَعْقَةً فَسَقَطَ تَرٰبِيْنٌ ۚ فَلَمَّا تَجَشَّىٰ رَكْبَهُ لِالْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّا اَقْبَقَ قَالَ صَعِقْتَكَ ثُبْتُ اِلَيْكَ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ﴾

”تم مجھے ہرزہ نہیں دیکھ سکتے، لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو، اگر وہ اپنی جگہ برقرار رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو

حضرت شعيبؑ افضیلا

امام محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ کا زمانہ حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہ السلام سے پہلے کا ہے۔ آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خوشخبری دی تھی۔ آپ کے زمانے میں بیت المقدس کے علاقے میں حزقیا بنی اسرائیل کا بادشاہ تھا۔ وہ حضرت شعیب علیہ السلام کی ہدایت پر پوری طرح عمل کرتا تھا۔ اس وقت بنی اسرائیل کے حالات دیگرگوں تھے۔ بادشاہ کے پاؤں میں پھوڑا نکل آیا جب کہ باہل کا بادشاہ سخاریب چھ لاکھ کی فوج کے ساتھ بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا۔ لوگ بہت پریشان تھے۔ بادشاہ نے حضرت شعیب علیہ السلام سے پوچھا: ”اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف سخاریب کی فوجوں کے بارے میں کیا وحی نازل فرمائی ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”ابھی کوئی وحی نازل نہیں ہوئی۔“ آخر وحی نازل ہوئی کہ حزقیا بادشاہ سے کہہ دیجئے کہ کسی کو اپنا قائم مقام نامزد کر دے کیونکہ اس کی موت کا وقت قریب ہے۔ جب آپ نے بادشاہ کو اللہ کا یہ پیغام دیا تو بادشاہ قبیلہ رخ بو کر نماز، دعا اور گریہ زاری میں مشغول ہو گیا۔ اس نے اخلاص توکل اور صبر کا دامن پکڑا اور دعا کی: ”یا اللہ! اے سب مالگوں کے مالک! سب معبودوں کے معبود! یا رحمان! یا رحیم! اے وہ ذات جو نیند اور اوجھ سے پاک ہے! میرے اعمال پر اور بنی اسرائیل میں انصاف کے ساتھ حکومت کرنے پر نظر فرما! یہ سب تیری توفیق سے ہوا۔ تو یہ بات مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ میرا ظاہر باطن تیرے لیے ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول کی، رحمت فرمائی اور حضرت شعیب علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی کہ اسے خوشخبری دے دیں کہ اللہ نے اس کی گریہ زاری پر رحم فرمایا اور اس کی موت کو چندہ سال کے لیے مؤخر فرما دیا ہے اور اسے اس کے دشمن سخاریب سے نجات دے دی ہے۔ جو نبی شعیب علیہ السلام نے اسے یہ خوشخبری سنائی، اس کی بیماری دور ہو گئی، تمام غم و فکر دور ہو گئے۔ وہ اللہ کے آگے سجدہ ریز ہو گیا۔ اس نے سجدہ میں یہ الفاظ کہے: ”یا اللہ! تو ہی جسے چاہتا ہے حکومت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے سچپن لیتا ہے۔ تو جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے۔ تو ظاہر اور پوشیدہ سے باخبر ہے۔ تو ہی اول و آخر ہے۔ تو ہی ظاہر و باطن ہے۔ تو ہی رحم فرماتا ہے اور لاچاروں کی دعا قبول کرتا ہے۔“

جب اس نے سجدہ سے سر اٹھایا تو اللہ تعالیٰ نے شعیب علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی کہ بادشاہ کو حکم دیں کہ وہ انجیر کا پانی نکال کر اپنے زخم پر لگائے، اسے شفا حاصل ہو جائے گی۔ اس نے اس ہدایت کے مطابق عمل کیا تو اسے شفا ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ نے سخاریب کے لشکر پر موت مسلط کر دی۔ انچھ سو باک ہو گئے۔ صرف سخاریب اور اس کے پانچ ساتھی باقی بچے جن میں سے ایک بخت برآمد تھا۔ بنی اسرائیل کے بادشاہ نے سپاہی بھیج کر انہیں گرفتار کر لیا۔ ان کی گردنوں

”اے ہمارے رب! تو نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو سامانِ زینت اور طرح طرح کے مال دنیاوی زندگی میں دیے۔ اے ہمارے رب! (کیا اس واسطے دیے ہیں کہ) وہ تیری راہ سے گمراہ کریں؟ اے ہمارے رب! ان کے مالوں کو نبیت دنا بود کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے“ یہ ایمان نہ لانے پائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں۔“ (یونس: 88/10)

اللہ تعالیٰ نے اپنے مظلوم بندے کی پکار سن لی اور ظالم و جابر قوم کو درج ذیل عذاب پچکائے:

* قحط سالی سے ان کے باغات اور فصلیں ختم کر دیں۔

* کبھی سیلاب اور طوفان سے انہیں تباہ و برباد کر دیا۔

* کبھی ٹنڈی ول کے ذریعے سے ان کی فصلیں ویران کر دیں جس سے غلے کی شدید قلت ہو گئی۔

* ان پر جوہں کا عذاب مسلط کر دیا جن سے ان کی زندگی اجیرن بنا دی گئی۔

* ان کے کھانوں، مشروبات، گھروں، بستروں اور محفلوں کو میمڈگوں سے بھر دیا، جنہوں نے پھدک پھدک کر ان کے آرام و سکون اور ریش و عشرت کو غارت کر دیا۔

* تکسیر کے ذریعے سے انہیں جسمانی عذاب اور ان کے پانی کو خون سے بدل کر جسمانی اور نفسیاتی اذیت کا عذاب دیا گیا۔

* فرعون کو مرے تک ایمان کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔ جب نصیب ہوئی تو مہلت ختم ہو چکی تھی۔ ظالموں، منکر اور جابروں کے لیے فرعون کی لاش آج بھی درس عبرت لیے مصر کے عجائب گھر میں موجود ہے۔ کوئی ہے جو اس کے انجامِ بد سے نصحت و عبرت پکڑے؟

میں ملحق ڈال کر شہر میں گھمایا اس طرح سترہ انہیں ذلیل کیا۔ ان لوگوں کو روزانہ جو کی دودھ دیای جاتی تھیں۔ پھر انہیں جیل میں ڈال دیا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے وحی کے مطابق بارشادہ سے کہا کہ انہیں ان کے وطن بھیج دے تاکہ وہ اپنی قوم کو جا کر بتائیں کہ ان پر کیا گزری۔ جب وہ اپنے وطن پہنچے تو خسارِ رب نے اپنی قوم کو جمع کر کے تمام صورت حال بیان کی۔ اس کے کانوں اور اسرارِ حق نے کہا: ”ہم نے آپ کو ان کے رب کی اور ان کے نبیوں کی شان بتائی تھی، لیکن آپ نے ہماری بات نہ مانی۔ اس امت کو اللہ کی مدد حاصل ہے کوئی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔“ اس واقعہ کے سات سال بعد خسارِ رب مر گیا۔ امام ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: جب بنی اسرائیل کا بارشادہ حجازِ مقدس گیا تو ان کے حالات خراب ہو گئے اور ان میں برائیاں زیادہ پھیل گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو وحی کی تو آپ نے اپنی قوم کو وعظ و نصیحت کی اور اللہ کے عذاب سے ڈرایا۔ جو نبی آپ سے وعظ و نصیحت کیا، وہ لوگ آپ پر حملہ آور ہو گئے اور آپ کو شہید کرنے کا ارادہ کر لیا۔ آپ بھاگ گئے۔ آپ ایک درخت کے پاس پہنچے تو پیچھے گویا، آپ اس کے اندر داخل ہو گئے۔ شیطان نے جلدی سے کپڑے کا کنارہ پکڑ لیا۔ جب درخت کے پتے ہوتے تو اسے نل کر بنی کو چھپایا تو کپڑے کا وہ کنارہ باہر رہ گیا۔ لوگوں نے دیکھا تو فوراً رالے آئے اور درخت کو چیر دیا۔ اس کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جسم مبرا بھی دکھلے ہوگا اور آپ شہید ہو گئے۔ ﴿اِنَّ اَقْلَامَہٗ وَاَنَّ اَلْیَوْمَہٗ دُحُوٰنٌ﴾



حضرت امیرِ اہلبیت علیہ السلام

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بعض روایات میں مذکور ہے کہ جب حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کیا گیا تو آپ کا خون مسلسل اہل اہل کرمش کی زمین پر گرا رہا اور بندہ اس وقت ارمیاء رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور فرمایا: 'اے خون! تو نے لوگوں کو آتش میں ڈال کر بھسوں میں ڈال رکھا ہے۔ اب بند ہو جا! چنانچہ وہ رک گیا اور زمین میں جذب ہو کر گھڑیوں سے اوجھل ہو گیا۔ یہ واقعہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے حالات میں بیان ہوگا۔

حضرت عبد اللہ بن عبد الرحمن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: ”یارب! میرا کون سا بندہ تجھے سب سے پیارا ہے؟“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”جو لوگ مجھے زیادہ یاد کرتے ہیں، جو مخلوق کی یاد بھلا کر میری یاد میں مشغول ہو جاتے ہیں، جن کے دل میں خدا کا خیال نہیں آتا اور وہ جتنا کہ بارے میں بھی نہیں سوچتے۔ جب انہیں دنیا کا کشیش میسر ہو تو وہ خوش نہیں ہوتے۔ جب ان سے دنیا کا کشیش و عشرت سے لیا جائے تو خوش ہوتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جنہیں میں اپنی محبت عطا فرماتا ہوں اور میں ان کی طلب سے زیادہ دیتا ہوں۔“

بیت المقدس کی تباہی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَءِيلَ أَلَّا يَتَّخِذُوا مِن دُونِي وَكَلِيلًا ﴿٢٠﴾ ذَرِيَّةَ مَن جَعَلْنَا مَعَ نُوحٍ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا ﴿٢١﴾ وَهَضَبْنَا إِلَى بَنِي إِسْرَءِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَدِّينَ وَلَتَكُنَّ عُلَاقًا كَهِيمًا ﴿٢٢﴾ فَلَمَّا جَاءَ وَعْدُ آلِهَةٍ بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لِّأَوَّلِ آلِ إِبْرَاهِيمَ طَائِفًا مِّنْهُمْ فَجَاسُوا لِحُلَى الدِّيَارِ وَكَانَ وَعْدًا مَّعْلُومًا ﴿٢٣﴾ ثُمَّ رَدَدْنَاهُمْ أَلَيْسَ لَكُمُ الذِّكْرُ عَلَيْهِمْ وَ أَمَدُكُمْ بِأَمْوَالِ الْيَتِيمِ وَجَعَلْنَاهُمْ أَكْثَرَ لِّفْقِيرِ الْيَتِيمِ إِنِ اسْتَرْسَدُوا فَاسْتَنَمَّ لَهُمْ أَفْئِسُخَ الْيَتِيمِ وَأَنِ اسْتَأْذَنُ فَطَغَىٰ فَلَمَّا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسُوءُوا وُجُوهَهُمْ وَلِيَبْذُلُوا الْوَيْدَ إِلَى السَّجَدِ كَمَا دَخَلُوا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُوا مَا عَلِمُوا تَنْهِيًا ﴿٢٤﴾ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُرْجِعَهُمْ وَإِن عُدْتُمْ عَنْهُمْ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا ﴿٢٥﴾

”اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی تھی اور اس کو بنی اسرائیل کے لیے رہنما مقرر کیا تھا کہ میرے سوا کسی کو کارساز

نہ بظہرنا۔ اے اُن لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا! جبکہ نوح ہمارے شکر گزار بندے تھے اور ہم نے کتاب میں بنی اسرائیل سے کہہ دیا تھا کہ تم زمین میں دو دفعہ فساد مچاؤ گے اور بڑی سرکشی کرو گے۔ پھر جب پہلے (وعدے) کا وقت آیا تو ہم نے اپنے سخت لڑائی لڑنے والے بندے تم پر مسلط کر دیے اور وہ شہروں کے اندر پھیل گئے اور وہ وعدہ پورا ہو کر رہا، پھر ہم نے دوسری بار تم کو اُن پر غلبہ دیا اور مال اور بیٹیوں سے تمہاری مدد کی اور تم کو جماعت کثیر بنادیا۔ اگر تم ٹیکو کاری کرو گے تو اپنی جانوں کے لیے کرو گے اور اگر اعمال بد کرو گے تو (اُن کا) وبال بھی تمہاری ہی جانوں پر ہوگا۔ پھر جب دوسرے (وعدے) کا وقت آیا (تو ہم نے پھر اپنے بندے بھیجے) تاکہ تمہارے چہروں کو بگاڑ دیں اور جس طرح پہلی دفعہ مسجد (بیت المقدس) میں داخل ہو گئے تھے اسی طرح پھر اس میں داخل ہو جائیں اور جس چیز پر غلبہ پائیں اُسے تباہ کر دیں۔ امید ہے کہ تمہارا پروردگار تم پر رحم کرے گا اور اگر تم پھر وہی (حرکتیں) کرو گے تو ہم بھی وہی (پسلا سلوک) کریں گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لیے قیہ خاندہ بنا رکھا ہے۔“ (بنی اسرائیل: 21/17)

حضرت وہب بن منہ رطف فرماتے ہیں: جب بنی اسرائیل کثرت گناہوں کا ارتکاب کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ایک نبی کی ارمیاء علیہ السلام نازل فرمائی کہ اپنی قوم میں کھڑے ہو کر میری باتیں سناؤ:

”ان کے دل تو ہیں لیکن وہ سمجھتے نہیں۔ ان کے آنکھیں بھی ہیں لیکن وہ دیکھتے نہیں۔ ان کے کان بھی ہیں لیکن وہ سنتے نہیں۔ میں نے ان کے آباء و اجداد کی نیکی کی وجہ سے ان پر رحمت کی لیکن انہوں نے میری فرماں برداری نہیں کی۔ ان سے پوچھیے کہ میری نافرمانی کر کے انہیں کیا ملا؟ کیا کوئی شخص میری نافرمانی کر کے سعادت حاصل کر سکتا ہے؟ یا کوئی میری فرماں برداری کر کے فاضل رہ سکتا ہے؟ جانور بھی اپنے گھروں کو یاد رکھتے ہیں اور پلٹ آتے ہیں لیکن ان لوگوں نے وہ اعمال ترک کر دیے ہیں جن کی وجہ سے میں نے ان کے بزرگوں کو عزت بخشی تھی اور وہ دوسری طرح کے کاموں میں عزت تلاش کرتے ہیں۔ ان کے علماء نے حق کا انکار کیا۔ ان کے قراء نے مجھے چھوڑ کر دوسروں کو پوجا۔ ان کے زاہدوں نے اپنے علم سے فائدہ نہ اٹھا۔ ان کے حکمرانوں نے مجھ پر اور میرے رسولوں پر جھوٹ بولا۔ دلوں میں دھوکا فربخ و خزانوں کی طرح جمع کر لیا۔ زبانوں کو جھوٹ کی عادت ڈال دی۔ میں اپنی عزت و جلال کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ان پر وہ لشکر چڑھا لاؤں گا جو ان کی زبان نہ سمجھیں گے۔ ان کے چہروں کو نہ پہچانیں گے اور ان کی گریہ زاری پر ترس نہ کھائیں گے۔ ان پر ایسا ظالم اور سنگدل بادشاہ مسلط کر دوں گا جس کے لشکر یا دلوں کی طرح، جن کے جھنڈے اڑتے عقابوں کی طرح اور ان کے شہسواروں کے حملے شہبازوں جیسے ہوں گے۔ وہ شہروں اور بستیوں کو براں کر دیں گے۔ افسوس ہے اہلیا کے شہر پر اور اس کے باشندوں پر۔ میں اپنی عقل و غارت کا نشانہ بناؤں گا، ان پر ظالمی مسلط کر دوں گا، خوشیوں کی گہما گہمی کی جگہ خلیجِ پکار لے لی۔ گھوڑوں کے ہنہانے کی بجائے بھیجیوں کے غرانے کی آوازیں آئیں گی۔ میں ان کے لیے آسان لوہے کا بنا

دوں گا اور زمین تباہی کی۔ اگر بارش بری تو نباتات نہیں اُگائے گی۔ اگر کچھ اُگا تو وہ جانوروں پر میرے رحم کی وجہ سے اُگے گا۔ کاشت کے موسم میں بارش بند رہے گی، فصل کاٹنے کے موسم میں بارش آ جائے گی۔ اسی دوران میں وہ جو کاشت کریں گے، میں اس پر آفات نازل کروں گا۔ اگر اس میں سے کچھ بچا تو اس میں برکت نہیں ہوگی۔ اگر وہ مجھ سے دعائیں کریں گے تو میں ان کی دعائیں قبول نہیں کروں گا۔ اگر مانگیں گے تو میں انہیں نہیں دوں گا، اگر وہ روئیں گے تو میں ان پر دم نہیں کروں گا، وہ گڑگڑائیں گے تو میں ان سے اپنا رخ پھیر لوں گا۔“

جب بنی اسرائیل دینی، اخلاقی اور معاشرتی بگاڑ میں حد سے بڑھ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ارمیاء علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی: ”میں بنی اسرائیل کو تباہ کرنے والا ہوں اور ان کے گناہوں کی وجہ سے انتقام لینے والا ہوں۔ آپ ”صخرہ“ (بیت المقدس کی مقدس چٹان) پر پہنچ جائیں، وہاں آپ کو میرا حکم پہنچے گا: ارمیاء علیہ السلام نے فرمایا: اللہ! تو ان پر کس قوم کو مسلط کرنے والا ہے؟“ اب تعالیٰ نے فرمایا: ”وہ آگ کی پوجا کرنے والے ہیں۔ نہ میرے عذاب سے ڈرتے ہیں نہ مجھ سے ثواب کی خواہش رکھتے ہیں۔ اپنی قوم کو تباہ دیجیے اللہ نے اب تک تمہارے بزرگوں کی نیکی کی وجہ سے تمہیں مہلت دی ہے۔ لیکن تم نے میرے احکامات کو فراموش کر دیے۔ اب میں تم پر ایسا ظالم حکمران مسلط کروں گا جو تم پر بالکل رحم نہیں کرے گا بلکہ تمہیں تباہ کر کے رکھ دے گا۔“

جب ارمیاء علیہ السلام نے انہیں اللہ کا پیغام پہنچایا تو وہ بولے: ”ارمیا! جو تھوٹ بولتا ہے اور اللہ پر بہتان تراشی کرتا ہے۔ کیا اللہ اپنی مقدس سرزمین کو اپنی مسجد کو اپنی کتاب سے اور عبادت کرنے والوں سے خالی کر دے گا؟ جب زمین پر نون ہو گا جو اس کی عبادت و اطاعت کرے گا؟“

انہوں نے آپ کو کچھ کر تید کر دیا۔ مکیہ وقت تھا جب بخت نصر نے ان کے ملک پر حملہ کر دیا اور بنی اسرائیل کے بہت سے لوگوں کو قتل کر دیا۔ اس نے بیت المقدس سے بہت سال مال غنیمت حاصل کیا۔ بہت سے افراد کو قید کر کے باہل لے گیا۔ اس نے بیت المقدس کی عمارت گرا دی اور تورات کے نسخے جلا دیے۔ اس نے بنی اسرائیل کے جن افراد کو غلام بنایا، ان میں سے سات ہزار حضرت داود علیہ السلام کے گھرانے سے تھے، گیارہ ہزار حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین کے گھرانے سے، آٹھ ہزار ایشائین یعقوب علیہ السلام کے خاندان سے، چودہ ہزار زابلون اور نفتالی کے خاندان سے، چودہ ہزار دان بن یعقوب کی اولاد سے، آٹھ ہزار یسائین یعقوب علیہ السلام کے خاندان سے، دو ہزار شمعون بن یعقوب علیہ السلام کی آل سے، چار ہزار روبین اور لاوی کے قبیلے سے اور بارہ ہزار بنی اسرائیل کے دوسرے گھرانوں سے تھے۔ وہ ان سب کو لے کر باہل پہنچ گیا۔

ہشام کا کہنا ہے کہ جب بخت نصر بیت المقدس میں آیا، وہاں کا بادشاہ حضرت داود علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا۔ اس نے بخت نصر سے صلح کی۔ بخت نصر نے اس سے ضمانت کے طور پر کچھ افراد لیے اور لوٹ گیا۔ جب وہ وطن پر کے مقام پر

حضرت دانیال

حضرت دانیال اور حضرت ارمیا علیہ السلام کی ملاقات: ابن ابی الدینا رحمۃ اللہ علیہ نے ابن ہذیل کی روایت سے بیان کیا ہے کہ بخت نصر نے دو شیر پکڑ کر ایک کنویں میں ڈال دیے۔ پھر دانیال علیہ السلام کو لاکرا سی کنویں میں ڈال دیا۔ شیروں نے آپ کو کچھ نہ کہا۔ کچھ مدت بعد آپ کو بیوک پیاس محسوس ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے شام میں حضرت ارمیا علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ دانیال علیہ السلام کے لیے کھانے پینے کا سامان تیار کریں۔ انہوں نے عرض کی: ”اللہ! میں یہاں ارض مقدس فلسطین میں ہوں اور دانیال علیہ السلام عراق کے شہر بابل میں ہیں؟“ اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ آپ ہمارے حکم کے مطابق کھانے پینے کا سامان تیار کریں۔ ہم آپ کو وہاں پہنچانے کا بندوبست کر دیں گے۔ انہوں نے تیاری کی تو اللہ نے کسی کو بھیج دیا چو انہیں اور ان کے تیار کیے ہوئے سامان کو بابل لے گیا حتیٰ کہ آپ کنویں کے کنارے پر جا کھڑے ہوئے۔ دانیال علیہ السلام نے فرمایا: ”آپ کون ہیں؟“ انہوں نے کہا: ”میں ارمیا ہوں۔“ فرمایا: ”آپ کس لیے تشریف لائے؟“ انہوں نے فرمایا: ”مجھے آپ کے رب نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔“ انہوں نے فرمایا: ”میرے رب نے میرا نام کیا ہے؟“ فرمایا: ”ہاں!“ دانیال علیہ السلام نے فرمایا: ”شکر ہے اللہ کا جو انبا ذکر کرے والے کو فراموش نہیں کرتا۔ شکر ہے اللہ کا جو انبی ذات سے امید رکھنے والے کی آس نہیں توڑتا۔ شکر ہے اللہ کا جو شخص اس پر توکل کرے، وہ اسے کسی اور کا محتاج نہیں کرتا۔ شکر ہے اللہ کا جو میرا بدلہ نہایت کی صورت میں دیتا ہے۔ شکر ہے اللہ کا جو ہمیں پریشانی آنے پر ہماری مصیبت دور کرتا ہے۔ شکر ہے اللہ کا جو ہمیں اس وقت بچا لیتا ہے جب ہمیں اپنے اعمال پر بدگمانی ہونے لگتی ہے (کہ ممکن ہے ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہمیں مزید مصائب میں مبتلا ہونا پڑے۔) شکر ہے اللہ کا جو اس وقت ہماری امید کا مرکز بن جاتا ہے جب ہماری کوئی تدبیر کارگر نہیں رہتی۔“

حضرت ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: ”جب ہم نے شکر کا شہر فتح کیا تو ہمیں ہرمزان کے خزانے میں ایک پلنگ ملا۔ اس پر ایک مکتبی تھی اس کے سر ہانے کی طرف ایک تحریر پڑی تھی۔ ہم نے وہ تحریر اٹھائی اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے حضرت کعب بن لؤی کو بلایا۔ انہوں نے اس کا عربی ترجمہ لکھ دیا۔ سب سے پہلے میں نے وہ عربی تحریر پڑھی۔ وہ مجھے ابھی اس طرح یاد ہے جس طرح قرآن یاد ہے۔

خالد بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی: ”اس میں کیا لکھا ہوا تھا؟“ انہوں نے فرمایا:

پہنچا تو اسے اطلاع ملی کہ بنی اسرائیل نے اس صلح سے ناراض ہو کر اپنے بادشاہ کو قتل کر دیا ہے۔ اس نے ضمانت کے طور پر پکڑے ہوئے افراد کے سر قلم کیے اور دوبارہ شہر پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ پھر وہاں کے بالغ مردوں کو قتل کر دیا اور بچوں اور عورتوں کو غلام بنالیا۔

بنی اسرائیل دنیا میں تتر بتر ہو گئے

ایک روایت کے مطابق بخت نصر کو معلوم ہوا کہ جیل میں ارمیا علیہ السلام بھی ہیں۔ اس نے آپ کو رکھا۔ آپ نے بتایا کہ میں نے انہیں اس سے ڈرایا تھا لیکن انہوں نے میری بات نہ مانی اور مجھے قید کر دیا۔ اس نے کہا: ”مکتبی بری قوم ہے جس نے اللہ کے رسول کی نافرمانی کی۔“

وہ آپ سے حسن سلوک سے پیش آیا اور بنی اسرائیل کے جو افراد زندہ بچ گئے تھے، انہیں آپ کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی۔ بنی اسرائیل نے کہا: ”ہم نے واقعی برا کام کیا تھا۔ اب ہم اللہ کے آگے توبہ کرتے ہیں۔ آپ اللہ سے دعا کریں کہ ہماری توبہ قبول ہو۔“

آپ نے دعا کی تو اللہ نے وحی کے ذریعے سے فرمایا: ”میں اس کی توبہ قبول نہیں کروں گا۔ اگر یہ سچے دل سے توبہ کر رہے ہیں تو انہیں کہیے کہ آپ کے ساتھ اس شہر میں رہائش اختیار کریں۔“ آپ نے اللہ کا حکم سنایا تو وہ کہنے لگے: ”ہم اس شہر میں کیسے رہ سکتے ہیں؟ یہ تو کھنڈر بن چکا ہے۔ یہاں کے رہنے والوں پر اللہ کا غضب نازل ہوا تھا۔“ چنانچہ انہوں نے وہاں رہنے سے انکار کر دیا۔

ابن کبلی کہتے ہیں: اس وقت بنی اسرائیل دنیا میں بکھر گئے۔ کچھ لوگ حجاز آ گئے، کچھ یثرب میں جا پھرے، کچھ اودی قری میں رہنے لگے۔ ایک چھوٹی سی جماعت مصر چلی گئی۔ بخت نصر نے وہاں کے بادشاہ کو خط لکھا کہ مفرور افراد کو اس کے حوالے کیا جائے مصر کے بادشاہ نے انکار کر دیا۔ تب بخت نصر نے لشکر کے ساتھ حملہ کر دیا اور اسے شکست دی۔ پھر بلا مغرب پر حملہ آور ہو گیا اور آخر تک فتح کر لیا۔ پھر مغرب مصر، بیت المقدس، فلسطین اور اردن کے بے شمار قیدیوں کے ساتھ واپس آیا۔ ان قیدیوں میں حضرت دانیال علیہ السلام بھی تھے۔

زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ دانیال اکبر نہیں بلکہ دانیال اصغر ہیں جو تزیل علیہ السلام کے فرزند تھے۔ وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہی فرمایا ہے۔ (واللہ اعلم)

بیت المقدس کی دوبارہ آباد کاری اور نبی کا سوسال بعد زندہ ہونا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَوْ كَانَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ ذُنُوبٌ كَبِيرَةٌ ۚ قَالَ اَنِّىْ يَخْبَىٰ هٰذَا ۖ اَللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ قَامَتْ اِنَّهٗ وَاِنَّهٗ عَاوِدٌ ۚ ثُمَّ بَعَثَهُ ۚ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۖ يَوْمًا ۚ اَوْ بَعْضُ يَوْمٍ ۚ قَالَ بَلْ لَبِثْتُ وَاِنَّهٗ عَاوِدٌ ۚ فَانْظُرْ اِلَىٰ كَعْبِكَ ۚ وَشَرَاكِ لَمْ يَسْكَنْ ۚ وَانْظُرْ اِلَىٰ حِمَارِكَ ۚ وَلَيَبْجَعَنَّكَ اَيُّهٗ لَيْلًا ۙ وَانْظُرْ اِلَىٰ الْعِظَامِ ۚ وَكَيْفَ نُنْشِئُهَا ۚ ثُمَّ تَكْسُوْهَا لِحْصًا ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ ۙ قَالَ اَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۶﴾

”یا افسوس کی مانند کہ جس کا گزر اس ہستی پر ہوا جو چھت کے بل اوندھی پڑی ہوئی تھی! اس نے کہا کہ اللہ (اس کے باشندوں) کو مرنے کے بعد کیسے زندہ کرے گا۔ تو اللہ نے اس کی روح قبض کر لی (اور) سو برس تک (اُس کو مردہ رکھا) پھر اُس کو زندہ کر کے اٹھا یا اور پوچھا تم کتنا عرصہ (مرے) رہے ہو؟ تو اس نے جواب دیا کہ ایک دن یا اُس سے بھی کم۔ اللہ نے فرمایا: (نہیں) بلکہ سو برس (مرے) رہے ہو۔ اور اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو کہ اتنی مدت میں بالکل (سڑی ہوئی نہیں اور) اپنے گدھے کو بھی دیکھو (جو مر پڑا ہے) غرض (ان باتوں سے) یہ ہے کہ تم تم کو لوگوں کے لیے (اپنی قدرت کی) نشانی بنائیں اور (باں گدھے کی) ہڈیوں کو دیکھو ہم ان کو کیسے جوڑتے ہیں اور ان پر (کس طرح) گوشت پوست چڑھاتے ہیں۔ جب یہ واقعات اُس کے مشاہدے میں آئے تو بول اٹھا کہ میں یقین کرتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔“ (البقرہ: 259/2)

ہشام بن علی کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ارمیاء علیہ السلام کو نبی فرمائی کہ میں بیت المقدس کو آباد کرنے والا ہوں۔ آپ وہاں جا کر رہیں۔ آپ وہاں شریف لے گئے تو وہ ویران ٹھنڈا تھا۔ آپ نے دل میں کہا: ”سبحان اللہ! اللہ نے مجھے اس شہر میں رہنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ آباد ہو جائیگا اسے اللہ تعالیٰ کب آباد فرمائے گا اور کب اس مردہ شہر کو نئی زندگی عطا فرمائے گا؟“

پھر آپ وہاں لیت کر سو گئے۔ آپ کے ساتھ آپ کا گدھا تھا اور نوکری میں کھانا رکھا ہوا تھا۔ آپ ستر سال سوئے رہے حتیٰ کہ بخت نصر مر گیا اور اس کے اوپر حکمران لہر اس پر بھی مر گیا۔ اس نے ایک سو بیس سال حکومت کی تھی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ”ہشام“ بادشاہ ہوا۔ بخت نصر اس کے دور حکومت میں مرا۔ اسے شام کے ملک کے بارے میں اطلاع ملی کہ وہ ویران ہو چکا ہے اور فلسطین کے علاقے میں درندے بکثرت ہیں اور کوئی انسان باقی نہیں۔ اس نے باہل میں بنی اسرائیل

”تم مسلمانوں کے اخلاق، تمہارے معاملات، تمہارے بات چیت کے ڈھنگ اور مستقبل میں پیش آنے والے واقعات۔“ میں نے کہا: ”پھر تم نے اس میت کا کیا کیا؟“ فرمایا: ”ہم نے دن کے وقت مختلف مقامات پر تیرہ قبریں کھودیں رات کو کسی ایک قبر میں دفن کر کے سب کو برابر کر دیا تاکہ ان لوگوں کو معلوم نہ ہو اور وہ قبر کھود کر ان کی میت نہ نکال لیں۔“ میں نے کہا: ”وہ اس میت سے کیا امید رکھتے تھے؟“ فرمایا: ”جب بارش نہیں ہوتی تھی تو وہ آپ کی چار پائی کلمے میدان میں رکھ دیتے تھے۔ تب بارش ہو جاتی تھی۔“ میں نے کہا: ”آپ کے خیال میں یہ کیوں صاحب تھے؟“ فرمایا: ”ان صاحب کا نام دانیال تھا۔“ میں نے کہا: ”انہیں فوت ہو کتنا عرصہ ہو گیا تھا؟“ فرمایا: ”تین سو سال۔“ میں نے کہا: ”ان کے جسم میں کوئی تبدیلی نہیں آئی؟“ فرمایا: ”نہیں، بس گدی کے چند بال بھڑکے تھے۔ نبیوں کے جسم مٹی میں بوسیدہ نہیں ہوتے نہ انہیں درندے کھاتے ہیں۔“ ۱۶

اس روایت کی سند ابوالعالمی صحیح ہے لیکن اگر وہ صاحب واقعی تین سو سال پہلے فوت ہوئے تھے تب وہ نبی نہیں ہو سکتے کوئی اور نیک آدمی ہوں گے کیونکہ بخاری شریف کی صحیح حدیث میں صراحت ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی ﷺ کے درمیان کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا۔ ان دونوں انبیاء کرام علیہم السلام کی درمیان مدت چھ سو سال ہے۔ اگر وہ میت واقعی دانیال علیہ السلام کی تھی تو ان کی وفات تین سو سال پہلے نہیں بلکہ آٹھ سو سال پہلے ہوئی ہوگی ورنہ وہ کوئی ولی ہوگا۔ ویسے اس کا دانیال علیہ السلام کی میت ہونا ہی قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کیونکہ دانیال علیہ السلام کو اہل قارس کے بادشاہ نے گرفتار کر لیا تھا اور انہوں نے اس کے پاس ہی قید کے ایام گزارے۔

حضرت عبدالرحمن بن ابی الزنادی رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے بیٹے ابو بردہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ایک گنگوٹھی دیکھی۔ جس پر وہ شیروں کی تصویر بنی ہوئی تھی، ان کے درمیان ایک آدمی تھا اور شیر اسے چاٹ رہے تھے۔ ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”یہ اس شخص کی گنگوٹھی ہے جس کے بارے میں اس شہر کے لوگ کہتے ہیں کہ وہ دانیال علیہ السلام ہیں۔ جس دن انہیں دفن کیا گیا، یہ گنگوٹھی حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے لے لی تھی۔ پھر شہر کے علماء سے اس پر کندہ تصویر کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے کہا: ”حضرت دانیال علیہ السلام جس بادشاہ کے ملک میں تھے، اسے غنیمتوں نے بتایا تھا کہ ایک لاکھ پیدا ہونے والا ہے جس کی وجہ سے تیری حکومت ختم ہو جائے گی۔“ بادشاہ نے قسم کھائی کہ آج رات پیدا ہونے والے ہر لڑکے کو قتل کر دیا جائے گا۔ البتہ انہوں نے دانیال علیہ السلام کو شیر کے کچھار میں پھینک دیا۔ آپ کی والدہ نے جان کر دیکھا تو شیر اور شیرنی آپ کو پیار سے چاٹ رہے تھے اور آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ شہر کے علماء نے بتایا کہ دانیال علیہ السلام نے اپنی گنگوٹھی میں اپنی اور شیروں کی تصویر بنوائی تھی تاکہ آپ کو اللہ کا یہ احسان ہمیشہ یاد رہے۔ ۱۷

حضرت عزیرؑ

نام و نسب اور آپ کا تذکرہ

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: آپ کا نام عزیر بن خیمہ ہے۔ اور آپ کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے: عزیر بن سوریق بن عرنا بن ایوب بن درنا بن عری بن تقی بن السبوع بن فنحاص بن الیعزور بن ہارون بن عمران ایک روایت کے مطابق آپ کے والد کا نام ”سروحا“ تھا۔ آپ کی قبر مبارک دمشق میں ہے۔

حضرت عبد اللہ بن سلام رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے سو سال کے بعد دوبارہ زندہ کیا تھا، وہ حضرت عزیرؑ ہی تھے۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ عزیرؑ ایک داندار تھی آدی تھی۔ ایک دن اپنے کھیتوں میں ان کی دیکھ بھال کے لیے تشریف لے گئے۔ واپسی پر ایک کھنڈر کے پاس سے گزر رہے تھے کہ وہ پہر کی شدید گرمی سے بچنے کے لیے کھنڈر میں چلے گئے۔ آپ اپنے گدھے سے نیچے اتر آئے۔ آپ کے پاس ایک ٹوکری میں انگوروں اور ایک ٹوکری میں انگور تھے۔ آپ نے ایک ویران غمارت کے سامنے بیٹھ کر لپٹا لپٹا کر لیا۔ پیالے میں انگوروں کو نہچوڑ کر سن کال لیا۔ پھر آپ کے پاس جو خشک روٹی تھی، وہ لے کر سر میں ڈال دی تاکہ وہ نرم ہو جائے تو کھا لیں۔ پھر آپ دیوار سے پاؤں لگا کر چٹ لیٹ گئے۔ آپ کی نظر چھت پر پڑی۔ دیکھا کہ چھت تو قائم ہے لیکن اس کے نیچے زندگی گزارنے والوں کی صرف بوسیدہ ہڈیاں موجود ہیں۔ تب فرمایا: ﴿أَتَىٰ نَجْمِي هَذَا اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِي﴾ ”اس کی موت کے بعد اللہ تعالیٰ اسے کس طرح زندہ کرے گا؟“ (البقرہ: 259/2)

یہ خشک کے طور پر نہیں بلکہ تعجب کے طور پر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے موت کا فرشتہ بھیجا۔ اس نے آپ کی روح قبض کر لی اور آپ سو سال تک فوت شدہ حال میں رہے۔ اس ایک صدی کی مدت میں بنی اسرائیل کو طرح طرح کے واقعات پیش آئے۔ جب سو سال گزر گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیرؑ کی طرف ایک فرشتہ بھیجا اس نے آپ کا دل پیدا کیا تاکہ آپ سمجھ سکیں اور انھیں پیدا کریں تاکہ سب سمجھ سکیں کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا۔ پھر آپ کے دیکھنے دیکھنے آپ کا جسم مبارک مکمل کیا گیا۔ ہڈیوں پر گوشت پوست اور بال بن گئے، پھر جسم میں روح ڈالی گئی اور آپ یہ

سے کہہ دیا کہ جو شخص شام جاتا چاہتا ہے چلا جائے۔ اس نے بنی اسرائیل ہی کے ایک شخص کو ان کا سردار مقرر کر دیا اور اسے بیت المقدس تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ وہ سب وہاں جا کر آباد ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ارمیہاؑ کی آنکھیں کھولیں اور آپ نے شہر کو آباد ہوتے دیکھ لیا۔ آپ کی یہ نیند سو سال طویل تھی۔ جب آپ جاگے تو آپ کو یوں محسوس ہوا کہ آپ دن کا کچھ حصہ سوئے رہے۔ سوئے سے پہلے آپ نے شہر کو ویران دیکھا تھا۔ جاگے تو آپ بالکل غمناک تھے۔ تب انہوں نے فرمایا: ﴿اعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ ”میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔“

بنی اسرائیل وہاں آرام و سکون سے رہتے رہتے حتیٰ کہ طوائف الملوکی کے دور میں ان پر رومی غالب آ گئے۔ پھر عیسائیوں کے ظلم کے بعد یہودیوں کی کوئی حکومت اور سلطنت نہ رہی۔ تفصیل ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ میں بیان کی ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لہر اسب بہت انصاف پسند بادشاہ تھا۔ سب حکمران اور نجیبی افسر اس کی بات مانتے تھے۔ شہر آباد کرنے اور نہریں بنانے میں بہت دانائی سے کام لیتا تھا۔ سو سال سے زیادہ مدت کے بعد وہ ملک کا انتظام کرنے کے قابل نہ رہا تو اپنے بیٹے شہنشاہ کے حق میں دست بردار ہو گیا۔ اس کے دور حکومت میں نجیبی مذہب شروع ہوا۔ وہ اس طرح کہ ایک آدی ارمیہاؑ کے ساتھ کچھ عرصہ رہا۔ اس کا نام زرتشت تھا۔ کسی وجہ سے ارمیہاؑ اس سے ناراض ہو گئے اور اسے بدعا دی۔ زرتشت کو برص کی بیماری لگ گئی اور وہ آذر بایجان کے علاقے میں چلا گیا۔ وہاں وہ شہنشاہ کا درباری بن گیا اور اسے خود ساختہ نجیبی مذہب کی طرف بلایا۔ بادشاہ نے خود بھی یہ مذہب قبول کر لیا اور عوام کو بھی اسے قبول کرنے پر مجبور کیا اور بہت سے لوگوں کو قتل کیا۔

شہنشاہ کے بعد اس کا بیٹا بھیمن بادشاہ ہوا۔ وہ ایران کا مشہور بادشاہ اور بہادر آدی تھا۔ الغرض ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہے کہ اس شہر (بیت المقدس) کے پاس سے گزرنے والے حضرت ارمیہاؑ تھے۔ متعدد علماء نے یہی قول اختیار کیا ہے۔ مذکورہ بالا تفصیل سے بھی یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے۔ تاہم متعدد صحابہ کرامؓ کو تاہمینؑ کا قول ہے کہ یہ واقعہ عزیرؑ کی کوچیں آ یا تھا۔ علماء کے ہاں یہ قول زیادہ مشہور ہے۔ (واللہ اعلم)

وہ بولی: ”عزیر تو مستجاب الدعوات تھے۔ ان کی دعا سے بنیادوں کو شفا ہو جاتی تھی، لہذا آپ دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے آنکھیں دے دے تاکہ آپ کی زیارت کرسوں۔ اگر آپ واقعی عزیر علیہ السلام ہیں تو میں آپ کو پہچان لوں گی۔“ آپ نے دعا کر کے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا تو اس کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

”اللہ کے حکم سے اٹھ کر کھڑی ہو!“ اللہ نے اس کی انگلیں درست کر دیں۔ وہ تندرست ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے آپ کے چہرہ مبارک پر نظر ڈالی اور بولی: ”میں گواہی دیتی ہوں کہ آپ عزیر ہی ہیں۔“

وہ بنی اسرائیل کے چوپال اور ان کی مجلس میں گئی مجلس میں عزیر کا ایک بیٹا موجود تھا جو ایک سو اٹھارہ سال کا بوڑھا تھا۔ آپ کے پوتے جو مجلس میں موجود تھے، وہ بھی سب بوڑھے تھے۔ اس نے انہیں پکار کر کہا: ”یہ دیکھو! عزیر علیہ السلام تشریف لے آئے ہیں۔“ انہیں یقین نہ آیا۔ اس نے کہا: ”میں تمہاری فلاں لونڈی ہوں۔ عزیر علیہ السلام کی دعا سے مجھے بصارت مل گئی اور میں پھر آنے کے قابل ہو گئی ہوں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے ان کو سو سال کے بعد زندہ کر دیا ہے۔“

لوگ اٹھ کر آپ کے پاس آئے اور دیکھنے لگے۔ آپ کے بیٹے نے کہا: ”ابا جان کے کندھوں کے درمیان ایک تل تھا۔“ آپ نے کندھوں سے کپڑا ہٹایا تو وہ علامت موجود تھی۔ لوگوں نے کہا: ”ہماری قوم میں عزیر علیہ السلام کی سوا کسی کو تورات زبانی یاد نہیں تھی۔ تحریری نسخہ بخت نصر نے نذر آتش کر دیا۔ اب کسی کسی آدمی کو تورات کے تھوڑے تھوڑے اجزاء یاد تھیں۔ آپ ہمیں دوبارہ تورات لکھ دیں۔“

حضرت عزیر علیہ السلام کے والد نے بخت نصر کے زمانے میں تورات ایک محفوظ مقام پر چھپا دی تھی جس کا علم عزیر علیہ السلام کے سوا کسی کو نہ تھا۔ آپ لوگوں کو وہاں لے گئے اور وہ نسخہ لکھوا یا۔ اس کے ورق بوسیدہ ہو گئے تھے اور الفاظ مٹ گئے تھے۔

آپ ایک درخت کے نیچے بیٹھے۔ بنی اسرائیل آپ کے ارد گرد جمع تھے۔ آسمان سے دو شہاب آئے اور آپ کے پیٹ میں داخل ہو گئے۔ فوراً آپ کو پوری تورات یاد ہو گئی اور آپ نے سنے سنے سے لکھ کر بنی اسرائیل کو دی۔ اسی لیے بنی اسرائیل نے آپ کو اللہ کا بیٹا قرار دیا۔ یہ واقعہ سواد (عراق) کے علاقے میں دیر قبل کے مقام پر پیش آیا۔ آپ کی وفات ساڑھے آدھیں ہوئی۔^①

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَلَيَجْعَلَنَّ آيَةً لِلنَّاسِ﴾ ”اور تاکہ ہم تجھے لوگوں کے لیے نشان بنائیں۔“ میں ”لوگوں“ سے مراد ہے ”بنی اسرائیل“ کیونکہ جب آپ اپنے بیٹوں کے ساتھ بیٹھے ہوتے تھے آپ تو جوان ہوتے تھے اور آپ کے بیٹے بوڑھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ جب فوت ہو گئے تھے تو آپ کی عمر چالیس سال تھی۔ پھر جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے دوبارہ زندہ کیا تو آپ کی حالت وہی جوانی والی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما

سب کچھ دیکھ کر ابھڑ رہے تھے۔ جب آپ اٹھ کر بیٹھ گئے تو فرشتے نے آپ سے کہا: ﴿كَمْ كَيْفُتَ﴾ ”آپ کتنا عرصہ یہاں رہے؟“

آپ نے فرمایا: ﴿كَيْفُتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ﴾ ”ایک دن ظہر یاوں یا اس سے بھی کم۔“ کیونکہ دو پہر سے پہلے یہاں رکھتے تھے اور جب آٹھ بجے کا وقت تھا۔ ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا۔ فرشتے نے کہا: ﴿كَيْفُتُ مِائَةً عَامًا قَانِظًا إِلَى عَمَامِكَ وَشَرَّابًا﴾ ”آپ یہاں ایک سو سال رہے ہیں۔ اپنے ٹھکانے پینے کو دیکھیے!“ یعنی وہ خشک روٹی اور انگوٹھا کارں۔ دیکھا تو وہ دونوں چیزیں اسی طرح تھیں۔ رں خراب نہیں ہوا تھا اور روٹی ابھی خشک تھی نرم نہیں ہوئی۔ اسی لیے فرمایا: ﴿لَمْ يَكْسَنَكَ﴾ ”بالکل خراب نہیں ہوا۔“ یعنی اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ انجیر اور انگوٹھی تازہ وحالت میں تھے۔ آپ کے دل میں خیال آیا یہ کیسے ہو سکتا ہے تو فرشتے نے کہا: ﴿وَانْظُرْ إِلَى جَارِكَ﴾ ”اپنے گدھے کی طرف دیکھیے!“ دیکھا تو اس کی صرف بوسیدہ ہڈیاں پر تھیں۔ فرشتے نے ہڈیوں کو آواز دی تو وہ ہر طرف سے اٹھ کر آ گئیں۔ فرشتے نے انہیں عزیر علیہ السلام کے سامنے اپنے مقام پر جڑوا۔ پھر ان پر رگیں اور پٹے اندھا لگائے۔ پھر ان پر گوشت آ گیا۔ پھر جلد اور بال پیدا ہو گئے۔ پھر فرشتے نے چھوٹک ماری تو گدھا آسمان کی طرف سر اور کان اٹھا کر بولنے لگا۔ وہ سمجھا کہ قیامت آگئی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَانْظُرْ إِلَى جَارِكَ وَلَيَجْعَلَنَّ آيَةً لِلنَّاسِ وَانْظُرْ إِلَى الْعِطَامِ كَيْفَ تَنْشِئُهَا ثُمَّ تَكْسُوْنَهَا لَحْمًا﴾ ”اور اپنے گدھے کو بھی دیکھا! ہم تجھے لوگوں کے لیے ایک نشان بناتے ہیں اور تو دیکھ ہم ہڈیوں کو کس طرح جوڑتے ہیں؟ پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں؟“ یعنی گدھے کی ہڈیوں کو دیکھ کس طرح ایک دوسری کے ساتھ جڑتی چلی جا رہی ہیں۔ جب پورا ڈھانچا بن گیا تو فرمایا اب دیکھ ہم اس پر کس طرح گوشت چڑھاتے ہیں۔ جب یہ سب ظاہر ہو چکا تو آپ کہنے لگے: ﴿اعْلَمَنَّ اَللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ ”میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔“ (البقرہ: 259/2)

آپ گدھے پر سوار ہو کر اپنے محلے میں آئے تو لوگوں نے آپ کو نہ پہچانا اور آپ کو بھی کوئی شناسا چہرہ نظر نہ آیا۔ آپ کو اپنے گھر کا بھی پتہ نہیں چل رہا تھا۔ چلتے ہوئے کسی اور طرف نکل گئے۔ آخر اپنے گھر پہنچے تو دیکھا وہاں ایک اندھی لاپاٹ بڑھی بیٹھی ہوئی ہے جس کی عمر ایک سو بیس سال ہو چکی تھی۔ وہ آپ کی لونڈی تھی۔ جب آپ گھر سے نکلے تو وہ بیس سال کی تھی۔ آپ نے اس کو پہچان لیا۔ آپ نے اس سے کہا: ”اللہ کی بندی! کیا مزہ کا گھر رہی ہے؟“ اس نے کہا: ”ہاں! ابھی عزیر کا گھر ہے۔“ یہ کہہ کر وہ رو پڑی۔ پھر بولی: ”بدلتوں سے کسی نے عزیر علیہ السلام کا نام بھی نہیں لیا۔ لوگ انہیں بھول گئے۔“ آپ نے فرمایا: ”میں ہی عزیر ہوں۔ اللہ نے مجھے سو سال مردہ حالت میں رکھے کہ بعد دوبارہ زندہ کر دے۔“ اس نے کہا: ”بسم اللہ! عزیر علیہ السلام تو سو سال سے لاپتہ ہیں۔ ہمیں ان کا کوئی سراغ نہیں ملا۔“ آپ نے فرمایا: ”میں ہی عزیر ہوں۔“

حضرت عزیر علیہ السلام کا زمانہ نبوت

مشہور قول کے مطابق عزیر علیہ السلام نے اسرائیل کے نبی تھے اور آپ کا زمانہ حضرت داؤد و سلیمان علیہم السلام اور زکریا و یحییٰ علیہم السلام کے درمیان کا ہے۔ بنی اسرائیل میں تورات کا کوئی حافظ باقی نہ رہا۔ تب اللہ تعالیٰ نے آپ کو الہام کے ذریعے سے تورات سکھادی اور آپ نے حرف بحرف لکھوا دی۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت نقل کی ہے کہ آپ نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے چھپا کر یہودیوں نے عزیر رضی اللہ عنہ کو اللہ کا بیٹا کیوں قرار دیا؟ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے آپ کا تورات زبانی لکھنے کا واقعہ بیان کیا اور فرمایا: ”اسی امر اہل کتب کہتے ہیں“ حضرت موسیٰ رضی اللہ عنہ تو ہمارے پاس بغیر لکھنے کے کتاب (تورات) نہ لارہا کہ عزیر رضی اللہ عنہ بغیر تحریر کے تورات لے آئے۔ اس لیے بعض لوگوں نے انہیں ”اللہ کا بیٹا“ کہہ دیا۔“ اسی لیے بعض علماء نے فرمایا کہ تورات کا تو اخر عزیر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں منقطع ہو گیا تھا جسے آپ نے بحال کیا۔

حضرت عزریؓ کے زمانہ کے بارے میں مختلف اقوال وارد ہوئے ہیں جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے حضرت حسنؓ نے کہا کہ: ”ہم مرتبہ کے ساتھ سب کے قرین تعلق میں رہے۔“ انبیاء کرام ایک باپ کی اولاد ہیں۔ میرے اور ان (یعنی) کے درمیان کوئی نہیں۔“ ۵

حضرت وہب بن منبہؓ فرماتے ہیں: ”حضرت عزریؓ کا زمانہ حضرت سلیمانؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے درمیان ہے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ایک نبی کسی درخت کے نیچے ٹھہرے۔ انہیں ایک چیونٹی کا ٹال لیا۔ آپ نے ان چیونٹیوں کو ٹکڑا کر آگ سے جلوا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی: کیوں نہ ایک ہی چیونٹی کو بھڑکایا؟“ ۵

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ حضرت عزیر علیہ السلام کا ہے۔ (واللہ اعلم)



www.KitaboSunnat.com



حضرت زکریاؑ اور حضرت یحییٰؑ

نام ونسب اور قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ

حافظ ابن عساکر رشتے نے آپ کا نام ”زکریا بن خثّٰی“ لکھا ہے۔ بعض علماء ”زکریا بن اوان“ کہتے ہیں۔ جبکہ بعض علماء نے نزدیک آپ کا نسب یوں ہے: زکریا بن اوان بن مسلم بن صدوق بن حرمان بن داود بن سلیمان بن مسلم بن صدیقہ بن رجبہ بن مطلقہ بن بنی ناعور بن سلوم بن یسہا بن یاسا بن حاش بن ابی بن یثیم بن سلیمان بن داود علیہ السلام اللہ تعالیٰ اپنے فرما پر جاہل و بندگان کی آزمائش کبھی کبھی عطا کر کے اور کبھی نعت نہ دے کر کرتا ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی آزمائش اور اودھی نعت سے بخروئی کے ساتھ ہوئی، جن کی ایک روز زکریا علیہ السلام نے فرمایا: ”جو کہ ان کی زیر کفالت تھیں، گو یہ مومن پھل کھاتے و دیکھتا تو ان اعتباراً ہے کہ بکھارا کہ انہی کی نعت کے اولاد سے بہرہ مند فرما۔“

اللہ تعالیٰ نے انکی اس دعا اور دعا کی قبولیت کا تذکرہ سورہ مریم، آل عمران اور الانبیاء میں خوبصورت پیرائے میں کیا ہے:

﴿ كَهَيْعِصَ ۚ ذَكَرَ حَبِيبَ رَبِّكَ عَبْدًا زَكِيًّا ۚ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ يَدْعُهُ خَفِيًّا ۚ قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي ۖ وَأَشْغَلَ الرِّأْسُ شَيْبًا ۖ وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَايِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۚ وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ

بنائے جو نیک، پاکیزہ اور مقبول بارگاہ الہی ہو۔

② نبیوں کی وراثت کا مسئلہ: ذکرِ بابائے نئے چاہا کہ جس طرح آلِ یعقوب میں سے اسکے بزرگوں کو نبوت اور وحی کا شرف حاصل ہوا تھا، اسی طرح یہ بھی نبی ہو کر ان کی رہنمائی کرے۔ آپ کی دعا میں یہی وراثت مراد ہے۔ مال و دولت کی وراثت مراد نہیں جیسے شیخہ حضرات کا دعویٰ ہے اور بعض اہل سنت علماء نے بھی یہ بات کہہ دی ہے۔ ہمارے وقت کے دلائل درج ذیل ہیں:

① ہم آیت مبارکہ: ﴿وَوَرِّثُ سُلَيْمٰنَ دَاوُدَ﴾ ”حضرت داود علیہ السلام کے وارث سلیمان علیہ السلام ہوئے۔“ کی وضاحت کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ اس سے مراد نبوت اور حکومت ہے کیونکہ حدیث کی بہت سی کتابوں میں بہت سے صحابہ کرام علیہم السلام سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہماری وراثت نہیں ہوتی، ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔“ ② یہ صریح نص ہے کہ نبی ﷺ کی وراثت تقسیم نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی ذاتی اشیاء کے کسی بھی وارث کو نہیں دیں۔ اگر یہ فرمان نبوی نہ ہوتا تو آپ ان میں تقسیم کرتے۔ ان وارثوں میں آپ کی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا، آپ کی نواز و اوج مطہرات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور آپ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس حدیث سے استدلال کیا۔ رسول اللہ ﷺ سے یہ فرمان روایت کرنے والوں میں مندرجہ ذیل صحابہ کرام علیہم السلام شامل ہیں: سیدنا عمر بن خطاب، عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، عباس بن عبد المطلب، عبد الرحمن بن عوف، طلحہ، زبیر، ابو ہریرہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم۔

② ایک حدیث میں تمام انبیاء کرام کے لیے یہی بات فرمائی گئی ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں: ﴿اِنَّمَا مَغَاضِبُ الْاَنْبِيَاءِ لَا تُوْرَثُ﴾ ”ہم یعنی انبیاء کی جماعت کی (مالی) وراثت نہیں ہوتی۔“ ③

③ انبیاء کرام علیہم السلام کی نظر میں دینی دولت کی اتنی اہمیت نہیں تھی کہ اسے جمع کرتے یا اس کی طرف توجہ فرماتے یا اس کے بارے میں فکر مند ہوتے کہ اپنی اولاد کو اس پر قبضہ کرنے کے بارے میں ارشاد فرماتے۔ کسی معمولی زائد کو بھی، جو انبیاء کرام کے درجہ کے قریب تک پہنچنے کا تصور نہیں کر سکتا، یہ فکر نہیں ہوتی کہ اللہ سے اولاد اس لیے مانگے کہ وہ اس کے مال کی وراثت بن سکے۔

④ حضرت زکریا علیہ السلام بڑھتی تھیں۔ ہاتھ سے سخت کر کے وزی کماتے تھے۔ جس طرح حضرت داود علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔ انبیاء کرام کی یہ طریقہ نہیں ہوتا کہ دولت کمانے میں اتنی محنت کریں کہ ضرورت سے زیادہ مال جمع ہو جائے۔ جسے وہ اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے سنبھال سنبھال کر رکھیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اور سورہ الانعام میں فرمایا:

﴿وَزَكَرِيَّا وَعِيسَىٰ وَهَارُونَؑ اُولَٰئِكَ مِمَّنْ اَوْثَقْنَا بِرَحْمَتِنَا اِذْ مَكَرَتْ اٰلُكَافِرِيْنَ اِذْ عَلَّمُوْهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا ذُرِّيَّتُنَا لَا تَكُوْنُ مِنْ اٰمَالِنَاؑ﴾

”اور زکریا اور عیسیٰ اور ایلہاس کو بھی (ہدایت دی) یہ سب نیکو کار تھے۔“ (الانعام: 85/6)

آلِ یعقوب کے وارث

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا ہے کہ لوگوں کو حضرت زکریا علیہ السلام کا واقعہ سنیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑھاپے میں ایک بیٹا عطا فرمایا جسکا ان کی اہلیہ محترمہ بھی انتہائی معرور یا تھیں تاکہ اللہ کی رحمت اور فضل سے کوئی مایوس نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ذُرِّيَّتُكَ عَبْدٌ كَاذِبٌ﴾ ”اے زکریا! تیرا بیٹا کذاب ہے۔“ ”یہ ہے تیرے پروردگار کی مہربانی کا ذکر جو اس نے اپنے بندے زکریا پر بھیجی جسکا اس نے اپنے رب سے چپکے چپکے دعا کی تھی۔“

فقہاء و علما فرماتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ پاکیزہ دل کو جانتا ہے اور پوشیدہ آوازیں سنتا ہے۔“ آپ نے اولاد نہ ہونے پر جس دکھ کا اظہار کیا اللہ تعالیٰ نے اسے ان الفاظ میں نقل فرمایا: ﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهْنٌ الْعَظْمُ وَیَقِیْ وَاشْتَغَلَ الرَّاسُ شَیْئًا وَّلَمْ اَكُنْ بِدُعَاؤِكَ رَبِّ شَقِیًّا﴾ ”کہا میرے پروردگار میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں اور سر بڑھاپے کی وجہ سے شعلے کی طرح جھک اٹھا ہے لیکن میں کبھی تجھ سے دعا کر محروم نہیں رہا۔“ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے جب بھی رب سے کچھ مانگا ہے، میری دعا قبول ہوئی ہے۔ آپ کے دل میں یہ دعا کرنے کا خیال اس وقت آیا جب حضرت مریم علیہا السلام آپ کی کفالت میں تھیں۔ آپ جب بھی ان کے حجرے میں شریف لے جاتے، ان کے پاس بے موسم پھل نظر آتے۔ یہ ایک کرامت تھی۔ آپ نے محسوس کیا کہ مریم کو بے موسم پھل دینے والا اللہ آپ کو بھی عمر کے اس حصے میں اولاد سے سکتا ہے جبکہ عام حالات میں اس کی امید نہیں کی جاسکتی۔ اسی جگہ زکریا علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی، کہا: ﴿رَبِّ هَبْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَیْبَةًؕ اِنَّکَ سَمِیْعُ الْعَادِّیْنَ﴾ ”اے میرے پروردگار! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما۔ اے شکستہ دعا کا سننے والا ہے۔“ (آل عمران: 38/3)

آپ نے فرمایا: ﴿اِنِّیْ جَعَلْتُ الْبَیْوَاتِیْ مِنْ وَّرَآءِیْ وَكَانَتْ اَعْرَافِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلَدًاؕ یٰ زَکَرِیَّیْ وَبَشِّرْهُنَّ اِنْ عَلَّمَتْهُنَّ رَبُّنَّ طَیْبًا﴾ ”مجھے اپنے مرنے کے بعد اپنے قربات والوں کا ڈر ہے، میری بیوی بھی کاٹھ ہے، لہذا تو مجھے اپنے پاس سے وارث عطا فرما! جو میرا بھی وارث ہو اور یعقوب کے خاندان کا بھی جانشین ہو اور میرے رب! تو اسے مقبول بندہ بنالے!“ (مریم: 5/19:6) یعنی آپ کو خطرہ محسوس ہوا کہ آپ کے خاندان کے افراد آپ کی وفات کے بعد خلاف شریعت اعمال میں اور گناہوں میں ملوث ہو جائیں گے، اس لیے خواہش ظاہر کی کہ ایک

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ملاقات ہوئی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں فرمایا: ”میرے لیے مغفرت کی دعا کیجیے کیونکہ آپ مجھ سے افضل ہیں۔“ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا: ”آپ میرے لیے دعا کریں کیونکہ آپ مجھ سے افضل ہیں۔“ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ”آپ مجھ سے افضل ہیں، میں نے اپنے لیے سلامتی کی دعا کی اور آپ کو اللہ نے سلامتی کی خوشخبری دی۔“^①

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”ہر شخص اللہ سے کوئی نیک نیت (یا غلطی) نہ کرے گا، سوائے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے۔ پھر یہ آیت پڑھی: ﴿وَسَيَدَّحْضُوهُ﴾ ”سردار اور ضابطہ نفس۔“ (آل عمران: 39/3) پھر زمین سے ایک تنکا اٹھا کر فرمایا: ”ان کے پاس اتنا کچھ تھا۔ پھر انہیں شہادت بھی نصیب ہوگئی۔“^②

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما تمام ختی جوانوں کے سردار ہیں، سوائے دو خاندانوں حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے۔“^③

مجدد اقصیٰ میں قوم کو دعوت توحید

حضرت حارث اشعریؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ پانچ باتوں پر عمل کریں اور بنی اسرائیل سے بھی ان پر عمل کرنے کو کہیں۔“ آپ سے کچھ دیر ہوگئی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ سے فرمایا: ”آپ کو پانچ احکامات دیے گئے تھے کہ ان پر عمل کریں اور بنی اسرائیل کو ان پر عمل کرنے کا حکم دیں۔“ یا تو آپ انہیں یہ احکامات پہنچادیں ورنہ میں پہنچا دوں گا۔“ انہوں نے فرمایا: ”بھائی جان! مجھے ڈر لگتا ہے کہ اگر آپ نے مجھ سے پہلے یہ احکام انہیں سنائے تو اللہ تعالیٰ مجھے سزا دے گا یا زمین میں دھنسا دے گا۔“

چنانچہ یحییٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو مسجد اقصیٰ میں جمع کیا حتیٰ کہ مسجد بھر گئی۔ پھر آپ اونچی جگہ پر تشریف فرما ہوئے اور اللہ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ باتوں پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ بھی حکم دیا ہے کہ تم لوگوں کو ان پر عمل کرنے کا حکم دوں۔“

① اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرو۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کسی شخص نے خالص اپنی ملکیت

① تفسیر الطبری: 73/9 تفسیر سورة مريم: آیت: 16: 17

② تفسیر الطبری: 348/3 تفسیر سورة آل عمران: آیت: 39

③ جامع الترمذی: المنافع باب مناقب أبي محمد الحسن بن علي..... حدیث: 3768 و مسند أحمد: 3/3 [ولیس عندہما الجزء الثاني من الحديث]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَحَنَانًا مِّنَ لَّدُنَّا﴾ ”اور اپنے پاس سے شفقت“، یعنی ہم نے حضرت ذکر اللہ پر رحمت کی کہ انہیں حضرت یحییٰ علیہ السلام عطا فرمائے۔ مکرّمہ ہفتہ فرماتے ہیں: شفقت یعنی محبت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام لوگوں پر ترس کھاتے تھے اور خاص طور پر اپنے والدین سے شفقت و محبت کا اظہار کرتے تھے اور ان سے حسن سلوک کرتے تھے۔ ﴿وَوَكَلُوهُ﴾ ”اور پاکیزگی بھی عطا فرمائی۔“ یعنی عمدہ اخلاق، بری عادات سے مبرا ہوا بقولنا تعالیٰ کہ ادکام کی قیام اور ممنوع کاموں سے اجتناب۔ یہ سب پاکیزگی میں شامل ہے۔ ﴿وَوَكَلُوهُ الْيَدَيْنَيْنِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا﴾ ”اور وہ اپنے باپ سے نیک سلوک کرنے والا تھا۔“ و مرش اور گناہ گار نہ تھا۔ (مریم: 14/19) پھر فرمایا: ﴿وَسَلِّمْ عَلَيْهِ يَوْمَ دُحُولِهِ وَيَوْمَ يَوْمُوتِ وَيَوْمَ يُعْطَىٰ حِجَابًا﴾ ”اس پر سلام ہے جس دن وہ پیدا ہوا، جس دن فوت ہوگا اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔“ (مریم: 15/19) یہ تین مراحل انسان کے لیے بڑے کٹھن ہیں۔ ان موقعوں پر وہ ایک جہان سے دوسرے جہان میں منتقل ہوتا ہے۔ وہ پہلے جہان سے مانوس ہو چکا ہوتا ہے، پھر اسے چھوڑ کر دوسرے جہان میں جانا پڑتا ہے جس کے بارے میں اسے کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ وہاں کیا حالات پیش آنے والے ہیں؟ اس لیے جب وہاں کے جسم سے جدا ہوتا ہے تو روتا اور چیختے اور غم و فکرات کا سامنا کرنے کے لیے اس جہان میں منتقل ہو جاتا ہے۔

اسی طرح جب وہ اس جہان سے منتقل ہوتا ہے تو بزرگ کے جہان میں پہنچ جاتا ہے جو دنیا اور آخرت کے درمیان کی منزل ہے۔ وہ قبرستان کی خاموش دنیا کا باشندہ بن جاتا ہے۔ وہاں وہ دوبارہ اٹھنے کے لیے صومچشر کا منتظر ہوتا ہے۔ پھر کوئی خوش اور مسرور ہوگا، کوئی حزان و غم سے چور ہوگا، یعنی ایک گروہ جنت میں خوشیوں سے سرشار ہوگا اور ایک گروہ جہنم کے عذابوں میں گرفتار ہوگا۔^①

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

وَلَدُنْكَ أَتُفَّ بِكَ مَسْخَرَحًا وَالنَّاسُ خَوْلُكَ يَبْخُخُونَ سُرُورًا

فَاخْبِرْهُ لِيَسْلِفَ أَنْ تَكُونَ إِذَا بَكَوْا فَيَسِيْ يَوْمَ مَسْؤَلِكَ ضَاجِكًا مَسْرُورًا

”تیری ماں نے تجھے جنم دیا تو دور رہا تھا، رنج و ربا تھا اور تیرے آس پاس لوگ خوش رہے تھے۔ تو اپنے لیے کوشش کر کہ تیرے مرنے کے دن وہ دور ہے ہوں، تو خوش ہو اور مفسر نہ ہو۔“

انسان کے لیے یہ تین مواقع دشوار ترین ہوتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان تینوں مقامات پر حضرت یحییٰ علیہ السلام عطا فرمائی اور فرمایا: ﴿وَسَلِّمْ عَلَيْهِ يَوْمَ دُحُولِهِ وَيَوْمَ يَوْمُوتِ وَيَوْمَ يُعْطَىٰ حِجَابًا﴾ ”اس پر سلام ہے جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ مرے گا اور جس دن وہ زندہ کر کے اٹھایا جائے۔“ (مریم: 15/19)

① تفسیر الطبری: 74/73 تفسیر سورة مريم: آیت: 16: 17

حضرت یحییٰ علیہ السلام کا زہد و تقویٰ

علماء نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام بہت زیادہ تنہائی پسند تھے۔ آپ جنگلوں میں چلے جاتے۔ درختوں کے پتے کھاتے اور چشموں کا پانی پیتے۔ پھر فرماتے: ”یحییٰ! تجھ سے زیادہ لغتیں کسے حاصل ہیں؟“

وہ بین ہن ورد بخشت سے روایت ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام تین دن تک حضرت زکریا علیہ السلام سے گم رہے۔ آپ ان کی تلاش میں جنگل کی طرف گئے تو دیکھا کہ آپ نے ایک قبر کھود رکھی ہے اور اس میں کھڑے ہو کر آدھیں دیکھ رہے ہیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا: ”بیٹا! میں تین دن سے تیری تلاش میں ہوں اور تو یہاں قبر کھود کر اس میں کھڑا رہ رہا ہے؟“

حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا: ”ابا جان! آپ ہی مجھے بتایا تھا کہ جنت اور جہنم کے درمیان ایک طویل فاصلہ ہے جو صرف آنسوؤں کی مدد سے طے ہو سکتا ہے۔“ آپ نے فرمایا: ”جی ہاں بیٹا! درو! توبہ دو توں رو پرے۔“

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام بمشقت روتے تھے اور مسلسل رونے کی وجہ سے ان کے رخساروں پر نشان پڑ گئے تھے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت: حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کے کئی اسباب بیان کیے گئے ہیں۔ زیادہ مشہور واقعہ یہ ہے کہ اس زمانے کا دمشق کا بادشاہ کسی ایک عورت سے نکاح کرنا چاہتا تھا جس سے نکاح کرنا اس کے لیے شرعاً جائز نہ تھا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے منع کیا تو عورت ناراض ہو گئی۔ جب اس نے زسوس کیا کہ بادشاہ اس پر فریفتہ ہو چکا ہے تو اس نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کی فرمائش کر دی۔ بادشاہ نے ایک آدمی بھیجا جو آپ کو شہید کر کے آپ کا سر اور آپ کا خون ایک تھال میں ڈال کر لے آئے اور ملکہ کے سامنے پیش کر دیا۔ ملکہ غوراً دیکھا کہ آپ نے انکار کر دیا۔ ایک سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ملکہ حضرت یحییٰ علیہ السلام پر عاشق ہو گئی اور آپ سے گناہ کا مطالبہ کیا۔ آپ نے انکار کر دیا۔ جب وہ مایوس ہو گئی تو بادشاہ سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو مانگ لیا۔ بادشاہ نے پہلے انکار کیا۔ لیکن آخر کار اس کی بات مان لی۔ اس نے ایک آدمی بھیجا جو آپ کو شہید کر کے آپ کا سر اور آپ کا خون ایک تھال میں ڈال کر لے آیا۔

شہدہ بن عویصہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ بیت المقدس میں موجود صحرہ (چٹان) پر ستر بنی شہید کیے گئے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام بھی ان میں شامل ہیں۔ حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے ”المستقصی فی فضائل الأفضی“ میں ایک اور واقعہ بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دمشق کے بادشاہ ”ہداد بن ہداد“ نے اپنے بیٹے کی شادی اس کی چچا زاد اہل سے کر دی جو ”صیدا“ کی ملکہ تھی۔ اس نے اپنی بیوی کو تین طلبا دیے دی تھیں۔ پھر رجوع کرنا چاہا تو حضرت یحییٰ علیہ السلام سے فتویٰ پوچھا۔ آپ نے فرمایا: ”یہ حلال نہیں۔“ عورت ناراض ہو گئی اور اپنی ماں کے مشورے سے بادشاہ سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر کاٹ کر لانا کا مطالبہ کر دیا۔

کے سونے یا چاندی کے عوض ایک غلام خرید لیا۔ وہ غلام کام کرتا تھا اور کمائی کی رقم اپنے آقا کے سوا کسی اور کو دے دیتا تھا۔ تم میں سے کس کو یہ بات پسند ہے کہ اس کا غلام اس طرح کا ہو؟ اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہیں رزق دیا ہے، لہذا تم اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو۔

② میں تمہیں نماز کا حکم دیتا ہوں۔ جب نیک بندہ ادھر ادھر توجہ نہ کرے، اللہ تعالیٰ بھی (نمازی) کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ اس لیے نماز پڑھتے وقت ادھر ادھر نہ دیکھو۔

③ میں تمہیں روزے رکھنے کا حکم دیتا ہوں۔ اس عمل کی مثال ایسے ہے جیسے لوگوں کے مجمع میں ایک شخص کے پاس قبلی میں کسٹوری ہو اور ہر کسی کو اس کی خوشبو آ رہی ہو۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں روزہ دار کے منہ کی بو کسٹوری کی خوشبو سے زیادہ پاکیزہ ہے۔

④ میں تمہیں صدقہ کا حکم دیتا ہوں۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کسی کو دشمنوں نے پکڑ کر اس کے ہاتھ اس کی گردن کے ساتھ باندھ دیے ہوں اور اسے قتل کرنے کے لیے (مقتل کی طرف) لے جا رہے ہوں۔ وہ ان سے کہتا ہے: کیا میں تمہیں اپنی جان کا فدیہ نہ دوں؟ وہ اپنی ہر کٹوری زیادہ چیز فدیہ میں دے کر ان سے جان چھڑا لیتا ہے اور وہ اسے رہا کر دیتے ہیں۔

⑤ میں تمہیں اللہ کا ذکر کثرت سے کرنے کا حکم دیتا ہوں۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے ایک آدمی کے دشمن تیزی سے اس کا تعاقب کر رہے ہوں، اچانک اسے مضبوط قلعہ نظر آ جائے اور وہ اس میں داخل ہو کر محفوظ ہو جائے۔ بندہ بھی شیطان سے سب سے زیادہ محفوظ اس وقت ہوتا ہے جب وہ اللہ کے ذکر میں مشغول ہوتا ہے۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں بھی تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں، جن کا حکم مجھے اللہ نے دیا ہے: ① اجتماعیت کے ساتھ رہنا۔ ② (شرعی امیر) کا حکم توجہ سے سننا۔ ③ حکم کی تعمیل کرنا۔ ④ ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ۔ جو شخص اجتماعیت سے باشت بھر جائے (یعنی گروں سے اسلام کا قیادہ اتار چھینے لگے) الا یہ کہ وہ بارہ (اجتماعیت کے دائرے میں) آجائے اور جو جاہلیت کی باتوں کی طرف بلاتا ہے وہ جہنم کا امیندہ ہے۔“

صحابی نے عرض کی: اللہ کے رسول! خواہ وہ نماز، روزے کا پابند ہو اور خود کو مسلمان سمجھتا ہو؟ فرمایا: ”اگرچہ وہ نماز روزے کا پابند ہو اور خود کو مسلمان سمجھتا ہو۔ مسلمانوں کو انہی ناموں سے پکارو جو اللہ نے رکھے ہیں، یعنی مسلمین، مؤمنین، اللہ عزوجل کے بندے۔“ ⑥

بادشاہ نے ایک شخص کو آپ کا سر کاٹ کر لانے کا حکم دیا تو وہ آپ کا سر ایک تھال میں رکھ کر لے آیا۔ جب آپ کا سر اس کے سامنے آ تو اس میں سے یہی آواز آرہی تھی۔ ”حلال نہیں، حلال نہیں“ آخر وہ عورت زمین میں دھنسا دی گئی۔

حضرت زکریاؑ طبعی انداز سے فوت ہوئے یا انہیں شہید کیا گیا؟ اس بارے میں علمائے کرام کی دو آراء ہیں:

حضرت وہب بن منہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے انہوں نے فرمایا: "آپ اپنی قوم سے بھاگ کر ایک درخت کے اندر چھپ گئے۔ دشمنوں نے آری لے کر درخت چیرنا شروع کر دیا۔ جب آری آپ کی پسلیوں تک پہنچی تو آپ

کے منہ سے کراہنے کی آواز نکلی۔ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی: اگر آپ کا کراہنا بند نہ ہوا تو میں پوری زمین کو تمام مخلوقات سمیت الٹ (کرتابہ کر) دوں گا۔ آپ نے فوراً کراہنا بند کر دیا حتیٰ کہ آپ کا جسم مبارک دو ٹکڑے ہو گیا۔“

حضرت وہبؓ: نبی سے ایک اور روایت ہے آپ نے فرمایا: ”درخت نے پھٹ کر پناہ حضرت شعبا علیہ السلام کو دی تھی۔ ذکر باعلیہ طبعی طور پر فوت ہوئے۔“ (واللہ اعلم)



حضرت یوشع علیہ السلام سے ملاقات کرتے اور ان سے نئے نازل ہونے والے احکام معلوم کیا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت یوشع علیہ السلام نے فرمایا: ”موسیٰ! آپ پر جو وحی نازل ہوا کرتی تھی، میں تو آپ سے دریافت نہیں کیا کرتا تھا حتیٰ کہ آپ خود اپنی مرضی سے مجھے بتا دیتے۔“ (آپ بھی مجھے نہ پوچھا کریں۔ میں خود ہی جب مناسب سمجھوں گا بتا دیا کروں گا۔) اس وقت موسیٰ علیہ السلام زندگی سے حیران ہو گئے اور آپ کا دل چاکا کو فٹ ہو جائیں۔ لیکن محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی یہ روایت درست نہیں کیونکہ موسیٰ علیہ السلام پر وفات تک وہی اور شرعی احکام کا نزول جاری رہا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ سے ہم کام ہونے کا شرف حاصل رہا۔ آپ اللہ کی نظر میں ہمیشہ محترم رہے۔

اگر محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات اہل کتاب سے نقل کی ہے تب بھی درست نہیں کیونکہ جس کتاب کو وہ تورات کہتے ہیں، اس میں بھی یہی مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حیات مبارکہ کے آخر تک حسب ضرورت وحی نازل ہوتی رہتی تھی۔

موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب تیسری کتاب ”لغتی“ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ بنی اسرائیل کے ہر قبیلے کی مردم شماری کریں اور ہر قبیلے کا ایک سردار (نقیب) مقرر کریں۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ جہارین سے مقابلے کی تیاری کریں جن سے میدان تیر میں ٹکفے کے بعد مقابلہ ہونے والا تھا۔ یہ اس دور کی بات ہے جب انہیں میدان تیر میں بھرتے ہوئے پالیس سال پورے ہونے کو تھے۔ اسی وجہ سے بعض علماء نے فرمایا ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کو تجھ پر اس لیے مار دیا تھا کہ آپ نے انہیں اس شکل میں پہچانا نہیں تھا اور یہ وجہ بھی تھی کہ آپ کو ایک کام کا حکم ملا تھا اور آپ کو یہ امتیہ تھی کہ وہ کام آپ کی زندگی میں پورا ہوگا (یعنی بیت المقدس کی فتح) لیکن اللہ کی تقدیر کا یہ فیصلہ تھا کہ یہ کام موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں پورا نہ ہو بلکہ آپ کے خادم حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے ہاتھوں پورا ہو۔

جس طرح رسول اللہ ﷺ نے شام کے رومیوں کے خلاف فوج کشی کا ارادہ فرمایا تھا اور آپ 9 ہجری میں تبوک تک فوج لے کر گئے لیکن اس سال واپس تشریف لے آئے۔ اگلے سال 10 ہجری میں آپ نے حج ادا فرمایا۔ حج سے واپس آ کر نبی کریم ﷺ نے شام بھیجنے کے لیے حضرت اسامہ بن جندب کا لشکر تیار فرمایا۔ اس لشکر کی شہیت آپ کے بڑے لشکر سے پہلے بھیجے جانے والے چھوٹے لشکر کی تھی۔ آپ خود بھی روانہ ہونے کا ارادہ رکھتے تھے تاکہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل ہو:

﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدْعُونَ إِلَى الْإِيمَانِ مِنَ الْحَقِّ بِمَا أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ﴾

”ان لوگوں سے لڑو جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے، جو اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ اشیا کو حرام

حضرت یوشع بن نون

نام و نسب اور قرآن وحدیث میں آپ کا تذکرہ

آپ کا نسب نامہ یوں ہے: یوشع بن نون بن افراتییم بن یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام اہل کتاب کہتے ہیں کہ یوشع علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چاشنین تھے۔

قرآن مجید میں آپ کا نام لیے بغیر آپ کا ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ میں ہے: ﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتْنَةٍ﴾ ”جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نوجوان سے کہا۔“ (الکہف: 60/18) اور مزید فرمایا: ﴿فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتْنَةٍ﴾ ”جب یہ دونوں وہاں سے آگے بڑھے تو موسیٰ نے اپنے نوجوان سے کہا۔“ (الکہف: 62/18) صحیح بخاری میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما سے مروی نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان مذکور ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نوجوان (خادم) یعنی یوشع بن نون علیہ السلام سے فرمایا۔ ﴿۱﴾

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی نبوت

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی نبوت اہل کتاب کے ہاں متفقہ طور پر مسلمہ ہے۔ سامری فرقہ کے یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد یوشع بن نون علیہ السلام کے سوا کسی نبی کی نبوت کے قائل نہیں کیونکہ تورات میں ان کی نبوت کا ذکر صراحت سے موجود ہے۔ وہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کا انکار کرتے ہیں، حالانکہ وہ بھی سچے نبی تھے اور گزشتہ وحی الہی کی تصدیق کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان مفکرین پر قیامت تک لعنتیں برساتا رہے۔

حافظ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے مفسرین نے امام محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات مبارکہ کے آخری ایام میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت حضرت یوشع علیہ السلام کی طرف منتقل کر دی گئی تھی، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام

یوشع علیہ السلام کا جہاد اور مجرے کا ظہور: اکثر علماء کی رائے کے مطابق حضرت ہارون علیہ السلام میدان تیرے میں اپنے بھائی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دو سال پہلے فوت ہو گئے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام بھی میدان تیرے میں فوت ہو گئے۔ ان کو سمجھائے جینا سے بیت المقدس لانے والے حضرت یوشع علیہ السلام تھے۔ بائبل میں مذکور ہے کہ یوشع علیہ السلام نے ان کے ساتھ دریائے اردن پار کیا اور اریحہ کے شہر میں تشریف لائے۔ (کتاب: یوشع)

اریحہ ایک خوبصورت شہر تھا جس میں بڑی بڑی عمارتیں اور کثیر آبادی تھی۔ آپ نے چھ مہینے تک محاصرہ کیے رکھا۔ آخر ایک دن آپ کی فوج نے شہر کو چاروں طرف سے گھیر کر زمین گھاس بھاس کر ایک آواز کو کھرچ کر بکسیر لگایا تو شہر کی فصیل ٹوٹ کر گر پڑی۔ وہ فاتحانہ طور پر شہر میں داخل ہو گئے اور بہت سامانِ غنیمت حاصل کیا۔ انہوں نے بارہ ہزار مردوں اور عورتوں کو قتل کیا۔ علمائے کرام بیان کرتے ہیں کہ آپ کا محاصرہ جمعہ کے دن عصر کے بعد تک جاری رہا۔ سورج غروب ہونے کے قریب پہنچ گیا اور سب شروع ہوئے والا تھا جس کا احترام اس وقت ان پر واجب ہو چکا تھا۔ یوشع علیہ السلام نے سورج سے کہا: "تو بھی حکم کا پابند ہے اور میں بھی حکم کا پابند ہوں۔ یا اللہ! اسے (غروب ہونے سے) (روک دے)۔" اللہ تعالیٰ نے سورج کو روک دیا حتیٰ کہ آپ نے شہر فتح کر لیا اور اللہ نے چاند کو حکم دیا تو وہ طلوع ہو کر کھڑا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے مینے کی چودویں رات تھی۔ سورج کے رک جانے کا واقعہ حدیث میں موجود ہے جو عقرب پر بیان کی جائے گی۔ البتہ چاند کا ذکر صرف اہل کتاب کے ہاں ملتا ہے۔ بہر حال یہ حدیث کے خلاف نہیں۔ لہذا ہم اسے نتج کہتے ہیں جو محض قرار دیتے ہیں۔ لیکن یہ کہنا مکمل نظر ہے کہ یہ واقعہ اریحہ کی فتح کے دوران میں پیش آیا۔ زیادہ امکان یہ ہے کہ بیت المقدس کی فتح کے دوران میں پیش آیا جو جو اصل مقصود تھا۔ اریحہ کی فتح تو اس کا محض ذریعہ تھا۔ (واللہ اعلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سورج کسی انسان کے لیے نہیں روکا گیا، صرف یوشع علیہ السلام کے لیے روکا گیا جب انہوں نے بیت المقدس کی طرف سفر کیا تھا۔" ①

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حدیث ضعیف ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک بار نبی ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھٹنے پر سر رکھ کر سو گئے حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عصر کی نماز فوت ہو گئی۔ نبی کریم ﷺ کے بیدار ہونے پر آپ نے درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ سے سورج کے پلٹ آنے کی دعا کریں تاکہ وہ عصر کی نماز (بروقت) ادا کر سکیں۔ نبی کریم ﷺ کی دعا سے سورج پلٹ آیا۔ یہ حدیث صحیح حدیثوں کے کسی مجموعے میں ہے نہ حسن حدیثوں میں ہے۔ پھر یہ واقعہ ایسا ہے کہ جو کثرت سے روایت ہونا چاہیے تھا لیکن اسے روایت کرنے والی صرف "اہل بیت کی ایک خانوادہ" ہیں، جن کا نام اور حالات معلوم نہیں۔

① مسند احمد: 325/2

② حضرت موسیٰ فوت ہوئے تو انہیں بڑا پہاڑ پھرنی کیا گیا جسے اریحہ میں "سرخ نیل" کہا گیا ہے۔ یہ پہاڑ بحیرہ مردار کے شمال مشرق میں اردن میں ہے۔ (طلس القرآن ردود اور الاسام: ۱۳۶-۱۳۷)

اسمِ عظیم کا جانتا تھا جس کے ساتھ کی ہوئی بردعا قبول ہوتی ہے۔ اس کی قوم نے اس سے مطالبہ کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آپ کی قوم کے خلاف بدعا کرے۔ اس نے انکار کر دیا۔ جب ان لوگوں نے اصرار کیا تو وہ اپنی گدھی پر سوار ہو کر بنی اسرائیل کے لشکر کی طرف چل پڑا۔ جب وہ ان کے قریب پہنچا تو گدھی پیٹھ لگی۔ اس نے اسے مارا پینا تو وہ کھڑی ہو گئی لیکن جھوڑا سا چل کر پھر پیٹھ لگی اس نے پہلے سے زیادہ مارا تو وہ ابھی پھر پیٹھ لگی اس نے پھر مارا تو اللہ کی قدرت سے وہ بولنے لگی۔ اس نے کہا: "یلعام! تو کہاں جا رہا ہے؟ کیا تو نہیں دیکھتا کہ فرشتے مجھے اس طرف جانے سے روک رہے ہیں؟ کیا تو اللہ کے نبی اور مومنوں کو بدعا دے گا؟" وہ پھر بھی گدھی سے نازا لگتا اسے مارتا رہتا حتیٰ کہ وہ چل پڑی۔ جب وہ "حسان" کے پہاڑ کے اوپر پہنچا اور موسیٰ کو اور مومنوں کو دیکھا تو بدعا کرنے لگا لیکن اس کی زبان اس کے کاہلوں میں نہری۔ اس سے موسیٰ علیہ السلام اور مومنوں کے حق میں بدعت لگنے لگی اور خود اس کی قوم کے لیے بدعت لگنے لگی۔ لوگوں نے اسے ملامت کی تو اس نے کہا: "میں کیا کر سکتا ہوں؟ میری زبان سے یہی کچھ نکلتا ہے؟"

اسی وقت اس کی زبان لمبی ہو گئی حتیٰ کہ سینے پر لٹک آئی۔ تب اس نے اپنی قوم سے کہا: "میری تو دنیا بھی تباہ ہو گئی اور آخرت بھی۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے خلاف کفر فریب ہی سے کام کیا جا سکتا ہے۔"

پھر اس نے اپنی قوم سے کہا کہ اپنی عورتوں کو خوب زیب و زینت کروا کے کچھا کچھا شادے کے بیچنے کے لیے بنی اسرائیل کے لشکر میں بھیجیں۔ وہ مردوں کو اپنی طرف مائل کریں۔ اگر بنی اسرائیل کا ایک شخص بھی بدکا میں ملوث ہو گیا تو تمہیں لڑائی کی ضرورت نہ رہے گی۔ (یعنی گناہ کے نتیجے میں ان پر اللہ کا عذاب آجائے گا)۔ انہوں نے اس مشورے پر عمل کرتے ہوئے اپنی عورتوں کو زیب و زینت کروا کے لشکر میں بھیج دی۔ ان میں سے ایک عورت کا نام "کاسم" تھا۔ وہ ایک اسرائیلی سردار "زمری بن شلوم" کے پاس سے گزری۔ وہ قبیلہ بنی شمعون کا سردار تھا۔ وہ اس عورت کو اپنے خیمے میں لے گیا۔ جب اس نے اس کے ساتھ خلوت کی تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر طاعون کی وبا بھیج دی۔ جب فحاص بن البعور بن ہارون علیہ السلام کو اس واقعہ کا علم ہوا تو اس نے اپنی لوہے کی برجھی بکڑی اور ان کے خیمے میں گھس کر دونوں کو اس میں پر دیا۔ وہ انہیں اسی حال میں لے کر باہر نکلا۔ اس نے اپنے پہلو کے سہارے سے ان کو برجھی پر اٹھایا، آسان کی طرف بلند کیا اور کہا: "یا اللہ! ہم تیرے نافرمانوں کے ساتھ یہی سلوک کرتے ہیں۔"

تب وبا ختم ہو گئی۔ اس دوران میں ستر ہزار آدمی مرے۔ بعض علماء نے مرنے والوں کی تعداد میں ہزار بتائی ہے۔ فحاص اپنے باپ البعور کا پہلوتا تھا، اس لیے بنی اسرائیل قربانی کے جانور کی گردن، بازو اور جڑے کا گوشت فحاص کی اولاد کے لیے مخصوص کر دیتے اور مومنین میں سے پہلو تاپچان کو دیتے۔

① ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا بیان کہ وہ بنی اسرائیل میں سے تھا۔ اس کی تائید بائبل سے بھی ہوتی ہے۔

کے ساتھ اللہ کی تعریف اور شکر کر رہے تھے۔ آپ کا سر مبارک اس قدر جھکا ہوا تھا کہ ڈاڑھی کچاؤ کو چھو رہی تھی۔ آپ اللہ کے سامنے غرور و نیاز کا اظہار فرما رہے تھے جبکہ آپ کے ساتھ پورے طور پر مسلح ایک لشکر جبار تھا، بالخصوص وہ دست جسے ”خضر“ کا نام دیا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ خود اس کے درمیان موجود تھے۔ پھر جب آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہو چکے تو غسل فرما کر آٹھ رکعت نماز ادا کی۔^①

علماء کا مشہور قول یہی ہے کہ نبی ﷺ نے وہ نماز فتح پر شکرمانے کے طور پر ادا فرمائی تھی۔ بعض علماء کرام نے اسے غنمی (چاشت) کی نماز قرار دیا ہے۔ ان حضرات نے یہ موقف غالباً اس لیے اختیار کیا ہے کہ یہ نماز غنمی (چاشت) کے وقت ادا کی گئی تھی۔

اس کے برعکس بنی اسرائیل کو جو حکم دیا گیا تھا، انہوں نے قوی اور عملی طور پر اس کی خلاف ورزی کی۔ وہ سرین کے بل گھستے ہوئے شہر کے دروازے میں داخل ہوئے اور ان کی زبان پر شکر و استغفار کے کلمات کی بجائے یہ (بے معنی) الفاظ تھے: [حَبَّتْ فِی شَعْرَةٍ اَبَالٌ مِّنْ دَانٍ] [حَصَّةٌ فِی شَعْرَةٍ] ”بال میں گندم۔“

خاصہ یہ کہ انہیں جو حکم دیا گیا تھا، انہوں نے اس کو تبدیل کیا اور اس کا مذاق اڑایا۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ اعراف میں ان کا واقعہ بیان فرمایا:

﴿وَإِذْ قِيلَ لَهُمْ اسْكُنُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَذَلُّوا حَصَصَةَ ۚ وَأَدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّعْبُدُكُمْ ۖ خَطِيئَتَكُمْ وَسَبِّحُوا الْحُسَيْنِينَ ۚ قَبِلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رَجُوزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْكُرُونَ ۝۶﴾

”اور جب ان کو حکم دیا گیا کہ تم لوگ اس آبادی میں جا کر رہو اور کھاؤ اس سے جس جگہ تم رغبت کرو اور دروازے میں سے یہ کہنے کا نام لے کر رہو اور سجدہ کرتے ہوئے دروازہ میں داخل ہونا تمہاری خطا میں معاف کر دیں گے۔ جو لوگ نیک کام کر رہے ہیں ان کو مزید دیں گے چنانچہ ان ظالموں نے بدل کر ایک اور نیک کہا جو خلاف تھا اس نیک کے جو انہیں بتایا گیا تھا اس پر ہم نے ان پر ایک آفت ساری بھیجی اس وجہ سے کہ وہ حکم کو ضائع کرتے تھے۔“

(الأعراف: 161/162)

اور سورہ بقرہ میں ان کو مخاطب کر کے کیا گیا۔

﴿وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا ۚ وَأَدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا ۚ وَذَلُّوا حَصَصَةَ ۚ نَعْبُدُكُمْ ۖ وَسَبِّحُوا الْحُسَيْنِينَ ۚ قَبِلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رَجُوزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝۶﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ایک نبی جہاد کے لیے جانے لگا تو اپنی قوم سے فرمایا: وہ آدمی میرے ساتھ نہ آئے جس نے کسی عورت سے نکاح کیا ہے اور اس سے غلط کرنا چاہتا ہے لیکن ابھی غلط نہیں کی۔ وہ آدمی بھی نہ آئے جس نے کوئی عمارت بنائی ہے، لیکن ابھی چھت نہیں ڈالی۔ وہ بھی نہ آئے جس نے مکر یا یا حاملہ اونٹنیاں خریدی ہیں اور اسے ان کے بچے پیدا ہونے کا انتظار ہے۔“

رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”اے نبی ﷺ نے جنگ کی اور شہر کے قریب اس وقت پہنچے جب آپ نے عصر کی نماز پڑھ لی تھی یا اس کے قریب (عصر کے بعد) کا وقت تھا۔ آپ نے سورج سے کہا: تو بھی حکم کا پابند ہے اور میں بھی حکم کا پابند ہوں۔ یا اللہ! اسے کچھ دیر کے لیے (غروب ہونے سے) روک دے چنانچہ سورج رک کر باہمی کھینچ حاصل ہو گئی۔ تب انہوں نے نینت کا مال جمع کیا۔ آگ سے جلانے لگیں جلائے بغیر پلٹ گئی۔ تب انہوں نے فرمایا: تم لوگوں نے خیانت کی ہے، (کچھ غنیمت چھپائی ہے اس لیے تمہارا جہاد قبول نہیں ہو رہا) لہذا ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی مجھ سے بیعت کرے۔ انہوں نے بیعت کی تو ایک (قبیلہ کے نمائندہ) آدمی کا ہاتھ نبی کے ہاتھ سے چپک گیا۔ آپ نے فرمایا: خیانت تمہارے ہی اندر ہے۔ تیرا پورا قبیلہ مجھ سے بیعت (اور مصافحہ) کرے۔ اس کے قبیلہ (تمام افراد) نے بیعت کی تو دو تین آدمیوں کے ہاتھ چپک گئے۔ نبی نے فرمایا: خیانت کا مال تمہارے پاس ہے تم نے ہی خیانت کی ہے۔ اس پر انہوں نے گائے کے سر جتنا سونے کا ڈال ڈالا اور اسے میدان میں دوسرے مال نینت کے ساتھ رکھ دیا۔ تب آگ آئی اور اسے جلا گئی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہم سے پہلے لوگوں کے لیے نینت کا مال حلال نہیں تھا۔ اللہ نے ہماری کمزوری دیکھ کر اسے ہمارے لیے حلال کر دیا۔“^①

قوم کی نافرمانی پر عذاب الہی

بہر حال جب آپ اپنے لوگوں کے ساتھ شہر کے دروازے پر پہنچے تو انہیں حکم دیا گیا کہ شہر میں سجدہ کرتے ہوئے یعنی عاجزی کے ساتھ رکوع کی حالت میں جھک کر داخل ہوں اور اس طرح اللہ کا شکر ادا کریں کہ اس نے انہیں وہ عظیم فتح عطا فرمائی جس کا ان سے وعدہ کیا تھا اور وہ شہر میں داخل ہوئے وقت کہیں: ﴿حَصَّةٌ﴾ یعنی ہماری گزشتہ غلطیاں معاف فرمادے، یعنی حکم کی قیل میں اس سے پہلے جو کوتاہی ہوئی وہ معاف فرمادے۔

رسول اللہ ﷺ جب فتح مکہ کے موقع پر شہر میں فاتحانہ داخل ہوئے اس وقت آپ اپنی اونٹنی پر سوار تھے، اور عاجزی

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی وفات

جب بیت المقدس پر بنی اسرائیل کا قبضہ ہو گیا تو وہ وہاں مقیم رہے۔ ان میں اللہ کے نبی حضرت یحییٰ علیہ السلام موجود تھے جو اللہ کی کتاب تورات کے مطابق ان پر حکومت کرتے رہے حتیٰ کہ وہ فوت ہو گئے۔ وفات کے وقت ان کی عمر ایک سو ستائیس سال تھی۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ستائیس سال زندہ رہے۔



”اور ہم نے تم سے کہا کہ اس ہستی میں جاؤ اور جو کچھ جہاں کہیں سے چاہو با فراغت کھاؤ پو اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے گزرو اور زبان سے [حِطَّة] کہو! ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے اور نیکی کرنے والوں کو زیادہ دیں گے۔ پھر ان ظالموں نے اس بات کو جو ان سے کہی گئی تھی، بدل ڈالا۔ ہم نے ان ظالموں پر ان کے فسق و نافرمانی کی وجہ سے آسمانی عذاب نازل کیا۔“ (البقرہ: 58/59)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ﴿وَاَدْخُلُوا الْبَابَ سَجْدًا﴾ ”سجدہ کرتے ہوئے دروازہ میں داخل ہونا۔“ اس کا مطلب یہ ہے کہ چھوٹے دروازے سے جھکے جھکے (رکوع کی حالت میں) داخل ہونا۔“

علاء سندی اور ضحاک رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: ”دروازے سے مراد بیت المقدس کے شہر کا دروازہ ہے۔“

سکرمہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ”وہ لوگ حکم کے خلاف سر اٹھائے (اُکڑتے) ہوئے داخل ہوئے۔“

یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے خلاف نہیں ہے کہ وہ لوگ سرین کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ دروازے میں سے گزرتے وقت سرین کے بل گھسٹ رہے تھے اور انہوں نے مراد پر اٹھا رکھے تھے۔ اور کہو: ﴿حِطَّة﴾ ”توبہ ہے۔“ اس کا مطلب یہ ہے کہ سجدہ کرتے ہوئے اس انداز میں داخل ہو کہ تمہاری زبان پر استغفار اور توبہ کے الفاظ ہوں۔

حضرت ہمام بن منکبہ رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا: ﴿وَاَدْخُلُوا الْبَابَ سَجْدًا﴾ اَوْ قُولُوا حِطَّةً نَغْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَتَكُمْ“ ”دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو اور کہو: معاف فرما! ہم تمہاری غلطیاں معاف کر دیں گے۔“ انہوں نے (الفاظ کو) تبدیل کر دیا۔ وہ سرین کے بل گھسٹتے ہوئے دروازے میں داخل ہوئے اور کہا: (حِطَّةٌ فِي شَفَرَةٍ) ”ہال میں دانہ“

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اس نے اس حکم عہد کی کسر کے طور پر ان پر عذاب نازل کیا، یعنی طاعون کی وبا بھیج دی۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”یہ بیماری (یعنی طاعون) عذاب ہے جس کے ذریعے سے تم سے پہلی کچھ امتوں کو سزا دی گئی تھی۔“

① تفسیر الطبری: 433/1، 434 تفسیر سورة البقرة آیت: 59

② صحیح البخاری: أحادیث الأنبياء: باب: حديث: 3403 و صحیح مسلم: التفسیر: باب في تفسیر آیات متفرقة: حديث: 3015

③ مسند أحمد: 1/193، صحیح البخاری: أحادیث الأنبياء: باب: حديث: 3473 و صحیح مسلم: السلام: باب الطاعون: حديث: 2218

وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا ۚ قَالَ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا ۚ قَالَ فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ وَحَتَّىٰ أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۚ ﴿٦٧﴾

”جو علم آپ کو (اللہ کی طرف سے) سکھایا گیا ہے اگر آپ اس میں سے مجھے کچھ بھلائی (کی باتیں) سکھائیں تو میں آپ کے ساتھ رہوں۔ (خضر نے) کہا کہ تم میرے ساتھ رہ کر عبرتیں کر سکو گے اور جس بات کی تمہیں خبری نہیں اُس پر میرے کبیرے ہو؟ (موسیٰ نے) کہا: اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کے ارشاد کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔ (خضر نے) کہا: اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہو تو (شرط یہ ہے کہ) مجھ سے کوئی بات نہ پوچھنا جب تک میں خود اس کا ذکر تم سے نہ کروں۔“ (الکہف: 67-66/18)

اگر حضرت خضر علیہ السلام نبی نہ ہوتے بلکہ ولی ہوتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس انداز سے جواب نہ دیتے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان سے ہم سفر ہونے کی اجازت اس لیے مانگی تھی تاکہ ان سے وہ علم حاصل کر سکیں جو اللہ نے انہیں خاص طور پر عطا فرمایا تھا۔ اگر وہ نبی نہ ہوتے تو معصوم بھی نہ ہوتے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام جیسے عظیم نبی اور رسول، جو بلاشبہ معصوم عن الخطا تھے، وہ ایک غیر معصوم ولی کے علم کے اس قدر مشتاق نہ ہوتے اور ان سے ملاقات کرنے کے لیے انہیں تلاش کرنے کی مشقت برداشت نہ کرتے۔ پھر جب ملاقات ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کا احترام کیا اور ان کے علم سے استفادہ کرنے کے لیے ان کے ساتھ رہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی موسیٰ علیہ السلام کی طرح نبی تھے۔ دونوں پر وحی نازل ہوتی تھی۔ صرف یہ بات ہے کہ انہیں بعض ایسے علوم و اسرار عطا فرمائے گئے تھے جن سے اللہ نے اپنے تعلیم اور نبی اسرار کیلئے عظیم نبی موسیٰ علیہ السلام کو مطلع نہیں فرمایا تھا۔ ربانی نے حضرت خضر علیہ السلام کے نبی ہونے کی یہی دلیل ذکر کی ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام نے لڑکے کو قتل کر دیا۔ یہ کام اللہ کی طرف سے وحی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اس لحاظ سے یہ آپ کی نبوت اور عصمت کی ایک مستقل دلیل ہے کیونکہ ولی دل میں ڈالے جانے والے خیال اور الہام کی بنیاد پر کسی کو قتل نہیں کر سکتا۔ اس کے دل کا خیال معصوم نہیں کیونکہ اس بات پر امت کا اتفاق ہے کہ ولی سے غلطی کا صدور ممکن ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے وہ نابالغ لڑکے کو قتل کر دیا کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ اگر وہ بڑا ہوا تو کافر ہوگا اور اس کے ماں باپ بھی اس سے محبت کی وجہ سے کفر میں مبتلا ہو جائیں گے۔ چنانچہ اس کے قتل کا فائدہ اس کے زندہ رکھنے سے زیادہ تھا، اس طرح اس کے والدین کفر کے ارتکاب اور کفر کی سزا سے محفوظ رہے۔ اس سے آپ کی نبوت اور عصمت ثابت ہوتی ہے۔ امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی دلیل کی بنیاد پر حضرت خضر علیہ السلام کو نبی تسلیم کیا ہے۔

جب حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے کاموں کی حقیقت بتائی اور ان کی حکمت واضح کی تو فرمایا:

حضرت خضرؑ

وجہ تسمیہ اور دلائل نبوت

حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں پہلے بیان ہو چکا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان سے علم حاصل کرنے کے لیے سفر کیا تھا۔ ان کا واقعہ سورہ کہف میں بیان ہوا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ان کا نام خضر اس لیے ہوا کہ ایک بار وہ سفید خشک گھاس پر بیٹھے تھے۔ جب اُٹھے تو دیکھا کہ گھاس سبز [خضر] ہوا۔“ (بخاری: 3400 و صحیح ابن حبان: 38-39)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سفر کے واقعہ میں مذکور ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یوشع علیہ السلام اپنے نشانات قدم پر واپس چلے تو حضرت خضر علیہ السلام کو سمندر کے پانی پر سبز چادر پر لیٹے دیکھا۔ انہوں نے ایک کپڑا اوڑھ رکھا تھا جس کے کنارے سر اور قدموں کے نیچے دبائے ہوئے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے سلام کیا تو انہوں نے چہرے سے کپڑا ہٹا کر سلام کا جواب دیا اور فرمایا: ”اس علاقے میں سلام گھاس؟ آپ کون ہیں؟“ انہوں نے فرمایا: ”میں موسیٰ ہوں۔“ انہوں نے کہا: ”نبی اسرائیل کے نبی؟“ فرمایا: ”ہاں۔“ اس کے بعد وہ واقعات پیش آئے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمائے ہیں۔ اس واقعہ سے حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت کا کلی طرح سے ثبوت ملتا ہے:

۱. ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَوَجَدَا عَبْدًا مِنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِنْ عِندِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا ۚ﴾

”پھر ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جسے ہم نے اپنے پاس کی خاص رحمت عطا فرما رکھی تھی اور اسے اپنے پاس سے خاص علم سکھا رکھا تھا۔“ (الکہف: 65/18)

۲. حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا:

﴿هَلْ أَتَاكَ عَلَىٰ أَنْ تَعْلَمَ مِمَّا عَلَّمْتُ رُحْدًا ۚ قَالَ إِنَّكَ لَنْ تَسْطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۚ﴾

۱. صحیح البخاری: أحادیث الأنبياء، باب حديث الخضر مع موسى عليه السلام، حديث: 3400 و صحیح ابن حبان: 38-39

قَالَ فَاشْهَدُوا وَآنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ۖ

”اور جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور دانائی عطا کروں پھر تمہارے پاس کوئی پیغمبر آئے جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرے تو تمہیں ضرور اس پر ایمان لانا ہوگا اور ضرور اس کی مدد کرنی ہوگی اور (عہد لینے کے بعد) کو پچھا کہ بھلا تم نے اقرار کیا اور اس اقرار پر میرا ذمہ لیا (یعنی مجھے ضامن ٹھہرا) انہوں نے کہا: (ہاں) ہم نے اقرار کیا، (اللہ نے) فرمایا کہ تم (اس عہد و پیمان کے) گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔“ (ال عمران: 81/3)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی مبعوث فرمایا، اس سے وعدہ لیا کہ اگر اس کی زندگی میں محمد ﷺ مبعوث ہو جائیں تو اسے آپ پر ایمان لانا ہوگا اور آپ کی مدد کرنا ہوگی۔“^①
حضرت خضر علیہ السلام کو نبی تسلیم کیا جائے یا ولی قرار دیا جائے، وہ بہر حال اس عہد کے پابند ہیں اس لیے وہ اگر نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ کے دوران میں زندہ ہوتے تو ان کے لیے یہ انتہائی شرف کی بات تھی کہ وہ نبی ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل کرتے، آپ پر نازل ہونے والی شریعت پر ایمان لاتے اور ہر دشمن کے خلاف نبی کریم ﷺ کی مدد اور پاسبانی کرتے اور اگر وہ ولی ہیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان سے افضل ہیں اور اگر وہ نبی ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو تمہیں بھی میری جیروی کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔“^②
اگر حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہوتے تو..... اس حدیث سے اور آیت کریمہ سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ اگر تمام کے تمام انبیاء کرام علیہم السلام بغرض محال نبی ﷺ کے زمانہ مبارک میں بحیثیت ہوتے تو وہ سب آپ کے تابع فرمان اور آپ کی شریعت پر عمل پیرا ہوتے۔ جب رسول اللہ ﷺ شب معراج انبیاء کرام علیہم السلام سے ملے تو آپ کو ان سب سے بلند مقام تک رسائی ہوئی اور جب وہ زمین پر بیت المقدس میں جمع ہوئے اور نماز کا وقت ہوا تو اللہ کے حکم سے جبریل علیہ السلام آپ کو ان تمام کی امامت کرانے کی ہدایت کی۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ان کی اقامت گاہ (فلسطین) میں ان کے اقتدار کے مقام پر (بیت المقدس میں) امام بن کر ان کو نماز پڑھائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ ہی امام اعظم، رسول خاتم اور پیشوائے معظم ہیں۔ لاتعداد درود و سلام نازل ہوں ان تمام عظیم سیئوں پر اور ان کے امام پر بھی۔

”رَصَدَةً مِنْ رَبِّكَ وَمَا فَعَلْتُمْ عَنْ آمُرِي“ ”تیرے رب کی مہربانی اور رحمت سے (یہ سب کچھ ہوا۔) میں نے اپنی رائے سے کوئی کام نہیں کیا۔“ (الکہف: 82/18) یعنی میں نے یہ کام اپنی مرضی اور خواہش سے نہیں کیے بلکہ وحی کے احکام کی تعمیل کی ہے۔

ان دلائل سے حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت ثابت ہوتی ہے۔ جن لوگوں نے آپ کو ولی یا رسول قرار دیا ہے، نبوت کا قول اس کے منافی نہیں (کیونکہ رسالت بھی نبوت ہی کا ایک درجہ ہے اور نبوت ولایت کا اعلیٰ درجہ ہے۔) البتہ انہیں فرشتہ کہنے والوں کا قول درست نہیں اور جب آپ کی نبوت ثابت ہوگی تو ان لوگوں کی دلیل کا اعدام ہوگئی کہ ولی کو بعض اوقات ایسی چیزوں کا علم ہو جاتا ہے جو ظاہری شریعت والوں کو معلوم نہیں ہوتی۔

حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کیا حضرت خضر علیہ السلام آج تک زندہ ہیں؟ بعض علماء کا یہ موقف ہے کہ وہ زندہ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ طوفان نوح کے بعد جو شخص ان کی میت دفن کرے گا، اس کی عمر طولی ہو جائے۔ یہ دعا حضرت خضر علیہ السلام کے حق میں پوری ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ نے آپ حیات پیا تھا۔ چنانچہ آپ کو دائمی زندگی حاصل ہوگئی۔ وہ اس سلسلے میں بعض روایات پیش کرتے ہیں۔

امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”عحالة المنتظر فی شرح حالۃ الخضر“ میں ان احادیث کو بیان کر کے واضح کیا ہے کہ وہ سب موضوع ہیں۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم کے جن اقوال سے استدلال کیا جاتا ہے وہ بھی سب ضعیف ہیں۔

جو حضرات یہ موقف رکھتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں، ان میں امام بخاری، ابوالہریرہ حری، ابوالحسن بن السنادی اور ابن جوزی رحمہم وغیرہ شامل ہیں۔ ابن جوزی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”عحالة المنتظر“ میں اپنے موقف کے حق میں بہت سے دلائل پیش کیے ہیں۔ جن میں سے چند دلائل یہاں ذکر کیے جاتے ہیں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا جَعَلْنَا لِشَيْءٍ قَبْلَ أَنْ يَكُونَ مِنْ شَيْءٍ لَاحِظًا﴾ ”آپ سے پہلے کسی انسان کو کبھی ہم نے بھیق نہیں دی۔“ (الأنبیاء: 34/21) اگر حضرت خضر علیہ السلام انسان ہیں، تو وہ لازماً اس آیت کے عموم میں شامل ہیں اور اسائنات کے لیے صحیح دلیل کی ضرورت ہے جو موجود نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا کوئی ایسا فرمان موجود نہیں، جس سے ثابت ہو کہ حضرت خضر علیہ السلام اس عام قانون سے مستثنیٰ ہیں۔

دوسری دلیل ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِنْ بَيْنَاكَ الْبَيْعَ لَمَّا أَنْتَبَذْتُمْ مَنْ كَثِيبٍ وَجَهَكُمْ شَمًّا جَاءَكُمْ رَسُولٌ مَقْصُودٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصَرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَضْتُمْ وَآخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَضْنَا

اور تصب پر مبنی اقوال کی تردید کرتے مسلمانوں کے ساتھ نماز باجماعت، جہاد اور جہاد میں شریک ہوتے مسلمانوں کو فائدہ پہنچاتے اور ان کے مصائب دور کرنے کی کوشش کرتے، علماء اور حکام کی غلطیوں کو واضح کر کے انہیں راہ راست پر قائم رکھتے جو بوی دلائل اور صحیح مسائل کی تصدیق کرتے۔ آپ کے یہ اعمال کہیں زیادہ افضل ہوتے اس صورت حال سے جو ان کے بارے میں بیان کی جاتی ہے کہ وہ شہروں میں نظر افسوس اور حیرت میں رہتے ہیں اور صحراؤں اور جنگلوں میں گھومتے رہتے ہیں۔ اگر ان کی ملاقات ہوتی ہے تو غیر معروف افراد سے اور وہ ایسے افراد کو اپنا ترجمان بنا کر ان کے ذریعے سے اپنے خیالات ہم تک پہنچاتے ہیں جن کا قاتل امتداد ہوتا ہے نہیں۔ جو شخص ہماری بات کو سمجھ لے گا، اسے صحیح موقف اختیار کرنے میں کوئی تردد نہیں رہے گا۔ ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے، سیدھی راہ دکھاتا ہے۔

ایک دلیل حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ (ایک رات) رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھائی، پھر فرمایا: ”تم یہ رات دیکھ رہے ہو؟ آج جو لوگ روئے زمین پر موجود ہیں، وہ سوسال کے بعد ان میں سے ایک بھی باقی نہیں رہے گا۔“ لوگ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سن کر گھبرا گئے (اور سمجھے کہ قیامت آجائے گی) جبکہ نبی کریم ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ موجودہ نسل ختم ہو جائے گی۔^①

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں ایک رات عشاء کی نماز پڑھائی، سلام پھیر کر آپ نے فرمایا: ”کیا تم یہ رات دیکھ رہے ہو؟ آج جو لوگ روئے زمین پر موجود ہیں، وہ سوسال پورا ہونے پر ان میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا۔“^②

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے ایک مہینہ پہلے فرمایا: ”کسی زندہ جان (یعنی انسان) پر سوسال پورے نہیں ہوں گے کہ وہ اس دن زندہ ہو۔“^③

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے وفات سے ایک ماہ پہلے فرمایا: ”وہ مجھ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں؟ اس کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے۔ میں اللہ کی قسم کہ تم کہتا ہو! زمین پر آج موجود کوئی زندہ انسان نہیں کس اس پر سوسال کی مدت گزرے (اور وہ پھر بھی زندہ ہو)۔“^④

① صحیح البخاری: مواقیع الصلاة، باب السمر في الفقه حدیث: 601 و صحیح مسلم: فضائل الصحابة، باب بیان معنی قولہ ﷺ علی رأس مائة سنة حدیث: 2537

② مسند أحمد: 112/2

③ مسند أحمد: 305/3

④ مسند أحمد: 322/3 و صحیح مسلم: فضائل الصحابة، باب بیان معنی قولہ ﷺ علی رأس مائة سنة حدیث: 2538

و جامع الترمذی: الفتن، باب لاثانی مائة سنة حدیث: 2220

جب یہ ثابت ہو گیا اور یہ ہر مومن کی نظر میں بالکل واضح ہے تو اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہوتے تو حضرت محمد ﷺ کی امت کے ایک فرد کی حیثیت سے آپ کی شریعت پر عمل پیرا ہوتے۔ ان کے لیے کوئی اور صورت اختیار کرنا ممکن نہیں تھا۔

حضرت یحییٰ بن مریم علیہ السلام کی مثال موجود ہے کہ جب آپ آخری زمانے میں آسمان سے نازل ہوں گے تو اسی شریعت محمد پر عمل کریں گے، اس سے ذرا برابر پہلوئی نہیں کریں گے، حالانکہ آپ ان باوجود عظیم ترین پیغمبروں میں شامل ہیں جنہیں ”اولو العزم“ فرمایا گیا ہے اور آپ بنی اسرائیل کے آخری نبی ہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں کسی صحیح یا حسن حدیث میں مذکور نہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام ایک دن بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہوں یا کسی غزوہ میں آپ ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے ہوں۔

غزوہ بدر میں الصادق المصدوق حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب سے فتح و نصرت کی دعا مانگتے ہوئے فرمایا: ”یا اللہ! اگر یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو اس کے بعد زمین پر کوئی تیری عبادت نہیں کرے گا۔“^①

اس جماعت میں اس وقت کے افضل ترین مومن بھی شامل تھے اور افضل ترین فرشتے بھی حتی کہ جبریل علیہ السلام بھی۔ اگر حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہوتے تو کبھی اس غزوہ سے الگ نہ رہتے بلکہ اسے اپنے لیے بلند ترین مقام سمجھتے، وہ ان کا افضل ترین جہاد ہوتا۔

قاضی ابو یعلیٰ محمد بن حسین بن فراد حبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے ایک عالم سے حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق سوال کیا گیا کہ کیا وہ فوت ہو چکے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: ”جی ہاں!“

ابو یعلیٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”حضرت ابو طاہر بن غباری رحمہ اللہ سے بھی اس قسم کا قول مروی ہے اور وہ دلیل کے طور پر فرماتے تھے: اگر حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہوتے تو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔“ یہ اقوال امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے [العلاحة] میں نقل فرمائے ہیں۔

شاید کوئی کہے کہ آپ ان اہم مواقع پر موجود تھے لیکن آپ کو کوئی دیکھ نہیں سکتا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ شخص ایک دور دراز احتمال ہے۔ اس قسم کے احتمالات اور دوامات سے شریعت کے عمومی قوانین میں تخصیص ثابت نہیں ہو سکتی۔ پھر یہ سوال بھی اٹھتا ہے کہ آپ لوگوں کی نظروں سے کس لیے پوشیدہ ہیں؟ اگر آپ ظاہر ہوتے تو آپ کو ثواب بھی زیادہ ملتا اور آپ کا مقام بھی بلند تر قرار پاتا اور یہ منجزہ زیادہ واضح اور موثر ہوتا۔ مزید برآں اگر آپ زندہ ہوتے تو قرآن مجید کی آیات اور رسول اللہ ﷺ کے فرامین کی تبلیغ کرتے، نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب جعلی حدیثوں، بدعتوں کے غلط عقائد

① مسند أحمد: 321/2 و صحیح مسلم: الجہاد، باب الإمداد بالمال لکافة حدیث: 1763

امام ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”یہ صحیح احادیث حضرت خضر علیہ السلام کی زندگی کے دعویٰ کو صحیح و بہن سے اکھاڑ دیتی ہیں۔“
 علمائے کرام فرماتے ہیں: جن غالب یہی ہے، بلکہ دلائل کی روشنی میں یہ بات یقینی ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے نبی کریم
 ﷺ کا زمانہ نہیں پایا۔ اس صورت میں اس مسئلہ میں کوئی اشکال نہیں رہتا۔ لیکن اگر فرض کر لیا جائے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے
 زمانہ مبارک میں موجود تھے، تو بھی اس حدیث کی روشنی میں یہی نتیجہ نکلے گا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی وفات سے ایک صدی
 گزرنے کے بعد زندہ نہیں رہے، لہذا اس وقت وہ یقیناً زندہ نہیں کیونکہ وہ اس حدیث کے عموم میں داخل ہیں اور تخصیص کی
 کوئی دلیل نہیں۔ (واللہ اعلم)



حضرت النبیؐ

نام و نسب اور قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ

اللہ تعالیٰ نے سورہ صافات میں حضرت موسیٰ اور ہارون علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا:

﴿وَإِنَّ إِلَیَّاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۖ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ آلَیَّتُونَن ۖ أَتَنْعُونَ عَلَیَّ وَتَنْتَرُونَ أَحْسَنَ
 الْخَالِقِينَ ۖ اللَّهُ تَرَكَهُمْ وَرَبَّ أَسَاطِحِهِمُ الْأَوَّلِينَ ۖ فَلَمَّا دُفِنُوا وَفَیَّهُمْ مَخَضَرُونَ ۖ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ
 الْمُخْلَصِينَ ۖ وَكُنَّا عَلَیْهِ فِي الْآخِرِينَ ۖ سَلَّمَ عَلَیْ إِبْرَاهِیْمَ ۖ إِذَا كَذَّابٌ تَجَوَّى الْمُحْسِنِينَ ۖ إِنَّهُ
 مِن عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۖ﴾

”اور الیاس بھی پیغمبروں میں سے تھے۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں؟ کیا تم بھل کو
 پکارتے (اور اسے پوجتے) ہو اور سب سے بہتر پیدا کرنے والے کو چھوڑ دیتے ہو؟ (یعنی) اللہ کو جو تمہارا اور
 تمہارے اگلے باپ دادا کا پروردگار ہے۔ تو اُن لوگوں نے اُن کو چھپایا! تو وہ (دوزخ میں) حاضر کیے جائیں
 گے۔ ہاں اللہ کے بندے (جتنا اے عذاب نہیں) ہوں گے اور ہم نے ان کا ذکر (خیر) پچھلوں میں (باقی) چھوڑ

”ان کے پاس دروازے میں تو پہنچ جاؤ دروازے میں قدم رکھتے ہی یقیناً تم غالب آ جاؤ گے اور تم اگر مومن ہو تو تمہیں اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔“ (المائدة: 23/5)

حافظ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”حضرت کالب کے بعد بنی اسرائیل کے معاملات حضرت حزقیل ابن بوذی علیہ السلام نے سنبھالے۔ آپ ہی نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان ہزاروں لوگوں کو زندہ کیا جو موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکل گئے تھے۔“



دیا کہ الیاس بن پر سلام۔ ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ بیشک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔“ (الصفافات: 123/37)

آپ کا نسب بعض علمائے کرام نے اس طرح بیان کیا ہے: الیاس بن یاسین بن فخاص بن العزیر بن ہارون علیہ السلام۔ دوسرے قول کے مطابق آپ کا نسب یوں ہے: الیاس بن العازر بن العزیر بن ہارون بن عمران۔

آپ کو دمشق کے شمال مغرب میں واقع شہر بعلبک کے باشندوں کی طرف بھیجا گیا۔ آپ نے انہیں اللہ کی طرف بلایا اور انہیں تلقین کی کہ اپنے بت ”بعل“ کی پرستش کرنا چھوڑ دوں۔ آپ نے انہیں فرمایا: ﴿أَلَا تَتَّقُونَ﴾ ﴿أَلَا تَعْلَمُونَ﴾ ﴿بَعْلًا وَتَذَرُونَ أَحْسَنَ الْعَالَمِينَ﴾ ﴿اللَّهُ دِكْمُهُ وَدَبَّ آبَاكُمْ الْأَوَّلِينَ﴾ ”کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں؟ کیا تم بعل کو پکارتے ہو اور سب سے بہتر خالق کو چھوڑ دیتے ہو؟ اللہ جو تمہارا اور تمہارے اگلے تمام باپ دادا کا رب ہے؟“ (الصفافات: 126-124/37)

لوگوں نے آپ کی تکذیب اور مخالفت کی بلکہ آپ کو شہید کرنے کا ارادہ کر لیا حتیٰ کہ آپ ان لوگوں کو چھوڑ کر چلے گئے اور روپوش ہو گئے۔

حضرت کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت الیاس علیہ السلام اپنی قوم کے بادشاہ سے روپوش ہو کر دس سال تک ایک غار میں چھپے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس بادشاہ کو موت دی اور دوسرا شخص بادشاہ بن گیا۔ تب حضرت الیاس علیہ السلام اس کے پاس جا کر اسے اسلام کی دعوت دی۔ اس کی قوم کے بے شمار لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ صرف دس ہزار افراد کفر پر قائم رہے جنہیں بادشاہ نے قتل کروا دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کے چند انبیائے کرام

حافظ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تاریخ کی کتاب میں فرماتے ہیں: ”امت محمدیہ اور دیگر ائم کے مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یوشع علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کے امور کی باگ ڈور حضرت کالب بن یوفتا نے سنبھالی تھی۔ حضرت کالب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک ساتھی اور آپ کی بشیرہ مخبرہ مریم کے خاوند تھے۔ آپ اللہ سے ڈرنے والے دوسروں میں سے ایک ہیں۔ دوسرے مومن حضرت یوشع علیہ السلام ہیں۔ جب بنی اسرائیل نے جہاد سے روگردانی کی تھی تو آپ دونوں ہی نے ان سے یہ کہا تھا:

﴿ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ عَلَيْهِمْ فَأَوْعَىٰ اللَّهُ فَتُو كَذَّبُوا وَإِنْ لَكُم مِّنْ مُّؤْمِنِينَ﴾

ثُمَّ أَحْيَاهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٢٠﴾

”کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اور موت کے ڈر کے مارے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے؟ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا: مرجأ! پھر انہیں زندہ کر دیا۔ بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ ناشکرے ہیں۔“ (البقرہ: 243/2)

امام محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت یوشع رحمۃ اللہ علیہ کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے کاب بن یوشع رحمۃ اللہ علیہ کو بھی وفات دے دی تو بنی اسرائیل میں ان کا منصب حضرت حزقیل بن یوزی رحمۃ اللہ علیہ کو ملا۔ انہوں نے یہی اپنی قوم کے حق میں دعا کی تھی جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے۔ ارشاد رب تعالیٰ ہے:

﴿ اَللّٰهُ تَرٰ اِلٰیہِیْنَ یَخْرُجُوْنَ مِنْ دِیَارِہُمْ وَہُمْ اَلَوْفُ حَذَرَ النُّصُوتِ ﴾

”کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اور موت کے ڈر کے مارے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے؟“

امام ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وہ ہا کے ڈر سے بھاگے تھے۔ وہ ایک میدان میں پتھروں سے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "مراؤ!" وہ سب مر گئے۔ ان کے ارد گرد ایک باڑ بنی گی تاکہ وہ روندے ان تک نہ پہنچیں۔ اس طرح ایک طویل مدت گزر گئی۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ وہاں سے گزرے۔ آپ کھڑے ہو کر سوچنے لگے۔ آپ نے کہا گیا: "کیا آپ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں آپ کی نظروں کے سامنے زندہ فرمادے؟" آپ نے فرمایا: "جی ہاں!" آپ نے کہا گیا کہ ان بڑوں کو مخاطب کر کے کہیں کہ ان پر گشت چڑھ جائے اور رگین اٹھنے اپنے اپنے مقام پر آ لیں۔ آپ نے اللہ کے حکم سے انہیں آواز دے کر یہ بات کہی تو وہ سب لوگ (زندہ ہو کر) اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: بحسان اللہ سبحان اللہ اللہ نے ہمیں زندہ کر دیا اور ایک آواز نعرہ بکیر لگایا۔ ⑤

اگلے سال طاعون شروع ہوا تو یہ سب لوگ جن کی تعداد تقریباً پچیس ہزار تھی، سب کے سب نکل کھڑے ہوئے اور اسی وسیع میدان میں جا ٹھہرے۔ ایک فرشتے نے وادی کے نشیب کی طرف سے اور دوسرے فرشتے نے بالائی سمت سے آواز دی: ”مر جاؤ!“ دوسرے مر گئے اور ان کی لاشیں اور ہڈیاں وہاں پڑی رہیں۔ اس دوران میں وہاں سے ایک نئی تھقل میلہ کا گز رہوا تو انہیں دیکھ کر لگے کہ وہ بچے اور فوس کی کرنے لگے۔ آپ اس بات پر تعجب فرما رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و طاقت تو کتنی عظیم ہے (کہ انہیں اس جاک چلا اور اپنی بڑی قوم تھوڑی ہو گئی)۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی فرمائی: ”کیا آپ دیکھنا چاہتے ہیں کہ میں ان کو کس طرح زندہ کروں گا؟“ فرمایا: ”جی ہاں!“ آپ سے کہا گیا: ”آواز دیجیے!“ انہوں نے پکار کر کہا: ”اے بدیو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ اکٹھی ہو جاؤ!“ یہ سن کر ہڈیاں ایک دوسری سے جڑ نہ لگیں حتیٰ کہ ہڈیوں کے پودے ڈھانچے بن گئے۔ پھر آپ کو وحی کے ذریعے سے فرمایا گیا: ”انہیں کہہ دیجیے: اے بدیو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ گوشت پہن لو!“ آپ کے اعلان کرتے ہی ہڈیوں پر گوشت چڑھنا شروع ہو گیا اور جسوں میں خون گردش کرنے لگا۔ ان کے جسوں پر وہ لباس بھی آ گیا جو سرے وقت انہوں نے پہنا ہوا تھا۔ پھر حکم دیا گیا: ”پکارے!“ آپ نے پکار کر کہا: ”اے (بے جان) جسوں! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ کھڑے ہو جاؤ!“ وہ (زندہ ہو کر) اٹھ کھڑے ہوئے۔^۱

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام کی طرف روانہ ہوئے۔ جب آپ مقام ”سرع“ پر پہنچے تو فوج کے کمانڈروں نے بعضی حضرت ابوبعیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات کی ملاقات کی اور اطلاع دی کہ شام میں وبا پھیل چکی ہوئی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہر جہاد اور انصار حضرت ابوبعیدہ سے مشورہ کیا۔ تو مختلف آراء سامنے آئیں۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کسی کام سے گئے ہوئے تھے۔ (اس لیے مشورہ کے موقع پر موجود نہ تھے۔ جب انہیں معلوم ہوا تو) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر انہوں نے فرمایا: ”اس مسئلے کے بارے میں میرے پاس

حَضْرَتِ یَسِيعَ

نام و نسب اور قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ

آپ کا نام مبارک سورہ انعام میں دوسرے انبیائے کرام کے ساتھ مذکور ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالْيَسِيعَ وَيُونُسَ وَنُوحًا وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ﴾

”اور اسماعیل کو، الیسع کو، یونس اور نوح کو۔ ہم نے ہر ایک کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی۔“ (الانعام: 86/6)

سورہ ص میں ارشاد ہے:

﴿وَإِذْ كُنَّا إِسْمٰعِيلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ وَكُلًّا مِّنَ الْخَاصِرِ﴾

”(اے نبی!) اسماعیل، الیسع اور ذوالکفل کا بھی ذکر کر دیجیے۔ یہ سب بہترین لوگ تھے۔“ (ص: 48/38)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: ”حضرت الیسع علیہ السلام، حضرت الیاس علیہ السلام کے بعد معبود ہوئے انہوں نے اپنی قوم کو اللہ کی طرف بلایا۔ آپ زندگی بھر حضرت الیاس علیہ السلام کی شریعت پر عمل پیرا رہے۔ آپ کی وفات کے بعد قوم میں برائیاں پھیل گئیں بدکردار لوگوں کو اقتدار مل گیا سرکش افراد کی تعداد میں اضافہ ہو گیا جنھوں نے انبیائے کرام علیہم السلام کو شہید کیا اور ان میں ایک سرکش اور باغی بادشاہ بھی تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اسی بادشاہ کی ذمہ داری حضرت ذوالکفل علیہ السلام نے اٹھی کہ اگر وہ تو یہ کر لے تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ اسی مناسبت سے حضرت ذوالکفل کو ذوالکفل یعنی ”ذمہ داری اٹھانے والا“ کہا جاتا ہے۔

حافظ ابن عساکر نے آپ کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے: ”الیسع بن عدی بن شولم بن افراسیم بن یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام۔ بعض علماء نے انہیں حضرت الیاس علیہ السلام کا چچا زاد قرار دیا ہے۔ کہتے ہیں کہ آپ بھی حضرت الیاس علیہ السلام کے ساتھ قاصیون میں روپوش رہے تھے جب آپ بابل کے بادشاہ کے شر سے بچنے کیلئے وہاں چھپے ہوئے تھے۔ جب حضرت الیاس علیہ السلام سے باہر آئے تو حضرت الیسع علیہ السلام بھی ان کے ساتھ اپنی قوم کے سامنے آ گئے۔ پھر جب حضرت الیاس علیہ السلام کو اٹھایا گیا تو حضرت الیسع علیہ السلام آپ کی جگہ نبوت کا شرف پا کر قوم کی رہنمائی کرنے لگے۔

مورخین فرماتے ہیں: جب بنی اسرائیل نے بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کیا حتیٰ کہ انبیائے کرام علیہم السلام کو شہید بھی

(شرعی حکم کا) علم موجود ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ ارشاد سنا ہے: ”جب یہ (طاعون) اس علاقے میں ہو جہاں تم لوگ موجود ہو، تو اس سے بچنے کے لیے اس آبادی سے مت نکلو اور جب تمہیں خبر ملے کہ وہ کسی علاقے میں پھیل گیا ہے تو وہاں نہ جاؤ۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور فوج کو واپس لے گئے۔^①

امام محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہمیں یہ بات معلوم نہیں ہو سکی کہ حزقیل علیہ السلام کتنا عرصہ بنی اسرائیل میں گزار کر فوت ہوئے۔ آپ کی وفات کے بعد بنی اسرائیل نے اللہ سے کیے ہوئے عہد و پیمان فراموش کر دیے، چنانچہ ان کو بہت مصائب پیش آئے۔ انہوں نے بت پرستی بھی شروع کر دی۔ ان کے بتوں میں سے ایک کا نام ”بعل“ تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت الیاس علیہ السلام کو معبود فرمایا۔ جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

حضرت الیاس علیہ السلام کے بعد ان لوگوں میں حضرت الیسع بن اخطوب علیہ السلام منصب نبوت پر فائز ہوئے۔

حضرت شمویلؑ

نام و نسب اور بعثت

آپ کا نسب نامہ یوں ہے: شمویل بن بالی بن علقمہ بن یرخام بن الیہوا بن تبون بن صوف بن علقمہ بن ماحث بن عموصا بن عزریا۔

حضرت متاقل فرماتے ہیں آپ حضرت بارون علیہ السلام کے در ثاء میں سے تھے۔ حضرت سدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب غزہ اور عسقلان کے ممالقہ بنی اسرائیل پر غالب آ گئے تو انہوں نے بے شمار اسرائیلیوں کو قتل کیا اور ایک بہت بڑی تعداد کو غلام بنالیا۔ لاوی کے خاندان سے نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا اور اس کی اولاد میں صرف ایک حاملہ خاتون باقی رہ گئیں۔ اس نے اللہ سے دعا کی کہ وہ اسے بیٹا عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بیٹا عطا کیا تو اس نے بیٹے کا نام شمعون (شمویل) رکھا۔ عبرانی زبان میں اس کا معنی ہے: اسماعیل یعنی اللہ نے میری دعا سن لی۔

جب یہ بچہ کچھ بڑا ہوا تو اس نے بچے کو مسجد بھیجا اور اسے ایک نیک بزرگ کے حوالے کر دیا تاکہ وہ عبادت اور بھلائی کی باتیں سکھے۔ بچہ جوان ہوئے تک اسی بزرگ کے پاس رہا۔ ایک رات وہ سویا ہوا تھا کہ مسجد کے کونے سے ایک آواز آئی تو وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا اور اسے ایسے لگا جیسے اس کے استاد محترم نے بلایا ہے۔ اس نے استاد محترم سے پوچھا: کیا آپ نے مجھے بلایا ہے؟ استاد نے شاگرد کو پریشان دیکھا تو کہا: ہاں سو جاؤ۔ تو وہ سو گیا پھر اسے دوبارہ آواز آئی تو کیا دیکھا ہے کہ جبریل علیہ السلام اسے بلارہے ہیں۔ وہ اس کے پاس آئے اور کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کی قوم کی طرف مبعوث فرمایا ہے۔ لہذا آپ قوم کی طرف گئے اور پھر وہ واقعہ پیش آیا جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان کیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلٰى الْاِسْلَٰمِ مِنْ بَنِيْ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوسٰی اِذْ قَالُوْا لِنَبِيِّۖنَا اِنَّا نَرٰكَ اَنْتَ اَبْعَثْ لَنَا مَلِكًا یَّقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ قَالَ هٰذَا عَلَیْکُمْ الْاِمَّاٰلُ اَلَا تَتَذٰکُرُوْنَ اَلَمْ تَرَ اِلٰى الْاِسْلَٰمِ مِنْۢ بَنِيْ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوسٰی اِذْ قَالُوْا لِنَبِيِّۖنَا اِنَّا نَرٰكَ اَنْتَ اَبْعَثْ لَنَا مَلِكًا یَّقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ قَالَ هٰذَا عَلَیْکُمْ الْاِمَّاٰلُ اَلَا تَتَذٰکُرُوْنَ﴾

کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ظالم بادشاہ مسلط کر دیے۔

بنی اسرائیل جب دشمنوں سے جنگ کرتے تھے تو اپنے ساتھ تابوت یکیزہ رکھتے تھے جس میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہ السلام کے تبرکات تھے۔ ان کی برکت سے فتح حاصل ہو جاتی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے جرائم کی وجہ سے دشمنوں کو ان پر مسلط کر دیا۔ غزہ اور عسقلان کے باشندوں سے جنگ کے دوران ان سے تابوت یکیزہ چھین گیا اور ان کا بادشاہ اسی غم میں مر گیا اور بنی اسرائیل بھینٹوں کے اس گئے کی طرح رہ گئے جس کا کوئی تمہیان نہ ہو۔ تب اللہ تعالیٰ نے شمویل علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ آپ نے قوم کے مطالبے پر ایک بادشاہ کا تقرر فرمایا۔ اس واقعہ کی تفصیل آئندہ اوراق میں بیان ہوگی۔

امام ابن جریر رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی وفات سے شمویل علیہ السلام کی بعثت تک چار سو ساٹھ سال کی مدت گزری۔

جاتا تھا کہ اس کی برکت سے دشمن پر فتح حاصل ہو، اس کو دشمنوں نے چھین لیا۔ اس آیت میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا اور طاووت کی نامزدگی اللہ کی طرف سے ہونے کی یہ علامت بیان فرمائی کہ وہ صندوق جسے ”تابوت سکینہ“ (ظہینان قلب والا صندوق) کہتے تھے، تمہیں واپس مل جائے گا۔

اس صندوق میں ایسے کون سے تمکات تھے جو ان کے لیے باعث سکینت تھے؟ اس کے بارے میں مختلف اقوال ذکر کیے گئے ہیں:

۱۔ ایک قول کے مطابق سونے کا ایک تھال تھا جس سے انبیاء گرام ﷺ کے سینوں کو غسل دیا گیا تھا۔

۲۔ ایک قول کے مطابق یہ ایک قسم کی ہوائی۔

۳۔ ایک قول کے مطابق ایک بلی کی صورت تھی۔ جنگ کے دوران میں اس سے آنے والی آواز فتح کی بشارت بھی جاتی تھی۔ ”آل موسیٰ اور آل ہارون کا ابقیہ ترکہ“ بھی اس صندوق میں تھا۔

۴۔ ایک قول کے مطابق اس میں ٹوٹی ہوئی آسمانی تختیوں کے ٹکڑے اور تھوڑا سا مسنن تھا، جو میدانِ تپہ میں ان پر نازل ہوتا رہا تھا۔

شویل رحمہ اللہ نے تابوت سکینہ کے متعلق قوم سے فرمایا تھا: ﴿تَحْصِلُهُ الْمَلَائِكَةُ﴾ ”فرشتے اُسے اٹھا کر لائیں گے۔“

یعنی تمہاری نظروں کے سامنے فرشتے اُسے اٹھا لائیں گے تاکہ قدرت الہی کی ایک نشانی ہو اور یہ ثابت ہو جائے کہ بادشاہ کی یہ نامزدگی واقعی اللہ کی طرف سے تھی۔ اس لیے فرمایا: ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّكُلِّ لِقَةٍ إِنَّكُمْ كُنتُمْ مَقُومِينَ﴾ ”یقیناً یہ تمہارے لیے کھلی دلیل ہے اگر تم ایمان دار ہو۔“

جب علاقہ اس صندوق کو تبرکات سمیت لے گئے اور اس پر قابض ہو گئے تو اپنے شہر میں لے جا کر اسے اپنے ایک بت کے نیچے رکھ دیا، صبح کو دیکھا تو صندوق بت کے سر پر تھا۔ انہوں نے پھر نیچے رکھ دیا۔ اگلے دن پھر وہ بت کے سر پر تھا۔ یہی بار بار ہونے پر انہیں یقین ہو گیا کہ یہ صورت حال اللہ کی طرف سے ہے۔ انہوں نے صندوق کو شہر سے نکال کر کسی گاؤں میں بھیج دیا، تو ان کی گردنوں میں بیماری لگ گئی۔ جب یہ بیماری طویل ہو گئی تو انہوں نے تابوت کو ایک تیل گاڑی میں رکھ کر بیلوں کو بائک دیا۔ فرشتے انہیں بانک کر بنی اسرائیل میں لے آئے۔ اس طرح نبی کی بتائی ہوئی بات لفظ بلفظ پوری ہو گئی۔ بائبل میں بھی واقعہ کی تفصیل اسی طرح بیان کی گئی ہے اور بہت سے مفسرین نے بھی یہی بات لکھی ہے۔ لیکن آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے اُسے خود اٹھا کر لے گئے تھے۔ (واللہ اعلم)

جب طاووت لشکروں کو لے کر نکلے تو کہا: ﴿إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ ۖ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي ۚ وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ

گئے ہیں اور بچوں سے دو درکردیے گئے ہیں۔“ یعنی ہم پر ظلم کیا گیا ہے، ہمیں اپنے بیوی بچوں سے الگ کر دیا گیا ہے، پھر ہم اپنی عورتوں اور بچوں کو آزار دہانے کے لیے دشمنوں سے کیوں نہ لڑیں؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَلَمَّا كَتَبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ﴾ ”پھر جب ان پر جہاد فرض ہوا تو سوائے تھوڑے سے لوگوں کے سب پھر گئے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔“ قہ کے آخر میں وضاحت ہے کہ بہت کم لوگ دریا کے پار تکر جنگ کے ارادے پر قائم رہ سکے۔ باقی سب نے جہاد کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

انہیں ان کے نبی نے فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا﴾ ”اللہ تعالیٰ نے طاووت کو تمہارا بادشاہ بنا دیا ہے۔“ حافظ ابن عساکر نے طاووت کا نسب یوں بیان کیا ہے: طاووت (شاوِل) بن مال بن نضر بن مخرب بن نض بن اس بن غنایم بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم رحمہ اللہ ان کا پیشہ سفر یا باغت کا تھا۔ اس لیے وہ کہنے لگے: ﴿أَنْتَى لِكُلِّ لِقَةٍ لَّهُ الْمُلْكُ عَيْنًا وَتَحَنُّنًا لِلْمَلِكِ مِنْهُ ۚ وَلَمْ يَبْتَ سَعَةً قَرْنَ الْمَالِ﴾ ”بھلا اس کی ہم پر حکومت کیسے ہو سکتی ہے؟ اس سے تو بہتر زیادہ حق دار بادشاہت کے ہم ہیں۔ اسے تو مالی کشادگی بھی نہیں دی گئی۔“

۱۔ اللہ کی طرف سے بادشاہ کا تقرر: کہتے ہیں اس سے پہلے نبوت بنی لادو میں اور بادشاہت بنی یہودا میں تھی۔ طاووت بنی غنایم میں سے تھے۔ اس لیے بنی یہودا نے اس پر پابند ہو گئی کا اظہار کیا اور کہا کہ بادشاہت پر ہمارا حق زیادہ ہے۔ انہوں نے یہ اعتراض بھی کیا کہ شخص مفلس اور بے زر ہے، اسی شخص کس طرح بادشاہ بن سکتا ہے؟

شویل رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ تمہارا کام نہیں کہ کسی خاص خاندان سے بادشاہ کا انتخاب کرو بلکہ اللہ تعالیٰ جسے جانتا ہے حکومت دیتا ہے۔ مزید فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ عَلَيْهِمْ زَادًا بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ﴾ ”اللہ تعالیٰ نے اسے تم پر برگزیدہ کیا ہے اور اسے علمی اور جسمانی برتری عطا فرمائی ہے۔“ یعنی ایسی وجہ شخصیت عطا کی ہے کہ بنی اسرائیل میں اس جیسا کو نہیں۔ وہ قد و قامت اور ظاہری صورت میں سب سے بڑھ کر تھے اور عقل و فہم میں بھی۔ ان کے نبی نے ان سے کہا: ﴿إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْصِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّكُلِّ لِقَةٍ إِنَّكُمْ كُنتُمْ مَقُومِينَ﴾ ”اس کی بادشاہت (من جانب اللہ ہونے) کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجائے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے تسکین ہے اور آل موسیٰ و آل ہارون کا بقیہ ترکہ ہے، فرشتے اسے اٹھا کر لائیں گے۔ یقیناً تمہارے لیے کھلی دلیل ہے اگر تم ایمان دار ہو۔“

بنی اسرائیل نے فلسطین کے علاقہ سے جنگ کی اور نکست کھائی۔ ”تابوت سکینہ“ جسے میدانِ جنگ میں اس لیے لایا

ہے، دعا قبول کی۔ ﴿فَهَرَمَوْهُمْ بِأَذْنِ اللَّهِ﴾ ”چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہوں نے جانوں کو شکست دے دی۔“ یعنی یہ شکست مومنوں کی طاقت اور تعداد کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ کی توفیق اور مشیت الہی سے ہوئی کیونکہ دشمنوں کی تعداد تو زیادہ تھی۔ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی غزوہ بدر میں ایسی ہی معجزات فتح حاصل ہوئی تھی۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُشْكُرُونَ﴾

”جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس وقت تمہاری مدد فرمائی جبکہ تم نہایت پست حالت میں تھے، اس لیے اللہ ہی سے ڈرو (کسی اور سے نہیں) تاکہ تمہیں شکر گزاری کی توفیق ہو۔“ (ال عمران: 123/3)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكُنَّا دَاوُدَ جَالُوتَ وَأَنَّهُ اللَّهُ الْمَلِكُ وَالْحَكَمَةُ وَعَلَيْهِمَا مَبَاشَةٌ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّكَاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ﴾

”اور حضرت داود کے ہاتھوں جالوت قتل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے داود کو ملکوت و حکمت اور جتنا کچھ چاہا علم بھی عطا فرمایا۔ اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا، لیکن اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر بڑا فضل و کرم کرنے والا ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت داود علیہ السلام بہت بہادر تھے۔ جالوت کے قتل سے اس کے لشکر کو شکست ہوئی اور کفر کا زور ٹوٹ گیا اور اہل ایمان کو غلبہ حاصل ہو گیا۔



﴿لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَيُعَذِّبُ الْمُنَافِقِينَ﴾ ”موتوں! اللہ تمہیں ایک دریا سے آزمائے والا ہے۔ جس نے اس سے پانی پی لیا وہ میرا نہیں ہے اور جو اُسے نہ چکے وہ میرا ہے۔ ہاں یہ (اجازت) ہے کہ اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے۔“ (البقرة: 249/2)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر کی بات بیان کرتے ہیں کہ آیت میں مذکور دریا سے مراد دریا ہے۔ طالوت اور اس کی فوج کا واقعہ اللہ کے نبی کے حکم سے یہیں پیش آیا۔ انہوں نے اللہ کے حکم سے فوجوں کی آزمائش کے لیے حکم دیا تھا کہ جو شخص اس دریا کا پانی پیے گا، وہ اس جنگ میں میرے ساتھ نہیں جائے گا۔ میرے ساتھ وہی چل سکتا ہے جو ایک ہاتھ سے چلو بھر پانی سے زیادہ نہ پیے۔ لیکن ہوا یہ کہ ﴿فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ﴾ ”سو انے چننے کے باقی سب نے وہ پانی پی لیا۔“

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ذکر کیا کرتے تھے کہ غزوہ بدر میں اتنے صحابہ رضی اللہ عنہم شریک تھے جتنے طالوت کے (مخلص) ساتھی تھے، جنہوں نے ان کے ہمراہ دریا پار کیا اور ان کی تعداد دس سو افراد سے کچھ زیادہ تھی۔ ①

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ﴾ ”طالوت مؤمنین سمیت جب دریا سے گزر گئے تو وہ لوگ کہنے لگے: آج تو ہم میں طاققت نہیں کے جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑیں۔“ انہیں اپنی تعداد کم دیکھ کر اور دشمن کی تعداد زیادہ دیکھ کر احساس ہوا کہ ہم قلیل اور کمزور ہونے کی وجہ سے دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ملاقات پر یقین رکھنے والوں نے کہا: ﴿كَمْ هُمْ قَلِيلٌ وَقَلِيلَةً عَظَمْتَ﴾ ”فَعَلَهُ كَثِيرًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ“ ”بِإِسْمِ اللَّهِ“ اور تھوڑی سی جماعتیں بھی بڑی اور بہت سی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غلبہ پالیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ ہے۔“ یعنی ایمان اور یقین رکھنے والے بے ہادوں اور شہسواروں نے انہیں حوصلہ دیا اور جنگ میں کود پڑنے کی ترغیب دی۔ جب ان کا جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ ہوا تو انہوں نے دعا مانگی: ﴿رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا صَبْرًا وَشِدَّةً فَقَدْ آمَنَّا وَأُخْصِرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ﴾ ”اے ہمارے پروردگار! انہیں صبر دے، ثابت قدم رکھ اور قوم کفار کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔“ مومنوں نے اپنے نبی کیساتھ دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے پیش قدمی شروع کر دی۔ جب دشمن سے سامنا ہوا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی۔ انہوں نے دعا مانگی کہ دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہ سکیں اور جنگ میں ان کافروں پر فتح حاصل ہو جو اللہ کی آیات کا انکار کرتے اور اس کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں عظمت و قدرت کے مالک نے، جو سننے والا، دیکھنے والا اور ہر شے کی خبر رکھنے والا

ابن جریر حنفی کہتے ہیں کہ جب حالات نے طاہر کو دودھ و جنگ کی دعوت دی تو کہا: ”یاقم میری طرف آؤ یا میں تمہاری طرف آتا ہوں۔“ طاہر نے فوج سے کہا: ”اس کا پیچ کون قبول کرے گا؟“ حضرت داؤدؑ اس آئے سنے اور مقابلہ کر کے طاہر کو قتل کر دیا۔^①

وہب بن منہ رشتہ نے فرمایا: لوگوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کی بہادری سے متاثر ہو کر طاقت کو معزول کر دیا اور حضرت داؤد علیہ السلام کو بادشاہ بنا لیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ شوبیل علیہ السلام کے حکم سے ہوا جبکہ بعض کا خیال ہے کہ انہیں جنگ سے پہلے ہی مقرر کر دیا تھا۔

حضرت داؤد علیہ السلام پر انعامات ربانی

اللہ تعالیٰ نے حضرت داود علیہ السلام کو کہتے ہی نعمتوں سے مالا مال فرمایا تھا جن میں حسن صوت اور حسن عبادت کے ساتھ ساتھ پرندوں اور پہاڑوں کی تسخیر بھی شامل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلًا ۖ يُجَالِسُ أَيُّومًا وَالظَّيْرِ ۖ وَالنَّارُ لَهُ الْحَدِيدُ ۖ إِنْ أَعْمَلَ سَبَّحْتَ وَكَذَرْتَ فِي السَّرِّ ۖ وَعَمَلُوا صَالِحًا ۖ إِنَّي بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۖ

”اور ہم نے زاد کو اپنا طرف سے برتری بخش تھی۔ اے پیازو! ان کے ساتھ بیچ کر اور پرندوں کو (ان کے ارد گرد جمع کر دیا) اور ان کے لیے ہم نے لوہے کو نرم کر دیا کہ کشادہ زرچیں بناؤ اور کڑیوں کو اندازے سے جوڑو اور نیک عمل کرو جو عمل تم کرتے ہو میں ان کو دیکھنے والا ہوں۔“ (سبأ : 11/10/34)

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ وَسَعَرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجَبَالِ يُسَيِّعُ وَالْقَلِيدَ وَذُلَّ فُلَيْحِينَ ﴾ ﴿ وَعَلَيْنَا صَنَعَةُ لَبُؤُسٍ لَكُمْ ﴾ ﴿ يُحْصِنُكُمْ مِنْ بَأْسِكُمْ ﴾ ﴿ قُلْ أَنْتُمْ شُكْرُونَ ﴾ ﴿

”اور ہم نے پہاڑوں کو داد دے کے لیے مسخر کر دیا کہ اُن کے ساتھ تسبیح بیان کرتے تھے اور پرندوں کو بھی (تایلیغ کر دیا تھا) اور ہم ہی (ایسا) کرنے والے تھے اور ہم نے تمہارے لیے اُن کو ایک (طرح کا) لباس بنانا بھی سکھا دیا تاکہ

وَلَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنَّ إِلَهًا لَّهُ الْوَأَبَ
الْأَعْلَى الْحَبِيبُ عَزِيزٌ فِي الْعُسْرِ وَالْشَّرِيفُ
وَالطَّيِّبُ الْحَسْبُ وَكَذَلِكَ الْوَأَبَ وَسَيِّدُ الْمَلَائِكَةِ
وَأَمَّا الْحِكْمَةُ وَفَضْلُ الْخَطَابِ



نام ونسب اور حلیہ مبارک

آپ کا نسب نامہ اس طرح ہے: داؤد بن ایسا بن عوید بن عامر بن سلمون بن یحیٰون بن عمینا ذب بن ارم بن حصرون بن فارص بن یہودا بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام۔

وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا قدم چھوٹا تھا، انھیں نیلی چلی، بال کم تھے اور بال کبڑے تھا۔ جب حضرت داؤد علیہ السلام نے حالات کو نقل کیا تو آپ کو بنی اسرائیل میں عزت اور ہر دل میں عزیزی حاصل ہو گئی۔ آخر کار آپ کو بادشاہ بنادیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت بھی عطا فرمائی۔ اس طرح نبوت اور حکمت ایک ہی فرد میں جمع ہو گئیں۔ اس سے پہلے بادشاہ اور قبیلے سے ہوتا تھا اور کسی کی اور قبیلے سے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقَتْلَ دَاوُدَ جَالُوتَ وَإِنَّهُ اللَّهُ الْمَلِكُ وَالْحَكِيمُ وَعَلَيْهِ مِمَّا يَشَاءُ ۖ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٢٠٧﴾

”اور داود کے ہاتھوں قتل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے داود کو مملکت و حکمت اور جتنا کچھ چاہا علم بھی عطا فرمایا۔ اگر

کم ہیں۔ اور داود نے خیال کیا کہ (اس واقعے سے) ہم نے ان کو آزما لیا ہے تو انہوں نے اپنے پروردگار سے مغفرت مانگی اور جبکہ کر پڑے اور (اللہ کی طرف) رجوع کیا تو ہم نے ان کو بخش دیا اور بے شک ان کے لیے ہمارے ہاں قرب اور عمدہ مقام ہے۔“ (ص: 25-21/38)

مفسرین نے یہاں بہت سے قصے کہانیاں بیان کی ہیں جن میں سے اکثر اسرائیلی روایات ہیں اور کچھ یقیناً جھوٹی ہیں اسی لیے ہم نے ان کا ذکر نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١﴾ يٰۤهَٰذَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٢﴾﴾

”اے داود! ہم نے تم کو زمین میں بادشاہ بنایا ہے لہذا لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا کرو اور (اپنی خواہش کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہیں اللہ کے رستے سے ہٹا دے گی۔ جو لوگ اللہ کے رستے سے ہٹتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب (تیار) ہے کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا۔“ (ص: 26/38)

اس آیت میں داود علیہ السلام کو خطاب کیا گیا ہے لیکن اصل مقصود تمام حکمرانوں اور افسروں کو حکم دینا ہے کہ وہ انصاف کریں۔ اللہ کی طرف سے نازل شدہ حق کی پیروی کریں۔ دوسری آراء اور دل کی خواہشات نہ مانیں۔ اس میں اس کے برعکس عمل کرنے والے بے انصاف حکمرانوں کے لیے تنبیہ ہے۔ حضرت داود علیہ السلام اپنے دور میں انصاف، شجرت عبادت اور تمام نیکیوں کی انجام دہی کا ایک لائق اتباع نمونہ تھے۔ رات اور دن کا کوئی حصہ ایسا نہیں گزرتا تھا جس میں ان کے گھر کا کوئی فرد عبادت میں مشغول نہ ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِعْمَلُوا آلَ دَاوُدَ شُكْرًا وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ ﴿١﴾﴾

”اے آل داود! اس کے شکر کے طور پر نیک کرو۔ میرے بندوں میں سے شکر گزار بندے کم ہی ہوتے ہیں۔“

(سبا: 13/34)

حضرت داود علیہ السلام کی عمر اور وفات

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے ذکر میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب آپ کی پشت سے آپ کی اولاد نکالی تو آپ کو ان میں اچھے شخص بہت روشن چہرے والا نظر آیا۔ فرمایا: ”یارب! یہ کیوں ہے؟“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”یہ تیرا بیٹا داود ہے۔“ عرض کی: ”یارب! اس کی عمر کتنی ہے؟“ ارشاد ہوا: ”ساتھ سال۔“ عرض کی: ”یارب! اس کی عمر میں اضافہ فرما دے!“ ارشاد ہوا: ”نہیں، اپنی تیری عمر میں سے (کم کر کے اس کی عمر میں) اضافہ کر سکتا ہوں۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ دو آدمی اپنا مقدمہ لے کر داود علیہ السلام کے پاس آئے۔ مدعی کا کہنا تھا کہ اس نے مجھ سے گائے چھین لی ہے۔ مدعا علیہ نے انکار کیا۔ آپ نے ان کا فیصلہ رات تک مؤخر کر دیا۔ جب رات ہوئی تو اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ مدعی کو قتل کر دیا جائے۔ صبح ہوئی تو حضرت داود علیہ السلام نے مدعی سے کہا: ”اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی ہے کہ تجھے قتل کروں، اس لیے مجھے ضرور قتل کروں گا۔ اب چاچ بچا متا دو کہ حقیقت کیا ہے؟“ اس نے کہا: ”اللہ کے نبی! میں اپنے دعویٰ میں بالکل سچا ہوں۔ لیکن میں نے اس کے باپ کو قتل کیا تھا۔“ اس شخص کو داود علیہ السلام نے سزائے موت کا حکم سنایا۔ اس واقعہ سے بنی اسرائیل کی نظر میں حضرت داود علیہ السلام کا مقام بہت بلند ہو گیا اور انہوں نے بہت اچھی طرح آپ کی اطاعت قبول کی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَكُنَّا دَاوُدَ مَلِكًا وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَضَّلْنَاهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ﴾

”ہم نے اس کی سلطنت کو مضبوط کر دیا تھا اور اسے حکمت (نبوت) دی تھی اور بات کا فیصلہ کرنا (سکھایا تھا)۔“ حدیث نبوی ہے: ”گواہ پیش کرنا مدعی کی ذمہ داری ہے اور انکار کرنے والے (مدعا علیہ) کے ذمے قسم کھانا ہے۔“ حضرت مجاہد اور سدی رحمہما فرماتے ہیں: بات کا فیصلہ کرنے سے مراد مقدمہ کو سمجھ کر فیصلہ کرنے کی توفیق ہے۔^①

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَهَلْ أَتَاكَ نَبَأُ الْغَصَصِ ﴿١﴾ إِذْ دَخَلُوا عَلَىٰ دَاوُدَ فَفَحَّجْنَاهُمْ مِّنْهُم قَالُوا لَا تَحْفَظْ حَصْنِي ﴿٢﴾ بَنِي بَعْضُنَا عَلَىٰ بَعْضٍ فَأَخْلَفْنَا نَبَأَ الْغَصَصِ ﴿٣﴾ وَلَا تُشْطِطْ وَهَدَيْنَا إِلَىٰ سَوَاءِ الْفِرَافِ ﴿٤﴾ إِنَّ هَٰذَا أَجْنَبٌ لَّكَ ﴿٥﴾ تَسْعَ وَتَمْنَعُونَ نَجْعَةً ﴿٦﴾ وَلَٰي نَجْعَةَ لِجَادٍ ﴿٧﴾ فَقَالَ أَتَأْتِيْنَاهَا وَعَدَٰي فِي الْغَطَابِ ﴿٨﴾ قَالَ لَقَدْ فَلَسَكَ بِسُؤَالٍ نَجْعَتِي إِلَىٰ نَجَاعَةٍ ﴿٩﴾ وَإِنَّ كَيْدِيَا مِّنَ الْخُلَافَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ الْإِلَٰهِيْنَ أَمَلُوا ﴿١٠﴾ وَكَبَلُوا الصَّالِحِيْنَ ﴿١١﴾ وَكَلِمَاتٌ مَّأْمُورٌ وَلَكِنَّ دَاوُدَ إِنَّمَا فُتِنَتْ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ ﴿١٢﴾ فَفَقَرْنَا لَهُ ذُلِكُمْ ﴿١٣﴾ وَإِنَّ لَكَ عِندَنَا لَؤْلُفًا وَحَسَنَ مَّآبٍ ﴿١٤﴾﴾

”تمہارا بہتر پاس اُن جھگڑنے والوں کی بھی خبر آئی ہے جب وہ دو یار بچا نہ کر عبادت خانے میں داخل ہوئے۔ جس وقت وہ داود کے پاس آئے تو وہ ان سے گھبرا گئے سوائے انہوں نے کہا کہ خوف نہ کیجئے ہم دونوں کا ایک مقدمہ ہے کہ ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زنیادتی کی ہے تو آپ ہم میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیجیے اور بے انصافی نہ کیجیے گا اور ہم کو یہ حسرت دکھا دیجیے۔ (کیفیت یہ ہے کہ) یہ میرا بھائی ہے۔ اس کے (ہاں) تناؤ سے زنجباں ہیں اور میرے (پاس ایک) زنی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ بھی میرے حوالے کر دے اور وہ گفتگو میں مجھ پر زبردستی کرتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ جو تیری دینی بالگتا ہے اپنی دنیویں میں لا لے بیٹھ گیا ہے ظلم کرتا ہے اور اکثر شریک ایک دوسرے پر زنیادتی کی کیا کرتے ہیں۔ ہاں جو ایمان لائے اور عمل نیک کرتا رہے اور ایسے لوگ بہت

حضرت آدم علیہ السلام کی (مقررہ) عمر ہزار سال تھی۔ آپ نے چالیس سال حضرت داود علیہ السلام کو دے دیے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کی عمر پوری (نوسو ساٹھ سال) ہوگئی تو ملک الموت تعریف لے آئے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: ”میری عمر کے چالیس سال باقی ہیں!“ آپ نے اپنے بیٹے داود علیہ السلام کو جو سال دے دیے تھے، وہ بات آپ کو یاد نہ رہی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی عمر بھی پورے ہزار سال کر دی اور حضرت داود علیہ السلام کی عمر بھی پورے سو سال کر دی۔^① امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اہل کتاب کا کہنا ہے کہ حضرت داود علیہ السلام کی عمر ستر سال تھی لیکن یہ غلط ہے۔ اسی طرح وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ نے چالیس سال حکومت کی۔ یہ بات صحیح ہو سکتی ہے کیونکہ قرآن وحدیث سے اس کی تصدیق یا تکذیب نہیں ہوتی۔

آپ کی وفات کے بارے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”حضرت داود علیہ السلام بہت غیرت والے تھے۔ جب آپ باہر تشریف لے جاتے تو دروازے بند کر جاتے۔ آپ کی غیر موجودگی میں کوئی شخص آپ کے گھر میں داخل نہیں ہوتا تھا۔ ایک دن آپ باہر تشریف لے گئے اور حسب معمول دروازہ بند کر گئے۔ چانک آپ کی زوجہ محترمہ نے دیکھا کہ ایک آدمی گھر کے درمیان کھڑا ہے۔ انہوں نے گھر کے دوسرے افراد سے کہا: یہ مرد کہاں سے داخل ہو گیا جب کہ گھر کے دروازے بند تھے؟ اللہ کی قسم! ہمیں تو حضرت داود علیہ السلام کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے گا۔ اسے میں حضرت داود علیہ السلام بھی تعریف لے آئے۔ دیکھا کہ آدمی گھر کے درمیان کھڑا ہے۔ آپ نے اس سے کہا: ”تو کون ہے؟“ اس نے کہا: ”میں وہ ہوں جو بادشاہوں سے نہیں ڈرتا اور دروازوں سے نہیں رکتا۔“ حضرت داود علیہ السلام نے فرمایا: ”جب تو آپ موت کے فرشتے ہیں۔ میں اللہ کے حکم کو خوش آمدید کہتا ہوں۔“ پھر آپ کی روح قبض کر لی گئی اور آپ کو غسل دیا گیا اور کفن پہنا دیا گیا۔ جب لوگ غسل اور کفن سے فارغ ہوئے تو دھوپ نکل آئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں سے کہا: ”داود علیہ السلام پر سایہ کرو!“ پرندوں نے سایہ کی حیاتی کہ زمین پر اندھیرا چھا گیا۔ سلیمان علیہ السلام نے پرندوں سے فرمایا: ”ایک ایک پر سیٹ لو!“ رسول اللہ ﷺ نے پرندوں کی کیفیت سمجھانے کے لیے ایک بازو سمیٹ کر اشارہ فرمایا۔^②



① مسند أحمد: 252/1 و جامع الترمذی: تفسیر القرآن: باب و من سورة الأعراف: حدیث: 3076

② مسند أحمد: 419/2 و إسناده منقطع



حضرت داود علیہ السلام

اسدود، بیت و جن، ابوغوش، بیت المقدس، رملہ

بعض علمائے کرام بھی اسی روایہ نظام کے حق میں اپنی اوتانیاں صرف کر رہے ہیں۔ اگر مغربی ظالم و جاہر حکمران لاکھوں کروڑوں ڈالر خرچ کر کے ان اسلامی ممالک کے عادلانہ نظام حکومت کو ختم کرنے کے لیے کوشاں ہیں تو مسلمان سیاستدانوں کے ساتھ مل کر اس صاحبِ جبہ و دستار بھی ان کے حمایتی و مددگار بنے ہوئے ہیں!!! حالانکہ عدل و انصاف، عوامی فلاح و بہبود اور امن و سلامتی کو یقینی بنانے والا نظام حکومت خواہ وہ ملکیت ہو یا شخصی حکمرانی کا نظام، جمہوریت سے لاکھوں درجے بہتر ہے۔

﴿جنگی تعلیم و تربیت﴾: حضرت شمولیہؑ کے قصے سے جنگی تعلیم و تربیت اور مہارت و تیاری کا درس ملتا ہے۔ مادی وسائل و ذرائع اور آلات حرب کے ساتھ ساتھ فوجیوں کی جسمانی اور روحانی تربیت بھی بے حد ضروری ہے۔ کیونکہ فوجی جس قدر اعلیٰ جسمانی اور روحانی تربیت کے حامل ہوں گے اسی قدر بہتر نتائج برآمد ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے طاقت کے فوجیوں کی تربیت کے پیش نظر راستے میں آئے والے دریا سے پانی پینے سے منع فرما دیا۔ اس میں انہیں صبر و تحمل، قوت برداشت اور اطاعتِ امیر کا خونگہ بنانے کی تربیت دی گئی ہے۔ دراصل افکار اسلام کو یکدم اس لیے دیا گیا کہ کھرے اور کھوٹے کی پہچان ہو جائے۔ نیز یہ جنگی حکمت بھی اس حکم میں پنہاں تھی کہ اسلامی فوج دشمن پر اپنا یک اور زور دار حملہ کرے۔ اگر وہ صبر ہو کر پانی پینے لگے جاتے اور چاروںوں کو بھی جی بھر کر پینے کے لیے چھوڑ دیتے تو یہ خطرہ تھا کہ دشمن ان کی مدد کا پتہ چلا کر متعدد ہو جاتا یا ان کی پیچھے سے دوڑ نکل جاتا۔ یہ غدشہ بھی تھا کہ اسلامی فوج سخت پیاس کے بعد جی بھر کر پانی پے گی تو ان پرستی اور کسل مندی غالب آجائے گی جو کہ میدانِ جنگ میں نہایت مضرب ہے، لہذا آج بھی کامیاب جرنیل چاہیں تو فوجیوں کو جدید اسلحہ سے لیس کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی جسمانی اور روحانی تربیت کا خصوصی اہتمام کرتے ہیں۔ نیز اپنا یک حملے کی تدبیر موجود دور کے جنگی پلان کا اہم ترین جز بن چکی ہے۔

﴿صبر و شہادت اور اطاعتِ امیر کا مہیا کی صفات﴾: اس قصے سے ہمیں صبر و شہادت اور اطاعتِ امیر کا درس ملتا ہے۔ اطاعتِ امیر ہر حال میں ضروری ہے، تاہم میدانِ جنگ میں اس کی اہمیت و ضرورت دو چند ہو جاتی ہے۔ جنگ میں کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ فوج میدانِ جنگ کی تختیوں، مشکلات اور مصائب کو صبر و تحمل سے برداشت کرنے کی تربیت سے لیس ہو، نیز اطاعتِ امیران میں کوٹ کوٹ کر بھری ہو۔

ان دو بنیادی صفات کی حامل فوج کو اللہ تعالیٰ کی نصرت و حمایت حاصل ہوتی ہے اور وہ کافروں پر غالب آ جاتی ہے حضرت طاقت کی اکثر فوج نے نافرمانی کرتے ہوئے نہر سے جی بھر کر پانی پی لیا، اس لیے وہ سستی کا شکار ہو گئے اور دشمن کے مقابلے سے جی چرانے لگے۔ اس وقت اہل ایمان نے ان الفاظ میں فوج کی حارص بندھائی اور اپنے رب سے صبر و شہادت کی التجا کرنے لگے:

﴿قَالَ الَّذِينَ يَلْمُؤْنَ اَنَّهُمْ مَّلُؤُوا اللّٰهَ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ

نتائج و فوائد..... عینِ یوسفِ حکیمین

﴿عدل و انصاف پر مبنی بادشاہت کا جواز﴾: حضرت شمولیہؑ کے واقعے سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ عدل و انصاف اور عوامی فلاح کی ضامن بادشاہت نہ صرف جائز ہے بلکہ محمود و مطلوب بھی ہے۔ نیز عادل حکمران، احکامِ الہی کا پابند بادشاہ مسلمانوں کی سربراہی کا اہل ہے۔ اور ایسی حکمرانی میں کوئی حرج اور قحاح نہیں ہے کیونکہ اگر بادشاہت فی نفسہ بری چیز ہوتی تو اللہ تعالیٰ اپنے کسی نبی کو بادشاہ نہ بناتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داود اور سلیمان علیہم السلام کو نبوت اور بادشاہت سے بیک وقت سرفراز فرمایا ہے اور انہیں نعمتِ نبوت کے ساتھ ایسی شاندار بادشاہت عطا فرمائی جو دوسرے کسی نبی کے حصے میں نہیں آئی۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے متعدد انبیائے کرام علیہم السلام کو اس نعمت سے نوازا تھا، لہذا ان پر اس خصوصی انعام کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿وَ اِذْ قَالَ مُوسٰی لِقَوْمِهٖ یَقُوْمُوْا لِرَبِّکُمْ اَللّٰهُ عَلَیْکُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْکُمْ اَنْبِیَآءَ وَ جَعَلَکُمْ مَّلَکًا ۝۱﴾

”اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم کہو! اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا ذکر کرو کہ اس نے تم میں سے پیغمبر بنائے اور تمہیں بادشاہ بنایا۔“ (المائدہ: 20/5)

نیز اس واقعے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سربراہی اور حکمرانی کے لیے اعلیٰ حسب و نسب کا حامل ہونا شرط نہیں بلکہ قیادت و سبوت کے لیے عقل و دانش مندی، حکمت اور جسمانی قوت و طاقت کی ضرورت زیادہ اہم ہے۔ حضرت طاقت ایک عام فوجی تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے مطالبے پر ان کا بادشاہ بنایا۔ حضرت داود علیہ السلام آپ کی فوج کے شاہ زور فوجی تھے۔

اس واقعے میں دورِ جدید کے نامداد مسلم دانش وروں اور سیاستدانوں کے لیے درسِ عبرت ہے جن کے دماغوں پر مغربی جمہوریت کا بھوت سوار ہے۔ یہ لوگ مغربی استعمار کی شاطرانہ چالوں کے دست و بازو بنے ہوئے ہیں۔ اور ایسے اسلامی ممالک پر طعن و تشنیع کرتے ہیں جہاں بادشاہت قائم ہے حالانکہ وہ اسلامی ممالک اپنے نظامِ عدل و انصاف اور فلاحی کارناموں کی بدولت اپنے عوام کے لیے نعمتِ ربانی بنے ہوئے ہیں۔ ان ممالک کے امن و امان اور عوامی سلامتی کا سواز ان مغربی جمہوری ممالک سے کریں تو نظامِ بادشاہت کی ہزار بار خوبیاں مغربی جمہوریت اور اس کے ولدادہ حکمرانوں پر اپنا جادو کرنا دکھائی دیں گی۔

صدمہ فساد: آج کے مسلمان سیاستدان اور دانشور ہی اس مغربی حسین کی زلف کے اسیر نہیں بلکہ اس صاحبِ جبہ و دستار اور

عرصہ اقتدار رہتا ہے پھر اس کے ظلم و ستم کا خاتمہ دوسرے گروہ کے ذریعے سے کر دیتا ہے تاکہ انسانیت کو نجات ملے اور ظالم اپنے انجام کو پہنچیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس حکمت الہی کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿وَلَوْ لَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ﴾

”اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرتا تو زمین میں فساد و فحش جاتا تاکہ انسانیت کو نجات دینا والوں پر بڑا فضل و کرم کرنے والا ہے۔“ (البقرة: 251/2)

نیز ارشاد فرمایا:

﴿وَلَوْ لَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهْجَتْ سَوَاحِلُ الْبِحَارِ وَصَلَتْ إِلَى أَمْثَلِ يَوْمِ الْآخِرَةِ﴾

”اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے نہ جھٹاتا رہتا تو عبادت خانے اور گرجے اور مسجدیں اور یہودیوں کے معبود اور مسجدیں جہاں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے۔ سب ڈھانے چاہتے ہوتے“ (الحج: 40/22)

لہذا تاریخ انسانی اللہ تعالیٰ کی اسی سنت کے شاہد ہے پھر یہی ہے۔ دنیا میں آنے والے ہر جابر، ظالم اور زبردست کو اللہ تعالیٰ نے ایک وقت تک غلبہ و اقتدار سے نواز اور پھر اس کی ری کھینچ کر دوسرے گروہ کو غلبہ و حکمرانی عطا کر دی۔ ظالم منکول و تاتاری، جرمن نازی، روسی و برطانوی استعمار دور و ماضی کے عبرت انگیز نمونے ہیں جو موجودہ سپر پاور اور اس کے حاشیہ برادران کے لیے نمونہ عبرت ہونے لگے ہیں۔ تاریخ اسلامی پر نظر دوڑائیں تو ابتدائے اسلام میں قریش مکہ، غریب مسلمانوں پر ہرم کا ظلم و ستم ڈھاتے دکھائی دیتے ہیں۔ انہیں بیت اللہ اور مکہ مکرمہ کی سرزمین سے ہجرت پر مجبور کر دیتے ہیں۔ لیکن چند ہی سالوں بعد ان کا سارا غلبہ و غرور اور غریب مسلمانوں کے قدموں تلے ہوتا ہے اور وہ بخشش کی بھیجی مانگتے دکھائی دیتے ہیں۔ (فاعتبروا یا اولی الابصار)

آداب قاضی: حضرت داود علیہ السلام کے قصے سے فیصلہ کرنے کے آداب اور قاضی کے آداب کا یہ چلتا ہے۔ حضرت داود علیہ السلام نے اپنے اوقات کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہوا تھا۔ ایک دن عبادت و ریاضت کے لیے ایک دن وعظ و نصیحت کے لیے، پھر ایک دن عوامی فیصلوں کے لیے اور ایک دن اپنے نفس اور اہل و عیال کے لیے۔ ایک ایسے دن جب کہ وہ ان کے نفس اور اہل خانہ کے لیے مختص تھا، دو دفعہ فرضی مقدمہ لے کر حاضر ہوتے۔ آپ نے صرف مدعی کی بات سن کر فیصلہ کر دیا اور مدعا علیہ کی حجت نہ سنی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے درجات بلند کرنے کے لیے آپ کو اس آزمائش میں ڈال دیا تھا۔ آپ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو فوراً بارگاہ الہی میں جھک گئے اور توبہ و استغفار کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكَلَّمَ دَاوُدَ إِنَّمَا كُنْتُ لَكَ سَافِعًا فَارْجِعْ رِجْلَكَ وَأَكْتُبْ لَكَ فَفَعَلْنَا لَهُ ذَلِكَ وَلَئِنْ لَمْ نَعِدْكَ لَأَكُنَّا لَنَاقِلِينَ﴾

مَعَ الصَّيِّئِينَ ﴿۱﴾

”جو لوگ بھیجتے تھے کہ وہ اللہ سے ملنے والے ہیں بولے: بسا اوقات چھوٹی سی جماعت بھی بڑی اور بہت سی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غلبہ پا لیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“ (البقرة: 249/2)

لہذا انہوں نے اس اظہار کے بعد کہ کامیابی کثرت تعداد اور اسلحہ کی فراوانی پر منحصر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کی مدد و حمایت پر منحصر ہے، اپنے رب سے یوں دعا کی:

﴿قَالُوا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْأَرْضِ الَّتِي بَدَلْنَا فِيهَا دِمَارَنَا بِدَارِنَا وَارْحَمْنَا إِنَّ أَصْرَنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ﴾

”اے ہمارے رب! ہمیں صبر سے، ثابت قدمی دے اور قوم لکھار پر ہماری مدد فرما۔“ (البقرة: 250/2)

چنانچہ وہ قلیل ہونے کے باوجود کامیاب و کامران ہوئے۔ اسی طرح جنگ بدر میں مسلمانوں نے صبر و ثبات اور اطاعت امیر کی اعلیٰ مثال پیش کرتے ہوئے اپنے رب کی نصرت و حمایت سے، قلیل تعداد اور بےروسامانی کے باوجود فتح پائی جبکہ کثرت تعداد اور اسلحہ کی فراوانی کے باوجود جنگ میں نہیں، ابتدا میں شکست کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ صبر و ثبات کی قلت اور اطاعت امیر کے جذبے میں لغزش پائی گئی تھی۔ لہذا مسلمان جرنیلوں کو جدید اسلحہ کی فراوانی کے ساتھ ساتھ ان دو بنیادی اوصاف کی تربیت کا بھی خصوصی اہتمام کرنا چاہیے۔

شیعیت و بہادری کا درس: حضرت داود علیہ السلام کے قصے سے اہل ایمان کو شجاعت و بہادری کا درس ملتا ہے۔ میدان جنگ میں دوسرے لٹاکار پر بہادر و شجاع مسلمانوں کا مبارزت کے لیے میدان میں کودنا ہمیشہ سے مسلمان شیر دل جوانوں کا عجیب مشغلہ رہا ہے۔ حضرت طاووس اپنی فوج کو لے کر جالوت کے سامنے صف آراء ہوئے تو وہ نہایت تکبر و غرور کے ساتھ سامنے آیا اور مسلمانوں کو مبارزت کے لیے پکارنے لگا۔ اس نے سچ بیچ بھی کیا کہ اگر وہ مغلوب ہو گیا تو اس کی قوم مسلمانوں کی غلام ہو جائے گی اور اگر وہ کامیاب ٹھہرا تو مسلمان اس کے غلام بن جائیں۔

اس لٹاکار پر نبیور شجاع حضرت داود علیہ السلام کے مقابلے میں آگے تشریف لائے اور تاک کر ایک پتھر اس کی پیشانی پر مارا جس سے وہ زمین پر پڑ گیا۔ آپ نے نہایت چھپتی سے اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ کارفرما نے اپنے نہایت بہادر سردار کا اتنی تیز رفتاری سے انجام بد دیکھا تو ان کے حوصلے جواب دے گئے۔ جبکہ مسلمانوں نے اپنے شیر دل جوان کے کارنامے کے بعد نہایت شجاعت سے جنگ لڑی اور کامیابی سے بہکنا نہ ہو گئے، حالانکہ وہ قلیل تعداد میں تھے۔ دشمن کثیر تعداد میں قتل ہوئے اور باقی رشتی حالت میں قیدی رہے۔

ظالموں کے بارے میں سنت اللہ: حضرت داود علیہ السلام کے قصے سے اس سنت الہی کا یہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل دنیا پر خصوصی فضل و کرم کرتے ہوئے یہ قانون بنایا ہے کہ وہ دنیا میں کسی کو دینی اقتدار و حکمرانی سے نہیں نوازتا۔ اگر ایسا ہوتا تو حکمران اللہ تعالیٰ کے احکامات کو فراموش کر کے ظلم کی انتہا کر دیتے، اس لیے اللہ تعالیٰ انسانوں کے ایک گروہ کو کچھ

❖ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے لوہے کی تختی اور منیوی کو نہایت نرم کر دیا تھا، لہذا آپ بغیر کچھلاے اور پتائے لوہے کو جس طرح چاہتے موڑ لیتے اور جیسے چاہتے اس کو شکل دیتے۔ آپ اس لوہے سے جنگی لباس زرہیں تیار کرتے جو انتہائی متناسب اور خوبصورت ہوتی تھیں۔ حضرت قتادہ رضی فرماتے ہیں کہ حضرت داود علیہ السلام سے پہلے بھی لوگ زرہیں بناتے تھے مگر وہ سادہ، بغیر کندوں اور بغیر حلقوں کے ہوتی تھیں لیکن آپ نے زرہیں کندوں اور حلقوں والی بنا سیں جو زیادہ مضبوط اور مفید تھیں۔

❖ آپ کو نہایت مستزمن اور پرسوز آواز ملا کی گئی تھی۔ جب آپ اپنی خوبصورت مستزمن آواز میں زبور کی تلاوت فرماتے تو پہاڑ بھی آپ کے ساتھ شریک تسبیح ہو جاتے اور پرندے ہوا میں ٹھہر جاتے اور آپ کے ساتھ تلاوت و تسبیح میں شریک ہو جاتے۔

❖ بلند و بالا جادہ پہاڑوں اور ہوا میں اڑتے ہوئے پرندوں کو آپ کے ساتھ تسبیحات کرنے کے لیے مسخر کر دیا گیا۔
❖ عبادت و ریاضت کا درس: حضرت داود علیہ السلام کے واقعے سے اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کی زیادہ سے زیادہ عبادت کرنے کا درس ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب آخر الزمان ﷺ سے داود علیہ السلام کا اسوۂ حسنہ بیان کیا کہ وہ نہایت عبادت گزار اور پروردگار کی طرف رجوع و انابت کرنے والے تھے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاذْكُرْ عَبْدًا مَّا دَاوُدَ ۚ اَلَيْكَ ؕ اِلَٰهَ اَنْۢبَاۓ﴾

”اور (اے نبی!) ہمارے بندے داود کو یاد کرو جو بڑی قوت والا تھا، یقیناً وہ بہت رجوع کرنے والا تھا۔“

(ص: 17/38)

آپ کی قوت سے دینی قوت و صلاحت مراد ہے۔ لہذا رسول اکرم ﷺ نے اپنی امت کو حضرت داود علیہ السلام کے اسوہ کو اختیار کرنے کی ترغیب دلائی ہے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے:

”اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب نماز داود علیہ السلام کی نماز ہے۔ اور سب سے زیادہ محبوب روزے داود علیہ السلام کے روزے ہیں۔ وہ نصف رات سو تے، پھر اٹھ کر تہائی رات کا قیام کرتے اور پھر اس کے پچھلے حصے میں سو جاتے، ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن ناغہ کرتے۔“

دور حاضر کے غافل مسلمانوں کے لیے اس فرمان نبوی میں شاندار رہنمائی موجود ہے۔ اسوہ حسنہ سے محروم ایک طبقہ رات بھر فلموں، گانوں اور لہو واجب کے دیگر مشاغل میں مصروف رہ کر اپنے رب کی عبادت سے محروم ہو جاتا ہے جبکہ اسوہ حسنہ سے غافل ایک دوسرا طبقہ رات بھر نواٹل پڑھتا رہتا ہے اور لگاتار روزے رکھ کر اپنے تقوے کا اظہار کرنا چاہتا ہے

وَحَسَنَ مَآبٍ ۝

”اور داد دیکھ گئے کہ ہم نے انہیں آزمایا ہے، پھر تو اپنے رب سے استغفار کرنے لگے اور عاجزی کرتے ہوئے گھر پڑے۔ اور (پوری طرح) رجوع کیا۔ پس ہم نے بھی ان کا وہ (قصور) معاف فرما دیا، یقیناً وہ ہمارے نزدیک بڑے سے مرتبے والے اور بہت اچھے ٹھکانے والے ہیں۔“ (ص: 25, 24/38)

بعض مفسرین کا خیال یہ ہے کہ دو شخص حقیقی جھگڑا لے کر آئے تھے۔ اس واقعے سے آپ کے مہربان کا احسان لیا گیا کیونکہ جس طرح اور جس وقت وہ آئے تھے اس سے انسانی طبیعت میں اشتعال اور غصے کا آفاقی بات تھی۔ دیوار چھانکر آنا عبادت میں دخل اندازی کرنا اور طرز نظم میں آپ کی شان و عظمت کا لحاظ نہ رکھنا، یہ سب امور غصہ دلانے کے لیے کافی تھے مگر آپ نے صبر کا مظاہرہ کیا تاہم جو بلکی سی طبعی ناگواری ہوئی تھی اس پر توبہ و استغفار کر کے اپنے رب کی طرف رجوع کیا۔

کچھ مفسرین کا خیال یہ ہے کہ آپ کی آزمائش یہ تھی کہ آپ قاضی ہوتے ہوئے بھی جھگڑوں میں الجھے ہوئے مدعیوں اور مدعا علیہان سے چھپ کر بیٹھے تھے حالانکہ قاضی کو ہر وقت فیصلہ کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ لہذا وہ دونوں مجبور ہو کر دیوار چھانک کر آپ کے پاس پہنچے۔

رسول اکرم ﷺ نے قاضیوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

”کوئی قاضی دو افراد کے درمیان غصے کی حالت میں فیصلہ نہ کرے۔“

موجودہ دور کے چیف جسٹس اور جج حضرات جو لمبی لمبی گاڑیوں اور حفاظتی دستوں کے حصار میں آتے ہیں اور مضبوط و آہنی فیصلوں کے اندر بیٹھ کر حکمران وقت کی خواہش و منشا کو پورا کرنے کے لیے فیصلے کرتے ہیں انہیں اس فرمان نبوی کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”قاضی تین قسم کے ہیں: ایک قسم جتنی ہے جبکہ دو قسمیں جہنم میں جا سکیں گی۔ جتنی قاضی وہ ہے جس نے حق کو پا کر اس کے مطابق فیصلہ کیا، اور جس قاضی نے حق کو معلوم کر کے بھی فیصلے میں ظلم کیا، جہنمی ہے۔ اور وہ قاضی بھی جہنمی ہے جس نے سنی پر جہالت فیصلے کیے۔“

❶ حضرت داود علیہ السلام کے معجزات: اللہ تعالیٰ نے حضرت داود علیہ السلام کو نبوت اور بادشاہت کی عظیم نعمتوں سے سرفراز فرمایا تھا۔ اس کے علاوہ درن ذیل معجزات سے آپ کو نوازا تھا:



نام و نسب اور حضرت داود علیہ السلام کے جانشین

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا نسب نامہ اس طرح بیان فرمایا ہے: سلیمان بن داود بن ایشا بن عوید بن عابر بن سلمون بن یحییٰ بن عیسیٰ بن ارم بن حرون بن فارس بن یہودا بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام
اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو حضرت داود علیہ السلام کا بادشاہت و حکمت نیز نبوت میں جانشین مقرر فرمایا اور اپنے فضل و کرم سے مزید عنایات کیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَوَرِّثْ سُلَيْمٰنُ دَاوُدَ وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عَلِمْتُ اَنَّكُمْ لَمَنْطِقَ الْكٰذِبِ وَاَوْثِقْنَا مِنْكُمْ لَكَيْۤسَۃً ۚ اِنَّ هٰذَا لَھُوَ الْفَضْلُ الْبَیِّنُ ﴿۱۶﴾﴾

”اور سلیمان، داود کے قائم مقام ہوئے اور کہنے لگے کہ لوگو! ہمیں (اللہ کی طرف سے) پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہر چیز عطا فرمائی گئی ہے۔ بیشک یہ (اُس کا) صریح فضل ہے۔“ (النمل: 16/27)

حالانکہ اسوۂ حسنہ سے محرومی و غفلت دونوں ہی دین و دنیا کے لیے مضر ہیں۔ اگر پہلا طبقہ تباہی کی راہ پر چل رہا ہے تو دوسرا طبقہ گمراہی کی روش اپنائے ہوئے ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کے اسوۂ حسنہ پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین



شکر کروں اور ایسے نیک کام کروں کہ تو ان سے خوش ہو جائے اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما۔“ (النمل: 17-19)

ایک دن سلیمان علیہ السلام نے جنوں اور انسانوں اور پرندوں پر مشعل اپنی تمام افواج کو جمع کیا اور کسی منزل کی طرف روانہ ہوئے۔ پرندوں نے اپنے پرؤں سے آپ پر سایہ کر رکھا تھا۔ بفرنگ پر چھوٹے بڑے افسر مقرر تھے جو تمام افراد کو اپنے مقام پر رکھتے تھے۔ جب وہ چوٹیوں کے میدان میں پہنچے تو ایک چوٹی نے کہا: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ ادْخُلُوا مَسْكِنَكُمْ لَا يَعْصِيَنَّكُمْ سُلَيْمَنٌ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ ”اے چوٹیو! اپنے اپنے گھروں میں گھس جاؤ! ایسا نہ ہو کہ بے خبری میں سلیمان اور ان کا لشکر تمہیں روند ڈالے۔“

حضرت سلیمان علیہ السلام نے چوٹی کی آواز سن لی اور جو بات اس نے دوسری چوٹیوں سے کہی تھی سمجھ لی۔ آپ یہ بات سن کر مسکرا دیے جو دوسرے دن سکے۔ بعض لوگوں کا یہ خیال غلط ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے پہلے جانور اور انسان ایک دوسرے سے بات چیت کرتے اور ایک دوسرے کی زبان سمجھتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان سے وعدہ لے لیا کہ وہ انسانوں سے باتیں نہیں کریں گے۔ اس لیے اب ہم ان کا باتیں نہیں کہہ سکتے یہ سب جانوروں کے خیالات ہیں۔ اگر یہ بات درست ہوتی کہ سب لوگ جانوروں کی بولیاں سمجھتے ہوتے تو حضرت سلیمان علیہ السلام کو دوسروں پر کوئی امتیاز حاصل نہ ہوتا۔ علاوہ ازیں حضرت سلیمان علیہ السلام کو جانوروں سے وعدہ لے کر کیا فائدہ حاصل ہو سکتا تھا کہ جانور انسانوں سے بات چیت نہ کریں۔ اسی امتیاز ہی کی وجہ سے آپ نے فرمایا: ﴿رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَفْكَرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ﴾ ”اے پروردگار! مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر بجالاؤں جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو عطا فرمائی ہیں اور مجھے توفیق دے کہ میں ایسے نیک اعمال کرنا شروع کروں جس سے تو خوش رہے اور مجھے اپنی رحمت سے نیک بندوں میں شامل کر لے۔“

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا یقیناً قبول فرمائی۔ والدین میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے والد حضرت داؤد علیہ السلام اور والدہ جو ایک عبادت گزار نیک خاتون تھیں، شامل ہیں۔

بدنہ اور ملکہ باقیس کا واقعہ

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر جہاں میں بدہ کی ڈیوٹی ایک انجینئر کی سی تھی۔ ایک روز بدہ بوقت حاضری غیر حاضر ہوا تو حضرت سلیمان علیہ السلام سخت ناراض ہوئے مگر بدہ ایک ایسی خبر لایا جس سے اللہ کے نبی بھی بے خبر تھے، لہذا اس کی غیر حاضری کا نہایت معقول عذر ہونے کی وجہ سے اس کا قصور قابل معافی تسلیم کر لیا گیا۔

یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام نبوت اور بادشاہت میں حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث تھے۔ آیت مبارکہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کو مایہ درایت ملنا اراد نہیں۔ کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام اور بیٹے بھی تھے۔ تو یہ ممکن نہیں کہ آپ ایک ہی بیٹے کو سارا مال دے دیں اور دوسروں کو محروم کر دیں۔ اس کے علاوہ صحیح حدیث پر کرام اللہ علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہمارا (انبیاء) کو کوئی وارث نہیں ہوتا۔ ہم جو چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔“ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ”ہم انبیاء کی جماعت کو کوئی وارث نہیں ہوتا۔“

چنانچہ انبیاء کرام علیہم السلام کا مال ان کی وفات کے بعد غریبوں اور محتاجوں میں صدقہ کر دیا جاتا ہے۔ یہ ان کے قریبی رشتے داروں کے لیے مخصوص نہیں ہوتا کیونکہ ان کی نظر میں دنیا بالکل حقیر اور بے قدر ہے جس طرح انہیں سمجھوتہ کرنے والے کی نظر میں یہ دنیا حقیر اور بے قدر ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلَيْنَا مَنَطِقُ الطَّيْرِ﴾ ”لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سنانی مل گئی ہے۔“ یعنی پرندے اپنی اپنی زبان میں جو باتیں کرتے ہیں، آپ اسے سمجھ لیتے تھے۔ ”وَإِذْ يَتَكَلَّمُونَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ“ ”ہمیں سب کچھ دیا گیا ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہر وہ چیز دی تھی، جس کی ضرورت ملک پر حکومت کے دوران میں ممکن ہے۔ یعنی ہر قسم کا سامان، ہتھیار، لشکر و سپاہ، جنوں، انسانوں، پرندوں اور حیوانوں کی جماعتیں اور علم و عقل اور تمام تعلقات کی باتوں کو سمجھنے اور اپنی بات سمجھانے کی طاقت وغیرہ۔ پھر فرمایا: ﴿إِنَّ هَذَا الْقَوْمَ الْقَضِيلَ السَّيِّئِينَ﴾ ”یہ ٹک یہ بالکل کھلا فضل الہی ہے۔“

بے شل ملک و حکومت کے مالک نبی: اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو چھ مہر پرندوں اور انسانوں پر بے شل حکمرانی عطا فرمائی تھی۔ آپ ان سب کی بولی سمجھتے تھے اور اس نعمت ربانی پر خاص طور پر شکر ادا بھی تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَحِجْرَ يَسْعَىٰ جُنُودَهُ مِنَ الْجِنَّ وَالْإِنْسِ وَالطَّيْرِ لَهُمْ يُوزَعُونَ﴾ حَتَّىٰ إِذَا أَكْبَرُوا عَلَى النَّبِيِّ قَالَتْ نَبَلَةٌ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ ادْخُلُوا مَسْكِنَكُمْ لَا يَعْصِيَنَّكُمْ سُلَيْمَنٌ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ فَتَنَبَّسَ صَاحِبًا مِنْ قَوْمِهَا وَقَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَفْكَرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ﴾

”اور سلیمان کے لیے جنوں اور انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کیے گئے۔ سو ان کی الگ الگ درجہ بندی کر دی گئی یہاں تک کہ جب چوٹیوں کے میدان میں پہنچے تو ایک چوٹی نے کہا کہ اے چوٹیو! اپنے اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ! ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اس کے لشکر تمہیں کل ڈالیں اور ان کو جبری نہ ہو۔ تب وہ اس کی بات سن کر خفس پر پڑے اور کہنے لگے کہ اے پروردگار! مجھے توفیق عطا فرما کہ جو احسانات تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کیے ہیں، ان کا

جواب دیتے ہیں۔ مگر نے کہا کہ دربار والو! میری طرف ایک گریہ نامہ ڈالا گیا ہے، وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور اس کا مضمون ہے: یہ شروع اللہ کا نام لے کر جو بڑا امیرمان، نہایت رحم والا ہے۔ (بعد اس کے یہ) کہ مجھ سے سرکشی نہ کرو اور دفعاً میرا دربار ہو کر میرے پاس چلے آؤ۔ (خط سنا کر) کہنے لگی کہ اسے اہل دربار! میرے اس معاملے میں مجھے مشورہ دو! جب تک تم حاضر نہ ہو (اور صلاح نہ دو) میں کسی کام کا فیصلہ کرنے والی نہیں۔ وہ بولے کہ ہم بڑے زوردار اور سخت جنگجو ہیں اور تم آپ کے اختیار میں رہو جو تم کو دیکھے گا (اُس کے انعام پر) نظر کر لیجئے گا اُس نے کہا کہ بادشاہ جب کسی شرمیں داخل ہوتے ہیں تو اُس کو تیار کر دیتے ہیں اور وہاں کے عزت والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں اور اسی طرح یہ بھی کریں گے اور میں اُن کی طرف کچھ توختہ جھپتی ہوں اور دیکھتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لاتے ہیں۔ جب وہ (قاصد) سلیمان کے پاس پہنچا تو سلیمان نے کہا: کیا تم مجھے مال سے مدد دینا چاہتے ہو۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو تم کو دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تم ہی اپنے حق سے خوش ہوتے ہو گے۔ اس کے پاس واپس جاؤ۔ اُن زمان پر اپنے لشکر سے حملہ کریں گے جس کے مقابلے کی اُن کو طاقت نہ ہوگی اور ان کو وہاں سے عزت کے نکال دیں گے اور وہ ذلیل ہو گے۔“ (النمل: 20/37)

کو جنگ کرنے کے لیے فوج کی ضرورت ہے تو ہم پر فیض انعام دینے کے لیے پوری طرح تیار ہیں تاہم آخری فیصلہ آپ ہی کا ہوگا۔ آپ خود ہی سمجھ لیں کہ ہمیں آپ کیا حکم فرمائیں گی۔“
www.KitaboSunnat.com
 تاہم اس کی رائے سرداروں کی رائے سے بہتر تھی اور وہ عقل میں ان سے برتر تھی، اسے معلوم ہو گیا کہ اس اعزاز سے خطا سمجھنے والے کا مقابلہ کرنا یا اسے دھوکا دینا ممکن نہیں۔ اس نے کہا: ﴿إِنَّ الْمَلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعْنَاقَهُمْ آفَئِيَةً أَفَئِيَةً كَالَّذِينَ يَفْعَلُونَ﴾ ﴿۱﴾ ”بادشاہ جب کسی بستی میں گھستے ہیں تو اسے اجاڑ دیتے ہیں اور وہاں کے باغ و باغات کو ذلیل کر دیتے ہیں اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے۔“ اس نے کہا کہ اگر یہ بادشاہ ہمارے ملک پر غلبہ آ گیا تو اس کے غیظ و غضب کا نشانہ سب سے پہلے میں ہی ہوں گی۔ اس لیے: ﴿وَأَوْرَثْنَا مَرْثِيَّةَ إِلَيْهِمْ يَهْدِيكَ فَنَظَرًا يَمْشِي بِرُوحِ الْمُرْسَلِينَ﴾ ﴿۲﴾ ”میں انہیں ایک ہدایت دیتی ہوں، پھر دیکھ لوں گی کہ آپ کا قصہ کیا جواب لے کر لوٹتے ہیں۔“

اس کا خیال تھا کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو رشوت دے کر انہیں خوش کر دے گی اور اس طرح اپنی سلطنت بچالے گی۔ اسے معلوم نہ تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ایک نبی ہیں جو کفر کے ساتھ مصالحت اختیار نہیں کر سکتے۔ پس جب کا قصہ سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا: ﴿أَتَيْتُكُمْ بِسُلَيْمٍ فَخُذُوا إِلَيْهِ خَيْرَ مَا تَشَاءُونَ﴾ ﴿۱﴾ ”اے تم! میرے بھائیوں! تم نے مجھے مدد مانجا ہے ہو؟ مجھے تو میرے رب نے اس سے بہت بہتر دے رکھا ہے جو اس نے تمہیں دیا ہے۔ بہتر یہی اسے اپنے تحفے کے ساتھ خوش رہو۔“ تب آپ نے اس کے سفیر سے فرمایا: ﴿ارْجِعْ إِلَيْهِمْ فَلَنَأْتِيَهُمْ بِجُثُلٍ وَلَا قِبَلٍ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَهُمْ مِنْهَا أَذِلَّةً وَهُمْ صَاغِرُونَ﴾ ﴿۲﴾ ”جا! ان کے پاس لوٹ جا (اور انہیں مغرب کرنے کے لیے فرما) ہم ان (کے مقابلہ) میں وہ لشکر لائیں گے جن کا سامنا کرنے کی ان میں طاقت نہیں اور ہم انہیں ذلیل و ہست کر کے وہاں سے نکال دیں گے۔“

جب کا قصہ اس قدر سخت جواب لے کر واپس پہنچا تو انہیں اطاعت قبول کرنے کے سو اکوئی چارہ نظر نہ آیا، چنانچہ وہ ملکہ سمیت حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر ابھار اطاعت کرنے کے لیے روانہ ہو گئے۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ اطلاع ملی تو آپ اپنے فرماں بردار جنوں سے مخاطب ہوئے:

﴿قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَنْ يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ﴾ ﴿۱﴾ قَالَ عِفْرِيَّتُ مِنَ الْجِنِّ أَنَا الْكَبِيرُ بِه قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَأَى مُسْتَقَرًّا عِنْدَهُ قَالَ هَذَا مِنْ فَضْلِي رَبِّي لَا يَمْلِكُ لِي أَشْكُرُ أَمْ أَفْكُرُ وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي عَزِيزٌ كَرِيمٌ﴾ ﴿۲﴾ قَالَ لِكُلُّوهُمَا عَرْشَهَا نَنْظُرَ أَتَيْتَنِي أَمْ تَكُونُونَ مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ﴾ ﴿۳﴾ فَلَمَّا جَاءَتْ قَبِيلُ الْأَهْكَدِ عَزَّاشُهَا قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ وَأَوْتَيْنَا الْحِجْلَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ﴾ ﴿۴﴾ وَصَدَّحَا مَا

کے زمانے میں اس کی حکمرانی شاہی خاندان کی ایک عورت تھی کیونکہ سابق بادشاہ کا کوئی بیٹا نہیں تھا جو بادشاہ بن سکتا۔ حضرت ابوبکر پرہیزگار سے روایت ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کو امیران کی حکومت پر ایک عورت کے فائز ہونے کی خبر ملی تو آپ نے فرمایا: ”وہ تو مجھے بھی فلاں نہیں پائے گی جس نے عورت کو حکمران بنالیا ہے۔“ ﴿۱﴾

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَأَوْتَيْنَا مِنْ كُلِّ قَبِيلَةٍ﴾ ﴿۱﴾ کا مطلب یہ ہے کہ ”ہم ہر چیز سے کچھ نہ کچھ دیا گیا ہے۔“ اسے ہر وہ چیز ملی ہے جو بادشاہوں کے پاس ہوا کرتی ہے۔ ﴿وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ﴾ ﴿۲﴾ ”اور اس کا تخت بھی بڑی عظمت والا ہے۔“ اس کے تخت میں طرح طرح کے ہیرے جواہرات اور موتی لگے ہوئے تھے اور وہ سونے سے مزین تھا۔

پھر ہد ہد نے بتایا کہ وہ اللہ کے ساتھ کفر کرنے والے لوگ ہیں۔ اللہ کو چھوڑ کر سوروں کو پوجتے ہیں۔ شیطان نے انہیں اس اللہ سے دور کر دیا ہے جو آسمانوں اور زمین میں سے چھپی ہوئی اشیا نکالتا ہے اور وحشی اور مثنوی تمام ظاہری اور پوشیدہ اشیا سے خوب واقف ہے۔ ﴿اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ﴾ ﴿۱﴾ ”اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہی عظمت والے عرش کا مالک ہے۔“ یعنی اس کا تخت اتنا بڑا ہے کہ مخلوقات میں سے کوئی چیز اس سے بڑی نہیں۔

﴿مَلِكٌ يُطِيعُ وَدُوعًا تَوْحِيدًا﴾ ﴿۱﴾ اس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام نے خط بھیجا جس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کی دعوت دی گئی تھی اور آپ کی اطاعت قبول کرنے کا حکم تھا۔ اسی لیے فرمایا: ﴿أَلَا تَعْلَمُونَ﴾ ﴿۱﴾ ”تم میرے سامنے سرکشی نہ کرو!“ بلکہ میرے حکم کی تعمیل کرو۔ ﴿وَأَتَيْنَا مُسْلِمِينَ﴾ ﴿۲﴾ ”اور مسلمان بن کر میرے پاس آ جاؤ!“

جب ہد ہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط لکھ لیا تو انہیں کو پہنچایا۔ اس نے پڑھا اور دیروں مشرول کو طلب کر لیا تا کہ اس خط کے بارے میں مشورہ کرے۔ اس نے انہیں صورت حال کی خبر دیتے ہوئے کہا: ﴿إِنِّي لَأَنبِيٌّ لِّقَوْمٍ كَثَبٌ يَوْمَئِذٍ﴾ ﴿۱﴾ ”میری طرف ایک گمراہی نامہ ڈالا گیا ہے۔“

پھر خط سمجھنے والے کا پتہ بتایا: ﴿إِنَّهُ مِنْ مَلِكِينَ﴾ ﴿۱﴾ ”وہ سلیمان کی طرف سے ہے“ پھر خط کا مضمون پڑھ کر سنایا: ﴿وَلَمَّا سَمِعَ اللَّهُ رَجْوَةَ الرَّجْمِ﴾ ﴿۱﴾ ﴿أَلَا تَعْلَمُونَ﴾ ﴿۲﴾ ”وہ بخشنے کرنے والے مہربان اللہ کے نام سے شروع ہے۔ یہ کہ تم میرے سامنے سرکشی نہ کرو اور مسلمان بن کر میرے پاس آ جاؤ!“

پھر ان سے مشورہ طلب کرتے ہوئے بولی: ﴿يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَتُونِي فِي أَمْرِي مَا كُنْتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّى تَشْفَهُنَّ وَنَ﴾ ﴿۱﴾ ”اے میرے سردار! تم میرے سامنے اس معاملے میں مشورہ دو۔ میں کسی امر کا قطع فیصلہ نہیں کیا کرتی جب تک تمہاری موجودگی اور رائے نہ ہو۔“

انہوں نے کہا: ﴿نَحْنُ أَوْلُوهُ قُوَّةً وَأَوْلُوا بِأَيِّنْ شَيْئٍ﴾ ﴿۱﴾ ﴿وَالْأَمْرُ إِلَيْكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَأْمُرُنَا﴾ ﴿۲﴾ ”(اگر آپ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَالْقَيْنَ عَلَى رُؤُوسِهِمْ جَسَدًا ثُمَّ أَنَابَ﴾

”اور ہم نے سلیمان کی آزمائش کی اور ان کے تحت پر ایک جسم ڈال دیا پھر انہوں نے رجوع کیا۔“

مفسرین نے اس مقام پر بہت سی کایات بیان کی ہیں جو زیادہ تر اہل کتاب سے ماخوذ ہیں۔ ان کا خلاصہ جیسے کہ ابن جریر رُفَع نے بیان کیا ہے، کچھ یوں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے تخت سے چالیس دن غائب رہے۔ پھر واپس آئے تو بیت المقدس کی تعمیر کا حکم دیا۔ آپ نے اس کی عمارت بہت مضبوط بنوائی۔ صحیح بات یہ ہے کہ بیت المقدس کو حضرت یعقوب علیہ السلام نے تعمیر کروایا تھا البتہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے دوبارہ تعمیر فرمایا۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ”انہوں نے فرمایا: میں نے کہا: اللہ کے رسول! سب سے پہلے کون سی مسجد بنی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مسجد حرام“ میں نے کہا: اس کے بعد؟ فرمایا: ”بیت المقدس کی مسجد۔“ میں نے کہا: ”ان دونوں کے درمیان کتنی مدت ہے؟“ فرمایا: ”چالیس سال۔“^①

یہ بات وضاحت کی محتاج نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ بلکہ ہزار سال سے زیادہ مدت کا وقفہ ہے اور آپ نے جو دعا کی تھی کہ مجھ جیسی حکومت کی اور کو نہ ملے، وہ وہ بیت المقدس کی (دوبارہ) تعمیر کے بعد کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس تعمیر کرایا تو اللہ سے تین دعائیں کیں۔ ان کی دودعا میں قبول ہو گئیں اور تیسری قبول نہیں ہوئی۔ امید ہے کہ وہ تیسری نعمت ہمیں (امت محمدیہ کو) ملے گی۔ آپ نے اللہ سے دعا کی تھی کہ آپ کے فیصلے (حق پر مبنی اور) اللہ کے فیصلوں کے مطابق ہوں۔ اللہ نے یہ چیز دی۔ آپ نے دعا کی کہ آپ کو ایسی حکومت ملے جو کسی اور کے لائق نہ ہو۔ اللہ نے یہ چیز بھی عطا فرمائی۔ آپ نے دعا کی کہ جو شخص گھر سے صرف اس مسجد میں نماز کے ارادہ سے روانہ ہو، وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائے جس طرح اپنی ماں سے پیدا ہوا ہے وقت (گناہوں سے پاک) تھا۔ ہمیں امید ہے کہ اللہ نے یہ دعا ہمارے حق میں قبول فرمائی ہے۔“^②

حضرت سلیمان علیہ السلام کے شاہکار فیصلے

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں آپ کی اور آپ کے والد کی تعریف میں ان کے فیصلے کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

① صحیح البخاری: ”أحاديث الأنبياء“ حديث: 3366 و صحیح مسلم: ”المساجد“ باب المساجد و مواضع الصلاة“ حديث: 520 و مسند أحمد: 150/5

② مسند أحمد: 176/2 سنن النسائي: ”المساجد“ فضل المسجد الأقصى و الصلاة فيه“ حديث: 694

حضرت سلیمان علیہ السلام کا اللہ کے ہاں مقام و مرتبہ اور بیت المقدس کی تعمیر

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَانَ ۖ نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّكَ أَوَّابٌ ۝ إِذْ عَرَضَ عَلَيْنَا بِالْحَقِّ الصُّفُوفُ الْجَبَّادُ ۖ فَقَالَ إِنِّي أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي ۖ حَتَّى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۖ رَدُّوهُمَا عَلَيَّ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ ۖ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَالْقَيْنَ عَلَى رُؤُوسِهِمْ جَسَدًا ثُمَّ أَنَابَ ۖ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا ۚ لَئِنْ مَنَعْتَنِي رِجْهًا مِنْ بَعْدِي ۖ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ۖ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رِجَاءً حَيْثُ أَصَابَ ۖ وَالصَّيَاطِينَ كُلَّ بَنَّاءٍ وَغَوَّاسٍ ۖ وَأَخْوَيْنَ مَقَرَّتَيْنِ فِي الْأَصْفَادِ ۖ هَذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۖ وَإِنَّ لَكُمْ عِنْدَنَا لَازِفَةً ۖ وَحَسَنَ مَا لِي ۖ﴾

”اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیے۔ بہت خوب بندے (تھے اور) وہ (اللہ کی طرف) رجوع کرنے والے تھے۔ جب اُن کے سامنے شام کو خامسے کے گھوڑے پیش کیے گئے تو کہنے لگے کہ میں نے اپنے پروردگار کی یاد سے (غافل ہو کر) مال کی محبت اختیار کی۔ یہاں تک کہ (آفتاب) پردے میں چھپ چکا گیا (بولے کہ) اُن کو میرے پاس واپس لے آؤ پھر اُن کی مانگوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ اور ہم نے سلیمان کی آزمائش کی اور اُن کے تحت پر ایک دھڑ ڈال دیا پھر انہوں نے (اللہ کی طرف) رجوع کیا (اور) دعا کی کہ اسے پروردگار! مجھے معاف فرما مجھ کو ایسی بادشاہی عطا فرما کہ میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو۔ بیشک تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔ پھر ہم نے ہوا کو اُن کے زیر فرمان کر دیا کہ جہاں وہ چھٹپٹا جاتے اُن کے حکم سے نرم نرم طلعے پڑے اور دیوؤں (جنات) کو بھی (اُن کے زیر فرمان کر دیا) وہ سب مائیں بنانے والے اور غوطہ مارنے والے تھے اور اوروں کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے (ہم نے کہا) یہ ہماری بخشش ہے (چاہو تو) احسان کرو یا (چاہو تو) رکھ چھوڑو (تم سے) کچھ عطا نہیں ہے۔ اور بیشک ان کے لیے ہمارے ہاں قرب اور عمدہ مقام ہے۔“ (ص: 38/40-39)

ایک شام حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں عمدہ نسل کے گھوڑے پیش کیے گئے۔ آپ ان کے سامنے میں اس قدر مشغول ہوئے کہ عصر کی نماز کا وقت گزر گیا، تاہم آپ نے نماز قضا نہیں کی تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کی شریعت میں ایسے نذر کی وجہ سے نماز میں تاخیر جائز ہو۔

بعض علماء نے آیت کی تشریح اس طرح کی ہے کہ آپ نے گھوڑے دوڑائے، جب نظروں سے اوجھل ہو گئے تو فرمایا: ”انہیں واپس لاؤ!“ پھر آپ ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر شفقت سے ہاتھ پھیرنے لگے۔

کے ساتھ بیچ کرتے تھے اور پندوں کو بھی (مسخ کر دیا تھا) اور ہم ہی (ایسا) کرنے والے تھے اور ہم نے تمہارے لیے ان کو ایک (طرح کا) لباس بنانا بھی سکھا دیا تاکہ تم کو لڑائی (کے ضرر) سے بچائے، پس تم کو شکر گزار ہونا چاہیے۔“ (الانبیاء: 80/79/21)

ہوا اور جنات پر سلیمان علیہ السلام کی حکمرانی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَسُلَيْمَانَ الَّتِي تَجْرِي بِأَمْرِهِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا ۖ وَلَكِنَّا جَنَّاتٍ عَالِيَيْنَ ۖ وَمِنَ الشَّيْطَانِ مَن يَخْوَصُونَ لَهُ وَيَعْبُدُونَ عَمَلًا دُونَ ذَلِكَ ۖ وَلَكِنَّا لَهُمْ حُفُوظِينَ ۖ﴾

”اور ہم نے نیز ہوا و زمین کے تابع (فرمان) کر دی تھی جو ان کے حکم سے اس ملک (شام) میں چلتی تھی جس میں ہم نے برکت دی تھی اور ہم ہر چیز سے خبردار ہیں۔ اور جنات (دیووں کی جماعت کو بھی ان کے تابع کر دیا تھا کہ ان) میں سے بعض ان کے لیے غوطے مارتے تھے اور اس کے سوا اور کام بھی کرتے تھے اور ہم ان کے نگہبان تھے۔“ (الانبیاء: 82/81/21)

اور سورہ ص میں فرمایا:

﴿سَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رِيحًا حَافِيَةً ۖ وَالشَّيْطَانُ كُلُّ مَلَكٍ وَفَوَّاسٍ ۖ وَالْحَمِيرُ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ۖ هَذَا عَظَمُ مَا كَفَّلْنَا لَهُمْ ۖ وَأَوْفَيْتُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۖ وَلَئِنْ لَّدُنَّا لَكُوفٍ ۖ وَحَسَنَ مَا بَدَأَ ۖ﴾

”پس ہم نے ہوا کو ان کے ماتحت کر دیا، وہ آپ کے حکم سے جہاں آپ چاہتے نرمی سے پہنچا دیا کرتی تھی۔ ہر غارت بنانے والے اور غوطہ خور جن کو بھی (آپ کے ماتحت کر دیا) اور دوسرے جنات کو بھی جو زنجیروں میں بکڑے رہتے۔ یہ ہے ہمارا عظیم، اب تو احسان کر یا رک رکھ، کچھ حاسبہ نہیں۔ ان کے لیے ہمارے پاس بڑا تقرب اور بہت اچھا ٹھکانا ہے۔“ (ص: 38/36-40)

جب آپ نے اللہ کی رضا کے لیے گھوڑے چھوڑ دیے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے عوض آپ کو ہوا کی سواری عطا فرمائی جو زیادہ تیز رفتار، زیادہ دقت والی اور زیادہ عظیم تھی اور اس کو سنبھالنے اور دیکھ بھال کرنے کی مشقت اٹھانے کی بھی ضرورت نہ تھی۔ ﴿تَجْرِي بِأَمْرِهِ رِيحًا حَافِيَةً ۖ﴾ ”وہ آپ کے حکم سے جہاں آپ چاہتے نرمی سے پہنچا دیا کرتی تھی۔“

﴿وَدَاوُدَ وَ سُلَيْمَانَ إِذْ يَخْلُكُنِ فِي الصَّحْرِ إِذْ نَفَسَتْ فِيهِ عَنَمُ الْقَوْمِ ۖ وَلَكِنَّا لَحَمِيحُهُمْ شَهِيدِينَ ۖ فَفَقِهْنَاهَا سُلَيْمَانَ ۖ وَكَوَلًا آتَيْنَاهَا حُكْمًا وَعِلْمًا ۖ﴾

”اور داؤد اور سلیمان (کا حال بھی سن لو کہ) جب وہ ایک ہتھیار کے مقدمہ کا فیصلہ کرنے لگے جس میں کچھ لوگوں کی کبریاں رات چر گئی تھیں (اور اسے روند گئی تھیں) اور ہم ان کے فیصلے کے وقت موجود تھے تو ہم نے فیصلہ (کرنے کا طریق) سلیمان کو سمجھا دیا اور ہم نے دونوں کو حکم یعنی حکمت و نبوت اور علم بخشا تھا۔“ (الانبیاء: 78/77/21)

قاضی شریع رحمہ اللہ اور دیگر حضرات نے بیان کیا ہے کہ ان لوگوں کا انگوروں کا باغ تھا۔ دوسرے لوگوں کی کبریاں رات کو باغ میں آگئیں اور اسے نقصان پہنچایا۔ انہوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے مقدمہ پیش کیا۔ آپ نے فیصلہ دیا کہ باغ والوں کو نقصان کے مطابق رقم ادا کی جائے۔ فریقین وہاں سے نکلے تو حضرت سلیمان علیہ السلام سے ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے کہا: ”اللہ کے نبی (داؤد) نے تمہارا کیا فیصلہ کیا ہے؟“ انہوں نے بتایا۔ آپ نے فرمایا: ”اگر میں ہوتا تو یہ فیصلہ کرتا کہ کبریاں باغ والوں کے حوالے کی جائیں، وہ ان کے دودھ وغیرہ سے فائدہ اٹھائیں اور کبریوں والے باغ کو درست کر کے دیسا کر دیں جیسا وہ پہلے تھا۔ تب اپنی کبریاں واپس لے لیں۔“ جب حضرت داؤد علیہ السلام تک یہ خبر پہنچی تو انہوں نے یہی فیصلہ نافذ فرمادیا۔

اسی طرح کا ایک واقعہ صحیحین میں حضرت البرہہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دو عورتوں کے پاس ایک ایک بچہ تھا۔ جھیزے نے حملہ کیا اور ایک عورت کا بچہ لے گیا۔ بڑی نے کہا: وہ تیرا بچہ لے گیا ہے، چھوٹی نے کہا: وہ تیرا بچہ لے گیا ہے۔ انہوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں مقدمہ پیش کیا تو آپ نے بڑی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ باہر نکلیں تو حضرت سلیمان علیہ السلام سے ملاقات ہو گئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: ”جھیز لاؤ! میں بچے کو چیر دوںوں کو آدھا آدھا بچہ دے دوں گا۔“ چھوٹی نے کہا: نہیں میں ایسا نہ کریں ”اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔ یہ بچہ بڑی ہی کا ہے“ سو آپ نے بچے کا فیصلہ چھوٹی کے حق میں کر دیا۔“ ①

مفسرین نے ان کی شریعت میں دونوں حضرات کے کیے ہوئے فیصلوں کی گنجائش ہو لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ راجح تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کی سمجھداری کی تعریف فرمائی اور فرمایا:

﴿وَكَلَّا آتَيْنَاهَا حُكْمًا وَعِلْمًا ۖ وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ وَالصَّخْرَ ۖ وَكَانَ مُعْتَدِلًا ۖ وَلَكِنَّا لَحَمِيحُهُمْ شَهِيدِينَ ۖ وَكَانَ عَمَلُهُ صَنِيعًا ۖ لَكُم مِّنْ صُنْعِهِ مِمَّنْ يَأْتِي صُلْبًا ۖ قَهْلًا أَنْتُمْ شَكِرُونَ ۖ﴾

”اور ہم نے دونوں کو حکم (یعنی حکمت و نبوت) اور علم بخشا تھا اور ہم نے پہاڑوں کو داؤد کے لیے مسخر کر دیا تھا کہ ان

① صحیح البخاری: أحادیث الأنبياء باب قول الله تعالى ﴿وَوَعَيْنَا دَاوُدَ سُلَيْمَانَ﴾... حدیث: 3427 و صحیح مسلم

ایسا ملک عطا فرما جو میرے سوا کسی (مخلص) کے لائق نہ ہو۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”آج رات ایک شریر جن میرے سامنے آ گیا تاکہ میری نماز خراب کرے۔ میں نے اس پر اللہ کی توفیق سے قابو پایا۔ میرا جی چاہا کہ اسے مسجد کے کسی ستون سے باندھ دوں تاکہ تم سب اسے دیکھو۔ پھر مجھے ایسے بھائی حضرت سلیمان علیہ السلام کی وہ دعا یاد آ گئی کہ انہوں نے فرمایا تھا: ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مَلَكًا كَذَبْتَنِي اِخْوًا مِنْ بَعْدِي﴾ ”اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسا ملک (اور ایسی حکومت) عطا فرما جو میرے سوا کسی کے لائق نہ ہو۔“ تب میں نے اسے ذیل کر کے چھوڑ دیا۔“

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: نبی ﷺ نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے تو ہم نے آپ کو (نماز کے دوران میں) یہ فرماتے سنا: ”میں تجھ سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ میں تجھ پر اللہ کی لعنت بھیجتا ہوں۔“ تین بار فرمایا اور آپ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا جو ایک کسی چیز کو چکنا چا چاہتے ہیں۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو ہم نے عرض کی: اللہ کے رسول ﷺ! ہم نے آپ کو نماز میں وہ بات کہتے سنا ہے جو بات کہتے پہلے کبھی نہیں سنا اور ہم نے آپ کو ہاتھ بڑھاتے دیکھا ہے (اس کی کیا وجہ ہے؟)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کا دشمن ایسا آگ کا شعلہ لے کر آیا تھا کہ میرے چہرے پر پھینک دے۔ تب میں نے تین بار کہا: میں تجھ سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ پھر میں نے کہا: میں تجھ پر اللہ کی ساری لعنت بھیجتا ہوں۔ تین بار کہنے پر بھی وہ پیچھے نہ ہٹا۔ میں نے چاہا کہ اسے پکڑ لوں۔ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام نے وہ دعا نہ کی ہوتی تو وہ صبح کو بندھا ہوا ملتا، مدینے والوں کے بیچ اس سے کیلتے۔“

ان شاء اللہ کہنے کا نتیجہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”حضرت سلیمان بن داود علیہ السلام نے فرمایا: ”میں آج ستر خواتین کے پاس جاؤں گا۔ ہر ایک سے ایک شہسوار پیدا ہوگا جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا۔“ آپ کے ساتھی نے کہا: ”ان شاء اللہ کہیے!“ آپ نے نہ کہا، چنانچہ ان میں سے صرف ایک خاتون کے پاں بچے پیدا ہوئے اس کا بھی جسم آدھا تھا۔“ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اگر آپ ان شاء اللہ کہتے دیتے تو (آپ کی خواہش پوری ہوتی اور سچے پیدا ہو کر جو ان

① صحیح البخاری: ”احادیث الانبياء“ باب قول الله تعالى ﴿وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَانَ﴾..... حدیث: 3423

② صحیح مسلم: ”المساجد“ باب حواجز عن الشیطان فی أثناء الصلاة..... حدیث: 541 و سنن النسائی: ”السہو“ باب عن ابلیس التعوذ بالله منه فی الصلاة..... حدیث: 1216

سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک قالین تھا، جس میں لکڑیاں لگی ہوئی تھیں۔ آپ اس پر حسب ضرورت مکانات بنیے، گھوڑے، اونٹ، ساز و سامان اور جن و انس وغیرہ رکھ لیتے اور دشمن کے خلاف جہاد وغیرہ میں آپ اس ہوا کے ذریعے سے سفر کرتے تھے۔ آپ جہاں جانا چاہتے، آپ کے حکم سے ہوا اسے اڑا کر وہاں لے جاتی تھی اور آپ جس رفتار سے سفر کرنا چاہتے، ہوا اس کی تیزی سے چلتی تھی۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ عِندَ مَا هَاجَهُمْ وَرَوَّاهَا عَنْهُمْ وَرَدَّاهَا بَعْدَ رَدِّهَا وَكَانَ سُلَيْمَانُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَخْرُجُ مِنْ بَيْتِهِ يَدْعُوهُ بِأَذْنَانِهِ وَمَنْ يَرْجِعْ مِنْهُمْ عَنْ أَهْلِكَ نَفْسٌ مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ ﴿١﴾ يَعْلَمُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَحَارِبٍ وَسَكَنَاتٍ وَجَنَّاتٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رَاسِيَتٍ رِجْسًا لَكُمُ الشُّكْرُ وَالْقِيلِزُ ﴿٢﴾ عِبَادِي الشُّكْرُ ﴿٣﴾﴾

”اور ہوا کو (ہم نے) سلیمان کے تابع کر دیا تھا“ اُس کی صبح کی منزل ایک مینے کی راہ ہوتی اور شام کی منزل بھی مینے بھری ہوتی اور ان کے لیے ہم نے تانبے کا چشمہ بہا دیا تھا اور جنوں میں سے کچھ ایسے تھے جو ان کے پروردگار کے حکم سے اُن کے آگے کام کرتے تھے اور جو کُن اُن میں سے ہمارے حکم سے پھرے گا اُس کو ہم (جنہن کی) آگ کا مزہ چکھا دیں گے۔ وہ جو چاہتے، یہ اُن کے لیے بناتے یعنی قلعے اور جسے اور (بڑے بڑے) لگن یعنی پیالے جیسے تالاب اور کھیں جو ایک ہی جگہ رکھی رہیں۔ اے داؤد کی اولاد! (میرا) شکر کرو اور میرے بندوں میں شکر گزار تھوڑے ہیں۔“ (سج: 12/34)

اللہ تعالیٰ نے جنوں کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے مطیع کر دیا تھا۔ وہ ان کے حکم سے ہر کام انجام دیتے تھے اور کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتے تھے۔ اگر کوئی حکم عدول کی جرأت کرتا تو آپ اسے سخت سزا دیتے تھے۔ وہ (جن) ان کے لیے عمرانی عمارتیں بناتے اور دیواروں پر تصویریں بناتے۔ یہ کام حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں جائز تھا اور بڑے بڑے حوض بناتے اور بڑی بڑی دیکھیں بناتے جو ایک ہی جگہ پڑی رہیں۔ ان میں کھانا پکا کر غرب انسانوں کو اور مرض جانوروں کو کھلایا جاتا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿رِجْسًا لَكُمُ الشُّكْرُ وَالْقِيلِزُ ﴿٢﴾ عِبَادِي الشُّكْرُ ﴿٣﴾﴾ ”اے آل داؤد! شکر کے طور پر نیک عمل کرو۔ میرے بندوں میں شکر گزار بندے کم ہی ہوتے ہیں۔“

اس کے بعد فرمایا: ﴿وَالشَّيْطَانُ كُلُّ مَنَّا وَغَوَّاصٌ ۚ وَالْخَوَيْنِ مُتَقَرِّبِينَ فِي الْأَصْفَادِ ﴿٤﴾﴾ ”ہر غمارت بنانے والے اور غور و خور جن کو بھی (آپ کے ماتحت کر دیا) اور دوسرے جنت کو بھی جو زنجیروں میں بکڑے رہتے۔“ یعنی کچھ جن حضرت سلیمان علیہ السلام کی اطاعت کرتے تھے اور کچھ شیطان جن آپ کی نافرمانی کرتے تھے۔ جنہیں زنجیروں میں بکڑ دیا جاتا تھا۔ یہ سب جن اور انسان وغیرہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ماتحت تعلقات میں شامل تھے۔ یہ آپ کی اس دعا کی توفیق کے مظاہر تھے جو آپ نے اس طرح فرمائی تھی: ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مَلَكًا كَذَبْتَنِي اِخْوًا مِنْ بَعْدِي﴾ ”یارِ رب! مجھے

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَى مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنْسَأَتَهُ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتْ

الْأَيْمُنُ أَنْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْبَهِيمِ ۝﴾

”پھر جب ہم نے ان کے لیے موت کا حکم صادر کر دیا تو کسی چیز سے ان کا مرنا معلوم نہ ہوا مگر گھن کے کیڑے سے جو ان کا عصا کھا تا رہا۔ جب عصا گر پڑا جب جنوں کو معلوم ہوا (اور کہنے لگے) کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو

ذلت کی تکلیف میں نہ رہتے۔“ (سبأ: 14/34)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد گھن کا کیڑا ایک سال تک ان کے عصا کو کھا تا رہا۔ تب آپ کا جسم مبارک گرا۔^①

امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آپ کی عمر پچاس سال سے کچھ زیادہ تھی۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کا بیٹا رجاء بادشاہ ہوا۔ اس نے سترہ سال حکومت کی۔ اس کے بعد بنی اسرائیل کی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔



ہوتے اور) وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے۔“^②

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سلیمان بن داؤد علیہ السلام نے فرمایا: ”آج رات میں سو سو عورتوں کے پاس جاؤں گا۔ ہر ایک سے ایک لڑکا پیدا ہوگا جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا۔“ آپ کو ان شاء اللہ کہنا یاد نہ رہا۔ آپ ان سب کے پاس گئے۔ ان میں سے کسی کے ہاں بچہ پیدا نہ ہوا۔ صرف ایک خاتون سے آدھا بچہ پیدا ہوا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”مگر آپ ان شاء اللہ کہہ دیتے تو آپ کی خواہش پوری ہو جاتی۔“^③

حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایک عظیم سلطنت ملی تھی۔ آپ کا حکم صرف انسانوں پر نہیں بلکہ جنوں، جانوروں اور پرندوں پر بھی چلتا تھا۔ آپ ہر چیز حاصل تھی اس لیے آپ نے فرمایا تھا: ﴿وَأَوْثَقْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ﴾ ”ہمیں سب کچھ باندھ دیا گیا ہے۔“ (النمل: 16/27) اور فرمایا: ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مَلِكًا ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَكَابُ ۝﴾ ”اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسا ملک عطا فرما جو میرے سوا کسی کے لائق نہ ہو۔“ (ص: ۳۵) چنانچہ آپ کی دعا قبول ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اجازت دی کہ جسے چاہیں جتنا چاہیں عطا فرمائیں۔ آپ کا اس بارے میں کوئی محاسبہ نہیں ہوگا۔ یہ ایک بادشاہ نبی کی شان ہے۔ ایک ہدایت کی شان رکھنے والا نبی کسی کو وہی کچھ دے گا جس کی اسے اجازت دی جائے گی۔

ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کو اختیار دیا گیا کہ آپ چاہیں تو شانہ شان و شوکت والے نبی بن جائیں اور چاہیں تو [عَبْد] کی شان رکھنے والے نبی بن جائیں۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے مشورہ طلب کیا تو انہوں نے اشارہ فرمایا کہ تو واضح اختیار فرما۔ تو آپ نے بندگی کا مقام رکھنے والا نبی بننا پسند فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت میں قیامت تک کے لیے خلافت اور حکومت مقرر فرمادی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو دنیا میں تمام نعمتیں عطا فرمائیں۔ اس کے علاوہ آپ کو آخرت میں بھی عظیم ثواب، بلند ترین مقام اور عزت و شرف سے سرفراز فرمایا جیسے کہ ارشاد ہے: ﴿وَلَا تِلْكَ عِنْدَنَا ثَوَابٌ مِثْلُ مَا يُبْغِي ۝﴾ ”ان کے لیے ہمارے پاس بڑا تقرب ہے اور بہت اچھا ٹھکانا ہے۔“ (ص: 40/38)

① صحیح البخاری: أحادیث الأنبياء: باب قول الله تعالى ﴿وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَانَ.....﴾: حديث: 3424 و صحيح مسلم:

الأيمان: باب الاستثناء في اليمين وغيرها: حديث: 1654

② مسند أحمد: 275/2 و جامع الترمذي: النور و الأيمان: باب ما جاء في الاستثناء في اليمين: حديث: 1532

③ تفسير الطبري: 92/12: تفسير سورة سبأ: آيت: 14

”پھر جب ہم نے ان پر موت کا حکم بھیج دیا تو ان کی خبر جنت کو کسی نے نہ دی سوائے گھن کے کیڑے کے جو ان کے عصا کو کھا رہا تھا! جب (سیلیاں) گر پڑے اس وقت جنوں نے جان لیا کہ اگر وہ غیب وان ہوتے تو اس ذلت کے عذاب میں مبتلا نہ رہتے۔“ (سبأ: 14/34)

توحید پرست باد: توحید وہ درس ہے جس کے اقرار اور اسے یاد دلانے کے لیے ایک لاکھ سے زائد انبیاء کرام اور
 رسل مبعوث بھی گئے۔ انہیں کتب اور حینوں سے رہنمائی دی گئی۔ یہ درس ہر انسان کی فطرت و سرشت میں بھی رکھا گیا ہے
 لیکن انسان اسے فراموش کر کے در بدر گھوم کر کھاتا ہے۔ انسان اپنے اس جبلی اور فطری درس کو غلط ماحول، یا غلط تعلیم
 و تربیت کے سبب بھول جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:

”ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے لیکن پھر اس کے والدین اسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔“^①

گویا انسان اسلام اور توحید کا درس اہل جبلت میں لیے پیدا ہوتا ہے مگر اس کے والدین اسے گمراہ کر دیتے ہیں۔ توحید کا یہی درس اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا شعور و احساس جانوروں میں بھی پایا جاتا ہے۔ بد بے ملکہ بلیس اور اس کی قوم کو بھر دہر دہر عالم کو چھوڑ کر سورج کو پوجتے دیکھا تو اسے حیرت ہوئی نیز اس کی غیرت نے ان کی یہ حرکت گوارا نہ کی تو فرار مسلمانانِ علیہ السلام کے دربار میں ان کی شکایت لے کر پہنچ گیا۔ ملکہ بلیس کو حاصل فتوں کا تذکرہ کیا، پھر اس کے قبیح جرم کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا:

وَجَدْنَاهَا وَمَوَالِيَ إِسْحَادٍ لِلشَّمْسِ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَإِنَّ لَهُمُ النَّارَ أَغْثًا لَّهُمْ قَصَدُوهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ ﴿١٠﴾ أَكَلِيسَجِدُوا لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْأَ فِي السَّيِّئَاتِ وَالْأَرْضِ يَعْلَمُ مَا تَحْفُونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿١١﴾

”میں نے اسے اور اس کی قوم کو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہوئے پایا ہے، شیطان نے ان کے کام انہیں مزین کر کے دکھائے اور انہیں صحیح راہ سے روک دیا ہے، پس وہ ہدایت پر نہیں آتے کہ اسی اللہ کے لیے سجدہ کریں جو آسمانوں اور زمینوں کی پوشیدہ چیزوں کو باہر نکالتا ہے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اور ظاہر کرتے ہو وہ سب کچھ جانتا ہے۔“ (النمل: 25/24/27)

غیر اللہ کو پکارنے والے، ان سے اولاد و رزق طلب کرنے والے اور انہیں و جیگر و سچ بخش ماننے والے انسانوں کے لیے تو حیدرِ رست مدد کا کلام نصیحت و ہدایت سے کم نہیں۔

۵۰ فنِ تعمیر کا شاہِ کامل : ملکہ یقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم پر فرما مہر اور بن کر اپنے لشکر سمیت حاضر خدمت ہوئی تو اسے آپ نے اسے اپنے اوپر افاضات ربانی کا نظارہ کروایا۔ ہواؤں، سرخس جنوں اور جانوروں پر آپ کی یہ مثال حکمرانی کی جھلک اُسے دکھائی گئی پھر آپ نے اسے دنیوی شان و شوکت دکھانے کی غرض سے ماہرینِ تعمیر کو ایک شاہِ کامل بنانے

حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے علم و حکمت کا ایسا عطا فرمایا تھا کہ اس دور میں ایسا مقام کسی کو حاصل نہ تھا۔ تیز باہشت و مہلکت ایسی وسیع اور عظیم عطا کی تھی کہ جس کی مثال نہیں ملے مگر اس سبب کے باوجود آپ نے بد بدی خیر پر علم و فضل پر فخر و غرور نہیں کیا۔ نہ مخفیہ ضعف بد کے علم پر اعتراض کیا بلکہ انبیاء کی شان کے میں مطابق تواضع اور انکسار اختیار کرتے ہوئے اور شاد فرمایا: اچھا میں تحقیق کرتے ہیں کہ تو سچا ہے۔ یعنی اگر تو سچی باتوں کو توہماری خبر کو تسلیم کر لیا جائے گا اور تیرے علم کو قبولیت ملے گی درجہ میں غیر حاضری کی سزا ملے گی۔

اس سے عہد حاضر کے علماء کو دورِ عبرت ملتا ہے کہ وہ حق بات کو قبول کرنے میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہ کیا کریں نہ اپنے علم و فضل و غرور و تکبر کے مرض میں مبتلا ہوں بلکہ حق بات کو بغیر نہ دیکھے کہ قائل کس مقام و مرتبہ کا حامل ہے قبول کیا کریں۔

عالم الغیب صرف ذات الہی ہے: حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصے سے اہل ایمان کے اس عقیدے کی توثیق ہوتی ہے کہ علم غیب صرف پروردگار عالم کے پاس ہے۔ علم غیب کا دعویٰ کرنے والے جن، جوشی، لوٹا گھمٹاے والے لیسے، بیڑ، کاظمی، کات کے سامنے، طنطی والی پرکار اور دیگر افراد نے وجودوں جیسیوں نے اور جو کہ نازیہیں۔

اسی طرح جن لوگوں کا یہ باطل عقیدہ ہے کہ نبی کو "مساکن" اور "مایکون" کی خبر ہوتی ہے وہ بھی غلط ہے۔ حضرت مسلمان علیہ السلام نے اسے لشکر کی دیکھ بھال کے دوران میں مدد کو غیر موجود یا باتو اس کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا:

فَقَالَ مَا لِي لَا أَرَى الْهُدُودَ أَمْ كَانِ مِنَ الْغَائِبِينَ ﴿١٠﴾

”نہ کہامات سے کہ میں بد بد کو نہیں دیکھتا؟ کیا واقعی وہ غیر حاضر ہے؟“

اگر آپ کو ”ماکان“ اور ”مہا کن“ کی خبر ہوتی تو آپ بد بد کی غیر موجودگی پر اس طرح اظہار نہ فرماتے۔ بد بد وہاں آیا تو اس نے اپنی غیر حاضری کا اظہار جہی الفاظ میں کیا وہ نبی کے لیے علم غیب کے خلاف وہ واضح دلیل کی حیثیت رکھتا ہے۔ بد بد مل گیا ہوا:

﴿ أَحَطَّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ ۖ

”میں ایک ایسی چیز کی خبر لایا ہوں کہ آپ کو اس کی خبر ہی نہیں۔“ (النمل: 22/27)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں جن علم غیب کے دعویدارین مگے تھے مگر انہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کی خبر پڑے عرصے کے بعد معلوم ہوئی۔ وہ اس عرصے میں حسب سابق اپنے فرائض ادا کرتے رہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے ڈرے ڈرہ بھر کھایا سے ڈرتے رہے۔ اگر انہیں علم غیب ہوتا تو وہ طویل عرصے تک محنت میں مبتلا نہ رہتے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَلَمَّا قُضِيَنا عَلَيْهِ الْمَوْتُ مَا دَلَّهُمْ عَلَى مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنْسَأَتَهُ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنَّ

أَنْ تَوَكَّلُوا عَلَیْمُونَ الْغِیْبِ مَا لَیْسُوا فِی الْعَذَابِ الْمُبِیْنِ ﴿٢٠﴾

نے اس کمال درجے کی سرعت سے تخت اپنے پاس دیکھا تو فوراً اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے:

﴿قَالَ هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي لَّا يَلْبُؤُنِي آلَافُهُمْ وَأَمَّا الْفُلُفُؤُ وَهِنَّ شَكَرَ فَأَقَامُوا يَتْلُوهُنَّ بِنَفْسِهِ وَهِنَّ كَفَرُوا
فَقَالَ رَبِّي عَزَّوَجَلَّ كَرِيمٌ﴾

”فرمانے لگے یہی میرے رب کا فضل ہے، تاکہ وہ مجھے آزماتے کہ میں شکرگزاری کرتا ہوں یا ناشکری۔ شکرگزار اپنے ہی نفع کے لیے شکرگزاری کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا پروردگار بے پروا اور بزرگ ہے۔“ (النمل: 40/42)

ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کی لاتعداد نعمتوں پر ہر دم شکرگزار رہنا چاہیے تاکہ مزید رحمت الہی کا حصول ہو۔



کا حکم دیا۔ آپ کے حکم کی تعمیل میں ماہرین نے ایک شاندار محل بنایا۔ محل کا فرش شفاف، چمکدار اور ملائم شیشے سے بنایا گیا۔ پھر اس کے نیچے سے پانی گزرا کر کیا تو فرش کی خوبصورتی اور دلکشی دو بلا ہو گئی۔ فرش ایسے محسوس ہونے لگا جیسے پانی کا کوئی حوض ہو۔ حضرت سلیمان علیہ السلام محل میں اپنے تخت پر تشریف فرما ہوئے اور پھر ملکہ بلقیس کو حاضری کی اجازت دی گئی۔ ملکہ محل میں داخل ہوئی تو فرش کی چمک دیکھ کر وہ سمجھی کہ پانی کا حوض ہے لہذا اس نے پانچے اوپر اٹھالے تاکہ کپڑے سگیلے نہ ہوں۔ اس پر اسے بتایا گیا کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں یہ شفاف و چمکدار فرش ہے۔ ملکہ بلقیس کے لیے یہ منظر بالکل نیا اور انوکھا تھا۔ قرآن مجید نے اس واقعہ کی یوں منظر کشی کی ہے:

﴿فَقِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ: فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقِهَا: قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُمَدَّدٌ يَوْمَئِذٍ ۖ فَكَاثَتْ رَبِّي إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمِينَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾

”اس سے کہا گیا کہ محل میں چلی جاؤ، جب اس نے اس (کے فرش) کو دیکھا تو اسے پانی کا حوض سمجھا اور (کپڑا اٹھا کر) اپنی پندلیاں کھول دیں (سلیمان علیہ السلام نے) فرمایا یہ تو شیشے سے منڈھی ہوئی عمارت ہے۔ کبوترنگی میرے پروردگار! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، اب میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کی مطیع اور فرمانبردار بنی ہوں۔“ (النمل: 44/47)

✍ شکرگزاری کا درس: حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصے سے اللہ تعالیٰ کا شکر کرنے کا درس ملتا ہے۔ شکر ہی نعمتوں کے حصول اور پرانی نعمتوں کی بقا اور دوام کے حصول کا ذریعہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْ تَاَوَدَّ كُفْرًا لَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا ظُلْمًا ۚ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ ۖ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ﴾

”اور جب تمہارے پروردگار نے تمہیں آگاہ کر دیا کہ اگر تم شکرگزاری کرو گے تو بے شک میں تمہیں جہنم میں زیادہ دوں گا۔“ (ابراہیم: 7/14)

اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو نبوت و بادشاہی سے سرفراز کیا۔ ان دو عظیم نعمتوں کے علاوہ درج ذیل بے مثال نعمتوں سے بھی آپ کو نوازا۔

✍ ہوا کو آپ کے تابع کر دیا گیا، لہذا آپ مہینوں کا سفر لمحوں اور ساعتوں میں طے کر لیتے تھے اور اپنے تخت و لشکر کو جہاں چاہتے لے جاتے۔

✍ سرکش جن آپ کے مطیع و فرمانبردار تھے۔ لہذا وہ آپ کے حکم پر محلات اور قلعے تعمیر کرتے، سمندر میں ڈبکی لگا کر قیمتی پتھر اور موتی نکالتے اور ہر طرح کا حکم بجالاتے۔

✍ جانوروں کی لغت آپ کو سمجھا دی گئی، لہذا آپ جانوروں کا کلام سمجھ کر حسب حال فیصلہ فرماتے۔

✍ ملکہ بلقیس کے محل سے اس کا تخت چمک چمکتے سے پہلے لاموجود کرنے والے افراد آپ کے پیروکار تھے۔ جب آپ

وَذَرِيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿۱۰﴾ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ لَهَا يُمُزِّعُ أَلَيْ لَكَ هَذَا أَفَلَا تَكُنْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۱۱﴾

”اللہ نے آدم اور نوح اور خاندان ابراہیم اور خاندان عمران کو تمام جہان کے لوگوں میں منتخب فرمایا تھا۔ ان میں سے بعض کی اولاد تھے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ (وہ وقت یاد کرو) جب عمران کی بیوی نے کہا کہ اسے پروردگار (جو بچہ) میرے پیٹ میں ہے میں اس کو تیری نذر کرتی ہوں۔ اُسے دنیا کے کاموں سے آزاد رکھوں گی سو (اسے) میری طرف سے قبول فرما۔ بے شک تو سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔ جب اُن کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو کہنے لگیں کہ پروردگار! میں نے تو لڑکی جنم دی ہے اور جو کچھ ان کے ہاں پیدا ہوا تھا، اللہ کو خوب معلوم تھا اور (نذر کے لیے) لڑکا (موزوں تھا کہ وہ) لڑکی کی طرح (نا تواں) نہیں ہوتا اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ تو پروردگار نے اس کو پسندیدگی کے ساتھ قبول فرمایا اور اسے اچھی طرح پرورش کیا اور زکریا کو اس کا نفل بنایا۔ زکریا بھی کعبی عبادت گاہ میں اس کے پاس جاتے تو اس کے پاس کھانا پاتے۔ (یہ کیفیت دیکھ کر ایک دن مریم سے) پوچھنے لگے کہ مریم! یہ کھانا تمہارے پاس کہاں سے آتا ہے؟ وہ یوں: اللہ کے ہاں سے (آتا ہے)۔ بے شک اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔“ (آل عمران: 37-33/3)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد میں سے پابند شریعت اور اطاعت گزار افراد کو منتخب اور ممتاز فرمایا ہے۔ ان میں سے آل ابراہیم کو خاص شرف حاصل ہے جن میں آل اسماعیل بھی شامل ہیں۔ اس کے بعد آل ابراہیم کے ایک پاپ کا بازگھرانے کا شرف بیان فرمایا ہے۔ وہ حضرت عمران کا گھرانہ ہے جو مریم علیہ السلام کے والدہ محترمہ تھیں۔ حضرت عمران اپنے زمانے کے بہت نیک اور عبادت گزار آدمی تھے۔ مریم علیہ السلام کی والدہ محترمہ ”خدیجہ بنت فاقو“ بھی عبادت گزار خاتون تھیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام حضرت مریم علیہ السلام کی بہن ”اشیاع“ کے شوہر تھے۔ بعض علماء نے ”اشیاع“ کو حضرت مریم علیہ السلام کی خالہ اور حضرت زکریا علیہ السلام کو خالو قرار دیا ہے۔ (واللہ اعلم)

امام محمد بن اسحاق رحمہ اللہ اور دیگر علماء نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت مریم علیہ السلام کی والدہ کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تھی۔ ایک دن انھوں نے ایک پرندے کو دیکھا جو اپنے بچے کو چوگا دے رہا تھا۔ اسے دیکھ کر ان کے دل میں اولاد کی شدید خواہش پیدا ہوئی اور انھوں نے نذر مان لی کہ اگر اللہ نے اولاد دی تو اسے بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کر دیں گی۔

علماء فرماتے ہیں: یہ نذر ماننے ہی انھیں بابائے ایم شروع ہو گئے۔ جب وہ پاپ ہوئیں تو ان کے شوہر نے ان سے رفتار بت کی۔ جس کے نتیجے میں وہ امید سے ہو گئیں۔ جب (مریم علیہ السلام) کو جنا تو کہنے لگیں: ﴿رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰی﴾

قَالَ رَبُّهَا اِنِّیْ لَکَ لَکَلِّ
وَجَعَلْتَنِيْ نَبِيًّا وَجَعَلْتَنِيْ مِمَّا کَانَ
مَکْتُوْبًا اَوْصَافًا لِّاُولَی الْاَلْبَابِ



قرآن مجید میں حضرت مریم علیہ السلام کا تذکرہ

اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران کی ابتدائی آیات میں مریم کی عقیقہ کی تردید فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کی لعنت ان پر برے! وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے جو کچھ وہ کہتے ہیں بہت بلند و بالا ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اس کے بندوں میں سے ایک بندے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور ان کی شکل و صورت بنائی انھیں بغیر باپ کے پیدا فرمایا جیسے حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے کُن کہہ کر پیدا فرمایا۔ نیز حضرت مریم علیہ السلام کے حالات بھی بیان فرمائے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی اٰدَمَ وَ نُوحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَّ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلٰی الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱﴾ ذَرِيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲﴾ اِذَا قَالَتْ اِمْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰی وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعْتَ وَ تَمْسُکُ الذَّکُوْرَ کَانَ لَکُنْفٰی وَاِنِّیْ سَمَّيْتُهَا مَرْیَمَ ﴿۴﴾ وَاِنِّیْ اَعِیْدُهَا بِطَٰقٍ

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَصَّتَ وَكَتَبَ الْكِتَابُ لَا تُفْتِيْ” ”پروردگار! میں نے تو لڑکی جنم دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ اس نے کیا جنم دیا اور لڑکا لڑکی جیسا نہیں۔“ آپ کو امید تھی کہ لڑکا ہوگا۔ جب لڑکی پیدا ہوئی تو باپ سے کہا: یہ تو لڑکی ہے، مسجد کی خدمت نہیں کر سکے گی اور میری نذر پوری نہیں ہوگی۔ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَالِی سَبِیْئُهَا مَرِيْمٌ﴾ ”میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے۔“ سے معلوم ہوتا ہے کہ بچے کا نام پیدائش کے دن بھی رکھا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا واقعہ مروی ہے کہ ان کے بھائی کو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لے جایا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے بچے کو گھنٹی دی اور ”عبداللہ“ نام رکھ دیا۔^①

حضرت سہرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہر لڑکا اپنے عقیقے کے عوض گروی رکھا ہوتا ہے۔ ساتویں دن جانور ذبح کیا جائے اور بچے کا نام رکھا جائے اور سر کے بال اتارے جائیں۔“^②

حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی والدہ نے فرمایا: ﴿رَبِّیْ اَعْیْذُهَا بِكَ وَذُوْنَهَا مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِيْمِ﴾ ”میں اس اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔“ ان کی یہ دعا قبول ہوئی اور نذر قبول بھی ہوگئی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”ہر بچے کو پیدائش کے وقت شیطان چھوٹتا ہے، وہ شیطان کے چھوٹنے کی وجہ سے چیخنے لگتا ہے، سوائے حضرت مریم رضی اللہ عنہا اور ان کے بیٹے (حضرت یحییٰ علیہ السلام) کے۔“ اس کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”یابہو تو یہ آیت پڑھ لو: ﴿رَبِّیْ اَعْیْذُهَا بِكَ وَذُوْنَهَا مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِيْمِ﴾ ”میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔“^③

حضرت مریم رضی اللہ عنہا: حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت میں

حضرت مریم رضی اللہ عنہا قوم کے سردار اور قائد کی بیٹی تھیں مگر وہ آپ کی پیدائش کے وقت فوت ہو چکے تھے۔ دیگر مہاجرین قوم میں سے ہر ایک کی خواہش تھی کہ اپنے سردار کی بیٹی کی پرورش کا شرف اسے ملے، لہذا قرعہ اندازی کی گئی تو یہ شرف حضرت زکریا علیہ السلام کے حصے میں آتا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنِ وَاَتَمَّتْهَا نِسَاءً حَسَنًا وَّوَلَّاهَا زَكَوٰیًا﴾

① صحیح البخاری، ”العقیقہ“ باب تسمیة المولود غداة یولد..... حدیث: 5470 و صحیح مسلم ”الآداب“ باب استحباب تحنیک المولود..... حدیث: 2144

② مسند أحمد: 8 و سنن أبی داود ”الضحایا“ باب فی العقیقہ: حدیث: 2837

③ مسند أحمد: 2/275

”پس اسے اس کے پروردگار نے اچھی طرح قبول فرمایا اور اسے بہترین پرورش دی۔ اس کی خیر خبر لینے والا زکریا کو بتایا۔“ (آل عمران: 37/3)

بہت سے مفسرین نے فرمایا ہے کہ جب آپ پیدا ہوئیں، آپ کی والدہ نے آپ کو کپڑے میں لپیٹا اور مسجد کی طرف تشریف لے گئیں۔ جو عبادت گزار وہاں موجود تھے، مریم کو ان کے حوالے کر دیا۔ وہ ان کے امام اور حقیقی آدمی کی بیٹی تھیں، اس لیے ان میں سے ہر ایک نے اسے پاس رکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ زیادہ صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ مریم کی والدہ نے حضرت مریم کو خدام مسجد کے حوالے اس وقت کیا جب ان کی دودھ پلانے کی عمر گزر گئی اور اتنی عمر ہو گئی کہ ان کی پرورش کی ذمہ داری کسی اور کو سونپنا مناسب ہو۔

جب آپ کو خدام مسجد کے حوالے کیا گیا تو ان میں اختلاف پیدا ہو گیا کہ آپ کی سرپرستی کون کرے گا؟ حضرت زکریا علیہ السلام ان کے نبی تھے اور حضرت زکریا علیہ السلام کی زوجہ محترمہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی بہن یا خالہ تھیں، اسی لیے آپ نے پناہ کے شرف ان کو حاصل ہو۔ دوسرے خدام بھی یہی خواہش رکھتے تھے، اس لیے انہوں نے قرعہ ڈالنے کی تجویز پیش کی، چنانچہ قرعہ اندازی ہوئی تو قرعہ حضرت زکریا علیہ السلام ہی کے نام نکلا کیونکہ خالہ ماں کے مقام پر ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَوَلَّاهَا زَكَوٰیًا﴾ ”اور زکریا اس کے تکفیل ہوئے۔“ کیونکہ قرعہ ان کے نام نکلا تھا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

﴿ذٰلِكَ مِنْ اٰیٰتِ الْعَجِبِ اِنَّكَ اَنْتَ الَّذِیْ تَكْتُمُ لَدٰیْهِمْ اِذَا یُلْقَوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَتَتْهُمْ یَقْلُقُ مَرٰیْمَ سَوْمًا كَتَمْتَ لَدٰیْهِمْ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ﴾

”(اے محمد!) یہ باتیں اخبار غیب میں سے ہیں جو تم تمہارے پاس بھیجتے ہیں اور جب وہ لوگ اپنے قلم (بطور قرعہ) ڈال رہے تھے کہ مریم کا قلم ان کے پاس گنا تو تم ان کے پاس نہیں تھے اور نہ اُس وقت ہی اُن کے پاس تھے جب کہ وہ اُن میں جھگڑ رہے تھے۔“ (آل عمران: 44/3)

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنا اپنا معروف قلم اٹھا کر ایک خاص جگہ رکھ دیا۔ پھر ایک نابالغ بچے سے کہا کہ ان میں سے ایک قلم اٹھائے۔ اس نے جو قلم اٹھایا وہ زکریا علیہ السلام کا تھا۔ سب نے کہا: ہم دوبارہ قرعہ اندازی کریں گے اور اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ سب لوگوں کے قلم بچے دریا میں ڈالے جائیں، جس کا قلم پانی کے بہاؤ کے خلاف اٹلے رخ بنے گا، وہ مریم کی کفالت کرے۔ جب قلم ڈالے گئے تو حضرت زکریا علیہ السلام کا قلم اٹلے رخ بنے لگا۔ انہوں نے کہا: تیری بار قرعہ ڈالنا چاہیے۔ جس کا قلم پانی کے بہاؤ کے رخ چلے، وہ جیتے گا اور جس کا اٹلے رخ چلے گا وہ ہارے گا۔ اس دفعہ بھی سب کے قلم اٹلے رخ بنے لگے اور حضرت زکریا علیہ السلام کا قلم پانی میں سیدھے رخ بہتا رہا، چنانچہ حضرت زکریا علیہ السلام ہی حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے سر پرست تسلیم کیے گئے۔ یہ ان کا شرعی حق بھی تھا اور قرعہ سے بھی

کی خوشخبری دے دی جو اسدہ بنی اسرائیل کے رسول اور مہمان بننے والے تھے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَمْرُؤُا إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاكِ وَطَهَّرَكِي وَاصْطَفَاكِ عَلَى نِسَاءِ الْعَالَمِينَ
يَمْرُؤُا فَقَبِي بِرَأْيِي وَاسْمِعِي وَادْعِي مَعَ الرُّكُوعِ ۚ ذَٰلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ
وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَهُمْ يَكْتُمُ مَرِيضَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ
يَخْتَصِمُونَ ۚ إِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَمْرُؤُا إِنَّ اللَّهَ يُمَيِّزُكِ بِحُجَّتِهِ ۖ إِنَّهُ اسْمُ الْمَسِيحِ
عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَدِّسِينَ ۚ وَيَكْلِمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ
وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّالِحِينَ ۚ قَالَتْ رَبِّ أَتَى بَنُوؤُا لِي وَلَدًا وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرًا ۚ قَالَ كَذَٰلِكَ
اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۚ وَيَعْلَمُ الْكِتَابَ وَإِلْهَكُمُ
وَالْعُزْرَةَ ۚ وَالْإِنْجِيلَ ۚ وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ يَلِيهِمْ ۚ قَدْ جَعَلْنَاكُمْ بَآيَاتٍ مِنْ دُونِ
أَنَّىٰ أَخْلَقَ لَكُمْ مِنَ الظَّالِمِينَ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَانْفُخْ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَأُورِثُوا الْكَلِمَةَ
وَالْأَبْرَصَ وَأُتِي النُّوٓا بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ ۚ إِنَّ فِي
ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّكُم ۚ إِنَّ لَكُمْ فُجُورَيْنِ ۚ وَصَصَّ قَالِمًا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْعُزْرَةِ ۚ وَلَاحِظْ لَكُمْ
بَعْضَ الَّذِي حُورِمَ عَلَيْكُمْ ۚ وَجَعَلْنَاكُمْ بَآيَاتٍ مِنْ دُونِ ذَٰلِكَ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ وَأَطِيعُوا
وَرَبَّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۚ﴾

”اور جب فرشتوں نے (مریم سے) کہا کہ مریم! اللہ نے تم کو برگزیدہ کیا ہے اور پاک بنایا ہے اور جہان کی عورتوں میں منتخب کیا ہے۔ مریم! اپنے پروردگار کی فرمانبرداری کرنا اور عہدہ کرنا اور روک کر کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرنا۔ (اے عجمہ!) ہاں میں اخبار غیب سے ہیں جو تمہارے پاس بھیجے ہیں اور جب وہ لوگ اپنے قلم (بطور قلم) ڈال رہے تھے کہ مریم کا نقل کون بنے؟ تو تم ان کے پاس نہیں تھیں اور نہ اس وقت ہی ان کے پاس تھے جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے (وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہے) جب فرشتوں نے مریم سے کہا کہ اے مریم! اللہ تم کو اپنی طرف سے ایک فیض کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح (اور مشہور) یعنی ابن مریم ہوگا (اور جو) دنیا اور آخرت میں یا برو اور (اللہ کے) خاصوں میں سے ہوگا اور ماں کی گود میں اور بڑی عمر کا ہوکر (دونوں حالتوں میں) لوگوں سے یکساں کلام کرے گا اور نیکو کاروں میں ہوگا۔ مریم نے کہا کہ پروردگار! میرے پاس بچہ کیسے ہوگا کہ کسی انسان نے مجھے ہاتھ تو لگا دیا نہیں؟ فرمایا کہ اللہ! اسی طرح جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جب وہ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو ارشاد فرما دیتا ہے کہ جو بات وہ جو چاہتا ہے۔ اور وہ انہیں لکھتا (پڑھتا) اور دانائی اور تورات اور انجیل

انہی کا حق ثابت ہوا۔^۱ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كَيْفَ دَخَلَ عَلَيْهَا الْعَذْرَابُ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يَمْرُؤُا لِيْكَ هَٰذَا ۚ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۚ﴾

”جب کبھی ذکر یان کے حجرے میں جاتے، ان کے پاس روزی رکھی ہوئی پاتے، وہ پوچھتے: اے مریم! یہ روزی تمہارے پاس کہاں سے آئی؟ وہ جواب دیتیں: یہ اللہ کے پاس سے ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ جسے چاہے، بے حساب روزی دے۔“ (ال عمران: 37/3)

مفسرین فرماتے ہیں: حضرت ذکر یالہ نے حضرت مریم علیہا السلام کے لیے مسجد میں ایک مناسب جگہ مقرر کر دی تھی جہاں ان کے سوا کوئی نہیں جاتا تھا۔ آپ وہاں عبادت میں مشغول رہتیں اور اپنی باری پر مسجد کی خدمت کے ضروری فرائض انجام دیتیں۔ آپ رات دن عبادت میں مشغول رہتی تھیں، حتیٰ کہ آپ کی عبادت بنی اسرائیل میں شرب المثل بن گئی۔ آپ کی شریفانہ عادات اور عمدہ صفات مشہور ہو گئیں، یہاں تک کہ کیفیت یہ ہو گئی کہ جب حضرت ذکر یالہ ان کی عبادت کے حجرے میں تشریف لے جاتے، انہیں وہاں بے موسم پھل نظر آتے، یعنی موسم سرما میں گرمیوں کے میوے اور موسم گرما میں سردیوں کے پھل موجود ہوتے تھے۔ آپ پوچھتے: ”یَمْرُؤُا لِيْكَ هَٰذَا؟“ ”مریم! یہ روزی تمہارے پاس کہاں سے آئی؟“ وہ جواب دیتیں: ”هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ؟“ ”یہ اللہ کے پاس سے ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ جسے چاہے بے حساب روزی دے۔“

یہ عجوبہ دیکھ کر حضرت ذکر یالہ کے دل میں بیٹے کی خواہش پیدا ہو گئی حالانکہ آپ بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ تب آپ نے فرمایا: ﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ ذَٰلِكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَآءِ ۚ﴾ ”اے میرے رب! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما۔ بے شک تو دعا کا سننے والا ہے۔“ (ال عمران: 38/3)

بعض علماء کے بقول حضرت ذکر یالہ نے اس طرح دعا کی تھی: ”اے مریم کو بے موسم پھل عطا کرنے والے! مجھے بھی بے موسم اولاد عطا فرما دے!“ پھر وہ سب کچھ ہوا جو تم پہلے ان کے حالات میں بیان کر چکے ہیں۔

حضرت مریم علیہا السلام کی خواتین عالم پر سرفرازی

اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو پاک کر کے اپنا برگزیدہ بنالیا اور انہیں عورتوں میں سے منتخب فرما کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو مقام صدیقیت کی حامل خواتین میں سب سے بلند مقام عطا فرمایا۔
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”چار خواتین تمام جہانوں کی عورتوں سے افضل ہیں:

مریم بنت عمران، فرعون کی بیوی آسیہ، خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت رسول ﷺ۔“^①
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ”جب آپ نے جبکہ کر نبی کریم ﷺ کی بات سنی تھی تو آپ کیوں رو پڑی تھیں اور پھر کیوں ہنس دی تھیں؟“ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ”نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ آپ اسی بنیادی میں وفات پا جائیں گے۔ اس پر مجھے رونانا پڑا، پھر میں سمجھی تو آپ نے فرمایا کہ گھر کے افراد میں سے سب سے پہلے میں (فوت ہو کر) آپ سے جا ملوں گی اور یہ بتایا کہ میں مریم بنت عمران کے سوا تمام خواتین جنت کی سردار ہوں گی، تب میں ہنس دی۔“^②

اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا چار خواتین میں سے حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا درجہ زیادہ ہے۔
حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مردوں میں تو بہت سے افراد کامل ہوئے۔ عورتوں میں صرف فرعون کی بیوی آسیہ اور مریم بنت عمران کامل ہوئیں۔“ عائشہ رضی اللہ عنہا دوسری عورتوں سے اس طرح افضل ہیں جس طرح شید دوسرے تمام کھانوں سے افضل ہوتا ہے۔“^③

کمال سے مراد غالباً اپنے دور میں کمال کا حصول ہے کیونکہ ان دونوں خواتین نے ہونے والے نبیوں کی پرورش کی۔ حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کی۔ حضرت مریم علیہا السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پرورش کی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس امت میں کوئی خاتون کمال کے اس درجے کو نہیں پہنچ سکتی۔ حضرت خدیجہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہما کمال ہیں۔
حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بیعت سے پہلے چند روز مال اور بیعت کے بعد دس سال گزارے۔ اپنی تمام دولت اللہ کی راہ میں قربان کر دی اور مشکلات کے دور میں آپ کی دلجوئی فرمائی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنی بہنوں پر یہ افضلیت حاصل ہے کہ انہیں نبی ﷺ کی وفات کا صدمہ برداشت کرنا پڑا جب کہ آپ کی دوسری بیٹیں نبی ﷺ کی زندگی میں فوت ہو چکی تھیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ کو نبی کریم ﷺ کی محبت میں سے وافر حصہ ملا تھا۔ آپ کے سوا کوئی ام المؤمنین کنواری ہونے کی حالت میں نبی ﷺ کے نکاح میں نہیں آئیں۔ جب منافقوں نے آپ کی عزت پر انگشت

① مسند احمد: 368/2

② صحیح البخاری، الاستیعان، باب من ناجی من بدی الناس، حدیث: 6285/6286 و صحیح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل فاطمة، حدیث: 2450

③ صحیح البخاری، فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب فضل عائشة رضی اللہ عنہا، حدیث: 3769

کھٹکے گا اور (عیسیٰ) بنی اسرائیل کی طرف پیغمبر (ہو کر آئیں گے اور کہیں گے) کہ میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں۔ وہ یہ کہ تمہارے سامنے مٹی کی مورت پر شکل پرندہ بناتا ہوں پھر اس میں چونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے (جھج جھج) پرندہ بن جاتا ہے اور اندھے اور کوجھی کو تندرست کرتا ہوں اور اللہ کے حکم سے مردے میں جان ڈال دیتا ہوں اور جو کچھ تم کھا کر آتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع کر رکھتے ہو، سب تم کو بتا دیتا ہوں۔ اگر تم صاحب ایمان ہو تو ان باتوں میں تمہارے لیے (اللہ کی قدرت کی) نشانی ہے اور مجھ سے پہلے جو تورات (نازل ہوئی) تھی اسی کی تصدیق بھی کرتا ہوں اور (میں) اس لیے بھی (آیا) ہوں کہ بعض چیزیں جو تم پر حرام تھیں ان کو تمہارے لیے حلال کر دوں اور میں تو تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں، لہذا اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو! کچھ شک نہیں کہ اللہ ہی میرا اور تمہارا پروردگار ہے، سو اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھا سہارا ہے۔“ (آل عمران 42/3-51)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ فرشتوں نے حضرت مریم علیہا السلام کو خوش خبری دی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے زمانے کی تمام عورتوں میں بلند مقام عطا فرمایا ہے اور انہیں اس شرف کے لیے منتخب فرمایا ہے کہ ان کے ذریعے سے اللہ ایک پیغمبر باپ کے بچہ پیدا کرنے کی قدرت کا اظہار فرمائے گا۔ اس کے علاوہ یہ خوش خبری بھی دی کہ پیدا ہونے والا بچہ ایک معزز نبی ہوگا۔ وہ لوگوں سے اپنے گہوارے میں بائیں کرے گا۔ وہ بچپن میں بھی لوگوں کو توحید کی دعوت دے گا اور اسی عمر میں بھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ اذیت خیز کو بچپن میں اور اس عمر میں بھی لوگوں کو توحید کی طرف بلائیں گے۔ حضرت مریم علیہا السلام کو حکم دیا گیا کہ بکثرت عبادت اور کوع و سجود میں مشغول رہیں تاکہ اس عزت افزائی کی مستحق ثابت ہوں اور اس نعمت کا شکر ادا ہو۔ اس حکم کی تعمیل میں آپ بہت طویل قیام کیا کرتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر اور ان کے والدین پر رحمت نازل فرمائے۔

فرشتوں نے کہا: **إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ لَكَ طَهْرًا وَاصْطَفَىٰ عَلَىٰ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ** ”اے مریم! اللہ تعالیٰ نے تجھے پرگزیدہ کر لیا اور تجھے پاک کر دیا اور سارے جہان کی عورتوں میں سے تیرا انتخاب کر لیا۔“ اس سے مراد اس زمانے کی عورتوں پر افضلیت بھی ہو سکتی ہے اور ہر زمانے کی تمام خواتین پر افضلیت بھی مراد ہو سکتی ہے کیونکہ بعض حضرات کے نزدیک حضرت مریم علیہا السلام کو نبوت کا مقام حاصل تھا۔ ان علماء کے نزدیک حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی والدہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بھی نبی تھیں کیونکہ ان سے فرشتوں نے کلام کیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے لیے قرآن مجید میں ”وہی“ کا لفظ وارد ہے۔ اس صورت میں آیت کا یہ مفہوم بھی لیا جاسکتا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام ان خواتین سے بھی افضل ہیں۔ تاہم امام ابو الحسن اشعری رحمہ اللہ کے مطابق اہل سنت و جماعت کے اکثر علما نے کرام کا موقف یہ ہے کہ نبوت کا منصب مردوں کے لیے خاص ہے اور عورتوں میں سے کوئی مقام نبوت پر فائز نہیں ہوئی، لہذا آیت مبارکہ

أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ سُبْحَنَهُ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّهُ يَقُولُ لَهَا لَكُن فَيَكُونُ ۖ وَلَئِنْ اللَّهُ رَدَّىٰ وَدَبَّرَهُ قَاتَعِدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝ فَاتَّخَفَ الْأَكْثَابُ مِنْ يُنْيُوهُمْ ۖ قَوْلِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ مُشْهَدٍ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝

”اور کتاب (قرآن) میں مریم کا بھی ذکر وہ جب وہ اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر مشرق کی طرف چلی گئیں تو انہوں نے اُن کی طرف سے پردہ کر لیا (اور وقت) ہم نے اُن کی طرف اپنا فرشتہ بھیجا تو وہ اُن کے سامنے ٹھیک آدمی (کی شکل) بن گیا۔ مریم بولیں کہ اگر تم پر میرا گناہ ہو تو میں تم سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔ انہوں نے کہا کہ میں تو تمہارے پروردگار کا بھیجا ہوا (فرشتہ) ہوں (اور اس لیے آیا ہوں) کہ تمہیں پا کیزہ لڑکا دوں۔ مریم نے کہا کہ میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا؟ مجھے کسی بشر نے پیدا کیا ہے اور میں بدکار بھی نہیں ہوں۔ (فرشتے نے) کہا کہ یونہی (ہوگا) تمہارے پروردگار نے فرمایا کہ یہ میرے لیے آسان ہے اور (میں اُسے اسی طریق سے پیدا کروں گا) تاکہ اُس کو لوگوں کے لیے اپنی طرف سے نشانی اور (ذریعہ) رحمت (اور مہربانی) بناؤں اور یہ کام مقرر ہو چکا ہے۔ سو وہ اس (بچے) کے ساتھ حاملہ ہو گئیں اور اسے لے کر ایک دور جگہ چلی گئیں پھر روزہ اُن کو کھجور کے ستنے کی طرف لے آیا۔ کہنے لگیں: کاش! میں اس سے پہلے مر چکی ہوتی اور بھولی ہسری ہو گئی ہوتی۔ اُس وقت اُن کے نیچے کی جانب سے فرشتے نے اُن کو آواز دی کہ غناک نہ ہو۔ تمہارے پروردگار نے تمہارے نیچے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے اور کھجور کے ستنے کو پکڑ کر اپنی طرف ملاؤ تم پر تازہ کھجوریں چھڑ پڑیں گی۔ تو کھادو اور پو آؤ گئیں ٹھنڈی کرو اور تم کسی آدمی کو دیکھو تو کہنا کہ میں نے اللہ کے لیے روزے کی منت مانی ہے لہذا آج میں کسی آدمی سے ہرگز کلام نہ کروں گی۔ پھر وہ اس بچے کو اٹھا کر اپنی قوم کے پاس لے آئیں۔ وہ کہنے لگے کہ مریم! یہ تو تو نے برا کام کیا ہے۔ اے ہارون کی بہن! نہ تو میرا باپ بد اطوار آدمی تھا اور نہ میری ماں ہی بدکار تھی۔ جب تو مریم نے اُس لڑکے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ بولے کہ ہم اس سے کیسے بات کریں کیونکہ یہ تو گود کا بچہ ہے۔ بچے نے کہا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے اور میں جہاں ہوں (اور جس حال میں ہوں) مجھے صاحب برکت کیا ہے اور جب تک زندہ رہوں مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم فرمایا ہے اور مجھے اپنی ماں کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا (بنایا ہے) اور سرکش و بد بخت نہیں بنایا اور جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مردوں گا اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جائوں گا مجھ پر سلام (ورحمت) ہے۔ یہ مریم کے بیٹے عیسیٰ ہیں۔ (اور یہ) چکی بات ہے جس میں لوگ شک کرتے ہیں۔ اللہ کو سزاوار نہیں کہ کسی کو بیٹا بنا دے، وہ پاک ہے۔ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اُس سے یہی کہتا ہے کہ ہو جاؤ وہ ہو جاتی ہے اور بد بخت اللہ ہی میرا اور تمہارا پروردگار ہے سو اس کی عبادت کرو! یہی سیدھا راستہ ہے۔ پھر (اہل کتاب کے) فرقوں نے باہم اختلاف کیا۔ سو جو لوگ کافر ہوئے ہیں اُن کے لیے

نہائی کی تو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں مجید میں آپ کی بریت نازل فرمائی۔ آپ رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد تقریباً پچاس سال زندہ رہیں۔ اس دوران میں آپ ﷺ قرآن و سنت کی تبلیغ میں مشغول رہیں، مشکل شرعی مسائل میں آپ فتوؤں کے ذریعے سے امت کی رہنمائی فرماتی رہیں اور اختلاف پیدا ہونے کی صورت میں صلح کرواتی رہیں۔ اس لیے بعض علمائے کرام نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سمیت تمام امہات المؤمنین رضی اللہ عنہا سے افضل قرار دیا ہے، تاہم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ایک دوسرے سے افضل قرار دینے کے مسئلہ میں خاموشی یا بہتر ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزات ولادت

اللہ تعالیٰ نے اپنی کامل قدرت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا فرمایا جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر ماں کے پیدا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس معجزہ العقول واقعہ کو سورہ مریم میں تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْمِعُوا لَنَا مَرْيَمُ إِذْ أَنْتَدِثُ مِنْ أُمَّكِ مَكَانًا شَرْوِيًّا ۖ فَلَاخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا ۖ فَأَنبَأْنَا إِبْرَاهِيمَ رُحْمًا فَغَبَلَهُ لَهَا بِبَشَرٍ نَوِيًّا ۖ قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَنِ مِنْكَ إِن كُنْتُ تَقِيًّا ۖ قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا ۖ قَالَتْ أَنَّى يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُنْ بِمَرْغُوبٍ ۖ قَالَ ذَلِيلًا قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَىٰ هَيْئَةٍ وَلَقَدْ جَعَلْنَا لَكِ آيَاتٍ وَرَحْمَةً ۖ فَبَيَّنَّا مَا الْخَافُ إِلَىٰ جَنِّعِ الْفُلْجَةِ ۖ قَالَتْ لَيْتَنِي كُنْتُ مِتُّ قَبْلَ هَذَا وَكُنْتُ نَسِيًّا فَنَسِيًّا ۖ فَتَوَدَّعَا مِنْ تَحْتِهَا أَكْرَ تَحَوَّنِي قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۖ وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجَنِّعِ الْفُلْجَةِ سَلَقْتُ عَلَيْكِ رُطْبًا جَنِيًّا ۖ فَكُلِي وَاشْرَبِي وَفَرِّي عَيْنًا ۖ فَاتَّخِذِي مِنَ الْبَشَرِ احْتِدًا ۖ فَقُلْنَا إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوْمًا فَلَنْ أَكْفِيَهُ الْيَوْمَ نَافِيًّا ۖ فَاتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ ۖ قَالُوا لِمَ يَرُمُ هَذَا لَقَدْ جِئْتِ بِشَيْءٍ قَرِيًّا ۖ يَأْتُكَ هَؤُلَاءُ مَا كَانَ آبَاؤُكَ أَهْلًا سَوًّا ۖ وَمَا كَانَتْ أُمَّهُ بَغِيًّا ۖ فَأَنبَأَتْ رَبَّهَا قَالُوا كَيْفَ يُحْكِمُ مِنْ كَانَ فِي الْبَهْمِ صَبِيًّا ۖ قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ۖ وَجَعَلَني مُبْرَكًا آمِينَ مَا كُنْتُ وَأَوْصَانِي بِالْأَلْوَةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۖ وَبَرًّا بِوَالِدَيْنِي ذِكْرًا ۖ وَجَعَلَنِي حَنَنًا رَحِيمًا ۖ وَالتَّسْلِيمَ عَنْ يَوْمٍ أُوبِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ۖ ذَلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ۖ مَا كَانَ لِلَّهِ

ہر دن (قیامت کے روز) حاضر ہونے سے خرابی ہے۔“ (مریم: 37-16)

تیز فرمایا:

﴿وَالَّذِي أَحْصَتْ قَرْبَهَا فَفَقَحْنَا فِيهَا مِنْ دُجْنًا وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا آيَةً لِلْعَالَمِينَ﴾

”اور (اس) مریم کو (بھی یاد کرو) جس نے اپنی عفت کو محفوظ رکھا۔ ہم نے اُن میں اپنی روح چھوٹک دی اور اُن کو اور اُن کے بیٹے کو اہل عالم کے لیے نشان بنادیا۔“ (الانبیاء: 91/21)

جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، حضرت مریم علیہا السلام کو ان کی والدہ محترمہ نے بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا۔ آپ کے سر پرست حضرت زکریا علیہ السلام تھے جو اللہ کے نبی تھے۔ انہوں نے آپ کے لیے ایک حجرہ مخصوص کر دیا تھا کہ وہاں اللہ کی عبادت میں مشغول رہیں۔ آپ نے اتنی محنت اور شوق سے اللہ کی عبادت کی کہ اس دور میں اس کی مثال نہیں ملتی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی آپ پر خاص فضل کیا اور یہ موسم بھل عطا فرمائے۔

فرشتوں نے آپ کو اللہ کی منتخب بندی ہونے کی بشارت دی۔ تیز یہ بشارت بھی دی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایک بیٹا عطا فرمائے گا جو دنیا کی پاک باز معزز، بلکہ ایک محترم نبی ہوگا، جسے معجزات دیے جائیں گے۔ حضرت مریم علیہا السلام کو خوش خبری پر بہت توجہ ہو گی کیونکہ وہ شادی شدہ بھی نہیں اور بدداری سے بھی مبرا و منزہ تھیں۔ فرشتے نے انہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ جب کوئی کام کرنے کا فیصلہ کر لے گا اس کا ”کُن“ کہنا کافی ہوتا ہے۔ وہ کام بغیر اسباب کے بھی ہو جاتا ہے۔

حضرت مریم علیہا السلام نے اللہ کی مرضی پر تسلیم فرم کر دیا۔ انہیں معلوم تھا کہ یہ معاملہ ان کے لیے ایک بڑی آزمائش کا باعث ہو گا۔ لوگ حقیقت سے ناواقف ہونے کی وجہ سے زبان طعن دراز کریں گے کیونکہ عام لوگ مادی دنیوی دیکھتے ہیں، غور فکر سے کام نہیں لیتے۔ حضرت مریم علیہا السلام صرف ضروری کام کے لیے بیٹا ملا یا وغیرہ لینے کے لیے مسجد سے نکلتی تھیں یا باہر عذر سے ایام مسجد سے باہر گزارتی تھیں۔ ایک دن وہ کسی کام کے لیے مسجد سے نکلیں اور ”گھر کے لوگوں سے علیحدہ ہو کر ایک مشرقی مکان میں آئیں۔“ یعنی مسجد اقصیٰ کے مشرق کی طرف تشریف لے گئیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس جبریل علیہ السلام کو بھیج دیا۔ پس وہ ان کے سامنے پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا۔ جب انہوں نے فرشتے کو دیکھا تو اسے انسان سمجھ کر بولیں: ﴿إِنِّي أَخْشَوُكَ يَا رَحْمَنُ إِنَّكَ تَقْوِيَّا﴾ ”میں تجھ سے رحمان کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو اللہ سے ڈرنے والا ہے۔“ جبریل علیہ السلام نے انہیں تسلی دیتے ہوئے واضح کیا کہ وہ انسان نہیں بلکہ انہیں اللہ نے یہ خوش خبری دینے کے لیے بھیجا ہے کہ آپ کو ایک پاک باپ بیٹا ملا دلا ہے۔ انہوں نے توجہ سے کہا ﴿إِنِّي كُنْتُ لِيَ عَلِيمٌ وَلَمْ يَسْتَسْقِ بِكَرٍ وَلَمْ أَنْ أَبْغَا﴾ ”بھلا میرے ہاں بچہ کیسے ہو سکتا ہے مجھے تو کسی انسان کا ہاتھ تک نہیں لگا اور نہ میں بدکار ہوں؟“

فرشتے نے جواب دیا کہ یہ تو اللہ کا حکم ہے جو پورا ہو کر ہے گا۔ تیرے پروردگار کا ارشاد ہے کہ یہ مجھ پر بہت آسان

ہے۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق اس کی قدرت کا کاملہ کا اظہار ہے۔ وہ اسباب و علل کا محتاج نہیں۔ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، جن کی پیدائش میں نہ کسی مرد کا حصہ تھا نہ عورت کا۔ اسی نے حضرت حوا علیہا السلام کو صرف مرد سے پیدا کیا۔ اس نے باقی سب کو مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے۔ وہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف ماں سے بغیر باپ کے پیدا کرے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَلَنَجْعَلَنَّ آيَةً لِلنَّاسِ وَحَصَّةً مِّنَّا﴾ ”ہم تو اسے لوگوں کے لیے ایک نشان بنادیں گے اور اپنی خاص رحمت۔“ وہ جوانی اور بڑھاپہ میں اللہ کی طرف بلائے والا ہو گا۔ ﴿وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا﴾ ”یہ تو ایک طے شدہ بات ہے۔“

متعدد علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کے گریبان میں چھوٹک ماری۔ یہی چھوٹک آپ کے بطن میں پہنچ کر بچے کی ولادت کا سبب بن گئی۔ بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے آپ کے منہ میں چھوٹک ماری تھی۔ لیکن یہاں تو زیادہ صحیح ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَمَرْيَمَ ابْنَتْ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَتْ قَرْبَهَا فَفَقَحْنَا فِيهَا مِنْ دُجْنًا﴾

”اور مریم بنت عمران، جس نے اپنی ناموس کی حفاظت کی۔ پھر ہم نے اپنی طرف سے اس میں ایک جان چھوٹک دی۔“ (التحریم: 12/66)

آپ بطن مادر میں کتنا غصہ رہے؟ بظاہر یہی بات درست معلوم ہوتی ہے کہ جس طرح عورتوں کی حالت ہوتی ہے، اسی طرح حضرت مریم علیہا السلام کی کیفیت ہوتی، یعنی تقریباً نو ماہ کی مدت اس حال میں گزری۔ بعض کہتے ہیں کہ حمل ولادت کا سارا معاملہ آٹا فافاٹے ہو گیا۔ بعض لوگوں نے نو گھنٹے کی مدت بیان کی ہے۔ وہ اس فرمان الہی سے استدلال کرتے ہیں: ﴿فَلَمَّا عَلَتْهَا الْمُخَاضُ إِلَى جَنْعِ النَّعْلَةِ﴾ ”پس وہ حمل سے ہو گئیں اور اسی وجہ سے وہ ایک سو ہو کر ایک دو کی جگہ چلی گئیں۔“ پھر درد زہ انہیں ایک گھنٹہ کے سنے کے نیچے لے آیا۔“ (مریم: 22/9)

تاہم یہ استدلال مضبوط نہیں بلکہ یہ معمول کے مطابق حمل اور ولادت کا معاملہ تھا۔

حضرت مریم علیہا السلام کے امید سے ہونے کی خبر ہر جگہ پھیل گئی جس سے آپ کو اور آپ کے خاندان کو بہت پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ بعض بدکردار لوگوں نے آپ کو یوسف بنجار کے ساتھ متهم کر دیا۔ وہ بھی ایک نیک آدمی تھا جو بیت المقدس میں عبادت میں مشغول تھا۔ چنانچہ مریم علیہا السلام ان سب سے الگ ہو کر ایک دور دراز مقام پر تشریف لے گئیں۔ بعض روایات کے مطابق آپ ”بیت لحم“ کی ہستی میں چلی گئیں۔ بعد میں اسی مقام پر کسی بادشاہ نے ایک عظیم الشان عمارت تعمیر کر دی۔

”پھر درد زہ اسے ایک گھنٹہ کے سنے کے قریب لے آیا۔ اور بے ساختہ زبان سے نکلا: ﴿يَا بَنِيَّ مِثَّ قَبْلِ هَذَا وَكَذَلِكَ كُنْتُمْ قَدْ نَبِئْتُمْ﴾ ”کاش! میں اس سے پہلے ہی مرگتی ہوتی اور (لوگوں کی یاد سے بھی) بھولی نہ رہتی ہو جاتی۔“ (مریم: 23/19)

آپ اس وقت دو گونہ تکلیف میں مبتلا تھیں۔ جسمانی طور پر ولادت کے درد سے دو چار تھیں اور فتنی طور پر

مستقبل کے تفکرات میں گہری ہوئی تھیں۔ آپ کو یقین تھا کہ لوگ آپ کی باتوں پر اعتبار نہیں کریں گے بلکہ الزام تراشی اور طعن و تشنیع کی بوچھاڑ کر دیں گے۔ آپ ایک مقدس گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں اور خود بھی عبادت کے لیے غلوت نشین تھیں اور زہد و ریاضت میں ممتاز تھیں۔ لوگ آپ کے بارے میں ہر قسم کی بدگمانی کا اظہار کریں گے یہ خدشہ آپ کے لیے سوہان روح بنا ہوا تھا۔ اس لیے آپ کی زبان پر موت کی خواہش کے الفاظ آ گئے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَإِذَا هَمَّوْا مِنْ حَتَّىٰ أَتَىٰكَ الْتَوَخُّؤُا قَدْ جَعَلَ لَكُلِّ يَوْمٍ سَرِيًّا﴾ "اس نے اسے غم سے آواز دی کہ آرزوہ خاطر نہ ہو، تیرے رب سے تیرے پاؤں سے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے۔" (مریم: 24/19) یہ آواز کس نے دی؟ بہت سے علما نے تفسیر نے فرمایا ہے کہ یہ حضرت جبریل علیہ السلام نے جنہوں نے آپ کو آواز دی۔ البتہ بعض علما نے کرام نے فرمایا ہے کہ یہ آواز خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی۔ ﴿پھر آپ کے کہا گیا: ﴿فَلَمَّا وَصَوْفَ يَوْمَ يَكُونُ عَيْنًا﴾ "جس دن تم کو بلائے گا۔ آپ کو تازہ ہو جائیگا۔" جس درخت کے تنے کو بلائے گا۔ آپ کو تازہ ہو جائیگا۔" ﴿وَهُوَ فِي الْإِلَهِ يَبْجُلُ الْخَلْقَ لَسَقُطَ عَلَيْكَ رَطْبًا جَدِيًّا﴾ "مجھ کو اپنے تنے کو اپنی طرف بلا، یہ تیرے سامنے روتا زہد ہے۔" (مریم: 25/19)

پھر اسی آواز دینے والے نے کہا: اگر تجھے کوئی انسان نظر آ جائے تو اشارے سے) کہہ دینا: ﴿إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوْمًا فَلَنْ أَحْكُمَ الْيَوْمَ لِلنَّبِيِّ﴾ "میں نے اللہ رحمان کے نام کا روزہ رکھا ہے۔ میں آج کسی شخص سے بات نہ کروں گی۔" (مریم: 26/19) ان کی شریعت میں ترک کلام کے ساتھ روزہ رکھنا جائز تھا۔ ہماری شریعت میں "چپ کا روزہ" رکھنا منع ہے۔ ﴿

علما نے کرام نے اہل کتاب سے نقل کیا ہے کہ مریم علیہا السلام کوئی دن تک نظر نہ آئیں۔ لوگ آپ کی تلاش میں نکلے۔ جب ملیں تو ان کی گود میں بچہ تھا۔ وہ حیران رہ گئے اور بولے: ﴿يَسْمِعُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا قَرِيًّا﴾ "مریم! تو نے بڑی بری حرکت کی۔" لیکن یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَإَتَتْ بِهَا قَوْمَهَا تَحْلِيلًا﴾ "وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئیں۔" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود ہی تشریف لائی تھیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: آپ نفاس کے چالیس دن کی مدت مکمل کرنے کے بعد واپس آئی تھیں۔

انہوں نے کہا: ﴿يَأْتِيَتْ هَرُونَ﴾ "اے ہارون کی بہن! "سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ہارون اس زمانے

کے ایک عبادت گزار دی تھے۔ مریم بھی اسی کی طرح بہت عبادت کرتی تھیں۔ اس لیے لوگوں نے آپ کو اس سے تشبیہ دیتے ہوئے ہارون کی بہن کہہ دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اللہ کے نبی ہارون علیہ السلام کی طرح عبادت گزار ہو۔ محمد بن کعب قرظی رضی اللہ عنہ نے آپ علیہ السلام کو موسیٰ اور ہارون علیہ السلام کی سگی بہن قرار دیا ہے یہ ان کی غلطی ہے کیونکہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کئی صدیوں کا فاصلہ ہے۔

حضرت غفرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: "مجھے رسول اللہ ﷺ نے نجران بھیجا۔ وہاں کے لوگوں نے مجھ سے کہا: تم لوگ جو قرآن میں پڑھتے ہو ﴿يَأْتِيَتْ هَرُونَ﴾ "اے ہارون کی بہن! "موسیٰ علیہ السلام کو عیسیٰ علیہ السلام سے بہت مدت پہلے گزرے ہیں؟ (پھر یہ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟) وہ فرماتے ہیں: میں نے سفر کر کے (مدینہ پہنچ کر) رسول اللہ ﷺ سے یہ بات بیان کی۔ آپ نے فرمایا: "تو نے انہیں کیوں نہ بتایا کہ وہ لوگ اپنے انبیاء و اولیاء کے نام پر نام رکھ لیا کرتے تھے؟" ﴿

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مریم کا ایک بھائی ہارون بھی تھا جو دین و اداری، نیکی اور عبادت میں مشہور تھا۔ اس لیے انہوں نے کہا: ﴿مَا كَانَ آلُيَاسَ إِسْرَافًا وَسَوْفَ تَمَازُتُ أَمْثَلُ يَوْمًا﴾ "نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا، نہ تیری ماں بد کا تھی۔" (مریم: 28/19) یعنی تیرا بھائی بھی نیک تھا، ماں باپ بھی نیک تھے، پھر تجھ سے یہ غلطی کی طرح ہو گئی؟

جب صورت حال نازک ہو گئی اور اللہ کے سوا کہیں سے مدد کی توقع نہ رہی تو مریم نے اپنے بچے کی طرف اشارہ کیا کہ اسی سے پوچھو، یہ خودی حقیقت کا اظہار کرے گا۔ سب کہنے لگے: ﴿كَيْفَ نَحْمَدُ مَنْ كَانَ فِي الْبَيْتِ صِدْقًا﴾ "نو بھلا تم گود کے بچے سے کیسے باتیں کر رہے؟" (مریم: 29/19)

جب حضرت مریم علیہا السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھائے ہوئے قوم کے پاس تشریف لائیں، قوم کے لیے یہ تسلیم کرنا ناممکن ہو گیا کہ بغیر باپ کے بھی بچہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے قوم سے معجزانہ خطاب کیا۔

وہ حضرت مریم علیہا السلام سے بحث کر رہے تھے اور سوچ رہے تھے کہ وہ ہم سے مذاق کر رہی ہیں۔ اچانک بچہ معجزانہ طور پر بول اٹھا:

﴿إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ الْمَرْيَمَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا وَجَعَلَنِي مَسِيحًا أَنْتَ مَا نَدُّتْ وَأَوْصَيْتُ بِالْحَلْدَةِ وَالْكَوْمَةِ مَا دَعَا حَتَّىٰ وَبَرَّكَ الْوَالِدَيْنِ وَكَمْ يَجْعَلُنِي جَبَّارًا شَقِيًّا وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا﴾

"میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اُس نے مجھے کتاب عطا فرمائی اور مجھے اپنا پیغمبر بنایا ہے اور اس نے مجھے با برکت کیا ہے

شَيْءٌ وَكَيْفًا ۚ لَا تَبْرِكُ لَهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يَبْرِكُ الْإِبْصَارُ وَهُوَ الْطَافُفُ الْخَبِيرُ ﴿٦٠﴾

”اور ان لوگوں نے جنوں کو اللہ کا شریک ٹھہرایا، حالانکہ ان کو اسی نے پیدا کیا اور بے سمجھے اُس کے لیے بیٹے اور بیٹیاں بنا کھڑی کیں۔ وہ ان باتوں سے پاک ہے جو اُس کی نسبت بیان کرتے ہیں اور (اُس کی شان) ان سے بلند ہے۔ (دینی) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا (ہے) اُس کے اولاد کہاں سے ہو جب کہ اس کی بیوی ہی نہیں اور اُسی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز سے باخبر ہے۔ یہی (وصاف رکھنے والا) اللہ تمہارا پروردگار ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ (دینی) ہر چیز کا پیدا کرنے والا (ہے) لہذا اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا مگرمان ہے۔ (وہ ایسا ہے کہ) نگاہیں اُس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ نگاہوں کا ادراک کر سکتا ہے اور وہ ہمید جاننے والا خبردار ہے۔“ (الانعام: 100/6-103)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلمہ اور اس کی طرف سے ایک روح تھے

سورہ نساء میں اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کے جھوٹے دعویٰ کی تردید کر کے بیان فرمایا کہ خود سادہ عقیدے تراش کر نلو کا کارنہ ہوں اور حضرت مسیح علیہ السلام کی تعریف میں جائزہ دے آگے نہ بڑھیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا هَلْ أَتَى عَلَى الْكَافِرِينَ لَا تَعْلَمُونَ فِيهِمْ وَلَا تَعْلَمُونَ أَعْلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقُّ ۚ إِنَّكَ السَّيِّعُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَةً أَلْفَضَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ وَوُجُوهُنَّ لَنَفَعْنَاهُنَّ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ ۚ وَلَا تَعْلَمُونَ إِلَّا ظَنًّا ۚ إِنَّهُمْ قَحْجًا أَخْبَرًا ۚ لَكُمُ الْإِنشَاءُ لِلَّهِ وَاحِدٌ ۚ سُبْحَتَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ ۚ لَكُمْ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَلَكُنَّ مِنَ الْغَافِلِينَ ۚ لَنْ يَسْتَنْفِذَ السَّيِّعُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ ۚ وَمَنْ يَسْتَنْفِذْ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ ۚ وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَنَفُوا وَاسْتَكْبَرُوا فَالْجَبَدِيَّةُ لَهُمْ ۚ عَذَابًا أَلِيمًا ۚ وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۚ﴾

”اے اہل کتاب اپنے دین (کی بات) میں حد سے نہ بڑھو اور اللہ کے بارے میں حق کے سوا کچھ نہ کہو۔ مسیح (یعنی) مریم کے بیٹے عیسیٰ (نہاں تھے نہ اللہ کے بیٹے بلکہ) اللہ کے رسول اور اس کے کلمہ (بشارت) تھے جو اس نے مریم کی طرف بھیجا تھا اور اس کی طرف سے ایک روح تھی لہذا اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور (یہ) نہ کہو (کہ الہ) تین ہیں۔ (اس اعتقاد سے) باز آ جاؤ کہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اللہ ہی معبود واحد ہے اور اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو۔ جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اُسی کا ہے اور اللہ ہی کا ساز

محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اللہ کا کلمہ ہیں جو اس نے مریم کی طرف بھیجا اور اس کی طرف سے آنے والی ایک روح ہیں اور جنت ایک حقیقت ہے اور جہنم بھی ایک حقیقت ہے اللہ تعالیٰ اس (مومن) کو جنت میں داخل کر دے گا، اس کے عمل جتنے بھی ہوں (اگر تھوڑی نیکیاں ہوں گی تب بھی ایمان کی برکت سے نجات مل جائے گی۔“ ﴿٦١﴾

عقیدہ تثلیث کی تردید

عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ نمونہ باللہ۔ اس طرح وہ کائنات کے تین خداؤں کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس باطل عقیدے کی بھرپور تردید فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ مریم کے آخر میں فرمایا:

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا ۚ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا كَبِيرًا ۚ تَكْفُرُ السَّمَوَاتُ يَتَّقَنَّ مِنْهُ وَتَكْفُرُ الْأَرْضُ وَتَكْفُرُ الْجِبَالُ هَذَا ۚ أَنْ دَعَا لِلزَّالِمِينَ وَلَدًا ۚ وَمَا يَنْبَغِي لِلزَّالِمِينَ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ۚ إِنَّ كُلَّ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتَى الرَّحْمَنُ عَبْدًا ۚ لَقَدْ أَحْصَاهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۚ وَكُلُّهُمْ أَيْنُومٌ الْقَبِيضَةُ قُرْءًا ۚ﴾

”اور کہتے ہیں کہ اللہ بیٹا رکھتا ہے۔ (ایسا کہنے والو یہ تو قہر بری بات (زبان پر) لائے ہو۔ قریب ہے کہ اس (افترا) سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ پارہ پارہ ہو کر گر پڑیں کہ انہوں نے اللہ کے لیے بیٹا تجویز کیا ہے اور اللہ کے لائق نہیں کہ کسی کو بیٹا بنائے۔ وہ تمام جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، سب اللہ کے کدو بندے ہو کر آئیں گے۔ اُس نے ان (سب) کو (اپنے علم سے) گھیر رکھا ہے اور (ایک ایک کو) شمار کر رکھا ہے اور سب قیامت کے دن اسی کے سامنے اکیلے اکیلے حاضر ہوں گے۔“ (مریم: 88/95-99)

ان آیات میں بیان ہے کہ اولاد دہونا اللہ کی شان کے لائق نہیں کیونکہ ہر چیز اس کی مخلوق اور اس کے دست قدرت کے تحت ہے۔ اس کے لیے اولاد کا عقیدہ رکھنا اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کی وجہ سے آسمان پھٹ پڑے، زمین تہس نہس ہو جائے، پہاڑ بڑھ رہے ہوں جو اس کو بالکل مناسب ہوگا۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ہے:

﴿وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ وَبَنَاتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ سُبْحَنَهُ وَعَمَّا يَعْتَبُونَ ۚ بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ أَلَمْ يَكُنْ لَهُ صَاحِبَةٌ ۚ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۚ ذُكِّرُوا وَلَٰكِنْ لَا يُذَكِّرُونَ إِلَّا لَهُ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۚ قَائِمٌ ذُوَ الْعَرْشِ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۚ﴾

اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿١٠﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَلَاثٌ ثَلَاثَةٌ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا إِلَهٌ وَاحِدٌ وَإِنْ لَمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١١﴾ أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لَهُ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٢﴾ مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأَعْيُنُ عَصَى الْكَافِرِينَ كَأَنَّهَا يُبْصِرُ كَيْفَ يُبَيِّنُ لَهُمْ آيَاتِ اللَّهِ ثُمَّ انْظُرْ إِلَى يَوْمِ الْوَكَلَفِ ﴿١٣﴾

”وہ لوگ بلاشک کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مریم کے بیٹے مسیح (عیسیٰ) الہ ہیں حالانکہ مسیح یہود سے کہا کرتے تھے کہ اے بنی اسرائیل! اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی (اور جان رکھو کہ) جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرے گا اللہ اُس پر بہت کورام کر دے گا اور اس کا کھانا دوزخ ہے اور غلاموں کا کوئی مددگار نہیں۔ وہ (لوگ) بھی کافر ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ الہ تین میں سے تیسرا ہے حالانکہ اُس معبود کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اگر یہ لوگ ایسے اقوال (و عقائد) سے باز نہیں آئیں گے تو ان میں جو کافر ہوئے ہیں، وہ تکلیف دینے والا عذاب پائیں گے پھر یہ کیوں اللہ کے آگے تو نہیں کرتے اور اس سے گناہوں کی معافی نہیں مانگتے اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔ مسیح ابن مریم تو صرف پیغمبر ہیں۔ اُن سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے تھے اور اُن کی والدہ صدیقہ تھیں۔ دونوں (انسان تھے اور) کھانا کھاتے تھے۔ دیکھو! ہم ان لوگوں کے لیے اپنی آیتیں کس طرح کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔ پھر دیکھو کہ (یہ) کدھر اُلٹے جا رہے ہیں؟“ (المائدہ: 72/75)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس عقیدے کو ٹکڑا کر دیا ہے اور واضح کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ اور ان کی والدہ بھی مخلوق اور انسان تھے۔ اللہ کی عبادت کرنے والے اور اسی کی طرف بلانے والے تھے اور سترہ فرمائی ہے کہ اگر وہ اس گستاخانہ عقیدے سے باز نہ آئے تو انہیں آخرت میں جہنم کی سزا بھگتنا پڑے گی اور ذات و رسولی ان کا مقدر ہوگی۔ ان آیات میں تثلیث کے خود ساختہ عقیدے کی تردید کی گئی ہے۔ اللہ تو ایک ہی ذات ہے، وہ قابلِ تقسیم نہیں۔ آخر میں تو یہی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ اگر وہ تو یہ کہیں تو اللہ کی عظیم رحمت انہیں حاصل ہو سکتی ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی والدہ بھی صدیقہ یعنی انجمنی تھی اور پاک بائیں تھیں۔ ان سے کوئی غیر شرعیانہ حرکت سرزد نہیں ہوئی۔ یہود کا الزام سراسر جھوٹ ہے۔ اسی آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کو نبوت کا منصب حاصل نہیں تھا جیسے بعض علماء نے غلط فہمی سے موقف اختیار کیا ہے۔ ”كَانَ يَأْتِي الْكَلْبَاءَ“ ”دونوں ماں بیٹا کھانا کھا کرتے تھے۔“ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہیں دوسرے انسانوں کی طرح کھانا کھانے کی ضرورت ہوتی تھی، لہذا وہ الہائیں ہو سکتے۔ ان کے باطل عقیدے کی تردید سورۃ مائدہ کی آخری آیات سے بھی ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مِنْ لَدُنْهُ وَيُبَيِّنُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا حَسَنًا ﴿١٤﴾ مَا كُنْتُمْ فِيهِ أَبَدًا ﴿١٥﴾ وَيُبَيِّنُ الَّذِينَ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا ﴿١٦﴾ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ وَلَا لِابْنِهِمْ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ لَا يَعْلَمُونَ إِلَّا كَلْبًا ﴿١٧﴾

”سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے اپنے بندے (محمد) پر (یہ) کتاب نازل کی اور اس میں کسی طرح کی کبھی (اور پیچیدگی) نہ رکھی (بلکہ) سیدھی (اور سلیس) اتاری تاکہ (لوگوں کو) سخت عذاب سے ڈرائے جو اُس کی طرف سے آنے والا ہے اور مومنوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں خوش خبری سنائے کہ ان کے لیے (ان کے کاموں کا) نیک بدلہ (یعنی بہشت) ہے جس میں وہ ابداً آباد کر دیں گے اور ان لوگوں کو بھی ڈرائے جو کہتے ہیں کہ اللہ نے کسی کو بیٹا بنا لیا ہے۔ اُن کو اس بات کا کچھ بھی علم نہیں اور نہ ان کے باپ وادای کو تھا (یہ) بڑی سخت بات ہے جو اُن کے منہ سے نکلتی ہے (اور کچھ ٹھک نہیں کہ) یہ جو کچھ کہتے ہیں محض جھوٹ ہے۔“ (الکہف: 1/18-5)

نیز ارشاد ہے:

﴿ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَنَهُ هُوَ الْعَزِيزُ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اِنْ عِنْدَهُ مِّنْ سُلٰطٰنٍ بِهٰذَا اَتَقَوْلُوْنَ عَلٰی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿١٨﴾ قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَقْتُرُوْنَ عَلٰی اللّٰهِ الذِّبَ لَا یَفْلِحُوْنَ ﴿١٩﴾ مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُنٰزِلُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِیْدَ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ﴿٢٠﴾

”وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے بیٹا بنا لیا ہے۔ اس کی ذات (ولادے) پاک ہے (اور) وہ بے نیاز ہے۔ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اُسی کا ہے۔ (اے اقرآن پڑھو!) تمہارے پاس اس (قول باطل) کی کوئی دلیل نہیں ہے (تو) تم اللہ کی نسبت ایسی بات کیوں کہتے ہو جو جانتے نہیں ہو؟ کہہ دو کہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھتے ہیں، فلاح نہیں پائیں گے۔ (ان کے لیے جو) فائدہ ہیں دنیا میں (ہیں) پھر انہیں ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اُس وقت ہم ان کو عذاب شدید (کے مزے) چکھائیں گے کیونکہ وہ کفر (کی باتیں) کیا کرتے تھے۔“ (یونس: 70-68/10)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے اپنی الوہیت کی تردید

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَبْنِيْ اِمْرًا وَّلَیْ

اس انداز کا ہم میں اللہ تعالیٰ کا امتیاز اب واضح طور پر رکھا گیا ہے۔ ﴿مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَّا أَمَرْتَنِي بِهِ﴾ ”میں نے ان سے اور کچھ نہیں کہا مگر صرف وہی جو تو نے مجھ سے کہنے کو فرمایا تھا۔“ اور وہ یہ تھا: ﴿إِنِ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُمْ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُمْ فِيهِمْ فَلْيَا تَوْفِيقُنِي﴾ ”کہ تم اللہ کی بندگی اختیار کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ میں ان پر گواہ رہا، جب تک ان میں رہا مگر جب تو نے مجھ کو اٹھالیا۔“ یعنی جب لوگوں نے مجھے صلیب پر چڑھانے اور شہید کرنے کا ارادہ کیا تو مجھے پرہیز فرماتے ہوئے آسمانوں پر زندہ اٹھا کر ان سے بچالیا کسی اور کی صورت مجھ جیسی بنادی اور لوگوں نے اس پر پناغہ نکال لیا۔ یہ سب کچھ ہوا ﴿كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ ”تو تو ہی ان پر نگران رہا اور تو ہر چیز کی پوری خبر رکھتا ہے۔“

پھر وہ تمام معاملات کا مختار اللہ ہی کو قرار دیتے ہوئے اور عیسائیت کا خود ساختہ مذہب اختیار کرنے والوں سے اظہارِ براہت فرماتے ہوئے ارشاد فرمائیں گے: ﴿إِنْ تَعْبُدُهُمْ فَلَا تَعْبُدُوا اللَّهَ إِنَّ تَعْبُودَهُمْ تَعْبُودَ اللَّهِ﴾ ”اگر تو ان کو سزا دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف فرما دے تو تو زبردست ہے حکمت والا ہے۔“ آپ بخشش کو اللہ کی مشیت اور مرضی پر منحصر فرمائیں گے، یعنی بخشش ہو جانا ضروری نہیں بلکہ اس بات کا اظہار ہے کہ اللہ کا فیصلہ ہی نافذ ہوگا اس لیے اللہ کی صفت عزیز اور حکیم بیان فرمائیں گے، غفور اور رحیم نہیں فرمائیں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے لیے اولاد منتخب کرنا چاہتا تو مخلوق میں سے کسی کو بھی یہ مقام دے سکتا تھا لیکن بیٹا یا بیٹیاں اس کے شان کے لائق ہی نہیں۔ اس لیے فرمایا:

﴿لَوْ أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَخْلُقَ وَلَدًا لَمَا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ سُبْحَنَهُ هُوَ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ ”اگر اللہ کسی کو پانا بیٹا بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا انتخاب کر لیتا۔ وہ پاک ہے۔ وہی تو ایک اور بہت قہر والا ہے۔“ (الزمر: 4/39)

اور مزید فرمایا:

﴿قُلْ إِنْ كَانَ لِلْمُتَحَدِّينَ وَلَدٌ لَفَأَنَّا أَوَّلَ الْعَبِيدِينَ سُبْحَنَ رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ﴾ ”کہہ دو اگر اللہ کی اولاد ہو تو میں (سب سے) پہلے (اس کی) عبادت کرنے والا ہوں۔ یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں اُس سے آسمانوں اور زمین کا مالک (اور) عرش کا مالک پاک ہے۔“ (الزحرف: 82/81/43)

تیسرا فرمایا:

﴿وَكُلُّ الْعَصِيدِ لِلَّهِ الَّذِي لَهُ يَخْلُقُ وَلَهُ أَوَّلُ كُلِّ شَيْءٍ لَّهُ شَرِيفٌ فِي الْمَلَكِ وَكَهْ يَكُنْ لَهُ وَفِي هُنَّ الدُّنْيَا وَكَوْهُهُ تَكْلِيمًا﴾

﴿وَإِذْ قَالَ اللَّهُ لِيُحْيِي ابْنَ مَرْيَمَ عَائِتَ قُلْتُ لِلْمَلَكِ اجْعَلْ فِي وَ أَوْحِيَ إِلَيْنِ مَنْ دُونِ اللَّهِ قَالَ سُبْحَنَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقِّهِ إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ﴾ ”مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَّا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُمْ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُمْ فِيهِمْ فَلْيَا تَوْفِيقُنِي﴾ ”كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ ”إِنْ تَعْبُدُهُمْ فَلَا تَعْبُدُوا اللَّهَ إِنَّ تَعْبُودَهُمْ تَعْبُودَ اللَّهِ﴾ ”وَلَنْ تَغْفِرَ لَهُمْ قَوْلِكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾

”اور (اور) وقت کو یاد کرو) جب اللہ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری والدہ کو معبود مقرر کرو؟ وہ کہیں گے کہ تو پاک ہے یہ میرے لائق نہ تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے کچھ نہیں۔ اگر میں نے ایسا کہا ہوگا تو مجھ کو معلوم ہوگا (کیونکہ) جو بات میرے دل میں ہے تو اُسے جانتا ہے اور جو تیرے ضمیر میں ہے میں اُسے نہیں جانتا۔ بیشک تو علام الغیوب ہے۔ میں نے اُن سے کچھ نہیں کہا سوائے اس کے جس کا تو نے مجھے حکم دیا وہ یہ کہ تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کا پروردگار ہے اور جب تک میں ان میں رہا ان (کے حالات) کی خبر رکھتا رہا۔ جب تو نے مجھ سے اٹھالیا تو اُن کا نگران تھا اور تو ہر چیز سے خبردار ہے۔ اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے ہی بندے ہیں اور اگر بخش دے تو (تیری مہربانی ہے) بیشک تو غالب (اور) حکمت والا ہے۔“ (المائدہ: 118-116/5)

قیامت کے دن اس سوال جواب کا مقصد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عزت افزائی اور ان لوگوں کے اعمال کا رت ہونے کا اعلان ہے جنہوں نے محبت اور عقیدت کے نام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کی تھی، انہیں ان اعمال پر کسی ثواب کی امید نہیں رکھنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ جب عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کریں گے تو اللہ کو تو معلوم ہی ہوگا کہ آپ نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ لیکن جھوٹی باتیں گھڑ کر آپ کے ذمے لگائے والوں کو زبردستی کے لیے اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ﴿يُحْيِي ابْنَ مَرْيَمَ عَائِتَ قُلْتُ لِلْمَلَكِ اجْعَلْ فِي وَ أَوْحِيَ إِلَيْنِ مَنْ دُونِ اللَّهِ قَالَ سُبْحَنَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقِّهِ﴾ ”اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تو نے ان لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ اللہ کے علاوہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی معبود قرار دے؟ عیسیٰ (علیہ السلام) عرض کریں گے: ”میں مجھ کو معبود سمجھتا ہوں کہ تیرا کوئی شریک ہو۔ مجھ کو کسی طرح زبانی تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہیں۔“ کیونکہ یہ صرف تیرا حق ہے کہ ان کی عبادت کا حکم دے۔ ﴿إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ﴾ ”اگر میں نے کہا ہوگا تو مجھ کو اس کا علم ہے۔ تو میرے دل کی بات بھی جانتا ہے اور میں تیرے نفس میں جو کچھ ہے، اس کو نہیں جانتا۔ تمام غیب جاننے والا تو ہی ہے۔“

حضرت علیؑ کی معجزات

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِذْ قَالَ اللَّهُ لِيُوسَىٰ ابْنِ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَعَلَىٰ وَالِدَتِكَ إِذْ أَبَدْنَاكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ لَعَلَّكَ الشَّاسِ فِي الْمُهْدَىٰ وَكَهْلًا ۖ وَإِذْ عَلَّمْنَاكَ الْكِتَابَ وَالْقُرْآنَ وَالْإِنجِيلَ ۖ وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ الظَّالِمِينَ لَهْمَتَهُ الظَّالِمَ بِإِذْنِي فَتَنَزَّحُ فِيهَا فَتَكُونُ عَلِيًّا بِإِذْنِي وَثُمَّ إِنِّي أَلَكُمُ الْآيَةَ بِرُوحِ الْقُدُسِ ۖ وَإِذْ أَخْرَجَ الْهَوَىٰ بِإِذْنِي ۖ وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَآءَ بَيْنَ عَنَّا إِذْ جَعَلْتَهُمْ بِالنَّجْوَىٰ فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ إِنَّا هَذَا إِلَّا يُحْمَوْنَ ۖ وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْوَاقِعِينَ أَنِ امْنُوا بِي وَبِرُوحِي قَالُوا آمَنَّا وَابْتَغَيْنَا فَاكِتًا مِّنْ مَّسْلُونٍ ۖ﴾

”جب اللہ (میں نے) فرمایا کہ اے موسیٰ ابن مریم! میرے اُن احسانوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر اور تمہاری والدہ پر کیے۔ جب میں نے روح القدس (یعنی جبریل) سے تمہاری مدد کی۔ تم جو لمبے میں اور جوان ہو کر (ایک ہی طرح) لوگوں سے گفتگو کرتے تھے۔ اور جب میں نے تم کو کتاب اور دانائی اور تورات اور انجیل سکھائی۔ اور جب تم میرے حکم سے مٹی کا جانور بنا کر اس میں پھونک مار دیتے تھے تو وہ میرے حکم سے اُڑنے لگتا تھا اور مار زادانہ سے اور سفید داغ والے کو میرے حکم سے ٹھیک کر دیتے تھے اور مُردے کو میرے حکم سے زندہ کر کے قبر سے نکال کھڑا کرتے تھے۔ اور جب میں نے بنی اسرائیل (کا حقوں) کو تم سے روک دیا۔ جب تم ان کے پاس کھلے نشان لے کر آئے تو جو ان میں سے کافر تھے کہتے تھے کہ یہ صرصر جادو ہے۔ اور جب میں نے حواریوں کی طرف حکم بھیجا کہ مجھ پر اور میرے پیغمبر پر ایمان لاؤ وہ کہنے لگے کہ (پرووردار!) ہم ایمان لاے لہذا تم شاہد رہنا کہ ہم فرما رہے ہیں۔“ (المائدہ: 110/5)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عظیم احسان یہ تھا کہ انہیں اپنا پیغمبر بنایا۔ آپ کو ایک امتیازی وصف بھی حاصل تھا جو کسی اور کو حاصل نہیں ہوا کہ آپ کو والد کے بغیر صرف والدہ محترمہ سے پیدا کیا گیا اور پھر آپ کی والدہ کو لوگوں کی نازیبا باتوں سے معجزانہ طور پر مبرا ثابت کیا گیا۔ اس لیے فرمایا: ﴿إِذْ أَبَدْنَاكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ﴾ ”جب میں نے تم کو روح القدس سے تائید دی۔“ یعنی جبرئیل علیہ السلام نے آپ کی روح آپ کی والدہ کی طرف بھیجی اور جب آپ منصف رسالت پر فائز ہوئے تو اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ رہا اور کافروں سے آپ کا بچاؤ کیا۔ ﴿تَحْكُمُ النَّاسَ فِي الْمُهْدَىٰ وَكَهْلًا﴾ ”تم لوگوں سے حکام کرتے تھے گود میں بھی اور بڑی عمر میں بھی۔“ یعنی آپ نے بچپن اور گہوارے میں بھی اللہ کی طرف بلایا اور وحلیٰ جوانی کے

”اور کہو کہ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے نہ تو کسی کو بیٹا بنایا ہے اور نہ اس کی باوشاہی میں کوئی شریک ہے اور نہ اس وجہ سے کوئی اس کا مددگار ہے کہ وہ عاجز و ناتواں ہے۔ اور اُس کو بڑا جان کر اُس کی بڑائی بیان کرتے رہو۔“ (بنی اسرائیل: 111/17)

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۖ اللَّهُ الصَّمَدُ ۖ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۖ لَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۖ﴾

”کہو کہ وہ (ذات پاک جس کا نام) اللہ (ہے) ایک ہے۔ (وہ) معبود برحق جو بے نیاز ہے، نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا اور کوئی اس کا ہم سر نہیں۔“ (الإحلاص: 4-1/112)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: آدم کا بیٹا مجھے گالی دیتا ہے اور اسے یہ حق حاصل نہیں (گالی یہ ہے کہ وہ دعویٰ کرتا ہے کہ میری اولاد ہے حالانکہ میں ایلا ہوں، بے نیاز ہوں نہ مجھ سے کوئی پیدا ہوا اور نہ میں کسی سے پیدا ہوا اور نہ میرا کوئی ہوسر ہے۔“

نبی ﷺ نے فرمایا: ”کوئی ایسا نہیں جو اپنی تو جن سن کر اللہ سے زیادہ برداشت کر سکے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس کی اولاد ہے، وہ پھر بھی انہیں رزق دیتا رہتا ہے اور عافیت دے رکھتا ہے۔“

چار الہامی کتب کا وقت نزول

امام ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے خبر دی گئی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات 6 رمضان المبارک کو نازل ہوئی، حضرت داود علیہ السلام پر زبور 12 رمضان المبارک کو نازل ہوئی۔ یہ تورات سے چار سو بیاسی سال بعد نازل ہوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل 18 رمضان المبارک کو نازل ہوئی۔ یہ زبور سے ایک ہزار پچاس سال بعد نازل ہوئی اور نبی کریم ﷺ پر قرآن 24 رمضان المبارک کو (یعنی پچیسویں رات کو) نازل ہوا۔

امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عیسیٰ علیہ السلام پر 30 سال کی عمر میں انجیل نازل ہوئی اور جب آپ کو آسمان پر اُٹھایا گیا تو آپ کی عمر مبارک 33 سال تھی۔

﴿وَيَعْلَمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالْقُرْآنَ وَالْإِنْجِيلَ﴾ وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَآءَ لِيُخْبِرَهُمْ أَنِّي أَخْلَقْتُ لَكُمْ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفَخْتُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَةَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ وَأَنْتُمْ كَمَا تَكُونُونَ وَمَا تَدَّجُونَ فِي بُيُوتِكُمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّكُم أَنْ لَّكُم مَّا مِيزْتُمْ ۖ وَمَا تَدَّجُونَ فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ الْقُرْآنِ وَلَا جِئْتُ لَكُمْ بِغَضِّ الذِّمِّ حَرَمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِأَيِّهِمْ مِنْ دَعْوَتٍ فَأَتَقُوا اللَّهَ وَاطِيعُوايَ ۖ إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَأَعْبُدُوا هَٰذَا صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۖ فَلَمَّا أَحَسَّ عَيْنِي مِنْهُمْ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ أَمَّا بَنُو اللَّهِ وَالشَّهَدَاءُ بَنَاتُكَ مُسْلِمُونَ ۖ رَبَّنَا أَمَّا بِهَٰذَا أَنْزَلْتَ وَابْتَعْنَا الرَّسُولَ فَاثْنَبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ۖ وَكَفَرُوا وَكَفَرَ اللَّهُ وَخَيَّرَ الْمُكْرِبِينَ ۖ﴾

”اور وہ (عیسیٰ) انہیں لکھتا (پڑھتا) اور داتا کی اور تورات اور انجیل سکھائیں گے اور بنی اسرائیل کی طرف پیغمبر (جو کر جائیں گے اور کہیں گے) کہ میں تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں وہ یہ کہ تمہارے سامنے مٹی کی مورت پہ شکل پرندہ بناتا ہوں۔ پھر اس میں پھونک دیتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے (بچ چک) پرندہ ہو جاتا ہے اور اندھے اور ابرص کو تندرست کر دیتا ہوں اور اللہ کے حکم سے مُردے میں جان ڈال دیتا ہوں اور جو کچھ تم کھا کر آتے ہو ہواور جو اپنے گھروں میں جمع رکھتے ہو سب تم کو ہما دیتا ہوں۔ اگر تم صاحب ایمان ہو تو ان باتوں میں تمہارے لیے (اللہ کی قدرت کی) نشانی ہے۔ اور مجھ سے پہلے جو تورات (نازل ہوئی) تھی اس کی تقدیر بھی کرتا ہوں اور (میں) اس لیے بھی (آیا ہوں) کہ بعض چیزیں جو تم پر حرام تھیں ان کو تمہارے لیے حلال کر دوں اور میں تو تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں لہذا اللہ سے ڈرو اور میرا کہا ناؤ، کچھ شک نہیں کہ اللہ ہی میرا اور تمہارا پروردگار ہے“ سو اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔ جب عیسیٰ نے ان کی طرف سے نافرمانی (اور نیت قتل) دیکھی تو کہنے لگے کہ کوئی ہے جو اللہ کا طرفدار اور میرا مددگار ہو؟ حواری بولے کہ ہم اللہ کے (طرفدار اور آپ کے) مددگار ہیں۔ ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ رہیں کہ ہم فرمانبردار ہیں۔ اسے پروردگار! جو (کتاب) تو نے نازل فرمائی ہے، ہم اس پر ایمان لے آئے اور (تیرے) پیغمبر کے شیخ ہو چکے۔ تو ہم کو سامنے والوں میں لکھ رکھو اور انھوں نے (قتل عیسیٰ کے بارے میں ایک) تدبیر کی اور اللہ نے بھی (عیسیٰ کو بچانے کے لیے) تدبیر کی اور اللہ خوب تدبیر کرنے والا ہے۔“ (ال عمران 48/3-54)

حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد ﷺ کے خاص معجزات: کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو وہ معجزہ دیا جو اس کے دور کے لوگوں کی مہارت سے مناسبت رکھتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادو کا شہرہ تھا اور

وقت بھی اللہ کی طرف بلاتے رہے۔ ﴿وَإِذْ عَلَّمْنَاكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالْقُرْآنَ وَالْإِنْجِيلَ﴾ ”اور جب میں نے تم کو کتاب اور حکمت کی باتیں سکھائیں اور تورات و انجیل کی تعلیم دی۔“ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد تورات و انجیل کے الفاظ اور معانی و مفہیم دونوں کی تعلیم مراد ہے۔ ﴿وَإِذْ أَخْلَقْنَا مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ ”اور جب کہ تم میرے حکم سے گارے سے ایک شکل بناتے تھے جیسے پرندے کی شکل ہوتی ہے۔“ یعنی آپ اللہ کے حکم سے گارے سے پرندوں کی صورت بناتے تھے۔ ﴿فَنَفَخْتُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ ”پھر تم اس کے اندر پھونک مار دیتے تھے، جس سے وہ پرندہ بن جاتا تھا میرے حکم سے۔“ حکم کا لفظ دوبارہ اور شرفا دیا تاکہ یہ شہ نہ ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ذاتی طور پر یہ طاقت حاصل تھی۔ یہ لفظ فرما کر واضح کر دیا کہ وہ ایک معجزہ تھا۔ ﴿وَأُبْرِئُ الْأَكْمَةَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ ”اور تم اچھا کر دیتے تھے، اور زائد امداد کروا کر دیکھی کہ میرے حکم سے۔“ اور زائد ایمان کی مینا کی کسی علاج سے حاصل نہیں ہو سکتی اور برص کی بیماری جب پرانی ہو جائے تو اس کا علاج ممکن نہیں رہتا۔ ﴿وَإِذْ أَخْرَجَ الْوَلَدَيْنِ بِلَازْنِ﴾ ”اور جب تم غرودوں کو کھال کھڑا کرتے تھے میرے حکم سے۔“ یعنی وہ زندہ ہو کر قبروں سے نکل آتے تھے۔ اس لفظ میں اشارہ ہے کہ یہ واقعہ متعدد بار پیش آیا۔ ﴿وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَآءَ لِي عَنْكَ إِذْ جِئْتَهُمْ بِلَايِكُنَّ فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ هَٰذَا إِلَٰهُكُمْ يُحْيِي الْمَيِّتِينَ﴾ ”اور جب میں نے بنی اسرائیل کو تم سے باز رکھا، جب تم ان کے پاس بلیں لے کر آتے تھے، پھر ان میں جو کافر تھے، انہوں نے کہا تھا: یہ تو کسلے جادو کے سوا کچھ نہیں۔“ اس سے مراد وہ واقعہ ہے جب دشمنوں نے آپ کو سولی دینے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے درمیان سے زندہ سلامت اٹھالیا اور وہ آپ کا بال بھی پرانہ کر سکے۔

﴿وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ أَنْ اؤْمِنُوا وَابْرَحُوا قَالُوا أَمَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ﴾

”اور جب میں نے حواریوں کو وحی کی کہ تم کچھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ۔ انہوں نے کہا: ہم ایمان لائے اور آپ گواہ رہیں کہ ہم پر سے فرماں بردار ہیں۔“ وحی سے مراد الہام ہے یا رسول کے واسطے سے ان تک وحی پہنچا کر اسے قبول کرنے کی توفیق دینا ہے۔ یہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے اللہ کا انعام تھا کہ آپ کو مخلص ساتھی میرے جو آپ کے ساتھ مل کر لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے تھے۔ حضرت محمد ﷺ پر بھی یہ احسان ہوا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِي آتَاكَ بِنُصْرِهِ وَالْمُنَافِقِينَ ۖ وَأَلْفَ بِآلِ الْفُلُوفِ ۖ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا لَا أَلْفَ بِآلِ الْفُلُوفِ ۖ وَلَكِنَّ اللَّهَ أَلْفَ بِبَيْتِهِمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾

”وہی تو ہے جس نے تم کو اپنی مدد سے اور مسلمانوں (کی ہجرت) سے تقویت بخشی اور ان کے دلوں میں اُلفت پیدا کر دی۔ اگر تم دنیا بھر کی دولت خرچ کرتے، تب بھی اُن کے دلوں میں اُلفت پیدا نہ کر سکتے مگر اللہ ہی نے اُن

میں اُلفت ڈال دی۔“ جب شک و ہر دوسرت (اور) شکست والا ہے۔“ (الأنفال: 63/62/8)

مزید ارشاد الہی ہے:

ہوں (اور) جو (کتاب) مجھ سے پہلے آنچلی ہے (یعنی) تورات اُس کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک پیغمبر جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام احمد ہوگا اُن کی بشارت دیتا ہوں (پھر) جب وہ اُن لوگوں کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تو وہ کہنے لگے یہ تو صریح جادو ہے۔ اور اس سے برا ظالم کون ہے جسے بلایا تو اسلام کی طرف جائے اور وہ اللہ پر بیعت ہو جائے اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ (کے چراغ) کی روشنی کو مٹے (چھوٹا مارکر) بجھا دیں حالانکہ اللہ اپنی روشنی پوری کر کے رہے گا خواہ کافرنا بخوش ہوں۔“ (الصف: 8-6/1)

مزید ارشاد الہی ہے:

﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْنُوبًا عِنْدَهُمْ فِي الْقُبُورِ
وَالْأَنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الْكُتُبَ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْغَبَىٰ
وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَإِذَا زُوِيَ الْأُمُورُ بِهِمْ وَعَزَّوْهُ وَتَصَرُّوهُ
وَاتَّبَعُوا النَّوْرَ الَّذِي أَنْزَلْنَا مَعَهُ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝﴾

”وہ (جو) (محمد) (رسول) (اللہ) کی جو نبی اُمی ہیں، پیروی کرتے ہیں جن (کے اوصاف) (کو) وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو ان کے لیے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں اور اُن پر سے بوجھ اور طوق جو اُن (کے سر) پر (اور گلے میں) تھے اتار دیتے ہیں۔ سو جو لوگ اُن پر ایمان لائے اور اُن کی رفاقت کی اور انہیں مدد دی اور جو نور اُن کے ساتھ نازل ہوا ہے، اُس کی پیروی کی، وہی مراد پانے والے ہیں۔“ (الأعراف: 157/7)

حضرت ابوالامامؑ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔“

جب بنی اسرائیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیعت ہوئے تو انہوں نے کھڑے ہو کر وعظ فرمایا اور بتایا کہ بنی اسرائیل میں سے نبوت ختم ہو چکی ہے۔ اب عرب سے نبی اُمی پیدا ہوگا جو سلسلہ نبوت کو مکمل طور پر ختم کرنے والا ہوگا اور اس کا نام ”احمد“ ہوگا۔

نزولِ مائدہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر آپ کی قوم کے لیے آسمان سے دسترخوان نازل فرمایا۔

بڑے بڑے ماہر جادوگر موجود تھے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مجروح ملا، جس سے جادوگر بھی ششدر رہ گئے۔ چونکہ وہ جادو کی تمام باریکیوں سے واقف تھے لہذا وہ فوراً سمجھ گئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مجروح جادو نہیں بلکہ اللہ کی خاص عنایت اور مدد ہے اور آپ یقیناً رسول ہیں، چنانچہ وہ بلا توقف ایمان لے آئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ طب و علاج کے عروج کا زمانہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے معجزات دیے جو ماہرین طبیبوں کے بس کی بات نہ تھے۔ آپ کو مادور دانا چنا گوشت یا ب کرنے کا معجزہ ملا۔ کوئی ماہر سے ماہر طبیب اور ڈاکٹر قبر میں پڑے ہوئے مردے کو زندہ نہیں کر سکتا۔ اس سے معجزے کی صداقت اور اس کو ظاہر کرنے والے کی قدرت کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت محمد ﷺ کی بعثت اس ماحول اور زمانے میں ہوئی جس میں فصاحت و بلاغت کا دور دورہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو مجروح بنا کر نازل کیا جس کے مقابلے میں آج تک ایک بھی سورت پیش کرنا ممکن نہیں ہوا۔

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچایا اور اللہ کی طرف بلایا تو اکثر لوگوں نے آپ کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ چند پاک باز اور نیک لوگوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا۔ آپ کی مدد کی اور آپ کے پیغام کو دوسروں تک پہنچایا۔ کچھ شریر افراد ایسے تھے جنہوں نے آپ کی مخالفت کی۔ وقت کے حکمران کو خطاطا اعات پہنچائی تھی کہ آپ کو شہید کرنے اور سولی دینے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان سے بچا کر اوپر اٹھالیا۔ آپ کی شکل و شبہات کسی اور شخص کو دے دی تھے انہوں نے مجھے بھی سولی پر لٹکا دیا بہت سے عیسائی بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ صلیب پر لٹکا یا جانے والا شخص مسیح ہے۔ لیکن دونوں فریق غلطی پر ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت محمد ﷺ کی آمد کی بشارت دی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے۔ آپ نے لوگوں کو آخری نبی کی بعثت کی خبر دی جس پر نبوت کا سلسلہ ختم ہونے والا تھا۔ آپ نے انہیں نبی ﷺ کا نام بھی بتا دیا اور آپ کی واضح علامات بھی بیان فرمائیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَتَّبِعُوا رِسَوٰىيَ اِنِّى رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ فَصَدَّقَ لَمَّا بَيَّنَّ يَدَيَّ
مِنْ الْقُوَارِىَ وَمُهَيَّيْئًا يُّوْسُوْلًا يَّاتِيْ مِنْ بَعْدِىْ اِسْمَآءَ اَحْمَدَ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا
سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۚ وَكَمْ اَقْلَمُوْهُ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ الْكِتٰبَ وَهُوَ يَدْعٰى اِلَى الْاِسْلَآءِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ
الظَّالِمِيْنَ ۚ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِأَوْحَاجِهِمْ وَاللّٰهُ مُجِيْبُ نُوْرِهِ وَكُوْرُهُ الْكُفْرُوْنَ ۚ
”اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا کہ اسے بنی اسرائیل! میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا

جب اللہ تعالیٰ نے آسمان سے دسترخوان نازل فرمایا۔ لوگ دیکھ رہے تھے کہ وہ دایلوں کے درمیان آہستہ آہستہ نیچے آ رہا ہے۔ وہ لچر پہ لچر قریب سے قریب تر ہوتا جا رہا تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دعا میں مانگ رہے تھے کہ اس کا نزول رحمت و برکت کا باعث ہو، عذاب کا باعث نہ ہو۔ قریب ہوتے ہوتے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے آ کر کھ گیا۔ وہ رومال سے ڈھانچا ہوا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: [يَسْمِعُ اللَّهُ خَصِيرَ الزَّائِقِينَ] ”سب سے بہتر رزق دینے والے اللہ کے نام سے۔“ اور رومال اٹھا دیا۔ دسترخوان پر سات مچھلیاں اور سات روٹیاں تھیں۔ ایک قول کے مطابق سرکہ، انار اور دوسرے پھل بھی تھے۔ اس کی بہت عمدہ خوشبو تھی۔ ان تمام اشیاء کو اللہ تعالیٰ نے [مخفی] کہہ کر پیدا فرمایا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حکم دیا کہ کھانا شروع کریں۔ لوگوں نے کہا: ”پہلے آپ شروع کریں۔“ آپ نے فرمایا: ”اس کا سوال تو تم ہی نے کیا تھا! پھر بھی انہوں نے شروع کرنے سے انکار کیا۔ آپ نے غریب بھتا جوں اور معذوروں کو حکم دیا کہ کھانا شروع کریں۔ ان کی تعداد ایک ہزار تین سو کے قریب تھی۔ انہوں نے کھایا تو ہر آفت زدہ اور بیمار تندرست ہو گیا۔ انہیں دیکھ کر ان کو فحش ہوا کہ ہم نے کیوں نہ کھایا۔

بعض حضرات بیان کرتے ہیں کہ پہلے پھل دسترخوان پر روز اترا تھا اور سب لوگ بیک وقت اس سے کھاتے تھے۔ ان کی تعداد سات ہزار افراد تک پہنچ جاتی تھی۔ کچھ مدت بعد وہ ایک دن چھوڑ کر ایک دن اترنے لگا۔ جس طرح صالح علیہ السلام کی قوم کے لوگ ایک دن چھوڑ کر دوسرے دن مجھڑا اونٹنی کا دودھ پیتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اسے صرف غریبوں اور محتاجوں کے لیے مخصوص کر دیں۔ اس پر بہت سے لوگ دل برداشتہ ہو گئے اور منافقوں نے نازیبا باتیں کہنا شروع کر دیں۔ جب دسترخوان اترنا بالکل بند ہو گیا اور نبی پر تنقید کرنے والوں کو بند اور خنزیر بنایا گیا۔

بعض علماء بات سے قائل ہیں کہ دسترخوان نازل نہیں ہوا۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَمَنْ يَنْظُرْ بَعْدَ ذَلِكَ﴾ ﴿قَالَ اِنَّ اَعْدَاءَ بَلَاءٍ لَا اَعْدَاءَ بَلَاءٍ اَبَا لَا اَعْدَاءَ بَلَاءٍ اَعْدَاءَ بَلَاءٍ﴾ ”پھر جو شخص تم میں سے اس کے بعد حق ناشناسی کرے گا تو میں اس کو ایسی سزا دوں گا کہ وہ سزا دنیا جہان والوں میں سے کسی کو نہ دوں گا۔“ اس پر وہ رو گئے اور مطالبہ واپس لے لیا۔

علاوہ ازیں عیسائیوں کی کتابوں میں اس واقعہ کا کوئی ذکر نہیں، حالانکہ ان تمام واقعہ نقل ہونا چاہیے تھا۔ (واللہ اعلم)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چند فرمودات

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے قیامت کا ذکر ہوتا تو آپ رو پڑتے۔ فرماتے: ”ابن مریم

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِذْ قَالَ الْخَوَارِیُّونَ لِیَعِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ اَنْ یُنْزِلَ عَلَیْنَا مَائِدًا مِّنَ السَّمَاءِ ۚ قَالَ اَتَقْعُو اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۚ قَالُوْا لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ اَنْ نَّكُلَّوْا کُلًّا وَهَیْئَةً فَتُلَوِّیْنَا وَنَعْلَمُ اَنْ قَدْ صَدَّقْنَا وَكُنُوْا عَلَیْهَا مِنَ الشَّهِیْدِیْنَ ۚ قَالَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَائِدًا مِّنَ السَّمَاءِ ۖ كُنُوْا لَنَا عَیْدًا ۙ اِذْ اَنْزَلْنَا وَخَرْنَا اَوَّیَةً ۙ فَتَكُنْ ؕ وَارْزُقْنَا ۚ وَاَنْتَ خَبِرُ الْزَّوْقِیْنَ ۚ قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُّتَرَلِّکُمْ عَلَیْکُمْ ۚ فَمَنْ یَنْظُرْ بَعْدَ وَعْدِیْ ۙ فَاِنِّیْ اَعْدَیْ بَلَاءٍ عَدَاۤءًا لَا اَعْدَیْ بَلَاءٍ اَعْدَاۤءًا ۚ مِنَ الْعٰلَمِیْنَ ۝۱۱۵﴾

”وہ وقت یاد کے قابل ہے جب حواریوں نے عرض کیا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا آپ کا رب ایسا کر سکتا ہے کہ ہم پر آسمان سے ایک خون نازل فرما دے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اگر تم ایماندار ہو۔ وہ بولے کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور ہمارے دلوں کو پورا اطمینان ہو جائے اور ہمارا یہ یقین اور بھج جائے کہ آپ نے ہم سے سچ بولا ہے اور ہم کو ایسی دینے والوں میں سے ہو جائیں۔ عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی کہ اے اللہ اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے کھانا نازل فرما! کہ وہ ہمارے لیے یعنی ہم میں جوں جوں اور جو بعد ہیں سب کے لیے ایک خوشی کی بات ہو جائے اور تیری طرف سے ایک نشان ہو جائے اور تو ہم کو رزق عطا فرما۔ اور تو سب عطا کرنے والوں سے اچھا ہے۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں وہ کھانا تم لوگوں پر نازل کرنے والا ہوں پھر تم میں سے جو شخص اس کے بعد ناشامی کرے گا تو میں اس کو ایسی سزا دوں گا کہ وہ سزا دنیا جہان والوں میں سے کسی کو نہ دوں گا۔“ (الباقیہ: 112/5-115)

اس واقعہ کی تفصیل اس طرح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں کو حکم دیا کہ تیس روزے رکھیں۔ انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔ جب تیس روزے پورے ہو گئے تو انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ آسمان سے ایک دسترخوان نازل ہوتا کہ وہ اس میں سے کھائیں اور انہیں یہ اطمینان بھی حاصل ہو جائے کہ ان کی عبادت قبول ہو گئی ہے اور بعد میں خوشی کا یہ دن ان کے لیے عید کے طور پر مقرر ہو جائے تاکہ روزے رکھنے کے بعد اس دن خوشی منایا کریں اور یہ آسانی کھانا انا ہو کر ہر امیر غریب کے لیے کافی ہو جائے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں نصیحت کی کہ وہ اس مطالبہ سے دستبردار ہو جائیں۔ آپ کو خطرہ محسوس ہوا تھا کہ لوگ اس نعمت کا صحیح شکر ادا نہیں کر سکیں گے جس پر اللہ کا غضب نازل ہو جائے گا، تاہم لوگوں نے اصرار کیا کہ اللہ سے یہ درخواست ضرور کریں۔ ان کے اصرار پر آپ ان کا (سادہ اور معمولی) ٹاٹ مہین کرکھٹی پر کھڑے ہو گئے۔ سر جھکا کر آنکھوں سے آنسو بہانے لگے اور انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ سے دعا کی کہ ان کی یہ درخواست قبول ہو جائے۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿فَمَا تَقُولُهُمْ رَبَّنَا قُلْ هُمْ يَأْتِيهِمُ الْآيَاتُ بَغْيًا حَقًّا وَقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَلْ طَلَعَ اللَّهُ عَلَيْنَا لِقَائِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۖ وَ قَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا ۖ وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَخِفَّةٌ فِيهِمُ الْغَيْبُ ۚ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۚ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۚ وَلَنْ مِنَ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لِيُؤْمِنُوا بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ۖ﴾

”اُن کے عہد تو دے دیئے اور اللہ کی آیتوں سے کفر کرنے اور انبیاء کو ناحق مار ڈالنے اور یہ کہنے کے سبب کہ ہمارے دلوں پر پردے (پڑے ہوئے) ہیں (اللہ نے اُن کو مردود کر دیا اور ان کے دلوں پر پردے نہیں ہیں) بلکہ ان کے کفر کے سبب اللہ نے اُن پر مہر لگا دی ہے“ لہذا یہ کہی ایمان لاتے ہیں۔ اور اُن کے کفر کے سبب اور مریم پر ایک بہتان عظیم باندھنے کے سبب اور یہ کہنے کے سبب کہ ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ مسیح کو جو اللہ کے پیغمبر (کہلاتے) تھے قتل کر دیا ہے (اللہ نے اُن کو ملعون کر دیا) اور انہوں نے عیسیٰ کو قتل نہیں کیا اور نہ انہیں سولی پر چڑھایا بلکہ اُن کو اُن جیسی صورت معلوم ہوئی۔ اور جو لوگ اُن کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ اُن کے حال سے شک میں پڑے ہوئے ہیں اور سوائے ظن و گمان کی بیروی کے ان کو اس کا کوئی علم نہیں۔ اور انہوں نے عیسیٰ کو یقیناً نہیں قتل کیا بلکہ اللہ نے اُن کو اپنی طرف اٹھایا اور اللہ غاب اور حکمت والا ہے۔ اور کوئی اہل کتاب نہیں جو لوگ ان کی موت سے پہلے اُن پر ایمان لے آئے گا اور وہ قیامت کے دن اُن پر گواہ ہوں گے۔“ (النساء: 154-159)

ان آیات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دشمن یہودیوں نے وقت کے بادشاہ کے دربار میں آپ پر جھوٹے الزامات لگائے اور آپ کو سولی پر چڑھا کر شہید کر چاہا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سان پر اٹھایا۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کا واقعہ اس طرح ہے کہ آپ کے ساتھ گھر میں بارہ حواری موجود تھے۔ آپ گھر میں موجود ایک شمشیر سے غسل فرما کر ان کے پاس تشریف لائے۔ آپ کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: ”تم میں ایک ایسا شخص بھی ہے جو مجھ پر ایمان لانے کے بعد بارہ دفعہ اُٹھا کر لے گا۔“

پھر فرمایا: ”تم میں سے کون اس بات پر تیار ہے کہ اسے میری شکل و شبہت دے دی جائے اور اسے میری جگہ شہید کر دیا جائے، پھر وہ (جنت میں) میرے درجے میں میرے ساتھ ہو؟“ حاضرین میں سے سب سے کم عمر جوان نے اُنھ کو کہا: ”میں۔“ آپ نے اسے فرمایا: ”بیٹھ جا!“ پھر آپ نے حاضرین سے دوبارہ یہی سوال کیا، پھر وہی جوان اُٹھا اور کہا:

کے لیے مناسب نہیں کہ قیامت کا ذکر سن کر خاموش رہے۔“ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں سے فرمایا: ”جس طرح بادشاہوں نے حکمت و دانائی تمہارے لیے چھوڑ دی ہے، تم دنیا ان کے لیے چھوڑ دو!“ آپ نے فرمایا: ”مجھ سے دریافت کرو! میں نرم دل ہوں اور اپنی نظر میں چھوٹا ہوں۔“

آپ نے حواریوں سے فرمایا: ”جو کہی روئی کھاؤ، سادہ پانی پیو اور دنیا سے صحیح سلامت اسن و ایمان کے ساتھ رخصت ہو جاؤ! تم میں سے کچھ کہتا ہوں کہ دنیا کی محاسن آخرت کی نعمتی ہے اور دنیا کی نعمتی آخرت کی محاسن ہے۔ اللہ کے بندے بیش پسند نہیں ہوتے۔ میں تم سے کچھ کہتا ہوں: سب سے برہنہ و عالم ہے جو اپنے علم سے اپنی خواہش کو مقدم رکھتا ہے اور چاہتا ہے کہ سب لوگ اسی جیسے بن جائیں۔“ آپ فرماتے تھے: ”دنیا میں سے گزر جاؤ، اسے گھرنہ سمجھ لو۔“

نیز آپ نے فرمایا: ”دنیا کی محبت ہر گناہ کا سراپہ اور (نا جائز) نظر سے دل میں گناہ کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔“ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ”اے آدم کے کزور بیٹے! تو جہاں بھی ہو، اللہ سے ڈرنا اور دنیا میں ایمان کی طرح رہو اور مسجدوں کو گھر بنا لے، اپنی آنکھوں کو رو کر نا سکھا، جسم کو صبر کی تعلیم دے اور دل کو غور و فکر کی عادت ڈال، کل کے رزق کا فکر نہ کر، یہ بھی گناہ ہے۔“

رفیع آسمانی یا صلیب پر موت؟

کچھ یہودیوں کی چٹیلوں اور سازشوں سے بادشاہ وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے پر آمادہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بحفاظت آسمان پر اٹھایا۔ جبکہ یہودی اور عیسائی اس باطل عقیدے پر قائم ہیں کہ انہوں نے اپنے نبی کو سولی چڑھا دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے باطل عقائد کی نفی کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ الْعَاكِفِينَ ۚ إِذْ قَالَ اللَّهُ لِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ قُمْ فَرُفِعَكَ ۚ وَرَأَيْتَكَ إِذْ رُفِعْتَ إِلَيْنَا فَمَنْ حَكَمَكَ ۚ فَأَنْتُمْ سَيِّئُونَ فِيمَا لَكُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۖ﴾

”اور وہ (یہودی عیسیٰ کے بارے میں ایک) چال چلے اور اللہ نے بھی (عیسیٰ کو بچانے کے لیے) تدبیر کی اور اللہ خوب تدبیر کرنے والا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عیسیٰ بنی تمہاری دنیا میں رہنے کی مدت پوری کر کے تم کو اپنی طرف اٹھالوں گا اور تمہیں کافروں (کی محبت) سے پاک کر دوں گا اور جو لوگ تمہاری بیروی کریں گے اُن کو کافروں پر قیامت تک فائق (اور غائب) رکھوں گا۔ پھر تم سب میرے پاس لوٹ کر آؤ گے تو جن باتوں میں تم اختلاف کرتے تھے، اُسی دن تم میں اُن کا فیصلہ کر دوں گا۔“ (آل عمران: 54/55)

اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب پر قائم رہنے کی اجازت نہیں دیں گے۔

حضرت وہب بن منہرؓ فرماتے ہیں: حضرت عیسیٰ علیہ السلام سترہ حواریوں کے ساتھ ایک مکان میں تشریف لائے۔ دشمنوں نے محاصرہ کر لیا۔ جب وہ لوگ اندر داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے تمام حواریوں کی شکل حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی بنادی۔ انہوں نے کہا: ”تم لوگوں نے ہمارا مذاق اڑانے کے لیے ایک سی شکلیں اختیار کر لیں۔ اب یا تو ہمیں بتا دو کہ تم میں سے عیسیٰ کون سے ہیں، ورنہ ہم تم سب کو قتل کر دیں گے۔“

عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: ”آج کون جنت کا خریدار بنے گا؟“ ایک آدمی نے کہا: ”میں۔“ چنانچہ اس نے ہاتھ لہکر کہا: ”میں عیسیٰ ہوں۔“

انہوں نے اس کو پکڑ کر سولی دیا اور شہید کر دیا، اس لیے وہ اس غلط فہمی میں مبتلا رہے کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو شہید کیا ہے۔ عیسائیوں نے بھی یہی سمجھا کہ شہید ہونے والا شخص عیسیٰ ہے جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے صحیح سلامت آسمانوں پر پہنچا دیا۔ حافظ ابن عساکرؒ فرماتے ہیں: ”حضرت مریم علیہا السلام واقعہ کے بعد پانچ سال زندہ رہیں اور تین (53) سال کی عمر میں فوت ہوئیں۔“

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر لے جایا گیا اس وقت آپ اپنی عمر کے چونتیسویں سال میں تھے۔ ”اور حدیث میں ہے: ”جنتی جب جنت میں داخل ہوں گے تو ان کے جسم بالوں سے خالی ہوں گے، واڑھی سوچے نہیں ہوگی آنکھیں سرسبز ہوں گی، پینتیس (33) سال کی عمر کے ہوں گے۔“

علاوہ ازیں حضرت سعید بن مسیبؒ بیان کرتے ہیں: ”جب عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھایا گیا آپ کی عمر پینتیس (33) سال تھی۔“

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فضائل

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأَنَّ صِدْقَ﴾

”مسیح ابن مریم پیغمبر ہونے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اس سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو چکے ہیں ان کی والدہ ایک

راست باز عورت تھیں۔“ (الحالہ: 75/5)

”مسیح کو جسے اس لیے کہتے ہیں کہ آپ اس زمانے کے قوتوں سے محفوظ رہنے کے لیے اور دین کی تبلیغ کے لیے سفر میں

”میں۔“ آپ نے فرمایا: ”تم ہی یہ مقام حاصل کرو گے۔“

چنانچہ اس کی شکل و صورت باطل حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی ہو گئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گھر کے ایک روزن سے نکال کر آسمان پر پہنچا دیا گیا۔ تلاش کرنے والے یہودی آئے تو آپ کے ہم شکل حواری کو پکڑ کے لے گئے۔ اسے سولی پر لٹکایا اور شہید کر دیا، چنانچہ ان میں سے ایک آدمی نے بارہ دفعہ ایمان سے انکار کیا۔

عیسائیوں کے تین فرقے: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رفعت کے بعد عیسائیوں کے تین فرقے ہو گئے:

1. ایک فرقے نے کہا: ”خود اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان کچھ عرصہ موجود رہا، پھر آسمان پر چلا گیا۔“ یہ فرقہ یعقوبیہ کہلاتا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ”اللہ“ قرار دیتا ہے۔

2. دوسرے فرقے نے کہا: ”ہمارے اندر اللہ کا بیٹا کچھ عرصہ موجود رہا، پھر جب اللہ نے چاہا، اسے اپنی طرف اٹھالیا۔“ یہ فرقہ ”نسطوریہ“ کہلاتا ہے۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیتا ہے۔

3. ایک فرقے نے کہا: ”ہمارے اندر اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کچھ عرصہ موجود رہا، پھر جب اللہ نے چاہا اسے اپنی طرف اٹھالیا۔“ یہ توحید پرست حضرات تھے۔ پھر دونوں کا فرقہ توحید پرست فرقے پر غالب آگئے اور ان لوگوں کو شہید کر دیا۔ اس کے بعد عقیدہ توحید پر مبنی دین اسلام مفتوحہ رہا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو دین حق دے کر مبعوث فرمادیا۔

حضرت حسن بصریؒ اور ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں: جس بادشاہ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو شہید کرنے کا حکم جاری کیا تھا، اس کا نام داد بن اوتقا۔ اس نے آپ کو شہید کرنے اور سولی پر چڑھا دینے کا حکم جاری کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیت المقدس میں ایک گھر کے اندر تھے۔ انہوں نے اس گھر کا محاصرہ کر لیا۔ یہ جمعہ اور ہفتہ کے درمیان کی رات تھی۔ جب وہ لوگ داخل ہونے کے قریب تھے، تو آپ کی شکل و شباهت گھر میں موجود ایک آدمی کو دے دی گئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایک کھڑکی میں سے نکال کے آسمان پر لے جایا گیا۔ جب سپاہی گھر میں داخل ہوئے تو وہاں انہیں وہ تو جو ان کی نظر آیا جس کی شکل حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی بنادی گئی تھی۔ انہوں نے اسے عیسیٰ سمجھ کر پکڑ لیا اور سولی پر لٹکایا۔ انہوں نے مذاق اڑانے کے لیے اس کے سر پر کاغذ کا تاج بنا کر رکھا۔ جو عیسائی وہاں موجود تھے، انہوں نے یہودیوں کا یہ دعویٰ تسلیم کر لیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو واقعی صلیب پر شہید کر دیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَلَمَّا مَنَّ اللَّهُ عَلَىٰ آلِ الْكَتِبِ أَنَّ الْكَتِبَ لَهُ قَبْلَ مَوْتِهِ﴾ ”اہل کتاب میں سے ایک بھی ایسا نہ بنے گا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے ان پر ایمان نہ لائے۔“ سے وہ زمانہ مراد ہے جب قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ زمین پر تشریف لائیں گے، خنزروں کو قتل کریں گے، صلیب توڑ دیں گے، جزیہ لینا بند کر دیں گے اور

ثواب یا دوسرے طرح کے نیک اعمال کا ثواب ملتا ہے۔“^①

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جس رات مجھے معراج کا شرف حاصل ہوا، میری ملاقات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی ہوئی۔“ پھر نبی کریم ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: ”چھریسے بدن والے، سیدھے بالوں والے جیسے قبیلہ شنوہ کے افراد ہوتے ہیں۔“ پھر فرمایا: ”اور میری ملاقات عیسیٰ علیہ السلام سے بھی ہوئی۔“ پھر آپ کا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: ”درمیانہ قد، سرخ قام، گویا آپ ابھی حمام سے تشریف لائے ہیں۔ اور میری ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی۔ آپ کی اولاد میں، آپ سے سب سے زیادہ مشابہت رکھنے والا میں ہوں۔“^② حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”میں نے حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کو دیکھا۔ عیسیٰ تو سرخ قام، گھٹے ہوئے بدن والے، چوڑے سینے والے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام گندی رنگت کے، قد آدرا و سیدھے بالوں والے تھے۔ جیسے آپ کا تعلق [ظ] ”جاث“ قوم سے ہو۔“^③

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن نبی ﷺ نے لوگوں کے سامنے دجال کا ذکر فرمایا۔ آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کی قسم کہ میں نہیں، اور مسیح دجال دامن آکھ سے کا نا ہے۔ اس کی آنکھ اس طرح ہے جیسے پھولا ہوا گور ہو۔ اور آج رات میں نے خواب دیکھا کہ میں کعبہ کے پاس ہوں۔ اچانک ایک گندی رنگت کا آدمی نظر آیا۔ اس کی گندی رنگت انتہائی خوب صورت تھی۔ اس کے بال کندھوں تک پہنچے ہوئے تھے۔ بال سیدھے تھے (گھنگریالے نہ تھے) سر سے پانی ٹپک رہا تھا۔ وہ دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے کعبہ شریف کا طواف کر رہا تھا۔ میں نے کہا: یہ کیوں ہے؟ بتایا گیا: یہ مسیح ابن مریم علیہ السلام ہیں۔“

آپ کے پیچھے بھی ایک آدمی اور آدمی نظر آیا، اس کے بال انتہائی گھنگریالے تھے، دامن آکھ سے کا نا تھا۔ جن لوگوں کو میں نے دیکھا ہے، ان سب میں اس کی شکل سب سے زیادہ ابن قطن سے ملتی تھی۔ وہ بھی دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے کعبہ شریف کا طواف کر رہا تھا۔ میں نے کہا: ”یہ کیوں ہے؟“ جواب ملا: ”مسیح دجال ہے۔“^④

نبی کریم ﷺ نے دونوں مسیحوں کا حلیہ بیان فرمادیا، ایک سچا ہدایت دینے والا مسیح اور ایک گمراہی والا مسیح، تاکہ جب اللہ کے نبی مسیح علیہ السلام نازل ہوں تو مومن انہیں پہچان لیں اور ان پر ایمان لے آئیں اور جب جھوٹا مسیح (دجال) ظاہر ہو تو اہل

① صحیح البخاری: أحادیث الأنبياء، باب قول الله تعالى: ﴿وَإِذْ كَفَرْنَا فِي السَّابِقِ مَرَّةٍ﴾، حديث: 3446 و صحيح مسلم: الإيمان، باب وجوب الإيمان برسالة نبينا محمد ﷺ، حديث: 154

② صحیح البخاری: أحادیث الأنبياء، باب قول الله تعالى: ﴿وَإِذْ كَفَرْنَا فِي السَّابِقِ مَرَّةٍ﴾، حديث: 3437

③ صحیح البخاری: أحادیث الأنبياء، باب قول الله تعالى: ﴿وَإِذْ كَفَرْنَا فِي السَّابِقِ مَرَّةٍ﴾، حديث: 3438

④ صحیح البخاری: الفتن، باب ذكر الدجال، حديث: 7128 و صحيح مسلم: الإيمان، باب ذكر المسيح ابن مریم ﷺ، حديث: 169

رہتے تھے کیونکہ یہودی آپ کی مخالفت بہت شدت سے کرتے تھے اور آپ پر اور آپ کی والدہ محترمہ پر طرح طرح کی الزام تراشی کرتے تھے۔ ایک رائے کے مطابق ”مسیح“ کا مطلب [ممسوح القدمین] ہے، یعنی آپ ﷺ کے قدم مبارک ہموار اور برابر تھے۔ قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر آپ کا ذکر غیر موجود ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِمُوسَىٰ وَقَدِّمْنَا بَنِي إِسْرَءِيلَ وَآتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ﴾

”ان کے بعد بھی ہم اپنے رسولوں کو پہلے پہل بھیجے رہے اور ان کے بعد نبی ابن مریم کو بھیجا اور انہیں انجیل عطا فرمائی۔“ (الحديد: 27/57)

اس کے علاوہ ارشاد ہے:

﴿وَأَنزَلْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَنِيَّةَ وَأَنزَلْنَا مَوْجِدَ الْقُدُسِ﴾

”اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو روشن دلین دیا اور روح القدس سے ان کی تائید کروائی۔“ (البقرة: 253/2)

صحیحین میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مروی ہے: ”جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے، شیطان اس کے پہلو میں ٹھوکا دیتا ہے تو وہ روئے لگتا ہے، سو اے مریم رضی اللہ عنہا اور ان کے بیٹے کے اس نے ٹھوکا دینا چاہا تو پر دے میں ٹھوکا دے دیا۔“^①

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص یہ گواہی دے کہ اللہ وحدہ لا شریک کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور نبی ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اس کا کلمہ ہیں جو اللہ نے مریم کی طرف بھیجا اور اللہ کی طرف سے (آنے والی) ایک روح ہیں اور جنت حق ہے اور جہنم بھی حق ہے، یعنی واقعی موجود ہے، اللہ تعالیٰ اس شخص کو جنت میں داخل کر دے گا خواہ اس کے عمل کیسے (معمولی) ہی کیوں نہ ہوں۔“^②

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب ایک آدمی اپنی لونڈی کی اچھی تربیت کرے، اسے اچھی تعلیم دے، پھر اسے آزاد کرے اس سے نکاح کر لے تو اس کو دو ثواب ملتے ہیں اور جب ایک آدمی عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام پر ایمان لائے، پھر مجھ پر بھی ایمان لائے، اسے بھی دو ثواب ملتے ہیں اور ایک غلام جب اپنے رب سے ڈرتا رہے (گناہوں سے بچتا رہے) اور اپنے آقا کی اطاعت کرتا رہے تو اسے بھی دو ثواب ملتے ہیں (یعنی دگنا

① صحیح البخاری: بدء الخلق، باب صفة إبليس و جنوده، حديث: 3286 و صحيح مسلم: الفضائل، باب فضائل عيسى ﷺ، حديث: 2366

② صحیح البخاری: أحادیث الأنبياء، باب قوله تعالى: ﴿بِأَهْلِ الْكِتَابِ﴾، حديث: 3435 و صحيح مسلم: الإيمان، باب الدليل على أن من مات على التوحيد دخل الجنة قطعاً، حديث: 28

ہو جائیں گے اور مسلمان آپ کی نماز جنازہ ادا کر کے آپ کو دفن کریں گے۔^①

حضرت عیسیٰ علیہ السلام دمشق میں سفید کنار پر نازل ہوں گے جبکہ لجر کی نماز کی اقامت ہو چکی ہوگی۔ مسلمانوں کا امام آپ سے عرض کرے گا: ”یا روح اللہ! آگے بڑھ کر نماز پڑھائیے۔“ آپ فرمائیں گے: ”میں، اللہ تعالیٰ نے اس امت کو یہ شرف بخشا ہے کہ یہ ایک دوسرے کے امیر ہیں۔“

ایک روایت میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام مسجد سے فرمائیں گے: ”نماز کی اقامت آپ کے لیے کی گئی ہے۔“ چنانچہ آپ اس کی اقتدا میں نماز ادا فرمائیں گے، پھر سوار ہو کر مسلمانوں کے ساتھ مسجد حجاب کا تعاقب فرمائیں گے حتیٰ کہ لُذ شہر کے دروازے پر اسے جا پکڑیں گے اور اسے خوابے دست مبارک سے قتل کریں گے۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کے درمیان چھ سو سال کی مدت ہے۔“^②

عیسائیوں میں عقیدہ تثلیث کب رائج ہوا؟

مسح علیہ السلام کے آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد عیسائیوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ کچھ لوگ کہنے لگے: ”اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہمارے اندر موجود تھا جو آسمان پر تشریف لے گیا۔“ کچھ نے کہا: ”وہ تو خود اللہ تھا، جو انسانی شکل میں ظاہر ہوا تھا۔“ کچھ کہنے لگے: ”وہ اللہ کا بیٹا تھا۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَائِدًا لِّلَّذِينَ آمَنُوا عَلَىٰ عَدُوِّهِمْ فَاصْبِرُوا لَظُهُورَ﴾

”ہم نے مومنوں کی، ان کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد کی، پس وہ غالب آ گئے۔“ (الصافات: 14/61)

مسح علیہ السلام سے تین سو سال بعد ایک بڑی مصیبت پیش آئی کہ عیسائی علماء میں سخت اختلافات پیدا ہو گئے۔ ان کا فیصلہ کرانے کے لیے وہ لوگ رومی بادشاہ قسطنطین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے ان لوگوں کا قول پسند کیا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے اور تثلیث کے قائل تھے۔ یہ فرقہ ملکہ کہا گیا (جسے آج کل رومن کہتے ہیں)۔

پادری عبد اللہ بن اریوس اور اس کے ساتھی جو توحید کے قائل تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بندہ مانتے تھے، بادشاہ نے ان پر سختی کی، چنانچہ وہ لوگ جنگوں اور وادریوں میں بکھر گئے اور زہر و قلعہ کی زندگی اختیار کر لی۔ یوں وہ لوگ کم

① مسند احمد: 406/2

② [لذ] قسطنطین کا شہر ہے، جو آج کل بیروت کے قصبے میں ہے۔ یہاں ایک ہوائی اڈا بھی موجود ہے۔

③ صحیح البخاری: مناقب الأنصار، باب إسلام سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ، حدیث: 3948

توحید اسے بھی پہچان کر اس سے بچ سکیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے ایک شخص کو چوری کرتے دیکھا۔ آپ نے فرمایا: ”تو نے چوری کی ہے۔“ اس نے کہا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے چوری نہیں کی۔“ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ”میں اللہ پر ایمان لاتا ہوں اور اپنی آنکھ کو جھونٹی کہتا ہوں۔“^①

اس سے آپ کا سلیم الفطرت ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ جب اس شخص نے قسم کھالی تو آپ نے یقین کیا کہ اللہ کی عظمت کا ذکر کر کے کوئی شخص جھوٹی قسم نہیں کھسکتا اور آنکھوں دیکھی چیز پر اس قسم تو بیج دیتے ہوئے اس کا عذر قبول فرمایا۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو منبر پر (خطبہ کے دوران میں) یہ فرماتے سنا: میں نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سنا: ”جس طرح عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں غلو کر کے ان کو کودے بڑھا دیا تھا، تم میرے بارے میں اس طرح غلو نہ کرنا۔ میں تو صرف ایک بندہ ہوں، تم یہی کہو: اللہ کا بندہ اور اس کا رسول۔“^②

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”تمام انبیائے کرام علیہم السلام ایک باپ کی اولاد ہیں، ان کی مائیں الگ الگ ہیں اور ان سب کا دین ایک ہے (جس طرح سوتیلے بھائیوں کا باپ ایک ہوتا ہے، مائیں الگ الگ ہوتی ہیں، اسی طرح تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا دین ایک ہے جو توحید، رسالت، قیامت وغیرہ پر ایمان اور حج، دیانت، داری، پاک دامن، اخلاق حسنة وغیرہ پر مشتمل ہے، البتہ شریعتیں الگ الگ ہیں۔) حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے میرا تعلق سب سے زیادہ ہے کیونکہ میرے اور آپ کے درمیان کوئی نبی نہیں، وہ نازل ہوں گے۔ تم انہیں دیکھ کے پہچان لینا۔ آپ درمیان قیامت اور سرخ و سفید رنگت رکھتے ہیں۔ بال سیدھے ہیں۔ ان کا سر یوں معلوم ہوتا ہے جیسے بالوں سے بانی کے قطرے نکلتے ہوں، اگرچہ بالوں کو پانی نہ لگا ہو۔ آپ کے پاس دو چھریاں ہوں گی۔ آپ صلیب توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ ختم کریں گے۔ تمام مذاہب کو کاغذم فرار دے دیں گے، چنانچہ آپ کے دور میں صرف اسلام باقی رہ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے زمانے میں مسیح حجاب کو تاجا فرمائے گا۔ زمین پر امن و امان کا دور دورہ ہوگا حتیٰ کہ اونٹ اور شیر اکٹھے چریں گے، چیتے اور گائیں، بھیڑیں اور بھیڑیں اکٹھے رہیں گے۔ نئے سانپوں سے کھیلیں گے اور ایک دوسرے کو نقصان نہیں پہنچائیں گے (نئے سانپوں کو ماریں گے، نہ سانپ بچوں کو ڈسے گا) سو آپ چالیس سال زندہ رہیں گے، پھر فوت

① صحیح البخاری: أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى ﴿وَوَافِرُ فِي الْكِتَابِ مَرِيمَ﴾، حدیث: 3444 و صحیح مسلم، الفضائل، باب فضائل عیسیٰ علیہ السلام، حدیث: 2368

② صحیح البخاری: أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى ﴿وَوَافِرُ فِي الْكِتَابِ مَرِيمَ﴾، حدیث: 3445 و مسند أحمد: 47/1

نتائج و فوائد عن نبی رحمتہ ﷺ

نیک اولاد کے حصول کی دعا کرتا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصے سے ہمیں نیک اولاد کے حصول کے لیے دعا و التجا کرنے کا طریقہ اور ترفیہ ملتی ہے۔ اولاد کی محبت فطری ہے۔ اسلام نے ہمارے لیے حضرت زکریا علیہ السلام کا اسوۂ حسنہ پیش کیا ہے۔ حضرت زکریا، حضرت مریم علیہما السلام کی تربیت و پرورش کے دوران میں ان کے پاس بے موسم بچل دیکھتے ہیں تو ان کی فطری محبت جاگ جاتی ہے، حالانکہ آپ کی عمر کے خوبصورت ادوار بیت چکے تھے اور آپ کی زوجہ محترمہ بھی بونہی ہو چکی تھیں۔ اس وقت آپ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض کی:

﴿رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً﴾

”اے میرے پروردگار! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما۔“ (آل عمران: 38/3)

آپ کی اس دعا سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ دعا و التجا ہمیشہ رب العالمین سے کرنی چاہیے۔ ہمیشہ نیک و صالح اولاد کی دعا مانگیں چاہیے، تاکہ یہ اولاد زندگی میں دل کا سرور اور آنکھوں کی ٹھنڈک بنے، نیز وفات کے بعد درجات کی بلندی کا باعث بنے۔ ارشاد رحمت و دعا عالم ہے:

”جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے اعمال تین طرح سے جاری رہتے ہیں: صدقہ جاریہ سے، نفع بخش عمل سے اور ایسے نیک بیٹے سے جو اس کے لیے دعا گو رہے۔“^①

حضرت زکریا علیہ السلام کے اسوۂ مبارک سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ دعا کی قبولیت پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانا چاہیے اور زیادہ سے زیادہ تسبیح و تہجد اور تکبیر و تحمیل کرنی چاہئیں۔ نیک اولاد کے حصول پر اللہ تعالیٰ کے شکر کے ساتھ ساتھ، اولاد کی بہتر تربیت پر بھی بھرپور توجہ دینی چاہیے۔

﴿تَقْوَىٰ كَافٍ﴾ کے فوائد و اثرات: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے درمیان رزق کی تقسیم کا راز اپنے پاس رکھا ہے، لہذا جسے چاہتا ہے وافر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے تنگی میں مبتلا کرتا ہے، البتہ مومنوں کو تلاش رزق کے لیے محنت اور کوشش کرنے کا حکم دیا ہے:

﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ﴾

”پھر جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔“ (الجمعة: 10/62)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ رزق کے حصول کے لیے تقویٰ بنیادی اور اہم سبب ہے۔ حضرت

ہوتے ہوئے تپید ہو گئے۔ (جو چند افراد باقی رہے، وہ نبی ﷺ کی بعثت پر اسلام میں داخل ہو گئے۔)

بادشاہ قسطنطین ① نے مسیح علیہ السلام کے مقام پیدا نش پر بیت لحم ② کا شہر آباد کیا۔ اس کی ماں ہیلا نہ نے کینہہ قنماہ (یا کینہہ قیامہ) اس شخص کی قبر پر تعمیر کرایا، جسے مسیح علیہ السلام قرار دے کر صلیب دیا گیا تھا۔ اس کے بعد عیسائیوں نے گر جانوں میں تصویریں بنانا شروع کر دیں جب کہ پہلے مجسمے یا تصویریں بنانے کا رواج نہیں تھا۔



① قسطنطین اعظم (324ء-337ء، 274ء) پہلا رومی حکمران تھا جس نے عیسائیت قبول کی۔ 324ء میں اس نے عیسائیت کو رومی سلطنت کا سرکاری مذہب قرار دیا۔ 330ء میں اس نے روم (مُلّی) کی بجائے ”بیزنطیم“ کو دار الحکومت بنایا اور اس کا نام کانستینینوپولس (قسطنطنیہ) رکھا۔ یونانی کلیسا اسے ولی (Saint) کا درجہ دیتا ہے۔ (آکسفورڈ انکس ریلیزس و شٹری)

② بیت لحم بیت المقدس سے 8 کلومیٹر جنوب میں ہے۔ اس کی آبادی 14 ہزار (تخمینہ 1980ء) ہے۔ اس کا ذکر 1400 ق م کے مصری ریکارڈ میں بھی ملتا ہے۔ 330ء میں قسطنطین نے یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مہینہ جائے پیدا نش پر ایک گر جائے تعمیر کرایا۔ (آکسفورڈ انکس ریلیزس و شٹری)

ملتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعوت حق کے دوران میں قوم کو آخر الزماں غیر کی بشارت دے دی تھی۔ اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت محمد ﷺ کے عظیم مہشر بنے جبکہ جدا انبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے دعا کرنے والے ہیں۔

قرآن مجید نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

﴿وَلَقَدْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِنَتِّبِي إِسْرَءِيلَ إِنَّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَمُبَشِّرًا بِرُسُولِي يُأْتِي مِنَ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ ۝﴾

”اور جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا: اے (میری قوم) بنی اسرائیل! تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں مجھ سے پہلے کی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں اور اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی تمہیں خوشخبری سنائے والا ہوں جن کا نام احمد ہے۔“ (الصافات: 6/61)

انجیل یوحنا میں یہ بشارت ان الفاظ میں مذکور ہے: ”لیکن میں تم سے بچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا۔“ (باب 16، فقرہ 7)

چنانچہ رحمت دو عالم ﷺ فرماتے ہیں: ”میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کا مصداق ہوں۔“

﴿مجوزات اربعہ: اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کے کرام کی صداقت و امانت کو منوانے اور ان کی برتری کو نمایاں کرنے کے لیے حالات کے مطابق انہیں مجازات سے نوازتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادو گروں کا زور تھا تو آپ کو ایسا معجزہ دیا گیا جس کے سامنے تمام جادوگر عاجز آ گئے اور بالآخر ایمان لے آئے۔ نبی آخر الزماں کے اسی فصاحت و بلاغت کے ماہر تھے تو آپ کو فصیح و بلیغ قرآن عطا فرمایا گیا جس سے تمام فصحاء، بلاء، ادباء اور شعراء عاجز آ گئے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں علم طب عروج پر تھا، لہذا آپ کو مجازات دیے گئے اور ان سے تمام ماہرین طب لایا جواب ہو گئے اور آپ کی صداقت اور بالادستی ثابت ہو گئی۔ آپ کو عطا ہونے والے معجزات کا تذکرہ یوں کیا گیا ہے:

﴿وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَاتٍ مِنْ رَبِّكُمْ ۚ وَآتَىٰ أَسْحَابُ نَحْلٍ مِنْ الطَّيْرِ لِكَيْ يَكْفُرَ الْكَافِرُ ۚ وَآتَىٰ الْكَلْبَةَ وَالزَّبَابَ وَأَنجَىٰ النَّوْصَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَآتَىٰكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَكْفُرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّكُمْ إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝﴾

”اور وہ نبی اسرائیل کی طرف رسول ہوگا کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانی لایا ہوں۔ میں تمہارے لیے مٹی سے پرندے کی سی شکل بناتا ہوں پھر اس میں چھوٹ مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے میں ماور زاداوندے کو اور کوڑھی کو اچھا کر دیتا ہوں اور مردے کو زندہ کر دیتا ہوں اور

مریم علیہا السلام محراب میں مشغول عبادت رہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اور ذرا نہیں وافر نصیب ہوتا ہے، لہذا انہیں گرمیوں کے پھل سردیوں میں اور سردیوں کے پھل گرمیوں میں بھی نصیب ہوتے ہیں۔ یہ بے موسم رزق عطا ہوتا، تقویٰ کے سبب تھا۔ تقویٰ کے فوائد و ثمرات میں سے وافر رزق عطا ہونا، تنگی کے بعد فراخی مانا اور دنیا و آخرت کی سعادت و سرفرازی بھی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۝﴾

”جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے چھکارے کی شکل نکال دیتا ہے۔“ (الطلاق: 2/65)

نیز فرمایا:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا ۝﴾

”اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے (ہر) کام میں آسانی کر دے گا۔“ (الطلاق: 4/65)

تیسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۝﴾

”اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے گناہ و منادے کو اور اسے بڑا ہماری اجر دے گا۔“ (الطلاق: 4/65)

﴿اللہ کے دین کی نصرت و حمایت: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصے سے دیر بھی ملتا ہے کہ جب کبھی اللہ کے دین اور اہل دین پر مشکل وقت آ جاتے تو اہل ایمان کو مدد و تائید کے لیے پکارا جا سکتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دشمنوں سے خطرہ محسوس ہوا تو آپ نے اہل ایمان کو مدد و تعاون کے لیے بلاتے ہوئے کہا:

﴿مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ ۝﴾

”اللہ تعالیٰ کی راہ میں میری مدد کرنے والوں کو ہے؟“ (آل عمران: 52/3)

اہل ایمان آپ کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے حاضر ہوئے اور کہنے لگے:

﴿نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ ۝ أَمَّا بَالَهُ ۝ وَالْمُهْجَنُ بِهَاكَ مُسْلِمُونَ ۝﴾

”ہم اللہ تعالیٰ کی راہ کے مددگار ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور آپ کو گواہ رہے کہ ہم اطاعت گزار ہیں۔“

(آل عمران: 52/3)

مسلمانوں کی مدد، ان کی حمایت اور مشکل وقت میں ان کا ساتھ دینے کا حکم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۝﴾

”نیکی اور برہنہ کاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو۔“ (الحائدة: 2/5)

﴿نبی آخر الزماں کے متعلق بشارت: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصے سے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی خوشخبری

﴿إِذْ قَالَ اللَّهُ لِيُحْيِي إِلَى مَوْتِيكَ وَرَافَعَكَ إِلَى مَوْتِكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾

”جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے عیسیٰ! میں تجھے پورا لینے والا ہوں اور تجھے اپنی جانب اٹھانے والا ہوں اور تجھے کافروں سے پاک کرنے والا ہوں۔“ (آل عمران: 55/3)

مفسرین کرام کے مطابق اس آیت میں الفاظ کی تقدیم و تاخیر سے یعنی ﴿رَافَعَكَ إِلَى﴾ ”میں تجھے اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔“ کے معنی مستفہم ہیں اور ﴿مَوْتِيكَ﴾ ”تجھے فوت کرنے والا ہوں۔“ کے معنی متاخر ہیں، یعنی پہلے آپ کو آسمانوں پر اٹھایا جائیگا، پھر آپ قیامت کے قریب تشریف لائیں گے اور اپنی طبی عمر پوری کر کے فوت ہوں گے۔ یہود کے ہاتھوں آپ شہید نہیں ہوں گے۔

✽ عیسائیوں کے باطل عقائد کا رد: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت تامہ سے کلمہ ”کن“ کہہ کر پیدا فرمایا۔ آپ کی اس عجزانہ ولادت کی وجہ سے عیسائیوں میں مختلف باطل عقائد و نظریات رواج پا گئے ہیں۔ کچھ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بذات خود الہ قرار دے دیا تو کچھ نے آپ کی والدہ ماجدہ کو ملامتیں مجھو دوں کا عقیدہ اپنا لیا جسے وہ اقاہیم ثلاثہ کہتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصے سے ان باطل عقائد کا رد ہوتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے قائلین کو درج ذیل جواب دیا گیا:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُنْزِلَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأَنَّهُ وَفِي الْآرْضِ حَبِيبًا ۚ وَيَلْعَلُ مَلَكُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾

”یقیناً وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے۔ آپ ان سے کہہ دیجیے کہ اگر اللہ تعالیٰ سک ابن مریم اور اس کی والدہ اور دوئے زمین کے سب لوگوں کو ہلاک کر دیتا چاہے تو کن ہے جو اللہ تعالیٰ پر کچھ اختیار رکھتا ہو؟ آسمان و زمین اور دونوں کے درمیان ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔“ (المائدہ: 17/5)

عقیدہ مسیحیت یا اقاہیم ثلاثہ کے قائلین کا رد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَلَاثُ ثَلَاثٍ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا إِلَهُ وَاحِدٌ وَإِنَّ لَّهُ يَتَّبِعُهُمَا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾

”وہ لوگ بھی قطعاً کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین تین کا تیسرا ہے۔ دراصل اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اگر یہ لوگ اپنے اس قول سے باز نہ رہے تو ان میں سے جو کفر پر رہیں گے انہیں السناک عذاب ضرور پہنچے گا۔“

(المائدہ: 73/5)

جو کچھ تم کھاؤ اور جو اپنے گھروں میں ذخیرہ کرو میں تمہیں بتا دیتا ہوں۔ اس میں تمہارے لیے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان دار ہو۔“ (آل عمران: 49/3)

✽ یہودی کی بداعمالیاں اور سازشیں: یہود ایک ایسی بدکردار قوم ہے جس کی تاریخ حق کی مخالفت، اہل حق کو تکالیف پہنچانے اور انہیں قتل کرنے سے ہمراہی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصے میں ان کی بداعمالیاں اور سازشیں مزید گھر کر سامنے آتی ہیں اور تاریخ کا سیاہ باب بن جاتی ہیں۔ یہ لوگ پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کچا جانے کے باوجود امتیں دیتے رہے اور مریض جسمانی عیوب ان کی طرف منسوب کر کے انہیں تکالیف پہنچاتے رہے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بھی بدترین مخالف ہو گئے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت حق اور آپ کے معجزات کا کوئی جواب ان کے پاس نہ تھا۔ انہوں نے اپنی جھوٹی دنیا دار جبرہ داری کو برقرار رکھنے کے لیے آپ کی دشمنی اور عداوت کی روش اختیار کی۔ حاکم وقت کے کان آپ کے خلاف بھڑے تاکہ آپ کو سولی دینے پر راضی ہو گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو بحفاظت آسمانوں پر اٹھایا اور یہ مکار لوگ آپ کے ایک ہم شکل کوسولی دے کر خوشیاں مناتے رہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی مدد و تائید فرما کر اپنی سنت کا اتمام کیا کہ وہ ہمیشہ اپنے ماننے والوں کے ساتھ ہے۔

✽ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے یہ درس ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہر چیز پر قادر ہے۔ اسے کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانے کے لیے ظاہری اسباب کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ جب وہ کسی چیز کو وجود میں لانے کا ارادہ فرماتا ہے تو کہتا ہے: ﴿كُنْ﴾ ”ہو جا“ ﴿فَيَكُونُ﴾ ”وہ اسی وقت ہو جاتی ہے۔“ (نہی: 83/36)

اس ذات باری تعالیٰ نے جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر والدین کے اور حضرت حوا علیہا السلام کو بغیر ماں کے پیدا فرمایا، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو باری تعالیٰ نے بغیر باپ کے پیدا فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَنْ نَمْلِكَ عِيشِي عَنَّا اللَّهُ كَمَلَّ أَهْلُ الْأَرْضِ مِنَ مُطَاوَعَةٍ أَسْخَاةٍ أَسْخَاةٍ أَتَيْنَا هَذَا وَلَئِنْ كُنَّا إِلَّا لَنَقُولَنَّ لَوْ يَنْزِلُ عَلَيْنَا آيَاتٌ مِنْ رَبِّكَ وَنَقُولَنَّ عَمَّا تَشَاءُ لَبُذْءٌ لَكَ مِنْ أَجْلِ عَصَاكَ﴾

”اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال ہو یہود و تم کی مثال ہے جسے مٹی سے پیدا کر کے کہہ دیا کہ ہو جا! ہمیں وہ ہو گیا۔“

(آل عمران: 59/3) اس طرح آپ کی پیدائش اہل ایمان کے لیے عظیم الشان نشانی ہے۔

✽ نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت تشریف لائیں گے اور زمین پر دین اسلام کا بول بالا کریں گے، صلیب توڑ دیں گے اور جزیہ قبول نہیں کریں گے بلکہ کفار سے جہاد کریں گے۔ اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو ٹھیک بصورت دیگر انہیں تیغ کروں گے لہذا ارشادات نبویہ علیہ السلام سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے ہاتھوں بیشتر یہود نصاریٰ قتل ہو گئے۔ آپ کے جہاد و تبلیغ سے زمین پر وسیع و عریض فساد کے بعد امن و امان قائم ہو جائے گا۔ آپ اپنی طبی عمر پوری فرمائیں گے اور اس کے بعد قیامت برپا ہو جائے گی۔ آپ کے نزول کا اشارہ اللہ تعالیٰ نے اس فرمان مبارک میں ہے:

قصۃ الانبیاء

خالق کائنات نے جب بنی آدم کو روئے زمین پر بسایا تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بنی نوع انسان میں خالص توحید کی جگہ شرک، بت پرستی اور دیگر اخلاقی خرابیاں درآمد کیں۔ انسانیت کو اس کی اصلی راہ پر لانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آسمانی ہدایت ارسال کرنے کا سلسلہ شروع کیا اور پورے درجے انبیاء و رسل مبعوث فرمائے۔ یہ نفوس قدسیہ تمام ظاہری اور باطنی خوبیوں کے پیکر تھے ایک طرف یہ گروہ انبیاء اگر حسن و جمال میں یکتائے روزگار تھا تو دوسری طرف حسن اخلاق، بے مثال سیرت و کردار اور اعلیٰ درجہ کی شجاعت، ہمت اور استقامت سے بھی آراستہ تھا۔

انہوں نے رشد و ہدایت کی راہیں روشن کیں، توحید الہی کا پرچار کیا اور بھٹکے ہوئے انسانوں کو راہ راست پر لانے کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ اس مقدس فرض کی ادائیگی کی راہ میں انہیں بے شمار مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ان پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے گئے۔ کسی نبی کو جلتی ہوئی آگ میں پھینکا گیا، کسی کا سر قلم کیا گیا اور کسی کو آرے سے چیر دیا گیا۔ لیکن انبیاء علیہ السلام کو اپنی وجہت کی صداقت کا اس قدر یقین اور اپنے رب پر اس قدر پختہ بھروسہ تھا کہ وہ مسکراتے ہوئے ان تمام مصائب کو برداشت کر گئے، مگر ان کے پائے ثبات میں ادنیٰ سی لغزش بھی نہیں آئی۔

قصۃ الانبیاء انہی مثالی انسانوں کا ذکر تمیل اور ان کی پاکیزہ سیرتوں کا گل دستہ ہے جسے دارالاسلام نے اپنے روایتی انداز میں حسن طباعت اور حسن معانی کی خوبیوں سے آراستہ کر کے تشکالان علم کی سیرابی کے لیے پیش کیا ہے۔

آپ اس کتاب کو پڑھتے ہوئے بہت سی جدید معلومات اپنے قلب و ذہن میں محفوظ کر لیں گے۔



دارالسلام

کتاب و سنت کی روشنی میں

کتاب و سنت کی روشنی میں